یا اللہ جل جلالہ　　　　یا رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ آلہٖ وَ سلَّم

علمِ تصوف و طریقت پر مشتمل کتاب مستطاب

مفتاح السلوک

گنجینۂ ادبیات، آداب المریدین گواہرات

جلد سوم

از رشحات فیض قلم
قدوۃ العارفین العالم النبیل فقید المثیل الشیخ الاستاذ المفتی
سید احمد علی شاہ حنفی ترمذی سیفی دامت برکاتہم القدسیہ

ناشر
جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ فقیر کالونی اورنگی ٹاؤن نمبر ۱۰ کراچی غربی

نام کتاب: مفتاح السلوک

تصنیف و تالیف: پیر طریقت رہبر شریعت آفتاب ہدایت حضرت علامہ سید احمد علی شاہ سیفی نقشبندی دامت برکاتہم القدسیہ

طباعت اول: اپریل ۲۰۱۵ء بمطابق جمادی الثانی ۱۴۳۶ھ

طباعت ثانی:

ناشر: جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی، فقیر کالونی، اورنگی ٹاؤن، کراچی

فہرست

صفحہ نمبر

باب یاز دہم (11)

طریقہ نقشبندیہ کی فضیلت اور شان

یہ طریقہ عالیہ نقشبندیہ حضرت نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم کے خلیفہ اول سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جاری ہے جن کا ایمان تمام امت کے ایمان سے بھاری اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تمام نیکیوں سے ان کی ایک نیکی جناب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم نے بہتر فرمائی۔ غرضیکہ امت میں بالاتفاق بعد انبیائے کرام علیہم السلام کے آپ کا مرتبہ ہے کہ جمعہ کے روز ہر ملک میں ہر خطیب منبر پر یہ پڑھتا ہے **خیر البشر بعد الانبیاء بالتحقیق حضرت ابا بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔** اور حدیث مبارک میں ہے: **"ما صب اللہ شیئاً فی صدری الا صببتہ فی صدر ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ"**، یعنی جو کچھ (انوار و تجلیات و فیوضات و برکات) میرے سینے (مبارکہ) میں اللہ تعالیٰ نے انڈیلے ہیں وہ میں نے حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینۂ (مبارکہ) میں انڈیل دیئے ہیں (توجہ اور انعکاس سے)۔ جس طرح ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے افضل ہیں، اسی طرح ان سے منسوب سلسلہ عالیہ صدیقیہ نقشبندیہ بھی دیگر سلاسل سے افضل ہے۔

کما حققہ سیدنا الامام الربانی رضی اللہ عنہ۔

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ جو صدیوں سے درسی کتب میں پڑھا اور پڑھایا جارہا ہے اور کتاب و سنت کے دلائلِ حقہ اور اجماعِ امت کے ساتھ مبرہن انداز میں بیان کیا جاتا ہے وہ یہی ہے:

افضل البشر بعد الأنبیاء ابو بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثم عمر الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثم عثمان ذو النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثم علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ تمام امتوں سے یہ حضرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم افضل ہیں۔ اور ان میں باہمی تفاضل کی صورت یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اول درجہ میں ہیں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوسرے درجہ میں ہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیسرے درجہ میں ہیں اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چوتھے درجہ میں ہیں۔ اس عقیدے کو اپنانے والے حضرات صدیقین بھی ہیں اور شہداء و صالحین بھی جو اس عقیدے پر قائم رہیں اور اس کا پرچار بھی کرتے رہیں۔ اور ہم نمازوں میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں اپنے انعام یافتہ سعادت مند حضرات کی راہ پر چلا۔ اور ان سعادت مندوں میں یہ تینوں جماعتیں بھی شامل ہیں تو پھر ہمیں ان کی راہِ ہدایت پر گامزن ہونے اور ثابت قدم رہنے کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہیں ہونا چاہیئے۔ اور یہ تسلیم کرنا لازمی اور ضروری ہے کہ فلاح و نجات کا راستہ وہی ہے اور برحق مذہب و مسلک وہی ہے جو ان حضرات نے اپنایا کیونکہ ایسی مقدس ہستیاں ارشادات خداوندی اور فرمودات مصطفویہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے قطعًا گریز، فرار، احتراز اور انحراف نہیں کر سکتیں۔

امام غزالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

حقیقۃ الفضیلۃ ما ھو عنداللہ و ذلک مما لا یطع علیہ الا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم و قد رود فی الثناء علیھم الاخبار کثیر و لا یدرک دقائق الفضل و الترتیب فیہ الا المشاھدون للوحی و التنزیل بقرائن الاحوال فلو لا فھم ذلک لما رتبوا الامر کذلک اذا کان لاتاخذھم فی اللہ لومۃ لائم و لا یصرفھم عن الحق صارف۔[1]

---

[1] (شرح مقاصد، ج ۲، ص ۳۰۲)

زیر بحث افضلیت و مقام سے مراد ان افراد کا مرتبہ و مقام، قربت و مکانت ہے اور اس پر صرف اور صرف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہی مطلع ہوسکتے ہیں اور ان کی مدح و ثناء اور تعریف و توصیف میں بہت سی احادیث اور روایات وارد ہیں اور فضل و شرف کے دقائق اور اس میں ترتیب کا ادراک اور قطعی علم قرائنِ احوال کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف انہی حضرات کو ہو سکتا تھا جو وحی اور تنزیل کا مشاہدہ کرنے والے تھے۔ اگر ان حضرات کو قرائن احوال اور شواہد حقیقت سے اس شرف اور فضل کا علم و ادراک اور فہم نہ ہوتا تو وہ اس ترتیب سے یہ شرف اور فضل قطعًا بیان نہ کرتے کیونکہ ان حضرات کو اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی والے امور سے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اپنی گرفت میں نہیں لے سکتی اور حق و صواب اور صدق و راستی والی راہ سے دنیا کی کوئی طاقت انہیں برگشتہ نہیں کر سکتی تھی۔[2]

حضرت مفتی اہل سنت مفتی محمد عبد اللہ نعیمی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے فتاویٰ مجددیہ نعیمیہ کے ص ۳۵۹، ج ا پر سلسلۂ نقشبندیہ کی فضیلت کے بارے میں استفتاء کے جواب میں فرماتے ہیں کہ: ”سلسلہ قادریہ کی ابتداء سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے ہے اور سلسلہ نقشبندیہ کی ابتداء حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ہے۔ سلسلہ نقشبندیہ افضل ہے اس لئے کہ اس میں اتباع شریعت کی بہت تاکید ہے اور قادریہ سلسلہ کی انتہا نقشبندیہ کی ابتدا ہے۔ سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی افضلیت اپنے ہم عصر اولیاء کرام رحمہم اللہ پر ہے، نہ کہ کل پر“۔ اسی طرح تحقیق سیدنا امام ربانی رضی اللہ عنہ نے مکتوبات شریفہ میں اور علامہ عبد النبی شامی رحمۃ اللہ علیہ نے **مجموعۃ الاسرار** میں بھی فرمایا ہے۔

---

[2] (شرح مقاصد، ج ۲، ص ۳۰۲)

التزامِ سنت و اجتنابِ بدعت

افضلیتِ نقشبندیہ کی ایک وجہ التزامِ سنت النبوی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم اور اجتنابِ بدعت ہے۔ اس سلسلہ عالیہ کے بزرگ حتی الامکان رخصت سے اجتناب کرتے ہیں اور عزیمت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ ان بزرگوں نے احوال و مواجید کو احکام شرعیہ کے تابع کیا ہے اور اذواق و معارف کو شرع شریف کا خادم تصور کیا ہے۔ اگر سنت کی تابعداری کی دولت انہیں حاصل ہو اور احوال و کشف وغیرہا کچھ حاصل نہ ہو تو خوش ہوتے ہیں۔ اور اگر باوجود احوال (باطنی کیفیات) کے متابعت (شریعت) میں قصور و کمی معلوم ہو تو انہیں احوال پسند نہیں۔ حضرت خواجہ سیدنا عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر تمام مواجید و احوال ہمیں دے دیں اور ہماری حقیقت کو اہل سنت والجماعت کے اعتقاد سے نہ نوازیں تو سوائے خرابی کے کچھ نہیں جانتے اور اگر اعتقاد اہل سنت والجماعت ہمیں دے دیں اور احوال و کرامات وغیرہ کچھ نہ دیں تو پھر بھی کچھ غم نہیں۔[3]

اور بدعتِ حسنہ (جب وجوب کے درجہ میں نہ ہو اور شعارِ اہلسنت بھی نہ ہو) سے بھی پرہیز کرتے ہیں۔ اور خصوصاً جب کہ وہ رافع سنت بھی ہو کیونکہ اس میں نور نہیں پاتے اور ۱۰۰۰ھ کے بعد بدعتِ حسنہ کی گنجائش بھی کم رہ گئی ہے کیونکہ یہ دور پُر فتن ہے اور اہل سنت کے خلاف بعض فتنے بھی بدعت حسنہ کے نام پر اٹھیں گے تو اسلئے بھی گریز کرتے ہیں۔ ریاضت شاقہ (جس میں شہرت و

[3] (مکتوبات شریف ج ا)

آفت زیادہ ہوتی ہے) جو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اختیار نہیں کئے تھے، کی بجائے التزامِ سنت (خواہ موکّدہ ہو یا زائدہ) کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لیتے ہیں۔[4]

ابتداء کا انتہاء میں مندرج ہونا

اس سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی ابتدا میں دیگر سلاسل کی انتہاء (یعنی صورتِ انتہاء) مندرج ہے۔ چونکہ یہ سلسلہ بعینہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرز پر ہے اور جس طرح صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ایک صحبتِ نبوی صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم میں جو کمالات حاصل ہوتے تھے وہ اولیاء امت کو انتہاء میں بھی شاید بہت کم میسر ہوں۔ اسی طرح اس سلسلۂ عالیہ کے حضرات ابتدا میں ہی وہ کچھ پا لیتے ہیں جو دیگر سلاسل کے حضرات کو انتہا میں حاصل ہوتا ہے۔

"فهي طريق اندراج النهاية في البداية بطريق الانعكاس والتوجه والمحبة كما حققه الامام الرباني مراراً"۔

بشرطیکہ پیر کامل مکمل حقیقی نقشبندی ہو کیونکہ موصل (پہنچانے والا) پیر ہے۔ نہ کہ صرف سلسلہ، تو امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیان کردہ اصول پر عمل پیرا ہونا لازمی ہے۔

اقرب و ایسر: یہ سلسلہ عالیہ صدیقیہ نقشبندیہ تمام سلاسل کی نسبت اقرب یعنی وصول الی اللہ میں سب سے زیادہ قریب ہے کیونکہ نقشبندی اکابر کی ایک توجہ سو چلوں کا کام دیتی ہے اور سالک بہت جلد واصل الی اللہ ہو جاتا ہے۔ اور عمل کرنے اور اس کی شرائط پوری کرنے میں سب سے زیادہ آسان بھی ہے۔

---

[4] (كما صرح به الامام الرباني رضي الله عنه في المكتوبات الشريفه)

کیونکہ اس کی بنیادی شرائط دو ہی ہیں:

(۱) صحبتِ شیخ مع الآداب

(۲) التزامِ سنتِ نبوی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم۔

حضرت خواجہ خواجگان سیدنا محمد بہاء الدین شاہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "ہمارا طریقہ سب طریقوں سے اقرب ہے" کیونکہ اس میں جذب، سلوک پر مقدم ہے اور جذب میں اجتباء (چن لینا اور منتخب کرلینا) ہے **کما قال اللہ سبحانہ "اللہ یجتبی الیہ من یشآ و یھدی الیہ من ینیب"** اور اجتباء معبود و مقصود حقیقی کا فضل ہے۔ **ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء و اللہ ذو الفضل العظیم۔**

اس سلسلۂ عالیہ کی ابتداء ذکر قلبی سے ہوتی ہے بلکہ اس میں ذکر قلبی (خفی) ہی ہوتا ہے۔ اور ذکر قلبی (خفی) ذکر لسانی سے ستّر (۷۰) درجہ زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ کما فی القراٰن والحدیث:

یٰأَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اذْکُرُوْا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا۔ (احزاب: ۴۱)

"اے ایمان والو! یاد کیا کرو اللہ تعالیٰ کو کثرت سے"۔

یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو دن اور رات میں، خشکی اور تری میں، سفر اور حضر میں، غنا اور فقر میں، صحت اور بیماری میں، پوشیدہ اور علانیہ طور پر۔ اور حتیٰ کہ ہر حال میں۔[5]

"وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَہٗ عَنْ ذِکْرِنَا وَاتَّبَعَ ھَوَاہُ وَکَانَ أَمْرُہٗ فُرُطًا"۔ (کھف: ۲۸)

ترجمہ: "اور نہ پیروی کیجئے اس (بدنصیب) کی غافل کر دیا ہے جس کے دل کو اپنی یاد سے ہم نے اور وہ اتباع کرتا ہے اپنی خواہش کی اور اس کا معاملہ حد سے گزر گیا ہے۔"

الذکر الخفی الذی لا یسمعہ الحفظۃ سبعون ضعفا (رواہ الامام السیوطی رحمۃ اللہ علیہ فی الحاوی للفتاویٰ)۔

---

[5] (نور التحقیق: ص: ۱۴۷)

یعنی ذکر خفی جسے محافظ فرشتے بھی نہیں سن سکتے وہ ستّر (۷۰) درجہ فضیلت رکھتا ہے۔ ذکر قلبی (خفی) سے جذبِ الٰہی پیدا ہوتا ہے، جس سے عروج وترقی جلدی سے ہو جاتی ہے۔

علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مراقی الفلاح پر اپنے حاشیہ میں لکھتے ہیں اس میں اختلاف ہے کہ ذکر خفی افضل ہے یا ذکر جہر؟ کیونکہ اس کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔ جیسا کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کا ارشاد پاک ہے:

"خیر الذکر خفی و خیر الرزق ما یکفی"

"بہترین ذکر، ذکر خفی ہی، اور بہترین رزق وہ ہے جو کفایت کرے"۔

نقشبندیہ عجب قافلہ سالارانند — کہ برند از رہ پنہاں بحرم قافلہ راہ

اور ذکر قلبی ریاء سے بھی دور ہے اور حضور دائم بھی ذکر قلبی میں متصور ہے کیونکہ اس میں فتور وانقطاع نہیں ہوتا کما حققہ العلامۃ المظہری رحمہ اللہ تعالیٰ فی تفسیرہ اور اس سلسلہ میں لسانی ذکر داخل کرنا بدعت فی الطریقت ہے۔ (کما فی المظھری و المکتوبات الشریفة) مگر یہ کہ کوئی ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ دیگر سلاسل کی مناسبت سے خفیہ یا جہراً کرے تو ٹھیک ہے جب دیگر سلاسل کا بھی جامع ہو۔ جب ذکر قلبی (خفی) کمال تک پہنچ جاتا ہے، تو وہ ذاکر اس آیت کریمہ کا مصداق بن جاتا ہے کہ:

رِجَالٌ لَا تُلۡهِيهِمۡ تِجَارَةٌ وَلَا بَيۡعٌ عَنۡ ذِكۡرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوۡمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الۡقُلُوبُ وَالۡأَبۡصَارُ (النور ۳۷) کما حققه العلامة الامام محمود الآلوسی البغدادی رحمة اللّٰہ علیه فی تفسیرہ روح المعانی ذیل هذه الآية الكريمة فليراجع۔

اس سلسلہ عالیہ کے بزرگوں کو (فناء و بقاء کے بعد) تجلّی ذاتی دائمی نصیب ہوتی ہے جبکہ دیگر بزرگوں کی تجلّی ذاتی برقی ہوتی ہے یعنی بجلی کی طرح نمودار ہو کر پھر غائب ہو جاتی ہے اور عارضی شے

پر دائمی شے کو فضیلت و فوقیت حاصل ہوتی ہے۔ ”قیاس کن ز گلستان من بہار مرا“ یعنی ”میرے گلستان سے میری بہار کا اندازہ کرلو“۔ اور دیگر سلاسل کے بعض اکابر کو جو تجلی ذاتی دائمی حاصل ہوئی ہے وہ بھی نسبتِ صدیقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بطور اقتباس ہے جس طرح حضرت ابو سعید خزار رحمہ اللہ تعالیٰ کو جبہ مبارکہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصول کی وجہ سے تجلی ذاتی دائمی نصیب ہوئی تھی اور دائمی حضور اور یاداشت کے مقام سے سرفراز ہوئے تھے۔[6]

ایک وجہ فضیلتِ نقشبندیہ یہ ہے کہ یہ نسبت بعینہٖ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریقہ پر صحبت، محبت، آداب، انقیاد، اور اتباع سنت پر مبنی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ اپنے والد بزرگوار خواجہ شیخ عبد الاحد رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان نقل فرماتے ہیں کہ تمام سلاسل (قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ) کا خلاصہ سلسلہ نقشبندیہ ہے، اور ہم بھی اب خود اسی نسبت پر قائم ہیں۔“ (زبدۃالمقامات)

اور مقدمہ مکتوبات شریفہ اردو از قاضی عالم الدین نقشبندی رحمہ اللہ تعالیٰ میں ہے کہ سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نقشبندی مجددی نسبت میں حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کے ایک روحانی فیصلہ سے چاروں سلاسل کا فیض مندرج ہو چکا ہے پس جو اس نسبت سے بہرہ ور ہوتا ہے اور اس کو چلاتا ہے اس کو چاروں سلاسل کا فیض اور چاروں سلاسل کے اکابر کی روحانی خوشحالی مل جاتی ہے۔ مزید یہ کہ اس سلسلۂ عالیہ کی ایک توجہ سو چلوں کا کام دیتی ہے (قالہ الامام الربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) یعنی جو ترقی عروج دیگر حضرات سو چلوں میں شاید حاصل کر سکیں، وہ ترقی و عروج حقیقی نقشبندی حضرات شیخ کامل مکمل کی ایک توجہ شریف سے حاصل کر لیتے

---

[6] (مکتوبات شریف، جلد ۱)

ہیں۔ جس طرح حنفی مذہب دیگر مذاہب سے افضل اور زیادہ اوفق بالکتاب والسنۃ اور ادق واکمل ہے اسی طرح نقشبندی نسبت باقی نسبتوں سے کئی وجوہات کے اعتبار سے اعلیٰ، افضل، ادق، اقرب، ایسر، اکمل، اول، اسبق، اجل، اقدم، اور اشرف ہے۔ (کما حققه الامام الربانی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه فی مکتوباته)

اور اس زمانہ میں حضرت خواجۂ خواجگان، قطب ارشاد، قیوم زماں، مجدد عصر رواں، جامع طرق اربعہ مجمع البحرین علامہ و خواجہ سیف الرحمن نور اللہ مرقدہ، جو متابعت نبوی علی التحیۃ والصلوۃ والثناء کے درجاتِ سبعہ سے متصف ہیں اور کامل و حقیقی وارث النبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم ہیں) نے اپنی اجتہادی اور تجدیدی کاوشوں سے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کو صحیح طرز پر قائم و دائم فرمایا ہے اور فیضِ نقشبندی و مجددی کو اپنی آب و تاب کے ساتھ باکمال طریقہ سے مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں پھیلا دیا ہے۔ اس لئے اس زمانے میں یہ سلسلۂ صدیقیہ نقشبندیہ مجددیہ سیفیہ سے مشہور ہو گیا ہے۔

اور نام سلسلہ نقشبندیہ حضرت خواجہ خواجگان خواجہ بہاؤالدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے جاری ہوا کیونکہ آپ امام طریقہ ہیں۔ اس جگہ صرف طریقہ نقشبندیہ کے اصول اور خوبیاں اور آسانیاں بیان کی جاتی ہیں۔ طریقہ عالیہ سلسلہ قادریہ کے امام قطب ربانی محبوب سبحانی شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور طریقہ چشتیہ کے امام خواجہ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور طریقہ سہروردیہ کے امام شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جب خواجہ بہاؤالدین محمد نقشبند رحمۃ اللہ علیہ علم طریقت میں مرتبہ اجتہاد کو پہنچے اور زمانہ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا آیا اور آپ کے مرشد حضرت سید امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو اجازت طریقہ

عنایت فرمائی آپ کو اللہ تعالیٰ نے روزِ اول سے امت کے لئے آسانی کرنے والا پیدا فرمایا تھا۔ جب آپ نے طریق صوفیاء میں طلبہ حق کو دیکھا اور سنا کہ کسی نے سالہا سال سے سونا ترک کر دیا ہے اور کسی نے شب کو جاگنا اور دن کو روزہ رکھنا اختیار کیا ہے اور کسی نے دو ختم کلام اللہ روز پڑھنا مقرر کیا ہے اور کسی نے پانچ صد رکعتیں روز پڑھنا اپنا معمول کر لیا ہے۔ کسی نے ایک کمبل میں تیس تیس چالیس چالیس برس گزارے ہیں، کسی نے اسی برس تک آسمان کی طرف نہیں دیکھا، کسی نے پیر پھیلانا موقوف کر دیا کوئی بوجہ ضعف پیری یا بیماری کی وجہ سے اذکار طریقہ مبارکہ حضرات صوفیاء رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ادا کرنے میں مجبور و معذور ہے اور وقت اس کا غفلت میں گزرتا ہے اور ارشاد حق جل وعلا فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ (اللہ کا ذکر کرو کھڑے بیٹھے لیٹے) کی تعمیل میں قاصر رہے اور وقت بے کار جاتا ہے۔ تو کل امر مرھون باوقاتھا نے ظہور پکڑا۔ نوشتہ روز اول نے سینہ مبارک حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ میں جوش پیدا کیا اور آپ سر بسجود ہو کر خدا کی جناب میں عرض کرنے لگے الٰہی امت کے قویٰ ضعیف ہو گئے اب ان میں قوت وہمت سختی کھینچنے کی نہ رہی، زمانہ خیر وبرکت نبوت کا ان سے دور ہوتا جاتا ہے۔ اپنے فضل سے مجھ کو ایسا طریق عنایت فرما جو کہ آسان ہو، اور تجھ تک جلد پہنچنے والا ہو۔ پندرہ روز تک آپ سجدہ میں گریہ وزاری کرتے رہے، صرف نماز باجماعت اور حوائج ضروری کو حجرہ سے باہر تشریف لاتے۔ پندرہویں روز دریائے رحمت الٰہی موجزن ہو کر الہام ہوا کہ "اے محمد بہاؤالدین! ہم تجھ کو وہ طریق عنایت فرماتے ہیں کہ جو ہمارے حبیب صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں تھا، یعنی وقوف قلبی اور اتباع سنتِ نبوی صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم آپ نے اللہ عزوجل کا شکر ادا کیا اور سر سجدہ سے اٹھایا اور اس طریق جدید کو رواج دیا۔ بفضلہٖ تعالیٰ اس طریق نے ایسی ترقی کی کہ اب

کروڑوں آدمی اس سلسلہ مبارک میں ہیں اور بوجہ قبولیت مثل آفتاب کی روشنی کے تمام روئے زمین پر پھیل گیا، ملک روم شام کردستان عرب بخارا ترکستان کابل چین ہندوستان سب جگہ خلفاء و طلبہ نقشبندیہ بکثرت ہیں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور زیادہ کرے آپ سے لوگ دریافت کرتے کہ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس سلسلہ جدید کا کیا فائدہ ہے؟ تو حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ طرق سب مبارک اور نور علی نور ہیں اور سب خدا تک پہنچتے ہیں لیکن جو طریق خدائے پاک نے مجھ کو عنایت فرمایا ہے اس میں آسانی بہت ہے اور اس سے بہت جلد خدا تک پہنچتا ہے۔ ذکر قلبی میں جذب ربانی ہے اور ذکر زبانی میں سلوک، اسی واسطے حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ما مرادانیم، ما فضلیانیم یعنی ہم مطلوبوں میں سے ہیں ہم فضل والوں میں سے ہیں۔

آگاہی: طلبہ حق میں ایک مراد ہوتے ہیں ایک مرید۔ مراد وہ لوگ ہیں جن کو خدا خود اپنی طرف کھینچے اور مرید وہ لوگ ہیں جو خود سعی کر کے خدا کی طرف چلیں، غرضیکہ جس قدر عبادات زبانی و جسمانی اور مالی ہیں یہ سب سلوک میں داخل ہیں اور ذکر قلبی اور فکر قلبی میں جذب ربانی ہے۔ جذب اور سلوک میں بہت بڑا فرق ہے، ایک کو خود خدا اپنی طرف کھینچے اور ایک اپنی کوشش سے خدا کی طرف جائے۔ مثال اس کی ایسی ہے کہ ایک شخص پیدل سفر کرے اور ایک شخص کو ریل یا جہاز یا موٹر یا کوئی سواری خود لے جائے۔ جس طرح اس میں آسانی اور جلدی ہے اسی طرح ذکر قلبی میں آسانی ہے۔ علاوہ اس کے حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ جسم کے اندر گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اگر وہ صالح ہو جائے تو تمام جسم صالح ہے اور اگر وہ فاسد ہے تو تمام جسم فاسد ہے، وہ کیا ہے؟ دل ہے۔ جب دل میں ذکر و فکر خدا ہو گا اور اس کی اصلاح ہو گی تو تمام جسم آپ ہی درست ہو جائے گا۔ ذکر قلبی ریا وغیرہ خرابی سے پاک رہتا ہے نہ کوئی واقف ہوتا ہے اور نہ کوئی تعریف کرتا ہے۔ خدا جانے

اور بندہ جانے، اور رہبرانِ طریقہ نقشبندیہ اپنے طلبہ کو کعبہ مقصود کی طرف نہایت پوشیدہ طور پر لے جاتے ہیں۔

اسی واسطے مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

نقشبندیہ عجب قافلہ سالارانند
کہ برند از رہ پنہاں بحرم قافلہ را
حضرات نقشبندیہ عجب قافلہ کے سردار ہیں
کہ پوشیدہ طور پر اپنے طلبہ کو حرم میں لیجاتے ہیں
از دل سالک رہ جاذبہ صحبت شاں
می برد وسوسہ خلوت و فکر چلہ را

سالک کے دل سے ان کی صحبت کی کشش خلوت کے خیال اور چلہ کی فکر کو مٹا دیتی ہے

اور ایک دوسری جگہ یہ فرماتے ہیں:

تو نقش بنداں راچہ دانی — تو شکل پیکر جاں راچہ دانی
تو نقش بند کو کیا جانے — تو جان کے جسم کی شکل کو کیا جانے
گیاہ سبز داند قدرِ باراں — تو خشکی قدرِ باراں راچہ دانی
سبز گھانس بارش کی قدر جانتی ہے — تو خشک ہے بارش کی قدر کیا جانے
ہنوز از کفر و ایمانت خبر نیست — حقائقہائے ایمان راچہ دانی
ابھی تجھے کفر و ایمان کی ہی خبر نہیں ہے — تو کمالات ایمان کو کیا جانے

ذکر زبانی میں اکثر ریاپیدا ہو جاتی ہے کیونکہ لوگ اس کو اچھا کہنے لگتے ہیں۔ اگر فضل خدا نہ ہو تو سب غارت ہو جاتا ہے اور ریا سے فعل کا پاک رہنا صدیقوں کا کام ہے علاوہ اس کے فضیلت ذکر خفی کی قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعاً وَّ خُفْیَه (اپنے رب کو آہستہ دلوں میں پکارو) ارشاد رب العباد ہے اور حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ ذکر خفی (یعنی ذکر قلبی) زبانی ذکر سے ستر حصہ افضل ہے سخت بیماری کے وقت یا اخیر عمر ضعیفی میں طالب ذکر کی ضربیں نہیں لگا سکتا اور مرتے وقت اکثر زبان بند ہو جاتی ہے اور اکثر مرنے کے وقت آدمی ناپاک رہتا ہے، ایسی حالت میں ذکر زبانی کیسے ہو سکتا ہے اور سونے، کھانے، پینے، بات کرنے، ان سب حالتوں میں ذکر زبانی کرنے سے مجبور ہے اور تعمیل حکم فَاذْکُرُوا اللہَ قِیَاماً وَّ قُعُوْداً وَّ عَلٰی جُنُوْبِکُمْ اور ارشاد وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاتِیَکَ الْیَقِیْن (اپنے رب کی عبادت کر یہاں تک کہ تجھے یقین یعنی موت آجائے) پر کیسے عامل ہو سکتا ہے؟ مگر ہاں ذکر قلبی ہر حالت میں جاری رہ سکتا ہے۔ حضرت مرزا مظہر جانجاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذکر قلبی سلامتی ایمان کا اچھا ذریعہ ہے اور نماز با اطمینان ہوتی ہے اور جو شخص ذکر لسانی (زبانی) کو ذکر خفی پر ترجیح دے وہ منکر قرآن و حدیث ہے، وقت جانکنی میں سخت پریشانی بیماری کی شدت دنیا کے چھوٹنے کا غم، عزیز و اقارب سے فراق، قبر کی اندھیری اور تنگی اور بے بسی اور تنہائی کی فکر ایسی حالت میں کوئی چیز یاد نہیں رہتی، مگر وہ یاد رہتا ہے جس کو وہ بہت دوست رکھتا ہے یا ہر وقت اس کا خیال دل میں رہتا ہے:

راست فرمود آں سپہدار بشر — کہ ہر آں کہ کرد از دنیا گزر

سچ فرمایا سردار بشر علیہ السلام نے — کہ جو دنیا سے جاتا ہے

نیستش درد و دریغ عین موت — بلکہ ہستش صد دریغ از بہر فوت

اس کو صرف تکلیف اور موت ہی کا افسوس نہیں ہوتا

بلکہ اس کو اپنے دنیا سے خالی ہاتھ جانے کا بہت افسوس ہوتا ہے

دل مثال کیمرہ اور گراموفون کے ہوتا ہے جو کچھ دمِ آخر میں اس میں عکس پڑ جاتا ہے، وہی بولتا اور پیش کرتا ہے یعنی قبر و حشر میں بولے گا اور پیش کرے گا بموجب حدیث شریف کما تعیشون تموتون و کما تموتون تبعثون (تم جس طرح زندگی گزارو گے اسی طرح مرو گے اور جس حالت میں مرو گے اسی حالت میں قبر سے حشر کے دن اٹھو گے)۔

اور اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن پاک میں فرمایا ہے:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ (۸۸) إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ (الشعراء ۸۹)

قیامت کے دن نہ مال کچھ فائدہ دے گا اور نہ اولاد مگر جو شخص اللہ کے پاس قلب سلیم لایا ہو۔

اور دیگر طرق مبارکہ میں ذکر قلبی آخر میں بتلاتے ہیں، اور طریق نقشبندیہ میں اول اور طرق مبارک میں اخذ فیض اور ذکر اکثر اسماء و صفات الٰہی سے طالب کو مستفیض کر کے ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف مخاطب کرتے ہیں لیکن طریق نقشبندیہ میں اکثر ذکر اسم ذات اور ہمت طالب کی ذات خالص کی طرف مخاطب کرتے ہیں، اسی واسطے امام طریقہ حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اول ما آخر ہر منتہی　　　آخر ما جیبِ تمنا تہی

ہماری ابتدا اوروں کی انتہا ہے اور ہماری انتہا دامنِ آرزو خالی کر دیتی ہے۔

اور اس طریقہ نقشبندیہ میں پیروی سنت زیادہ ہے اور ترقی کا انحصار زیادہ تر اتباع سنت پر رکھا ہے، بموجب ارشاد باری تعالیٰ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ (آل عمران ۳۱) (اے رسول کہہ دو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تعالیٰ تم کو اپنا دوست کر

لے گا) جو طریق سنت کی پیروی نہ کرے گا ترقی سے محروم رہے گا، لہٰذا حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: در طریقہ ما محرومی نیست ہر کہ از طریقہ مارو گرداند خطرہ دین دارد چرا کہ ایں طریقہ بعینہ طریقہ صحابہ کبار ست (ہمارے طریقہ میں کسی کو محرومی نہیں ہے، جو کوئی ہمارے طریقہ سے منہ پھیر لے اس کے دین میں خطرہ ہے کیونکہ یہ طریقہ بالکل صحابہ کبار کے مطابق ہے)۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر کسی طالب کو ہمارے یہاں سے علم باطن سے حصہ نہ ملے تو وہ بد دل نہ ہو کیونکہ مقصد بخشش ہے اور بخشش کا انحصار اتباع سنت پر ہے اور اتباع سنت ہمارے یہاں لازمی ہے اور یہی حضرت جگہ جگہ اپنے خلفاء کو تحریر فرماتے ہیں کہ جو طالب حق جس طریقہ مبارکہ میں بیعت ہونا چاہے بعد ایصال ثواب فاتحہ انہی بزرگوں کے توسل سے تم اپنے اور طالب کے واسطے فتوحات جناب باری عزاسمہ سے چاہو اور اسی سلسلہ میں بیعت کرو، مگر ذکر طریقہ نقشبندیہ تعلیم کرو، کیونکہ یہ آسان ہے اور اس سے طالب خدا تک جلد پہنچتا ہے۔

تنبیہ: بیان مذکور الصدر سے کوئی صاحب یہ نہ سمجھ لیں کہ ذکر جہر کی نفی کی ہے۔ یہ بات ہرگز نہیں ہے بلکہ افضلیت اور اولیت ذکر خفی کی بیان کی ہے بمقابلہ ذکر زبانی کے، جیسے مذہب حنفیہ میں اثنائے نماز میں آمین بالخفی افضل ہے آمین بالجہر سے یا جیسے ولایت صحابہ کی افضل ہے ولایت اولیاء سے۔

آگاہی:

کوئی صاحب یہ بھی خیال نہ کریں کہ امام الطریقہ خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کو اور مجتہدین سلسلہ پر ترجیح دی ہے۔ یہ بھی ہرگز نہیں ہے۔ سب امام طریقہ ابر رحمت ہیں ان کی بڑائی اور کمی کا علم خدا کو ہے، ہمارے معیار علم سے ان کا قرب ان کا مرتبہ بہت دور اور بالاتر ہے۔ ہمارے سب پیشوا

ہیں اور ہر گل را رنگ و بوئے دیگر ست کا مضمون ہیں، چونکہ قرآن وحدیث سے ان بزرگوں میں سے کسی کی زیادتی مرتبہ اور قرب وغیرہ کا کوئی پتہ نہیں چلتا، لہٰذا اسپر د بعلم حق اور سکوت کرنا انصاف اور عین ادب ہے اور سوائے اس کے افراط و تفریط ہے جس جس مجتہد کو جو جو طریقہ خدا کی طرف سے عنایت ہوا اس پر خلق کو چلایا جب لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْساً اِلَّا وُسْعَهَا (اللہ کسی کو اس کی بساط سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا ہے) کا وقت آیا تو طریقہ زیادہ آسان اور جلد پہنچنے والا اللہ کی طرف سے حضرت خواجہ نقشبندر حمۃ اللہ علیہ کو عنایت فرمایا۔ طریقہ نقشبندیہ کی اصل اصول چار چیزیں ہیں۔

(۱)دوام حضور (۲)بے خطرگی (۳)جذبات (۴)واردات

طریقہ نقشبندیہ مجددیہ

طریقہ نقشبندیہ میں بہت بڑے رکن حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ لفظ نقشبندیہ کے ساتھ مجددیہ کا لفظ آپ ہی کی ذات شریف کی وجہ سے بولا جاتا ہے، ان حضرت کے حالات عجیب و غریب ہیں، مقامات عالیہ قرب حق کے جو آپ نے فرمائے ہیں، ان کی فہمید اور ادراک میں بڑے بڑے عرفاء حیران ہیں، آپ کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ ان شاءاللہ تعالیٰ آئندہ اس کتاب میں مختصراً لکھوں گا، اس جگہ لفظ مجدد کی وجہ اور ضروری باتیں جو آپ کی معرفت سے طلبہ واقف ہوئے ہیں لکھتا ہوں۔ آپ نے علم سلوک میں خوب تشریح کی ہے اور راہ طریقت کو مثل آئینہ کر کے دکھایا ہے اور رہروانِ حق کو اپنی مشعل علم اور معرفت سے صاف اور سیدھا راستہ بتایا ہے اور اغلاط اور مشتبہات راستوں سے بچایا ہے، آپ کے زمانہ سے پیشتر جو اولیاء اللہ گزرے ہیں، ان سے وہ کلمات اور مقامات ثابت نہیں، جو آپ نے جدید فرمائے ہیں اسی واسطے آپ کو مجدد کہتے ہیں، صوفیائے سابقین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے صرف لطائف قلب وروح کی خبر دی اور بعض

نے لطیفہ سر کی بھی، لیکن آپ نے قلب روح، سر، خفی، اخفی، یہ پانچ لطیفے سینہ انسان میں قرار دیئے اور جگہ اور رنگِ انوار ان کے مقرر کئے، اس کی تشریح کے واسطے ایک مکتوب خواجہ عبدالاحد رحمہ اللہ تعالیٰ کا کافی ہے، جو حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے پوتے ہیں اور یہ مکتوب شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب **الانتباہ فی سلاسل اولیاءاللہ** میں درج فرمایاہے، وہ مکتوب یہ ہے:

الحمد للہ علی کل حال ہمشیرہ عزیزہ خدا پرست نے لطائف انسانی پوچھے تھے، سو معلوم کریں، پانچ لطائف انسانی کہ قلب، روح، سر، خفی، اخفی ہیں یہ عالم امر سے ہیں ان کا مکان فوق العرش ہے جسے لامکان کہتے ہیں اور عالم ارواح بھی اسے کہتے ہیں۔ حق جل وعلانے کمالِ قدرت سے اپنے ان لطائف کو بدن انسان سے تعشق اور تعلق دے کر وہاں سے نیچے اتار کر ہر ایک کو ایک خاص جگہ میں انسان کے بدن میں جو اس کے مناسب تھی جگہ دی ہے، قلب کو سینہ کے بائیں طرف پستان میں جادی ہے، روح کو جو قلب سے زیادہ لطیف ہے اس کے مقابل دائیں جانب، اخفیٰ کہ لطیف اور احسن لطائف ہے، درمیان حقیقی سینہ کے، سر کو درمیان قلب اور اخفی کے، خفی کو درمیان روح اور اخفیٰ کے اور ولایت اس میں سے ہر ایک لطیفہ کی زیر قدم ایک اولوالعزم پیغمبر کے ہے، چنانچہ قلب کی ولایت حضرت آدم علیہ السلام کے زیر قدم ہے اور روح کی ولایت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زیر قدم ہے اور سر کی ولایت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم ہے اور خفی کی ولایت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم ہے اور اخفیٰ کی ولایت حضرت خاتم الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے زیر قدم ہے۔ جاننا چاہیئے کہ اولیاء کے قدموں کا تفاوت انہی لطیفوں کی راہ سے ہے تو جو زیر قدم حضرت آدم علیہ السلام کے ہے اس کی ولایت قلب ہے تو وہ صاحب استعداد ولایت کے ایک درجہ کے ہے، پانچ درجوں میں سے اور جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زیر قدم ہے اس کی

ولایت ولایت روحی ہے اور اس کو دو درجوں کی ولایت کی استعداد ہے، پانچ درجوں میں سے اور جو زیر قدم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہے ، اس کی ولایت ولایتِ سر ہے اور وہ ولایت کے تین درجوں کی استعداد رکھتا ہے درجات خمسہ سے اور جو زیر قدم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہے، اس کی ولایت ولایتِ خفی ہے اور وہ چار درجے ولایت کی استعداد رکھتا ہے پانچ میں سے، اور جو سرور عالم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے زیر قدم ہے اس کی ولایت ولایتِ اخفیٰ ہے۔ اعظم و اعلیٰ اور احسن ہے سب درجوں کی اور اس ولایت کے صاحب کو قابلیت پانچوں درجوں کی ولایت کی ہے اور جاننا چاہیئے کہ انبیاء علیہم السلام کے قدموں کا تفاوت ان کے آپس میں اس راہ سے نہیں ہے، بلکہ نبوت کی راہ سے ہے پس جو ان بزرگواروں میں سے اس راہ میں پیش قدم ہو گا وہی دوسروں سے افضل ہو گا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسی علیہ السلام سے مقام نبوت میں پیش قدم ہیں اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں، اگرچہ مقام ولایت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے غالب ہیں جیسا کہ اوپر لکھا گیا۔ دوسرا یہ امر جاننا چاہیئے کہ اگر مرشد و مربی طالب کا صادق المشرب ہو گا تو اس سے ہو سکتا ہے کہ جس راستہ سے آپ نے منازل قطع کی ہیں اسی راہ طالب کو بھی چلائیں اور ولایت محمدی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے کمالات کو پہنچائے اور وہ مرید اگرچہ خود اپنی استعداد کمتر رکھتا ہو، یہاں سخن بہت طول و عرض رکھتا ہے کہ حد سے زیادہ ہے معذور رکھیں اور پھر کسی وقت پر موقوف فرمائیں اور انوار و لطائف کے رنگ پوچھے تھے سو معلوم کریں کہ ہر شخص نے اپنے کشف اور نظر کے موافق کچھ کہا اور لکھا ہے اور اس کے اوپر بنائے تعبیر وقائع اور تفسیر معاملات کی رکھی ہے مگر میں نے اب جو حضرت عالی درجہ سے سمجھا ہے لکھتا ہوں۔ جاننا چاہیئے کہ قلب کا نور زرد ہے اور روح کا نور سرخ ہے اور سر کا نور سفید ہے اور خفی کا نور

سیاہ ہے اور اخفیٰ کا نور سبز ہے اور حقیقت وماہیت نفس کی جو دریافت کی تھی آپ کو معلوم ہو کہ نفس خبیثہ ہے، عالم خلق سے اور اس کا محل دماغ ہے بالذات شرارت وخباثت سے متصف ہے اور پانے تیئں لطائف کی طرح لطیفہ نفسیہ ظاہر کیاہے اور ریاست ودانائی کا دعویٰ کرکے تمام اجزاء ولطائف پر تصرفات فاسد کرکے شیطان علیہ اللعن کے بہکانے سے تمام لطائف واجزاء کو اپنے لطائف ذمیمہ سے متصف کر دیا ہے اور درگاہ پاک خداوندی کی طرف متوجہ ہونے سے محروم رکھ کر نقصان ابدی کو پہنچایاہے، عنایت ازلی نے جس کی دستگیری ورہنمائی کی اس نے اس کی شرارت وخباثت پر اطلاع پائی اور اس کے فریبوں اور مفسدوں سے منہ پھیر کر متوجہ اس درگاہ پاک کا ہوا اور سعادت ابدی کو پہنچا اور جب نفس پاک ومطہر ہو جاتا ہے اور اپنے سب وصف رزائل بالکل چھوڑ دیتا ہے البتہ اللہ سبحانہ کے کرم سے بڑے مرتبہ سے ولایت کے اور قرب اور مشاہدہ اور مقام رضا سے مشرف ہوتا ہے اور سب لطائف انسانی سے بالا دست ہو جاتا ہے اور اس کی سیر سب سے بلند ہوتی ہے، اس کو حصول کمال کے بعد تخت صدر پر بٹھاتے ہیں اور ریاست وکیاست سب لطائف کی اس کو ملتی ہے، عجب بھید ہے کہ جو خبیث سب سے زیادہ ہے بعد پاک اور منور ہونے کے اشرف سب سے ہو جاتا ہے۔ اولٰئک یبدل اللہ سیئاتھم حسناتٍ فرمایاہے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے:

خیار کم فی الجاھلیۃ خیار کم فی الاسلام اذا فقھوا۔ والسلام من اتبع الھدی۔

اطلاع: پانچ لطائف عالم امر کے ہیں۔ قلب، روح، سر، خفی، اخفیٰ۔ عالم امر اس کو کہتے ہیں کہ لفظ کن کے فرماتے ہی اپنی جگہ پر قائم ہو گئے اور پانچ ہی لطیفے آپ نے عالم خلق کے فرمائے ہیں۔ آب، خاک، ہوا، آتش، ان سب کا لب لباب لطیفہ نفس ہے، لطیفہ نفس کا مقام پیشانی قرار دی ہے اور نور اس کا سفید قدرے نیلگوں فرمایاہے اور لطائف عالم خلق اس کو کہتے ہیں جو بتدریج پیدا ہوئے

ہیں۔ چنانچہ طلبہ حق نے جیسا حضرت شیخ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ویسا ہی دیکھا ہے اور سلوک میں پیش آیا ہے۔ سر مو فرق نہ پایا۔ علاوہ اس کے مقاماتِ ولایت میں اکثر صوفیاء سے مقام نہایت جس کو اصطلاح صوفیاء میں وحدت الوجود کہتے ہیں ثابت ہوا ہے۔ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام کے حال کی تصدیق فرما کر علاوہ اس کے بہت سے مقامات ترقی فرمائے ہیں کہ صوفیاء سابقین سے کہیں ثابت نہیں۔ یہ خاص معرفت حضرت کی ہے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مقام سے دوسرے مقام میں اس قدر فرق ہے جیسے دریا اور قطرہ میں، قطرہ اور دریا کا مضمون یوں سمجھ میں آجائے گا کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آدھ سیر جو بہتر ہیں ہر ایک امتی کے خواہ ولی ہو یا عامی پہاڑ احد کے برابر چاندی سونا راہِ خدا میں خرچ کرنے سے، اسی طرح تمام ولیوں کی ولایت کی قوت ایک صحابی کی ولایت کے برابر نہیں ہو سکتی اور جس طرح تمام امت کے ایمان سے ایک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ایمان بھاری ہے یہی ثبوت فَضَّلْنَا بَعضَھُم عَلٰی بَعضٍ ارشاد رب العباد ہے اور بفضل خدا ہزاروں علماء و صلحاء اور لاکھوں طلبہ نے ان مقامات کو طے کیا ہے اور سر مو فرق ارشاد حضرت شیخ رضی اللہ عنہ میں نہ پایا۔

چنانچہ حضرت مرزا مظہر جانجاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اب طریق حضرت شیخ رضی اللہ عنہ میں کچھ شبہ نہیں۔ کیونکہ ہزاروں صلحاء ان مقامات پر پہنچے اور تصدیق کی۔

باب دوازدہم (12)

کلمات نقشبندیہ

حضرات نقشبندیہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے اپنے طریق کی بنا گیارہ کلمات پر رکھی ہے کہ وہ اصطلاحی ہیں اور اشغال واعمال کی طرف اشارہ ہیں وہ یہ ہیں:

(۱)ہوش دردم (۲) نظر بر قدم (۳)سفر در وطن (۴)خلوت در انجمن

(۵)یاد کرد (۶)بازگشت (۷)نگہداشت (۸)یادداشت

یہ آٹھ کلمات خواجہ عبد الخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ سے اور ان کے بعد تین اصطلاحیں خواجہ بہاؤالدین محمد نقشبند رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہیں:

(۱)وقوف زمانی (۲)وقوف قلبی (۳)وقوف عددی۔

اب میں ان کلمات کی اپنی حیثیت کے موافق شرح کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ مجھ کو اور سب مسلمانوں کو ان پر عمل کی توفیق عنایت فرمائے کیونکہ مقصود علم سے عمل ہے۔

(۱)ہوش دردم سے مراد ہے کہ ہمیشہ ہوشیار رہے اور تلاش میں رہے کہ کوئی سانس غفلت یا معصیت میں تو نہ گزرا، اگر معلوم ہو جائے تو استغفار کرے اور مبتدی کے واسطے بہت ضروری ہے کہ کوئی سانس اس کا غفلت میں نہ گزرے، یہاں تک سنبھال رکھے کہ حضور دائمی کو پہنچ جائے اور وقوف زمانی بھی یہی معنی رکھتا ہے۔ اتنا فرق ہے کہ ہوش دردم مبتدی کے واسطے ہر وقت ہر لحظہ ہر لمحہ کی سنبھال ہے اور وقوف زمانی توسط کے واسطے مناسب ہے کہ کچھ کچھ دیر بعد سنبھال کرے اور وقوف زمانی کو صوفیاء محاسبہ بھی کہتے ہیں اور حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ ہوشیار وہ شخص ہے جس نے اپنے نفس کو ڈرایا اور ما بعد موت کے واسطے عمل کیا۔ اور امیر المؤمنین حضرت عمر بن

الخطاب رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں فرمایا کہ اپنی حالتوں کا محاسبہ کرو قبل اس کے کہ تم سے حساب لیا جائے اور ان کا وزن کرو قبل اس کے کہ وزن کئے جائیں اور مستعد ہو جاؤ عرض اکبر کے واسطے یعنی خدا کا سامنا جو قیامت میں ہو گا اس دن تم سامنے کئے جاؤ گے، تمہاری کوئی چیز نہ چھپ سکے گی اور اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں فرمایا ہے وَاَنِیبُوا اِلٰی رَبِّکُم وَاَسلِمُوا لَهُ مِن قَبلِ اَن یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَابُ (اے بندو! اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو اور اس کے لئے اسلام لاؤ اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آئے) اور نیز قول اللہ تعالیٰ کا اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰی اَفْوَاهِهِمْ وَتُکَلِّمُنَا بِاَیدِیهِم وَتَشهَدُ اَرجُلُهُم بِمَا کَانُوا یَکسِبُونْ (قیامت کے دن ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے اور گواہی دیں گے ان کے پاؤں اس بات کی جو کچھ وہ کیا کرتے تھے) اسی مطلب میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

روز محشر ہر نہاں پیدا شود　　　خود بخود ہر مجرمے رسوا شود

قیامت کے دن ہر چھپی چیز ظاہر ہو جائے گی

اور خود بخود ہر ملزم اپنی خطاؤں کی وجہ سے ذلیل ہو گا

(۲) نظر بر قدم یعنی اپنی نگاہ پیروں کی طرف رکھنا: یہ ایک کلمہ ہے لیکن بہت سی خوبیوں سے پُر ہے، سب سے افضل بات یہ ہے کہ نیچی نظر رکھنا سنت ہے، سالک کو چاہئے کہ اپنی نظر پاؤں کی طرف رکھے تا کہ نامحرم عورتوں پر نظر نہ پڑے۔ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ عورت نامحرم پر نظر پڑنا ایک تیر ہے زہر آلود کہ بغیر ہلاکت کے چارہ نہیں۔ ہلاکت سے مراد نقصان ایمان اور رسوائی اور تباہی دارین ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ مکان دکان وغیرہ کی رنگ برنگ اشیاء پر نظر پڑنے سے خیال منتشر ہوتا ہے اور یکسوئی جو خدا کی طرف طالب کی ہوتی ہے اس میں فرق آتا ہے۔ تیسرا

اس سے مراد یہ ہے کہ برائی اور نیکی کے قدم کو دیکھے کہ کون سا قدم غالب ہے۔ اگر برائی میں قدم آگے پیچھے دیکھے تو اس کو پیچھے ہٹائے اور نیکی کے قدم کو آگے بڑھائے، چوتھی مراد یہ ہے کہ اپنے قرب کو دیکھے کہ ترقی کا قدم کس جگہ ہے۔ پانچویں مراد یہ ہے کہ اپنی ولایت کو دیکھے کہ کس نبی کے قدم کے نیچے ہے کہ جس کی تشریح فصل طریقہ مجددیہ میں درج ہے۔

وقت رفتن بر قدم باید نظر   ہست سنت حضرت خیر البشر

چلتے وقت پاؤں پر نظر ہونی چاہئے

کیونکہ یہ حضرت خیر البشر کی سنت ہے

اندریں حکمت بس ست و بیشمار   دیدہ خواہد طالب حق آشکار

اس میں بہت سی حکمتیں ہیں

کہ جس کو طالب خدا اصاف دیکھے گا

اتباع حضرت محمد مصطفی ﷺ   میرساند نزد حق جل و علا

نبی کریم ﷺ کی پیروی اللہ تعالیٰ تک پہنچاتی ہے۔

(۳) سفر در وطن: اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی صفات بشریہ کو چھوڑ کر صفات ملکیہ کو حاصل کرے یعنی طلب جاہ و مال، عجب، حسد، بغض، کینہ، تکبر سے دل کو پاک کرے جب تک یہ خصائل رزائل دل میں بھرے ہوں گے تو نور خدا کا گزر کیونکر ہو سکتا ہے، اسی واسطے حضرت بو علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

صد تمنا در دلاداری فضول   کے کند نور خدا در دل نزول

سینکڑوں آرزوئیں لغو تو دل میں تو رکھتا ہے   کب خدا کا نور تیرے دل میں نازل ہو گا

اور مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں　　　　ایں خیال ست و محال ست و جنوں

تو خدا کو بھی چاہتا ہے اور ذلیل دنیا کو بھی

یہ محض خیال اور جنون اور محال بات ہے

جس چیز کی محبت سوائے خدا کے ہے یہی اس کا بت ہے جب تک بت خانہ کو توڑ کر خانۂ خدا نہ بنائے گا عند اللہ بت پرست کہلائے گا اسی معنی میں حضرت بو علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بت پرستی می کنی ہم بت گری　　　　شد دلت رشک بتان آذری

تو بت پرستی کرتا ہے اور بت بناتا ہے کہ

تیرا دل آذر کے بتوں کے لئے باعث رشک ہے

اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سفر در وطن سے مراد یہ ہے کہ سیر آفاقی کو چھوڑ کر سیر انفسی کی طرف سفر کر۔ حضرت غلام علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث شریف کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ارشاد نبوی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ہے کہ جس گھر میں تصویر ہوتی ہے اس گھر میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ لہٰذا جس دل میں خیال غیر خدا کا ہے وہ دل بھی مستحق نزول رحمت نہیں ہوتا۔ امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس نے اللہ کی محبت کا خالص مزا چکھا تو اس نے اسکو طلب دنیا سے باز رکھا اور سب لوگوں سے وحشت زدہ کر دیا۔

کینہ و بغض و حسد حقد و ریا!　　　　خود سری خود بینی و مکر و دغا

کینہ، بغض، حسد، حقد، اور ریا　　　　خود سری خود بینی اور مکر و دغا

ایں خصائل ناقصہ رادور کن | قلب خود از یاد حق معمور کن
یہ بری عادتیں چھوڑ دے | اور اپنے دل کو یاد خدا سے آباد کر
تاشود قلب سیہ نور وضیا | تاشود خانہ دلت خانہ خدا

تاکہ تیرا سیاہ دل منور وروشن ہو جائے

اور تیرا دل خانہ خدا بن جائے

(۴) خلوت در انجمن کا مطلب یہ ہے کہ دل ایسا خدا کے ساتھ مشغول رہے اپنے تمام حالات میں یعنی کھانے، پینے، بات کرنے، پڑھنے، پڑھانے، چلنے پھرنے بیٹھنے اور سونے وغیرہ میں، چاہے حالت اس کی پاکی کی ہو یاناپاکی کی، یہاں تک مشغول رہے کہ توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف راسخ یعنی خوب پختہ ہو جائے، اسی واسطے حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایاہے اور اشارہ ہے حق تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرف رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بيعٌعَن ذِكْرِ اللهِ (میرے بندے وہ لوگ ہیں کہ جن کو سوداگری اور لین دین میرے ذکر سے غافل نہیں کرتے) اور دل بیار دست بکار اسی آیت شریف کا ترجمہ ہے، اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سفر در وطن خلوت در انجمن کا مطلب حاصل ہو جاتا ہے، خلوت در انجمن سے یہ مراد ہے کہ آدمیوں میں اس کا جسم موجود رہے اور دل میں سوائے خدا کے کسی کا خیال نہ ہو اور یہ بات ساتھ بے تکلفی کے ہو، تو پھر یہ لباس فقراء نشان مند ہونا اور ہمیشہ متعلق بہ ذکر خدا رہنا اس طرح پر کہ لوگوں پر مخفی نہ رہے، اس میں اکثر دکھانے اور سنانے کا گمان ہوتا ہے تو بہتر یہ ہے کہ وضع اور لباس ایسا ہونا چاہئے کہ جیسے خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں کہ نہ میں لباس عالموں کا سا پہنتا ہوں کہ لوگ مجھ کو عالم کہیں اور نہ درویشوں کا سا پہنتا ہوں کہ لوگ مجھ کو درویش کہیں اور نہ لباس ملامت کا پہنتا ہوں جس سے

عاقبت میں مواخذہ ہو، بلکہ عام لوگوں کا سالباس پہنتا ہوں کہ جس میں ان تمام باتوں سے بچا رہوں جس طرح خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی طریقہ تھا کہ مثل عام لوگوں کے رہتے تھے اور کوئی شان درویشی وغیرہ کی ظاہر نہ کرتے تھے اور یہی طریق حضرات نقشبندیہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا ہے اور یہی مضمون حدیث قدسی کا ہے جس کو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مادروں را بنگریم و حال را　　　　ما بروں را ننگریم و قال را

ہم کسی کی ظاہری حالت نہیں دیکھتے

ہم باطنی حالت کو دیکھتے ہیں

یعنی میں تمہاری صورتوں اور لباس و اعمال کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہوں، اسی واسطے حضرات نقشبندیہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین جس چیز کو خدا دیکھتا ہے، اس کی تکمیل میں زیادہ کوشش کرتے ہیں اور حق یہ ہے کہ جب خدا کی نظر کپڑوں اور صورتوں پر نہیں ہے تو پھر شکل فقیروں کی بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ زمانہ سابقہ میں درویش بوجہ ناداری ایک تہ بند ایک چادر، اور ایک دوپٹہ ہونے کے سبب بعض مٹیا اور سیاہ کپڑے رنگ لیا کرتے تھے تا کہ جلد میلے نہ ہوں اور دھلائی کا صرفہ نہ ہو اور اس کے دھونے میں وقت ضائع نہ جائے کیونکہ وہ اپنے ہر وقت کو آخری وقت اور ہر سانس کو آخری سانس جانتے تھے، اب لوگ ان کے سیاہ کپڑوں کی نقل تو کرتے ہیں لیکن ان کی یاد خدا اور ترک دنیا کی نقل نہیں کرتے بلکہ اس کے خلاف صورت فقیروں کی اور گھر امیروں کی طرح رکھتے ہیں اسی طرح ان کے ظاہر سے باطن کا معاملہ برعکس ہے۔

بقول حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ:

ہیچو ایں خاماں با طبل و علم ۔۔۔ کہ الغ خانیم در فقر و عدم

ان ڈھول ڈھمکے والے ناکارہ لوگوں کی طرح

کہ جو فقر و فنا میں اپنے آپکو الغ خان کہتے ہیں

لاف شیخی در جہاں انداختہ ۔۔۔ خویشتن را بایزیدے ساختہ

اپنی بزرگی کی بڑائیاں دنیا کے سامنے کرتے ہیں

اور اپنے کو بایزید بسطامی بنا رکھا ہے

ہم ز خود واصل شد و سالک شدہ ۔۔۔ محفلے وا کردہ در دعوت کدہ

اپنے وجود سے خود ہی واصل ہیں اور خود ہی سالک

دعوتیں اور جلسے ہو رہے ہیں

چند دزدی حرف مردان خدا ۔۔۔ تا فروشی و ستانی مرحبا

اے ظاہر پرست کب تک مردان خدا کی

نقل کرتا رہے گا تا کہ دنیا میں غلط سودا کرے

ایں نہ مردانند ولہنا صورت اند ۔۔۔ مردہ مانند کشتہ شہوت اند

یہ حقیقتاً مرد نہیں ہیں بلکہ صورت سے مرد ہیں

اور یہ خواہش کے بندے اور مردے ہیں

حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا ہے:

دلت بچہ کار آید و تسبیح و مرقع ۔۔۔ خود را ز عملہائے نکوہیدہ بری دار

تیری گدڑی اور تسبیح و مرقع کس کام آئے گا

اپنے آپ کو برے کاموں سے بچائے رکھ

حــاجت بکلاہ بر کی داشتنت نیســت

درویــش صفــت بـاش کلاہ تتــری دار

تجھے فقیروں کی سی ٹوپی اوڑھنے کی ضرورت نہیں

صفت فقیروں کی سی رکھ پھر چاہے عمدہ ٹوپی پہن

ہاں اگر کوئی درویشی جتانے اور دنیا کمانے کے واسطے ایسا کرتا ہے تو اس حدیث شریف کا مصداق بنتا ہے الدنیازور لا یحصلھا الا بزور (دنیا مکر ہے اور مکر ہی سے حاصل ہوتی ہے)۔

حضرت فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فقــر خود را پیش کــس پیـدا مکن　　　　محنتــ امر وزرا فردا مکن

اپنے فقر کو کسی پر ظاہر مت کر

آج کا کام کل پر مت ڈال

حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اے درونت برہنــہ از تقوے　　　　وز بروں جــامہ ریا داری

اے شخص تیرا باطن پرہیز گاری سے ننگا ہے

اور تیرا ظاہر لباس ریا سے آراستہ ہے

پردہ ہفــت رنگ را بگزار　　　　تو کہ در خــانہ بوریا داری

اس پچرنگے پردہ کو چھوڑ دے　　　　کیونکہ تیرے گھر میں چٹائی ہے

یعنی تیرا ظاہر اچھا اور باطن خراب ہے اس واسطے اصلاح کی طرف متوجہ ہو۔

ہر شخص اپنی دولت کا پتہ کسی کو نہیں دیتا، ہر شخص اپنے محبوب کی محبت کا اظہار کسی عمل سے اغیار کو نہیں ہونے دیتا تو پھر محبت الٰہی کا اظہار اپنے لباس سے کرنا یہ ہر گز عقل میں نہیں آسکتا اسی واسطے خواجہ عزیزان علی رامتینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

از دروں شو آشنا وز بروں بیگانہ وش

ایں چنیں زیبا روش کم می بود اندر جہاں

دل میں خدا کی یاد رکھ اور ظاہر میں بیگانہ بنا رہ

یہ عمدہ روش دنیا میں بہت کم ہے

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں:

از بروں درمیان بازارم　　　　وزِ دروں خلوتے ست با یارم

ظاہر جسم تو میرا بازار میں ہے

اور میرا باطن یعنی دل خدا کے ساتھ ہے

سوال: بعض اولیاء اللہ نے لباس سے اظہار ولایت نہیں کیا ہے، تو ان کے کلمات سے اظہار ولایت ہوا ہے اور اظہار لباس سے ہو یا کلام سے دونوں کی ایک صورت ہے۔

جواب: بعض اولیاء اللہ کو ظلی طور پر کمالات نبوت میں سے حصہ دیا جاتا ہے اور بعض کو صرف ولایت میں سے دیا جاتا ہے۔ فیضان نبوت قابل اظہار ہوتا ہے اور فیضان ولایت قابل استتار، لہٰذا جن اولیاء اللہ کو کمالات نبوت سے حصہ دیا گیا ہے انہوں نے بموجب ارشاد وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ اظہار ولایت کیا ہے اور اس اظہار کی دو منشاء ہیں۔ ایک شکریہ نعماء الٰہی کا دوسرے خلق

ناقص کو خدا کی طرف بلانے کا اور جن اولیاء کو صرف ولایت میں سے حصہ دیا گیا ہے اور ان سے اظہار کرامات یا اظہار حالات باطنی ہوئے ہیں وہ صرف خدا نے اس واسطے ظاہر کرائے ہیں کہ کفار فجار راہ ہدایت پر آئیں، اور طالب خدا کی طرف بڑھیں اور ان بزرگوں کا کلام طلبہ حق کے واسطے راہ طریقت کا قانون بنے اور شیطان کے دھوکے سے بچیں ورنہ اولیاء اللہ نے اپنا اظہارِ فقر غیر کے واسطے نہیں کیا جو کچھ الہام ہوا کہہ دیا جیسے فرمایا مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے:

دو دہاں داریم گویا ہمچو نے　　　یک دہاں پنہاں است در لبہائے وے

بانسری کی طرح دو منہ رکھتا ہوں　　　ایک منہ خدا کے ہونٹوں میں ہے

یعنی جو کچھ الہام خدا تعالیٰ فرماتا ہے میں وہی کہہ دیتا ہوں۔

مولف عرض کرتا ہے:

عبد خالق پیشوائے عارفاں　　　ایں چنیں فرمود بہر طالباں

حضرت عبد الخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ نے

اس طرح فرمایا ہے، طالبان حق کے لئے

ایں نصیحت بشنوید از گوش دل　　　کار نے آید دریں جا گوش گل

اس نصیحت کو دل لگا کر سنو

یہاں مٹی کے کان کام نہیں آئیں گے

بندگاں باید کہ در وقت سخن　　　قلب با حق قالب در انجمن

بندوں کو چاہیئے کہ بات چیت کرتے وقت

دل خدا کے ساتھ ہو اور جسم محفل میں

(۵) یاد کرد سے مراد یہ ہے کہ ہمیشہ اللہ کا ذکر کرے، ذکر اسم ذات کا یا نفی اثبات کا۔ یعنی کلمہ شریف کا کہ جو مرشد سے پہنچا ہو، اور ذکر اس قدر کرے کہ حق تعالیٰ کی حضوری حاصل ہو جائے۔ حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مقصود ذکر سے یہ ہے کہ دل ہمیشہ حضرت حق کے ساتھ حاضر رہے بوصف محبت اور تعظیم کے اس واسطے کہ ذکر یعنی یاد دفع غفلت کا نام ہے۔

حضرت فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

باش دائم اے پسر دریاد حق　　　　گر خبر داری زعدل وداد حق

اے عزیز! ہمیشہ یاد حق میں رہا کر

اگر تجھے خدا کے انعامات کی خبر ہے

(٦) بازگشت یعنی رجوع کرنا پھرنا: اس سے مراد ہے کہ تھوڑے تھوڑے ذکر کے بعد تین بار یا پانچ بار مناجات کی طرف رجوع کرے کیونکہ یہ دعا حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی ہے الٰہی مقصود من توئی و رضائے تو، محبت و معرفت خود بدہ یعنی اے اللہ میرا مقصود تو ہی ہے اور تیری خوشنودی، اپنی محبت اور معرفت عطا فرما۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے حضرت والد بزرگوار شاہ عبد الرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس دعا کو بار بار پڑھنا شرط عظیم فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ طالب کو لازم ہے کہ اس سے غافل نہ رہے اس واسطے کہ جو ہم نے پایا ہے اس ہی کی برکت سے پایا ہے، مقصد اس دعا کا یہ ہے کہ جو ذکر و فکر سے سرور یا کوئی نور یا کوئی چیز عالم غیب کی نظر آئے تو طالب اس پر مغرور نہ ہو اور اس کو اپنا مقصد نہ سمجھ لے کیونکہ ذات خدا تو کجا اسماء وصفات الٰہی میں سے ایک صفت میں اگر لاکھوں برس سیر سالک رہے جب بھی ختم نہ ہو لہٰذا یہ دعا سب کو قطع کر کے ذات حق سے قریب کرتی ہے۔ اسی وجہ سے خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

ہے: ہر چہ دیدہ شد و شنیدہ شد و دانستہ شد آں ہمہ غیر است بحقیقت کلمہ لا نفی آں باید کرد (ترجمہ: جو کچھ دیکھا جائے اور سنا جائے اور جانا جائے وہ سب غیر خدا ہے کلمہ طیبہ کے لا سے سب کی نفی کر دینی چاہیئے)

اسی مطلب میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اے برادر بے نہایت در گہیست　　　　ہر کہ بروئے می رسی بروئے مائیست

اے بھائی خدا کی بے انتہا درگاہیں ہیں

جب تو کسی درگاہ پر پہنچ جائے اس کو نہایت جان کر مت ٹھہر

(۷) نگہداشت سے مراد ہے کہ ذاکر حق خطرات اور احادیث نفس کو ہانکے اور دور کرے، یعنی جو خیالات اور وسوسے دل میں غیر خدا کے آئیں تو سالک ان کو نہ آنے دے اسی واسطے خواجہ بزرگوار محمد نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سالک کو لائق ہے کہ خطرہ کو اس کے ابتدائے ظہور میں روک دے اس واسطے کہ جب ظاہر ہو چکے گا تو نفس اس کی طرف مائل ہو جائے گا اور وہ نفس میں اثر کرے گا، پھر اس کا دور کرنا مشکل ہو گا۔ یہ نگہداشت طریقہ ہے حاصل کرنے ملکہ خلوت خانۂ ذہن کا خطرات و وساوس کے خطور کرنے سے یعنی دنیا کے خیالات دل پر نہ جمیں اور دل مثل آئینہ کے صاف رہے اور جو فیضان باطن آئے اس کا عکس دل میں پڑے، اور جب آئینہ دل خالی نہیں ہے تو اس میں ظہور انوار و برکات الٰہی کہاں ہو سکتا ہے چنانچہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

پنبہ وسواس بیروں کن زگوش　　　　تا بگوشت آید از گردوں خروش

وسوسوں کی روئی کان سے باہر نکال

تا کہ تیرے کان میں آسمان سے آوازیں آئیں

تا کنی فہم آں معمہ ہاشں را　　　تا کنی ادراک امر فاشں را

تا کہ تو ان اسرار کو سمجھ سکے　　　تا کہ تو راز کی باتوں کو جان سکے

حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خطرہ کو دل میں ساعت بھی نہ رکھنا چاہیئے، بزرگوں کے نزدیک یہ امر اہم ہے اور اولیائے کاملین کو یہ دولت تازماں حاصل رہتی ہے، یعنی عرصہ تک۔

عبد خالق پیشوائے اولیاء　　　برگزیدہ رہنمائے اتقیا

حضرت عبد الخالق علیہ رحمۃ جو اولیاء کے پیشوا ہیں

مقبول بندہ خدا کے اور متقیوں کے راہنما ہیں

ایں چنیں فرمود بہر موماناں　　　از خدا غافل مشو تو یک زماں

انہوں نے اس طرح فرمایاہے مومنوں کے لئے

کہ خدا سے تھوڑی دیر بھی غافل نہ رہے

گوشش تا در دل نیاید فکر غیر　　　نے دور فکر دل طالب بغیر

اس بات کی کوشش کر کہ دل میں غیر کا خیال نہ آئے

نہ طالب کے دل کا خیال سوائے خدا کسی طرف جائے

(۸) یاد داشت: یاد داشت سے مطلب یہ ہے کہ توجہ صرف جو خالی ہے الفاظ اور معنی سے واجب الوجود کی حقیقت کی طرف منتقل ہو جانا اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اپنے والد بزرگ شاہ عبد الرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ سے کہ حق بات یہ ہے کہ ایسا متوجہ رہنا بالاستقامت حاصل نہیں ہوتا مگر بعد فنائے تام اور بقائے کامل کے ان شاء اللہ تعالیٰ فنائے تام

اور بقائے کامل کی شرح فصل ولایت صغریٰ میں کی جائے گی، اگر ضرورت ہو تو اس جگہ دیکھ لینا چاہئے۔

سوال: یاد کرد نگہداشت اور یادداشت میں کیا فرق ہے؟

جواب: یاد کرد، نگہداشت میں طالب اپنی کوشش سے رب کی طرف مخاطب ہوتا ہے اور یادداشت میں بلا کوشش خود بخود قلب خدا کی طرف مشغول و مخاطب رہتا ہے۔

یادداشت حاصل شود بعد از فنا بلکہ حاصل می شود بعد از بقا

یادداشت فنائے نام کے بعد حاصل ہوتی ہے

بلکہ بعد بقائے کامل کے

بعد ازیں غافل نہ باشد یک زماں خواہ باشد فرح و غم سود و زیاں

اس کے بعد تھوڑی دیر بھی خدا سے غافل نہ رہے

خواہ اسے خوشی ہو یا رنج فائدہ ہو یا نقصان

در جماعت اولیاء داخل شود نزد جملہ طرق او واصل شود

وہ شخص جو فنا و بقا سے مشرف ہو چکا ہو وہ ولی ہے

اور متفقہ طور پر وہ واصل بحق ہے

(۹) وقوف زمانی کی شرح ہوش دردم میں ہو چکی ہے ہوش دردم اور وقوف زمانی یہ قریب قریب ایک ہی مطلب پر ہیں۔

(۱۰) وقوف عددی وقوف عددی سے مراد ہے واقف رہنا سالک کا اثنائے ذکر میں۔ جب ذکر حق کرے تو طاق یعنی وتر کرے جیسے ۵، ۳، ۷، ۹، ۱۱ وغیرہ اس میں مناسبت ہے ذات حق کے ساتھ کیونکہ ارشاد ہے اللہ وِترو یحب الوتر (خدا طاق ہے اور طاق کو دوست رکھتا ہے)۔

(۱۱) وقوف قلبی سے مراد ہے کہ سالک ہر وقت ہر آن ہر لحظہ اپنے قلب کی طرف متوجہ رہے اور قلب خدا کی طرف متوجہ رہے تاکہ سب طرف کی توجہ ٹوٹ کر معبود حقیقی کی طرف توجہ رہ جائے اور وسوسے دل میں داخل نہ ہوں۔ خصوصاً وقت ذکر کے اس کا پورا پورا خیال رکھے، اسی واسطے حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے حبس دم اور رعایت عدد کو ذکر میں لازم نہیں فرمایا بلکہ فوائد میں داخل فرمایا ہے اور وقوف قلبی تو حضرت خواجہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت ضروری اور رکن عظیم ہے اور دارومدار طریقہ نقشبندیہ کا اسی پر ہے۔

کسی نے خوب کہا ہے:

علیٰ بیض قلبک کن کانک طائر　　　فمن ذلک الاحوال فیک تولد

اپنے دل کے انڈے پر پرندے کی طرح ہو جا

پس اسی طریقہ سے جس طرح انڈے سے بچہ پیدا ہوتا ہے

آگاہی: جو کلمات نقشبندیہ کی تشریح کی گئی ہے یہ مختصر ہے لیکن اگر کوئی چاہے کہ میں صرف اس کتاب کو دیکھ کر ذکر فکر کروں اور میری تکمیل ہو جائے تو یہ بات نادرات سے ہے۔ بلا شیخ کے راستہ طریقت میں پاؤں رکھنا اپنے کو خطرہ میں ڈالنا ہے اور شرح اس کی فصل تلاش مرشد میں دیکھنا چاہئے۔

حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کار بے استاد خواہی ساختن　　　جاہلانہ جاں بخواہی باختن

بغیر استاد کے تو اگر کام بنانا چاہے گا تو

کامیابی ممکن نہیں بلکہ جاہلوں کی طرح جان پر کھیلنا پڑے گا

باب سیزدہم (13)

صوفیاء کرام رحمتہ اللّٰہ تعالی علیہم کے اخلاق و اقوال کا بیان

ان (صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو نہایت مطیع اور عاجز رکھتے کہ ان میں سے ایک اپنے شاگرد سے برکت حاصل کرتا اور اس کا بوجھ اٹھاتا، وہ اپنے آپ کو اپنے مرید سے زیادہ علم والا خیال نہ کرتا نہ اس سے زیادہ شرعی طریقے پر با عمل سمجھتا جب کہ اس سے کسی فتنہ کا خوف نہ ہو۔

ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنا قاصد حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس بھیجا کہ عنقریب وہ سخت مشقت میں پڑیں گے اور اس سے صحیح سالم نکل آئیں گے۔

تو اے بھائی! حضرت شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ تواضع دیکھو حالانکہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان کے شاگرد تھے۔

جب قاصد نے ان کو خبر دی تو حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قاصد آنے کی خوشی میں اپنی قمیص اتار کر اسے دے دی۔ جب قاصد قمیص لے کر واپس آیا اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو خبر دی تو انہوں نے اس سے فرمایا

کیا یہ قمیص ان کے جسم پر کسی دوسرے کپڑے کے حائل ہونے کے بغیر تھی؟ اس نے کہا جی ہاں، تو حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے چوما اور اپنی آنکھوں پر رکھا پھر ایک برتن میں اس پر پانی ڈالا اور اس کو ملا پھر اس کو نچوڑا اور اس کا پانی شیشی میں ڈال دیا۔

چنانچہ جب ان کے شاگردوں (اور احباب) میں سے کوئی بیمار ہوتا تو اس پانی سے جس میں قمیص دھوئی تھی کچھ اس ے پاس بھیجتے جب وہ سے اپنے جسم پر ملتا تو اسی وقت بیماری سے عافیت حاصل کرلیتا۔

یہ واقعہ اس بات پر تمہاری رہنمائی کرتا ہے کہ یہ لوگ اعمال صالحہ کی کثرت کے باوجود اپنے آپ کو کسی مسلمان سے بڑا نہیں سمجھتے تھے جبکہ اس زمانے کے نام نہاد مشائخ کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔

اور آخری شخص جس کو میں نے یوں پایا کہ وہ اپنے شاگرد کے بارے میں اعتقاد رکھتا اور اس سے برکت حاصل کرتا تھا اور جن لوگوں کی آنکھوں میں تکلیف ہوتی یا کوئی دوسری بیماری ہوتی وہ اس کو اس کے پاس بھیجتا کہ اسے دم کریں وہ حضرت شیخ محمد سروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تھے۔ شیخ محمد بن عنان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جس مریض کے لئے دعا کا ارادہ کرتے اسے شیخ یوسف حریثی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس بھیجتے اور شیخ محمد سروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسے شیخ علی الحدیدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس بھیجتے حالانکہ شیخ یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور شیخ علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن دونوں کا ذکر ہوا ان دونوں بزرگوں کے شاگرد تھے پس اللہ تعالیٰ ان سچے لوگوں سے راضی ہو اس بات کو جان لو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ذکر پر کثرت غیرت

ان (صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر پر بہت زیادہ غیرت کرتے ہیں کہ کوئی شخص اللہ کا ذکر کرے اور وہ غافل ہوں۔

اس کی مثال اس طرح ہے کہ کوئی ماں ذکر کے ذریعے اپنے بیٹے کو سلانے کا ارادہ کرتی ہے جب وہ رات کے وقت بیدار ہوتا ہے پس اللہ کا کر تو اس سے برتر ہے۔

کسی صالح (ولی) نے ایک دن ایک مریض سے کہا "یالطیف" کہو اور وہ اللہ کے سامنے ہونے سے غافل تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے خواب میں جھڑکا اور فرمایا تم نے میرے نام کے ذکر کو کھیل کو د بنا رکھا ہے۔

پس اے بھائی! جان لو اور اس پر عمل کرو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

تواضع اور دوسروں کیلئے جھکاؤ

ان (صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ ونہایت نرم ہوتے ہیں حتیٰ کہ بچے کے لئے بھی جھک جاتے ہیں جس طرح اونٹ اپنی گردن جھکا دیتا ہے جس حدیث میں صفیں درست کرنے کا حکم ہے اس میں فرمایا:

"ولینوا فی یداخوانکم"۔[7]

ترجمہ: اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم ہو جاؤ۔

---

[7] (سنن ابی داؤد حدیث نمبر ٦٦٦۔ سنن نسائی حدیث نمبر ٨٢٠ مطبوعہ بیروت)

اور قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران ۱۵۹)

ترجمہ: اور اگر آپ سخت مزاج تنگ دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے گرد سے الگ ہو جاتے۔

جب تمہیں یہ بات معلوم ہو گئی تو جان لو کہ فقراء کے نرم ہونے کی ایک صورت یہ ہے کہ جب ان سے کوئی ایک ایسی جماعت کے پاس جاتا ہے جو اللہ کا ذکر کر رہے ہوتے ہیں جیسے اعجام، مغاربہ، شناویہ، مطاوعہ یا رفاعیہ وغیرہ ذکر کرتے ہیں تو وہ بھی ان کے ساتھ ایسی صورت میں شرعی طریقہ پر ذکر کرے اور اسی طرح اس ذکر میں ان کی موافقت کرے جس کی ان کو تلقین کی گئی ہے جب وہ طریقت میں داخل ہوئے تھے۔ وہ ذکر نفی میں ہو یا اثبات میں، وہ یہ نہ کہے کہ یہ طریقہ ہمارے شیخ کا نہیں ہے جس طرح بہت سے لوگ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ اس طرح ان کے ساتھ جفا اور طبیعت کی سختی اختیار کرنے کی وجہ سے اجر و ثواب فوت ہو جائے گا۔ اس بات کو جان لو اور اس پر عمل کرو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

شرعی طریقہ پر سخت بھوک برداشت کرنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ وہ شرعی طریقے پر سخت بھوک برداشت کرتے ہیں اور اگر کوئی حلال چیز نہ پائیں جسے وہ کھائیں تو کئی کئی دن اور راتیں اسی طرح گزار لیتے ہیں۔ ان بزرگوں کا تجربہ کیا گیا تو باطن میں نور ہی نور اور بھلائی ہی بھلائی پائی حتیٰ کہ انہوں نے طبل کی مثال دی کہ اس کی آواز مضبوط اور بلند ہوتی ہے لیکن اس کا اندر خالی ہوتا ہے۔

ان حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ کسی عالم کو سیر ہو کر کبھی نہیں کھانا چاہیئے خاص طور پر تالیف کے دنوں میں تاکہ قرآن مجید حدیث اور فقہ وغیرہ کی سمجھ میں رکاوٹ پیدا نہ ہو کیونکہ جس کا پیٹ

بھرا ہوا ہو اس کی سمجھ کمزور ہوتی ہے جسے شک ہو وہ تجربہ کر کے دیکھ لے اور ہم نے فقراء کی کثیر جماعت کو بھوک کے معاملے میں سچائی پر پایا حتیٰ کہ ان میں سے ایک پورے ہفتے میں ایک دن بیت الخلاء میں جاتا تھا وہ اللہ تعالیٰ سے حیاء کرتا تھا کہ بار بار بیت الخلاء میں جائے اس حال میں کہ اس کا ستر کھلا ہوا ہو۔

اور حضرت سیدی، شیخ تاج الدین الذاکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا معاملہ تو انتہاء کو پہنچا ہوا تھا کہ وہ بارہ دنوں میں صرف ایک دن وضو کرتے تھے اور سیدی شھاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو ''الذؤیب'' مشہور تھے جس سے ملاقات کرتے اسے بھوکا رہنے کا حکم دیتے اور فرماتے کہ یہ مومن کا ہتھیار ہے اور بھوکا شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہ بھی کرے پھر بھی اس کی نافرمانی نہیں کرے گا کیونکہ اس میں گناہ کی طرف بلانے والا داعی موجود نہیں۔

اور جن لوگوں نے عمر بھر کے روزے رکھے ان میں میرے بھائی (مصنف کے بھائی) شیخ عمر النبتیتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو ننگے سر رہتے تھے اور ان کے چچازاد بھائی شیخ عبد القادر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو ننگے سر رہتے تھے شامل ہیں اور یہ دونوں انتہائی درجہ کی نورانیت اور بلند ہمتی کے حامل تھے۔

تو اے بھائی! اس سلسلے میں اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلو اور سخت بھوک کے بغیر نہ کھاؤ اور شدید بھوک کی صورت یہ ہے کہ تمہاری آنتیں حرکت کریں اور تمہیں مضطرب کرنے لگے کیونکہ اس میں کوئی چیز نہیں ہے جس کو ہضم کرنے کا کام کرے۔ تو اے بھائی اس بات کو جان لو اور اس پر عمل کرو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے۔

غیر مخلص طالب علم کو بھی تعلیم دینا

ان (صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) کے اخلاق میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ جب وہ قرائن کے ذریعے معلوم کرلیں کہ جو طالب علم ان سے علم حاصل کر رہا ہے وہ مخلص نہیں ہیت تو وہ اس کو بھی مسلسل تعلیم دیتے ہیں لیکن (اس کے ساتھ ساتھ) وہ اس کی اصلاح نیت کے لئے اللہ سے دعا کی طرف بھی متوجہ رہتے ہیں پس ان کو بھی اجر ملتا ہے اور اسے بھی، اور وہ اس کو سکھانا نہیں چھوڑتے کیونکہ شارع کی یہی مراد ہے وہ اس طرح کہ علم دو باتوں کے لئے حاصل کیا جاتا ہے اس پر عمل کرنا اور اس کے ذریعے شریعت کو زندہ رکھنا پس اس شخص کو ہر حال میں اجر ملتا ہے اجر کامل ہوتا ہے یا ناقص۔

سیدی حضرت علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہر علم والا اپنے علم پر عمل کرتا ہے اگرچہ اپنے نفس کے حق میں ہو جب وہ گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے کیونکہ جب وہ گناہ میں پڑتا ہے تو توبہ کرتا ہے اور نادم ہوتا ہے کیونکہ اگر اس کے پاس علم نہ ہو تو اسے اس عمل کے گناہ ہونے کا علم نہیں ہو گا اور وہ اس سے توبہ نہیں کرے گا تو وہ اس اعتبار سے علم پر عمل کرتا ہے اگرچہ گناہ کا مرتکب لوگوں کی اصطلاح کے مطابق اپنے علم پر عمل نہیں کر رہا۔

پس علم ہر حال میں عالم کے لئے نفع بخش ہے اور ہر زمانے میں انسان کا علم اس کے عمل سے زیادہ رہا ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

عمل کے بعد ایصال ثواب

ان (صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) کے اخلاق میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ وہ اس عالم کے علم پر عمل کرتے ہیں جو اپنے سیکھے ہوئے پر عمل کا اہتمام نہیں کرتا پس یہ اس کا علم سیکھتے ہیں پھر

اس کا ثواب اس عالم کے نامہ ہائے اعمال میں شامل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان کی بنیاد پر اس سے اجر و ثواب طلب کرتے ہیں جس طرح وہ علوم میں سے کوئی علم پڑھتے ہیں اور اس کا ثواب (اس کتاب کے) مؤلف کو ایصال کرتے ہیں اور اس سلسلے میں کوئی ٹکراؤ خیال نہیں کرتے کیونکہ ہر قول کا ثواب اس کے قائل کو ملتا ہے۔ لیکن یہ کام وہی کرتا ہے جو مومنوں پر اپنے نفس سے بھی زیادہ شفیق ہوتا ہے کیونکہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم سے یہی بات چلی آرہی ہے جس طرح ہم نے (مصنف نے) اس بات کو "السنن الکبری" میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

ظاہر میں محبت کے دعویٰ دار سے بھی تعلق رکھنا

ان (صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے اخلاق میں سے یہ بات بھی ہے کہ جو لوگ دل میں ان سے دشمنی رکھتے ہیں اور ظاہر میں ان سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان کا خیال یہ ہے کہ یہ صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم ان کے دعویٰ محبت میں ان کی تصدیق کرتے ہیں تو یہ ان سے میل جول رکھتے ہیں اور وہ ان کے جھوٹا ہونے کی پرواہ نہیں کرتے اور نہ ہی ان کے دعویٰ کو جھٹلاتے ہیں اسی طرح اگر وہ ان کا قرب چاہتا ہے تو یہ اس کو منع نہیں کرتے کیونکہ اس طریقے سے عداوت بڑھتی ہے اور فتنہ زیادہ ہو جاتا ہے لیکن اس شخص کے ساتھ میل جول میں احتیاط سے کام لیتے ہیں اور اپنے اعضاء کو ہر قسم کی مخالفت سے محفوظ رکھتے ہیں کیونکہ بعض اوقات دشمن اس میل جول کے ذریعے اپنے بھائی کی پوشیدہ باتوں پر مطلع ہونے کا ارادہ کرتا ہے تاکہ دشمنی ظاہر ہونے کے دنوں میں مجالس میں اس کی برائی بیان کرے جیسا کہ اکثر ہوتا ہے۔

پس دشمن سے میل جول میں احتیاط کی ضرورت ہے اور اسی کے ساتھ میل جول ہونا چاہئے جو اس کے بارے میں صداقت اور محبت کا عقیدہ رکھتا ہو کیونکہ جو شخص حسن تدبیر میں کامل نہ ہو اور اسے کثرت دین حاصل نہ ہو اس کے لئے دشمن سے بچنا زیادہ بہتر ہے۔ اس بات کو جان لو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

لوگوں کی اچھی باتوں کو دیکھنا اور برائیوں کو نظر انداز کر دینا

ان (صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) کے اخلاق میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں کی اچھی باتوں کو دیکھتے ہیں اور ان کی برائیوں کو نظر انداز کرتے ہیں حتیٰ کہ ان میں سے کوئی ایک اپنے (مسلمان) بھائی کا عیب دیکھ کر اس کی مذمت کرنے کے قریب بھی ہیں ہوتا۔ اور اس کے نزدیک تمام لوگ صالح ہوتے ہیں اور ی بات معلوم ہے کہ صالحین کسی شخص سے اپنی ذات کے لئے دشمنی نہیں کرتے بلکہ لوگ ہی ان سے حسد اور دشمنی کی بنیاد پر عداوت رکھتے ہیں۔

اگر کہا جائے کہ اس قسم کے لوگوں کا نفع بہت کم ہوتا ہے کیونکہ وہ نصیحت نہیں کرتے اور برائی سے ڈراتے نہیں پس کوئی شخص ہمیشہ گناہ کرتا رہتا ہے اور اس سے بچتے ہوئے ہدایت کا راستہ نہیں پاتا اور اس طرح تو انہیں کوئی معصیت، معصیت نظر نہیں آئے گی کیونکہ انہوں نے اسے اچھے معنوں پر محمول کیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ صحیح الہام کے ساتھ تنبیہ کرنے کی طرف رہنمائی حاصل کرتا ہے کیونکہ اس کا اپنے شیخ کے ساتھ رابطہ ہوتا ہے یا وہ اپنے نفس پر قیاس کرتا ہے اور کہتا ہے جس طرح مجھ سے گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہے اسی طرح میرے بھائی کا معاملہ ہے وہ بھی اس سے خالی نہیں ہوتا کیونکہ جو کام میرے حق میں جائز ہے وہ میرے غیر کے حق میں بھی جائز ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ

جب وہ اپنے (مسلمان) بھائیوں کے نقائص کا ذکر کرتے ہیں تو ان کو ڈرانے کی خاطر ایسا کرتے ہیں اپنے آپ کو تسلی دینے کے لئے نہیں کہ وہ خود ان گناہوں سے دور رہیں کیونکہ کامل انسان کو لوگ "ابو العیون" (آنکھوں والا) کہتے ہیں پس اسے ہر چیز کے لئے ایک نگاہ حاصل ہوتی ہے جس کے ساتھ وہ اسے دیکھتا ہے لہٰذا وہ اپنے بھائی کے نقائص سے سلامتی کی گواہی دیتا ہے مثلاً ریاکاری اور نفاق وغیرہ سے اور اس طرح احتیاط کرتا ہے جس طرح کوئی شخص ایک نگاہ سے اس کو نقائص کے ساتھ تہمت زدہ قرار دیتا ہے اور دوسری نگاہ سے اس کو ڈراتا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

اس بات کو جان لو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

شکر اور استغفار کی کثرت

ان حضرات کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ جب ان کے حاسدین اور دشمن زیادہ ہوتے ہیں تو وہ بکثرت اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اس کے بعد کثرت کے ساتھ طلب مغفرت کرتے ہیں اور وہ اس نعمت پر جس پر لوگ ان سے حسد کرتے ہیں اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اور اللہ سے بخشش مانگتے ہیں اس لئے کہ اگر ان کا اپنا وجود اور اس نعمت کا وجود نہ ہوتا تو کوئی شخص ان سے حسد نہ کرتا جو حرام ہے اور طلب مغفرت جس کا ذکر کیا گیا وہ تقویٰ اور پرہیز گاری ہے جو اس نعمت کو لازم ہے ورنہ نعمت کا وجود ان کے اختیار میں نہیں ہے اس کو "استغفار اکابر" کہا جاتا ہے۔

اسی طرح جو لوگ ان سے حسد کرتے ہیں ان کے گناہوں کی بخشش بھی مانگتے ہیں وہ ان پر رحمت وشفقت کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں کیونکہ حسد کرنے والے نے حسد کی کثرت کے سبب اپنے دین کو ہلاک کر دیا پس ان میں سے ایک کہتا ہے یا اللہ! ہمارے حاسد کی بخشش فرما کیونکہ وہ اپنی تنگ نظری کی وجہ سے اس نعمت کو نہیں دیکھ سکتے جو ہمارے پاس ہے ان کے پاس نہیں اگر ان کے دل

کشادہ ہوتے تو وہ ہمارے حسد میں نہ پڑتے اس خلق کا اعزاز بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتا ہے بلکہ عام طور پر آدمی اپنے حاسد کے لئے ہر برائی کی تمنا کرتا ہے اور اللہ خوب جانتا ہے۔

اس بات کو جان لو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

انصاف کرنا

ان بزرگان دین کے اخلاق میں سے یہ بات بھی ہے کہ جو لوگ ان کے اکابر اور امراء کے ہاں حصول رزق اور تحائف وغیرہ کے سلسلے میں کوشش کرتے ہیں وہ ان سے انصاف برتتے ہیں اور ان کے ساتھ نصف یا چوتھائی کے ساتھ جس طرح وہ راضی ہوں تقسیم کرتے ہیں خصوصاً جب نیکی، زہد اور تقویٰ کے ساتھ ان کا وصف بیان کیا جائے حتیٰ کہ اسے وہ کچھ دیں جو دیتے ہیں کیونکہ یہ ایک قسم کا حیلہ ہے اور شیخ کے لئے مناسب نہیں کہ وہ جس چیز کا مطالبہ کرے اس میں یہ بخل سے کام لے کیونکہ حقیقتاً یہ اسی حیلہ گر کے کسب سے ہے بلکہ زیادہ بہتر یہی ہے کہ اس سے مطلقاً کچھ نہ لے البتہ شرعی طریقے سے لے سکتا ہے۔

اور آج کے زمانے میں حیلہ گر بہت ہیں حتیٰ کہ ان میں سے کوئی ایک نقیب (نمائندہ) مقرر کرتا ہے جو امراء یا مشائخ عرب کے ہاں اس کے لئے حیلہ کرتا ہے پھر جب وہ کچھ لے کر آتا ہے تو یہ اسے اپنے ساتھ خاص کر لیتا ہے اور اس نقیب کو کچھ نہیں دیتا جس نے اس کے لئے مشقت اٹھائی ہے یہ بہت بڑا ظلم ہے۔

اور میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے بعض کو دیکھا جو شیخ کو حاکم کے پاس لے گیا اور اس کی برائیاں بیان کیں حتیٰ کہ قاضی اور اس کی جماعت نے شیخ سے کہا بے شک تم بہت بڑے لالچی ہو۔

تو اے بھائی! تم گزشتہ زمانے کے بزرگوں کے بارے میں ایسا تصور کرنے سے بچو اس طرح ان کے بارے میں بد گمانی ہوگی بلکہ وہ بزرگان دین زہد و تقویٰ کے بڑے مقام پر فائز تھے۔

اے بھائی! اس بات کو سمجھو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پانے والا ہے۔

منگنی کے وقت سنت طریقہ اختیار کرنا

ان (صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ جب وہ کسی عورت کو نکاح کا پیغام دیتے ہیں تو سنت طریقے پر عمل کرتے ہوئے اس کے چہرے اور ہتھیلیوں کو دیکھتے ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ عمل شہوت کے بغیر ہوتا ہے کیونکہ ابھی اس عورت سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں کیونکہ جمہور اس کے خلاف ہیں کیونکہ شارع علیہ السلام نے دیکھنے کی اجازت دی اور ان میں سے کوئی اسے حیاء کے خلاف نہیں سمجھتا کیونکہ نہ دیکھنے میں کئی مفاسد اور خرابیاں ہیں جب وہ اسے پسند نہ کرے۔

پھر جب ان میں سے کوئی اس عورت کو دیکھتا ہے جسے نکاح کا پیغام دیا تو ضرورت کے مطابق دیکھتا ہے اور اگر اپنے نفس کی طرف سے سرکشی معلوم ہو تو اجازت کی مقدار سے بھی کم دیکھے اور اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دے یا کسی عورت کو اجازت دے جس پر اسے اعتماد ہو کہ وہ اسے دیکھے اور وہ اس کی نیابت کرتے ہوئے دیکھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص نہیں دیکھتا ہے اور اس کو حیاء کے خلاف سمجھتا ہے وہ سنت سے جاہل ہے اور سخت طبیعت ہے اور جس حیاء کو وہ دلیل بناتا ہے وہ طبعی ہے شرعی نہیں اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

معلم قرآن کا ادب کرنا

ان حضرت (صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) کے اخلاق میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ جو شخص ان کو قرآن پاک کی سورت یا ایت سکھائے اس کا بہت ادب کرتے ہین اسی طرح جو شخص ان کو علم کا کوئی ایک باب سکھائے اس کا بھی ادب کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ اس (استاذ) کے پس سے سوار ہو کر گزر نہیں سکتے اور نہ اس کی مطلقہ عورت سے نکاح کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ (شاگرد) اسلام یا طریقت کے مشائخ میں سے ہو جائے اساتذہ کے ادب میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ ان کے اکرام واحترام پر ان کے لئے، ان کے اہل وعیال اور جو بھی ان سے متعلق ہیں سب کے لئے تحائف اور لباس پیش کرتا ہے۔

اسی طرح ان کے اخلاق میں یہ بھی ہے کہ وہ اس فقیہ کے ساتھ بخل سے کام نہیں لیتے جو ان کے بچوں کو قرآن مجید پڑھاتے ہیں اسے جو دنیوی مال دیتے ہیں اس کو زیادہ خیال نہیں کرتے۔

"الرسالہ" کے مصنف ابن ابی زید القیروانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ جب ان کے بیٹے کے استاذ نے اس بچے کو قرآن کا ایک حزب (حصہ) پڑھایا تو انہوں نے اسے ایک سو دینار دیئے فقیہ (استاذ) نے ان سے کہا اے میرے سردار! میں نے کوئی ایسا عمل نہیں کیا جس کی وجہ سے میں اس سب کا مستحق قرار پاؤں۔

راوی کہتے ہیں شیخ نے اپنے بیٹے کو دوسرے استاذ کے پاس بٹھا دیا اور کہا کہ یہ شخص قرآن مجید کی توہین کرنے والا ہے۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں کہ میں نے اپنے استاذ شیخ حسن حلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ یہ عمل کیا میں ان کی وفات تک ان کو اور ان کی اولاد کو لباس دیتا رہا اور میں یہ خیال نہیں کرتا کہ میں نے ان کا حق جو مجھ پر واجب ہے ادا کر دیا ہو۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ۹۱۸ھ میں ایک دن شیخ شمس الدین دمیاطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ گزر رہا تھا تو شیخ نے ایک نابینا شخص کو دیکھا جس کو اس کی بیٹی لے جارہی تھی۔ شیخ اپنی سواری سے اترے اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور کافی دور تک اسے لے کر چلے جب واپس آئے تو میں نے ان سے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا میں نے بچپن میں اس شخص کے سامنے قرآن مجید کا کچھ حصہ پڑھا پس میرے لئے ممکن نہیں کہ میں سواری کی حالت میں ہوں اور یہ پیدل جارہے ہوں۔

حالانکہ شیخ شمس الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بادشاہوں کے ہاں جو جاہ و مرتبہ، عقیدت وارادت، حالات کی درستگی اور علم حاصل تھا وہ کسی اور کے لئے نہیں دیکھا۔ حتیٰ کہ ایک دن میں نے ان کو دو محلات کے درمیان دیکھا کہ لوگ ان کیک ہاتھ چومنے کے لئے بھیڑ کئے ہوئے ہیں اور جو شخص ان تک پہنچ نہیں سکتا وہ اپنی چادر کو پھیلاتا ہے اور ان پر ڈالتا ہے حتیٰ کہ وہ شیخ کے کپڑوں سے چھو جاتی ہے پھر وہ اس چادر کو چومنے لگتا ہے جس طرح لوگ کعبہ شریف کے غلاف کے ساتھ کرتے ہیں یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ قاہرہ سے گزرے۔ پس اللہ تعالیٰ اہل ادب سے راضی ہوا اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

نوافل، فرائض کی تکمیل کے لئے پڑھنا

ان (صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) کے اخلاق مین سے ایک خلق یہ ہے کہ وہ نوافل کو اپنے لئے (مستقل) عبادت خیال نہیں کرتے اگرچہ وہ اس قدر کھڑے ہوں کہ ان کے قدم پھول جائیں وہ

نوافل کو فرائض میں پیدا ہونے والے نقص کو پورا کرنے کا سبب سمجھتے ہیں کیونکہ حقیقتا نوافل اس شخص کے لئے ہوتے ہیں جس کے فرائض کامل ہوں (ناقص نہ ہوں) جس طرح اس ارشاد خداوندی میں اشارہ ہے:

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ (الإسراء ۷۹)

ترجمہ: اور آپ رات کو تہجد پڑھیں یہ آپ کے لئے نفلی نماز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ تہجد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے لئے نفلی نماز ہے کیونکہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے فرائض کامل تھے اس لئے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم عبادات میں نقص سے معصوم تھے۔ جس طرح امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خصائص میں اور دیگر کتب میں بھی ذکر کیا اور اگر فرض کیا جائے کہ کوئی ولی کامل طور پر عبادت کرتا ہے تو یہ رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی وراثت مین ایسا کر رہا ہے۔

اور میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے بعض علماء کے کلام میں دیکھا ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے سامنے اسی شخص کی نماز کو پیش کرتے ہیں جو نوافل کے ذریعے اسے مکمل کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ادب کے طور پر ایسا کرتے ہیں۔

بادشاہوں کی جماعت کے ساتھ بھی اسی طرح کیا گیا مثلاً وہ شخص جس کے بدن میں کوئی عیب (بیماری) ہو اسے کبھی بھی بادشاہوں کے سامنے پیش نہیں کرتے تاکہ اس کی نگاہ کسی ناقص پر نہ پڑے اور اگر کسی وزیر یا گھریلو ملازم وغیرہ میں ایسی بیماری پیدا ہو جائے۔ تو اس کو معزول کرکے اس کی جگہ دوسرے شخص کو مقرر کر دیتے ہیں جو کچھ لوگ ادب کے طور پر بادشاہوں کے ساتھ کرتے ہیں وہ

اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی ادب ہے کیونکہ اکثر مسائل میں شریعت عرف کے تابع ہوتی ہے (یعنی مطابق ہوتی ہے) جیسا کہ یہ بات معلوم ہے۔

تو اے بھائی! بات کو جان لو اور اس پر عمل کرو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے۔

تحائف کی خواہش رکھنا

ان (صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) کے اخلاق میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ تحائف کے منتظر نہیں رہتے کہ کوئی شخص مثلاً حجاز یا شام سے آئے تو ان کے دل میں یہ خیال نہیں ہوتا کہ وہ کھجوریں شال یا جوتے یا پھل وغیرہ کا ہدیہ دے گا بلکہ وہ ہمیشہ اس بات سے غافل ہوتے ہیں۔

اسی طرح اگر وہ کسی کو ہدیہ دیں جو سفر مذکورہ سے آیا ہو تو ان کے دل میں یہ خیال نہیں ہوتا کہ وہ بھی ان کو ہدیہ کا بدلہ دے گا بلکہ وہ اس بات سے مکمل طور پر غافل ہوتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنے اس بھائی کے بارے میں بدگمانی کا شکار ہوتے ہیں بلکہ وہ طمع نہیں کرتے اگرچہ اپنے بھائی کے بارے میں جو گمان وہ کرتے ہیں وہ بدگمانی ہو بھی جائے کیونکہ وہ بدگمانی کا قصد نہیں کرتے اور آدمی کا مواخذہ اسی بات پر ہوتا ہے جس کا وہ قصد کرتا ہے۔

سیدی حضرت علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب کسی شخص سے سنتے کہ وہ "اشعث الطماع" لوگوں کے گھروں کے دھویں کو تلاش کرتا پھرتا ہے (تاکہ جا کر شریک طعام ہو) تو وہ اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ شخص اپنے پڑوسی کے لئے حسن ظن رکھتا ہے پس اللہ تعالیٰ اسے اچھی جزا دے یعنی وہ اپنے پڑوسی کے بارے میں اچھا گمان رکھنے کی وجہ سے قابل تعریف ہے اگرچہ اس سے طمع لازم آئے۔ پس اس بات کو سمجھو۔

اور یہ بات جان لو کہ جب تم کسی کی طرف ہدیہ بھیجو اور تم جانتے ہو کہ تمہارا وہ (مسلمان) بھائی اس کا بدلہ ضرور دیتا ہے اور یہ بات مشہور ہے تو اپنے نمائندے کے ذریعے اسے پیغام بھیجو کہ وہ اس سے کہے کہ یہ ہدیہ بدلہ کا استحقاق رکھتا ہے لیکن تمہارا بھائی (ہدیہ بھیجنے والا) تمہیں قسم دیتا ہے کہ تم اس کا بدلہ نہ دینا اس کا دل رکھنے کے لئے یہ بات کہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بدلہ دینے کی مشقت سے راحت پائے گا اگرچہ ایک ساعت ہی کیوں نہ ہو۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے ایک دفعہ اپنے بھائی شیخ شمس الدین برھمتوشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس معمولی سا تحفہ بھیجا تو انہوں نے اس سے کئی گنا زیادہ بھیجا۔ میں اس سے ان کی عظیم مروت کا جان گیا لیکن یہ بات مخفی نہیں کہ ہدیہ دینے میں پہل کرنا مطلوب شرعی ہے خصوصًا جن دو آدمیوں کے درمیان دل ہی دل میں عداوت ہو۔ حدیث شریف میں ہے:

"تھادوا وتحابوا"۔[8]

ترجمہ: ایک دوسرے کو تحائف دو اس سے باہمی محبت پیدا ہوتی ہے۔

اور حدیث شریف میں ہے:

"الھدیۃ تذھب وحر الصدر"۔[9]

ترجمہ: ہدیہ سینے کی کھوٹ کو دور کرتا ہے۔

تو اے بھائی! شرعی طریقے پر ہدیہ دینے میں پہل کرو، اور اس شخص کے ہدیہ کے منتظر نہ رہو جو سفر سے آیا جس کو تم نے ہدیہ دیا اس سے بدلے کی تمنا بھی نہ کرو، جب تم اس طریقے کی مخالفت کرو

[8] (مؤطا امام مالک، باب ماجاء فی المھاجرۃ صفحہ ۷۰۷ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ ملتان)

[9] (جامع ترمذی، باب فی حدیث النبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ وَسلَّم علی الھمۃ ھدیث ۲۱۳۷ جلد ۴ صفحہ ۴۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

گے تو اپنے اسلاف کے طریقے سے نکل جاؤ گے۔ اس بات کو جان لو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

مہمان نوازی

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک خلق یہ ہے کہ وہ مہمان سے سختی کے ساتھ وعدہ لیتے ہیں کہ وہ اس کے بعد وہی رزق کھائے گا جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مقسوم فرمایا۔ شیخ عبد الحلیم بن مصلح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مہمان کو قسم دیتے تھے کہ وہ ان کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے گھر میں نہیں کھائے گا جب تک وہ اس شہر میں ہے اس کے بعد مہمان ان کے پاس کبھی کبھی آتا تھا۔ ایک دن میں نے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے فرمایا ہم نے اس سے سختی سے یہ وعدہ لیا کہ وہ وہی چیز کھائے گا جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مقرر کر دی ہے مہمان نوازی کی پابندی کا شدت سے اہتمام کرنے کی وجہ سے روٹی کا فائدہ ہوا۔ اور اگر میں اس وعدہ میں سختی نہ کرتا تو بعض اوقات وہ میری مرضی کے خلاف میرے ہاں کھاتا اور میں اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور مخلوق کے نزدیک قابل مذمت ہوتا۔

میں نے یہ طریقہ سیدی شیخ محمد شناوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اولاد اور شیخ عبد الرزاق بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اولاد کے ساتھ اختیار کیا جب وہ ایک مرتبہ تین ماہ میرے ہاں ٹھہرے جب وہ کسی اور کے پاس کھاتے تو میں ان پر ناراض ہوتا اور اس طرح ان کے دل کشادہ ہو جاتے اور یہ وہم دور ہو جاتا کہ مجھ پر بوجھ ہیں یا ان کی وجہ سے بوجھ پڑ رہا ہے۔

تو اے بھائی! اس بات کو جان لو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

کھانے پینے میں سخت پرہیز

ان صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ وہ کھانے اور پینے کے معاملے میں سخت پرہیز کرتے ہیں حتیٰ کہ ان میں سے کوئی ایک اس وقت تک نہیں کھاتا جب تک یہ بات نہ دیکھ لے کہ اس کا حلال ہونا سات یا تین ہاتھوں سے گزرا ہے اگر وہ اس قسم کا کھانا نہ پاتے تو بھوکے رہتے حتیٰ کہ کوئی حلال رزق پاتے جو ان کے مناسب ہوتا۔

اور میرے (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) بھائی شیخ افضل الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان پرہیز کرنے والوں میں سے آخری ہیں جن کو میں نے دیکھا وہ کوئی کھانا اس وقت تک نہ کھاتے جب تک اس کی حلت کے سلسلے میں سات ہاتھوں کا تعلق نہ رہا ہو اور اس طرح کا کھانا نہ پاتے تو کئی کئی دن کھانا چھوڑ دیتے حتیٰ کہ آنتیں ایک دوسرے کو کھاتیں اور ان کی عقل اور دین کے بارے میں خوف پیدا ہو جاتا اس وقت حالت اضطرار والے شخص کی طرح کھالیتے۔ اور ان کو اس کھانے کا ان ہاتھوں سے گزرنا کشف کے ذریعے معلوم ہو جاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان کیا کہ میں ان کیک نقش قدم پر چل رہا ہوں لیکن میں سرف تین ہاتھوں سے گزرنے تک پہنچا ہوں۔ پھر اگر مجھے اس میں شک ہو جاتا ہے تو میں قے کر لیتا ہوں۔ اور بعض اوقات وہ خود اس بات پر مطلع ہو جاتے تھے۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

نفس کا محاسبہ

ان (صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے اخلاق سے ایک خلق یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کا ہر وقت خیال رکھتے تھے تاکہ اس سے منافقین کی صفات نکال دیں اور اس میں مومنین کی صفات داخل کر

دیں کیونکہ یہ صفات ان پہلی صفات کے بر عکس ہیں۔ مومنین کی صفات میں سے کچھ صفات وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں ذکر کیا ہے۔

التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ (التوبة ۱۱۲)

ترجمہ: توبہ والے، عبادت والے، سراہنے والے، رونے والے، رکوع والے، سجدہ والے، بھلائی کی طرف بلانے والے، برائی سے روکنے والے، اور اللہ کی حدیں نگاہ رکھنے والے، اور خوشی سناؤ مسلمانوں کو۔

اور بعض اس ارشاد خداوندی میں:

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (۱) الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (المؤمنون ۲)

ترجمہ: بیشک مراد کو پہنچے ایمان والے، جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں۔

اور حدیث شریف میں ہے:

"لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیه ما یحب لنفسه"۔[10]

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے مسلمان (بھائی) کے لئے وہ چیز پسند نہ کرے جو اپنی ذات کے لئے پسند کرتا ہے۔

---

[10] (مشکوٰۃ المصابیح، باب الشفقة والرحمة على الخلق صفحه ۴۲۲ مطبوعه قدیمی کتب خانه کراچی)

اور دوسری حدیث شریف میں ہے:

”لایؤمن احدکم حتی یامن جارہ بوائقہ“۔[11]

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کا پڑوسی اس کے بوائق سے محفوظ نہ ہو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم! اس کے بوائق کیا ہیں؟ فرمایا اس کا دھوکہ اور ظلم۔

امیر المؤمنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے جب تم مجھے دیکھو کہ میں (سیدھے) راستے سے بھٹک گیا ہوں تو مجھے سیدھا کرو اور مجھے نصیحت کرو کیونکہ مومن اپنے (مومن) بھائی کے لئے صرف ناصح (خیر خواہ) ہوتا ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے بعض رسائل میں مومنین کی صفات کو جمع کیا ہے وہ فرماتے ہیں اسے یوں ہونا چاہیئے۔

حیاء زیادہ، اذیت کم، خیر کثیر، فساد قلیل، زبان صادق، کلام کم، عمل زیادہ، لغزش کم، فضول (غیر ضروری) رشتہ داروں سے نیکی زیادہ، بہت صلہ رحمی کرنے والے بہت باوقار، بہت زیادہ شکر گزار، جب رزق تنگ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ راضی، بردبار، اپنے بھائیوں سے نرم خو، پاکدامن، بہت شفیق، نہ لعنت کرنے والا، نہ گالی دینے والا، نہ عیب نکالنے والا، نہ غیبت کرنے والا، نہ چغل خور، نہ جلد باز، نہ حاسد، نہ کینہ پرور، نہ متکبر، نہ خود پسند، نہ دنیا کی طرف راغب، نہ بخیل، ہشاش بشاش، نہ حقیر جاننے والا، نہ جاسوسی کرنے والا، اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرے، اللہ کے لئے

---

[11] (مشکوٰۃ المصابیح، باب الشفقۃ و الرحمۃ علی الخلق صفحہ ۴۲۲ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

راضی ہو، اللہ کے لئے ناراض ہو اس کا زاد راہ تقویٰ ہو، اس کی ہمت وارادہ آخرت ہو، اس کا ہم نشین اس کو یاد کرنے والا ہو، اس کا محبوب اس کا مولیٰ ہو، اس کی کوشش دوسرے کے لئے ہو، اس طرح کے تین سو اوصاف ہیں۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر منافقین کی دمیں ہوتیں تو ان کی کثرت کے سبب مومنوں کو چلنے کے لئے زمین نہ ملتی۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے زمانے میں کوئی شخص کسی ایک کلمہ کی وجہ سے منافق ہو جاتا تھا اور میں تم میں سے کسی ایک سے وہ کلمے ایک مجلس میں دس بار سنتا ہوں لیکن وہ اس سے باخبر نہیں ہوتا۔

حدیث شریف میں ہے:

"المنافق همته فی الطعام و الشراب و المؤمن همته فی الصیام و الصلوٰۃ"۔

ترجمہ: منافق کا مقصود کھانا پینا ہے اور مومن کا مقصود روزہ اور نماز ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے مومن کی قوت اس کے دل میں ہوتی ہے اور کافر اور منافق کی ہمت اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے مومن کی علامت میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ اطاعت کرنے کے باوجود روتا ہے اور منافق کی علامت یہ ہے کہ وہ عمل کو بھول جاتا ہے پھر ہنستا ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے مومن کھجور کا درخت لگاتا ہے اور ڈرتا ہے کہ کہیں اس کا پھل کانٹوں کی صورت میں نہ آئے اور منافق کانٹے بیج کر کھجوروں کا پھل طلب کرتا ہے۔

تو اے بھائی! اس بات کو سمجھو اور موت سے پہلے اپنے نفس کو ٹٹولو اگر اس میں منافقین کے اخلاق پاؤ تو روؤ اور بہت زیادہ استغفار کرو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

مال کے ساتھ معاملہ

ان (صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) کے اخلاق میں سے ایک اخلاق یہ ہے کہ وہ شروع شروع میں دینار اور درہم جمع نہیں کرتے پھر آخر میں ان کو خرچ کرنے کے لئے جمع کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی طریقت کے آغاز میں دودھ پیتے بچے کے حکم میں ہوتا ہے جب دودھ چھڑایا جاتا ہے تو اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ پستان پر ایلوا (کڑوی چیز) وغیرہ رکھا جائے تاکہ وہ دودھ پینا پسند نہ کرے جو اس کے لئے نقصان دہ ہے جب ہمیں یقین ہو جائے کہ پستان سے منہ لگانا اس کے لئے ناپسند ہے تو وہ خود بخود دودھ کو چھوڑ دیتا ہے اور اپنے آپ کو اس سے بچاتا ہے اسی طرح فقیر آخری حالت میں دنیا سے بچتا ہے اور اس وقت دولت جمع کرنے میں کمال ہے تاکہ اس کے ذریعے اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے بچائے اور اس میں سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں حکم خداوندی کے مطابق خرچ کرے۔

اسلاف میں سے بعض نے دنیا سے روکا اور بعض نے (مال) روک رکھنے کا حکم دیا تو اس کا یہی مطلب ہے (دونوں قول درست ہیں)۔

حضرت مسلم النحات رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب درہم ودینار بنائے گئے تو ابلیس نے ان کو اپنی پیشانی پر رکھا اور ان کو بوسہ دیا پھر کہا جو شخص تم دونوں کو پسند کرے گا وہ میرا سچا غلام ہو گا۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں کہ (جس محبت دنیا کا اوپر ذکر ہوا) مطلق نہیں بلکہ خرچ کرنے کے لئے مال کا حصول اس سے مستثنیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کیونکہ یہ اطلاق، محل تفصیل میں ہے۔

اور حضرت کھمس بن حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے ہاتھ سے درہم ودینار جمع نہیں کرتے تھے وہ فرماتے تھے اللہ کی قسم مینگنی کی تھیلی مجھے سونے کی تھیلی کے مقابلے میں زیادہ پسند ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے فقیر کا مقام دنیا کو چھوڑنے اور اس سلسلے میں اپنے آپ کو اپنے بھائیوں سے مقدم نہ کرنے سے مکمل ہوتا ہے البتہ یہ کہ ان کے مقابلے میں زیادہ محتاج ہو۔

ایک شخص نے حضرت ابراہیمن بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ان کے ساتھ رہنے کا مطالبہ کیا تو انہوں نے فرمایا ایک شرط ہے ہے کہ تم اپنے مال کے مجھ سے بڑھ کر مالک نہ ہو گے اس نے کہا مجھے اس کی طاقت نہیں پھر وہ چلا گیا۔

تورات میں ہے جو دل دنیا سے محبت کرتا ہے اس کے لئے حق کہنا حرام ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جان لو! درہم بچھو ہے جس کو اس کا دم اچھی طرح نہیں آتا اس کا زہر اسے ہلاک کر دیتا ہے پوچھا گیا اس کا دم کیا ہے؟ فرمایا حلال طریقے سے حاصل کیا جائے اور اپنے مقام پر خرچ کیا جائے۔

حضرت سمیط بن عجلان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے درہم منافقین کی لگام ہے اس کے ذریعے ان کو ہلاکت کے مقامات کی طرف لے جایا جاتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے کوئی شخص اس وقت تک نیک نہیں ہو سکتا جب تک اس کے نزدیک سونا اور مٹی برابر نہ ہو جائیں۔

حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو اس لئے کشادگی اختیار کرتا ہے کہ اس کے پاس دنیا آجائے وہ منافق ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا میں لوگوں کے سامنے زہد کا مظاہرہ کرتا ہے اور جو یہ مظاہرہ نہیں کرتا وہ منافق نہیں اللہ خوب جانتا ہے۔

امیر المؤمنین علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم اپنی ہتھیلی میں درہم رکھ کر فرماتے تھے اے درہم! تجھ پر افسوس ہے تو اس وقت مجھے نفع دیتا ہے جب مجھ سے چلا جائے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب کسی دروازے سے حرام درہم داخل ہو جاتا ہے تو روشن دان سے حق نکل جاتا ہے ان سے پوچھا گیا اگر روشن دان بند کیا جائے۔ فرمایا وہاں سے نکلتا ہے جہاں سے موت کا فرشتہ آتا ہے۔

حضرت عطاء بن زیاد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کوئی عالم اس وقت تک پایہ تکمیل کو نہیں پہنچتا جب تک دنیا اور عورتوں سے دور نہ رہے (مطلب یہ کہ زیادہ متوجہ نہ رہے مطلق ممانعت نہیں)

اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہ شعر اکثر پڑھتے تھے:

انی وجدت فلاتظنوا غیرہ ان التورع عندھذاالدرھم

فاذاقدرت علیہ ثم ترکتہ فاعلم بان تقاک تقوی المسلم

ترجمہ: میں نے حقیقت کو پایا پس تم کسی غیر کا گمان نہ کرو تقویٰ اس درہم کے پاس ہے پس جب تم اس پر قادر ہو اس کو چھوڑ دو تو جان لو کہ تمہارا تقویٰ، مسلمان کا تقوی ہے۔

تو اے بھائی! ضرورت سے زائد دنیا سے اپنے آپ کو بچاؤ اور زہد میں اپنے پاکیزہ اسلاف کی پیروی کرو اس کی آفات سے بچ جاؤ گے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے۔

مرشد، مرید کی عبادت کو اپنی خدمت سے مقدم سمجھے

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ ان کا مرید ان کی خدمت پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کو مقدم کرے جب وہ ان میں کسی کو حاجت کے لئے بلاتے ہیں اور وہ مثلا تلاوت قرآن یا ذکر الٰہی میں مشغولیت کی وجہ سے نہیں آتا تو یہ بات ان کے لئے ان کی اپنی حاجات کے مقابلے میں زیادہ ترجیح رکھتی ہیں اگرچہ ان کی اپنی حاجت ضروری ہو مثلاً گندم پیسنا اور کھانا پکانا وغیرہ۔

اس خلق پر وہی شخص عمل کرتا ہے جو نفس کی رعونت (تکبر) سے خالی ہو اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی رضا کی محبت صحیح ہو حتیٰ کہ وہ اس (خلق) کو اپنی تمام نفسانی خواہشات پر مقدم کرے۔

میں نے درود شریف کا ایک وظیفہ مقرر کر رکھا تھا ایک دن مجھے ذکر اچھا لگا تو میں اس میں مسلسل مصروف رہا حتیٰ کہ مجھ سے میرا درود شریف کا ورد چھوٹ گیا اس کے بعد میں حضور صَلَّی اللّٰہُ

تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے حیاء کی وجہ سے شرمندہ ہوا جب صبح ہوئی تو میں نے یہ واقعہ اپنے شیخ حضرت علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا اس وجہ سے حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے شرمندگی مناسب نہیں کیونکہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم یقیناً اپنی ذات کے مقابلے میں اپنے رب سے زیادہ محبت کرتے ہیں لہٰذا یہ وہم مناسب نہیں کہ اس وجہ سے حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم تم سے کبیدہ خاطر ہوں گے بلکہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم درود شریف کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کے ذکر پر زیادہ خوش ہوتے ہیں علاوہ ازیں درود شریف میں اللہ تعالیٰ کا ذکر لازمی طور پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

اسی طرح شیخ کو چاہیئے کہ وہ رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم پر درود شریف میں مرید کی مشغولیت پر زیادہ کشادہ دلی کا مظاہرہ کرے بنسبت اس کے کہ مرید یہ دعا کرے یا اللہ میرے شیخ پر رحم کر اور اس کی مغفرت فرما وغیرہ وغیرہ کیونکہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم پر درود شیخ کے نزدیک اس کی جان اور اس کی اہل سے زیادہ محبوب ہے۔

اے بھائی! اس بات کو سمجھو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

اعمال آخرت کو دنیوی اعمال پر مقدم کرنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ ہمیشہ آخرت کے اعمال کو دنیوی اعمال پر مقدم کیا جائے پس صبح کی نماز کے بعد وظائف کو دیگر کاموں سے مقدم کرنا چاہیئے جس طرح ٹھنڈی رات میں لحاف کے اندر سونے کے مقابلے میں تہجد کو مقدم کیا جاتا ہے تمام سلف صالحین کا یہی طریقہ ہے۔

جو شخص صبح اٹھ کر دنیا کا قصد کرے وہ ان کے طریقے سے خارج ہے۔

اور میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے ایک مرتبہ ایک شیخ کو دیکھا جو باغ میں سیر کا ارادہ کر رہا تھا اس نے اس دن وظیفہ ترک کر دیا اور صبح کی نماز بھی با جماعت نہ پڑھی اس کا عمامہ اونی تھا اور اس کا شملہ بھی تھا میں نے اس سے کہا اے بھائی!

اگر تم دھاری دار عمامہ اور دھاری دار لباس پہنتے جس طرح لباس پر تکبر کرنے والے پہنتے ہیں اور صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھتے اور وظیفہ بھی پڑھتے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بات افضل ہوتی پس اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

حضرت یونس بن عبید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص ایک بار بھی سبحان اللہ اور لا الہ الا اللہ نہیں پڑھتا جو دنیا اور جو کچھ اس میں سے ہے سے بہتر ہے تو اس نے اپنی دنیا کو اپنی آخرت پر ترجیح دی۔

اور حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ دنیا ابلیس کی بیٹی ہے جو اس سے نکاح کا ارادہ کرے گا تو اس کا باپ بار بار اس کے پاس آئے گا اور اگر وہ اس سے نکاح کرے گا تو وہ مکمل طور پر وہاں ٹھہر جائے گا۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں کہ اس دنیا کے ساتھ نکاح کرنے سے مراد اس کی تمنا کرنا ہے اور اس کے پاس داخل ہونے سے مراد اس کو روک رکھنا ہے یعنی جو مال حاجت سے زائد ہو غرض شرعی کے بغیر اسے روک لینا۔

پس معلوم ہوا کہ جو شخص اس بات کا ارادہ کرے کہ شیطان کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنے کے باوجود شیطان اس کے ساتھ نہ ٹھہرے تو اس نے محال بات کا ارادہ کیا یہی وجہ ہے کہ شیطان اکثر

ان لوگوں کو نماز، وضو اور نیت کے دوران وسوسہ ڈالتا ہے جو دل کے ساتھ دنیا سے محبت کرتے ہیں اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

اپنے بعد اولاد کے ضیاع کا خوف نہ ہونا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ وہ اپنے بعد اپنی اولاد کے ضائع ہونے کا خوف نہیں رکھتے یہی وجہ ہے کہ جو دنیوی مال ان کے پاس آتا ہے وہ اسے خرچ کرتے ہیں جمع نہیں کرتے اور اگر ان کو اپنے بعد اولاد کے ضائع ہونے کا ڈر ہو تو ان پر حرص، بخل اور لالچ کا حکم لگایا جائے گا اور وہ قوم (صوفیاء) کی صفات سے نکل جائیں گی۔

حدیث شریف میں ہے:

"الولد مبخلة مجبنة"۔[12]

ترجمہ: اولاد بخل اور بزدلی کا باعث ہے۔

یعنی اپنے باپ کو بخیل اور جہاد وغیرہ سے سستی کرنے والا بنادیتی ہے۔

حدث شریف میں یہ بھی آیا ہے:

"مالک ماقدمت ومال وارثک مااخرت"۔[13]

ترجمہ: تمہارا مال وہ ہے جو تم نے آگے بھیج دیا اور تمہارے وارث کا مال وہ ہے جو تم نے روک رکھا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اے انسان! خرچ کر، اور تیرے ارد گرد جو پھاڑنے والے درندے ہیں وہ تمہیں دھوکے میں نہ ڈالیں اور وہ تیرا بیٹا (اولاد) تیری بیویاں، تیرے

---

[12] (سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، حدیث ۳۶۶۶ جلد ۲ صفحہ ۱۲۰۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[13] (مستدرک امام حاکم، کتاب معرفۃ الصحابۃ جلد ۳ صفحہ ۱۶۴ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

قبیلے والے ہیں بے شک تیرا بیٹا شیر کی طرح ہے وہ اس مال میں تجھ سے جھگڑا کرے گا جو تیرے پاس ہے تا کہ وہ (مال) صرف اسی کا ہو کوئی دوسرا اس میں شریک نہ ہو، نہ تو وہ تیری طرف سے صدقہ کرے گا نہ تیرے ہاتھ میں چھوڑے گا کہ تو وہاں خرچ کرے جہاں اللہ راضی ہوتا ہے۔

اور تیری بیویاں دم ہلانے (چاپلوسی) اور بھونکنے میں کتے کی طرح ہیں اور قبیلے والوں کی حالت یہ ہے کہ اللہ کی قسم! تیرے مرنے کے بعد ان تک ایک درہم کا پہنچنا انہیں تیری زندگی سے زیادہ محبوب ہے اور تمہارا خادم حیلے بہانوں اور چوری میں لومڑی کی طرح ہے پس تو ان سے محبت نہ کر اور نہ ان کے لئے مال جمع کر اور نہ ہی گھر کا سامان زیادہ کر یہ لوگ تجھ سے کینہ رکھتے ہیں، جب تجھے قبر میں رکھیں گے تو اپنے گھروں کو واپس آنے کے بعد کپڑوں کو خوشبو لگائیں گے، عورتوں سے معانقہ کریں گے، کھائیں گے پیئیں گے اور تیرے مال پر اکڑیں گے جب کہ اس کا حساب تجھے دینا ہو گا۔

حضرت ابو حازم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے خرچ کرو اور اولاد کے ضائع ہونے کی فکر نہ کرو اگر وہ ایمان دار ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو حساب کے بغیر عطا کرے گا اور اگر فاسق ہوں گے تو اپنے مال کے ذریعے فسق پر ان کی مدد نہ کرو۔

اور حضرت سالم بن ابی الجعد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس جو مال آتا وہ شروع شروع میں اسے خرچ کر ڈالتے ان کی بیوی نے اس بات پر ان کو ملامت کی تو انہوں نے جواب دیا اگر میں نیکی لے جاؤں اور تمہیں شر میں چھوڑ کر جاؤں تو یہ بات مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ شر لے جاؤں اور تمہیں بھلائی میں چھوڑ دوں۔

حضرت محمد بن یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اپنے صالح بھائی پر خرچ کرو یہ تمہارے وارثوں سے زیادہ بہتر ہے اس لئے کہ یہ تمہارے لئے دعا کرے گا جب تم مٹی کی تہوں میں ہو گے حتیٰ کہ جب تم قبر سے نکلو گے تو اس کی دعا کی وجہ سے تم پر کوئی گناہ نہیں ہو گا۔

لیکن تمہارے وارث تمہارا مال تقسیم کر لیں گے اور تمہیں بھول جائیں گے اور تمہیں اپنے آپ سے افضل نہیں سمجھیں گے اور کہیں گے کہ اللہ نے یہ مال ہمارے لئے بنایا ہے۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے گھر میں چٹائی، قرآن مجید اور لوٹے کے علاوہ کچھ نہیں رکھتے تھے ایک مرتبہ ایک شخص نے ان کو نیا چھوٹا ڈونگہ دیا صبح ہوئی تو حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وہ ایک شخص کو دے دیا اور فرمایا اے بھائی! اسے لے لو اس نے میرے دل کو مشغول رکھا کیونکہ مجھے یہ ڈر رہا کہ کوئی شخص اسے میرے گھر سے چوری نہ کرے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں ایک دن اپنے بھائی کی ملاقات کے لئے گیا تو میں نے دیکھا کہ بھوک کی وجہ سے اس کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں میں نے اس کے لئے دو درہم نکالے اور اس سے کہا ان سے کوئی خوراک خرید و جو عبادت پر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو تقویت پہنچائے اس نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ اس رات مجھے کھانے پینے کے بغیر عبادت کی طاقت عطا فرمائے مجھے ڈر ہے کہ میں تم سے یہ لے لوں اور یہ رات کو میرے پاس رہیں اور میں مر جاؤں اور میں ان کے ساتھ کچھ خرید نہ سکوں۔

رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا وصال ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کے گھر میں کوئی درہم اور دینار نہ پایا۔

راوی فرماتے ہیں جب حضرت محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی وفات کا وقت ہوا تو انہوں نے اپنا تمام مال خرچ کر دیا لوگوں نے کہا آپ نے اپنی اولاد کے لئے کوئی چیز کیوں نہیں چھوڑی؟ تو انہوں نے جواب دیا اپنے نفس کے لئے ذخیرہ زیادہ بہتر ہے جہاں تک اولاد کا تعلق ہے تو میں نے ان کے لئے اپنے رب کے فضل کو ذخیرہ بنایا ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہم میں سے ایک شخص دنیا کی شرمندگی اور اس کے فقر سے ڈرتا ہے اور آخرت کی شرمندگی اور فقر سے نہیں ڈرتا حالانکہ آدمی کا آخرت میں اعمال کے اعتبار سے فقیر ہونا لوگوں کے سامنے سخت شرمندگی کا باعث ہے پس ہم نے بہت برا عمل کیا۔

وہ فرماتے تھے کھانے پینے کے ارادے نے غافل لوگوں کے دلوں کو خیر سے روک دیا ہے اور بندے کا اپنی زندگی میں ایک درہم خرچ کرنا موت کے بعد ایک ہزار درہم خرچ کرنے سے بہتر ہے۔

حضرت مدائنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اولاد کو ادب کا وارث بنانا ان کو مال کا وارث بنانے سے بہتر ہے کیونکہ ادب کے ذریعے وہ مال، مرتبہ اور (مسلمان) بھائیوں کی محبت حاصل کر سکتے ہیں اور دنیا و آخرت کی بھلائی حاصل ہو سکتی ہے لیکن مال جلد ختم ہو جائے گا اور ان کی حالت یہ ہو گی کہ نہ دنیا حاصل ہو گی اور نہ آخرت اور ہم نے وراثت میں ملنے والے مال کا اکثر تجربہ کیا تو اس میں نہ خیر پائی نہ ہی برکت کیونکہ وہ وارث کی اپنی کمائی نہیں ہے اور بعض اوقات مورث (جس کی وراثت تقسیم ہوتی ہے) اپنے وارثوں وغیرہ پر بخیل ہوتا ہے۔ پس اے بھائی! یہ بات جان لو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

قبرستان کی زیارت

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ وہ کبھی کبھی مسلمانوں کے قبرستان میں جاتے ہیں کیونکہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

"ذوروا القبور فانها تذكركم الآخرة"۔[14]

ترجمہ: قبرستان کی زیارت کرو یہ تمہیں آخرت کی یاد دلاتی ہے۔

آج کے زمانے میں بہت کم لوگ اس پر عمل کرتے ہیں اور اگر کبھی وہ کسی قبر میں داخل ہوں تو اس سے بھی عبرت حاصل نہیں کرتے عادت کے طور پر ایسا کیا جاتا ہے جس طرح وہ جمعہ (ہفتے) کے شروع میں یا مہینہ کے آخر میں زیارت کرتے ہیں۔

یا وہ میت کے گھر والوں کے دل میں تبدیلی آنے کے ڈر سے ایسا کرتے ہیں خاص طور پر جب ان کا اس پر حق ہو کہ اس کی اولاد یا والد کی زیارت کریں جب وہ مر جائے اور یہ ایک الگ غرض ہے ہماری گفتگو سے اجنبی ہے (یعنی اس کا مقصد آخرت کو یاد کرنا نہیں ہے)

میں نے جس شخص کو آخر میں اس پر عمل پیرا دیکھا وہ سیدی شیخ محمد عنان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں جو ہر جمعہ کو قرابتداروں کی زیارت کرتے تھے اور وہ زیارت کے لئے جاتے تھے چاہے فوت شدہ کو پہچانتے ہوں یا نہ، اور جب وہ قبروں کو دیکھتے تو رو پڑتے تھے اور اس سلسلے میں جو کلمات آئے ہیں پڑھتے تھے پھر فرماتے ان میں سے ہر ایک کی خواہش ہے کہ وہ دو رکعتیں پڑھے یا لا الہ الا اللہ پڑھے چاہے ایک مرتبہ ہو پس تم اپنی زندگی کو غنیمت سمجھو (مرنے کے بعد وقت نہیں ملے گا)۔

---

[14] (جامع ترمذی، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی الرخصة فی زیارة القبور حدیث ۱۰۵۶ جلد ۲ صفحہ ۳۳۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت۔ سنن ابو داؤد، کتاب الجنائز باب فی زیارة القبور حدیث ۳۲۳۴ جلد ۳ صفحہ ۲۱۸ مطبوعہ دار احیاء السنة النبویة بیروت)

حضرت یزید رقاشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب قبرستان کو دیکھتے تو روتے اور فرماتے افسوس! تم اپنے کس عمل پر خوش ہو پھر چیخ مارتے جس طرح بیل آواز نکالتا ہے۔

حضرت ہشام دستوائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب قبرستان کی زیارت کرتے اور پھر گھر کی طرف واپس آتے تو کئی دن تک چراغ روشن نہ کرتے تھے اور فرماتے تھے قبر کا اندھیرا یاد آجاتا ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بنو امیہ میں سے اپنے آباؤ اجداد کی قبروں پر جاتے اور فرماتے اے میرے آباؤ اجداد گویا تم نے لذت و نعمت میں دنیا والوں کو اپنے ساتھ شریک نہیں کیا اور فرماتے تھے ان قبور کا ظاہر کتنا اچھا ہے لیکن اندرونی طور پر ان کا معاملہ بہت مصیبت زدہ ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک شخص کو قبرستان میں ہنستے ہوئے دیکھا تو اس سے فرمایا کیا تمہارے لئے یہ بات کافی نہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو یہ بات پسند نہیں تھی۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میت کو قبر میں سات دن آزمائش میں گزارنے ہوتے ہیں اس لئے مسلمان اس کی طرف سے صدقہ کرنا مستحب سمجھتے ہیں تاکہ اس کی مدد کی جائے حتیٰ کہ اسے اس کی دلیل بتادی جائے۔

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ میں ایک قبر کے پاس سے گزرا تو میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ قبر سے باہر ہے اور سر سے پاؤں تک آگ کی لپیٹ میں ہے اس نے کہا!

اے عبد اللہ! مجھے پانی پلائیں۔ مجھے معلوم نہیں وہ میرا نام کیسے جانتا تھا اس نے اس طرح پکارا جس طرح کسی کا نام معلوم نہ ہو تو اسے اے بندہ خدا کہہ کر پکارتے ہیں میں اسے پانی پلانے لگا تو اس پر

مقرر فرشتے نے مجھے کہا اسے پانی نہ پلائیں وہ اسے مسلسل کوڑے سے مارتا رہا حتیٰ کہ وہ قبر میں لوٹ گیا اور اس پر قبر بند کر دی گئی۔

حضرت عطاء اسلمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اکثر عشاء کے بعد قبرستان میں جاتے اور صبح تک ان سے گفتگو کرتے پھر واپس آتے اور وہ فرماتے تھے اے قبرستان والو! تم مر گئے تو اے اہل قبور! تم نے موت سے ملاقات کی اور جو اعمال تم نے کئے ان کو دیکھا۔

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک دن ایک قبرستان سے گزرے تو اپنی چادر بچھا کر وہاں دو رکعتیں پڑھیں اس سلسلے میں آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا میں نے قبرستان والوں کو یاد کیا اور ان کے اور عبادت کے درمیان رکاوٹ پڑ چکی تھی پس میں نے اس بات کو پسند کیا کہ ان کے درمیان دو رکعتوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کروں۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے تھے تمہارے اعمال مردوں پر پیش کئے جاتے ہیں پس کبھی وہ خوش ہوتے ہیں اور کبھی غمگین ہوتے ہیں۔

اور آپ اکثر فرماتے تھے اے اللہ! میں ایسے عمل سے تیری پناہ چاہتا ہوں جس کے ذریعے میرے فوت شدہ (رشتہ دار) سے مواخذہ کیا جائے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دوسرے مردوں کے پاس موجود ہوتے تو وہ بے ہوش ہونے کے قریب ہو جاتے اور فرماتے اللہ کی قسم! اس معاملے کا آخر یہ ہے اس کے شروع میں زہد اختیار کرنا اور اس کے آخر سے ڈرنا مناسب ہے۔

اے بھائی! جان لو اس قوم کے اخلاق میں سے یہ بات بھی ہے کہ ان کی زندگی میں ان کی قبریں کھودی نہ جائیں یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ادب کا تقاضا ہے ارشاد خداوندی ہے:

وَمَاتَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ (لقمان ۳۴)

ترجمہ: اور کسی نفس کو (اپنے آپ) معلوم نہیں کہ وہ زمین کے کس حصے میں مرے گا۔

یعنی کہاں دفن ہو گا اور ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور آپ کے غلاموں نے سمعان کے عبادت خانے میں اپنی قبر کھودی آپ کھودتے تھے اور آپ کے غلام مٹی اٹھا کر پھینکتے تھے حتیٰ کہ اس کے کھودنے سے فارغ ہوئے تو ساتویں دن اسی جگہ دفن ہوئے۔

اسی طرح ہمیں بنو خولان کے دو آدمیوں کے بارے میں خبر ملی ہے کہ انہوں نے مصر کے باب القرافہ میں اپنی قبریں کھودی اور سنگ مرمر کی تختی پر اپنے نام کندہ کئے اور وہ اس بات کی گواہی دیتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم اللہ کے رسول ہیں۔

میں نے اپنی سیاحت کے دوران اس تختی کو پڑھا ان لوگوں میں سے کوئی اپنی قبر پر قبہ نہیں بناتا تھا نہ اس کے لئے کوئی کمرہ بنایا جاتا تھا نہ دیوار کو چونہ وغیرہ کیا جاتا تھا نہ اس کے قبہ (گنبد) میں کھڑکی رکھی جاتی تھی بخلاف اس کے جو آج کے زمانے میں بعض نام نہاد صوفیاء نے طریقہ اختیار کیا ہے اور بعض پر (یہ قبہ) ظالم لوگوں کے پیسے سے ہوتا۔

تو اے صالح بھائی! اس قسم کے کاموں سے بچو۔ بزرگوں نے کہا کتنی ہی قبروں کی زیارت کی جاتی ہے اور قبر والا آگ (کے عذاب) میں ہوتا ہے۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے عجم کے مشائخ میں سے ایک شیخ کو دیکھا کہ اس نے اپنی کتب، لباس اور گھر کا سامان فروخت کیا اور اس کے لئے قبہ، تابوت، پردہ وغیرہ بنائے گئے اور یہ سارا مال اس پر خرچ کیا گیا پھر اس کے دروازے پر لکھا گیا۔

قف علی الباب خاضعا واحسن الظن وارتج
فھو باب مجرب لقفاء الحوائج

ترجمہ: اس دروازے پر عاجزی کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اچھا گمان کرو اور اسے کھٹکھٹاؤ یہ ایسا دروازہ ہے جس کا حاجات کے پورا کرنے کے لئے تجربہ کیا گیا ہے۔

جو شخص اس قبہ (گنبد) اور کتابت کو دیکھتا تو اس فقیر پر ہنستا تھا اور کہتا تھا کہ اس شخص کو اس بات کا خوف ہے کہ اس کی موت کے بعد کوئی دوسرا اس بات کا اہتمام نہیں کرے گا لہٰذا اس نے خود یہ کام کیا کہ اسے شیخ کہا جائے یہ سب کچھ تکبر ہے اور صالحین کے ساتھ مذاق کا دروازہ کھولنا ہے نیکی کرنے اور برائی سے رکنے کی طاقت تو اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

ذکر الٰہی اور درود شریف سے غافل نہ ہونا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ بے کس پناہ میں ہدیہ صلوٰۃ وسلام پیش کرنے سے غافل نہیں ہوتے جس مجلس میں بیٹھتے ہیں وہ لوگ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کی حدیث پر عمل کرتے ہیں۔

آپ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

"لا یجلس قوم مجلسا لم یذکروا اللہ فیه ولم یصلوا علی نبیهم محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم الا کان علیهم ترة"۔[15]

ترجمہ: کوئی قوم کسی مجلس میں بیٹھے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرے اور نہ ہی وہ اپنے نبی حضرت محمد صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم پر درود بھیجیں تو یہ مجلس ان کے لئے قیامت کے دن نقصان کا باعث ہو گی۔

نیز آپ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے اس ارشاد گرامی پر بھی عمل کرتے ہیں جس میں آپ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

"لیس یتحسر اهل الجنة الا علی ساعة مرت بهم لم یذکروا اللہ فیها"۔[16]

ترجمہ: اہل جنت کو صرف اس گھڑی پر افسوس ہو گا جو یوں گزر جائے کہ وہ اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کریں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کے ذریعے ہم پر آسانی فرمائی:

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ (البقرة ۱۵۲)

ترجمہ: تم مجھے یاد کرو میں تمہارا چرچا کروں گا۔

اس میں کسی جگہ تخصیص نہیں ہے اور اگر اللہ تعالیٰ ہمارے لئے کسی مکان کا تعین کر دیتا کہ ہم اس میں ہی ذکر کریں تو اس کے لئے دوڑ دھوپ کرنا ہم پر واجب ہو جاتا اگرچہ ایک سو سال کی

---

15 (کنز العمال، حدیث ۱۸۱۱ جلد ۱ صفحہ ۲۲۴ مطبوعہ الموسسۃ الرسالہ بیروت)

16 (کنز العمال، حدیث ۱۸۰۶ جلد ۱ صفحہ ۲۲۴ مطبوعہ الموسسۃ الرسالہ بیروت)

مسافت پر ہو جس طرح کعبہ شریف کی طرف لوگوں کو دعوت دینے کا معاملہ ہے پس اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے اور اس کا احسان ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب تم اپنی مجالس میں مخلوق کا ذکر کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی کرو کیونکہ اس کا ذکر مخلوق کے ذکر کی بیماری کا علاج ہے۔

جو شخص حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس بیٹھنا چاہتا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کے لئے شرط رکھتے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہیں ہو گا۔

حضرت عطاء اسلمی ط فرماتے تھے جو شخص اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے (گناہ کرتا ہے) اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا ذکر مناسب نہیں جب تک توبہ واستغفار نہ کرے کیونکہ ظالم جب تک اپنے ظلم پر برقرار رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرتا رہتا ہے۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں ان کی مراد یہ ہے کہ جب وہ اپنے رب کے ذکر کا ارادہ کریں تو احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے توبہ کر لیں کیونکہ انہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا اگرچہ مکروہ کے ارتکاب کے ذریعے یا غفلت اور مذموم خیالات وغیرہ کے ذریعے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہر نفس دنیا سے پیاسا جاتا ہے سوائے ذاکرین کی جان کے (وہ سیراب ہو کر جاتے ہیں)۔

حضرت وہب بن ورد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب وہ شخص ہے جو مجلس کا افتتاح ذکر سے کرتا ہے۔

حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے مجھے معلوم ہو جاتا ہے جب اللہ تعالیٰ مجھے یاد کرتا ہے ان سے پوچھا گیا وہ کیسے؟ فرمایا جب میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو یاد کرتا ہوں تو وہ مجھے یاد کرتا ہے

ارشاد خداوندی ہے:

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ (البقرۃ ۱۵۲)

ترجمہ: تم مجھے یاد کرو میں تمہارا چرچا کروں گا۔

حضرت ابوالملیح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تو (خوشی سے) جھوم جاتے اور فرماتے میرا یہ جھومنا اللہ کے ذکر کی وجہ سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا"فاذکرونی اذکرکم" تم مجھے یاد کرو میں تمہارا چرچا کروں گا۔ اور جب آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کسی راستے پر چلتے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہوتے تو واپس آکر پھر چلتے اور اس میں اللہ کا ذکر کرتے اگرچہ ایک دن کا سفر ہو اور فرماتے میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ جس زمین سے میں گزروں قیامت کے دن وہ تمام حصۂ زمین میرا گواہ بن جائے۔

حضرت داؤد علیہ السلام دعا مانگتے تھے:

یا اللہ! مجھے اپنے ذکر کرنے والوں میں سے کر دے اور جب تو مجھے دیکھے کہ میں ذاکرین کی مجلس سے غافلین کی مجلس کی طرف چلا گیا ہوں تو میرے پاؤں کو توڑ دے کیونکہ تیری طرف سے مجھ پر انعام ونعمت ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ اپنے دلوں سے گفتگو کرو کیونکہ دل جلد غافل ہو جاتے ہیں۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے لوگوں پر تعجب ہے وہ اس پر روتے ہیں جس کا جسم مر جائے اور اس پر نہیں روتے جس کا دل مر جائے حالانکہ یہ زیادہ سخت ہے۔

حضرت بشر بن منصور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لوگوں کے ساتھ مجلس کم اختیار کرتے تھے اور فرماتے تھے لوگوں کے ساتھ اجتماع غفلتوں کا مقام ہے اور اللہ کی قسم! میرے پاس جو بھی بیٹھا میں نے اس کی مجلس ترک کرنا افضل خیال کیا کیونکہ یہی بات میرے اور اس کے لئے بہتر ہے۔

پس اے بھائی! اس بات کو جان لو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

بیٹھنے سے قاصر ہونے پر لیٹ جانا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ وہ اس وقت تک زمین پر اپنا پہلو نہیں لگاتے جب تک بیٹھنے سے عاجز نہ ہو جائیں اور قرائن کے ذریعے ان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی ایسی باتوں کو نظر انداز فرماتا ہے۔

میں نے اس طریقے پر سب سے آخر میں سیدی شیخ تاج الدین الذاکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو پایا انہوں نے اپنی وفات کی رات اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ انہوں نے ستائیس سال سے زمین پر اپنا پہلو نہیں لگایا۔

اسی طرح سیدی شیخ ابو السعود الجارحی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا معاملہ تھا اور اسلاف کے اس طریقہ پر حضرت عمر بن عبد العزیز، بشر الحافی، محمد بن اسماعیل بخاری، امام احمد بن حنبل وامام ابو حنیفہ، رابعہ عدویہ، امام اوزاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اور ایک جماعت تھی جن کا ذکر ہم نے ”الطبقات“ میں کیا ہے

حضرت عمر بن العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر جب نیند کا غلبہ ہوتا تو وہ گھر میں چکر لگاتے اور یہ شعر پڑھتے۔

وکیف تنام العین وھی قریرۃ ولم تدر فی ای المحلین تنزل

ترجمہ: آنکھ کس طرح سوئے جب کہ یہ ٹھنڈی ہے اور اس کو معلوم نہیں کہ دو جگہوں (جنت اور دوزخ) سے کس جگہ اترے گی۔

اسی طرح حضرت رابعہ عدویہ، شعوانہ، فاطمہ رملیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہن کہتی تھیں ہمیں ڈر ہے کہ کہیں اچانک ہمارے پکڑ نہ ہو جائے۔

معلوم ہوا کہ جو شخص نیکی کا دعویٰ کرتا ہے اور سحری کے وت بلا عذر سو جاتا ہے وہ جھوٹا ہے اس بات کو جان لو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

دلوں کا نرم ہونا اور کوتاہی پر رونا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ ان کے دل نرم ہوتے ہیں اور وہ حقوق اللہ میں کوتاہی کی وجہ سے بہت روتے ہیں کہ شاید اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر ابن خطاب اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہم اسی مقام پر تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے چہرۂ انور پر آنسوؤں کے جاری ہونے کی وجہ سے دو سیاہ لکیریں بن گئی تھیں حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی معاملہ تھا حضرت عمر بن عبد العزیز حضرت یزید الرقاشی، حضرت فضیل بن عیاض، حضرت بشر حافی اور حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم بھی اسی مقام پر تھے۔

حضرت یزید الرقاشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب اپنے گھر میں داخل ہوتے تو روتے تھے اور جب ان کے سامنے کھانا رکھا جاتا تو روتے تھے اور جب اپنے مسلمان بھائیوں کے پاس بیٹھتے تو خود بھی روتے اور ان کو بھی رلاتے تھے اور فرماتے جہنم کی آگ تو میرے جیسے آدمی کے لئے پیدا کی گئی ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رات بھر روتے رہتے گھر میں چکر کاٹتے اور صبح تک چیختے چلاتے تھے اور اکثر اوقات بیہوش ہو جاتے تھے اکثر اوقات اپنے کمرے کی چھت پر نماز پڑھتے تو سجدے میں روتے حتیٰ کہ ان کے آنسو جاری ہوتے اور جو لوگ نیچے سوئے ہوتے پرنالے سے ان پر قطرے گرتے حتیٰ کہ وہ سمجھتے کہ یہ بادل گزر رہا ہے جو ان پر برس گیا۔

حضرت رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا روتیں اور ان کے آنسوؤں کے چھینٹے پڑتے حتیٰ کہ ان کے پاس آنے والا سمجھتا کہ یہ وضو کے پانی سے ہے۔

حضرت ابن سماک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجلس جب گرم ہو جاتی اور لوگ رونا شروع کر دیتے تو آپ ان کے سامنے حضرت داؤد علیہ السلام کے رونے، حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے رونے حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان جیسے لوگوں کے رونے کا ذکر کرتے تو اس وقت لوگ اپنے رونے کو حقیر سمجھتے۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے تھے اگر میں اللہ کے خوف سے روؤں حتیٰ کہ میری آنکھوں سے ایک قطرہ نکلے تو یہ بات مجھے اس بات سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ میں سونے کا ایک پہاڑ صدقہ کروں اور میرا دل سخت ہو۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے تھے صالحین کی علامت یہ ہے کہ ان کے رنگ پیلے پڑ جاتے ہیں آنکھیں اندر کو دھنس جاتی ہیں اور ہونٹ مرجھا جاتے ہیں یعنی کثرت سے جاگنے، رونے اور بھوک کی وجہ سے یہ حالت ہوتی ہے۔

اور حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اصل رونا آنکھوں کا رونا نہیں اصل رونا دل کا رونا ہے بعض اوقات ایک شخص رو رہا ہوتا ہے اور اس کا دل سخت ہوتا ہے کیونکہ منافق کا رونا سر (کی آنکھوں) سے ہوتا ہے اس کے دل سے نہیں ہوتا۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے رونے کے دس اجزاء ہیں ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور باقی نو تمام کے تمام ریاکاری ہے۔

جب یہ جزء جو اللہ کے لئے ہے سال میں ایک بار بھی آجائے تو ایسا شخص جہنم سے نجات پالے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں رونے میں آدمی کا مقام اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک اس کی آنکھیں اور دل نہ روئے، ان میں سے ایک کے ساتھ رونے والا ناقص ہے خاص طور پر جب اس کی اتباع کرنے والا ہو کیونکہ دل کے رونے کا ذائقہ اس کے تابعین کو حاصل نہیں ہوتا لہٰذا آنکھوں کے ساتھ رونے کی ضرورت ہوتی ہے اگرچہ اس کا مقام اس سے اوپر جاچکا ہو۔

ایک شخص حضرت صلہ بن ریشم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجلس میں ریاکاری کے طور پر رویا تو لوگوں نے اس کے لئے رحمت کی دعا کی پس اس کو خواب میں کہا گیا اپنے رونے کا اجر اس سے حاصل کرو جس کو تم نے پسند کیا کہ وہ تمہیں روتا ہوئے دیکھے۔

حضرت سمیط بن عجلان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب روتے تو آنسوؤں کو اپنی آنکھوں میں واپس لوٹاتے وہ فرماتے تھے یہ غم کو زیادہ باقی رکھنے والے ہیں۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب روتے تو آپ کی زوجہ، اولاد اور خدام بھی روتے حالانکہ ان کو یہ معلوم نہ ہوتا کہ یہ رونا کس وجہ سے ہے۔

حضرت صالح المری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے گناہ دلوں کو بے نور کر دیتے ہیں اور اس (بے نوری) کو صرف رونا زائل کرتا ہے۔

حضرت شعیب بن حرب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت طاؤس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجلس میں روئے حتیٰ کہ انہوں نے لوگوں کو رلا دیا اور یہ خیال کیا کہ انہوں نے بہت بڑا کام کیا ہے۔ حضرت طاؤس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان سے کہا:

اے بھائی! جان لو اگر تمہارے ساتھ آسمان اور زمین والے بھی ایک گناہ کی وجہ سے روتے جس کا تم نے ارتکاب کیا تو یہ بھی کم ہوتا تو تم کس طرح یہ خیال کرتے ہو کہ تمہارا گناہ صرف تمہارے رونے سے مٹ جائے گا۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا گیا کیا ہم آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس کسی قاری کو نہ لائیں جو آپ کو قرآن مجید سنائے۔ انہوں نے فرمایا جس عورت کا بچہ گم ہو جائے اسے کسی نوحہ کرنے والی کی ضرورت نہیں ہوتی۔

حضرت ضحاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہر شام روتے حتیٰ کہ ان پر بیہوشی طاری ہو جاتی اور وہ فرماتے میں نہیں جانتا کہ آج میرا جو قبیح عمل اوپر گیا ہے وہ بخش دیا گیا یا میرے نامہ اعمال میں باقی ہے حتیٰ کہ کل مجھے اس کی وجہ سے رکنا پڑے گا۔

حضرت مکحول دمشقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب تم کسی کو روتا ہوا دیکھو تو تم بھی روؤ اور اسے ریاکاری نہ سمجھو میں نے ایک دفعہ ایک شخص کے بارے میں یہ خیال کیا تو میں ایک سال تک رونے سے محروم رہا۔

پس معلوم ہوا کہ جو شخص نیکی اور بھلائی کا دعویٰ کرتا ہے اور قرآن مجید سن کر دل سے نہیں روتا وہ جھوٹا ہے کیونکہ دل کی سختی نیک لوگوں کے اخلاق کے خلاف ہے۔

پس اس بات کو جان لو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے

عبادات میں کوتاہی کو ہلاکت کا باعث سمجھنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے یہ بات بھی ہے کہ جب وہ عبادت میں کوتاہی کرتے ہیں تو اسے اپنی ہلاکت کا باعث خیال کرتے ہیں چہ جائیکہ وہ گناہوں میں مبتلا ہوں وہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ سے امید رکھنا کہ وہ ہمیں معاف فرما دے گا۔ یہ حاصل شدہ چیز کو حاصل کرنا ہے ان میں سے ایک کے گمان کی شان یہ ہونی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ گٹھلی، سوراخ اور اس کے چھلکے کے دھاگے جتنی چیز پر بھی مواخذہ کرے گا تاکہ اسے قیامت کے دن حساب کے لئے کھڑا ہونے کا خوف ہو کیونکہ جو شخص اپنے نفس کا محاسبہ نہیں کرتا وہاں حساب کے لئے اس کا کھڑا ہونا طویل ہو گا ہم اللہ سے اس کی مہربانی کا سوال کرتے ہیں۔

حضرت عبد الرحمن بن ہر مز الاعرج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اپنے نفس کی خرابیوں کو ڈھونڈا کرو کیونکہ ہر خص کو کل (قیامت کے دن) اس کی جنس کے ساتھ اٹھایا جائے گا پس جو شخص مکمل طور پر گناہوں میں ڈوبا ہوا ہو اس کا ہر قوم کے ساتھ حشر ہو گا اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اکثر اپنے نفس کو جھڑکتے اور فرماتے قیامت کے دن ندا کرنے والا ندا کرے گا اے فلاں گناہ کے مرتکب لوگو! اٹھو۔

تو اے اعرج تم بھی ان کے ساتھ اٹھو گے پھر ندا دے گا اے فلاں گناہ کے مرتکبین! اٹھو! تو اے اعرج تم ان کے ساتھ اٹھو گے پھر منادی ندا دے گا اے فلاں گناہ کرنے والو! اٹھو! تو اے اعرج! تم ان کے ساتھ اٹھو گے تو میرا خیال ہے اے اعرج تم سب کے ساتھ اٹھو گے۔

سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے فقیر کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جب قیامت کے ہولناک مناظر دن رات اس کی آنکھوں کے سامنے ہوں تکہ وہ یہاں سے ہی اس کے لئے تیار ہو سکے۔

اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اکثر فرماتے تھے جو شخص قبر کی پوشیدگی میں پر سکون رہنا چاہتا ہے وہ اپنے باطن کو اس طرح نہ بنائے کہ قیامت کے دن اسے اس پر شرمندگی ہو اور جب تک باطن برا ہو گا خوف اس کو لازم ہو گا یہاں تک کہ قبر سے اٹھایا جائے گا تو خوفزدہ ہو گا۔

اسی طرح حضرت لقمان اپنے بیٹے سے کہتے تھے: "اے بیٹے! جس طرح تم سوتے ہو اسی طرح تمہیں موت آئے گی اور جس طرح تم بیدار ہوتے ہو اسی طرح تم اٹھائے جاؤ گے پس تم نیک کام کرو تا کہ تمہارا سونا اور جاگنا دلہن کی طرح ہو اور برے کام نہ کرو ورنہ خوف زدہ سوؤ گے اور اسی طرح بیدار ہو گے جس طرح وہ مجرم جسے بادشاہ قتل کرنے کے لئے بلاتا ہے (تو وہ ڈرا ہوا ہوتا ہے)۔

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اس گھر (دنیا) میں (اپنے اندر) خوف پیدا کرو یہ تمہیں عذاب سے زیادہ نجات دینے والا ہے۔

سیدی حضرت علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اپنے نفس کے لئے عمل کرو اور اپنے غیر پر اعتماد نہ کرو کوئی دوست ہو یا شیخ کیونکہ اس دن ہر ایک کو اپنی پڑی ہو گی جس کی وجہ سے وہ دوسرے سے بے نیاز ہو گا اور اپنے اعمال کو تکبر سے بچاؤ اور جان لو! کہ منافق، مومن کے نور سے روشن ہیں ہو گا جس طرح اندھے کو بینا آدمی کی روشنی سے فائدہ نہیں ہوتا۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے تھے جو شخص اپنا دروازہ بند کر دیتا ہے اور مخلوق سے حیا کرتا ہے اللہ تعالیٰ سے حیا نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس سے سخت حساب لے گا اور خوب جھڑکے گا پھر اس کی طرف غصے کی نگاہ سے دیکھے گا اور اپنے فرشتوں سے فرمائے گا اس کو پکڑو تو ایک ہزار فرشتے اس کی طرف بڑھیں گے یا اس سے زیادہ ہوں گے اور اس کو اوندھے منہ لے جائیں گے اور وہ ان کے ہاتھوں میں کمزور ہو جائے گا۔ (پارہ پارہ ہو جائے گا)

تو اے انسان! دیکھو کیا تم اس میں پڑو گے اور اللہ تعالیٰ کے انبیاء کرام اور رسل عظام علیہم السلام کی شفاعت حاصل کرو گے تو یقیناوہ ان کی شفاعت سے تمہیں بخش دے گا جن کی شفاعت تم نے حاصل کی۔

حضرت ربیع بن خیثم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے آپ سے کہتے تھے: اے ربیع! تمہارا کیا حال ہو گا جب زمین اور پہاڑوں کو اٹھا کر برابر کر دیا جائے گا (یعنی ریزہ ریزہ ہو جائیں گے)۔

حضرت ابو عمران الجونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے قیامت کے دن جب جانور دیکھیں گے کہ ابن آدم کے ساتھ کیا ہو رہا ہے تو وہ کہیں گے اللہ تعالیٰ کی تعریف (اور اس کا شکر) ہے جس نے ہمیں انسانوں میں سے نہیں بنایا۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جن کو قیامت کے دن میزان اور حساب سے شرمندگی ہوگی اور مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ خاص دنوں اور جمعہ کے دن عبادت کرنے والے بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے شرمندگی اور حیاء کی وجہ سے افسوس کا اظہار کریں گے۔ ہر شخص اس قدر غمگین ہوگا جس قدر اس نے اللہ تعالیٰ کے حقوق میں کوتاہی کی ہوگی۔

اور میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ بندے پر اس کی روح کا طلوع (روح کا نکلنا) اسی مقدار میں آسان کر دے گا جس قدر وہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے غم اور تکلیف برداشت کرے گا۔ میں نے پوچھا اے میرے سردار! انبیاء کرام علیہم السلام نے تو سب سے زیادہ آزمائشیں برداشت کی ہیں اس کے باوجود احادیث میں آیا کہ ان پر مرض وغیرہ سخت ہوئی۔

انہوں نے فرمایا اکابر پر مرض کا سخت ہونا بعض اوقات ان کے اجروں کو بڑھانے کے لئے ہوتا ہے کسی دنیوی وجہ سے نہیں جو ان کو اپنی طرف کھینچے بلکہ یہ مراد لینا جائز ہی نہیں۔

اور بعض لوگوں پر روح کا طلوع (روح کا نکلنا) ان کے شاگردوں کی وجہ سے ہوتا ہے پس وہ دنیا سے نکلنا نہیں چاہتا جب تک ان شاگردوں کو کامل نہ کر دے اور ان کو مقام معرفت کے کمال کی رہنمائی نہ کر دے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے۔

پس جب یہ دونوں باتیں ایک دوسرے کو کھینچتی ہیں تو روح کا نکلنا مشکل ہو جاتا ہے اگر وہ اپنے شاگردوں پر شفقت کرنے والا نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی طلب میں اس کی روح سب لوگوں کے مقابلے میں آسانی سے نکلتی۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ آپ علیہ السلام ان کے لئے سام بن نوح کو زندہ کر دیں انہوں نے فرمایا مجھے ان کی قبر دکھاؤ چنانچہ آپ علیہ السلام کو لے گئے آپ علیہ السلام ان کی قبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا اے سام! اللہ کے حکم سے کھڑے ہو جاؤ تو وہ زندہ ہو کر کھڑے ہو گئے دیکھا تو ان کے سر اور داڑھی میں سفید بال تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا جب آپ کا انتقال ہوا تو آپ کے بال سیاہ تھے؟

سام نے کہا جی ہاں لیکن جب میں نے آواز سنی تو خیال کیا کہ یہ قیامت ہے اسی وجہ سے میرا سر اور داڑھی اب سفید ہو گئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سام سے فرمایا آپ کو فوت ہوئے کتنے سال ہوئے انہوں نے کہا پانچ ہزار سال، اور ابھی تک روح کے نکلنے کی حرارت مجھ سے دور نہیں ہوئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے جب قیامت کے دن کا ذکر کیا جاتا تو اس طرح چیختے جس طرح وہ عورت چیختی ہے جس کا بچہ گم ہو گیا ہو، اور فرماتے مریم علیہا السلام کے بیٹے کے لئے جائز نہیں کہ وہ قیامت کے ذکر کے وقت خاموش رہے۔

حضرت وہیب مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کسی شخص کے لئے یہ بات کیسے مناسب ہے کہ وہ دنیا میں ہنسے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اس کے سامنے قیامت کے دن کی فریادیں، گردشیں اور خوفناک مناظر ہیں قریب ہے کہ سخت رعب اور خوف سے اس کے جسم کے جوڑ کٹ جائیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی:

فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ (المعارج ۴)

ترجمہ: اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہو گی۔

کی تفسیر میں فرماتے تھے کہ یہ ہفتے کے دن سورج کے طلوع سے دن کے نصف تک ہو گا اور دن اس وقت تک نصف نہیں ہو گا جب تک مخلوق کے حساب سے فراغت نہ ہو جائے اور اہل جنت، جنت میں اور اہل جہنم، جہنم میں ٹھکانہ اختیار نہ کرلیں۔

سیدی حضرت علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص اپنے دل میں ایسا داعیہ (جذبہ) پاتا ہے جس کی وجہ سے باغوں میں خوش رہے اور نرم و گداز بستروں میں خوبصورت عورتوں کے ساتھ سوئے اور خوشبودار لباس پہنے وہ قیامت کے ہولناک مناظر سے بے خوف ہے البتہ یہ کہ وہ کامل اولیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم سے ہو جن کو دنیا کی کوئی مشغولیت اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں کرتی۔

تو اے بھائی! اس بات کو جان لو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

مکانات کی تعمیر کی طرف عدم توجہ

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ مکانات وغیرہ تعمیر کرنے کا زیادہ خیال نہیں رکھتے پھر اگر ان میں کسی کا خیال ہو کہ وہ مکان تعمیر کرے تو وہ ضرورت پر اکتفا کرتا ہے زیب وزینت اختیار نہیں کرتا کیونکہ اسے اتنا حلال مال حاصل نہیں ہوتا جو کافی ہو اور زندگی کی زیادہ امید بھی نہیں ہوتی لہٰذا امید کی کمی ان کو اس عمل کی اجازت نہیں دیتی۔

سیدی احمد الزاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی جامع مسجد اور مکان گارے اور اینٹوں سے بنایا اور کھجور کی شاخوں سے چھت ڈالی پس معلوم ہوا کہ جو شخص اپنی بھلائی اور نیکی کا دعویٰ کرتا ہے اور مضبوط عمارت بناتا ہے اور یوں دنیا پر خوش ہوتا ہے وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔ خاص طور پر جو شخص دنیا سے قطع تعلق کرکے اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑتا ہے یہ کام کسی حال میں اس کے لائق نہیں البتہ یہ کہ اس کا مقصد نیکی اور صدقہ وغیرہ ہو تو اس کا باعث یہ ہوگا کہ وہ مضبوط عمارت بنا کر اس کو اپنی موت کے بعد صدقہ جاریہ بنادے جس طرح سید ابو مدین، سید ابو العباس الغمری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما اور ان جیسے دوسرے لوگوں نے کیا اس صورت میں کوئی حرج نہیں۔

سیدی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک شخص کے پاس سے گزرے جو ایک گھر بنارہا تھا اور اسے مضبوط کر رہا تھا تو آپ نے یہ شعر پڑھے:

اتبنی بناء الخالدین وانما مقامک فیها لو عقلت قلیل
لقد کان فی ظل الاراک کفایة لمن کان یوما یقتضبه رحیل

ترجمہ: کیا تم ہمیشہ رہنے والوں کا مکان بنارہے ہو اگر تمہیں سمجھ ہو تو تم اس میں تھوڑی مدت رہو گے وہ شخص پیلو کے درخت کے سائے میں کفایت کرتا ہے کہ جس کے لئے ایک دن ہوتا ہے (دوسرے دن) اس سے کوچ کر جاتا ہے۔

میں نے اس خلق پر جن لوگوں کو پایا ان میں سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی شامل ہیں جب وہ کسی فقیر کو مکان بناتے ہوئے دیکھتے تو اس کی مذمت کرتے اور اس سے فرماتے تم اس عمارت پر جو کچھ خرچ کرتے ہو تو اس سے تمہیں سکون حاصل نہ ہوگا۔

جب میرے بھائی ابو العباس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "جامع البشیر" میں ایک گھر بنایا تو اس پر سات سو دینار خرچ کئے پس ان کے شیخ نے ان کو جھڑکا اور فرمایا اگر تم کرائے پر رہتے تو اس کا دسواں

حصہ تمہیں کافی ہوتا جو تم نے تعمیر پر خرچ کیا ہے اور باقی کو صدقہ کر دیتے پھر میرے بھائی ابو العباس (تقریبا)سات سال بعد انتقال کر گئے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب کوئی فقیر اپنے بھائیوں کے مال سے مکان بناتا ہے تو اس کے لئے زیادہ بہتر یہ ہے کہ وہ ان کو اس (مکان) پر مال خرچ نہ کرنے کی وصیت کرے اور ان کی رہنمائی اس چیز کی طرف کرے جو قیامت کے دن ان کے میزان میں زیادہ وزن کا باعث ہے اگر وہ اس سلسلے میں اس سے سوال کریں اور اگر وہ اس سے سوال کرنے کے بعد اشارے یا صراحت کے ساتھ اس کی اجازت سے کریں تو اس کا حکم کیا ہو گا؟

تمام اسلاف نے حرص نہ کرنے اور لمبی امیدیں نہ رکھنے کا طریقہ اختیار کیا حتیٰ کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو یہ بات پہنچی کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے ایک مہینے کی مہلت پر لونڈی خریدی تو آپ نے فرمایا کیا تمہیں حضرت اسامہ کے ایک مہینے تک لونڈی خریدنے پر تعجب نہیں ہوا اللہ تعالیٰ کی قسم! حضرت اسامہ بہت لمبی امید رکھتے ہیں اس کے بعد آپ نے فرمایا:

"واللہ ما رفعت قدمی وظننت انی اضعھا حتی اقبض ولا فتحت عینی وظننت انی اغمضھا حتی اقبض ولا لقمت لقمۃ وظننت انی اسیغھا حتی اقبض وفی روایۃ حتی اغص بالموت"۔[17]

ترجمہ: اللہ کی قسم میں قدم اٹھاتا ہوں تو مجھے یہ گمان نہیں ہوتا کہ روح قبض ہونے سے پہلے اس کو رکھ دوں گا اور آنکھ کھولتا ہوں تو یہ خیال نہیں ہوتا کہ روح قبض ہونے سے پہلے اس کو بند کر لوں گا

[17] (الترغیب والترھیب 4/121 مطبوعہ بیروت)

اور لقمہ اٹھاتا ہوں تو یہ گمان نہیں کرتا کہ روح قبض ہونے سے پہلے یہ میرے حلق سے اتر جائے گا اور ایک روایت میں ہے حتیٰ کہ میں موت کا ذائقہ چکھ لوں۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص بھوکا ہو اور اس کی امید کم ہو شیطان اس کے دل میں جگہ نہیں بنا سکتا۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اے انسان! تم چند دنوں کے مہمان ہو اور ہر دن گزر رہا ہے اور تمہارا بعض وقت گزر چکا ہے۔

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے سامنے لوگوں نے اقامت کہی اور انہوں نے ایک فقیر کو آگے کر دیا تاکہ وہ ان کو نماز پڑھائے اس فقیر نے انکار کر دیا اور کہا مجھے ڈر ہے کہ میں نماز میں فوت ہو جاؤں اور لوگوں کی نماز خراب ہو جائے لیکن لوگوں نے اصرار کیا تو اس نے کہا اس شرط پر (نماز پڑھاتا ہوں) کہ دوبارہ نماز نہیں پڑھاؤں گا اس وقت حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

اے بھائی! پیچھے ہٹ جاؤ بے شک تم تذبذب کا شکار ہو پہلے تمہیں خوف ہے کہ تم نماز میں مر جاؤ گے پھر تم اپنے نفس سے بات کرتے ہو کہ دوسری نماز تک زندہ رہو گے پھر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک اور شخص کو آگے کر دیا تاکہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص لمبی امید رکھتا ہے وہ لازماً عام طور پر بھول جاتا ہے اور کہتا ہے عنقریب توبہ کروں گا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کم امید کی شان میں سے یہ بات ہے کہ جب وہ کوئی چیز کھاتا ہے تو اس کے بارے میں یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ اس کے پیٹ سے نہیں نکلے گی مر

موت کے بعد غسل دینے والے کے ہاتھ سے، اور اس نے جو کچھ جمع کیا اس سے اس کے علاوہ کوئی اور فائدہ اٹھائے گا اور جب اس کے خلاف گمان ہو تو یہ لمبی امید ہے۔

حضرت ابو عثمان النھدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اب میری عمر ایک سو تیس سال ہے اور میری ہر چیز بدل گئی سوائے امید کے، میں اسے پہلے کی طرح پاتا ہوں۔ **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے دنیا زاہد لوگوں کی طلاق دی ہوئی ہے اور اس کی عدت کبھی ختم نہ ہوگی اور دنیا جس کو طلاق دیتی ہے آخرت فی الفور اس سے نکاح کر لیتی ہے۔

اور میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے ہم میں سے کوئی انسان لمبی امید سے بچ نہیں سکتا لیکن ہر ایک کا اپنا مقام ہے۔ ان میں سے سب سے اعلیٰ وہ ہے جس کی امید ایک گھڑی ہو اور لمبی امید ہر ایک کے لئے رحمت ہے اگر یہ نہ ہوتی تو ان میں سے کسی کے لئے زندگی خوشگوار نہ ہوتی۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے سمندر میں مچھلی کی پیٹھ پر اور کھجور کی گٹھلی پر لکھا ہوا ہے کہ یہ فلاں بن فلاں کا رزق ہے اس کا غیر اسے کھا نہیں سکتا پس حریص آدمی کوشش کرتا ہے اور اسے ڈر ہوتا ہے کہ اس کا رزق اس کا غیر لے جائے گا۔

پس اے بھائی! یہ بات جان لے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

مخلوقات پر شفقت ورحمت

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ مسلمانوں پر بہت زیادہ شفقت فرماتے ہیں وہ عبادت گزار ہوں یا نافرمان، نیز تمام حیوانات پر شفقت فرماتے ہیں اور ایسا عمل کرتے ہیں جس کے باعث کسی دوسرے کے دین کو نقصان نہ پہنچے اور یہ ان کا سب سے زیادہ شرف والا خلق ہے اور اس پر عمل کرنے کی طاقت اسی شخص کو حاصل ہوتی ہے جس کی بصیرت کو اللہ تعالیٰ روشن کر دیتا ہے اور وہ لوگوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ شفیق ہوتا ہے کیونکہ رسول اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی وراثت یہی ہے اس بنیاد پر لوگ اس کے قرب میں رغبت رکھتے ہیں حتیٰ کہ کبھی کبھی ہوتا یہ ہے کہ مشفق انسان کے پڑوس میں گھر کی قیمت میں لوگ اضافہ کرتے ہیں جبکہ اپنے رشتے دار پڑوسی کے ساتھ ایسا نہیں کرتے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے گھر کی قیمت بڑھ جاتی ہے جب اس کا پڑوسی ہنس مکھ چہرے اور میٹھی زبان والا ہو۔

حضرت ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خلق رحمت میں بڑھ جانے والوں میں سے تھے حتیٰ کہ بعض اوقات وہ کسی قوم کے پاس سے گزرتے تو ان کو سلام نہ کرتے وہ فرماتے تھے مجھے ڈر ہے کہ یہ لوگ مجھے حقیر سمجھ کر میرے سلام کا جواب نہیں دیں گے اور یوں میری وجہ سے گناہ گار ہوں گے۔

حضرت ابو عبد اللہ الانطاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب تمہیں معلوم ہو کہ لوگ تمہیں دیکھ کر تمہاری عزت کے درپے ہوں گے تو ان کے ساتھ اوقات نماز کے علاوہ جمع نہ ہو یہ ان پر رحم کا تقاضا ہے۔

حضرت ابو عبد اللہ المغاربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو گناہ گاروں کو مہربانی کی نگاہ سے نہ دیکھے وہ راہ طریقت سے باہر ہے۔

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب کسی گناہ کو دیکھتے تو اس کے لئے مغفرت کی دعا کرتے اور اس کے لئے رحمت کی امید رکھتے۔ وہ فرماتے تھے بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو لوگوں کی نجات اور ان کے لئے رحمت کی خاطر بھیجا ہے اور شیطان (اس پر اللہ کی لعنت ہو) لوگوں کی ہلاکت اور شمایت (دشمن کی تکلیف پر خوش ہونے) کے لئے بھیجا گیا ہے۔

کہا گیا کہ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس سے ایک قوم دجلہ پر کشتی میں گزری اور ان کے سامنے شراب وغیرہ تھی آپ سے عرض کیا گیا کہ کیا آپ اس نافرمان قوم کے خلاف دعا نہیں کرتے؟ آپ نے دعا مانگی یا اللہ! جس طرح تو نے ان کو دنیا میں خوش رکھا ہے ان کو آخرت میں بھی خوش رکھنا۔

حاضرین نے کہا ہم نے آپ سے سوال کیا تھا کہ ان کے خلاف دعا کریں اور آپ ان کے حق میں دعا کر رہے ہیں انہوں نے فرمایا اللہ کی پناہ کہ میں کسی مسلمان کے خلاف دعا مانگوں اور اللہ تعالیٰ ان کو آخرت میں اسی صورت میں خوش رکھے گا جب یہ دنیا میں توبہ کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کو بخش دے گا یہ آپ کا حسن سیاست تھا۔

حضرت ابراہیم التیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کسی ایسے شخص کے خلاف کبھی بھی دعا نہیں کرتے تھے جو آپ پر ظلم کرے اور فرماتے تھے اس کے لئے ظلم کا بوجھ ہی کافی ہے جو اس نے اٹھایا ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے صحن میں جب کچھ دوست آتے اور سو جاتے تو آپ جاگ کر صبح تک ان کے سامان کی حفاظت کرتے اور ان کو اس بات کا علم بھی نہ ہوتا۔

ایک روایت میں ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! اپنی مخلوق میں سے سب سے بہتر شخص کی طرف میری رہنمائی فرما تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام مخلوق میں سے مجھے سب سے زیادہ پسند وہ شخص ہے جو اپنے مومن بھائی کے بارے میں سنتا ہے کہ اسے کانٹا چبھا ہے تو اس پر غمگین ہو جاتا ہے گویا یہ اسے چبھا ہے۔

حضرت سالم بن ابی الجعد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ ایک دن رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سائے میں تشریف فرما ہوئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دھوپ میں تھے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام اترے اور کہا اے محمد! صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم آپ سائے میں تشریف فرما ہیں اور آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دھوپ میں ہیں یعنی امت کی تعلیم کے لئے آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو خبر دار کیا۔

حضرت عبد اللہ بن عوف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اس امت سے سب سے پہلے رحمت اور شفقت اٹھالی جائے گی۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عادت تھی کہ کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچتی تو آپ غمگین ہو جاتے حتیٰ کہ بعض اوقات سخت غم کی وجہ سے پیشاب میں خون آتا تھا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ابدال (اولیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کا ایک درجہ ہے) کی علامت میں سے ایک یہ ہے کہ وہ عام مسلمانوں پر بہت زیادہ شفقت ورحمت کرتے ہیں۔

اور حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص روزانہ یہ دعا مانگے اللہ تعالیٰ اسے ابدال میں لکھ دیتا ہے (دعا یہ ہے):

"اللھم ارحم امۃ محمد اللھم اصلح امۃ محمد اللھم فرج عن امۃ محمد"۔

ترجمہ: یا اللہ حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی امت پر رحم فرمایا، یا اللہ حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی امت کی اصلاح فرما، یا اللہ حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی امت کو کشادگی عطا فرما۔

تو اے بھائی! اس بات کو جان لو اور رحمت کے سلسلے میں اپنے اسلاف کی اقتداء کرو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

علماء سے اتفاق کرنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے یہ بات بھی ہے کہ جب کوئی فقیہ (عالم) اہل طریقت کے احوال میں سے کسی حالت کا انکار کرتا ہے یا ان کو کسی بات کا حکم دیتا ہے اور ان میں سے کوئی اس کے خلاف دلیل قائم نہیں کر سکتا اور اسے معلوم ہے کہ اس کے قول کی طرف لوٹنا ہوگا کیونکہ فقیہ اپنے دائرہ معرفت سے بات کرتا ہے اس کے علاوہ کسی کو خبر نہیں ہوتی تو فقیہ کی موافقت کرنی چاہئے مثلاً جب وہ کہے کہ قطب یا ابدال یا وتد (بڑے بڑے اولیاء) کا کوئی وجود نہیں تو تم اس سے کہو ہاں اور اس کے ساتھ یہ ارادہ کرو کہ اس کے نزدیک ان کی کوئی حقیقت نہیں اور جب وہ کہے

کہ اولیاء کرام کا وجود ختم ہو گیا اور ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہا تو تم اس سے کہو تم نے سچ کہا یعنی تمہارے اعتقاد کے مطابق ٹھیک ہے اسی طرح اگر وہ کہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کا کوئی وجود نہیں تو تم اس سے کہو ہاں خاص طور پر جب وہ کسی ایسے شخص کا کلام لائے جو منکر ہے جیسے ابن تیمیہ۔

ایک جماعت نے اس خلق کے خلاف راہ اختیار کرتے ہوئے علماء کی مخالفت کی پس ان کے درمیان شر اور گالی گلوچ کا سلسلہ پیدا ہو گیا اور پہلے مشائخ اس طرح نہیں کرتے تھے۔

میرے (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے) بھائی شیخ افضل الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس جب کوئی فقیہ بیٹھتا اور وہ ان کے ساتھ کسی مسئلے میں بحث کرنا چاہتا تو وہ اس سے فرماتے حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس طرح اس طرح فرمایا ہے میں ان سے پوچھتا تو فرماتے ہم ان فقہاء کے لئے امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول نقل کرتے ہیں کیونکہ تصوف میں آنے سے پہلے وہ ان کے دائرے میں شامل تھے اور اگر میں ان کے لئے کسی ایسے شخص کا قول نقل کروں جو ان کے دائرے میں شامل نہیں تو وہ اس بات کو مجھ سے قبول نہیں کریں گے۔

میں کہتا ہوں کہ ابدال کے وجود پر حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کا یہ قول بھی دلالت کرتا ہے آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

"ان بدلاء امتی لم یدخلوا الجنۃ بکثرۃ صوم و لا صلاۃ و انما دخلوھا بسخاوۃ النفوس و النصح للامۃ"۔[18]

ترجمہ: بے شک میری امت کے ابدال جنت میں روزوں اور نمازوں کی کثرت کے باعث داخل نہیں ہوں گے بلکہ سخاوت نفس اور امت کی خیر خواہی کی وجہ سے داخل ہوں گے۔

[18] (کنز العمال، حدیث ۳۴۶۰۵ جلد ۱۲ صفحہ ۱۸۸ مطبوعہ الموسسۃ الرسالہ بیروت)

امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے تھے ابدال شام میں نقباء عراق میں اور نجباء مصر میں ہیں۔

حضرت امام ابو عبد اللہ ماجد الجریمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا کہ کیا عورتوں میں بھی ابدال ہیں؟

فرمایا: ہاں؟

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر ابدال نہ ہوتے تو زمین ان سب کے ساتھ جو اس پر ہیں دھنس جاتی اور اگر سچے لوگ نہ ہوتے تو زمین میں فساد بپا ہو جاتا اور اگر علماء نہ ہوتے تو لوگ جانوروں کی طرح ہوتے اگر بادشاہ نہ ہوتا تو لوگ ایک دوسرے کو ہلاک کر دیتے اگر بیوقوف نہ ہوتے تو دنیا تباہ ہو جاتی اور اگر ہوا نہ ہوتی تو آسمان اور زمین کے درمیان بدبو پھیل جاتی۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہر نبی کی امت میں اس نبی کا کوئی مظہر ہوتا ہے۔

اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے۔

مجاہدۂ نفس

ان صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ بہت زیادہ مجاہدہ کرتے ہیں حتیٰ کہ ان میں سے ایک اس حالت کو پہنچ جاتا ہے کہ اس کے خیال میں اس پر فرائض ہی ہیں اس کے حقوق نہیں ہیں اور جب وہ اللہ تعالیٰ کا اس قسم کا کلام سنتا ہے۔

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (الزمر ۹)

ترجمہ: کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں (یعنی برابر نہیں ہو سکتے)۔

تو (یہ سن کر) وہ اپنے آپ کو بے علم خیال کرتا ہے اور ظاہری نگاہ سے اپنے تمام ہم عصر لوگوں کو علماء سمجھتا ہے اور یہ کہ وہ ان میں سے کسی کے برابر نہیں اور نہ ہی مقام وحال (طریقت کی اصطلاحات) میں ان کے قریب ہے یہ بات ذہنی خیال کے برعکس ہے خاص طور پر اس شخص کا ذہن جو اپنے نفس کو مجاہدہ میں نہیں ڈالتا (مطلب یہ کہ انسان تصور میں اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھتا ہے لیکن یہ لوگ اس طرح نہیں کرتے) پس تم اس بات کو جانو اور اس پر عمل کرو اس میں بہت آرام پاؤ گے۔

وہ عمل کرتے ہیں اور پردہ اٹھ جاتا ہے

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ وہ کثرت سے عمل کرتے ہیں حتیٰ کہ حجاب اٹھ جاتا ہے حتیٰ کہ وہ ہر چیز کو وجود میں زندہ خیال کرتے ہیں اور اس کے ساتھ زندوں والا معاملہ کرتے ہیں اسی لئے ان میں سے کوئی ایک ایسی خلوت نہیں پاتا جس میں وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے کیونکہ اس کے خیال میں ہر چیز اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہوتی ہے اور وہ اسے ادب کا حق دیتا ہے۔

اور یہ اس لئے ہے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ جس جگہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے قیامت کے دن وہ لازمی طور پر اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کے خلاف گواہی دے گی۔ پس جب وہ کسی جگہ اللہ کی نافرمانی کرتا ہے تو اس کو اپنے خلاف گواہی کے لئے پیش کرتا ہے۔

اور اگر ان میں سے کوئی ایک برا کلام کرتا ہے تو وہ شدت حیاء کی وجہ سے پگھل جاتا ہے اور چاہتا ہے کہ زمین اسے نگل لے لیکن زبان سے یہ بات نہیں کہتا۔ یہ عجیب قسم کا خلق ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

قلبی استقامت

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک خلق یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کے حق میں اور کسی دوسرے کے حق میں بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کی قبولیت کا سوال نہیں کرتے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے دل کو مستقیم رکھتے ہیں جس قدر ممکن ہو کہ ان کے باطن میں بھی کوئی ایسی بات نہیں ہوتی جس کی وجہ سے وہ کسی ایک جہان میں یا دونوں جہانوں میں شرمندہ ہوں۔ وہ یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں تاکہ قبولیت کا دروازہ کھل جائے۔

سیدی حضرت علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص چاہتا ہے کہ اس کی دعا رد نہ ہو تو وہ گناہ نہ کرنے کے حوالے سے فرشتوں کے نقش قدم پر چلے۔

حضرت ابو نجیح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر مومن اپنے رب کی نافرمانی نہ کرے تو اگر وہ قسم کھائے کہ اس کے لئے پہاڑ (اپنی جگہ سے) ہل جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول کرتا ہے۔

حضرت خالد ربعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک دن کعبہ شریف کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے تو ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا اے ابو اسحاق! استقامت والے کی علامت کیا ہے؟

انہوں نے فرمایا اس کی علامت یہ ہے کہ ابو قبیس پہاڑ کی طرف اشارہ کرے کہ اپنی جگہ سے ہٹ جا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اسے ہٹا دے۔ اس وقت ابو قبیس پہاڑ نے حرکت کی تاکہ اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اشارہ کیا ٹھہر جا کیونکہ میں نے اس بات سے تجھے مراد نہیں لیا پس وہ ٹھہر گیا۔

ہمیں حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے یہ بات پہنچی ہے کہ انہوں نے فرمایا ایک شخص نے ولید کے خلاف جھوٹی گواہی دی ولید نے کہا اے اللہ! اگر اس شخص نے مجھ پر جھوٹ بولا ہے تو اس کو اسی وقت موت دے دے۔ فرماتے ہیں وہ شخص اسی وقت منہ کے بل گرا اور پھڑکتا رہا حتیٰ کہ مر گیا۔

حضرت اعمش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہمارا رب کس قدر اچھا ہے اگر ہم اس کے تمام اوامر میں اطاعت کریں تو ہم جو بھی سوال کریں اس کو پورا فرماتا ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک دن "مرو الروذ" نامی شہر میں ایک پل کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص پل کے اوپر سے گرا۔ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دعا مانگی یا اللہ! اس کو ہوا میں روک دے حتیٰ کہ وہ لوگ آجائیں جو اس کو ہلاکت سے بچائیں گے فرماتے ہیں وہ ہوا میں رک گیا حتیٰ کہ لوگوں نے آکر اسے صحیح سالم اتار لیا۔

حکمرانوں کے کارندوں میں سے ایک شخص نے حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو کوڑے سے مارا تو انہوں نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا یا اللہ! اس کا ہاتھ کاٹ دے پس صبح اس کا ہاتھ کٹ گیا اور وہ اس حال میں گزرا کہ اس کا ہاتھ لٹکا ہوا تھا۔

ایک شخص نے حضرت مطرف بن عبد اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر جھوٹ بولا تو حضرت مطرف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دعا مانگی یا اللہ! اگر یہ جھوٹا ہے تو اس کو اسی وقت موت دے دے، وہ شخص اسی وقت مر گیا اور لوگ دیکھ رہے تھے لوگوں نے حضرت مطرف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو پکڑ لیا اور بصرہ کے والی کے پاس لے گئے اور تمام واقعہ سنا دیا۔ والی نے جب یہ بات سنی تو کہا یہ تو ایک نیک شخص کی

دعاہے جو اس شخص کی موت کے موافق ہو گئی۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

ایک دوسرے سے سچی محبت

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک خلق یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک شخص کسی دوسرے سے محبت کا دعویٰ نہیں کرتا مگر یہ کہ اپنے مال میں اس کو شریک کرنے کے لئے اپنے نفس کو آمادہ کرتا ہے اور اگر اس کے جسم میں کوئی بیماری ہو تو یہ اس طرح تکلیف محسوس کرتا ہے جس طرح وہ مصیبت زدہ محسوس کرتا ہے۔ اگر اس کا نفس ان مذکورہ باتوں کو پسند کرتا ہے تو اس سے کہتا ہے میں تم سے محبت کرتا ہوں ورنہ جھوٹ بولنے سے رک جاتا ہے کیونکہ یہ منافقت ہے۔

اس دور میں بہت کم لوگ اس خلق سے آراستہ ہیں اور میں بعض دوستوں کے حوالے سے اس خلق سے متصف ہوں بعض کے حوالے سے نہیں۔

تو اے بھائی! اس بات کو جان لو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

گناہ گاروں پر شفقت

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک خلق یہ ہے کہ وہ نافرمان لوگوں پر رحم کرتے ہیں ان کو حقیر نہیں سمجھتے اور ان کا بدلہ بننے کے لئے تیار ہوتے ہیں حتیٰ کہ ان میں سے ایک چاہتا ہے کہ اس کا چمڑا قینچیوں سے کاٹا جائے اور وہ نہیں چاہتے کہ ان گناہ گاروں میں سے کوئی اپنے رب کی نافرمانی میں مبتلا ہو اور وہ نافرمان لوگوں کے خلاف دعا (بد دعا) کے مقابلے میں ان پر زیادہ شفقت کو اچھا سمجھتے ہیں۔

حضرت مطرف بن عبد اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص گناہ گار لوگوں پر شفقت کا جذبہ نہیں رکھتا وہ ان کے لئے توبہ اور مغفرت کی دعا کرے کیونکہ فرشتوں کے اخلاق میں سے یہ بات ہے کہ وہ زمین والوں کے لئے بخشش مانگتے ہیں۔

حضرت زہیر بن نعیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ کی قسم! میں پسند کرتا ہوں کہ میری جلد قینچیوں سے کاٹی جائے اور کوئی شخص اپنے رب تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔

حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب کوئی آیت پڑھتے جس میں کسی قوم پر اللہ تعالیٰ کے غضب کا ذکر ہوتا تو قرأت کرتے ہوئے روتے جاتے اور کہتے اے میرے رب! تونے میرے دل میں ان لوگوں کے لئے رحمت رکھی ہے اگر تو چاہے تو ان کو بخش دے اور اگر چاہے تو ان کی جگہ مجھے عذاب دے۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں شاید ان کی مراد اس رحمت سے جو ان کے دل میں داخل ہوتی یہ تھی کہ اپنے رب کے سامنے سوال کا دروازہ کھول دیں کہ وہ ان سے راضی ہو۔ اللہ تعالیٰ پر پابندی لگانا نہیں کہ وہ ان پر غضب نہ فرمائے کیونکہ کامل انسان کی شان سے یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے غضب پر اسے بھی غضب آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے سے وہ بھی راضی ہوتا ہے۔

اور یہ حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تابعین کے نزدیک ان لوگوں میں شمار ہوتے تھے جن پر فقراء کے احوال کا غلبہ ہوتا ہے اور اہل طریقت کے نزدیک احوال والے لوگوں کے افعال کی اقتداء نہیں کی جاتی بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مقابلے میں زیادہ رحم فرمانے والا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

حضرت منصور بن محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کسی شخص پر یوں رحم کرتے کہ اسے کسی کام کا حکم نہ دیتے اور فرماتے مجھے ڈر ہے کہ تم میرے حکم کی خلاف ورزی کر کے گناہ کے مرتکب ہو گے اور سزا کے مستحق ہو جاؤ گے اور میں اس کا سبب بنوں گا۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر لوگ میرے بارے میں گناہ کے مرتکب نہ ہوتے تو میں کہتا جو شخص میری غیبت اور مذمت کرتا ہے وہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے جو میری تعریف کرتا ہے کیونکہ میری تعریف کرنے والا کبھی جھوٹ بولتا ہے۔

حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص کسی برے آدمی پر رحم نہیں کرتا وہ اس سے بھی برے حال میں ہے اور جس کے پاس کسی نیک آدمی کا ذکر کیا جائے ور وہ اس کے ذکر سے چاشنی محسوس نہ کرے تو وہ برا آدمی ہے۔

حضرت میمون بن مہران رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب سنتے کہ زمین کے کسی کنارے پر کسی قوم نے ظلم کا ارتکاب کیا ہے تو وہ ان لوگوں کی وجہ سے بیمار ہو جاتے حتیٰ کہ ان کی اس طرح عیادت کی جاتی جس طرح بیماروں کی عیادت کی جاتی ہے پس جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو کشادگی عطا فرمائی ہے تو اس وقت ان سے بیماری دور ہو جاتی۔

حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے جب کوئی شخص کسی حاجت کا سوال کرتا تو وہ جب بھی نماز پڑھتے سجدے میں اس کے لئے دعا کرتے حتیٰ کہ اس کی حاجت پوری ہو جاتی۔

حضرت شریک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے دستر خوان پر ایک فارسی چیونٹی کو دیکھا تو چار فرسخ (بارہ میل) کے فاصلے پر اس کو واپس کر کے آئے اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ چیونٹی کے لئے روٹیوں کے ٹکڑے کرتے اور ان کے بلوں میں بکھیرتے تھے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ چھوٹی چھوٹی چڑیاں خریدتے جن کو بچے روک لیتے اور پھر ان کو ان کے گھونسلوں کی طرف چھوڑتے اسی طرح جب ان کی مائیں شکار کرلی جاتیں تو ان کو بھی ان کے بچوں کی طرف چھوڑ دیتے۔

یہ مسئلہ تسبیب السوائب کے باب میں سے نہیں ہے کیونکہ یہاں مقصد ماں اور بچوں پر رحم کرنا ہے۔

جب کوئی شخص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کسی حاجت کا سوال کرتا اور آپ اس کا کچھ حصہ پورا کرتے تو اسی حساب سے تکلیف میں کمی محسوس کرتے کیونکہ آپ کو اپنے (مسلمان) بھائیوں سے گہرا تعلق تھا۔

تو اے بھائی! اپنے نفس کا جائزہ لو کیا تمہارے دل میں بھی اپنے بھائیوں کے لئے یہ جذبہ ہے اور جب تمہیں صالحین کا مقام حاصل نہیں تو اپنے نفس پر روؤ اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

قناعت اختیار کرنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ وہ موجود پر قناعت کرتے ہیں اور دنیوی اسباب کھانے، پینے، لباس، سواری، نکاح، رہائش وغیرہ میں اضافہ کی طلب نہیں کرتے۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے مالداری اور عزت دونوں نے باہر نکل کر ایسے شخص کی طلب میں چکر کاٹنا شروع کردیا جس کے پاس وہ ٹھہر جائیں تو انہوں نے ایک صبر کرنے (قناعت کرنے) والے ہی کو پایا اور اس کے پاس ٹھکانہ اختیار کرلیا۔

حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نمک یا سرکہ کے ساتھ روٹی کھاتے اور فرماتے جو شخص دنیا سے اس کی مثل پر راضی ہو گیا وہ لوگوں کے سامنے اپنے نفس کو ذلیل نہیں کرتا۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص اس زمانے میں جو کی روٹی پر قناعت نہیں کرتا وہ ذلت ورسوئی میں مبتلا ہوتا ہے ایک مرتبہ کسی شخص نے ان سے مال جمع کرنے کی اجازت مانگی تو انہوں نے اس سے فرمایا جو شخص مال جمع کرتا ہے وہ پانچ باتوں میں مبتلا ہوتا ہے:

(۱) لمبی امید (۲) سکت حرص (۳) بہت زیادہ لالچ اور کنجوسی

(۴) آخرت کو بھول جانا (۵) تقویٰ کی کمی

حضرت حامد اللفاف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص قناعت کے ذریعے مالداری طلب کرتا ہے وہ (صحیح) راستے تک پہنچ جاتا ہے اور جو شخص مال کے ذریعے (مالداری) طلب کرتا ہے وہ (صحیح) راستے سے بھٹک جاتا ہے۔

الحمد للہ میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے اس خلق پر بہت سے لوگوں کو پایا ان میں شیخ الاسلام زکریا، ہمارے شیخ شیخ امین الدین، امام جامع غمری، شیخ عبد الحلیم بن مصلح، شیخ علی البنتیتی، شیخ علی الجیری، شیخ محمد بن عنان، شیخ محمد منیر، شیخ محمد العدل وغیرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم شامل ہیں۔

میں نے ان کو دیکھا کہ وہ خشک روٹی کو پانی میں بھگوتے اور اسی پر اکتفا کرتے۔

حضرت شیخ تاج الدین الذاکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے قناعت یہ نہیں کہ کوئی شخص جو چیز بغیر کسی محنت کے پائے اسے کھائے بلکہ قناعت یہ ہے کہ اس کے پاس بہت زیادہ مال اور کھانا ہو اور اس کے باوجود پانچ دنوں میں یا تین دنوں میں تھوڑا سا کھائے۔

سیدی حضرت علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب کھانا کھاتے تو وہ نو لقموں سے زیادہ نہیں ہوتا تھا وہ فرماتے تھے رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

"حسب ابن آدم لقیمات یقمن صلبه"۔[19]

ترجمہ: انسان کو چند چھوٹے چھوٹے لقمے کافی ہیں جو اس کی پیٹھ کو سیدھا رکھیں۔

لقمات سے مراد تین سے نو تک ہیں اور رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا قول حق اور سچ ہے جو شخص اس پر کامل ایمان رکھتا ہے اسے نو لقمے کافی ہیں اور وہ اس سے زیادہ کا محتاج نہیں ہوتا۔

میں نے ایک مرتبہ ان سے (حضرت علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے) سنا وہ فرماتے تھے جو شخص دن اور رات میں نو لقموں پر اکتفاء نہ کرے اس کا ایمان کامل نہیں کیونکہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا ابن آدم کو چند لقمے کافی ہیں جو اس کی پیٹھ کو سیدھا رکھیں۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں یہ بات ان لوگوں کے لئے ہے جو محنت اور مشقت والے کام نہیں کرتے لیکن مشقت برداشت کرنے والے مثلاً ہل چلانے والوں، فسل کاٹنے والوں، ڈھال بنانے والوں اور ملاح اسی طرح دوسرے کام کرنے والوں کے لئے یہ مقدار کافی نہیں البتہ یہ کہ ان کو ملکی قوت (فرشتوں والی قوت) حاصل ہو جائے اور ان کی روحانیت ان کی جسمانیت پر غالب آجائے جس طرح حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے شہروں کو آسمان کی طرف اٹھایا حتیٰ کہ آسمان والوں نے مرغوں کی آواز اور کتوں کا بھونکنا بھی سنا جس طرح یہ بات حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کھانا کھاتے ہیں نہ پانی پیتے ہیں۔

---

[19] (فیض القدیر حدیث نمبر ۷ جلد ۵ مطبوعہ بیروت)

پس اس بات کو سمجھو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

دنیا سے بے رغبتی (زہد)

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے خلق میں سے ایک بات یہ ہے کہ ان سے پردے اٹھ جاتے ہیں اور اس کے باوجود وہ سخت عمل کرتے ہیں حتیٰ کہ ان میں سے ایک آخرت اور اس کی نعمتوں کو دل کی آنکھ سے دیکھتا ہے اور یہ اس لئے تاکہ دنیا میں اس کا زہد صحیح ہو اور وہ آخرت کے لئے فارغ ہو ورنہ جس کے لئے آخرت پردے میں ہو اس سے دنیا میں زہد ایک بعید بات ہے۔

حضرت عبد اللہ بن سلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص دنیا میں زہد کا ارادہ کرے اور وہ آخرت کو اپنے سامنے نہ دیکھے اس نے محال کام کا ارادہ کیا۔

حضرت ابو واقد لیثی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہم نے اعمال کے لئے مشقت برداشت کی تو ہم نے اعمال آخرت میں کسی عمل کو دنیوی زہد سے زیادہ مشکل نہ پایا۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک شخص سے سنا وہ کہہ رہا تھا اگر اللہ تعالیٰ مجھے آخرت میں چھوٹا سا گھر دے دے تو میں اس پر راضی ہو جاؤں گا۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس سے فرمایا اے بھائی! کاش تم دنیا میں زہد اختیار کرتے جس طرح جنت میں زہد اختیار کرو گے (تو کیا اچھا ہوتا)

اور میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا فرماتے تھے، حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام نے ایسی بادشاہی طلب کی جو ان کے بعد کسی شخص کے لئے مناسب نہیں ان کی یہ خواہش صرف اس لئے تھی کہ زہد متحقق ہو جائے کیونکہ دنیا کی موجودگی میں زہد اس سے زیادہ عظیم ہے جب وہ دنیا نہ ہونے کی صورت میں ہو۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے تھے اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ دنیا میں زاہد باقی لوگوں سے بہتر ہے تو میں اس سے کہوں گا تم نے سچ کہا ہے تم اپنی قسم کا کفارہ نہ دو۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر کسی شخص نے سب سے عقلمند آدمی کے لئے مال کی وصیت کی تو تم اسے دنیا سے بے رغبت (زاہد) آدمی پر خرچ کرو (یعنی زاہد سب سے زیادہ عقلمند ہے)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے دنیا میں زہد اختیار کرنے والے کے علاوہ تمام لوگ برہنہ اٹھائے جائیں گے۔

حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے سچے زاہد کا زہد اس کے عمل سے قائم ہوتا ہے اور خود ساختہ زاہد کا زہد زبانی کلامی ہوتا ہے عمل کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

ایک شخص نے حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا میری خواہش ہے کہ میں کسی زاہد عالم کو دیکھوں انہوں نے فرمایا یہ لوگ گم ہو گئے آج کل نہیں پائے جاتے کیونکہ زہد تو محض حلال مال میں ہوتا ہے اور یہ کہاں پایا جائے کہ کوئی انسان اس میں زہد اختیار کرے۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں بے شک حلال موجود ہے اور مقامات بھی موجود ہیں لیکن ہر انسان کا حلال اور مقام اس کی حالت کی مقدار پر ہوتا ہے اسی لئے شارع علیہ السلام نے ہم سے مطالبہ کیا کہ ہم حلال کھائیں اور اخلاق و مقامات میں آپ کی اقتداء کریں اور اگر حلال اور ترقی کا امکان نہ ہوتا تو کئی صدیوں سے احکام شرعی باطل ہو چکے ہوتے۔ تو حلال کھانے والے موجود ہیں اور وہ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور زہد و تقویٰ اختیار کرتے ہیں لیکن ہر ایک کو اس کی قدر اور نصیب

کے مطابق حصہ ملتا ہے تو شاید حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول کہ حلال نہیں پایا جاتا، مبالغہ کے طور پر ہو اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے جو شخص دنیا میں سب سے زیادہ زاہد ہو گا اس کے اعمال صالحہ سب سے زیادہ ہوں گے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص دنیا میں زہد کا دعویٰ کرے پھر کسی دنیادار کے پاس اس کی برائی اور تنقیص کرنے والے پر ناراض ہو، تو وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔

حضرت حماد بن زید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے دنیا میں زہد کا ذکر کتابوں میں پایا جاتا ہے ہم کسی عمل کرنے والے کو نہیں پاتے۔

حضرت یونس بن عبید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے دنیا میں زہد کی انتہاء کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا اس کا مطلب دنیا میں کلی طور پر آرام نہ پانا ہے۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں میں نے اس مقام پر جن لوگوں کو پایا ان میں ہمارے شیخ سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، شیخ عبد اللہ الفیومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو مصر سے باہر "امیریشبک" کے مقبرے میں مدفون ہیں، شیخ علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو مصر میں صالحہ کے مفتی تھے، شیخ شمس الدین سمنودی، شیخ محمد منیر، شیخ ابو الحسن الغمری، شیخ عبد الحلیم بن مصلح، شیخ محمد بن داؤد، ہمارے شیخ شیخ امین الدین، امام جامع مسجد غمری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم شامل ہیں۔

دنیا ان تمام بزرگوں کے ہاتھوں میں تھی دلوں میں نہیں اور یہ لوگ کسی سائل (کے سوال) کو رد نہیں کرتے تھے اور اگر وہ ان میں سے کسی ایک سے عمامہ مانگتا تو اسے وہ بھی دے دیتے۔

حضرت شیخ محمد منیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک شخص سے ملاقات کی جس کا اونٹ حج کے راستے میں گم ہو گیا تھا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کو پانچ سو دینار عطا فرمائے جب وہ شخص مکہ مکرمہ پہنچا تو اس نے اس احسان کا بدلہ دینا چاہا تو شیخ نے لینے سے انکار کر دیا اور اس سے فرمایا میں نے تمہیں بدلہ لینے کے لئے نہیں دیئے تھے۔ حالانکہ ان دونوں کے درمیان پہلے سے کوئی پہچان نہ تھی۔

تو اے بھائی! اپنے زمانے کے فقراء کو دیکھ کیا ان میں سے کوئی ایک اپنے گہرے و مضبوط دوست سے حج کے راستے میں واپس لینے کے ارادے کے بغیر ایسا سلوک کرتا ہے حالانکہ ان میں سے کوئی ایک بعض اوقات کہتا ہے یا گمان کرتا ہے کہ حضرت شیخ محمد المنیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس سے کم مرتبہ ہیں۔ تو صالحین کے مقامات سے پیچھے رہ جانے پر اپنے نفس پر روؤ اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

امام کے پیچھے تکبیر تحریمہ میں جلدی کرنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ وہ امام کے پیچھے تکبیر تحریمہ کہنے میں جلدی کرتے ہیں لیکن اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعظیم تھا کہ ان میں سے کوئی اس میں سستی نہیں کرتا ثواب حاصل کرنے یا نماز میں حق تعالیٰ کے ساتھ ہم مجلس ہونے کی لذت حاصل کرنے کی وجہ سے ایسا نہیں کرتے کیونکہ جو شخص اس مقصد کے لئے ایسا کرتا ہے وہ اپنے نفس کے حصے کے لئے کوشش کرتا ہے بخلاف اس کے جو اس جلدی میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعظیم کرنے اور اس کو معمولی نہ سمجھنے کا قصد کرے۔

اسی لئے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ختنہ کا حکم دیا گیا اور آپ علیہ السلام نے استرا نہ پایا تو کلہاڑی کے ساتھ ختنہ کر دیا ان سے کہا گیا کہ آپ نے استرا ملنے تک صبر کیوں نہ کیا تو انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے حکم (کی بجا آوری) میں تاخیر بہت بڑی بات ہے (بڑا گناہ ہے)

تو اے بھائی! اس پر عمل کر اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

دنیا کو حقیر خیال کرنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ ان کے نزدیک دنیا حقیر ہوتی ہے اور وہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے اس قول پر عمل کرتے ہیں اور اس کو چھوڑنے میں سخت طریقہ اختیار کرتے ہیں آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

"ان للدنیا بنین وللآخرۃ بنین فکونوا من ابناء الآخرۃ ولا تکونوا من ابناء الدنیا"۔

ترجمہ: بے شک دنیا کے کچھ بیٹے ہیں اور آخرت کے بھی کچھ اولاد ہے پس تم آخرت کے بیٹے بنو اور دنیا کے بیٹے نہ بنو۔

امام طبرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا فرماتے ہیں ایک دن میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو یوں پایا کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اپنے دست مبارک سے کسی چیز کو دور کر رہے تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم آپ کس چیز کو دور کر رہے ہیں؟

آپ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

"الدنیا تطولت لی فقلت لھا الیک عنی"۔[20]

ترجمہ: دنیا میری طرف بڑھی تو میں نے اس سے کہا مجھ سے دور ہو جا۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اکرم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم قوم کے کوڑا کرکٹ کے ڈھیر پر کھڑے ہوئے تو آپ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ایک مردار بکری دیکھی آپ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے اس کے کان کو پکڑ کر فرمایا، تمہارا کیا خیال ہے یہ اپنے گھر والوں کے نزدیک حقیر ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم !اس کی حقارت کی وجہ سے انہوں نے اس کو پھینک دیا ہے۔

آپ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

"الدنیا اھون علی اللہ من ھذہ علی اھلھا"۔[21]

ترجمہ: دنیا اللہ تعالیٰ کے ہاں اس سے زیادہ حقیر ہے جس قدر یہ اپنے گھر والوں کے لئے حقیر ہے۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے:

"لو ان الدنیا تزن عند اللہ جناح بعوضۃ ما سقی کافرا منھا شربۃ ماء"۔[22]

ترجمہ: اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا مچھر کے پر کے برابر بھی حیثیت رکھتی تو اللہ تعالیٰ اس سے کسی کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا۔

---

[20] (کنز العمال، حدیث ۶۱۸۵۹ جلد ۷ صفحہ ۱۸۶ مطبوعہ الموسسۃ الرسالہ بیروت)

[21] (کنز العمال، حدیث ۶۲۰۶ جلد ۳ صفحہ ۲۱۴ مطبوعہ الموسسۃ الرسالہ بیروت)

[22] (کنز العمال حدیث ۶۲۰۸ جلد ۳ صفحہ ۲۱۵ مطبوعہ الموسسۃ الرسالہ بیروت)

حضرت محمد بن منکدر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے قیامت کے دن دنیا اس طرح آئے گی کہ اپنی زینت میں اکڑ رہی ہو گی اور کہے گی اے میرے رب! مجھے اپنے سب اچھے بندے کا گھر بنا دے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں تجھے اس کے لئے پسند نہیں کرتا اے ناچیز! چلی جا اور بکھری ہوئی غبار ہو جا۔

ایک روایت میں ہے اس سے فرمائے گا جہنم کی طرف چلی جا وہ کہے گی اے میرے رب! جو مجھے پسند کرتا ہے اسے بھی میرے ساتھ کر دے اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا جو پسند کرتا ہے وہ بھی تیرے ساتھ ہے پس وہ ان سب کو لے کر جہنم میں جائے گی۔

حضرت ابو حازم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص دنیا کو عظیم سمجھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اور اس کے بارے میں کہا جائے گا یہ وہ شخص ہے جس نے اس چیز کو عظیم سمجھا جس کو اللہ تعالیٰ نے حقیر قرار دیا تو شرمندگی کی وجہ سے اس کے چہرے کا گوشت گر جائے گا اور جو شخص دعویٰ کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اور دنیا کو بھی پسند کرتا ہے تو وہ جھوٹا ہے کیونکہ محبت کی شرط سے یہ بات ہے کہ اس چیز کو ناپسند کرے جسے اس کا محبوب ناپسند کرتا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ دنیا کو ناپسند کرتا ہے۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کوئی عالم جب اپنی خواہش کو میری اطاعت پر ترجیح دیتا ہے تو میں اسے کم از کم سزا یہ دیتا ہوں کہ اسے اپنی مناجات کی لذت سے محروم کر دیتا ہوں۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے اصحاب سے فرماتے تھے آؤ ہمارے ساتھ کہ ہم اس گناہ سے توبہ کریں جس سے لوگوں نے توبہ کرنا چھوڑ دیا ہے۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا؟ فرمایا دنیا کی

محبت، اور عنقریب لوگ دنیا سے محبت کریں گے حتیٰ کہ اس کی پوجا کریں اور دنیاداروں کی پوجا بھی کریں گے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص محبت دنیا کو کبیرہ گناہوں میں سے نہ سمجھے وہ (سیدھے) راستے سے بھٹک گیا اس لئے کہ کفر کی بنیاد دنیا میں رغبت پر ہے۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انکار کا سبب حسد اور تکبر کے طور پر اس چیز میں نافرمانی کرنا ہے جسے رسل عظام علیہم السلام لاتے ہیں۔ اور یہ دونوں (حسد اور تکبر) دنیا کی محبت سے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں (ساتھیوں) سے فرماتے تھے میں تم سے سچ کہتا ہوں۔

"ان حب الدنیا رأس کل معصیة"۔[23]

ترجمہ: دنیا کی محبت ہر گناہ کی اصل ہے۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے بہت بڑی جادوگرنی بچو جو علماء کے دلوں پر جادو کرتی ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ سے غافل کرتی ہے وہ دنیا ہے اور اس کا جادو ہاروت اور ماروت کے جادو سے زیادہ بڑا اور قبیح ہے کیونکہ وہ جادو آدمی اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق ڈالتا تھا اور یہ جادو بندے اور رب کو جدا کرتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہم نے لوگوں کو پایا کہ وہ دنیا کو امانت سمجھتے تھے جسے وہ اس کے مالک کی طرف لوٹائیں گے وہ اس کو اپنی ملکیت نہیں سمجھتے تھے اسی لئے وہ نہایت ہلکے بوجھ سے آخرت کی طرف چلے گئے۔

---

[23] (کنز العمال حدیث ۶۱۱۴ جلد ۳ صفحہ ۱۹۴ مطبوعہ الموسسۃ الرسالہ بیروت)

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے سالن کے بغیر روٹی کھاؤ اور دنیا سے خوف رکھنے والے ہو جاؤ اس کے بعد بھی اپنے آپ کو زاہدین میں شمار کرنے سے بچو کیونکہ دنیا کی چھوٹی سی چیز اس کی بڑی چیز کی طرف اس طرح کھینچتی ہے کہ بندے کو اس کا پتہ نہیں چلتا۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ذکر کی کثرت اس لئے اختیار کرلی کہ دنیا ان سے دور ہو جائے کیونکہ جب وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں تو دنیا ان سے دور ہو جاتی ہے اور جب ذکر سے الگ ہو جاتے ہیں تو وہ ان کی گردنیں پکڑ لیتی ہے۔

اس بات کو جان لو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

بیت الخلاء میں زیادہ جانے سے حیا کرنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ بیت الخلاء میں زیادہ جانے سے حیا کرتے ہیں اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ شرعی طریقے پر بھوکا رہے (اس طرح کہ فرائض واجبات اور دیگر ذمہ داریوں کی ادائیگی میں خلل نہ آئے) باوجودیکہ اس کے پاس وافر مال موجود ہو۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی اقتداء میں یہ طریقہ اختیار کرے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم بھوک کی وجہ سے اپنے پیٹ مبارک پر پتھر باندھتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اگر حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم چاہتے تو کھاتے لیکن آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم دوسروں کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے تھے (یعنی آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا بھوکا رہنا اختیاری تھا اضطراری نہ تھا)۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو اس سے بھی اکمل مقام حاصل تھا کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ابتداء اپنے آپ سے

کرتے اور اضطراری طور پر بھوک کو اختیار کرتے تھے کیونکہ جس کی شان کامل ہو وہ اپنی طبیعت کو اس کا حق دیتا ہے کیونکہ اس کے بارے میں اس سے سوال ہو گا پس آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اختیاری طور پر بھوکے نہیں رہتے تھے اور اپنے نفس پر دوسروں کو ترجیح نہیں دیتے مگر اس لئے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی اقتداء کی جائے اس بات کو سمجھو۔

حضرت عبد الرحمن ابی نعیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پندرہ دن میں ایک لقمہ کھاتے تھے۔ حجاج بن یوسف تک یہ بات پہنچی تو اس نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بلایا پھر حکم دیا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ایک کمرے میں بند کر دیا گیا اور پندرہ دن کے لئے کمرے کو تالا لگا دیا گیا پھر دروازہ کھولا آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن زبیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک ہفتہ بھوکے رہتے اور صرف ہفتہ کے دن کھاتے تھے۔

حضرت امام ابو حنفیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بہت کم کھانا کھاتے تھے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس طرح کھاتے جس طرح پرندہ تھوڑا سا کھاتا ہے اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے گھر میں صرف ایک چٹائی تھی۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے دو سالن جمع نہ کرو یہ منافقین کا کھانا ہے۔

امیر المؤمنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے پیٹ کا چھڑ الٹکا ہوا ہے تو آپ نے اس پر درہ بلند کیا اور فرمایا یہ کافر کے چمڑے کے مشابہ ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب کسی شخص کو دیکھتے کہ وہ بہت زیادہ گوشت خور ہے تو اسے درے سے مارتے اور فرماتے کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اس گوشت کی قوت و تاثیر شراب کی قوت و تاثیر جیسی ہے۔

حضرت امام اوزاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مہینے میں ایک مرتبہ بیت الخلاء میں داخل ہوتے تھے اس کے بعد مہینے میں دو مرتبہ داخل ہونے لگے تو ان کی ماں نے ان کے ساتھیوں سے کہا عبدالرحمن کے لئے دعا کرو وہ پیٹ کی بیماری میں مبتلا ہے۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ کی قسم! میں تین دن میں ایک مرتبہ بیت الخلاء جانے میں حیاء محسوس کرتا ہوں اسی طرح امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا معاملہ بھی تھا۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

"شرار امتی الذین یاکلون مخ الحنطة"۔

ترجمہ: میری امت کے برے لوگ وہ ہیں جو گندم کا مغز کھاتے ہیں۔

اللہ کی قسم میں نے اپنے آٹے کو راکھ میں ملا کر ایک مدت تک کھایا حتیٰ کہ میرا جسم کمزور ہو گیا اگر مجھے طاقت ہوتی تو میں اس (عمل) کو کبھی نہ چھوڑتا۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب حلال کھانا نہ پاتے تو پندرہ دن یا اس سے زیادہ دن ریت سے کام چلاتے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں حجاج بن فرافصہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس گیا دو راتیں گزاریں تو میں نے ان کو کھانا اور پانی چکھتے ہوئے بھی نہیں دیکھا اور وہ نماز کے علاوہ کسی کام کے لئے کھڑے نہیں ہوئے۔

سوال: اگر کہا جائے کہ تم نے تین دن زیادہ بھوک کا جو ذکر کیا ہے حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے یہ عمل نہیں کیا حالانکہ تم نے شروع میں شرعی بھوک کا ذکر کیا تھا تو اس میں تین دن سے زیادہ کی کیا وجہ ہے؟

جواب: بعض حضرات نے یہ جواب دیا کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم امت کے لئے رحمت تھے اور آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم فرماتے تھے:

"اقدروا القوم باضعفھم"۔[24]

ترجمہ: قوم کا اندازہ ان کے کمزور لوگوں سے لگاؤ (یا کمزور لوگوں کے حساب سے مقرر کرو)۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی مروی ہے کہ نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم صوم وصال رکھتے تھے تو اس بات کا احتمال ہے کہ یہ لوگ جو طویل مدت تک بھوکے رہتے تھے تو انہوں نے حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی وراثت کے طور پر ایسا کیا اور صوم وصال سے نہی کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ جو لوگ اس کی طاقت نہیں رکھتے تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی شخص اپنے نفس کو عذاب دے تاکہ اس کا نفس عبادت کو ناپسند نہ کرے ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عقال مغربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہر چھ مہینے میں ایک بار کھانا کھاتے تھے۔

---

[24] (ابن ماجہ حدیث نمبر ۹۸۷ مطبوعہ بیروت)

اور میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے اپنے سردار حضرت علی المرصفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ہمارے سردار حضرت عیسیٰ بن نجم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو بحر برلس کے کنارے پر مدفون ہیں کو ستر سال یوں رہنا پڑا کہ وہ کھاتے تھے نہ پیتے تھے اور نہ ہی سوتے تھے اور وہ ایک وضو پر رہے۔

بعض محققین نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ لوگ جو اتنا لمبا عرصہ کھانا نہیں کھاتے تھے ان میں سے ایک انگور کا دانا اور پانی کا ایک قطرہ پی لیتا تھا تا کہ صوم وصال سے نکل جائیں جو ممنوع ہے ان لوگوں کے بارے میں یہی گمان ہونا چاہیئے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

قوم (صوفیاء) کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بھوک طریقت کے ارکان میں سے اہم رکن ہے حتی کہ انہوں نے کہا کہ جب مرید پانچ دن کے بعد کھانا طلب کرے تو اس کو مال کمانے کا حکم دو اس سے طریقت درست نہیں۔

حضرت ابو عثمان جیزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (جیز مصر کا ایک ضلع ہے) فرماتے تھے میں (طریقت کے) ابتدائی مراحل اور سیاحت میں ایک سال تک رکا رہا میرے دل میں کھانے کا خیال نہیں آتا تھا مگر یہ کہ کھانا سامنے ہو۔

تو اے بھائی! تم دیکھو ان لوگوں کی بھوک کے سامنے تمہاری بھوک کی کوئی حیثیت نہیں اس کے باوجود کہ ان کی بھوک سنت طریقے سے خارج نہیں ہوتی تھی کیونکہ ان کو قوت حاصل تھی جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور وہ جو وصال کے طریقے پر بھوک سے منع کیا گیا تو وہ نفس پر ضرر کے خوف کی وجہ سے ہے۔

حضرت سہل بن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی عقل، اپنی قوت اور اپنی معرفت کو سات سات اجزاء میں تقسیم کرتے تھے اور اس وقت تک کھانا نہ کھاتے جب تک ان میں سے ہر ایک میں سے چھ اجزاء چلے نہ جائیں اور وہ فرماتے تھے اگر مجھے ہلاکت کا خوف نہ ہوتا تو میں اس وقت تک نہ کھاتا جب تک ساتوں اجزاء چلے نہ جائیں۔

تو اس بات کو جان لو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

دنیا جمع کرنے سے اجتناب

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ وہ سلامتی کو غنیمت پر اس طرح مقدم کرتے ہیں کہ دنیا کو چھوڑ دیتے ہیں اور اس سے اپنے ہاتھوں کو خالی کر دیتے ہیں اور وہ دنیا کو جمع کرنے اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے سے پہلے اپنے ہاتھوں کو دنیا سے خالی کر دیتے ہیں کیونکہ وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اس کا حق ادا نہ کر سکیں حتیٰ کہ ان میں سے ایک کہتا ہے اے طالب دنیا! اس کے ذریعے کسی دوسرے کے ساتھ نیکی کر تیرا اسے چھوڑ دینا بہت بڑی نیکی ہے بہت بڑی نیکی۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے آدمی کا دنیا سے خالی ہونا اس کو جمع کر کے خرچ کرنے سے افضل ہے۔

ان صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم میں سے کسی سے جب کہا جاتا کہ یہ درہم لو اور مساکین پر خرچ کرو تو وہ اس سے انکار کر دیتا اور کہتا جس نے اسے جمع کیا ہے وہی تقسیم کرنے کا زیادہ حق رکھتا ہے اور بعض اوقات اس میں حرام اور شبہ ہوتا ہے تو یہ فقراء کے لئے مفت کا مال ہوتا ہے اور تقسیم کرنے کی گرفت کا باعث ہوتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص اپنے رب کی عبادت کے لئے فارغ ہو جائے وہ اس سے افضل ہے جو اس (عبادت) کو چھوڑ دے اور اپنے بچوں کے لئے محنت کرے۔ (شاید اس سے مراد یہ ہے کہ جب حسب ضرورت رزق حاصل کر لے ورنہ نفلی عبادت کی بجائے رزق کمانا ضروری ہے)۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے تم میں اور صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم میں بہت دوری ہے دنیا ان کے سامنے آئی تو وہ اس سے بھاگ گئے اور تم سے دنیا بھاگ گئی تو تم اس کے پیچھے چلے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے دنیا کی کڑوی گھونٹ ایلوا (درخت) کی کڑوی گھونٹ سے زیادہ سخت ہے۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے تم میں سے کوئی شخص سچے لوگوں کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا حتیٰ کہ اپنی بیوی کو چھوڑ دے گویا وہ بیوی کے بغیر ہے اور اپنی اولاد کو چھوڑ دے گویا وہ یتیم ہیں۔

اور ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک سوئے ہوئے شخص کے پاس سے گزرے اور لوگ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے آپ علیہ السلام نے اس سے فرمایا اٹھو نماز پڑھو اس نے کہا میں نے اللہ تعالیٰ کی افضل عبادت کی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا وہ کیا ہے؟

اس نے کہا میں نے اللہ تعالیٰ کی افضل عبادت کی ہے کہ میں نے دنیا سے بے رغبتی اختیار کی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا سو جا تو عابدین سے فوقیت لے گیا۔

اس خلق کے بارے میں صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ حدیث ہے کہ ایک دن رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اہل صفہ کی طرف تشریف لے گئے اور فرمایا تم میں سے کون وادئ بطحان کی طرف جاتا ہے کہ وہاں سے دو موٹی تازی اونٹنیاں لائے؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ہم سب چاہتے ہیں رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا تم میں سے کوئی ایک اس کو چھوڑ کر مسجد کی طرف جائے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب سے دو آیتیں سیکھے تو یہ اس کے لئے دو (اونٹنیوں) سے بہتر ہے اور تین (آیات) تین (اونٹنیوں) سے اور چار (آیات) چار (اونٹنیوں) سے بہتر ہیں یعنی جتنی آیات اتنی ہی اونٹنیاں۔

ہر مقام کے مناسب لوگ ہوتے ہیں اور شارع کی شان یہ ہے کہ ہر ایک کو اس بات کی ترغیب دے جس میں اللہ تعالیٰ نے اسے قائم کیا تاکہ مراتب معطل نہ ہوں اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

بدگمانی سے اجتناب

ان صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ مثلاً وہ کسی شخص کو دیکھتے ہیں کہ وہ لوگوں سے الگ ہو کر پہاڑ میں جا بیٹھا ہے پھر وہ اسے دیکھتے ہیں کہ وہ اتر کر لوگوں کے پاس اور ان کے آئمہ کے پاس آتا ہے اور ان سے ملاقات کرتا ہے۔ تو اس کو کسی فاسد وجہ پر محمول نہیں کرتے مثلاً یوں نہیں کہتے کہ اس میں تنہائی کی طاقت نہیں جس کے ساتھ مشہور ہوا یا یوں کہیں کہ وہ لوگوں کے ساتھ یہ معاملہ اختیار کرتا ہے کہ وہ اس کے قیام ولادت پر حاضر ہوں (اور

عرس وغیرہ منائیں) بلکہ اس کے آنے کا مطلب یہ کہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کو سمجھیں اور اس کے بارے میں حسن ظن رکھیں اور اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ اچھے خلق کا برتاؤ قرار دیں۔

تو اے بھائی! تم اللہ تعالیٰ کے ان بندوں کے بارے میں جو کسی جگہ یا کسی پہاڑ میں ہیں برے خیال سے بچو جب ان کو لوگوں سے ملتے جلتے دیکھو اور یوں نہ کہو کہ یہ شخص لوگوں سے الگ ہو گیا تھا اب ان کے ساتھ میل جول کی کیا وجہ ہے بلکہ ضروری ہے کہ اس کے بارے میں اچھا گمان رکھو۔

پس اب بات کو جان لو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

رزق کے معاملہ کو زیادہ اہمیت نہ دینا

ان صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ رزق کے معاملے کا اہتمام نہیں کرتے اور جب ان میں سے کسی کے پاس رات کو دینار یا درہم نہیں ہوتا تو بھی ان کا سینہ کشادہ رہتا ہے اور کل آنے والے دن کے لئے رزق کو جمع کرنا پسند نہیں کرتے اور اگر ان میں سے کوئی کل کے لئے یا ہفتہ بھر یا مہینہ بھر کے لئے رزق جمع کرتا ہے تو وہ بچوں کے نام پر جمع کرتا ہے اپنی ذات کے لئے نہیں تاکہ بچوں کے دل میں رزق نہ ہونے کی وجہ سے جو پریشانی ہوتی ہے اس کو ختم کیا جائے کیونکہ بعض اوقات ان میں سے کسی ایک کے دل میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدگمانی پیدا ہو سکتی ہے۔

ان میں سے بعض صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے کہا کہ بعض اوقات اس رزق کو جمع کیا جاتا ہے جس کے بارے میں کشف کے طریقے پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کا رزق ہے اس کے غیر کے لئے صحیح نہیں کہ اس میں سے کچھ کھائے۔

لیکن میں نے سیدی حضرت علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے عارف کے کمال میں سے یہ بات ہے کہ جب اسے اس بات پر اطلاع ہو کہ فلاں چیز اس کے رزق سے ہے تو وہ اس کو خزانہ نہ بنائے بلکہ صبر کرے حتیٰ کہ اس کے لئے وہ وقت آ جائے جس میں اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے اسے رزق بنایا ہے اس طرح وہ مال روکنے پر خالی ہاتھ کو ترجیح دے کیونکہ جمع کرنے میں کوئی فائدہ نہیں۔

اور میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے حضرت شیخ علی النبتیتی البصیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو ولی حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ رہنا چاہتا ہے اس کے لئے شرط یہ ہے کہ کل کے لئے رزق جمع نہ کرے جو کل کے لئے رزق جمع کر کے رکھے گا وہ حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا اگرچہ تمام جنوں اور انسانوں کے برابر عبادت کرے۔

وہ فرماتے ہیں حضرت خضر علیہ السلام کی شان سے یہ بات ہے کہ وہ عارفین کے پاس بیداری کی حالت میں اور مریدین کے پاس نیند کی حالت میں آتے ہیں کیونکہ وہ بیداری کی حالت میں ان کی صحبت پر قادر نہیں ہوتا اس لئے وہ اس کے پاس نیند کی حالت میں آ کر اسے وہ آداب سکھاتے ہیں جن کا اسے علم نہیں۔

حضرت ابو عبد اللہ الیسری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو ان لوگوں میں سے ہیں جن کا رسالہ (القشیریہ) میں ذکر ہے بیداری کے عالم میں حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ ہوتے اور دیر تک ان سے گفتگو کرتے پھر بیداری ہی میں ان سے الگ ہو جاتے اور وہ ان کے پاس نیند کی صورت میں نہیں آتے تھے۔ فرماتے ہیں ان سے پوچھا گیا کہ نیند کی حالت میں ان کے جدا ہونے کا سبب کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا ہم اس شخص کی صحبت اختیار نہیں کرتے جو کل کے لئے رزق جمع کرے اور تم نے

فلاں وقت اپنی بیوی سے کہا تھا یہ درہم لو اور اسے لکڑی کی الگنی پر (سامان کے لئے جو لکڑی دیوار کے ساتھ لگائی جاتی ہے اسے شلف بھی کہتے ہیں) کل کے لئے رکھ دو۔

حضرت ابو عبد اللہ الیسری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا یہ بات صحیح ہے لیکن میں نے ذخیرہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کے ہاں توبہ کر لی ہے۔ فرماتے ہیں اس کے بعد حضرت خضر علیہ السلام ان کے پاس بیداری کی حالت میں نہیں آئے حتیٰ کہ ان کا (حضرت ابو عبد اللہ کا) انتقال ہو گیا جس طرح ان کی مرض الموت میں ان کے نفس کے بارے میں خبر دی گئی اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے۔

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ بندے کی عبادت قبول نہیں کرتا جب وہ رزق کے معاملے میں لگا رہتا ہے کیونکہ جو شخص رزق کا اہتمام کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ پر تہمت لگاتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر تہمت لگائے اس کی عبادت قبول نہیں ہوتی۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں بعض اوقات بندہ اپنے رزق کی طرف توجہ کرتا اور اس کی طلب میں بھرپور کوشش کرتا ہے اس کے باوجود وہ رزق کے معاملے میں اللہ تعالیٰ پر تہمت نہیں باندھتا اور شک نہیں کرتا حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کلام کو اس کے خلاف پر محمول کیا جائے گا(یعنی جب شک ہو) کہ اللہ تعالیٰ دے گا یا نہیں۔

ایک مرتبہ حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا گیا آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہاں سے کھاتے اور پیتے ہیں؟ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا جہاں سے اللہ تعالیٰ مکھی اور مچھر کو رزق عطا فرماتا ہے تمہارا کیا خیال ہے وہ ان چیزوں کو کھلائے گا اور ابو یزید کو بھول جائے گا۔

(راوی) فرماتے ہیں حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک مدت تک امام کے پیچھے نماز پڑھی تو امام نے ایک دن پوچھا میں دیکھتا ہوں کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا کوئی ذریعہ معاش نہیں تو

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہاں سے کھاتے ہیں؟ حضرت ابویزید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس سے فرمایا مجھے چھوڑو میں وہ نمازیں دوبارہ پڑھ لوں جو میں نے تمہارے پیچھے پڑھی ہیں پھر میں تمہیں جواب دوں گا کیونکہ تمہیں تو اللہ تعالیٰ کی معرفت بھی حاصل نہیں اور جس شخص کو معرفت خداوندی حاصل نہ ہو اس کی نماز درست نہیں۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں یہ اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں فرمایا:

"صلوا خلف کل بر و فاجر"۔

ترجمہ: ہر نیک اور دوسرے کے پیچھے نماز پڑھو۔

کیونکہ یہ حدیث (حکمرانوں) سے خروج کا راستہ بند کرنے کے سلسلے میں آتی ہے اور یہ بات (جو انہوں نے فرمائی) امام کے لئے کمال مقام کے سلسلے میں ہے جان لو! کہ مال جمع نہ کرنے کے سلسلے میں صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی دلیل یہ ہے کہ ایک شخص نے رسول اکرم صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں تین پرندے بطور تحفہ بھیجے تو آپ صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم نے ان میں سے ایک اپنے خادم کو کھانے کے لئے دے دیا جب دوسرا دن ہوا تو وہ اسے لے آیا آپ صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کیا میں نے تمہیں منع نہیں کیا تھا کہ کل کے لئے کچھ بھی اٹھا نہ رکھنا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر آنے والے دن رزق عطا کرتا ہے۔ (سنن ابی داؤد)

تو اے بھائی! اپنے نفس کا امتحان لو کہ اس نے کل کے لئے کچھ جمع تو نہیں کیا اگر تم اسے پریشان دیکھو تو اس سے کہو تمہارے لئے صالحین کے مقام سے کچھ حصہ نہیں۔ اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

نعمت اور فراخی پر شدت اور آزمائش کو ترجیح دینا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ وہ سختی اور آزمائش کو نعمت اور فراخی پر ترجیح دیتے ہیں کیونکہ اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف ان کی توجہ دائمی ہوتی ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے وہ اس چیز کو بھی پسند کرتا ہے جو اسے اللہ کے قریب کر دے اور اس کی یاد دلائے۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص آزمائش کو نعمت اور فراخی کو مصیبت شمار نہ کرے وہ فقیہ (عالم) نہیں۔

ایک جماعت حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس گئی اور وہ اندھیرے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے ہاتھ میں روٹی تھی انہوں نے پوچھا اے مالک! چراغ نہیں ہے؟ کیا روٹی رکھنے کے لئے کوئی چیز نہیں ہے؟ فرمایا مجھے چھوڑ دو۔ اللہ کی قسم! میں گزشتہ اعمال پر نادم ہوں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ جس شخص کو دنیا میں وسعت عطا کرتا ہے اور اس کو اس بات کا خوف نہیں ہوتا کہ یہ چیز اس کو دھوکہ دے گی تو وہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہے۔

امیر المؤمنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے جو شخص ہر رات کھانے کے لئے (روٹی) کا خشک ٹکڑا پائے وہ فقیر نہیں ہے فقیر وہ ہے جو کچھ نہ پائے۔

حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے مچھر جب تک بھوکا ہوتا ہے زندہ رہتا ہے اور جب سیر ہو جاتا ہے تو موٹا ہو جاتا ہے اور جب موٹا ہوتا ہے تو مر جاتا ہے اور انسان جب دنیا سے بھر جاتا ہے تو اس کا دل مر جاتا ہے۔

حضرت حفص بن حمید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے علماء، فقہاء، حکماء اور شعراء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آخرت کی نعمتیں کامل طور پر تب حاصل ہوں گی جب دنیا میں نعمتیں کم حاصل ہوں۔

اور جان لو! اس خلق پر صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے دلائل میں سے ایک دلیل وہ حدیث ہے کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

میں کس طرح نعمتوں سے متمتع ہو سکتا ہوں جب کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام نے صور پکڑا ہوا ہے اور کان لگاتے ہوئے پیشانی جھکائی ہوئی ہے اور وہ منتظر ہیں کہ کب حکم دیا جائے اور وہ صور پھونکیں۔

پس معلوم ہوا کہ کاملین اس دنیا میں رہ کر آخرت کے ہولناک مناظر دیکھ رہے ہیں اس چیز نے ان کو کھانے پینے اور جماع وغیرہ سے روک رکھا ہے پس اس کو سمجھو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

دنیا سے دل کا پھر جانا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا (کی محبت) سے پھیر دیا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم سے محبت کرتے ہیں تو ان کے دل کشادہ ہو جاتے ہیں۔

جو شخص اللہ اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم سے محبت کرتا ہے وہ لازما دنیا کو ناپسند کرتا ہے کیونکہ دنیا، عبادت سے دل کو پھیر دیتی ہے اسی لئے ان کا سب سے اچھا خلق یہ ہے کہ دنیا ان کی طرف متوجہ ہو تو ان کے دل تنگ ہو جاتے ہیں۔

اور اے بھائی ! غور کرو جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے سب سے بڑھ کر محبت کرتے تھے تو ان میں سے اکثر کس طرح رات گزارتے اور صبح کرتے اور ان کے پاس کوئی دینار ہوتا نہ درہم اور حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اپنے اہل بیت سے اور وہ آپ سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے اس کے باوجود آپ نے ان کے لئے یوں دعا فرمائی:

"اللھم اجعل رزق آل محمد قوتا"۔ [25]

ترجمہ: یااللہ! حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی آل کا رزق گزارہ کے مطابق کر دے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ بندے اللہ تعالٰی کی طرف متوجہ رہے اور اس کے لئے کوئی رکاوٹ نہ ہو خاص طور پر جب وہ بھوک پر صبر نہ کر سکے تو وہ دن رات اللہ تعالٰی کی طرف متوجہ رہے گا اور اپنے گزران زندگی کا سوال کرے گا اس میں کوتاہی نہیں کرے گا۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے تھے دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور قید خانہ میں اس کا سب سے بڑا عمل صبر اور غصے کو پی جانا ہے اور مومن کے لئے دنیا میں دولت نہیں اس کی دولت کل آخرت میں ہو گی۔

اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے عنقریب لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا اس میں مومن، لونڈی سے زیادہ ذلیل ہو گا وہ اس طرح زندگی گزارے گا جس طرح سرکے کا کیڑا سرکے میں ہوتا ہے۔

---

[25] (مسند احمد بن حنبل مرویا ابو ھریرہ جلد ۲ صفحہ ۴۴۶ مطبوعہ المکتب اسلامی بیروت)

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے اللہ تعالیٰ جس شخص سے دنیا کو تین دن روک دے درآں حالیکہ وہ س سے راضی ہو تو اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن بکر مزنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے بے شک اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کو دنیا کی کڑواہٹ کا مزہ چکھاتا ہے اور ایسا از راہِ محبت ہوتا ہے جس طرح عورت اپنے بچے کو اس کی صحت کے لئے ایلوا (کڑوا پھل) کا گھونٹ پلاتی ہے۔

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے ہاں اس خلق (دنیا سے دل کا بھر جانا) کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ ایک شخص نے رسول اکرم صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم میں آپ سے محبت کرتا ہوں آپ نے فرمایا:

"ان کنت تحبنی فاعد للفقر تجفافا فان الفقر اسرع الی من یحبنی من السیل الی منتھاہ"۔[26]

ترجمہ: اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو فقر کے لئے مکمل طور پر تیار ہو جاؤ کیونکہ جو شخص مجھ سے محبت کرتا ہے اس کی طرف فقر، سیلاب کے اپنی انتہا کی طرف سے جانے سے بھی زیادہ تیز آتا ہے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتے تھیں جب تک رسول اکرم صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم (ظاہری زندگی کے ساتھ) زندہ رہے دنیا ہم پر تنگ اور گہری رہی اور جب آپ صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا وصال ہوا تو ہم پر دنیا کو انڈیل دیا گیا یعنی ہم حضور

[26] (جامع ترمذی بحوالہ تنبیہ المغترین مطبوعہ دار البشائر)

صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی برکت سے دنیا سے محفوظ تھے لیکن جب آپ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا وصال ہوا تو یہ حمایت چلی گئی اور ہم پر خرابی داخل ہو گئی۔

اور میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے سیدی حضرت علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب انسان معرفت کے مقامات میں ترقی کرتا ہے تو دنیا سے نفرت بڑھ جاتی ہے اور اگر وہ اس کو طلب کرے تو وہ اس کو جواب نہیں دیتی کیونکہ اس (دنیا) کو اس کے دل میں جگہ نظر نہیں آتی جس میں وہ ٹھہرے۔

پس معلوم ہوا کہ جو شخص فقر کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے اس کی علامت یہ ہے کہ جوں جوں اس کی عمر بڑھتی ہے اس کا دنیوی سامان اور زینت بڑھتی جاتی ہے پس اس بات کو جان لو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

خواہش تک پہنچنے میں رکاوٹ کا ہونا ان کے لئے باعث مسرت ہوتا ہے

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے یہ بات بھی ہے کہ جب دنیا میں ان کے اور خواہش تک پہنچنے کے درمیان کوئی رکاوٹ ہوتی ہے تو وہ بہت خوش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ ہم سے محبت نہ کرتا تو ہمارے اور اللہ تعالیٰ سے حجاب پیدا کرنے والی چیز کے درمیان کوئی حائل نہ ہوتی۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میرے معلم حضرت عبد اللہ رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا چاہتے ہو تو اپنے اور خواہشات کے درمیان لوہے کی دیوار بنالو۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ جس دل میں خواہشات کی محبت ہو اس پر حرام ہے کہ میں اس کو متقی لوگوں کا امام بناؤں۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اپنے نفسوں میں (پائی جانے والی) خواہشات کو کچل دو خواہشات میں اپنے نفسوں کو ہلاک نہ کرو کیونکہ جو شخص اپنی خواہش کو اپنے قدموں کے نیچے رکھتا ہے شیطان اس کے سائے سے بھی بھاگتا ہے جس طرح وہ شخص جو خواہشات کو دل میں رکھتا ہے تو شیطان اس پر سوار ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے مسلط کر دینے سے وہ جس طرح چاہے اسے پھیر دیتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے جنت اپنی تمام نعمتوں کے ساتھ دو چیزوں کی طرف لوٹتی ہے راحتیں اور خواہشات اور کوئی شخص جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتا جب تک وہ دنیا میں آرام اور خواہشات کو چھوڑ نہ دے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے عنقریب لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ انسان کی ہمت (وارادے) کا محور پیٹ ہو گا اس کا دین اس کی خواہش اور اس کی تلوار اس کی زبان ہو گی۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے سرکش جانور تمہارے نفس سے زیادہ زیادہ لگام کا محتاج نہیں۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میرا اپنے نفس سے زیادہ کسی چیز کے ساتھ ٹکراؤ نہیں ہوا کبھی وہ میرے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی میرا مخالف ہوتا ہے اور وہ فرماتے تھے اپنے نفسوں کو خواہشات سے روکو اس سے پہلے کہ تم میں سے بعض، بعض کے دشمن ہو جائیں۔

اس خلق میں صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے دلائل میں سے ایک دلیل حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا یہ ارشاد گرامی ہے:

"حفت الجنة بالمکارہ و حفت النار بالشھوات"۔[27]

ترجمہ: جنت کو تکلیف دہ کاموں سے ڈھانپا گیا اور جہنم کو خواہشات کے ساتھ ڈھانپا گیا۔

یعنی جو تکلیف برداشت کرے گا وہ جنت میں جائے گا اور جو خواہشات پر عمل پیرا ہوگا وہ جہنم میں جائے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے سامنے بادام رکھا گیا تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے واپس کر دیا اور فرمایا یہ دنیا میں عیاش (اور آسودہ حال) لوگوں کا کھانا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے ایک سے زائد اقسام کا کھانا فاسقوں کا کھانا ہے انشاء اللہ تعالیٰ اس موضوع سے متعلق مزید گفتگو اپنے مقام پر ہوگی اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

قیمتی و عمدہ لباس سے اجتناب

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ زیادہ قیمتی کپڑے نہیں پہنتے بلکہ جو حلال لباس مل جائے پہن لیتے ہیں اگرچہ وہ سوتی کھردرا کپڑا ہو اور جب ان میں سے ایک صوفی جبہ یا عمامہ پہنتا ہے تو وہ بیش قیمت نہیں ہوتا جب کہ اس زمانے کے فقراء کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ بعض اوقات ان میں سے ایک کا اونی جبہ یا عمامہ تاجروں کے کپڑوں سے بھی مہنگا

[27] (صحیح مسلم ۲۸۲۲، مسند احمد ۱۵۳/۳ جامع ترمذی مطبوعہ بیروت)

ہوتا ہے البتہ یہ کہ کسی کی اللہ کے ساتھ اتنی قربت ہو کہ اس کی تدبیر کا ذمہ اللہ نے لیا ہو یا اس کی ذاتی تدبیر اللہ کی تدبیر کے ساتھ نہ رہے۔

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے ساتھی دنیا کا وہی لباس پہنتے تھے جو پرانا ہو گیا اور اس میں کئی پیوند لگ گئے ہوں۔

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کوڑے کے ڈھیروں سے کپڑے کے ٹکرے اٹھا کر دھوتے اور پھر سی کر پہن لیتے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سیاہ جبہ پہنتے تھے حتیٰ کہ وہ ان کے جسم پر پھٹ جاتا ایک مرتبہ لوگوں نے ان سے کہا یہ جبہ کب سے آپ کے جسم پر ہے؟ فرمایا نو سال سے ہے میں نے اس کو کبھی نہیں اتارا (دھونے اور غسل کرنے کے علاوہ اوقات مراد ہیں)۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کپڑے پہنتے حتیٰ کہ وہ بہت میلے ہو جاتے جب ان سے کہا گیا کہ آپ اپنے کپڑوں کو دھوتے نہیں؟ فرمایا معاملہ (موت) اس سے بھی جلدی ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم نے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا جب آپ اپنے دونوں ساتھیوں (رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) سے ملنا چاہتے ہیں تو اپنی قیمص کو پیوند لگائیں اپنے نعل مبارک کی خود سلائی کریں اپنی امید کو کم کریں اور سیر ہونے سے کم کھائیں۔

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کا گھر سامان سے خالی تھا اور اس میں ایک برتن تھا جس کو طہارت کے لئے استعمال کرتے تھے ایک دن آپ سے کہا گیا کہ آپ اپنے گھر میں سامان نہیں رکھتے؟

فرمایا اس گھر کا مالک (اللہ) ہمیں اس میں رہنے دے گا اور ہمارے لئے ایک اور گھر ہے ہم اس کی طرف نیک اعمال بھیجیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت ابو ادریس خولانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے ساتھیوں سے فرماتے تھے اپنے کپڑے دھونے کا زیادہ اہتمام نہ کرو کیونکہ میلے کپڑوں میں صاف دل اللہ کو اس دل سے زیادہ پسند ہے جو دل گندا اور کپڑے صاف ہوں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کے کپڑے تمہارے کپڑوں کے مقابلے میں کھردرے اور دل زیادہ نرم تھا اور عنقریب ایک زمانہ آئے گا کہ اس زمانے کے لوگوں کے کپڑے زیادہ باریک اور دل زیادہ سخت ہوں گے۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے بہت سے لوگ اپنے کپڑوں کو صاف اور دلوں کو میلا رکھتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا گیا آپ اپنی داڑھی کو کنگھی نہیں کرتے؟

فرمایا اس وقت دل سے فارغ ہو جاؤں گا (یعنی دل کی طرف توجہ نہیں رہے گی) اور ہر وقت کنگھی کرنا ضروری بھی نہیں۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا گیا آپ اپنی داڑھی کو خضاب نہیں لگاتے؟ فرمایا خضاب زینت ہے اور ہم ابھی اس کے اہل نہیں ہیں۔

حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے بعض اوقات میں اپنے کپڑے دھونے کا ارادہ کرتا ہوں تو دل میں تفکرات کی وجہ سے چھوڑ دیتا ہوں اور آپ اپنے کپڑوں کو اشنان (ایک بوٹی) سے دھوتے تھے صابن سے نہیں دھوتے تھے۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ موسم گرما اور موسم سرما کے رات اور دن میں عبادت میں کمی اور زیادتی نہیں کرتے تھے (یعنی موسم گرما سرما کے بدلنے کا ان کی عبادت پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا)۔

اور حضرت ابو اسحاق السبیعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے لوگوں کی سبز چادریں گھروں کے اندر ہوتی تھیں حضرت سہر بن حوشب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علاوہ کوئی بھی اپنے عمامہ پر سبز چادر نہیں رکھتا تھا۔ لوگ سر پر چادر اوڑھ کر نکلنے کے بجائے گھر کے اندر رہنا پسند کرتے تھے (کیونکہ اس چادر کا مقصد اپنے آپ کو فضول نظر سے بچانا تھا اور گھر کے اندر رہنے سے اس کا حصول بدرجہ اتم ہوتا ہے)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے تھے آج کل مساجد میں لوگوں پر سبز چادریں ہوں تو ان کو خیبر کے یہودیوں سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں سر پر چادر لینے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ نظر کو روکا جائے تا کہ وہ دیواروں وغیرہ پر نہ پڑے اور یہ کوئی کام نہیں اہم بات یہ ہے کہ دل کے اوپر چادر ہو جو اس کو دنیا کی خواہشات کی طرف نگاہ اٹھانے سے روکے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْکَ إِلَى مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ لِلْمُؤْمِنِينَ (الحجر ۸۸)

ترجمہ: اور اپنی آنکھوں کو ہر گز اس چیز کی طرف نہ بڑھاؤ جو نفع ہم نے ان میں سے کچھ جوڑوں کو دیا اور ان کا کچھ غم نہ کھاؤ اور مسلمانوں کو اپنی رحمت کے پروں میں لے لو اور ہر مقام کے لئے کچھ لوگ ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی اس چادر کو دیکھا جس کے ساتھ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم (باہر سے آنے والے) وفدوں کی طرف تشریف لاتے تھے اس کی لمبائی چار ہاتھ اور چوڑائی دو ہاتھ ایک بالشت تھی (کہنی سے درمیانی انگلی کے کنارے تک ذراع یعنی ہاتھ کہلاتا ہے) آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے بعد یہ مبارک چادر خلفاء کے پاس تھی حتیٰ کہ پرانی ہوگئی وہ اسے عیدین کے موقع پر پہنتے تھے (اوپر لیتے تھے)۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اے قاری تیرا سبز چادر کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ تجھے اونی کوٹ اور چرواہے کی لاٹھی چاہیئے جو اللہ سے اللہ کی طرف پھرے اور اپنے بھائیوں کو اللہ کا شوق دلائے۔

حضرت یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو مکہ مکرمہ کے راستے میں دیکھا میں نے ان کے کپڑوں حتیٰ کہ جوتے کی بھی قیمت لگائی تو وہ ایک درہم یا چار دانق کے برابر تھی۔ (ایک دانق درہم کے چھٹے حصے کے برابر ہوتا ہے) تو اے بھائی اس بات کو جان لے کہ اس خلق میں صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی دلیل یہ حدیث ہے جس میں رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

"البذاذۃمن الایمان"۔[28]

ترجمہ: بذاذہ ایمان سے ہے۔

بذاذہ کا معنی پرانے کپڑے پہننا ہے۔ پس آدمی کو اس بات کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے کہ اس نے کون سے کپڑے پہنے ہوئے ہیں اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے۔

حلال مال میں بھی حد سے زیادہ خرچ نہ کرنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے یہ بات بھی ہے کہ جب ان کو حلال مال ملتا ہے تو اس میں اسراف نہیں کرتے (ضرورت سے زیادہ خرچ نہیں کرتے) کیونکہ ہر زمانے میں مقام کے اعتبار سے لوگوں میں تفاوت کی وجہ سے حلال اجنبی رہتا ہے بعض اوقات کچھ لوگوں کے پاس حلال ہوتا ہے اور دوسروں کے پاس غیر حلال (حرام) ہوتا ہے۔ پہلے زمانے کے لوگ کسب حلال کو ہر کام سے مقدم کرتے تھے کیونکہ وہ لوگ یقیناً آخرت والے لوگ تھے اور اخروی خلاص اعمال اس شخص کے ہاتھوں انجام نہیں پاتے جو حرام یا شبہات والی چیزیں کھاتا ہے جو شخص حرام کھاتا ہے اس سے حرام کام عمل میں آتا ہے اور جو شخص شبہ والی چیزیں کھاتا ہے اس سے شبہ والے کام ہوتے ہیں حتیٰ کہ اگر وہ حرام کھا کر اللہ کی اطاعت کرے تو اس پر قادر نہیں ہوتا۔

حضرت یونس بن عبید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے آج کل ایک پاکیزہ درہم بھی نہیں ملتا اور اگر ہم اسے پائیں تو اس کے ساتھ اپنے بیماروں کا علاج کریں۔

---

[28] (المستدرک للحاکم للصحیحین کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۹ مطبوعہ المطبوعات الاسلامیہ بیروت)

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے آدمی کا دین یہ ہے کہ اس کے دستر خوان پر حلال مال سے ایک روٹی ہو اور اب ایک گھر والوں کے دستر خوان پر حلال سے صرف ایک روٹی ہوتی ہے کیونکہ آج کل حلال اجنبی ہو گیا۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے مومن پر کسب حلال ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ کی طرف منتقل ہونے سے بھی زیادہ سخت ہے۔

حضرت وہیب بن ورد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر بندہ اپنے زمانے میں حلال کو اس طرح نہ دیکھے جس طرح مجبور آدمی کے لئے مردار ہے تو وہ ہلاک ہو جائے۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہمانے ایک شخص کو دیکھا وہ کہہ رہا تھا "یا اللہ مجھے حلال اور صاف رزق عطا فرما" تو انہوں نے اس سے فرمایا اے فلاں! اللہ سے رزق کا سوال کر وہ اس پر تجھے عذاب نہیں دے گا کیونکہ حلال انبیاء کرام علیہم کا رزق ہے۔ (مشکل ہونے کی طرف اشارہ ہے حلال سے روکنا نہیں)

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عام طور پر دن کے آخر تک کام کرتے جب وہ لوگ آپ کو اجرت دیتے تو آپ اس کو دیکھتے اور اپنے ساتھیوں سے فرماتے مجھے ڈر ہے کہ میں نے اپنی پوری طاقت خرچ نہ کی ہو جس کا کھیتی والے نے مجھ سے مطالبہ کیا پھر اسے چھوڑ دیتے اور اس رات بھوکے رہتے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب کوئی کام کرتے تو وہ اس (کی مزدوری) کو اس وقت حلال جانتے جب کام کے دوران اللہ کے ہاں حاضری بر قرار رہے اور جس عمل میں یہ حاضری نہ ہوتی تو اس کی اجرت نہیں لیتے تھے۔

حضرت مسعر بن کدام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اس زمانے میں حلال مین سے کسی چیز کا باقی رہنامیں نہیں جانتا مگر یہ کہ کوئی شخص دریائے دجلہ یا نیل سے چلو بھر کر پیئے۔

وہ فرماتے ہیں ایک شخص نے حلال طلب کیا تو اسے صرف حشیش (خشک گھاس) ملی جو نہروں کے کنارے پر تھی تو اس نے اس میں سے کھانا شروع کر دیا حتیٰ کہ اس کی جلد تیس سال سبز رہی اس وقت غیبی آواز آئی اب تیرے لئے حلال کھانا ٹھیک ہو گیا اور حرام سے تیری جان چھوٹ گئی۔

فرماتے ہیں ان میں سے بعض حضرات نے اس چیز کو کھانا چھوڑ دیا جس میں انسانوں کے ہاتھ کا دخل تھا پھر وہ جنگل کی طرف چلا گیا تا کہ حشیش کھائے تو اس کے دل میں آواز آئی یہ بات بہت بعید ہے تم آج تقویٰ اختیار کرتے ہو تو تم اس قوت کا کیا کرو گے جو تم نے حاصل کی حتیٰ کہ (اس کے ذریعے) یہاں چل کر آئے تو غور کرو تم نے اسے کہاں سے حاصل کیا۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے گھڑے کے نبیذ (پھلوں کے رس) کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے پوچھنے والے سے فرمایا تم پر رحم کیا جائے پانی میں نبیذ بنانے سے پہلے پھل کو دیکھو کہ وہ کہاں سے آیا ہے؟

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے ایک عابد کو دیکھا جو نماز کے لئے کھڑا ہونا بوجھ محسوس کرتا تو میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ اس کا کھانا صاف نہیں تھا اگر وہ حلال رزق کھاتا تو اس کو بوجھ محسوس نہ ہوتا۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب کسی ولیمہ میں جاتے تو اپنے ساتھ ایک روٹی لے جاتے جسے کھاتے جب ولیمہ والا پوچھتا اے میرے سردار! کیا آپ میری روٹی سے نہیں کھاتے؟ تو

اس سے فرماتے تم جانتے ہو کہ تمہاری روٹی کہاں سے آئی ہے؟ اور میں جانتا ہوں کہ میری روٹی کہاں سے آئی ہے پس ہر ایک اس سے کھاتا ہے جس کے بارے میں جانتا ہے۔

میں کہتا ہوں میں نے اس مقام پر جن لوگوں کو پایا ان میں سیدی شیخ محمد بن عنان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی ہیں جب آپ کو کسی ولیمہ کی دعوت دی جاتی تو آپ روٹی ساتھ لے جاتے اور جب دستر خوان بچھایا جاتا تو اس میں (اپنی روٹی میں) سے کھاتے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پہلی صف کی فضیلت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا دیکھو تمہاری روٹی کہاں سے آئی پھر اسے کھاؤ اس کے بعد جس صف میں چاہو نماز پڑھو تم پر کوئی حرج نہ ہو گا۔

اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے اللہ تعالیٰ اس بندے کی نماز قبول نہیں کرتا جس کے پیٹ میں کوئی حرام چیز ہو۔

حضرت امام سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے نجات تین باتوں میں ہے:

(۱) ہدایت کا راستہ (۲) کمال تقویٰ اور (۳) حلال غذا

حضرت وہیب بن ورد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر تم روزہ رکھو اور نماز پڑھو حتیٰ کہ تم اس ستون کی طرح ہو جاؤ تو یہ تمہیں تب نفع دے گی جب تم یہ دیکھ لو کہ تمہارے پیٹ میں کیا داخل ہو رہا ہے (حلال ہے یا حرام؟)

اور جان لو کہ اس خلق پر صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا (المؤمنون ۵۱)

ترجمہ: پاک (حلال) چیزوں سے کھاؤ اور نیک کام کرو۔

یہ رسولوں علیہم السلام کو خطاب ہے اور حدیث شریف میں واضح الفاظ میں فرمایا:

"بان اللہ تعالی امر المؤمنین بما امر بہ المرسلین"۔[29]

ترجمہ: اور بے شک اللہ نے مومنوں کو اس بات کا حکم دیا جس کا رسولوں کو حکم دیا۔

اور ان کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ حدیث بھی ہے۔ رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

"لا یکتسب عبد مالا من حرام فیبارک لہ فیہ ولا یتصدق منہ فیوجر علیہ ولا یترکہ خلف ظھرہ الا کان دافعا لہ الی النار ان اللہ لا یمحو السیء بالسیء ولکن یمحو الخبیث بالطیب"۔[30]

ترجمہ: بندہ جو حرام (مال) کماتا ہے اس میں برکت نہیں اور اس میں سے جو صدقہ کرے اس کا ثواب نہیں ملتا اور اگر اسے اپنے بعد چھوڑ کر جائے تو یہ جہنم کی طرف لے جانے والا ہے بے شک اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتا بلکہ خبیث کو پاک کے ذریعے مٹاتا ہے۔

تو اے بھائی! اس زمانے میں اپنے کھانے کی طرف دیکھو اور تم پر بہت زیادہ بھوک لازم ہے اور تم کسی امیر یا اس کے شریک کار یا قاضی کے کھانے سے بچو چہ جائیکہ تم ظالموں اور ٹیکس لینے والے (ظالم) کا کھانا کھاؤ اور اس کی چھان بین نہ کرو یہ تمہارے لئے دین کے اعتبار سے ہلاکت کا باعث ہے اگرچہ تمہارے سر پر اونی عمامہ اور (تمہارے جسم پر) جبہ ہو اور عمامہ کا شملہ ہو۔

---

[29] (صحیح مسلم حدیث نمبر ۱۰۱۵۔ جامع ترمذی حدیث نمبر ۲۹۹۲ مطبوعہ بیروت)

[30] (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۱ صفحہ ۳۸۷ مطبوعہ المکتب اسلامی بیروت)

ایک دوسرے کو وصیت کرنا اور اسے قبول کرنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کو بہت زیادہ وصیت کرتے ہیں اور ان کے وعظ کو قبول کر کے اس پر شکریہ ادا کرتے ہیں اور اس کے باوجود وہ اپنے دل میں یہ خیال نہیں کرتے کہ جس کو نصیحت کرنا ان پر واجب تھا انہوں نے اس کا حق ادا کر دیا۔ اگرچہ زمانہ بھر اس سے نیکی کرے کیونکہ اخروی امور کا دنیوی ساز و سامان کے ساتھ مقابلہ نہیں کیا جاتا۔

ایک شخص نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے کچھ وصیت کیجئے آپ نے فرمایا تم جہاں بھی ہو اللہ کے حکم کی عزت واحترام کرو تم جہاں بھی ہو گے اللہ تمہیں عزت عطا کرے گا (یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تم اللہ کے حکم کو غالب رکھو اللہ تمہیں غالب رکھے گا)۔

ایک شخص نے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ مجھے کوئی نصیحت کریں آپ نے فرمایا اس بات سے پرہیز کر کہ تو ان لوگوں میں سے ہو جائے جو نیک لوگوں کے ساتھ میل ملاپ رکھتے ہیں اور ان سے نفع حاصل نہیں کرتے یا گناہ گاروں کو ملامت کرتے ہیں اور خود گناہوں سے نہیں بچتے یا جو ظاہر میں شیطان پر لعنت بھیجتے ہیں اور خلوتوں میں اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔

ایک شخص نے حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے وصیت کیجئے، آپ نے اس سے فرمایا کیا تمہارا باپ فوت ہو گیا ہے؟ اس نے کہا جی ہاں، فرمایا میرے

پاس سے اٹھ جاؤ کیونکہ جو شخص والد کی وفات کے بعد کسی نصیحت کرنے والے کا محتاج ہو اس کو نصیحت فائدہ نہیں دیتی۔

ایک شخص نے حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے عرض کیا کہ مجھے نصیحت فرمائیں آپ نے فرمایا دنیا اور آخرت میں بادشاہ بن جاؤ اس نے پوچھا وہ کیسے؟ فرمایا دنیا میں زہد اختیار کرو، اس شخص نے عرض کیا کچھ اور بتائیے آپ نے فرمایا اپنے نفس کو دم قرار دو اور لوگوں کے پاس بیٹھو، اپنے نفس کو سر قرار دے کر لوگوں سے مطالبہ نہ کرو کہ وہ تمہارے پاس بیٹھیں (یعنی تواضع اختیار کرو)۔

ایک دن حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک عابد کے پاس تشریف لے گئے اور آپ نے اس سے کہا میں تمہارے پاس آیا ہوں کہ مجھے کوئی نصیحت کرو عابد نے ان سے کہا اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ اللہ سے ڈرنے والے ہیں تو میں آپ کو نصیحت کرتا یہ سن کر حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بے ہوش ہو گئے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے ابو العباس حضرت خضر علیہ السلام کو مدینہ منورہ میں دیکھا تو میں نے عرض کیا مجھے کوئی نصیحت کریں۔ انہوں نے فرمایا اے عمر! اس بات سے بچو کہ تم ظاہر میں اللہ کے دوست اور پوشیدگی میں اس کے دشمن ہو۔

ایک شخص نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا اے روح اللہ! مجھے کوئی نصیحت فرمائیں آپ نے اس سے فرمایا کب تک تم لوگوں کو نصیحت کی جائے اور تم اسے قبول نہ کرو تم لوگوں نے واعظین کو بہت زیادہ تکلیف دی اور تھکا دیا۔ (آج کل کے واعظین مقررین مراد نہیں ہیں)

ایک شخص نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے عرض کیا کہ مجھے نصیحت کریں آپ نے فرمایا گناہ نہ کرو اس طرح اپنے آپ کو جہنم میں ڈالو گے حالانکہ جب تم کسی شخص کو دیکھتے ہو کہ وہ تجھے آگ میں ڈالتا ہے تو تم اس پر اعتراض کرتے ہو اور خود دن میں کئی بار اپنے آپ کو آگ میں ڈالتے ہو اور اپنے آپ پر اعتراض نہیں کرتے۔

ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے عرض کیا کہ مجھے وعظ و نصیحت فرمائیں آپ نے فرمایا فضول نظر کو چھوڑ دو تمہیں خشوع کی توفیق ملے گی فضول کلام کو چھوڑ دو حکمت کی توفیق عطا ہو گی فضول (زائد) کھانے کو چھوڑ دو عبادت کی توفیق پاؤ گے، لوگوں کے عیب تلاش کرنا ترک کر دو اپنے نفس کے عیبوں پر مطلع ہو گے اللہ تعالیٰ کی ذات میں غور کرنا چھوڑ دو شک اور نفاق سے بچ جاؤ گے۔

ایک شخص نے حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے عرض کیا کہ مجھے نصیحت فرمائیں آپ نے فرمایا: کسی سے حسد نہ کرو اگر وہ جہنم والوں میں سے ہے تو تم کسی طرح فانی دنیا پر اس سے حسد کرتے ہو وہ اس کے بعد جہنم کی طرف جائے گا اور اگر وہ اہل جنت سے ہے تو اس کے اعمال کی اتباع کرو اور اس پر رشک کرو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم دنیا کے معاملے میں اس سے حسد کرو۔

ایک شخص نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا کہ مجھے نصیحت کیجئے فرمایا تعجب ہے ایسی زبانوں پر جو بیان کرتی ہیں اور دل پہچانتے ہیں جبکہ اعمال مخالفت کرتے ہیں۔

ایک شخص نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے کہا مجھے نصیحت فرمائیں انہوں نے فرمایا اس دن کو یاد کر جس دن پر پوشیدہ بات ظاہر ہو جائے گی۔

ایک شخص نے حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا مجھے کوئی نصیحت کریں انہوں نے فرمایا تم تکبر کرنے یا لوگوں کا مال ناحق طور پر کھانے سے بچو کیونکہ جو شخص لوگوں پر تکبر کرتا ہے وہ ذلیل ہوتا ہے اور جو لوگوں کا مال غنیمت سمیٹتا ہے وہ محتاج ہو جاتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک مرتبہ ایک شخص سے یہ حدیث سنی:

"المرء مع من احب"۔[31]

ترجمہ: آدمی (قیامت کے دن) اسی کے ساتھ ہو گا جس سے محبت کرتا ہے۔

تو انہوں نے فرمایا اے بھائی! یہ قول تمہیں دھوکہ نہ دے تم نیک لوگوں کے ساتھ اسی وقت ملو گے جب ان کے اعمال جیسے اعمال کرو گے کیونکہ یہود و نصاریٰ اپنے انبیاء کرام علیہم السلام سے محبت کرتے ہیں لیکن ان کے ساتھ جنت میں نہیں جائیں گے کیونکہ اعمال میں وہ ان سے پیچھے رہ گئے اور ان کی مخالفت کرتے ہیں (جو لوگ محبت کا دعویٰ کریں ان کو محبوب کی طرح عمل بھی کرنا ہوتا ہے یہود و نصاریٰ جھوٹے ہیں)۔

پھر فرمایا ان لوگوں پر تعجب ہے جن کو حکم دیا گیا کہ زاد راہ لے کر سفر پر نکلیں اور وہ بیٹھے ہنس رہے ہیں کیونکہ جس شخص کی سواری رات اور دن ہوں تو وہ سواری اسے لے کر جا رہی ہے اور اس کو پتہ بھی نہیں چلتا۔

حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے ساتھیوں کو ہر وقت موت کے لئے تیار رہنے کا حکم دیتے اور فرماتے بعض اوقات ہم میں سے ایک شخص موت کے لئے پچاس سال تیاری کرتا ہے اور اس کی تیاری صحیح نہیں ہوتی موت کے لئے تیاری دنیا سے بے رغبتی اختیار کرنا ہے جس طرح حضرت

---

[31] (کشف الخفاء حدیث ۲۲۸۲ جلد ۲ صفحہ ۱۸۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے موت کے لئے صبح اور شام ہے اے ملک الموت! جس وقت چاہو میری جان لے لو۔

اس سلسلے میں صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے دلائل میں سے ایک دلیل رسول اکرم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا یہ ارشاد گرامی ہے:

"اغتنم خمسا قبل خمس، شبابک قبل هرمک وصحتک قبل سقمک وغناک قبل فقرک وفراغک قبل شغلک وحیاتک قبل موتک"۔[32]

ترجمہ: پانچ چیزوں کو پانچ سے پہلے غنیمت سمجھو، اپنی جوانی کو اپنے بڑھاپے سے پہلے، اپنی صحت کو اپنی بیماری سے پہلے، اپنی مالداری کو اپنے فقر سے پہلے، اپنی فراغت کو اپنی مشغولیت سے پہلے اور اپنی زندگی کو اپنی موت سے پہلے۔

تو اے بھائی! اس بات کو جان لو اور اپنے نفس کے لئے بیدار رہو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

کس کو نصیحت کریں

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے یہ بات تھی ہے کہ وہ صرف اس شخص کو نصیحت اور وصیت کرتے ہیں جس کے بارے قرائن کے ذریعے معلوم ہو جائے کہ وہ نصیحتوں اور وصیتوں کو قبول کرے گا اور جس کے بارے میں ان کو معلوم ہو جائے کہ جب اس کو نصیحت کریں گے تو وہ حرکت کرے گا یا کوئی اور راستہ اختیار کرے گا تو اس سے اعراض کرنا زیادہ بہتر ہے نیز تاخیر

---

32 (المستدرک للهاکم للصحیحین کتاب الرقاق جلد ۴ صفحہ ۳۰۶ مطبوعہ المطبوعات الاسلامیہ بیروت)

کرنا مناسب ہے حتیٰ کہ ان میں سے کوئی ایک شرعی طریقہ پائے اور اس کے ذریعے اس کو نصیحت پہنچائے۔

حضرت حامد اللفاف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کسی کو نصیحت نہ کرو مگر یہ کہ تمہیں اس سے قبولیت کا علم ہو جائے ورنہ بعض اوقات اس نصیحت کے بعد ایسا ضرر ہو گا جس سے بچنے کی تمہیں طاقت نہیں ہو گی۔

اور اس زمانے میں تمہیں کسی پر حکومت کرنے سے بچنا چاہئے کیونکہ ہر شخص اپنے آپ کو فلاں کا باپ کہلواتا ہے (اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے) اور ہر ایک کی اقتداء کرنے سے بھی بچو کیونکہ خواہشات بہت پھیل گئی ہیں اور اپنے راز دوسروں کو دینے سے بچو کیونکہ امانتداری اٹھ چکی ہے۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں حضرت حامد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صحیح فرمایا ہے مجھے خود ایک واقعہ پیش آیا میں نے اس دور کے مشائخ میں سے کسی ایک شخص کو نصیحت کی کہ ظالم لوگوں کے گھروں سے نہ کھائے اور یہ بات صرف میرے اور اس کے درمیان تھی تو اس شخص نے سترہ سال تک مجھ سے بات نہ کی اور پھر بڑی مشکل سے صلح کی اور اگر میں اسے لوگوں کے سامنے نصیحت کرتا ہو کیا حال ہوتا شاید وہ مجھے قتل کرنے کے درپے ہوتا۔

تو اے بھائی! اس بات کو جان لو اور اپنے زمانے کی پہچان حاصل کرو اور سیاست (حکمت ودانائی) کے ساتھ اپنے بھائیوں کو نصیحت کرو۔ اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

اپنے اعمال کو کم سمجھنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک خلق یہ ہے کہ ان کے اعمال ان کی اپنی نظر میں قلیل ہوتے ہیں کیونکہ وہ ان کے اپنے اعمال ہوتے ہیں اگرچہ جنوں اور انسانوں کے عمل کے برابر ہوں وہ یہ خیال بھی نہیں کرتے کہ انہوں نے اللہ کے حقوق میں سے ایک ذرے کے برابر بھی ادائیگی کی ہے۔ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم (عبادت کے لئے) کھڑے ہوئے حتیٰ کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے قدم مبارک پھول گئے اور ان سے خون جاری ہو گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم! آپ اس طرح کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سبب آپ کے تمام اگلے پچھلے لوگوں کے گناہ معاف فرمائے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"افلا اکون عبدا شکورا"۔[33]

ترجمہ: کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

حضرت مسروق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زوجہ فرماتی ہیں کہ حضرت مسروق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نماز پڑھتے حتیٰ کہ زیادہ دیر کھڑے رہنے کی وجہ سے ان کی پنڈلیاں پھول جاتیں یہاں تک کہ مجھے ان پر رحم آتا اور میں ان کے پیچھے روتی رہتی۔

---

[33] (صحیح بخاری ۱۱۳۰۔ صحیح مسلم ۲۸۱۹ مطبوعہ بیروت)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے کچھ لوگوں کو پایا کہ ان میں سے ایک کو اپنے دین اور اپنی عمر کی اس قدر لالچ تھی جتنی تم میں کسی ایک کو اپنے درہم اور دینار کی نہیں ہوتی۔

حضرت عمر بن عتبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہر رات قبرستان کی طرف جاتے اور اس کے مقابل عشاء سے فجر تک نماز پڑھتے رہتے پھر واپس آکر صبح کی نماز مسجد میں پڑھتے اور جب قبرستان سے آتے تو قبرستان والوں سے کہتے اے میرے بھائیو! تمہارے نامہ ہائے اعمال لپیٹ دیئے گئے ہیں۔

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پوری پوری رات ایک ہی سجدہ میں گزار دیتے اور وہ اپنا سر نہ اٹھاتے حتیٰ کہ محسوس کرتے کہ اپنے رب کے سامنے بہت زیادہ رونے کی وجہ سے ان کی ہڈی پگھل چکی ہے۔

فرماتے ہیں جب حضرت عتبہ غلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے توبہ کی تو وہ اچھی طرح کھاسکتے تھے نہ پی سکتے تھے اور نہ سو سکتے تھے حتیٰ کہ ان کا انتقال ہو گیا۔

فرماتے ہیں جب حضرت مسروق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حج کیا تو وہ اپنا پہلو زمین پر کبھی نہیں رکھتے تھے اور بعض اوقات ان کو بیٹھے بیٹھے ہلکی سی نیند آجاتی۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے زمانے کے عبادت گزار لوگوں سے کہتے تھے تم عبادت گزار نہیں ہو لیکن تمہیں عبادت سے لذت حاصل ہوتی ہے اور ہم نے ایسے لوگوں کو پایا کہ جب ان میں سے ایک چالیس سال کی عمر کو پہنچتا تو مرتے دم تک نیند کا بچھونا لپیٹ دیتا۔

حضرت کھمس بن حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہر روز ایک ہزار رکعات پڑھتے تو ان سے فارغ نہ ہوتے حتیٰ کہ کمزوری کی وجہ سے سرین کے بل اپنے آپ کو گھسیٹتے، اس کے بعد اپنے آپ سے کہتے

اے ہر شر کے مرکز اور ٹھکانے! اس دوسری عبادت کے لئے اٹھو جب وہ آخری عمر میں کمزور ہو گئے تو روانہ پانچ سو رکعات پڑھتے تھے پھر روتے اور فرماتے ہائے! میرے رب کے سامنے میری خرابی، میری نصف عبادت کم ہو گئی۔

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر جب نیند کا غلبہ ہوتا تو ڈرے ہوئے اور سہمے ہوئے جاگ جاتے پھر دعا مانگتے۔ اے اللہ! میں بہت سونے والی آنکھ سے نفس لوامہ سے اور ایسے پیٹ سے تیری پناہ چاہتا ہوں جو سیر نہ ہو۔

حضرت ابن جویریہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں کچھ لوگوں کے ساتھ رہا جو رات بھر (عبادت میں) مشقت برداشت کرتے تھے تو میں نے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بڑھ کسی کو مشقت برداشت کرنے والا نہیں دیکھا میں ان کے پاس چھ ماہ رہا تو میں نے ان کو کسی رات بھی زمین پر پہلو رکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

حضرت ابن مقاتل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیس سال عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی۔ ایک روایت میں چالیس سال اور ایک روایت میں سینتالیس سال کا ذکر آتا ہے جب کہ ایک روایت میں پچاس سالوں کا ذکر ہے شاید ہر ایک نے اپنے دور کی خبر دی ہے۔

حضرت یوسف بن خالد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صرف نصف رات عبادت میں گزارتے ایک مرتبہ آپ ایک قوم کے پاس سے گزرے تو ان کو سنا وہ کہہ رہے تھے یہ (حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) پوری رات عبادت میں گزارتے ہیں اور انہوں نے آپ کی طرف اشارہ کیا پس آپ نے (اپنے آپ سے) کہا میرا خیال ہے مجھے اس عمل

کے ساتھ موصوف قرار دیا جارہا ہے جو میں نہیں کرتا اس وقت سے آپ نے پوری رات کا قیام شروع کر دیا حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا۔

حضرت ابو مطیع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاں رات کا بچھونا نہیں تھا اور آپ بیٹھے بیٹھے تھوڑا سا اونگھ لیتے تھے۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے زیادہ پرہیز گار اور آپ سے بڑھ کر عبادت گزار نہیں دیکھا۔

حضرت ابو مسہر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رات اور دن میں کسی بھی وقت اپنا پہلو زمین پر نہیں رکھتے تھے کیونکہ وہ ہمیشہ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تھے اور آپ کا تکیہ آپ کے گھٹنے تھے آپ ظہر اور عصر کے درمیان تھوڑی دیر کے لئے آرام کرتے تھے۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں جب بھی سویا مجھے یہ ڈر ہوا کہ کہیں مجھ پر عذاب نازل نہ ہو اور میں سویا ہوا ہوں اور اگر میں نہ سونے پر قادر ہوتا تو کبھی نہ سوتا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے اصحاب بدر میں سے ستر حضرات کو پایا اگر وہ تم لوگوں کو دیکھتے تو فرماتے یہ لوگ مجنون ہیں اور اگر وہ دیکھتے کہ آج کل لوگ کیا عمل کر رہے ہیں تو کہتے یہ لوگ یوم حساب پر ایمان نہیں رکھتے یا ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور ان میں سے ایک اپنے گھر سے صرف وضو یا مسجد میں باجماعت نماز کے لئے نکلتا تھا۔

حضرت مغیرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ایک رات اس طرح دیکھا کہ وہ مجھے نہیں دیکھ رہے تھے آپ نے عشاء کے بعد وضو کیا پھر نماز کے

ارادے سے کھڑے ہوئے تو داڑھی کو مٹھی میں لے کر روتے رہے اور فجر تک گڑگڑاتے رہے اور رکوع کرنے پر ذرہ برابر بھی قادر نہ ہو سکے۔

اور ان حضرات میں سے ایک رات کے آنے پر خوش ہوتا تاکہ وہ اپنے رب کی بارگاہ میں خلوت حاصل کرے اور دن کے آنے پر لوگوں کے خوف سے پریشان ہوتا کہ وہ اس کو اپنے رب کی عبادت سے ہٹا کر دوسری طرف مشغول کر دیں گے اور یہ لوگ عبادت کے انتہائی درجہ پر پہنچ چکے تھے کہ اگر ان میں سے کسی ایک سے کہا جاتا کہ کل قیامت ہو گی تو وہ جس عبادت میں ہوتے اس میں کوئی اضافہ نہ کرتے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اکثر عشاء کی نماز پڑھ کر صبح تک لیٹ جاتے اور فرماتے جہنم کے خوف کی وجہ سے نہ میں اس رات سو سکتا ہوں نہ نماز پڑھ سکتا ہوں پھر صبح کی نماز کے لئے عشاء کے وضو کے ساتھ کھڑے ہوتے۔

اور حضرت شداد بن اوس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حالت یہ تھی کہ گویا وہ کڑاہی میں گندم کا دانہ ہیں (جسے بھونا جا رہا ہے) صبح تک یہی حالت ہوتی اور وہ فرماتے تھے بے شک اس رات جہنم کا خوف مجھے سونے اور نماز حتیٰ کہ کلام کرنے سے بھی روکتا ہے۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں یہ اکابر جہنم سے اس لئے ڈرتے تھے کہ جہنم اللہ سے حجاب ہے جہنم کی ذات کی وجہ سے نہیں ڈرتے تھے کیونکہ وہ لوگ صرف اللہ سے ڈرتے تھے جس طرح جنت سے محبت کرنے والے اکابر اس کی نعمتیں کھانے کی غرض سے اس سے محبت نہیں کرتے تھے وہ اس سے صرف اس لئے محبت کرتے تھے کہ یہ مشاہدہ کا گھر ہے اور اللہ خوب جانتا ہے۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے کچھ لوگوں کو پایا کہ ان میں سے ایک نماز پڑھتا حتیٰ کہ وہ اپنے بستر پر گھسٹ کر آتا۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر عبادت پرندہ ہوتی تو نماز روزہ اس کے پر ہوتے۔ اور وہ سردیوں میں بھی چھت کے اوپر سوتے تھے اور وہ پتلے کپڑے پہنتے یہاں تک کہ کوئی ایک اس طرح سونے کا ارادہ نہ کرتا۔

حضرت فاطمہ بنت مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا فرماتی تھیں میرے علم کے مطابق حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب سے خلیفہ بنے ہیں انہوں نے جنابت کی وجہ سے غسل نہیں کیا۔

حضرت اسود بن یزید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سخت گرمی میں روزہ رکھتے حتیٰ کہ بعض اوقات ان کا جسم زرد اور بعض اوقات سبز رنگ کا ہو جاتا ان سے پوچھا گیا آپ کب تک اپنے جسم کو عذاب دیتے رہیں گے ؟ فرمایا میں اس کی راحت اور آسائش تلاش کر رہا ہوں۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے گھر میں قبر کھود رکھی تھی اور آپ ہر رات اس میں اتر کر صبح تک نماز پڑھتے تھے۔

راوی فرماتے ہیں جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خلافت سونپی گئی تو آپ دن میں سوتے نہ رات کو اور فرماتے اگر میں رات کے وقت سو گیا تو اپنے نفس کو ضائع کر دوں گا اور اگر دن کے وقت سو گیا تو اپنی رعایا کو ضائع کر دوں گا اور مجھ سے ان دونوں کے بارے میں سوال ہو گا۔

تو اے بھائی! اپنی حالت کو دیکھ اور اس جماعت کے قول پر غور کر جو اس زمانے میں ظاہر ہوئے اور وہ حرام اور شبہ والی چیزیں کھاتے ہیں اور متکبرانہ انداز کا لباس پہنتے ہیں اور ان میں سے ایک (یعنی

سب) کی زبان پر یہ بات جاری ہوتی ہے کہ اللہ کا بہت وسیع فضل ہے یعنی ہم نے حرام کھایا لیکن ہمارے مقام میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔

تو اے بھائی! اس بات کو جان لو اور اپنے نفس کا جائزہ لو اگر تم نصیحتیں قبول کرتے ہو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

علم و عمل میں آفات آجانے کا خوف

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ اپنے علم اور عمل میں آفات کے داخل ہو جانے سے بہت ڈرتے ہیں اسی طرح امت کی دنیوی اور دینی اصلاح کے لئے ان کی رہنمائی میں آفات آجانے کا خوف بھی رکھتے ہیں۔

تو اے بھائی! تو یہ خیال نہ کر کہ ان میں سے کوئی ایک امور دنیا میں سے کسی امر (معاملہ) میں آگے بڑھنے کو پسند کرتا ہے بلکہ وہ لوگ فتویٰ دینے کو بھی ناپسند کرتے تھے اور کہتے تھے کہ رسول اکرم صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَيْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

"ان المفتی یدخل فیما بین اللہ و بین عبادہ"۔

ترجمہ: بے شک مفتی اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ ہوتا ہے (یعنی احکام شرع میں)۔

اور حضرت عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے رسول اکرم صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَيْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے ایک سو بیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پایا تو ان میں سے کوئی بھی محدث نہ تھا وہ اس بات کو پسند کرتے کہ ان کا بھائی (دوسرے صحابی) حدیث میں ان کی طرف سے

کفایت کرے اور فتویٰ بھی نہیں دیتے تھے بلکہ اس بات کو پسند کرتے کہ ان کا دوسرا بھائی فتویٰ میں ان کی طرف سے کفایت کرے۔

حضرت یزید بن ابی حبیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے دین میں عالم سے فتنہ (آزمائش) میں سے یہ بات بھی ہے کہ اسے خاموشی اور سننے کے مقابلے میں کلام کرنا زیادہ پسند ہو۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا گیا کہ فلاں شخص بہت زیادہ عبادت کرتا ہے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے لیکن وہ ایک ہفتہ میں پورے مہینہ کا کلام کرتا ہے دوسری روایت میں ایک دن کا ذکر ہے۔

حضرت شعبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہم نے حضرت ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں پوری کوشش کی کہ وہ مسجد میں بیٹھ کر لوگوں کو حدیث سنائیں لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور آپ جب مسجد میں داخل ہوتے تو کسی ستون یا دیوار کے ساتھ تکیہ نہ لگاتے۔

اور حضرت امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بہت زیادہ علم کے باوجود فتویٰ نہیں دیتے تھے آپ فرماتے تھے جو شخص زیادہ علم کے بغیر فتویٰ دے تو امام کو حق پہنچتا ہے کہ اسے سزا دے کیونکہ مفتی جہنم کے کنارے پر ہوتا ہے۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں عام علماء کرام فتویٰ دینے سے احتیاط کے طور پر بچتے تھے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے لوگوں پر دینار خرچ کرنا میرے نزدیک ان کو حدیث سنانے سے زیادہ پسند اور آسان ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ مردوں کے گرد جوتے کی آواز کے ساتھ ہمارے جیسے بیوقوف لوگوں کے دل بہت کم قائم وثابت رہتے ہیں فرماتے ہیں ایک دن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب میں دروازہ بند کر دیتا ہوں تو کیا کرتا ہوں یعنی اللہ تعالیٰ سے غافل ہو جاتا ہوں اور بچوں میں مشغول ہو جاتا ہوں تو تم میں سے ایک آدمی بھی میرے پیچھے نہ آتا۔

حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا اور لوگ ان کے گرد تھے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے درہ بلند کیا اور فرمایا یہ (طریقہ) متبوع (جو آگے چلتا ہے) کے لئے فتنہ اور پیچھے چلنے والے کے لئے ذلت کا باعث ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جب لوگوں کو اپنے پیچھے چلتے ہوئے دیکھتے تو فرماتے یہ بات تمہارے لئے بہتر ہے اور میرے لئے بری ہے اگر تم چاہو تو مجھے چھوڑ کر واپس چلے جاؤ۔

جب کوئی شخص حضرت ربیع بن خیثم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پیچھے چلتا تو فرماتے اللہ کی قسم! اگر مجھے تمہاری باتوں کا خوف نہ ہوتا تو میں تم سے حدیث بیان نہ کرتا۔

آپ سے کہا گیا اے محمد! رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شاید اللہ تعالیٰ آپ سے اور آپ کے علم سے لوگوں کو نفع پہنچائے۔ انہوں نے فرمایا یہ بہت دور کی بات ہے جب میں خود اپنے علم سے نفع حاصل کر سکتا تو اس سے کوئی دوسرا کیسے نفع حاصل کرے گا۔

آپ فرماتے تھے جو شخص اس بات کو پسند کرے ہ تم اس کے پاس بیٹھو تو تم اس کے پاس نہ بیٹھو جس طرح کسی شخص کو یہ بات پسند ہو کہ تم اس کے لئے کھرے ہو تو تم اس کے لئے کھڑے نہ ہو۔

حضرت یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے ساتھیوں سے فرماتے تھے جب تم میں سے کوئی ایک حدیث بیان کرنے کو اچھا سمجھے تو بیان نہ کرے (مطلب یہ کہ اس طرح ریاکاری ہوتی ہے)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہم نے ایک قوم کو پایا کہ جب ان میں سے کسی کے لئے کلمہء حکمت ظاہر ہوتا تو وہ اس کو خواہش کے ڈر سے چھپاتا اور اگر وہ اسے بیان کرتا تو اس سے خود بھی نفع اٹھاتا اور اس کے ساتھی بھی نفع اٹھاتے اور جب لوگ جمع ہوتے تو یہ لوگ اس بات کو ناپسند کرتے کہ ان کے پاس جو عمدہ کلام ہے اسے ظاہر کریں۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جن کو اللہ کے خوف نے خاموش کر رکھا ہے حالانکہ وہ وضاحت کے زیور سے آراستہ ہیں۔

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے مسجد میں وہی شخص بیٹھتا ہے جو دنیا کو جمع کرنے والا ہے (مطلب یہ کہ اس طرح لوگ متوجہ ہو جاتے ہیں)۔

ایک دن حضرت اسماعیل بن خلف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا میں دیکھتا ہوں جب آپ لوگوں سے پیچھے بیان کرتے ہیں تو بہت خوش ہوتے ہیں اور آپ کی آواز بلند ہو جاتی ہے اور جب بیان نہیں کرتے تو میں آپ کو میت کی طرح دیکھتا ہوں۔

انہوں نے ان سے فرمایا اے بھائی! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کلام فتنہ ہے اور اللہ کی قسم! میرے پاس تین آدمیوں سے زیادہ بیٹھ جائیں تو میں اپنے آپ کو ناپسند کرنے لگتا ہوں۔

حضرت انس بن مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے بیوقوف لوگوں کا مقصود روایت کرنا اور علماء کا مقصود سمجھنا ہے۔

حضرت ابراہیم النخعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قصہ گوئی یعنی وعظ کرنا ناپسند کرتے تھے اور فرماتے تھے ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم مسجد کوفہ میں داخل ہوئے تو کسی واعظ

کو وعظ کرتے ہوئے دیکھا پوچھا یہ کیا ہے ؟لوگوں نے کہا ایک شخص بیان کر رہا ہے انہوں نے فرمایا یہ شخص کہہ رہا ہے کہ مجھے پہچانو میں فلاں ہوں۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت اوزاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حلقہ پر گزرے اور بہت بڑا ہجوم دیکھا تو فرمایا اگر یہ ہجوم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس ہوتا تو وہ عاجز ہو جاتے حضرت امام اوزاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تک یہ بات پہنچی تو انہوں نے اسی دن بیٹھنا چھوڑ دیا۔

اور جب حضرت عیسیٰ بن یونس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مکہ شریف کی طرف آئے تو مسجد حرام میں لوگوں نے ان کو گھیر لیا اور ان پر ہجوم کر دیا حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وہاں سے گزرے تو ان کے قریب ہو کر فرمایا:

اے بھائی! اپنے دل کو دیکھو شاید وہ تمہارے پاس ہجوم کی وجہ سے بدل گیا ہو۔ حضرت عیسیٰ بن یونس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے نفس کی طرف تھوڑی دیر دیکھا تو فورا کھڑے ہو گئے اور اسی دن مجلس چھوڑ دی۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر تم ایسے عالم بن سکو کہ لوگ تمہیں نہ پہچانیں تو ایسا کرو، کیونکہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ تمہارے دل میں کیا ہے تو تمہارا گوشت کھا جائیں۔

لوگوں نے حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مطالبہ کیا کہ وہ مجلس قائم کر کے ان سے (احادیث) بیان کریں تو انہوں نے انکار کر دیا اور فرمایا مین بیان کرنے کا اہل نہیں اور تم سننے کے

اہل نہیں میری اور تمہاری مثال اس طرح ہے جس طرح کسی کہنے والے نے کہا: "آپس میں ایک دوسرے کی برائی کھل گئی تو آپس میں صلح کرلی"۔

حضرت علقمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا گیا کہ آپ مجلس قائم کر کے لوگوں سے بیان نہیں کرتے اس پر آپ کو اجر ملے گا انہوں نے فرمایا کیا بیان کرنے والا اس بات پر راضی نہیں کہ وہ پوری پوری نجات حاصل کرے نہ اس کے لئے کچھ ہو اور نہ اس کے ذمہ کچھ ہو۔

فرماتے ہیں جب حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیان کرنے کے لئے بیٹھنا چھوڑ دیا تو لوگوں نے ان سے کہا جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آپ سے فرمائے گا کہ آپ نے میرے نبی محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی احادیث لوگوں کے سامنے بیان کرنا کیوں ترک کردیں تو آپ اپنے رب کو کیا جواب دیں گے؟ انہوں نے فرمایا میں کہوں گا اے میرے رب تو نے اس سلسلے میں اخلاص کا حکم دیا تھا اور میں نے اسے اپنے اندر نہیں پایا۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (احادیث) بیان کرتے تھے جب وہ اپنے کلام کے حسن اور لوگوں کا حلقہ زیادہ ہونے کی وجہ سے اپنے دل میں لذت پاتے تو گھبرا کر خوفزدہ حالت میں کھڑے ہو جاتے اور حدیث بیان کرنا چھوڑ دیتے اور فرماتے العیاذ باللہ! ہم پکڑے گئے اور ہمیں پتہ بھی نہ چلا۔

حضرت میمون بن مہران رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے قصہ گو اور واعظ، تین باتوں میں سے کسی ایک سے خالی نہیں ہوتا: (۱) یا تو وہ دین کو کمزور کر کے اپنے کلام کو موٹا تازہ کرے گا، (۲) یا اپنی بات پر خود پسندی کا شکار ہو گا اور (۳) ایسی بات کہے گا جس پر عمل نہیں کرتا۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں یہ بات غالب حالات پر محمول ہے ورنہ عارف سے تو یہ بات مطلوب ہے کہ وہ اپنے کلام کو قوی کرے اور اس پر اس لئے خوش ہو کہ دوسرے کے لئے

ایک راستہ بن رہا ہے اور اپنے نفس کو تہمت لگائے کیونکہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اس پر عمل نہیں کر رہا کیونکہ کوئی بھی شخص ملامت سے نہیں نکلتا اگرچہ وہ اپنے عمل میں بہت زیادہ مخلص ہو اور اتنی بات مخلوق سے معاف ہے۔

حضرت ابو سلیمان خولانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ دوسرے لوگ ان کے علم کی وجہ سے زندہ ہیں جب کہ خود وہ لوگ اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں یعنی خود پسندی اور تکبر کی وجہ سے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو علماء کے علم کو جمع کرتے ہیں اور خود بیوقوفوں والے کام کرتے ہیں۔

حضر مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ میں، حضرت ثابت بنانی اور یزید رقاشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما حضرت انس بن مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس جاتے تھے کہ ان سے حدیث سنیں تو وہ ہم سے فرماتے تم لوگ رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے کس قدر مشابہ ہو پھر فرماتے تمہارے بال بھی اور داڑھیاں بھ۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے جو عالم ہے اور اس (علم) پر عمل نہیں کرتا وہ اس اندھے کی طرح ہے جس نے چراغ اٹھا رکھا ہے تاکہ دوسرے لوگ اس سے روشنی حاصل کریں۔

حضرت وہیب بن ورد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر علماء اپنے علم پر عمل نہ کریں تو لوگوں سے کہیں ہم سے ہمارا علم حاصل کرو لیکن نیک اعمال کو چھوڑنے کے سلسلے میں ہماری پیروی نہ کرنا تاکہ تم نجات حاصل کرو تو یہ بات بہتر ہے لیکن انہوں نے لوگوں کو دھوکہ دیا عمل کو چھوڑ دیا اور لوگوں کو اپنے خبیث اعمال کی دعوت دی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے اگر تم اہل علم واہل حکمت ہو تو اپنے کانوں کو چھلنی نہ بناؤ کہ تم پھوگ (بھوسی) روک لو اور آٹا جانے دو۔

حضرت سلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر تم کسی عالم سے مناظرہ کرو اور اسے غصہ آجائے تو اس سے نہ ڈرو کیونکہ اس کے پاس دین میں سے اصل مال نہیں رہا۔

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے زمانے کے علماء سے فرماتے تھے تم نے علم کو حقیر جانا اور اس کی قدر کو کھو دیا اللہ کی قسم! اگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ میرے جیسے آدمی کو تم سے گفتگو کرتے ہوئے دیکھتے تو مجھے اور تمہیں سب کو مارتے۔

حضرت اعمش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے بیس سال سے اپنے علم میں مخلص عالم نہیں دیکھا علم تو مفلس لوگوں کا پیشہ بن چکا ہے۔

حضرت شعبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے حضرت ہاشم دستوائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علاوہ کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ خلوص کے ساتھ حدیث حاصل کر رہا ہو۔

حضرت ابو حازم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں ہمارے اس زمانے کے علماء گفتگو پر راضی ہو گئے اور انہوں نے عمل چھوڑ دیا۔ اور پہلے دور کے بزرگ (علماء ومشائخ) عمل کرتے تھے باتیں نہیں کرتے تھے پھر ان کے بعد والے لوگوں کی حالت یہ ہو گئی کہ وہ باتیں بھی کرتے تھے اور عمل بھی کرتے تھے پھر ایسا دور آیا کہ باتیں کرتے تھے، عمل نہیں کرتے تھے۔

حضرت ابو عبد الرحمن اسلمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہم نے لوگوں کو پایا کہ وہ قرآن مجید دس دس آیات کر کے سیکھتے تھے اور دس آیات سے آگے نہیں بڑھتے تھے جب تک ان پر عمل نہ کر لیں۔

ایک مرتبہ حضرت شعبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا گیا اے عالم! ہمیں فتویٰ دیجئے۔ انہوں نے فرمایا میرے جیسے آدمی کو عالم نہ کہو عالم وہ ہوتا ہے جس کے جسم کے جوڑ اللہ کے خود سے کٹ جائیں۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے عالم دین کا طبیب ہوتا ہے جب تک اپنے علم کے ذریعے دنیا حاصل نہ کرے جب وہ اپنے علم کے ذریعے دنیا حاصل کرے تو اس نے اپنے نفس کی طرف بیماری کو کھینچا اور جب وہ اپنے آپ کی طرف بیماری کو کھینچے گا تو دوسروں کا علاج کیسے کرے گا؟

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے امت، علماء سوء کی وجہ سے ہلاک ہوتی ہے وہ رحمن کے راستے میں بیٹھ کر اپنے برے اعمال کے ذریعے اللہ کے بندوں کو لوٹتے ہیں۔

حضرت مالک بن مغول رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے پوچھا گیا کون سے لوگ برے ہیں فرمایا علماء جب وہ برے ہو جائیں۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص اللہ کے لئے علم حاصل کرتا ہے اس کی علامت یہ ہے کہ وہ زہد، تقویٰ، خوف اور لوگوں سے اذیت برداشت کرنے جیسے اخلاق کا حامل ہوتا ہے۔

حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے علماء چلے گئے اور ان کے علم میں سے کچھ غبار بچ گئی وہ بھی برے برتنوں میں۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب عالم زاہد نہ ہو تو وہ اپنے زمانے والوں کے لئے عذاب اور فتنہ ہوتا ہے۔

وہ یہ بھی فرماتے تھے اے علم والو! تمہارے مکان کسریٰ بادشاہوں کے مکانات بن گئے اور تمہارے اخلاق شیطان ہو گئے، محمدیت کہاں ہے؟

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے تھے مجھے ڈر ہے کہ مجھے کہا جائے اے عویمر تو نے اپنے علم میں کیا عمل کیا؟

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا کہ علم میں راسخ لوگ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا وہ جو اس پر عمل کرتے ہیں اور گزشتہ لوگوں کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت شعبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا میں نہیں جانتا۔

لوگوں نے کہا آپ کو یہ کہتے ہوئے کہ میں نہیں جانتا حیا نہیں آتی حالانکہ آپ (پورے) عراق کے عالم ہیں؟ انہوں نے فرمایا: فرشتے مجھ سے زیادہ با ادب اور علم والے ہیں اور انہوں نے یہ بات کہنے سے حیا نہیں کہا:

لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا (البقرۃ ۳۲)

ترجمہ: (اے اللہ!) تو پاک ہے ہمیں علم نہیں مگر وہی جو تو نے ہمیں سکھایا۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے تھے آخری زمانے میں علماء ہوں گے جو امراء کے قرب کے سلسلے میں ایک دوسرے پر غیرت کھائیں گے جس طرح مرد، عورتوں پر غیرت کھاتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے بہت برے ہوں گے۔

حضرت معمر بن سلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے یہ بات کہنے سے بچو کہ رسول اکرم صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شطرنج کھیلتے تھے یا معصفر (زرد رنگ کا)

لباس پہنتے تھے یا ایسا نبیذ (پھلوں کا رس) پیتے تھے جس کو پکانے سے دو تہائی چلا جائے (اور شراب بن جائے) یہ بات کہنے سے تم فاسق ہو جاؤ گے ان میں سے کسی نے یہ عمل کیا تو نہی (منع ہونے) سے پہلے کیا تمہارا ان سے کیا مقابلہ ہے؟ اور تم وہ عمل کرتے ہو جو تمہارے رب کی کتاب اور تمہارے رسول کریم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی سنت کے خلاف ہے۔

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے یہ شخص صرف علم کلام پر اکتفا کرے زہد اور فقہ (سمجھ) کو اختیار نہ کرے وہ زندیق (بے دین) ہے اور جو زہد پر اکتفا کرے فقہ اور علم کلام کو چھوڑ دے وہ بدعتی ہے اور جو فقہ پر اکتفا کرے زہد اور علم کلام کو چھوڑ دے وہ فاسق ہے اور جو ان سب کو جمع کرے اس نے چھٹکارا پایا۔

حضرت امام اوزاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایسا کلام بیان کرتے تھے جس میں فصاحت نہیں ہوتی تھی فرماتے تھے جب فصاحت آجاتی ہے تو خشوع چلا جاتا ہے پس ہم نے کلام میں فصاحت کو اختیار کیا اور عمل میں غلطی کی۔

حضرت ابو حفص حداد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے زمانے کے علماء سے فرماتے تھے تم کب تک کاپیاں اور رجسٹر لکھتے رہو گے علم تو ایک آلہ ہے جب دشمن آجائے اور تم آلہ (اسلحہ) جمع کر رہے ہو تو اس سے لڑائی کب کرو گے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب کوئی عالم اس بات کو پسند کرے کہ اس کی علم کے ساتھ شہرت ہو تو وہ ابلیس سے بھی برا ہے۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں شاید انہوں نے غیر شرعی شہرت مراد لی ہو۔

حضرت ابن سماک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے زمانے کے علماء سے فرماتے تھے تم میں سے کتنے لوگ ہیں جو اللہ کی یاد دلاتے ہیں اور خود اس کو بھولے ہوئے ہیں اور تم میں سے کتنے ہیں جو اللہ سے ڈراتے ہیں اور خود اس کی نافرمانی پر جرأت کرتے ہیں اور کتنے ہیں جو اللہ کے قریب کرنے والے ہیں اور خود اس سے دور ہیں اور کتنے ہیں جو اللہ کی طرف بلاتے ہیں اور خود اس سے بھاگنے والے ہیں۔

ایک دن ایک عورت حضرت ابراہیم بن یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس کھڑی ہوئی اور ان کو دیکھنے لگی انہوں نے پوچھا تجھے کوئی کام ہے؟ اس نے کہا نہیں، البتہ یہ کہ تم لوگ کہتے ہو کہ عالم کے چہرے کو دیکھنا عبادت ہے اور میں اسی لئے دیکھ رہی ہوں۔ اس پر حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رونے لگے حتیٰ کہ ان کو پھندا لگ گیا پھر فرمایا اس عورت کو میرے بارے میں مغالطہ ہوا جن لوگوں کے چہروں کو دیکھنا عبادت ہے وہ چالیس سال ہو گئے قبروں میں مٹی کی تہوں میں چلے گئے جیسے امام احمد بن حنبل، خلف بن ایوب، سفیق بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اور ان جیسے دوسرے لوگ پس تم ان کے قبرستان میں جاؤ اور اس بارے میں غور کرو۔

حضرت بشر بن حارث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے اپنے زمانے میں دیکھا جس کو بھی علم دیا گیا اس نے دین کو کھانے کا ذریعہ بنایا سوائے چار افراد کے اور وہ حضرت ابراہیم بن ادھم، وہیب بن ورد، سلیمان الخواص اور یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم ہیں۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جس کو اس کا علم رلا دے وہ عالم ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهِ إِذَا يُتْلَى عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ سُجَّدًا (الإسراء ١٠٧)

ترجمہ: بیشک وہ لوگ جن کو اس سے پہلے علم دیا گیا جب ان پر تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ کرتے ہیں۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

إِذَا تُتْلَى عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا (مریم ۵۸)

ترجمہ: جب ان پر رحمن کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ روتے ہوئے سجدے میں گر پڑتے ہیں۔

تو اے بھائی! اپنے نفس کو دیکھو کیا تم نے اپنے علم و عمل کا حق ادا کیا جس طرح ان لوگوں نے کیا یا تو اس سے کنارے پر ہے۔ پس دن رات کثرت سے استغفار کیا کر اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

گرفت کرنا اور خیر خواہی کرنے والے کا شکریہ ادا کرنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کی زیادہ گرفت کرتے ہیں جب وہ امراء سے میل جول رکھتے ہیں اور جو لوگ ان کی خیر خواہی کرتے ہیں ان کا بہت زیادہ شکریہ ادا کرتے ہیں اور جب ان کا علم زیادہ ہو تو اپنے بارے میں نافرمانی کا عقیدہ زیادہ رکھتے ہیں اس لئے کہ عام طور پر انسان ہر معلوم ہوئی بات پر عمل کرنے سے عاجز ہوتا ہے اور جب انسان اپنے تمام علم پر عمل نہیں کر سکتا تو جس علم پر اس نے عمل نہیں کیا اس کے حوالے سے اس پر فاسق کا نام جاری ہو گا۔

بے شک علم پر عمل کی ایک صورت امراء سے دور رہنا اور علم کو جال نہ بنانا ہے جس کے ذریعے دنیا اور عہدوں کا شکار کیا جائے اور اپنے حلقہ درس کے بڑا ہونے پر خوش نہ ہونا اور لوگوں کے اس قول سے لذت حاصل نہ کرنا بھی ہے کہ فلاں عالم عامل ہے یا فلاں اس شہر کا سب سے بڑا عالم ہے اور

اس طرح کی دیگر باتیں جس طرح علم پر عمل نہ کرنے سے یہ بات ہے کہ ان صفات کے برعکس صفات کے حصول پر غمگین ہوتا ہے۔

سیدی حضرت علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے علم پر عمل نہ ہونے کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ نیکی کے ساتھ شہرت کو پسند کرتا ہے اور لوگوں کی اس بات سے خوفزدہ ہوتا ہے کہ فلاں دنیا سے محبت کرتا ہے یا اپنے علم و عمل میں ریاکاری کرتا ہے اور اس طرح کی دیگر باتیں جو ہم (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے اپنی کتاب "البحر المورود فی المواثیق والعھود" میں لکھی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص ان باتوں پر خوش ہوتا ہے جو ہم نے ذکر کی ہیں یا اس کے خلاف باتوں پر اس کا دل تنگ ہوتا ہے وہ اپنے علم پر عمل نہیں کر رہا اسے اپنے نفس پر رونا چاہئے اور حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے مروی ہے:

"اکثر منافقی امتی قراؤھا"۔[34]

ترجمہ: میری امت کے اکثر منافق قراء(علماء) ہیں۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ بنی اسرائیل میں فاسق علماء ہوتے تھے اور عنقریب اس امت میں بھی ان کی مثل ہوں گے۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص ظاہر گناہوں کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوتا ہے وہ اس کے مقابلے زیادہ خفیف (ہلکا) ہے جو ریاکاری اور شہرت چاہئے کی وجہ سے داخل ہوتا ہے۔

---

[34] (مسند احمد بن حنبل مرویات عبد اللہ ابن عمرو جلد ۲ صفحہ ۱۷۵ مطبوعہ المکتب الاسلام بیروت)

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ان امور سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو جو دو سال بعد قرأت میں پیدا ہوئے اور جان لو کہ جو شخص فسق کی وجہ سے جہنم میں جائے گا اس کا معاملہ اس سے آسان ہے جو بدعت کی وجہ سے جہنم میں جائے گا اور اس سے ہلکا ہو گا جو اپنے علم و عمل میں ریا کاری کرتے ہوئے عبادت کرتا ہے۔(مطلب یہ کہ دین میں ایسا کام جاری کرنا جس کی دین میں اصل نہ ہو وہ بدعت ہے اور یہ مذموم ہے جو کام نیا ہو لیکن دین کے مطابق ہو وہ بدعت حسنہ ہے ہر بدعت گمراہی نہیں ہوتی یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے بعض لوگوں نے نفس پرستی کی بنیاد پر مسلمانوں کو بدعتی قرار دے رکھا ہے العیاذ باللہ ۱۲ ہزاروی)۔

حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہم یہ گمان نہیں کرتے تھے کہ اس زمانے تک زندہ رہیں گے جب شیطان علماء کے ساتھ اس طرح کھیلے گا جس طرح بچے گیند کے ساتھ کھیلتے ہیں۔

حضرت عبد العزیز بن ابی رواد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے زمانہ جاہلیت کے فساق ہمارے زمانے کے علماء سے زیادہ حیادار تھے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ کی قسم! میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ جب قیامت کے دن کہا جائے کہ فاسق علماء کہاں ہیں تو کہا جائے یہ بھی ان میں سے ہے اس کو پکڑو۔

ایک شخص نے حضرت حماد بن زید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا کہ مجھے کوئی وصیت فرمائیں انہوں نے فرمایا قراء (اور علماء) کے ناموں کے ساتھ اپنا نام ایک کتاب میں لانے سے بچو۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے (ریاکار اور بے عمل) علماء سے بچو اور ان کے ساتھ ساتھ مجھ سے بھی بچو کیونکہ اگر میں ان میں سے اکثر کی مخالفت کروں جب وہ انار کے

ذریعے مجھ سے دوستی کرتا ہے میں کہتا ہوں یہ کڑوا ہے اور وہ کہتا ہے بلکہ میٹھا ہے تو میں اس بات سے بے خوف نہیں ہوں کہ وہ ظالم بادشاہ کے ہاں میرے قتل کے لئے کوشش کرے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں چاہتا ہوں کہ میرا گھر (بے عمل) علماء سے دور ہو مجھے ان سے کیا تعلق جب وہ مجھے نعمت کے ساتھ دیکھتے ہیں تو مجھ سے حسد کرتے ہیں اور اگر مجھے خراب حالت میں دیکھتے ہیں تو میری توہین کرتے ہیں۔

حضرت ذو النون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے (بے عمل) علماء کے قرب سے بچو کیونکہ کبھی وہ تم سے حسد کرتے ہوئے تم پر جھوٹ اور بہتان باندھیں گے اور ان کی طرف سے یہ بات قبول کرلی جائے گی۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے عالم کی پرہیز گاری کا کم ہونا کتنا برا ہے اور لوگوں کا یہ قول کتنا برا ہے کہ فلاں عالم فلاں حکمران کے مال پر یا فلاں عورت کے مال پر حج کرکے آیا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

"سیاتی علی امیتی زمان یکون سماعکم باسم الرجل خیرا من ان تلقوہ، ولو لقیتموہ خیرالکم من ان تجربوہ فانکم ان جربتموہ ابغضتموہ و ابغضتم عملہ"۔

ترجمہ: عنقریب میری امت پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ تمہارے لئے کسی شخص کا نام سننا اس سے ملاقات کرنے سے بہتر ہوگا اور اگر تم اس سے ملاقات کرو تو یہ بات اس کا تجربہ کرنے سے بہتر ہوگی کیونکہ اگر تم اس کا تجربہ کروگے تو اس سے نفرت کروگے اور اس کے عمل سے بھی نفرت کرو گے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے تم (بے عمل) علماء کی تعریف کیسے کرتے ہو جب کہ ان کی گردنیں موٹی اور کپڑے باریک ہیں اور وہ گندم کا مغز (میدہ) کھاتے ہیں اللہ کی قسم! جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اس کے لئے راکھ پھانکنا بھی کافی ہے۔

حضرت یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا انتقال ہوا تو لوگوں نے علماء سے کہا اب دین کے بدلے دنیا کھاؤ۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ انتقال کر چکے ہیں کیونکہ وہ علماء کی بہت زیادہ گرفت کرتے تھے اور ان پر بہت زیادہ اعتراض کرتے تھے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے علماء اللہ کے سایہ رحمت میں رہتے ہیں جب تک ان کے قراء، امراء کی طرف محبت کے ساتھ جھکاؤ نہ رکھیں جب وہ ان کی طرف مائل ہوتے ہیں تو اللہ ان سے اپنی مدد اٹھالیتا ہے اور ان پر جابر لوگوں کو مسلط کر دیتا ہے پس وہ ان کو میرا عذاب چکھاتے ہیں اور ان کے دلوں میں ان کا رعب پڑ جاتا ہے۔

حضرت فرقد سنجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہمیشہ چادر اوڑھتے تھے تو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان سے کہا کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ اس چادر کے ذریعے لوگوں پر تمہیں فضیلت حاصل ہو؟ حالانکہ حدیث کے مطابق اکثر اہل جہنم (ریاکاری) چادر والے ہوں گے۔

ایک مرتبہ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا گیا کہ ہم آپ کو نوجوان عابد عالم سے منہ پھیرتے ہوئے دیکھتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے فرمایا میں اس سے اعراض اس لئے کرتا ہوں کہ میں نے علماء کا تجربہ کیا ہوا ہے۔

حضرت حذیفہ بن یمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں عالم کے لئے اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ وہ امراء کے دروازے پر جائے کیونکہ دنیا میں یہ فتنے کے مقامات ہیں۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ پچھلے لوگ بادشاہ کے دروازوں سے اجتناب کرنا سیکھتے تھے جس طرح ہم قرآن مجید کی کوئی سورت یا آیت سیکھتے ہیں۔

حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب تم کسی عالم کو دیکھو کہ وہ بادشاہ کے دروازوں پر جاتا ہے تو وہ چور ہے۔

حضرت میمون بن مہران رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے بادشاہ کی صحبت بہت بڑا خطرہ ہے اگر تم اس کی بات مانو گے تو اپنے دین کو خطرے میں ڈالو گے اور اگر اس کی بات کو نہیں مانو گے تو اپنے نفس کو خطرے میں ڈالو گے سو سلامتی اسی میں ہے کہ نہ تم اس کو پہچانو اور نہ وہ تمہیں پہچانے۔

فرماتے ہیں جب حضرت زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بادشاہ سے میل جول ہوا تو زاہد لوگ ان کے پاس کھڑے ہوئے اور کہا آپ نے اس کی وحشت گناہ کو زائل کر دیا ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص صرف فرائض ادا کرے اور بادشاہ کے پاس نہ جائے تو وہ شخص اس شخص سے بہتر ہے جو دن کو روزہ رکھتا ہے، رات کو قیام کرتا ہے، جہاد کرتا اور حج کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ بادشاہ کے پاس جاتا ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب تم کسی عالم کو دیکھو کہ وہ قاضی کے پاس کسی حاجت کے بغیر جاتا تو اس کے لئے بھلائی کی گواہی نہ دو اور نہ اسے سلام کرو (بلکہ) اسے دین میں تہمت زدہ قرار دو۔

حضرت ضحاک بن مزاحم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں رات بھر ایک ایسا کلمہ تلاش کرتا رہا جس سے بادشاہ راضی ہو اور اللہ بھی ناراض نہ ہو لیکن میں نے (وہ کلمہ) نہیں پایا۔

حضرت اصمعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے بدترین امراء وہ ہیں جو علماء سے زیادہ دور رہتے ہیں اور بدترین علماء وہ ہیں جو امراء کے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔

ہم (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے کچھ احادیث جن میں امراء کے قریب جانے سے ڈرایا گیا ہے۔ اپنی کتاب "العھود المھدیہ" میں ذکر کی ہیں وہاں دیکھو اور اپنے بارے میں غور کرو کہ کیا تم اچھے اخلاق کے حامل ہو جس طرح پہلے بزرگ (اچھے اخلاق کے مالک) تھے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

عطیات دینے والوں کو پریشان نہ کرنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ جب ان کے پاس مال نہیں ہوتا اور ان کے (مسلمان) بھائی ان کو لباس دیتے ہیں اور ان پر خرچ کرتے ہیں تو وہ لوگوں کو ان کے عطیات سے زیادہ لباس اور کھانا نہیں دیتے بلکہ ممکن حد تک خود تکلیف برداشت کرتے ہیں کیونکہ وہ لوگ کسی کو ننگا اور بھوکا نہیں چھوڑتے۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) اس راستے پر چلا تو مجھے میرے شیخ سیدی محمد بن عبد اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور میرے شیخ سید نور الدین سنونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس سے توبہ کروائی میں نے ان سے کہا میرے سردار! اگر مانگنے والا مجھے اللہ یا اس کے رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم کی قسم دے تو؟ فرمایا تم اسے نہ دو بلکہ اس کی جگہ یوں کہو جل اللہ العظیم (عظمت والا اللہ بہت بڑا ہے) یا رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم پر درود بھیجو کیونکہ بندے پر قسم کو پورا

کرنا اس وقت مستحب ہے جب اس کے پاس مال ہو لیکن جس پر دوسرے لوگ خرچ کرتے ہوں اسے قسم پورا کرنے کا حکم صرف شرعی طریقے پر دیا جاتا ہے گویا اس کے عطا کرنے کے راستے میں قسم کو پورا کرنے سے بڑی رکاوٹ کوئی نہیں ہے۔ (قسم کو پورا کرنا اس وقت ضروری ہے جب خود قسم کھائے دوسرے کی قسم کی ذمہ داری نہیں ہوتی)

اور جب میرے (مسلمان) بھائیوں کو علم ہوا کہ میں چوغہ یا کوٹ یا عمامہ دیتا ہوں اور اس میں توقف نہیں کرتا تو مجھے کپڑے دینے والوں میں سے کوئی ایک صرف مجھ پر وقف کی نیت سے دیتا ان میں سے بعض مجھے ادھار کے طور پر دیتے اور بعض تو یہ شرط رکھتے ہیں اگر میں ان کی اجازت کے بغیر کسی کو دوں گا تو ان کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی اس عذر کی وجہ سے تم مجھے بعض اوقات مانگنے والے پر بخیل پاؤ گے اور اگر وہ مجھ سے وہ چیز مانگتا جو میری اپنی ہے تو میں اللہ کا شکر ادا کرنے سے کبھی بخل نہ کرتا اگرچہ میرا چوغہ نیا ہوتا یا میرا اونی لباس نیا ہوتا جسے میں نے اسی دن پہنا ہوتا۔

تو اے بھائی! طریقت کے مشائخ میں سے کسی کے بارے میں بدگمانی کرنے میں جلدی کرنے سے بچو کہ جب کوئی ان کے پاس ننگا آئے اور ان کے کپڑوں میں سے کوئی کپڑا مانگے اور وہ دے دے تو یہ نہ کہے کہ یہ فقراء کے راستے سے نکلنا ہے بلکہ معاملے کی گہرائی تک پہنچے بعض اوقات اس شیخ کو عذر ہوتا ہے جس طرح ہم نے پہلے بیان کیا شیخ نے بخل کی وجہ سے سائل کو دینے سے انکار نہیں کیا اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

کرامات کو چھپانا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک خلق یہ ہے کہ وہ اپنے زمانے کے لوگوں سے ان کرامات کو چھپاتے ہیں جن کو وہ نہیں مانتے کیونکہ ان کو ظاہر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں البتہ اگر ان پر کوئی شرعی مصلحت مرتب ہو تو ولی پر اس کو ظاہر کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) جب اپنی کتاب لکھتے ہوئے اس مقام پر پہنچا تو ایک شخص نے رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو خواب میں دیکھا اور صحیح علامات کے ساتھ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے اس شخص کے ذریعے مجھے سلام بھیجا زیارت کرنے والے نے حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے ایک مسئلہ پوچھا آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے اس کا جواب دیا لیکن وہ شخص جواب سمجھ نہ سکا جب حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے دیکھا کہ وہ شخص اس کو سمجھنے میں توقف کر رہا ہے تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے اس سے فرمایا مصر میں جاؤ اور (امام) شعرانی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) سے پوچھو وہ تمہارے لئے اس کی تشریح کریں گے وہ شخص ایک کنارے پر (حرجہ مقام میں) رہتا تھا۔ تو جس طرح خواب میں نشانی دیکھی تھی اسی کے مطابق مصر میں آیا اور مجھ سے سوال کیا اس نے مجھ سے کہا مجھے مصر میں صرف یہی کام تھا کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے حکم کی تعمیل میں آپ سے ملوں، پھر اس نے مجھ سے مسئلہ کے بارے میں پوچھا تو الحمد للہ! میں نے اس کی وضاحت کر دی۔

اور میں نے اس کتاب میں لکھا تھا کہ صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے یہ بات ہے کہ وہ پانچ نمازیں حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے پیچھے آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی قبر شریف میں پڑھتے ہیں اور وہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی

طرف سے سلام کا جواب سنتے ہیں جب وہ اپنے تشہد میں **"السلام علیکم ایھا النبی و رحمۃ اللہ وبرکاتہ"** پڑھتے ہیں۔

میری اس بات پر میرے بعض طالب علم شاگردوں نے توقف کیا اور کہا کہ ہر کرامت گزشتہ لوگوں سے بطور وراثت ہوتی ہے اور ہم تک یہ بات پہنچی نہیں کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے اپنے وصال کے بعد قبر شریف سے کسی صحابی یا تابعی کے سلام کا جواب دیا ہو۔

جب یہ توقف ہوا اور میں نے دیکھا کہ اس مقام تک جو شخص بھی پہنچتا ہے مجاہدہ اور ریاضت کے بعد پہنچتا ہے تو میں نے اس کو کتاب سے نکال دیا کیونکہ ہر عام میں سے کسی بات کو خاص کیا جا سکتا ہے اصول فقہ میں یہ بات ثابت ہے البتہ جس بات کو شریعت مستثنیٰ قرار دے (یعنی اسے خاص نہیں کیا جا سکتا)۔

علامہ ابن زہرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تفسیر میں نقل کیا کہ کرامت بطور وراثت نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کرامت والے سے پہلے کسی ایک کے لئے واقع ہوتی ہے۔ آصف بن برخیار حمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ملکہ بلقیس کا تخت لے کر آیا لیکن یہ کرامت اس سے پہلے کسی نبی یا کسی دوسرے شخص کے لئے ظاہر نہیں ہوئی۔

میں نے سیدی حضرت علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے کسی شخص کے لئے ولایت محمدیہ کا قدم ثابت نہیں ہوتا جب تک وہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت الیاس علیہ السلام کے ساتھ اجتماع اختیار نہ کرے تمام سچے لوگوں نے اس درجہ کو پایا لہٰذا جو لوگ اس سے محروم ہیں ان کے انکار سے اس میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔

سیدی شیخ ابو العباسی مرسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے ساتھیوں سے فرماتے تھے کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جو حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم پر سلام بھیجے اور آپ کی طرف سے جواب اپنے کانوں سے سنے وہ کہتے تھے نہیں تاہم ہم میں سے کسی کے لئے یہ بات واقع نہیں ہوئی تو وہ فرماتے اپنے دلوں پر روؤ۔

وہ اللہ اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے پردے میں ہیں پھر فرماتے اللہ کی قسم! اگر میں رات یا دن کے تھوڑے سے حصہ میں رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے پردے میں ہو جاؤں تو اپنے آپ کو مسلمانوں میں شمار نہیں کرتا۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں فقیر اور اس شخص کے درمیان جو حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے حاصل کرتا ہے اور آپ پر سلام پیش کرنے والے کو جواب سنتا ہے ایک لاکھ مقامات ہیں سینتالیس ہزار مقامات اور ننانوے مقامات ہیں پس جو شخص اس کا دعویٰ کرے ہم اس سے ان مقامات کا مطالبہ کرتے ہیں جب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ان کی پہچان نہیں رکھتا تو ہم اسے اس کے دعویٰ میں جھٹلاتے ہیں۔

اس دور میں جن لوگوں نے اس مقام کا دعویٰ کیا وہ سیدی علی المرصفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زندگی میں ایک جماعت تھی انہوں نے ان کو اپنے پاس حاضر ہونے کا حکم دیا جب ان کو دیکھا تو ان سے فرمایا میرا مقصد یہ ہے کہ تم لوگوں نے جن مقامات کا دعویٰ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں وہ مقامات خصوصی طور پر عطا فرمائے ہیں میں تم سے ان میں سے بعض مقامات کے بارے میں سننا چاہتا ہوں تو ان میں سے کسی کو معلوم نہ ہوا کہ وہ کیا کہے۔ انہوں نے اس وقت ان کو ڈانٹا اور اپنے پاس سے نکالنے کا حکم دیا پس وہ نہایت برے حال میں مر گئے۔ والعیاذ باللہ۔

تو اے بھائی! تم ان مقامات کا دعویٰ کرنے سے بچنا جن تک تم نہیں پہنچے ورنہ تمہیں ان مقامات سے محرومی کی صورت میں سزا ملے گی۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں ہمارے زمانے میں ایک جماعت نے ان مقامات سے مکمل طور پر کنارہ کشی کو اختیار کیا اور انہوں نے پاشا، دفتر دار اور قاضی عسکر وغیرہ کے پاس بیٹھنے کو اپنے مقامات کی بلندی قرار دیا ان میں ایک جب کسی مجلس میں ہوتا ہے تو تم دیکھو وہ کہتا ہے میں نے پاشا سے کہا، پاشا نے مجھ سے کہا، دفتر دار نے مجھ سے کہا وغیرہ وغیرہ لیکن بہر حال ان لوگوں کی ضرر رسانی اس شخص سے کم ہے جو کہتا ہے مجھ سے رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے یوں فرمایا حالانکہ وہ سچا نہیں ہے۔ پس اے بھائی جان لو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

سرکاری مناصب اختیار نہ کرنے کا مشورہ

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک خلق یہ ہے کہ جو شخص ان کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہے وہ قضا یا کسی اور عہدے کے حصول کا مشورہ نہیں دیتے جو امانتوں سے متعلق ہو اور عام طور پر ان عہدوں سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں ہوتی البتہ کسی شرعی طریقے پر ہو تو الگ بات ہے کیونکہ اس قسم کے عہدے لینے سے بچنے کا حکم دیا گیا۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اس زمانے میں امام، موذن، اور سردار نہ بنو اور فقراء پر تقسیم کرنے کے لئے بھی کسی سے مال نہ لو۔

حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے قیامت کے دن جن لوگوں کو سب سے پہلے حساب کے لئے بلایا جائے گا وہ قاضی ہوں گے پس ان میں سے تھوڑے لوگ نجات پائیں گے اور جو شخص ان کی مدد کرے گا وہ بھی اس سختی میں ان کا شریک ہو گا۔

ایک مرتبہ حضرت ھرم بن حیان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے قاضی بننے کا مطالبہ کیا گیا تو انہوں نے اپنے گرد آگ جلا دی پس لوگوں کو اس دن سے ان کے پاس آنے سے منع کر دیا گیا حتیٰ کہ انہوں نے اپنے آپ کو معزول کر دیا۔

فرماتے ہیں جب حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو قاضی بننے پر مجبور کیا گیا اور ان کو قید کر دیا گیا تو وہ ان کو قید خانے سے نکال کر مارتے تھے کئی دن اسی طرح ہوا تا کہ آپ قضا کے سلسلے میں ان لوگوں کی بات مان لیں لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا حتیٰ کہ بعض دنوں میں وہ بچوں کی طرح روتے تھے پھر فرمانے لگے، قاضی کتنے ہی حقوق کو باطل کرتا ہے اور کتنے ہی باطل کو حق ثابت کرتا ہے ان کو قید کرنے والا ابن ھبیرہ وزیر تھا۔

حضرت سفیان ثوری بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے ایک ندا دینے والے کو سنا وہ ابو قبیس پہاڑ پر آواز دے رہا تھا ہر سیاہ اور سفید کے لئے اللہ کی امان ہے سوائے دو آدمیوں کے ایک سفیان اور دوسرا زندیق (آپ نے اپنا نام کسر نفسی کے طور پر لیا اور زندیق بے دین (کافر) کو کہتے ہیں ۱۲ ہزاروی)

حضرت مسروق اللہ کے اس ارشاد گرامی کے بارے میں فرماتے تھے۔

أَكَّالُونَ لِلسُّحْتِ (المائدۃ ۴۲)

ترجمہ: وہ بہت زیادہ حرام کھانے والے ہیں۔

(فرماتے تھے) اس سے مراد وہ ہدیہ ہے جو قاضی کو دیا جاتا ہے اور جو شخص حکمرانوں کی غلامی سے بچنا چاہتا ہے وہ سر کے اور نمک پر گزارہ کرے۔

اور میں نے سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے اس زمانے میں سرکاری عہدے عام طور پر ظلم وستم کا ذریعہ بن چکے ہیں حتیٰ کہ اگر کوئی شخص انصاف کرنے کا ارادہ کرے تو ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ لوگ اس کے مستحق نہیں رہے۔

حضرت شیخ (علی الخواص) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے جاننے والوں میں سے ایک شخص قاضی بن گیا تو آپ نے اسے اس پر ملامت کیا اس نے کہا اے میرے آقا! میں نے یہ عہدہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے لئے حاصل کیا ہے، شیخ نے اس سے فرمایا یہ تو شیطان نے تمہیں دھوکہ دیا ہے تم سے پہلے دور کے قاضیوں سے یہ نہ ہو سکا حالانکہ ان کا زمانہ خیر خواہی کا زمانہ تھا لیکن اس زمانے میں حکمرانوں میں سے ایک ولایت اور نیکی کا دعویٰ کرتا ہے اور کہتا ہے ہم اولیاء ہیں کیونکہ لوگ ہمارے محتاج ہیں اور ہم ان میں سے کسی کے محتاج نہیں ہیں۔

اور میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے سنا کہ کسی حکمران کے پاس اس کے زمانہ کے مشائخ میں سے ایک شیخ حاضر ہوا اور کسی کی سفارش کی لیکن اس نے سفارش رد کر دی اور قبول نہ کی پھر وہ حکمران کہنے لگا یہ لوگ جو پارسائی کا دعویٰ کرتے ہیں ہمارے ہاں اپنی شہرت کی خاطر سفارش کرتے ہیں کسی مصلحت یا جس کے لئے سفارش کرتے ہیں اس کی محبت کی خاطر نہیں تو اس کے نفس نے اس کو گمراہ کیا کہ جب وہ سفارش کرے گا اور اس کی سفارش قبول ہو گی تو لوگ کہیں گے آج کل مصر میں فلاں کے علاوہ کوئی نہیں ہے یہی شخص مسلمانوں کے غم بانٹتا اور ان پر شفقت کرتا ہے جب اس بات کے ساتھ مشہور ہو جائے گا تو بادشاہ اور وزراء اس کی بات سنیں گے اور اس کے لئے تنخواہیں اور رزق

مقرر کریں گے یہ اس کی شفاعت کا گھٹیا سبب ہے اور اس میں اس کی مصلحت کے ساتھ ساتھ اس بات کا خوف ہے کہ وہ خود پسندی کا شکار ہو جائے جو اس کی دینی ہلاکت کا باعث ہے۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے ایک قاضی کو دیکھا کہ جن دنوں اس کے پاس زیادہ مال نہیں آتا تھا وہ اپنے گھر کا سامان بیچ رہا تھا اور کہتا تھا مجھے ڈر ہے کہ میں جس کے ماتحت ہوں وہ مجھے معزول کر دے حتیٰ کہ وہ دنیا کے سامان سے بھی فقیر ہو گیا۔

میں نے بعض گاؤں کے ایک قاضی سے سنا کہ جب بعض دنوں میں اس کے پاس مال نہیں آتا تو وہ جس کو مالدار دیکھتا ہے اس پر جھوٹے مقدمے بناتا ہے تاکہ اس سے مال حاصل ہو اس قسم کا آدمی کس طرح حق کو حق اور باطل کو باطل قرار دے گا۔

پس اس زمانے میں سلامتی اسی میں ہے کہ آدمی عہدے حاصل نہ کرے البتہ یہ کہ شرعی طریقے پر اس کو عہدہ دیا جائے یا اس سلسلے میں اس پر زبردستی کی جائے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

اپنے احباب کے حالات معلوم کرتے رہنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک خلق یہ ہے کہ وہ اپنے اصحاب کے بارے میں اکثر پوچھتے رہتے ہیں تاکہ وہ ان باتوں میں ان کی خیر خواہی کریں جن کی ان کو ضرورت ہے مثلاً کھانا، لباس، نقدی، قرضوں کی ادائیگی اور ان کے دکھوں میں شرکت (بلا مقصد معلومات حاصل کرنا مراد نہیں)۔

اس زمانے میں یہ خلق اجنبی ہو گیا کیونکہ آج کل لوگ اس کے خلاف چلتے ہیں بعض اوقات ان میں سے ایک اپنے دوست سے پوچھتا ہے کہ تمہارا کیا حال ہے؟

وہ کہتا ہے اچھا ہے وہ اپنا حال چھپاتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ پوچھنے والے کا دل فارغ ہے اور اس کا حال پوچھنا عادت کے طور پر ہے اس کا نتیجہ کچھ نہیں جس طرح مشاہدہ ہوتا ہے بلکہ اکثر اپنے (مسلمان) بھائی کے پاس سے گزرنے والا پوچھتا ہے کیا حال ہے؟ جواب کا انتظار نہیں کرتا سوال کرنے والا بھی جواب کا انتظار نہیں کرتا اور جس سے پوچھا گیا وہ بھی جواب دینے کی تکلیف نہیں کرتا۔

اسی وجہ سے سیدی حضرت علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر تم میں سے کوئی ایک اپنے بھائی کی خیر خواہی یا اس کے غموں اور اس کے لئے دعا کا پختہ ارادہ نہیں رکھتا تو اسے اس کا حال نہیں پوچھنا چاہئے کیونکہ یہ تو منافقت ہے۔

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب تم اپنے ساتھی سے پوچھتے ہو تم نے صبح کیسے کی؟ اور وہ کہتا ہے میں فلاں چیز کا محتاج ہوں تو تم اس کے پاس سے کھسک جاتے ہو اور اس کی حاجت کو پورا نہیں کرتے تو تمہارا اس سے پوچھنا کہ تم نے صبح کیسے کی، اس کے ساتھ مذاق کرنا ہے اور اس زمانے کے لوگوں پر یہی بات غالب ہے۔

میں نے سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے لوگ ایک دوسرے سے حالات پوچھتے ہیں تاکہ غافل آدمی اللہ کے شکر کے لئے خبر دار ہو جائے اور اس کا شکر ادا کرے پس اس سے اسے اور ان لوگوں (سب کو) بھلائی حاصل ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے ایک شخص نے رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں عرض کیا یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم آپ نے کیسے صبح کی؟ آپ

صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا میں نے ان لوگوں سے اچھی صبح کی جنھوں نے کسی مریض کی عیادت نہیں کی اور کسی جنازے کے ساتھ نہیں چلے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا آپ نے کیسے صبح کی؟ فرمایا میں نے اپنے بزرگ وبرتر رب کے سامنے حقیر بندے کی طرح صبح کی میں نے اس کے حکم کی تعمیل میں صبح کی۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا آپ نے صبح کیسے کی؟ انہوں نے فرمایامین نے خلاص مسلمان ہونے کی صورت میں صبح کی کہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا آپ نے صبح کیسے کی؟ فرمایا اس طرح صبح کی کہ مجھے معلوم نہیں جنت میں جاؤں گا یا جہنم میں؟

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا آپ نے صبح کیسے کی؟ آپ نے فرمایا میں نے یوں صبح کی کہ میں اپنے رب کا رزق کھاتا ہوں لیکن اس کا شکر ادا نہیں کرتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا آپ نے صبح کیسے کی؟ فرمایا میں نے اس طرح صبح کی کہ میں جس کی امید رکھتا ہوں اس کے نفع کا مالک نہیں اور جس سے بچتا ہوں اس کو دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اور میں اپنے عمل کی بندش میں ہوں میرا تمام معاملہ میرے غیر کے قبضہ میں ہے اور مجھ سے بڑا فقیر کوئی نہیں۔

حضرت ربیع بن خیثم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا آپ نے صبح کیسے کی؟ فرمایا میں نے کمزور گناہ گار کی صورت میں صبح کی اپنے رب کا رزق کھاتا ہوں اور اس کی حکم عدولی بھی کرتا ہوں۔

حضرت ابو درداء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا آپ نے صبح کیسے کی؟ فرمایا بھلائی کے ساتھ صبح کی اگر جہنم سے نجات پا گیا۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا آپ نے صبح کیسے کی؟ فرمایا میں نے اس طرح صبح کی کہ میری عمر کم ہو رہی ہے اور گناہ بڑھ رہے ہیں۔

حضرت حامد اللفاف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا آپ نے صبح کیسے کی؟ فرمایا سلامتی اور عافیت کے ساتھ، حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان سے کہا اے حامد! سلامتی اور عافیت پل صراط سے گزرنے اور جنت میں داخل ہونے کے بعد ہوگی تو حضرت حامد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا آپ نے سچ کہا پس اس بات کو جان لو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

ابلیس سے لڑائی میں ہوشیار رہنا

ان صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک خلق یہ ہے کہ وہ شیطان سے جنگ اور اس کیک مکر و فریب اور چالوں کو معلوم کرنے سے غافل نہیں رہتے آج کے دور میں عام طور پر لوگ اس خلق سے غافل ہیں تو جس طرح ابلیس ہم سے غافل نہیں ہمیں بھی اس سے غافل نہیں ہونا چاہیئے وہ گھات میں ہے اور اس بات کا حریص ہے کہ بندہ اللہ کی ناراضگی کا شکار ہو جائے۔

حدیث شریف میں ہے:

"ان ابلیس یضع عرشہ فی البحر ویرسل سرایاہ وجنودہ فاعظمھم عندہ منزلۃ اعظمھم فتنۃ للناس"۔[35]

[35] (مسند امام احمد بن حنبل مرویات جابر جلد ۳ صفحہ ۳۱۴ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

ترجمہ: بے شک ابلیس اپنا تخت سمندر پر رکھتا ہے اور اپنے چھوٹے بڑے لشکر بھیجتا ہے تو ان میں سے وہ اس کے نزدیک بہت عظیم ہوتا ہے جو لوگوں کو سب سے زیادہ فتنے میں مبتلا کرے۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ ابلیس لعنۃ اللہ علیہ کہتا ہے اے رب! کیا تو نہیں دیکھتا کہ تیرے بندے تجھ سے محبت کرتے ہیں اور اس کے باوجود تیری نافرمانی کرتے ہیں جب کہ مجھ سے بہت زیادہ نفرت کرنے کے باوجود میری اطاعت زیادہ کرتے ہیں۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی طرف وحی فرمائی کہ میں نے ان بندوں کو ان کی نافرمانی کی کثرت کے باوجود صرف اس لئے بخش دیا کہ یہ مجھ سے محبت کرتے ہیں اور چونکہ یہ شیطان سے بہت زیادہ نفرت کرتے ہیں لہٰذا میں نے ان کی شیطانی اطاعت سے درگزر کیا۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب شیطان بندے سے تین باتوں میں سے ایک میں کامیابی حاصل کرلیتا ہے تو کہتا ہے میں اس سے ان باتوں کے علاوہ کسی چیز کا مطالبہ نہیں کرتا، (۱) خود پسندی (تکبر) کا شکار ہو جانا، (۲) اپنے عمل کو زیادہ سمجھنا، (۳) اپنے گناہوں کو بھول جانا۔

اور ایک روایت میں ہے چار باتوں میں سے ایک میں کامیابی حاصل کرتا ہے اور چوتھی بات زیادہ سیر ہو کر کھانا ہے اور یہ سب سے بڑی بات ہے کیونکہ باقی تینوں باتیں اسی سے پیدا ہوتی ہیں۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اس بات سے بچو کہ ظاہر میں شیطان سے دشمنی کرو اور باطن میں اس کی اطاعت کرو کیونکہ جو شخص اللہ کی نافرمانی میں رات گزارتا ہے شیطان اس کے لئے دلہن کی طرح رات گزارتا ہے۔

حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رات کے اندھیرے میں مسجد کی طرف جاتے تھے تو ایک مرتبہ شیطان انسانی صورت میں چراغ لئے ان کے آگے جانے لگا اور یہ رات ٹھنڈی اور تاریک تھی تو ایک عورت نے کھڑکی میں سے جھانک کر کہا اس نوجوان کا دل کتنا سخت ہے جو اس بزرگ کو اس رات میں چراغ اٹھانے کی تکلیف دے رہا ہے۔

حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ بات سنی تو اس عورت سے فرمایا اس بدبخت کو چھوڑ دے اللہ نے اس کو بدبخت بنایا ہے ابلیس کو معلوم ہو گیا کہ انہوں نے اس کو پہچان لیا تو وہ چراغ بجھا کر بھاگ گیا۔

اور ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ ابلیس اللہ اس پر لعنت کرے، انسانی صورت میں حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس آیا اس پر پیوند لگے کپڑے تھے اور گردن میں تسبیح تھی اور کمر میں مشائخ کے خدام کی طرح پٹکا باندھا ہوا تھا اس نے حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا:

اے میرے آقا! میں آپ کی خدمت کرنا چاہتا ہوں تا کہ آپ کی برکت حاصل کر سکوں۔ وہ آپ کے پاس ٹھہر گیا آپ کی خدمت کرتا اور آپ کے وضو کے لئے پانی وغیرہ تیار کرتا بیس سال تک یہ صورت رہی۔ لیکن اس نے کسی وقت بھی آپ تک رسائی کا کوئی طریقہ نہ پایا جب واپس جانے لگا تو پوچھا آپ نے مجھے پہچان لیا؟

حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہاں جب تم میرے پاس آئے تھے تو میں نے اسی وقت تمہیں پہچان لیا تھا تم ابو مرہ ابلیس ہو، ابلیس نے ان سے کہا اے ابو القاسم! میں نے آپ کے نقش قدم پر کسی کو نہیں دیکھا۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس سے فرمایا اے ملعون! میرے پاس سے دور ہو جا تو چاہتا ہے کہ جاتے جاتے میرے دین کو ضائع کر دے اور وہ میرا تکبر کرنا ہے (یعنی مجھے تکبر میں ڈال کر میرا دین ضائع کرنا چاہتا ہے)

حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہر دن صبح کے بعد دعا مانگتے:

اے اللہ! تو نے ہم پر ہمارے دشمن کو مسلط کر دیا وہ ہمارے عیبوں کو دیکھتا ہے، ہماری شرمگاہوں کو وہ اور اس کا قبیلہ دیکھتا ہے اس طرح کہ ہم اسے نہیں دیکھ سکتے یا اللہ! اسے ہم سے مایوس کر دے جس طرح تو نے اسے اپنی رحمت سے مایوس کیا اور اسے ہم سے نا امید کر دے جس طرح تو نے اسے معافی سے نا امید کیا ہمارے اور اس کے درمیان دوری کر دے جس طرح تو نے اس کے اور اپنی بخشش اور جنت کے درمیان دوری پیدا کر دی بے شک تو ہر چاہے پر قادر ہے۔

فرماتے ہیں ایک دن ابلیس (انسانی شکل میں) ان کے سامنے آیا اور ان سے کہا اے محمد! یہ دعا کسی اور کو نہ سکھانا اور میں برائی پہچانے کے لئے آپ کے پاس دوبارہ کبھی نہیں آؤں گا۔ حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا اللہ کی قسم! میں یہ دعا کسی سے نہیں روکوں گا تو جو چاہے کرے۔

فرماتے ہیں ایک دن شیطان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے آیا اور آپ سے کہا اے روح اللہ! لا الہ الا اللہ کہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یہ کلمہ حق ہے میں اسے پڑھتا ہوں لیکن تیرے کہنے پر لا الہ الا اللہ نہیں کہتا۔

سیدی حضرت علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں اس سے شیطان کا مقصود کلمہ توحید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا شاگرد بنانا تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ کام نہ کیا آپ کی عصمت (معصوم ہونے) نے آپ کو روک دیا۔

حضرت کعب احبار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے شیطان کے پہلو میں اللہ کا ذکر اس طرح ہے جس طرح انسان کے پہلو میں خارش۔

حضرت عبد العزیز بن ابی رو دار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے سات حج کئے اور قرب خداوندی کے بہت سے اعمال کئے اس کیک باوجود جب بھی اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہوں تو اس میں شیطان کا حصہ اپنے رب کے حصے سے زیادہ پاتا ہوں کاش میں دنیا سے پورے حساب کے ساتھ جاتا نہ میرے ذمہ کچھ ہوتا اور نہ میرے لئے کچھ ہوتا۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے فقر کے خوف سے بچو کیونکہ شیطان کے پاس انسان سے لڑنے کے لئے خوف فقر سے بڑا ہتھیار کوئی نہیں کیونکہ جب آدمی کو فقر کا خوف ہوتا ہے تو وہ باطل میں پڑ جاتا ہے اور حق سے روکتا ہے خواہش کے ساتھ گفتگو کرتا اور اپنے رب کے بارے میں برا گمان رکھتا ہے اور یوں ہر برائی کو پاتا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ کے مجھ پر جو انعامات ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ میں فقر سے کبھی نہیں بھاگتا۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص اچھا عمل اخلاص کے ساتھ کرتا ہے اس سے بڑھ کر کوئی بھی شیطان کی پیٹھ کو نہیں توڑتا ارشاد خداوندی ہے:

الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا (الملک ۲)

ترجمہ: جس نے زندگی اور موت کو پیدا کیا تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون زیادہ اخلاص کے ساتھ عمل کرتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے زیادہ عمل کا ذکر نہیں کیا(اخلاص کا ذکر فرمایا)اور آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ جب بندہ چالیس سال کا ہو جائے اور تمام نافرمانیوں اور گناہوں سے توبہ نہ کرے شیطان اس ک پیشانی پر اپنا ہاتھ پھیرتا ہے اور کہتا ہے میں اس چہرے پر قربان جاؤں جو کامیابی نہیں پائے گا۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں اس کی تائید اس مرفوع حدیث سے ہوتی ہے جسے امام طبرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نقل کیا ہے۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

"من بلغ اربعین سنۃ ولم یغلب خیرہ شرہ فلیتبو أمقعدہ من النار"۔

ترجمہ: جو شخص چالیس سال کی عمر کو پہنچ جائے اور اس کی بھلائی اس کی برائی پر غالب نہ آئے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے مصیبت اور گناہ کے وقت میرے پاس شیطان کی پیٹھ کو توڑنے کے لئے لا الہ الا اللہ سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں کیونکہ جب تم اس پر لعنت بھیجو گے تو وہ اس سے متاثر نہیں ہوتا وہ کہتا ہے تم نے اس پر لعنت کی جو پہلے سے مسلسل ملعون ہے۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے شیطان کے پاس تین سو سات چیک (کاغذ)ہیں جن میں اس کے ان دھوکوں اور مکاریوں کا ذکر ہے جو وہ انسان کے ساتھ کرتا ہے تو وہ ہر روز ان کے دلوں پر ایک ایک کرکے پیش کرتا ہے۔

حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے شیطان کا سب سے بڑا مکر یہ ہے کہ انسان دوسرے بھائیوں کے مقابلے میں اپنے آپ کو دیکھے پس جب وہ مرتا ہے تو اسی حالت پر مرتا ہے اور اس کا رب اس سے ناراض ہوتا ہے اور اسے اس کا کوئی عمل فائدہ نہیں دیتا۔

حضرت میمون بن مہران رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے سب سے بڑا دشمن وہ دشمن ہے جسے تم نہیں دیکھتے کہ اس کے خلاف تدبیر کو سکو۔

حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر اللہ تعالیٰ مجھے اپنے سامنے کھڑا کر کے فرمائے کہ میرے پاس صرف ایک سجدہ ایسا لاؤ جس میں تمہارے نفس یا شیطان کا کوئی حصہ نہ ہو تو میں تمہیں جنت میں داخل کر دوں گا تو میں کہوں گا اے میرے رب ایسا سجدہ میرے پاس نہیں ہے۔

تو اے بھائی! خبر دار ہو جا، اور اس خیال سے اپنے آپ کو بچا کہ شیطان تجھ سے الگ ہو گیا جب تو اپنے آپ کو مسلسل عبادت کرتے ہوئے دیکھے بلکہ اس میں غور کر اور پوری طرح چھان بین کر اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

تکبر والے کاموں کو ترک کر دینا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے یہ بات بھی ہے کہ جن کاموں میں اپنے بھائیوں پر تکبر کی بو بھی پائی جائے ان کو چھوڑ دیتے ہیں جس طرح ان کے بچوں کے جنازوں میں شریک نہ ہونا یا ان کے غلاموں اور خدام کے جنازوں میں شریک نہ ہونا جب وہ بیمار ہوں تو ان کی بیمار پرسی نہ کرنا کیونکہ فقراء نے لوگوں کی سیادت دونوں جہانوں میں اسی صورت میں اختیار کی کہ وہ ان کے سامنے جھک گئے پھر جب ان میں سے کوئی ایک کسی جنازے میں شریک ہوتا ہے تو وہ غمگین ہوتا ہے اور اس بات پر نادم ہوتا ہے کہ اس نے اللہ کے حقوق میں کوتاہی کی۔

حدیث شریف میں آتا ہے:

"کفی بالموت واعظا"۔[36]

ترجمہ: موت نصیحت کرنے میں کافی ہے۔

اور ان میں کوئی جنازے کے ساتھ چلتے ہوئے راستے میں دنیوی گفتگو نہیں کرتا اور وہ جائز گفتگو سے بھی اجتناب کرتا ہے قابل مذمت بات تو ایک طرف رہی۔ اس زمانے میں یہ اخلاق لوگوں میں ناپید ہو گیا ہے پس ان میں اکثر جنازے کی موجودگی کا اعتبار نہیں کرتے عبرت نہیں لیتے اور اگر فرض کیا جائے کہ وہ حاضر ہوتا ہے تو وہ قصہ بیان کرتا ہے بلکہ بعض اوقات میت کی چارپائی کے پاس ایسے قصے بیان کرتا ہے جن سے ہنسی آتی ہے جیسا کہ میں نے خود ایک اونی عمامہ باندھے ہوئے شیخ کو ایسا کرتے دیکھا ہے پس اللہ ہمیں بھی اور اسے بھی بخش دے۔

وہ لوگ جنازے کے ساتھ کام کاج کے (پرانے) کپڑوں میں نکلتے تھے کیونکہ یہ (نماز جنازہ) میت کے لئے سفارش ہے اور جس قدر یہ عاجزی کے قریب ہو گا اسی قدر قبولیت کے زیادہ قریب ہو گا جس طرح نماز استسقاء اور مصیبت کو دور کرنے کے سلسلے میں (نماز کے لئے) ایسے کپڑوں میں نکلتے ہیں۔

پس عمدہ کپڑوں سے بچنا چاہئے خاص طور پر جب وہ خوشبو لگے ہوئے ہوں پس معلوم ہوا کہ جو فقیر جنازے کے ساتھ جائے اور اس نے عمدہ کپڑے کسی اچھی نیت کے بغیر پہنے ہوئے ہوں تو وہ قوم کیک احوال سے دور اور موت کو یاد کرنے سے غافل ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے:

"ومن ارادالآخرۃ ترک الدنیا"۔[37]

---

[36] (مجمع الزوائد باب ذکر الموت جلد ۱۰ صفحہ ۳۰۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[37] (مسند احمد بن حنبل مرویات عبداللہ بن مسعود جلد ۱ صفحہ ۳۸۷ مطبوعہ المتکب اسلامی بیروت)

ترجمہ: جو شخص آخرت کا ارادہ کرتا ہے وہ دنیا کو ترک کرتا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے:

"عودوا المریض واتبعوا الجنائز تذکرکم الآخرۃ"۔[38]

ترجمہ: مریض کی عیادت کرو اور جنازوں کے ساتھ جاؤ اس سے تمہیں آخرت یاد آئے گی یعنی جب تم آخرت کو یاد کروگے تو دنیا کی لذتوں سے بچ جاؤ گے۔

وہ لوگ (ہمارے اسلاف) جب کسی جنازے میں حاضر ہوتے تو موت کی یاد میں غور و فکر کے سمندر میں ڈوب جاتے اور قبروں میں لوگوں کے حالات پر غور کرتے حتیٰ کہ ان میں سے ایک مسلسل کئی دن تک غمگین رہتا اور لوگوں کو اس کے چہرے سے غم کا پتہ چلتا۔

حضرت یحییٰ بن ابی کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب کسی جنازے کے ساتھ جاتے تو لوگ ان کی چار پائی پر لاتے وہ چلنے یا سوار ہونے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور کئی دن تک ان کے شدت خوف کی وجہ سے کوئی شخص ان سے بات نہیں کر سکتا تھا۔

اور پہلے زمانے کے لوگ جنازے کے پاس پست آواز کو پسند کرتے تھے اور جو شخص آواز بلند کرتا اسے جھڑکتے اور فرماتے تم بہت متکبر ہو کیا تم موت کو دیکھ کر بھی نصیحت حاصل نہیں کرتے میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں علماء کرام نے جنازے کے ساتھ اللہ کے ذکر اور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم پر درود شریف بھیجنے کے مسئلے میں سکوت اختیار کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی نہ ہونے کے باوجود۔ حتیٰ کہ انہوں نے دیکھا کہ لوگ جنازے کے ساتھ بہت شور شرابا کرتے ہیں تو انہوں نے خیال ظاہر کیا کہ دنیوی باتوں سے جو ظلم وغیرہ کے

---

[38] (مجمع الزوائد 3/29 مسند احمد 3/23 مطبوعہ بیروت)

بارے میں ہوتی ہیں اللہ کا ذکر زیادہ بہتر ہے کیونکہ اللہ کا ذکر بہر حال دنیاوی باتوں سے بہتر ہے کیونکہ اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ جب دو ظلم اکٹھے ہو جائیں تو ہلکے ظلم کو اختیار کیا جائے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ جنازے کے ساتھ ہنس رہا تھا تو آپ نے اس کو جھڑک دیا اور کئی دن تک اس کو چھوڑ دیا (اس کے ساتھ بات نہ کی)

اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ قبرستان میں (کچھ) کھا رہا ہے تو آپ نے اس کو جھڑک دیا اور فرمایا تو منافق ہے۔

حضرت اعمش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہم جنازوں کے ساتھ حاضر ہوتے تو لوگوں کے زیادہ اور عمومی غم اور رونے کی وجہ سے یہ معلوم نہ ہوتا کہ کس کے ساتھ تعزیت کریں۔(یعنی لوگ دکھ میں شریک ہوتے تھے) یعنی کچھ میت کے غم میں اور کچھ عبرت کے غم میں تو معلوم نہیں ہوتا تھا کہ میت والے کی تعزیت کی جائے یا عبرت والے کی۔

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب کسی کو جنازے کے ساتھ روتے ہوئے دیکھتے تو اس سے فرماتے اے بھائی! اپنے آپ پر روؤ اور اپنے اوپر رحم کرو کیونکہ اس میت نے تین باتوں سے نجات حاصل کر لی، اس نے موت کے فرشتے کو دیکھ لیا، موت کی گرمی کو چکھ لیا اور برے خاتمے سے محفوظ ہو گیا، بخلاف تمہارے عنقریب اس سلسلے میں مزید گفتگو ہو گی اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

ہر شخص کو اس کے مقام پر رکھنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ وہ ہر شخص کو ایمان اور منافقت میں اس کے اپنے مقام پر رکھتے ہیں پس ان کے ہاں منافق کے لئے ایک مقام ہے جو محفوظ مومن کے مقام سے کم ہے۔

اگر کہا جائے کہ وہ منافق کو کس طرح پہچانتے ہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ وہ اپنی ان علامات کے ساتھ پہچانا جاتا ہے جو رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے بیان کی ہیں۔

آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

"علامۃ المنافق ثلاث اذا حدث کذب و اذا وعد اخلف و اذا اتمن خان"۔[39]

ترجمہ: منافق کی تین علامات ہیں جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے جب وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرتا ہے۔

ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ جب جھگڑتا ہے تو گالی گلوچ کرتا ہے اور جس طرح فرمایا:

"ان للمنافقین علامات فادعوھم بھا"۔[40]

ترجمہ: منافق کی کئی علامات ہیں پس ان کو ان کے ساتھ پکارو۔

(مسند امام احمد بن حنبل میں ہے ان علامات کے ساتھ پہچانے جاتے ہیں) وہ مسجد میں کبھی کبھی آتے ہیں، نماز میں تاخیر کرتے ہیں، نہ محبت کرتے ہیں اور نہ ان سے محبت کی جاتی ہے، وہ تکبر کرتے ہیں رات کو مردار (کی طرح) اور دن کو نکمے کی طرح ہوتے ہیں اس قسم کی دیگر احادیث بھی آئی ہیں۔

---

[39] (مجمع الزوائد باب فی النفاق جلد ۱ صفحہ ۱۰۸ مطبوعہ دار الکتب بیروت)

[40] (مجمع الزوائد، باب فی النفاق و علاماتہ جلد ۱ صفحہ ۱۰۷ مطبوعہ دار الکتب بیروت)

حضرت امام اوزاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے منافق کی علامت یہ ہے کہ وہ باتیں زیادہ اور عمل کم کرتا ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے منافق کی علامت یہ ہے کہ وہ اس صفت پر تعریف چاہتا ہے جو اس میں پائی نہیں جاتی اور اس برائی پر مذمت کو ناپسند کرتا ہے جو اس میں پائی جاتی ہے جو شخص اس کے عیب پر تنبیہ کرے تو اس سے نفرت کرتا ہے اور جب اپنے ہم عصر لوگوں میں سے کسی کے عیب کے بارے میں سنے تو خوش ہوتا ہے۔

حضرت یونس بن عبید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص کسی منافق کو دیکھنا چاہے تو وہ مجھے دیکھے ان سے کہا گیا وہ کس طرح؟ فرمایا میں ایک سو اچھی خصلتوں کو شمار کرتا ہوں تو مجھ میں ان میں سے ایک بھی نہیں پائی جاتی اور بری خصلتوں کا شمار کرتا ہوں تو ان تمام کو اپنے اندر پاتا ہوں تو ہائے قیامت کے دن میری رسوائی!(تواضع اور کسر نفسی کی وجہ سے یہ بات فرمائی)

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب نیک لوگوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو ہم کنارے پر ہوتے ہیں اور جب برے لوگوں کا ذکر ہوتا ہے تو ہم منزل کے اندر ہوتے ہیں۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے منافق کی علامت یہ ہے کہ وہ کل کے لئے رزق چھپا کر رکھتا ہے اور دوسروں سے دنیا پر جھگڑتا ہے اور صرف اپنی شہرت کو پسند کرتا ہے۔

ایک روایت میں ہے منافق کی علامت سے یہ بات ہے کہ وہ لوگوں سے حسد کرتا ہے اور جو اس کو اذیت پہنچائے یا جو مرتبہ میں زائد ہو اس سے دل میں کینہ اور بغض رکھتا ہے۔

تو اے بھائی! اپنے دل کو ٹٹولو اور اس کو منافقت سے پاک رکھو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

سیر ہو کر کھانے سے بچنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ وہ سیر ہو کر کھانے سے بچتے ہیں جو دل کی سختی کا باعث ہے اور یہ اس لئے کرتے ہیں تا کہ نماز میں خشوع و خضوع اختیار کریں کیونکہ جو شخص سیر ہو کر کھاتا ہے اور پھر نماز میں خشوع طلب کرتا ہے وہ راستے سے بھٹکا ہوا ہے۔

نبی اکرم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ کئی کئی دن اور راتیں بھوکے رہتے اور بھوک کی وجہ سے بطن مبارک پر پتھر باندھتے تھے اور جب نماز پڑھتے تو آپ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے پیٹ مبارک سے اس ہنڈیا کی طرح آواز آتی ہے جو آگ پر رکھی ہو۔

جس طرح حدیث شریف میں آیا ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تے تفکر و تدبر کے ساتھ دو رکعتیں پڑھنا پوری رات قیام کرنے سے بہتر ہے جب دل اپنے رب سے غافل ہو۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں یہاں تفکر سے مراد بندے کا ان آداب میں غور و فکر کرنا ہے جو نماز اور بارگاہ خداوندی میں حاضری سے متعلق ہیں۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں احکام کے استنباط کے لئے تفکر مراد نہیں جیسا کہ وہم کیا جاتا ہے کیونکہ نماز اس تفکر کا محل ہے۔

اس وجہ سے بعض علماء کرام نے اس تفکر کے مکروہ ہونے کی صراحت کی ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو ایسے ہوتے گویا ایک نیچے پڑا ہوا کپڑا ہو اور جب گھر والے کہتے باتیں نہ کرو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے ہیں تو آپ یہ بات سن کر فرماتے جو دل چاہے باتیں کرو جب میں نماز میں ہوتا ہوں تو تمہاری باتیں نہیں سنتا۔

حضرت حکم بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص دائیں بائیں دیکھے اس کی نماز (کامل) نہیں (اور عمل کثیر ہو تو نماز ٹوٹ جائے گی اسی طرح جب سینہ قبلہ سے پھر جائے ۱۲ ہزاروی)

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو آپ علیہ السلام کے دل کی دھڑکن دو میلوں سے سنی جاتی۔(آپ کا معجزہ تھا یا مبالغہ کے طور پر فرمایا)

حضرت سلمان فارسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص اپنی نماز میں حاضر نہ ہو وہ مطففین (تول میں کمی کرنے والوں) میں سے ہے اور تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں کیا فرمایا ہے۔ تو بے شک نماز کا ماپ تول ہے جو اسے پورا کرے گا پورا اجر پائے گا۔

اور ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت یعقوب قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نماز میں تھی کہ ان کے کاندھے سے چادر چوری ہو گئی لوگوں نے چور سے چادر لے لی اور اس کو جھڑکا اور اس کو برا بھلا کہا پھر چادر حضرت یعقوب قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کاندھے پر رکھ دی یہ سب کچھ ہوا لیکن انہیں کچھ پتہ نہ چلا۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں ہمارے دور میں حضرت سید محمد بن عنان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ اسی طرح ہوا جب وہ جامع البحر میں نماز پڑھ رہے تھے تو ان کے کاندھے سے چادر چوری کر لی گئی چور کو پکڑا گیا اس کو جھڑکا گیا اور برا بھلا کہہ کر بھگا دیا گیا اور بہت بڑا شور مچا لیکن اس سب کچھ کے باوجود ان کو کچھ پتہ نہ چلا اور یہ آخری شخص تھے جن کو ہم نے اہل خشوع سے پایا اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔

حضرت سعید تنوخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو ان کے آنسو بارش کی طرح جاری ہتے۔

حضرت رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا کی آنکھ میں لکڑی داخل ہو گئی (تنکا وغیرہ) اور آپ نماز پڑھ رہی تھیں آپ کو نماز سے سلام پھیرنے تک کچھ پتہ نہ چلا اس کے بعد انہوں نے کہا دیکھو میری آنکھ میں کوئی سخت چیز ہے تو سخت مشقت کے بعد وہ لکڑی ان کی آنکھ سے نکالنا ممکن ہوئی۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہم نے علماء کو اس طرح پایا کہ ان میں سے ایک جب نماز کے لئے کھڑا ہوتا تو رحمن سے ڈرتا حتیٰ کہ وہ کسی چیز کی طرف نظر نہ اٹھا سکتا اور اپنے نفس سے کوئی دنیوی بات بھی نہ کر سکتا۔

ایک مرتبہ جامع مسجد گر گئی اور حضرت مسلم بن یسار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس میں نماز پڑھ رہے تھے جو لوگ مسجد میں تھے سب بازار کی طرف چلے گئے اور بہت شور و غوغا ہوا لیکن مسلم بن یسار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو پتہ نہ چل سکا۔

حضرت خلف بن ایوب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نماز پڑھ رہے تھے اور مکھی بار بار آپ کی آنکھ پر بیٹھتی تو آپ اس کو اپنے آپ سے دور نہیں کرتے تھے ایک دن آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ فاسق لوگ حاکم کے کورے برداشت کرتے ہیں جب وہ ان کو مارتے ہیں تاکہ کہا جائے کہ فلاں شخص بہت صبر کرنے والا ہے اور وہ اس پر فخر کرتے ہیں اور میں اپنے رب سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوں میں مکھی کی وجہ سے حرکت کروں؟

حضرت سمیط بن عجلان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے تم میں سے کوئی ایک کیسے دعویٰ کرتا ہے کہ وہ نماز میں اپنے رب کے سامنے حاضر ہے حالانکہ جب اسے کوئی پسو کاٹتا ہے تو اسے محسوس ہوتا

ہے اللہ کی قسم ان لوگوں کو نیزے مارے گئے لیکن ان کو پتہ نہ چلا حتیٰ کہ خون نکلنے کی وجہ سے ان کی جان نکل گئی اور وہ زمین پر گر پڑے۔

جب نماز کا وقت ہوتا تو امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کا رنگ بدل جاتا اور آپ کانپ جاتے اس سلسلے میں آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ یہ اس امانت کا وقت ہے جو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر ڈالی تو انہوں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اسے میں نے اٹھایا تو معلوم نہیں کہ میں نے جو کچھ اٹھایا اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا یا نہیں؟

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے دنیا سے محبت کرنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھو اسلاف میں سے کسی کو جب یہ بات پہنچتی کہ کوئی شخص نماز میں ادھر ادھر دیکھتا ہے تو وہ اس کے پاس جاتے اگر وہ اپنے گھر میں ہوتا تو اس سے اس کی وجہ پوچھتے، یہ اس لئے کہ وہ لوگ عظمت خداوندی کی معرفت رکھتے تھے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک مرتبہ امام کے پیچھے نماز پڑھی تو اس کو لحن (قرأت میں غلطی) کرتے ہوئے سنا آپ نے اس سے فرمایا اگر جماعت کی فضیلت نہ ہوتی تو میں تمہارے پیچھے نماز نہ پڑھتا تم علماء سے عربی کیوں نہیں سیکھتے؟

حضرت فضل بن عباس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے مجھے ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے میں دیکھتا ہوں جب میرا بچہ فوت ہوتا ہے تو ایک ہزار سے زیادہ لوگ مجھ سے تعزیت کرتے ہیں اور جب مجھ سے نماز باجماعت چھوٹ جاتی ہے تو اس پر کوئی مجھ سے تعزیت نہیں کرتا۔

اور اللہ کی قسم! میرے نزدیک جماعت کے ساتھ نماز کا فوت ہو جانا میرے بالغ، عاقل، عالم اور صالح بیٹے کے فوت ہونے سے بڑا (نقصان) ہے۔

حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے ساتھیوں سے فرماتے تھے مجھے دنیا میں دو چیزوں کی خواہش ہے اللہ کی راہ میں نیک بھائی جو مجھے سیدھا کر دے جب میں ٹیڑھا ہو جاؤں اور دوسری بات یہ کہ جب تک میں زندہ رہوں مجھ سے باجماعت نماز نہ چھوٹے۔

حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے ساتھیوں سے فرماتے تھے جان لو! شیطان ملعون کو انسان پر صرف دو باتوں سے غصہ آتا ہے ایک یہ کہ وہ اس کے وسوسوں کی پرواہ نہ کرے اور دوسرا جب وہ اللہ کی ذات کے بارے میں غور نہیں کرتا (اللہ کے بارے میں سوچ بچار سے آدمی گمراہ ہو جاتا ہے اس لئے شیطان چاہتا ہے کہ انسان یہ کام کرے ۱۲ ہزاروی)

تو اے بھائی! دیکھ اور اپنے بارے میں سوچ وبچار کر کیا تو نماز میں کسی بھی وقت اس طرح عاجزی اختیار کرتا ہے جس طرح وہ لوگ کرتے تھے یا تو اس کے الٹ چلتا ہے دن اور رات میں استغفار کی کثرت کیا کر اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

کچھ دیگر اخلاق بُرے خاتمہ سے بہت ڈرنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ وہ برے خاتمے سے بہت ڈرتے ہیں (اللہ محفوظ فرمائے) اگرچہ ان میں سے ایک جنوں اور انسانوں کے برابر عبادت کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور کوئی بھی شخص اپنے خاتمے کے بارے میں قطعی علم نہیں رکھتا زیادہ سے زیادہ آدمی موجودہ حالت میں اپنے رب کے بارے میں حسن ظن رکھتا ہے اسے علم نہیں ہوتا کہ وہ کلمہ شہادت کے ساتھ ہمیشہ رہے گا حتیٰ کہ اسی حالت میں اس کی روح پرواز کرے گی۔

حدیث شریف میں ہے:

"ان احدکم لیعمل بعمل اھل الجنة حتی ما یکون بینه وبینھا الا ذراع فیسبق علیه الکتاب فیعمل بعمل اھل النار فیدخلھا"۔

ترجمہ: تم میں سے ایک شخص جنتیوں والے اعمال کرتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس پر تقدیر سبقت کرتی ہے تو وہ جہنمیوں والے کام کر کے جہنم میں چلا جاتا ہے (اسی طرح جہنمیوں والے کام کرنے والے شخص کے بارے میں بھی فرمایا گیا ہے)۔

حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جس شخص کا خاتمہ لا الہ الا اللہ (کلمہ توحید) پر ہوتا ہے وہ جنت میں داخل ہوتا ہے پھر رونے لگے اور فرمایا کون میرے لئے ضمانت دیتا ہے کہ میرا خاتمہ لا الہ الا اللہ پر ہو گا۔

حضرت ربیع بن خیثم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہم مقام "اھواز" میں ایک شخص کے پاس گئے اور وہ حالت نزع میں تھا ہم اسے کہنے لگے لا الہ الا اللہ پڑھو اس نے کہا "دہ یازدہ (دس گیارہ) یعنی بیع مناسب وقت پر ہوتی ہے خریدی گئی چیز بہت اچھی ہے اور یہ اچھا ٹکڑا ہے کیونکہ عام طور پر یہ کام حالت صحت میں ہوتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ ایک شخص ایک ہزار سال بعد جہنم سے نکلے گا پھر فرمایا کاش وہ شخص میں ہوتا کیونکہ اس کا نکلنا یقینی ہے۔

تو اے بھائی! اپنے نفس کو دنیوی امور میں صرف ضرورت شرعیہ کے مطابق مشغول رکھ ہو سکتا ہے تجھے غفلت کی حالت میں موت آجائے تو دونوں جہانوں میں نقصان ہو گا والعیاذ باللہ۔

اے بھائی! اس بات کو جان لو اور غور کرو تمہاری ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے۔

مریض کی شفا کیلئے دعا میں جلدی نہ کرنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے یہ بات بھی ہے کہ جب وہ کسی مریض کے پاس جاتے ہیں تو دعا کرنے میں جلدی نہیں کرتے بلکہ وہ انتظار کرتے ہیں حتیٰ کہ اس مریض کے مرض کا سبب اور اس کی انتہاء معلوم ہو جائے پھر اس کے بعد دعا کرتے ہیں کیونکہ بعض اوقات بیماری، درجات کی بلندی کے لئے ہوتی ہے پس ان درجات کے اٹھنے کی دعا نہیں کرنا چاہیئے اسی طرح جب وہ سزا کے طور پر ہو تو بہتر یہ ہے کہ عابد صبر کرے حتیٰ کہ سزا اپنی حد کو پہنچ جائے یہ اللہ کے ساتھ ادب کا تقاضا ہے اور اگر کسی کو اللہ کے ساتھ خاص حال حاصل ہے تو اس کو چاہیئے کہ اللہ سے اس کے فضل واحسان کی بنیاد پر شفا کا سوال کرے۔

اے بھائی! اس بات کو جان لو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

مسجد کے قریب رہائش کی چاہت

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ لوگ رہائش کے لئے ان جگہوں کو اختیار کرتے ہیں جو مسجد سے ملی ہوئی ہوں تا کہ زیادہ وقت مسجد میں بیٹھنا آسان ہو۔ جب کہ آداب مسجد کا خیال رکھیں کیونکہ مرفوع حدیث میں آیا ہے۔

رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

"المساجد بیوت المتقین"[41]

ترجمہ: مسجدیں نیک لوگوں کے گھر ہیں۔

---

41 (مصنف ابن شیبہ 7/114 معجم الاوسط 7/158 مطبوعہ بیروت)

اور جس شخص کا گھر مسجد ہو اللہ اسے راحت وآرام اور پل صراط سے گزرنے کی ضمانت دیتا ہے۔

حضرت ابو صادق ازدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے مساجد میں بیٹھنا اختیار کرو کیونکہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ یہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بیٹھنے کی جگہیں ہیں۔

حضرت حکم بن عمیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے مساجد کو اپنے گھر بناؤ۔

حضرت ابو ادریس خولانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے مساجد ان لوگوں کے گھر ہیں جو اللہ کے ہاں سب لوگوں سے زیادہ معزز ہیں اور ان کے بیٹھنے کی جگہ ہیں۔

حدیث شریف میں ہے:

"المسجد بیت کل تقی"۔[42]

ترجمہ: مسجد ہر متقی کا گھر ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان لوگوں کو مساجد میں زیادہ بیٹھنے سے منع کرتے تھے جو مساجد کے آداب نہیں جانتے۔ آپ علیہ السلام نے ایک دفعہ مسجد میں کچھ لوگوں کو بیٹھا ہوا دیکھا جو لغو باتیں کر رہے تھے تو اپنی چادر لپیٹ کر ان کو مارا اور وہاں سے نکال دیا اور فرمایا تم نے اللہ کے گھروں کو دنیا کے بازار بنا رکھا ہے حالانکہ یہ تو آخرت کے بازار ہیں۔

حضرت عطاء بن رباح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے چالیس سال تک مسجد کو گھر بنائے رکھا (اس سے مراد آداب کا خیال رکھ کر وہاں ٹھہرنا ہے)۔

---

[42] (مجمع الزوائد 2/1022 مطبوعہ بیروت)

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر پیشاب کا معاملہ نہ ہوتا تو میں رات اور دن میں کسی وقت بھی مسجد سے باہر نہ جاتا مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں اپنے بندوں کو عذاب دینے کا ارادہ کرتا ہوں پھر میں مساجد کو آباد کرنے والوں، قرآن مجید پڑھنے والوں اور اسلام کے بیٹوں (مسلمانوں) کو دیکھتا ہوں تو میرا جلال ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔

حضرت خلف بن ایوب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک دن مسجد میں تشریف فرما تھے کہ آپ کے پاس آپ کا غلام آیا اور دنیوی ضرورتوں میں سے کسی حاجت کا سوال کیا تو آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور مسجد سے باہر نکل کر اسے جواب دیا پھر واپس تشریف لائے اور فرمایا میں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ میں مسجد میں دنیوی کلام کروں۔

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب مسجد میں بلند آواز سنتے تو اس شخص کو درے سے مارتے اور فرماتے جانتے ہو تم کہاں ہو؟ جو شخص مسجد میں بیٹھتا ہے وہ اپنے رب کے پاس بیٹھتا ہے۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ کو کون سا عمل زیادہ پسند ہے نماز جنازہ پڑھنا یا مسجد میں بیٹھنا؟ فرمایا مجھے مسجد میں بیٹھنا زیادہ پسند ہے کیونکہ جب تک میں مسجد میں رہوں گا فرشتے میرے لئے بخشش کی دعا مانگتے رہیں گے اور یہ بات ایک قیراط یا دو یا تین قیراط (سونا) اجر حاصل ہونے سے افضل ہے جس اجر کا نماز جنازہ پڑھنے والے کے لئے حدیث میں ذکر ہوا ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہم نے لوگوں کو اس طرح پایا کہ جب تک وہ مسجد میں بیٹھے ہوتے ایک دوسرے سے دنیوی گفتگو نہیں کرتے تھے۔

تو اے بھائی جو کچھ میں نے تمہارے لئے ذکر کیا اس میں غور کرو اور جب تک مسجد میں ہو سوائے اچھی نیت کے گفتگو نہ کرو سلامت رہو گے اور اجر پاؤ گے۔ اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

ملاقات نہ کرنے پر دوستوں کو اچھی نیت سے تنبیہ کرنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے یہ بات بھی ہے کہ ان کے بھائیوں (احباب) میں سے جو شخص ان کی ملاقات کے لئے نہ آتا تو ان کو اس وجہ سے جھڑکتے ہیں کہ وہ اس ثواب سے محروم رہا جس کا نفع اسے حاصل ہوتا اس وجہ سے نہ جھڑکتے کہ ان کے حقوق میں کوتاہی کی گئی جس طرح وہم کیا جاتا ہے اس سے قطع نظر کہ اس کا فائدہ ان کو پہنچتا ہے اس لئے کہ یہ لوگ تو اپنے (دینی) بھائیوں کے فائدے کی کوشش کرتے ہیں صرف اپنے ذاتی فائدے کے لئے نہیں۔

یہ خلق ہے کہ میں نے اپنے زمانے کے لوگوں میں صرف چند لوگوں کو اس پر عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

تجارت کرنے سے پہلے احکام شریعت سے آگاہی

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ یہ لوگ بازار میں خرید وفروخت کے لئے اس وقت تک نہ بیٹھتے جب تک معاملات کے بارے میں احکام شریعت کی پہچان حاصل نہ کر لیتے اور ان کا غالب گمان یہ ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی شخص اس تجارت کی وجہ سے اعمال آخرت سے غافل نہیں کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے غافل ہو جائے وہ دنیا اور آخرت میں اپنے ساتھی کے لئے نحوست کا باعث ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم جب بازار میں داخل ہوتے تو یوں دعا کرتے:

"اللھم انی اسئلک من خیر ھذہ السوق و اعوذبک من الکفر و الفسوق"۔[43]

ترجمہ: یا اللہ! میں تجھ سے اس بازار کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں اور کفر و فسوق سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے تھے بازاری لوگوں کی مجلسوں سے بچو یہ کھیل کود اور لغو کاموں میں مشغول کر دیتے ہیں۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے تاجروں اور حکمرانوں کے کارندوں (یا بازاری لوگوں) کے لباس کو نہ دیکھو کیونکہ یہ اندر سے نقصان پہنچانے والے بھیڑیے ہیں۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے بازار مال کی کثرت اور دین کے فساد کا باعث ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے مالدار لوگوں، امراء کے قاریوں اور بازاری لوگوں سے بچو۔

حضرت ابن سماک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب بازار میں داخل ہوتے تو فرماتے اے بازار والو! تمہارا بازار گھاٹے کا سودا ہے تمہارے بہترین لوگ حاسد ہیں اور تمہاری بیع فاسد ہے پس اپنے فائدے کے لئے بیدار رہو۔

---

[43] (کنز العمال حدیث نمبر ۱۸۰۴۳ جلد ۲ صفحہ ۷۷ مطبوعہ الموسسۃ الرسالہ بیروت۔ اتحاف السادۃ المتقین الباب الخامس فی الادعیہ الماثورۃ عند کل حادث من الحوادث جلد ۲ صفحہ ۱۰۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت حماد بن زید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے تاجر کبھی محتاج نہیں ہوتا البتہ ان باتوں کی وجہ سے محتاج ہو جاتا ہے، فضول باتیں، جھوٹ، قسم اٹھانا، کینہ، خیانت، حسد، باجماعت نماز کا فوت ہونا، مجالس علم کا فوت ہونا اور دنیوی خواہشات کی اتباع۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ امراء کو حکم دیتے تو وہ تاجروں اور بازاری لوگوں کو جمع کر کے آپ کے سامنے پیش کرتے جب آپ ان میں سے کسی ایک کو یوں پاتے کہ وہ احکام معاملات کو نہیں سمجھتا اور حلال و حرام کی تمیز نہیں کرتا تو اسے بازار سے اٹھا دیتے اور فرماتے خرید و فروخت کے احکام سیکھو پھر بازار میں بیٹھو کیونکہ جو شخص علم نہیں رکھتا ہو سود کھاتا ہے چاہے یا نہ چاہے۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے تاجر کی سلامتی پر حیرانگی ہے حالانکہ وہ دن کو (جھوٹی) قسمیں کھاتا ہے اور رات کے وقت حساب کرتا رہتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے بہترین تاجر وہ ہے جس سے دنیا ناراض اور آخرت راضی ہو اور مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ابلیس ملعون نے کہا اے میرے رب! میں اپنا گھر کہاں بناؤں؟

فرمایا حمام میں، اس نے پوچھا میرے شکار کرنے کے جال کہاں ہیں؟ فرمایا عورتیں، پوچھا میرے مزامیر (گانے بجانے کے آلات) کیا ہیں؟ فرمایا (برے) اشعار، اس نے کہا پس میری مجلس کہاں ہو گی؟ فرمایا بازاروں میں۔

تو اے بھائی؟ اس بات کو دیکھ اور تاجر کی تعریف نہ کر حتیٰ کہ اسے ان آفات اور شبہات سے محفوظ دیکھے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

بہت زیادہ بردباری اختیار کرنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ جو شخص ان کے خلاف جرم کرے اس سے بہت زیادہ بردباری کا مظاہرہ کرتے ہیں اور غصے کو پی جاتے ہیں اس طرح وہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کے اخلاق پر عمل کرتے ہیں کیونکہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کو اپنی ذات کے لئے غصہ نہیں آتا تھا بلکہ آپ کو اس وقت غصہ آتا جب اللہ تعالیٰ کے حرمات کی توہین کی جاتی (حرام کاموں کو کیا جاتا) جیسا کہ (آگے) آئے گا۔

امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے تھے جو شخص مجرم کے جرم پر بردباری اختیار کرتا ہے اس کو سب سے پہلے جو اجر ملتا ہے وہ یہ ہے کہ تمام لوگ اس کے مددگار بن جاتے ہیں۔

ابلیس ملعون نے حضرت یحیٰی علیہ السلام سے کہا میرا سب سے بڑا جال غصہ ہے میں اس کے ذریعے لوگوں کو قید کرتا ہوں اور ان کو جنت کے راستے سے دور کرتا ہوں۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے جب کہا جاتا کہ فلاں شخص آپ کی عزت کے درپے ہے وہ فرماتے اللہ تعالیٰ کی قسم میں اس کو غصہ دلاؤں گا جس نے اس کو اس بات کا حکم دیا یعنی شیطان (کو غصہ دلاؤں گا)۔

پھر فرماتے یا اللہ! اگر وہ سچا ہے تو مجھے بخش دے اور اگر وہ جھوٹا ہے تو اسے بخش دے۔

ایک شخص نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ ابو ہریرہ ہیں؟ فرمایا ہاں اس نے کہا آپ بلی چوری کرتے ہیں اس پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا اے اللہ! مجھے اور میرے

اس بھائی کو بخش دے پھر فرمایا ہمیں رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے یہی حکم دیا ہے کہ جو ہم پر ظلم کرے ہم اس کے لئے بخشش طلب کریں۔

ایک شخص نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے کہا آپ وہی ہیں جن کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام کی طرف نکال دیا تھا (ملک بدر کر دیا تھا) اگر آپ میں بھلائی ہوتی تو وہ آپ کو ملک بدر نہ کرتے۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے بھائی! میرے سامنے ایک سیاہ گھاٹی ہے اگر میں نے اس سے نجات پائی تو جو کچھ تم نے میرے بارے میں کہا اس سے مجھے کوئی نقصان نہیں ہو گا اور اگر مجھے نجات حاصل نہ ہوئی تو میں اس سے بھی برا ہوں جو کچھ تم نے کہا۔

ایک عورت نے حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے کہا اے ریاکار! تو آپ نے اس سے فرمایا اے خاتون! تم نے میرے لقب کو پہچان لیا جس سے اہل بصرہ غافل رہے اور پہچان نہ سکے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے جو شخص بیوقوفی کا ایک کلمہ برداشت کرے اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے تھے جب کوئی بیوقوفی کا کلمہ سنو تو اس سے اعراض کرو اور جواب نہ دو کیونکہ جس نے یہ کلمہ کہا ہے اس کے پاس ایسے بے شمار کلمات ہیں جن کے ذریعے وہ تمہیں جواب دے گا۔

حضرت محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے تھے اپنے برتنوں کے ٹوٹنے پر غصے میں نہ آؤ ان کا بھی ایک وقت مقرر ہے جس طرح تمہارے لئے وقت مقرر ہے۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص گدھے یا بلی پر اپنا غصہ اتارتا ہے وہ بردبار نہیں اور وہ فرماتے تھے بیوقوف آدمی کے لئے جواب نہ دینا اور اثر کو ظاہر نہ کرنا بہت سخت ہوتا ہے۔

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو جب کوئی شخص گالی دیتا تو آپ اس سے فرماتے اے بھائی! اگر تمہاری بات سچی ہے تو عنقریب اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا بدلہ دے گا اور اگر جھوٹ ہے تو میری نسبت اللہ کا بدلہ سخت ہے۔

ایک دفعہ کسی شخص نے آپ کے چہرے پر تھپڑ مارا تو آپ کو غصہ نہ آیا بلکہ فرمایا یہ کس کی تقدیر سے ہے؟ کہا اللہ کی تقدیر سے، آپ نے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے میں قضا کو رد کر سکتا ہوں؟

حضرت ابن مقنع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے معذرت کرنے کی ذلت کے مقابلے میں غصہ پی جانا بہتر ہے ایک مرتبہ آپ سے پوچھا گیا حزن اور غضب میں کیا فرق ہے؟ آپ نے فرمایا جو شخص تم سے بڑا ہو اور تمہاری خواہش کے خلاف کرے تو اس صورت میں حزن (دکھ) ہوتا ہے اور اگر تم سے چھوٹا تمہاری مرضی کے خلاف کرے تو اس پر غصہ آتا ہے۔

حضرت ابو معاویہ اسود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو جس سے تکلیف پہنچتی تھی اس کے لئے دعا کرتے تھے۔

ایک شخص نے بکر بن عبد اللہ مزنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو خوب گالی دی لیکن آپ خاموش رہے آپ سے کہا گیا کیا آپ اس کو گالی نہیں دیتے جس طرح وہ آپ کو گالی دیتا ہے؟

آپ نے فرمایا میں اس میں کوئی برائی نہیں دیکھتا کہ برا کہوں اور یہ بات میرے لئے جائز نہیں کہ میں اس کے بارے میں جھوٹی بات کہوں۔

حضرت اعمش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کان نے کہا اگر مجھے اس بات کا ڈر نہ ہوتا کہ میں سمٹ کر بند ہو جاؤں تو میں بھی زبان کی طرح لمبا ہو جاتا۔

ایک شخص نے حضرت ثور ابن یزید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا اے قدری! اے رافضی! تو انہوں نے اس سے فرمایا اگر میں ایسا ہی ہوں جس طرح تم نے مجھے کہا ہے تو میں برا آدمی ہوں اور اگر میں اس کے خلاف ہوں تو میری طرف سے تم بری الذمہ ہو۔

حضرت مکحول دمشقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے آدمی کی بردباری اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب اس پر جاہل لوگ مسلط ہو جائیں۔

ایک شخص نے ایک مرتبہ حضرت سالم بن عبد اللہ ابن عمر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا اے میرے شیخ! حضرت سالم نے اس سے فرمایا اے بھائی! میں خیال نہیں کرت کہ تو نے کوئی (عقل سے) بعید بات کہی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا:

اے میرے بیٹے! اگر تو کسی کو اپنا بھائی بنانا چاہتا ہے تو اس کو غصہ دلا اگر وہ غصے کی حالت میں تجھ سے انصاف کرے تو اس کے ساتھ بھائی چارہ قائم کر ورنہ اس سے اپنے آپ کو بچا۔

ایک مرتبہ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا کہ بردباری کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا تم کس بردباری کی بات کرتے ہو؟ کیونکہ بردباری کی پانچ قسمیں ہیں:

ا۔ ایک بردباری طبعی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کے لئے عطیہ ہے جو اس پر ظلم کرتا ہے وہ اس کو معاف کر دیتا ہے جو اس کو محروم کرتا ہے اس کو عطا کرتا ہے اور اس کے ذریعے صلہ رحمی کرتا ہے اگرچہ اس سے قطع تعلق کیا جائے۔

۲۔ اپنے طور پر بردباری اختیار کرنا یعنی بندہ غصے کو ثواب کی امید پر پی جائے جب کہ دل سے اس بات کو ناپسند کرتا ہو۔

۳۔ مذموم بردباری جو شخص بندے کے خلاف کسی جرم کا مرتکب ہو اس سے بردباری محض دکھاوے کے لئے اختیار کرے یعنی اہل مجلس کو بردباری دکھائے اور دل میں کینہ ہو اور خاموش رہے۔

۴۔ تکبر کے طور پر بردباری یعنی اپنے مخالف کو جواب کے قابل نہ سمجھے۔

۵۔ تواضع اور عاجزی کے ساتھ بردباری جان لو کہ یہ (پانچویں قسم) نفیس ہے۔

اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

خواب میں دیکھی گئی بات سے نصیحت حاصل کرنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ وہ لوگ جو کچھ خواب میں دیکھتے ہیں یا ان کو دکھایا جاتا ہے اس سے نصیحت حاصل کرتے ہیں اور یہ نہیں کہتے کہ یہ پریشان خیالات ہیں جس طرح آج کل کے بعض خودساختہ صوفی کرتے ہیں کہ ان خوابوں کی طرف توجہ نہیں دیتے۔

بلکہ بعض اوقات ان میں سے کچھ لوگ کہتے ہیں یہ خواب دیکھنے والے کے لئے ہیں جو اس کو دیکھایا گیا ان کے لئے نہیں اور یہ جہالت کی بات ہے کیونکہ خواب، مومن کی وحی ہے جسے الہام والا فرشتہ اس کے پاس لے کر آتا ہے تاکہ اس کو وہ حالت یاد دلائے جس سے بیداری کی حالت میں بے خبر تھا۔

اور میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے اپنی کسی دوسری کتاب میں تجربہ کے حوالے سے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے خواب کے ذریعے مجھے ایسی صورت سے خبر دار کیا جس میں کچھ نقائص تھے جن کو میں سمجھ نہ سکا تھا اور جن کو میں نے سمجھ لیا اس میں میں خواب کا محتاج نہیں بلکہ اس میں شارع علیہ السلام کی ممانعت اور جس سزا سے ڈرایا گیا وہی کافی ہے۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے حضرت مسلم بن یسار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ان کے وصال کے بعد خواب میں دیکھا تو میں نے کہا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ انہوں نے مجھ سے فرمایا اللہ کی قسم! میں نے بہت ہولناک مناظر اور سختیاں دیکھیں۔

حضرت ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے حضرت موسیٰ بن مہران رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ان کے وصال کے بعد خواب میں دیکھا تو میں نے پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا سلوک کیا؟ انہوں نے فرمایا میں جب سے فوت ہوا ہوں مجھ سے امراء کا کھانا کھانے کا حساب ہو رہا ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ میں نے حضرت حسن بن ذکوان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ان کے وصال کے ایک سال بعد دیکھا تو ان سے پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا سلوک کیا؟

انہوں نے فرمایا میں ایک سوئی کی وجہ سے قید میں ہوں جو میں نے ادھار لے کر واپس نہیں کی تھی۔ میں نے ان سے پوچھا اے بھائی! کس قبر میں روشنی زیادہ ہوتی ہے؟ فرمایا ان لوگوں کی قبروں میں جو دنیا میں زیادہ مصیبتیں برداشت کرتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے بعض اوقات ان میں سے کچھ لوگوں کو نیک شخص کے بارے میں برا خواب دکھایا جاتا تاکہ اس کے ذریعے ان میں زیادہ چستی پیدا

ہو اور بعض اوقات ان میں سے بعض کو کسی برے آدمی کے بارے میں اچھا خواب دکھایا جاتا تاکہ وہ اس کے ذریعے اپنے درجات میں ترقی کرے۔

جس طرح بعض حضرات نے حضرت ربیع بن خیثم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا میں نے آپ کو خواب میں دیکھا گویا آپ اہل جہنم میں سے ہیں، فرماتے ہیں میں نے اس کے بعد حضرت ربیع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو رات کے وقت بالکل سوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اور وہ فرماتے تھے جہنم کے خوف نے میری نیند چھین لی ہے۔

ایک شخص نے حضرت علاء بن زیاد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا میں نے گزشتہ رات دیکھا کہ آپ جنت میں ہاتھ اوپر نیچے کرتے ہوئے (یعنی ٹہلتے ہوئے خوش خوش) جارہے ہیں انہوں نے فرمایا کیا ابلیس کو میرے علاوہ کوئی نہ ملا جس سے وہ مذاق کرتا۔ اور اس کی نظر میں تجھ سے زیادہ حقیر کوئی نہ تھا کہ اس نے تجھے اپنا قاصد بنایا۔

حضرت فرقد سنجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ایک دفعہ میرے دل میں خیال آیا کہ میں صابرین میں سے ہو چکا ہوں تو اسی رات میں نے کسی کو کہتے ہوئے دیکھا کہ تو صبر کرنے والوں میں سے نہیں ہو گا جب تک تیری نگاہ میں تیرے اعمال کم نہ نظر آئیں اور تجھے ان کے رد اور فاسد ہونے کا ڈر نہ ہو۔

حضرت خوشب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا میں نے دیکھا کہ گویا آسمان کی طرف سے کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے؟ اے زمین والو! کوچ کرو کوچ کرو تو میں نے حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علاوہ کسی کو کوچ کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ فرماتے ہیں حضرت مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیہوش ہو کر گر پڑے۔

حضرت فرقد سنجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے ایک منادی کو سنا وہ آسمان کی جانب سے آواز دے رہا تھا اور کہہ رہا تھا اے یہودیوں جیسے لوگو! اگر تمہیں عطا کیا جائے تو تم شکر نہیں کرتے اور اگر تمہیں آزمایا جائے تو تم صبر نہیں کرتے اس کے باوجود تمہارا خیال یہ ہے کہ تم نیک لوگوں میں سے ہو تو اپنے رب کے عذاب سے متنبہ رہو۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بعض اصحاب نے دیکھا کہ قیامت قائم ہو گئی ہے اور منادی اعلان کر رہا ہے کہ فلاں بن فلاں کہاں ہے؟ اب لوگوں کا حساب ہو رہا ہے پھر ان کو جہنم کی طرف لے جایا جا رہا ہے۔ پھر منادی اعلان کرتا ہے کہ عمر بن عبد العزیز کہاں ہیں؟ تو ان کو لا کر ان کا حساب کیا گیا پھر انہوں نے نجات پائی اور ان کو جنت میں لے جانے کا حکم دیا گیا۔

راوی کہتے ہیں جب قصہ بیان کرنے والے نے یہ واقعہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سامنے بیان کیا اور اس بات تک پہنچا کہ عمر کہاں ہیں؟ تو حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بے ہوش ہو کر گر پڑے وہ شخص آپ کے کان میں آواز دینے لگا اللہ کی قسم! میں نے دیکھا کہ آپ نے نجات پائی اور حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (بے ہوشی کی وجہ سے) اس کی بات سن ہی نہ سکے۔

تو اے بھائی! اپنے نفس کا جائزہ لو دوسروں کے مقابلے میں تم خود اس کو بہتر جانتے ہو اور ان لوگوں کی طرف توجہ نہ دو جو کہتے ہیں ہم نے آپ کو گزشتہ رات جنت میں دیکھا ہے ہاں اپنے افعال، احوال اور عقائد کو کتاب و سنت کے مطابق پاؤ تو ٹھیک ہے۔

اے بھائی! اس بات کو جان لو اور دھوکے میں نہ آؤ اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

کسی کے لئے دعا میں جلدی نہ کرنا

صوفیاء کرام رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ جو شخص ان سے اپنے لئے دعا کا مطالبہ کرتا ہے تو وہ اس کے لئے دعا میں جلدی نہیں کرتے مگر یہ کہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے اعمال کو قرآن وسنت کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں اگر ان میں مخالفت دیکھتے ہیں تو ادب کا تقاجا یہ ہوتا ہے کہ پہلے وہ اپنے لئے معافی مانگتے ہیں اس کے بعد جس کے لئے چاہیں دعا مانگتے ہیں۔ یہ وہ خلق ہے جس سے آج کل کے اکثر فقراء غافل ہیں۔

حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے حقیقت میں دعا، گناہوں کو چھوڑنے کا نام ہے پس جو شخص گناہوں کو ترک کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ کسی سوال کے بغیر اس کے ساتھ وہ سلوک کرتا ہے جس کو وہ پسند کرتا ہے۔

حضرت وہب بن منبہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے بعض آسمانی کتب مین دیکھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم کس طرح مجھے پکارتے ہو جبکہ تمہارے دل مجھ سے پھرے ہوتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ بنی اسرائیل سے فرمائیں میرے گھروں میں سے کسی گھر میں پاک دلوں اور ڈرنے والے نفوس، جھکنے والی آنکھوں اور بے حیاء سے پاک اعضاء کے بغیر داخل نہ ہوں جو شخص میرے گھر میں داخل ہوا اور وہ گناہوں سے لتھڑا ہوا ہو تو میں اس پر لعنت کرتا ہوں اور میں ان لوگوں کو خبر دیتا ہوں کہ میں تم میں سے کسی ایک کی دعا قبول نہیں کرتا اور جس کے ذمہ لوگوں کے حقوق ہوں یا اس کے پیٹ میں حرام کا ایک لقمہ ہو اس کی دعا بھی قبول نہیں کرتا۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے آدمی کا خلوت میں دعامانگنالوگوں کی مجلس میں دعامانگنے سے افضل ہے۔

ایک شخص نے زیاد بن ظبیان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں آپ جیسے لوگوں کی کثرت فرمائے تو آپ نے اس سے فرمایا تم نے اللہ تعالیٰ سے ناحق بات کا سوال کیا اور لوگوں کے لئے سوال کیا کہ وہ برے لوگوں میں سے ہو جائیں۔

ایک شخص نے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز کرے انہوں نے فرمایا اس بات سے فراغت ہو چکی ہے میرے لئے نیکی کا سوال کرو۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں جو شخص اپنے بھائی کے لئے لمبی عمر کی دعا کرتا ہے اسے چاہئے کہ دل میں یہ نیت کرے کہ اگر یہ اس کے لئے بہتر ہے یہ اس کی مثال ہے جو اس شخص کے بارے میں مروی ہے جس کے فتنے میں پڑنے کا خوف ہے ورنہ بعض اوقات عمر کا زیادہ ہونا اس شخص کے لئے برا ہوتا ہے جب وہ گناہوں اور اللہ کی حکم عدولی وغیرہ میں پڑتا ہے اور اللہ خوب جانتا ہے۔

ایک شخص نے حضرت عامر بن قیس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا اللہ سے میرے لئے دعا مانگیں۔ انہوں نے فرمایا اللہ کی قسم! مجھے اللہ سے حیا آتی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے ایسی چیز کا سوال کروں جس سے مجھے خوشی حاصل ہو تو میں کسی دوسرے کے لئے کیسے سوال کروں تم پر افسوس! یہ شفاعت ہے اور شفاعت وہی کر سکتا ہے جو مقربین میں سے ہو۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کو اس زمانے میں مقام قرب حاصل ہے اسے چاہئے کہ دوسروں کی شفاعت کے لئے جلدی نہ کرے مگر یہ کہ اس کو علم ہو

کہ اللہ تعالیٰ نے اسے (دعا کرنے والے کو) معاف کر دیا اور اس کے پیٹ میں شبہ (کے مال) سے ایک لقمہ بھی نہیں اگر وہ کسی کے لئے سوال کرے اور خود اس سے محفوظ نہ ہو تو اب سوال کرنے کی صورت میں وہ اللہ تعالیٰ سے انتہائی حیا اور شرمندگی کے مقام پر ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

جتنا زیادہ قرب اتنا زیادہ خوف

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک خلق یہ ہے کہ جب وہ نیکی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنا قرب عطا کرتا ہے تو ان کے خوف میں اضافہ ہو جاتا ہے جس طرح بادشاہوں کے درباروں میں ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے بلند مثال ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہم نے لوگوں کو پایا کہ جب ان میں سے کسی کو زیادہ نعمت اور قرب حاصل ہوتا ہے اس وقت ان کا خوف بھی بڑھتا جاتا ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے عام لوگوں کے لئے (اللہ کا) خوف اسی قدر کافی ہے کہ جن کاموں سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے وہ اس سے رک جائیں پھر فرماتے کاش میں بھی ان (عام لوگوں) میں سے ہوتا۔

حضرت حماد بن زید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہمیشہ اپنے قدموں پر تیار ہو کر بیٹھتے جب ان سے اس کی وجہ پوچھی جاتی تو فرماتے مطمئن ہو کر وہ شخص بیٹھتا ہے جو اللہ کے عذاب سے بے خوف ہو اور اللہ کی قسم میں رات اور دن میں کسی وقت بھی اس بات سے بے خوف نہیں ہوتا کہ آسمان سے آگ اتر کر مجھے جلا دے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ بعض اوقات غافل ہو جانے والوں پر رحم فرماتا ہے ہے اگر یہ بات نہ ہوتی تو یہ لوگ اللہ کے خوف سے مر جاتے۔

حضرت عطاء اسلمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا طریقہ تھا کہ جب ہوا چلتی تو وہ کھڑے ہو جاتے، پھر بیٹھ جاتے، باہر نکلتے، اندر آ جاتے، اپنے پیٹ کے چمڑے کو پکڑتے، گویا وہ عورت ہیں جس کو درد زہ (بچے کی پیدائش کے وقت کی تکلیف) نے پکڑ رکھا ہے۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب امید، خوف پر غالب آ جائے تو دل خراب ہو جاتا ہے جس طرح ہمارے جیسے بیوقوف لوگوں کا حال ہے۔

حضرت شعبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ سے ڈرو حتیٰ کہ تمہارے پاس امن آ جائے کیونکہ (خوف) تمہارے لئے اس امید سے زیادہ پسندیدہ ہے جس کے بعد خوف آ جائے۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ کی قسم مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ میں سب سے پہلا آدمی نہ ہو جاؤں جس کو قیامت کے دن چہرے کے بل گھسیٹا جائے گا۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر خوف اس قدر غالب آ گیا کہ ان کے پیشاب میں خون آتا تھا لوگ ان کے پاس ایک یہودی طبیب کو لائے جب اس نے آپ کے پیٹ کو ہاتھ سے ٹٹولا تو کہا میں نے خالص دین میں ایسا شخص نہیں دیکھا اور وہ یہودی روتے ہوئے کہنے لگا اس شخص نے اللہ کے خوف سے اپنا جگر کاٹ ڈالا ہے اور میرے پاس اس کا علاج نہیں ہے۔

حضرت عطاء اسلمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر آگ جلا کر کہا جائے کہ جو شخص اپنے آپ کو اس میں ڈالے گا وہ ناچیز ہو جائے گا (ختم ہو جائے گا) اور وہ بڑی آگ (جہنم) میں نہیں جائے گا تو میں اپنے آپ کو اس میں ڈال دیتا۔

امیر المؤمن حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے اگر مجھے جنت اور جہنم کے درمیان کھڑا کر دیں اور مجھے اختیار دیں کہ راکھ بن جاؤں یا مجھے صبر کرنے کی اجازت دیں حتیٰ کہ مجھے اپنا ٹھکانہ معلوم ہو جائے تو میں راکھ بننے کو ترجیح دوں گا۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے مجھے یہ بات پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے سامنے کھڑا کرے اور فرمائے اے مالک! میں تجھ سے راضی ہو گیا اس کے بعد میں مٹی ہو جاؤں۔

حضرت علی بن بکار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے حضرت عطاء اسلمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شدت خوف سے چالیس سال تک اپنے بستر پر شل پڑے رہے آپ کی بیمار پرسی کی جاتی تھی کسی عبادت گزار کو یہ خبر پہنچی تو اس نے کہا چالیس سال کی کیا حیثیت ہے۔ اللہ کی قسم! اگر وہ اپنے سر کے بالوں کے برابر ہزاروں سال اللہ کی عبادت کرے تو اس ایک گناہ کے مقابلے میں یہ کم ہوتی جس کا ارتکاب بندہ کرتا ہے۔

حضرت فاطمہ بنت عبد الملک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا فرماتی تھیں میں نے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بڑھ کر کسی کو اللہ سے ڈرنے والا نہیں دیکھا جب وہ ہمبستری کے لئے بیٹھتے تو کانپ جاتے اور ذبح شدہ پرندے کی طرح گر جاتے۔

جب وہ خلافت پر متمکن ہوئے تو ہمیں اور اپنی لونڈیوں کو بلایا اور فرمایا میں ایک ایسے کام کا ذمہ دار ہو گیا ہوں کہ تمہاری بجائے اس میں قیامت کے حساب تک مشغول ہو گیا ہوں پس تم میں سے جو میرے پاس ٹھہرنا چاہے اور مجھ سے کوئی مطالبہ نہ تو وہ ایسا کرے اور جو فراق چاہے وہ الگ ہو جائے پھر اپنے گھر والوں کے قریب جانا ترک کر دیا حتیٰ کہ وصال فرمایا۔

حضرت عطاء اسلمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رات کا اکثر حصہ اپنے ہاتھ سے جسم کے چہرے کو پکڑتے اس ڈر سے کہ کہیں بدل نہ گیا ہو حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بھی یہی حال تھا۔

حضرت اسحاق بن خلف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ڈرنے والا وہ نہیں جو روتا ہے اور اپنی آنکھیں ملتا ہے ڈرنے والا وہ ہے جو اپنے رب کے خوف سے گناہوں کو ترک کر دیتا ہے۔

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے (اللہ سے) ڈرنے والا وہ نہیں جس پر (مثلا) تلاوت قرآن کے وقت رقت طاری ہو جائے بے شک ڈرنے والا وہ ہے جو کھانا پینا ترک کر دے اور نیند کو طلاق دے دے حتیٰ کہ جان لے کہ اس کا حال کہاں تک پہنچا ہے۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے حضرت علی بن فضیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وصال تک سورہ القارعہ کی قرأت سننے پر قادر نہ ہوئے۔ ایک مرتبہ انہوں نے غفلت میں یہ سورت سن لی تو تین دن رات ان کو کچھ یاد نہ رہا۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اشعار پڑھتے تھے۔

اذاما اللیل اظلم کابدوہ فیسفر عنھم وھم رکوع

اطار الخوف نومھم فقاموا واھل الامن فی الدنیا ھجوع

ترجمہ: جب رات تاریک ہوتی ہے تو وہ اس کی مشقت برداشت کرتے ہیں جب صبح ہوتی ہے تو وہ حالت رکوع میں ہوتے ہیں خوف نے ان کی نیند اڑا دی اور وہ کھڑے ہو گئے اور بے خوف لوگ دنیا میں سوتے رہے۔

تو اے بھائی! اس بات کو جان لو اور اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلو محفوظ رہو گے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

کوتاہی پر غمگین ہونا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں کوتاہی ہو تو وہ اس پر بہت غمگین ہوتے ہیں اگرچہ تمام جنوں اور انسانوں کے برابر عبادت کریں وہ یہ خیال نہیں کرتے کہ انہوں نے اپنے رب کا وہ حق ادا کر دیا جو ان کے ذمہ ہے اور اس میں عارف کامل اور مبتدی میں کوئی فرق نہیں۔ بخلاف اس زمانے کے بعض "خود ساختہ صوفیاء" کے وہ کہتے ہیں مبتدی کو یہ خوف لاحق ہوتا ہے عارف کو کوئی غم فکر نہیں ہوتا ایسی سوچ جہالت کے زیادہ ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے۔

جہاں تک اکابر کا تعلق ہے تو وہ مسلسل غم میں رہتے ہیں حتیٰ کہ ان کا انتقال ہو جاتا ہے لیکن اکابر میں سے جس نے یہ کہا کہ عارف کو کوئی غم نہیں ہوتا تو اسے امور دنیا کے فوت ہونے کے خوف پر محمول کیا جائے گا جہاں تک آخرت کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں ان کا خوف کو ترک کرنا قابل مذمت ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے:

"ان اللہ تعالی یحب کل قلب حزین"۔[44]

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ ہر غمگین دل کو پسند کرتا ہے۔

یعنی وہ جو آخرت میں سے اپنے حصے کے فوت ہونے پر غمگین ہوتا ہے۔

حضرت موسیٰ بن سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے نیک عمل کو بار آور کرنے کا وسیلہ غم ہے۔

---

44 (المستدرک للحاکم للصحیحین کتاب الرقاق جلد ۴ صفحہ ۳۱۵ مطبوعہ محمد امین بیروت)

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے دل میں غم نہ ہو تو وہ ویران ہوتا ہے جس طرح گھر میں کوئی رہائش پذیر نہ ہو تو وہ خراب اور ویران ہوتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ کی قسم! مومن کے لئے دنیا میں غم کے بغیر کوئی گنجائش نہیں۔

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے وہ شخص دنیا میں کس طرح غمگین نہیں ہوگا جو ہر گھڑی مصائب یعنی گناہوں میں مبتلا ہوتا ہے۔

جب حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا انتقال ہوا تو حضرت وکیع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا آج زمین سے انتہائی درجہ کا غم اٹھ گیا(یعنی غم میں مبتلا رہنے والا)

حضرت عبد الواحد بن زید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر تم حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو دیکھتے تو تم کہتے اللہ نے تمام دنیا کے غم ان پر ڈالے ہیں کیونکہ ان کے آنسو ہر وقت بہتے اور وہ اپنے آپ پر روتے رہتے۔

حضرت ربیع بن خیثم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے مومن سے بڑھ کر دنیا میں کوئی بھی غمگین نہیں کیونکہ وہ زندگی کے مسائل میں لوگوں کے ساتھ شریک ہوتا ہے اور آخرت کے معاملات کا مزید اہتمام کرتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو جو بھی دیکھتا یہ خیال کرتا کہ ان کی مصیبت کا زمانہ قریب ہے کیونکہ آپ اور آپ کے ساتھی بہت غمگین رہتے تھے۔

حضرت ھرم بن حیان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مہینہ بھر ملکہ زندگی بھر پریشان رہے جب ان سے اس بارے میں پوچھا جاتا تو فرماتے اس غم کا مجھ سے زیادہ کون حق دار ہے کیوں کہ مجھے معلوم نہیں کہ میرا ٹھکانہ کیا ہوگا؟

تو اے بھائی! تجھ پر غم لازم ہے حتیٰ کہ تجھے دنیوی خواہشات کے سلسلے میں فراغت نہ ملے ورنہ تم دھوکے میں ہوگے۔ اے بھائی! بیدار رہو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

اللہ کی رحمت سے دھوکہ نہ کھانا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک خلق یہ ہے کہ وہ اللہ کی ذات سے دھوکے میں نہیں ہوتے یعنی ان میں سے کوئی اللہ کے معاف کرنے پر اعتماد کر کے اعمالِ صالحہ کو ترک نہیں کرتا بلکہ وہ عبادت میں خوب کوشش کرتے تھے اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل پر اعتماد کرتے اپنے اعمال پر نہیں۔

حدیث شریف میں ہے:

"الکیس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت والعاجز من اتبع نفسه هواها وتمنی علی الله الامانی"۔[45]

ترجمہ: سمجھدار آدمی وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرتا اور موت کے بعد کے لئے عمل کرتا ہے اور عاجز وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہشات کے پیچھے لگاتا ہے اور اللہ سے آرزوئیں کرتا ہے۔

---

[45] (مسند احمد بن حنبل مرویات شداد بن اوس جلد ۴ صفحہ ۱۲۴ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے پوچھ گیا کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں دھوکے میں ہونے کا کیا مطلب ہے؟ تو انہوں نے فرمایا بندہ گناہوں میں پڑا رہے اور پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی تمنا کرے۔

حضرت حسب بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تے بے شک ایک قوم اس دنیا سے اس طرح نکلی کہ ان کے پاس نیکیاں نہیں تھیں کیونکہ مغفرت کی خواہشات نے ان کو بہت زیادہ غافل رکھا اور ان میں سے ایک کہتا اپنے رب کے بارے میں مجھے اچھا گمان ہے پس میں پرواہ نہیں کرتا کہ میرے اعمال زیادہ ہوں یا کم، اور وہ اس سلسلے میں جھوٹا ہے کیونہ اپنے رب کے بارے میں حیققتاً حسن ظن ہوتا تو وہ اچھے کام کرتا۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَ ذَٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنتُم بِرَبِّكُمْ أَرْدَاكُمْ فَأَصْبَحْتُم مِّنَ الْخَاسِرِينَ (فصلت ۲۳)

ترجمہ: اور یہ ہے تمہارا گمان جو تم نے اپنے رب کے ساتھ کیا اور اس نے تمہیں ہلاک کر دیا اور رہ گئے ہارے ہوؤں میں۔

حضرت میسرہ عابد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی پسلیاں زیادہ عبادت کی وجہ سے باہر نکل آئی تھیں اور جب اس سلسلے میں ان سے بات کی جاتی کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے تو وہ بات کرنے والے کو جھڑک دیتے اور فرماتے یہ بات صحیح ہے اگر اس کی رحمت وسیع نہ ہو تو وہ عبادت کے اندر ہی ہمارے گناہوں (یعنی ریاکاری وغیرہ) پر ہمیں ہلاک کر دیتا نافرمانی کا معاملہ تو الگ ہے۔

حضرت حذیفہ بن قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر کوئی شخص مجھ سے کہے اللہ کی قسم! تمہارے اعمال اس شخص کے اعمال کی طرح ہیں جو حساب کے دن پر ایمان نہیں رکھتا تو میں اس سے کہوں گا تم نے سچ کہا تجھے اپنی قسم کا کفارہ دینے کی ضرورت نہیں۔

حضرت یونس بن عبید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہاتھ پانچ درہم (احناف کے نزدیک دس درہم) کی چوری پر کاٹا جاتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ تمہارا سب سے چھوٹا گناہ پانچ درہم کی چوری سے زیادہ قبیح ہے پس تیرے ہر گناہ کے بدلے آخرت میں تیرا ایک عضو کاٹا جائے گا۔

حضرت حذیفہ مرعشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر تجھے یہ خوف نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ تجھے تیری بہترین عبادت پر اس لئے عذاب دے گا کہ اس میں نقص ہو گا تو تو ہلاک ہو گیا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہم میں سے کسی کا یہ عقیدہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کا ایک گناہ بخش دے گا پس ہم میں سے ایک ایسی جگہ عمل کرتا ہے جو اس کی جگہ نہیں۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص اپنے نفس پر زیادہ خوف رکھتا ہے اسے نجات کی سب سے زیادہ امید ہوتی ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب حضرت یونس علیہ السلام نے یہ خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کی قوم کے خلاف ان کی دعا پر گرفت نہیں کرے گا تو فوری طور پر مچھلی کے پیٹ میں بند کرنے کے ذریعے ان کا مواخذہ ہوا۔

تو اے بھائی! تجھ پر شرعی طریقے سے خوف لازم ہے اور تیرے لئے یہ زیادہ بہتر ہے تو ہر گز (محض) نیک اعمال کی وجہ سے بخشش حاصل نہیں کرے گا استغفار کی کثرت اختیار کر اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

مصائب اور آزمائشوں پر بہت صبر کرنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک خلق یہ ہے کہ وہ آزمائشوں اور مصیبتوں پر بہت زیادہ صبر کرتے ہیں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کے مقدر میں لکھا ہے اس پر ناراض نہیں ہوتے اور وہ کہتے ہیں جسے صبر نہ آتا ہو وہ صبر کرنے کی کوشش کرے۔

حدیث شریف میں ہے:

"ومن یتصبر یصبرہ اللہ تعالی"۔[46]

ترجمہ: اور جو شخص صبر کرنے کی کوشش کرے اللہ تعالیٰ اسے صبر عطا کرتا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ جو شخص دنیا کے فضول کاموں (ضرورت سے زیادہ) کھانے، سونے اور جماع وغیرہ سے صبر نہ کرے قیامت کے دن فرشتے اسے یہ نہیں کہیں گے۔

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ (الرعد ۲۴)

ترجمہ: صبر کرنے کی وجہ سے تم پر سلامتی ہو۔

بلکہ وہ اس دن غم، پریشانی اور خوف میں ہو گا بخلاف اس کے جس کو فرشتے سلام کریں گے وہ امن میں ہو گا اور اس سے پریشانی اور غم زائل ہو جائے گا اور وہ فرحت، سرور اور امن میں ہو گا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ (البقرۃ ۱۷۷)

ترجمہ: اور سختی و تکلیف میں اور جہاد کے وقت صبر کرنے والے

سے فقر اور بیماری مراد ہے۔

---

46 (مسند امام احمد بن حنبل مرویات ابو سعید الخدری جلد ۳ صفحہ ۱۲ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے تھے صبر کے ساتھ وہی شخص موصوف ہوتا ہے جو لوگوں کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف پر صبر کرتا ہے اور پوشیدہ طور پر یا ظاہری طور پر ان کو بدلہ نہیں دیتا حتیٰ کہ ان کے خلاف دعا (بد دعا) بھی نہیں کرتا اور اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے نیز سب سے بڑا صبر ان چیزوں سے صبر کرنا ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے روکا اور جن کو کرنے کا حکم دیا (یعنی منہیات سے رکنا اور مامورات پر عمل کرنا)۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کو مسلسل آزمائش میں ڈالتا ہے اور اس پر مصائب کا مسلسل نزول ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ چلتا ہے اور اس پر کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔

حضرت فتح الموصلی کی زوجہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا) ایک مرتبہ پھسل گئیں تو ان کا ناخن ٹوٹ گیا وہ ہنس پڑھیں ان سے پوچھا گیا کیا آپ کو ناخن کی تکلیف نہیں ہوئی انہوں نے فرمایا ہاں (تکلیف ہوئی ہے) لیکن اس کے ثواب نے مجھے تکلیف میں مشغولیت سے غافل کر دیا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر فقر، بیماری اور موت نہ ہوتی تو انسان تکبر کی وجہ سے اپنا سر نہ جھکاتا اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں کود پڑتا ہے۔

حضرت احنف بن قیس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے چچا سے اپنی داڑھ میں تکلیف کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا اے احنف! میں دیکھتا ہوں کہ تو ایک رات میں داڑھ کی تکلیف کی شکایت کرتا ہے اللہ کی قسم! مجھے تیس سال سے یہ تکلیف ہے لیکن میرے خیال میں تیرے علاوہ کسی کو اس کا علم نہیں ہوا۔

حضرت سلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام ایک دن ایک شخص کے پاس سے گزرے جس کے پیٹ کو درندے نے پھاڑ دیا تھا اور اس کا گوشت نوچ لیا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پہچان لیا اور کہا اے میرے رب! یہ تو تیرا اطاعت گزار تھا، میں کیا دیکھ رہا ہوں؟۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی۔ اے موسیٰ اس شخص نے مجھ سے ایسے درجہ کا سوال کیا جس تک یہ اپنے اعمال سے نہ پہنچ سکا تو میں نے اس کو اس میں مبتلا کیا تاکہ اس درجہ تک پہنچ جائے۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے تھے جو شخص اپنے اوپر نازل ہونے والی مصیبت کی اللہ تعالیٰ کے غیر سے شکایت کرتا ہے اسے اس شکایت کے بعد جب تک توبہ نہ کرے عبادت میں چاشنی حاصل نہیں ہوتی۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ جب آپ پر کوئی مصیبت نازل ہو تو میری مخلوق کے سامنے میری شکایت کرنے سے بچیں اور مجھ سے وہ معاملہ کریں جو میں آپ سے کرتا ہوں جس طرح میں فرشتوں کے سامنے آپ کے نامناسب کاموں کی شکایت نہیں کرتا اسی طرح آپ کے لئے مناسب نہیں کہ آپ میری مخلوق سے شکایت کریں جب آپ پر کوئی مصیبت نازل ہو۔ (لوگوں کی تعلیم کے لئے ہے) نبی سے ایسا کوئی عمل سرزد نہیں ہوتا جو نامناسب ہو۔

اور مجھے (حضرت وہب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو) یہ بات پہنچی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کا تمام مال ہلاک کر دیا تو آپ اپنے گھر میں داخل ہوئے اور اپنے کپڑے اتار دیئے

اور فرمایا اس طرح میں دنیا کی طرف آیا تھا اور اب اسی طرح اس سے نکل رہا ہوں (لباس کے بغیر پیدا ہوا تھا)۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے داؤد مشقت پر صبر کریں اللہ کی طرف سے آپ کے پاس مدد آئے گی۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر دنیا کسی تکلیف کے بغیر نعمت ہوتی تو یہی جنت ہوتی اور ہم اس سے منتقل ہونے کے محتاج نہ ہوتے۔

حضرت محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے شکوہ کرنے سے بچو وہ تمہارے دشمن کو خوش کرتا اور تمہارے دوست کو غمگین کرتا ہے۔

تو اے بھائی! اس بات کو جان لو اور صبر کرنے والے بنو فائدہ حاصل کروگے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

حکم خداوندی کی تعمیل اور قضا پر راضی ہونا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے بہت زیادہ سر تسلیم خم کرتے ہیں اور جب ان کی اولاد یا بھائی یا گھر والوں کے رشتہ داروں میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے تو اللہ کے فیصلے پر راضی ہوتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت داؤد علیہ السلام کا بیٹا فوت ہو گیا تو آپ کو اس پر سخت دکھ ہوا آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کے نزدیک اس بچے کی حیثیت تھی؟

فرمایا سونے سے بھری ہوئی زمین جسے میں اللہ کے راستے میں خرچ کروں تو اللہ نے وحی فرمائی کہ آپ کے لئے اس کی مثل اجر ہے۔

حضرت بکر مزنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے والد کی موت نئ ملکیت کا سبب ہے (وراثت ملتی ہے) بھائی کی موت سے بازو ٹوٹ جاتا ہے اور اولاد کی موت دل کا زخم ہے جو کبھی بھرتا نہیں۔

حضرت مورق العجلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ فلاں کی موت پر مجھے اجر ملے گا تو میں اس کی موت کو پسند کروں گا۔

حضرت ابن ابی کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے موت کے بعد رونے پیٹنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اس سے فوت شدہ واپس نہیں آتا۔

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب تم مصیبت زدہ کو دیکھو کہ اس نے اپنے کپڑے پھاڑ دیئے اور رونا پیٹنا ظاہر کیا تو اس سے تعزیت نہ کرو وہ گنہگار ہے پس جو اس سے تعزیت کرے گا وہ گناہ میں اس کا شریک ہو گا۔ بلکہ اس کو اس (عمل) سے روکنا واجب ہے۔

حضرت ابو سعید بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جس شخص کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ اپنے کپڑے پھاڑے اور اپنے چہرے پر مارے تو وہ ایسا ہے کہ گویا اس نے نیزہ لیا اور وہ اپنے رب سے لڑ رہا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جس شخص کو کوئی مصیبت پہنچے تو اسے پہلے دن وہی کام کرنا چاہئے جو پانچویں دن کرنا ہے یعنی مسکرانا اور کھانا وغیرہ (مطلب یہ کہ صبر کرے)۔

حدیث شریف میں ہے رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

"من سعادۃ العبد رضاہ بقضاء اللہ تعالی"۔[47]

---

[47] (مسند احمد بن حنبل مرویات سعد بن ابی وقاص جلد ۱ صفحہ ۱۶۸ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

ترجمہ: بندے کی خوش قسمتی میں سے یہ بات بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی رہے۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں سب سے پہلے جو بات لکھی ہے وہ یہ ہے۔

بے شک میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم میرے رسول ہیں جو شخص میرے فیصلے کو تسلیم نہ کرے، میری آزمائش پر صبر نہ کرے اور میری نعمتوں کا شکر ادا نہ کرے وہ اپنے لئے میرے سوا کسی اور کو رب تلاش کرے اور جو میرے فیصلے کو تسلیم کرے میری آزمائش پر صبر کرے اور میری نعمتوں کا شکر ادا کرے میں اس کو صدیق لکھوں گا اور اسے صدیقین کے ساتھ اٹھاؤں گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے ایمان کی کوہان (بلندی) رب کے سامنے جھکنا ہے۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص کسی دوسرے کے پاس موجود چیز کو دیکھ کر غمگین ہو یعنی اپنے بھائی کے رزق پر اس سے حسد کرے وہ اپنے رب کے فیصلے پر ناراض ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے داؤد علیک السلام اگر تو میرے ارادے کے سامنے سر تسلیم خم کر دے تو میں اس کام میں تجھے کفایت کروں گا جس کا تو ارادہ کرتا ہے اور اگر تو میرے ارادے کے سامنے نہ جھکے تو میں تجھے تیرے ارادے میں تھکا دوں گا پھر وہی ہو گا جو میں چاہتا ہوں۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا گیا آپ کیا چاہتے ہیں؟

انہوں نے فرمایا میں وہی کچھ جانتا ہوں جو حق تعالیٰ چاہتا ہے اگرچہ میرا نفس نافرمانی کو ناپسند کرتا ہے۔

حضرت میمون بن مہران رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص (اللہ تعالیٰ کے) فیصلے پر راضی نہیں رہتا اس کی بیوقوفی کا کوئی علاج نہیں۔

حضرت عبد العزیز بن ابی رواد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جبہ، قبہ پہننے سر کہ اور جو کھانے میں شان نہیں بندے کی شان اپنے رب سے راضی رہنے میں ہے۔

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے تھے انبیاء کرم علیہم السلام میں سے ایک نبی نے اپنے رب کی بارگاہ میں اس تکلیف کی شکایت کی جو ان کو پہنچی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ آپ کب تک میرے ہاں شکایت کرتے رہیں گے میں خالق شکوہ و شکایت نہیں ہوں۔ عالم غیب میں آپ کی شان اسی طرح ظاہر ہوئی پس میرے فیصلے کی اچھائی پر ناراض نہ ہوں کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کی خاطر دنیا کو بدل دوں اور آپ کے سبب سے لوح محفوظ کو بدل دوں اور آپ کے لئے وہ فیصلہ کروں جو آپ چاہتے ہیں اور میں نہیں چاہتا اور وہ کام ہو جو آپ پسند کرتے ہیں وہ نہ ہو جو میں چاہتا ہوں مجھے اپنی عزت کی قسم! اگر یہ بات دوبارہ آپ کے دل میں آئی تو میں آپ سے نبوت چھین لوں گا اور آپ کو جہنم میں ڈال دوں گا اور میں اس کی پرواہ نہیں کروں گا۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں علماء کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ معصوم (یعنی انبیاء کرام علیہم السلام) سے نبوت چھین لینا صحیح نہیں لہٰذا جو کچھ یہاں ذکر کیا گیا وہ فرض اور تقدیر کی صورت ہے اور اللہ تعالیٰ جن باتوں سے اپنے بندے کو ڈراتا ہے ان کا وقوع ہونا ضروری نہیں۔ اس بات پر غور کرو اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

حضرت محمد بن شفیق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ایک مرتبہ میں نے اپنی والدہ کے لئے خربوزہ خریدا لیکن انہیں پسند نہ آیا اور وہ ناراض ہو گئی میں نے کہا امی جان! آپ کس پر ناراض ہیں بیچنے

والے پر یا خریدنے والے پر یا اس کے خالق پر؟ اللہ کی قسم اس کو پیدا کرنے والا سب سے بہترین خالق ہے اور اسے بیچنے اور خریدنے والے نے آپ کو وہی دیا جو ازل میں آپ کے حصے میں رکھا گیا تھا، فرماتے ہیں (یہ سن کر) میری ماں نے بخشش طلب کی اور توبہ کی۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے میں اپنی زبان پر انگارہ رکھوں تو یہ مجھے اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ میں کسی ایسے کام کے بارے میں جو واقع ہوا، یہ کہوں کہ یہ کیوں واقع ہوا۔

حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ کا جو بھی فعل ہو بندے پر اپنے رب کا شکر واجب ہے جیونکہ وہ حکمت والا جاننے والا ہے اور جہاں تک بندے کے کسب کا تعلق ہے تو اگر وہ مذموم ہے تو اس پر راضی نہ ہونا واجب ہے اور یہ اپنے رب کی تعظیم کے طور پر ہے۔

ایک دفعہ حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاؤں میں شدید زخم ہو گیا ان کے ساتھیوں میں سے ایک نے کہا اللہ کی قسم! مجھے اس وجہ سے آپ پر ترس آتا ہے آپ نے فرمایا:

اے بھائی اگر تو مجھ سے محبت کرتا ہے تو میرے ساتھ اللہ کا شکر ادا کر جس نے یہ زخم میری زبان یا میری آنکھ یا میرے کان یا میرے سینے یا میری بغل کے نیچے یا میری شرمگاہ میں پیدا نہیں کیا۔

جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے کے دانت گر گئے تو انہوں نے کہا اللہ کا شکر ہے کہ وہ میرے سماعت و بصارت کو نہیں لے گیا۔

حضرت یونس علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک دن انہوں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا مجھے زمین میں سب سے بڑے عبادت گزار کے بارے میں بتایئے انہوں نے ایک آدمی کے بارے میں بتایا جس کے ہاتھ اور پاؤں کوڑھ کی مرض کی وجہ سے کٹ چکے تھے اور اس کی بینائی، قوت سماعت اور بال بھی ختم ہو چکے تھے حضرت یونس علیہ السلام اس کے قریب ہوئے اور اس سے سنا وہ

کہہ رہا تھا یا اللہ! تو نے جس طرح چاہا واپس لے لیا اور میرے لئے اپنے بارے میں خیر کی امید کو باقی رکھا تو یہ تیرا مجھ پر فضل ہے۔

حضرت بشر بن حارث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے مجھے اپنی سیاحت کے دوران ایک شخص کے ساتھ اتفاق ہوا جو کوڑھ کا مریض تھا جس پر سفید داغ تھے اندھا بھی تھا اور پاگل بھی، اور وہ دھوپ میں پڑا ہوا تھا جوئیں اس کا گوشت کھا رہی تھیں فرماتے ہیں میں نے اس کا سر اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا۔

جب اسے افاقہ ہوا تو کہنے لگا یہ کون فضول آدمی ہے جو میرے اور میرے رب کے درمیان حائل ہے؟ پس مجھے اس کی عزت وجلال کی قسم! اگر وہ میرا ایک ایک عضو کاٹ دے تو اس (فعل) سے اس کی محبت مزید بڑھ جائے گی۔

مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک دن ایک آدمی کیک پاس سے گزرے جو اندھا تھا، سفید داغ والا، لولہا تھا، کوڑھ کی وجہ سے اس کے دونوں پہلو مارے گئے تھے اور فالج کا شکار تھا اور کوڑھ کی وجہ سے اس کا گوشت جھڑ چکا تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کے قریب ہو کر سنا تو وہ کہہ رہا تھا۔ اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اس مصیبت سے بچایا جس میں اپنی مخلوق میں سے بے شمار لوگوں کو مبتلا کیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا تجھ سے کون سی مصیبت کو دور رکھا، اس نے آپ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے جہالت کو پھیر دیا اور مجھے معرفت کا جوڑا پہنایا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس شخص سے فرمایا تم نے سچ کہا اپنا ہاتھ آگے کر آپ نے اس کا ہاتھ پکڑا تو اس کی تمام بیماری دور ہو گئی اور وہ لوگوں میں سے خوبصورت ترین چہرے والا ہو گیا اس نے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صحبت اختیار کی وہ اللہ کی عبادت کرتا تھا حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھالیا گیا۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ پر راضی رہنااور لوگوں سے رحمت کا سلوک کرنا مرسلین عظام کے اخلاق میں سے ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ کی رضا پر راضی رہنا دنیا میں زہد اختیار کرنے سے بہتر ہے کیونکہ جو شخص اپنے رب سے راضی ہوتا ہے وہ اس سے اوپر کے درجہ کی تمنا نہیں کرتا۔

حضرت سلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر اللہ تعالیٰ مجھے جہنم میں داخل کرے تو میں اس پر راضی ہوں۔

حضرت سلیمان الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص کہے اے میرے رب! مجھ سے راضی ہو جاؤ وہ اپنے رب سے راضی نہیں ہے۔

حضرت ابو عبد اللہ الباجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے دنیا کے بندے اپنے آقاؤں کی رضا چاہتے ہیں اور اللہ کے بندے اللہ کی رضا چاہتے ہیں۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے لوگوں کو راضی کرنا ایک ایسی منزل ہے جہاں تک رسائی نہیں ہو سکی۔

تو اے بھائی! ہم نے جس خلق کا ذکر کیا ہے اگر تو اپنے نفس میں صبر کو ملاحظہ کرے تو اپنے رب کا شکر ادا کر ورنہ اس سے بخشش طلب کر اور توبہ کر اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

شکر کرنے کے باوجود اسے کم سمجھنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک خلق یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے نفسوں کے بارے میں گواہی دیتے ہیں کہ انہوں نے اپنے رب کے شکر سے ایک ذرہ بھی ادا نہیں کیا کیونکہ وہ جس قدر شکر ادا کرتے ہیں ان کی نظر میں وہ سب شکر بھی اللہ کے انعام سے ہے اور اللہ کی نعمتیں کبھی ختم نہیں ہوں گی اور کوئی شخص ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا(شکر بھی ایک نعمت ہے)۔

حضرت بکر بن عبد اللہ المزنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے بندہ جب بھی الحمد للہ کہتا ہے اس سے اس پر ایک شکر واجب ہو جاتا ہے(کیونکہ الحمد للہ کہنا بھی اللہ کا انعام ہے)۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب تم اللہ کا شکر ادا کرتے ہو تو یہ بھی اللہ کا انعام اور اس کی نعمت ہے تو حقیقتاً وہاں شکر نہیں ہے۔

شکر یہ ہے کہ تم اس بات کا اعتراف کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر بے شمار انعامات کئے ہیں اور تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی پوری طرح ثناء ممکن نہیں۔

حضرت سہل بن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ کا شکر ادا کرنا یہ ہے کہ تم اس کی عطا کردہ نعمت میں اس کی نافرمانی نہ کرو تمہارے تمام اعضاء اس کی نعمتوں میں سے ہیں پس تم ان کے ذریعے اس کی نافرمانی نہ کرو۔

حضرت مجاہد اور حضرت مکحول رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما دونوں اللہ کے اس قول کے بارے میں فرماتے ہیں ارشاد خداوندی ہے:

ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ (التکاثر ۸)

ترجمہ: پھر اس دن تم سے نعمتوں کے بارے میں ضرور ضرور پوچھا جائے گا۔

(فرماتے ہیں) اس سے ٹھنڈا پانی، گھروں کے سائے، پیٹوں کا بھر جانا، اعضاء میں اعتدال اور نیند کی لذت مراد ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے فالوذج (ایک قسم کا حلوہ فالودہ) کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا یہ بڑی بڑی نعمتوں میں سے ہے؟ انہوں نے فرمایا ٹھنڈے میٹھے پانی ہی کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی ہم پر بہت بڑی نعمت ہے (یعنی جب ٹھنڈا پانی نعمت ہے تو فالوذج تو لازما نعمت ہو گا)۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک دن ایک بہرے، گونگے اور مصیبت زدہ شخص کے پاس سے گزرے تو ایک شخص نے پوچھا کیا اس شخص پر کوئی نعمت باقی ہے؟ حضرت وہب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہاں جو کچھ یہ کھاتا اور پیتا ہے اس کا آسانی کے ساتھ حلق سے اترنا اور اس کی آسانی یعنی جب یہ پیشاب کے ذریعے نکل جائے تو یہ ان ظاہری نعمتوں سے بڑی نعمت ہے جو اس سے فوت ہو گئیں (یعنی سننے اور بولنے کی نعمت سے)۔

حضرت شعبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر لوگ کسی آزمائش کو اس سے بڑی آزمائش کے تناظر میں دیکھیں تو بعض آزمائش راحت نظر آئیں۔

حضرت عبد اللہ ابن عمر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سامنے جب کھانا رکھا جاتا تو فرماتے اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اس کا خواہش مند بنایا کتنے ہی لوگ ہیں جو اس پر قادر ہیں لیکن ان کو اس کی خواہش نہیں یعنی سخت بیماری اور درد کی وجہ سے (ان کو بھوک نہیں لگتی)۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس سے جب کوئی پولیس والا گزرتا تو آپ سجدے میں پڑ جاتے اور فرماتے اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے پولیس والا اور ٹیکس لینے والا نہیں بنایا پھر اپنے ساتھیوں سے فرماتے اگر تم میں سے کسی کے پاس سے کوئی ایسا شخص گزرے جو کسی آزمائش میں ہو

اور اس پر اس کو ثواب ملتا ہو تو اپنے رب سے عافیت کا سوال کرتے رہو اور اگر تمہارے پاس سے یہ ظالم لوگ گزریں جو اپنی آزمائش میں گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں تو اللہ سے عافیت کا سوال نہیں کرتے۔

حضرت زید بن اسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے تورات میں لکھا ہے کہ عافیت ایک پوشیدہ بادشاہت ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے جس شخص کی بیوی، مکان، سواری اور خادم ہوں وہ بادشاہوں میں سے ہے۔

حضرت جعفر بن سلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً (لقمان ٢٠)

ترجمہ: اس نے تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں انڈیل دیں۔

تو ظاہری نعمتوں سے اسلام، تخلیقی حسن اور تمہارا رزق مراد ہے اور باطنی نعمت سے مراد یہ ہے کہ اس نے لوگوں سے تمہارے عیبوں اور گناہوں کو چھپایا یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ذکر کی ہے۔

حضرت عون بن عبد اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ نے بندوں پر انعام اپنے حسن وکرم کے معیار سے کیا اور ان سے شکر کا مطالبہ ان کے حال کے اندازے پر کیا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ارشاد خداوندی

إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ (العادیات ٦)

ترجمہ: بے شک انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔

کے بارے میں فرماتے تھے کہ وہ مصیبتوں کو گنتا ہے اور نعمتوں کو بھول جاتا ہے۔

حضرت عون بن عبد اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ارشاد خداوندی:

يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ اللهِ ثُمَّ يُنْكِرُونَهَا (النحل ۸۳)

ترجمہ: وہ اللہ کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں پھر ان کا انکار کر دیتے ہیں۔

کے بارے میں فرماتے تھے کہ وہ لوگ نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیکھتے پھر ان کو مخلوق کی طرف منسوب کر دیتے اور وہ اللہ تعالیٰ سے غفلت اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں اگر فلاں نہ ہوتا تو یہ نعمتیں ہم تک نہ پہنچتیں۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص اللہ تعالیٰ کا شکر اپنی زبان سے ادا کرے اور اس کے باقی اعضاء شکر نہ کریں اس کا شکر کم ہوتا ہے کیونکہ

آنکھ کا شکر یہ ہے کہ اگر بھلائی دیکھے تو اسے یاد رکھے اور برائی دیکھے تو اس پر پردہ ڈال دے۔

کان کا شکر یہ ہے کہ بھلائی سنے تو اس کو یاد رکھے اور اگر برائی سنے تو اس کو بھول جائے۔

ہاتھوں کا شکر یہ ہے کہ ان کے ساتھ صرف حق کو پکڑے اور حق ہی دے۔

پیٹ کا شکر یہ ہے کہ وہ علم اور بردباری سے بھرا ہوا ہو۔

شرمگاہ کا شکر یہ ہے کہ اس کے ساتھ صرف وہ عمل کرے جو اس کے لئے جائز ہے۔

پاؤں کا شکر یہ ہے کہ ان کے ذریعے صرف نیکی کے کاموں کے لئے جائے جو شخص یہ کام کرے گا وہ سچے شکر گزار لوگوں میں سے ہو گا۔

تو اے بھائی! اپنے نفس کا جائزہ لو اور دیکھو کیا تم نے اپنے رب کا شکر ادا کیا جس طرح ان لوگوں نے شکر ادا کیا یا تم نے کوتاہی کی پس اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

تقویٰ اختیار کرنا اور اس کا دعویٰ نہ کرنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک خلق یہ ہے کہ وہ تقویٰ کے سلسلے میں بہت گہرائی میں جاتے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی حقیقی متقی ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا۔ بعض اوقات اللہ بندے پر ذرے کے برابر اعمال کو بھی شمار کرتا ہے۔

اور یہ خلق بھی اس زمانے میں ناپید ہے بلکہ اکثر لوگ اپنے نفس کو تکلیف دیئے بغیر تقویٰ کا دعویٰ کرتے ہیں اور صرف صبح وشام اللہ کے ذکر پر اکتفاء کرتے ہیں اور اپنے نفس پر کسی قول، فعل، کھانے پینے اور لباس میں اعتراض نہیں کرتے بلکہ حرام پر بے قابو مگر مجھ کی طرح ٹوٹ پڑتے ہیں۔

جبکہ اس عمامہ اور اس کے شملے کی شکل شیخ کی صورت میں ہوتی ہے اور اس کے اقوال وافعال فاسقوں اور منافقین کی شکل میں ہوتے ہیں۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کوئی شخص تقویٰ کے مقام پر نہیں پہنچتا جب تک اس کے افعال واقوال دنیا اور آخرت کی شرمندگی سے محفوظ نہ ہوں ایک مرتبہ ان سے ایک شخص نے کہا بندہ تقویٰ کی کوہان (بلندی) تک کب پہنچتا ہے؟

فرمایا جب اپنے دل کے تمام خیالات کو ایک تھال میں رکھ کر بازار میں چکر لگائے اور ان میں سے کسی کی وجہ سے اسے شرمندگی اٹھانا نہ پڑے۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ایمان ننگا ہے اور اس کا لباس تقویٰ ہے۔

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے تھے تقویٰ کے ساتھ عمل کم نہیں ہوتا بلکہ وہ مقبول ہوتا ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے تقویٰ دن کو روزہ رکھنے اور رات کو قیام کرنے کا نام نہیں جب اس کے درمیان گناہ کرتا رہے تقویٰ یہ ہے کہ اس چیز کو چھوڑ دے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے اس کو ادا کرے پس جو اس سے زائد ہو گا وہ خیر کے ساتھ خیر کا ملنا ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اکثر فرمایا کرتے تھے متقی کی علامت یہ ہے کہ (خود کو) گفتگو سے لگام ڈالے جس طرح محرم حالت احرام میں لگا ڈالتا ہے اور متقی اس بات کا محتاج ہے کہ تمام شریعت کا عالم ہو ورنہ تقویٰ سے نکل جائے گا اور اس کو اس بات کا علم نہ ہو گا۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کمال تقویٰ میں سے یہ بات ہے کہ بندہ ذرہ برابر (چیز) میں بھی اپنے رب سے ڈرے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے تقویٰ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا یہ کانٹوں سے بھرپور راستہ ہے اس پر چلنے والے کو بہت زیادہ صبر کی ضرورت ہوتی ہے۔

اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہم نے لوگوں کو یوں پایا کہ وہ اس شخص سے محبت کرتے تھے جو ان میں سے کسی ایک سے کہتا تھا اللہ سے ڈرو اور اب یہ کہنے سے دل میں کدورت پیدا ہونے لگی۔

ایک شخص نے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا اے عمر! اللہ سے ڈرو تو آپ اللہ کی ہیبت سے بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

ایک شخص نے حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا تم کس شہر میں میرا ٹھہرنا پسند کرتے ہو؟ انہوں نے اس سے فرمایا تیرے اور کسی شہر کے درمیان کوئی نسبتی رشتہ نہیں بلکہ بہترین شہر وہ ہے جو تمہیں تقویٰ کی ترغیب دے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر ہم میں سے کوئی شخص اپنے رب سے ڈرے تو اس کی زندگی (بظاہر) خوشگوار نہ ہو اور نہ ہی اسے نیند آئے تو اے بھائی! اپنے آپ کو ٹٹولو کہ کیا تم اللہ سے اس طرح ڈرتے ہو۔ جس طرح یہ بزرگ ڈرتے تھے یا تم اپنے اسلاف کے مقابلے میں کوتاہی کر رہے ہو اپنے رب سے بخشش طلب کرو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

مسلمان بھائیوں کی پردہ پوشی

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کی بہت زیادہ پردہ پوشی کرتے ہیں اور تقویٰ کے مقام پر اپنے آپ پر بہت زیادہ اعتراض کرتے ہیں وہ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ کسی کے سامنے پردہ ظاہر نہ ہو اور یہ بزرگ اقوال، افعال اور کھانے پینے کے معاملات میں اپنے نفسوں کا محاسبہ کرتے تھے اور جو کام اللہ تعالیٰ نے حرام کئے ان میں مبتلا ہونے سے اپنے تمام اعضاء بالخصوص زبان، پیٹ، شرمگاہ اور آنکھ کو روکتے تھے۔

ہم (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے اس خلق کو اپنی کتاب "المنہج المبین" میں تفصیل سے بیان کیا۔

حدیث شریف میں ہے:

”انتہ عما نہاک اللہ عنہ تکن اورع الناس“۔

ترجمہ: اللہ نے جن کاموں سے روکا ہے ان سے رک جاؤ تمام لوگوں سے زیادہ پرہیز گار ہو گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے اگر تم روزہ رکھتے رہو حتیٰ کہ تانت کی طرح (دبلے پتلے) ہو جاؤ اور نماز پڑھتے رہو حتیٰ کہ کبڑے ہو جاؤ تو یہ کام تمہیں نفع نہیں دے گا جب تک تم سچے پرہیز گار نہ بنو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بیٹھنے والے وہ لوگ ہوں گے جو تقویٰ اور زہد والے ہیں۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اس فقہ میں کوئی خیر نہیں جس میں پرہیز گاری نہ ہو، جیسے اس نماز میں کوئی بھلائی نہیں جس میں خشوع نہ ہو اور اس مال میں کوئی خیر نہیں جس میں سخاوت نہ ہو۔

حضرت یونس بن عبید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے تقویٰ کی حقیقت یہ ہے کہ شبہ سے نکلے، اور قدم قدم پر نفس کا محاسبہ کرے جس کو یہ حالت حاصل نہ ہو وہ متقی نہیں۔

حضرت ابو عبد اللہ انطاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے چھوٹی سی بات میں بھی پرہیز گاری کو حقیر نہ سمجھو کیونکہ اس کو معمولی سمجھنا زیادہ باتوں میں تقویٰ کو چھوڑنے کی سیڑھی ہے۔

حضرت ابن سماک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص عمل کے بغیر علم حاصل کرے اس کا پیشوا ابلیس ہے جو حکمرانی تلاش کرے اس کا مقتدا فرعون ہے۔ اور جو پرہیز گاری تلاش کرے اس کے پیشوا انبیاء کرام علیہم السلام اور صوفیاء عظام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم ہیں۔

حضرت ضحاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہم نے لوگوں کو اس طرح پایا کہ وہ تقویٰ سیکھتے تھے اور اسے سیکھنے کے لئے تین مہینے یا زیادہ مدت کا سفر کرتے تھے اور آج کے دور میں لوگ اسے سیکھتے ہیں نہ اس پر عمل پیرا ہیں اگرچہ ان کو اس سے خبر دار کیا جائے۔

حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب کسی چیز میں کچھ شبہ دیکھتے تو اس کو مکمل طور پر چھوڑ دیتے چاہے سارا بیت المال ہی کیوں نہ ہو۔

امیر المؤمنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے ہم حرام میں پڑنے کے خوف سے دس میں سے نو حصے چھوڑ دیتے تھے۔

پہلے بزرگوں کا طریقہ تھا کہ اگر ان میں سے کسی کا ایک دینار کسی جگہ رہ گیا پھر ان کو یاد آیا اور وہ وہاں واپس گئے اور اس کو دیکھا تو اسے لیتے نہیں تھے اور فرماتے تھے اس بات کا احتمال ہے کہ یہ کسی اور کا دینار گرا ہو اور میرا دینار کسی نے اٹھالیا ہو۔

حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو مال غنیمت میں کستوری تقسیم کرتے ہوئے اپنا ناک کو ڈھانپ دیتا ہے کہ اس میں کوئی حرج ہے۔ انہوں نے فرمایا میں اس بارے میں کچھ نہیں کہتا۔

حضرت قاسم بن محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا یہ پرہیز گاری کی طرح ہے لیکن میں لفظ کا ادب کرتے ہوئے اسے پرہیز گاری نہیں کہتا۔

حضرت ریاح بن قیس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا گیا آپ نے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا تقویٰ دیکھا ہے اس میں سے کچھ ہمیں بتایئے انہوں نے فرمایا ایک رات حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ہمیں کھانے کی دعوت دی اس دوران کہ ہم کھا رہے تھے انہوں نے فرمایا ٹھہر جاؤ اس چراغ میں تیل عام لوگوں کا ہے اس کے ذریعے ان کے دیوان (فائلیں) دیکھتا ہوں۔

حضرت طلحہ بن مصرف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب دیوار یا کانوں کا مکان (چھپر) بناتے تو دیوار کو اپنی طرف مائل کر کے بناتے تا کہ تعمیر میں جو گارا استعمال ہو رہا ہے وہ راستے کی طرف نہ گرے۔

حضرت یونس بن عبید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بزرگی کے پیش نظر جب بھی کسی ایسی چیز کو دیکھتے جو ان کو اچھی لگتی تو "سبحان اللہ" کہنے سے پرہیز کرتے۔ (کیونکہ ذکر الٰہی بلا سبب ہونا چاہئے)۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بچہ جب مال غنیمت میں سے سیب لیتا تو اس کے منہ سے سختی کے ساتھ نکال لیتے اور فرماتے میں اللہ کے خوف سے اس کو نکالتا ہوں گویا میں اس کو اپنے دل سے نکال رہا ہوں اور ہمیں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ اپنے ایک مقروض کے پاس قرض کی ادائیگی کا مطالبہ کرنے تشریف لے گئے اور اس شخص کے دروازے پر ایک درخت تھا آپ دھوپ میں کھڑے ہو کر مطالبہ کرنے لگے عرض کیا گیا آپ درخت کے سائے میں کھڑے نہیں ہوتے؟ فرمایا نہیں، کیونکہ اس درخت کے مالک پر میرا قرض ہے۔

اور حدیث شریف میں ہے:

"کل قرض جر نفعا فھو ربا"۔[48]

ترجمہ: جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب بازاروں میں پھیری والے سے کوئی چیز خریدتے تو اس کو راستے سے ہٹا کر خریدتے آپ چلنے والوں کے لئے رکاوٹ پیدا ہونے کا خوف محسوس کرتے۔

حضرت قاضی بکار بن قتیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی والدہ سے چادر ادھار لی اس میں روٹیاں رکھیں تو آپ کے ساتھیوں میں سے کسی ایک نے راستے میں ان سے گفتگو کرنا شروع کر دی تو آپ اس کے لئے نہ ٹھہرے اس نے کہا آپ مجھ سے گفتگو کیوں نہیں کرتے؟

انہوں نے فرمایا اے بھائی! میں نے یہ چادر روٹیوں کے لئے ادھار لی ہے اس لئے نہیں کہ میں کسی کے ساتھ راستے میں کھڑا ہو جاؤں اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم مجھ سے گفتگو کرو گے تو میں اپنی والدہ سے اس بات کی بھی اجازت لے لیتا۔

حضرت بکر بن عبد اللہ المزنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس ڈر سے اپنے گھر کا پرنالہ اپنے گھر کی طرف کرتے تھے سڑک کی طرف نہیں کرتے تھے کہ کسی کو تکلیف نہ ہو۔ ان کے ہاں بلی مر گئی تو انہوں نے اپنے گھر میں گڑھا کھود کر اس کو دفن کر دیا اور کوڑے کے ڈھیر پر نہ پھینکا کہ اس کی بو سے لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔

---

[48] (کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ جلد ۶ صفحہ ۲۳۹ مطبوعہ الموسسۃ الرسالہ بیروت)

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کوئی شبہ والی چیز لے کر مکہ مکرمہ کی طرف سفر نہ کرو حرام یاشبہ کا ایک دانق (درہم کا چھٹا حصہ) واپس کر دینا ایسے پانچ سو حج کرنے سے افضل ہے جن میں شبہ (کا مال) ہو۔

حضرت یزید بن دریج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے والد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فوت ہونے کے بعد ان کا مال چھوڑ دیا تھا اور فرمایا مجھے ان کی کمائی میں شک ہے کیونکہ وہ دلالوں کے ذریعے خرید وفروخت کرتے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے غلام کی کمائی سے نہیں کھاتے تھے جب وہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم پر درود شریف پڑھ کر کوئی چیز بیچتا آپ فرماتے تھے تم نے درود شریف کے ذریعے اپنے سامان کو قابل تعریف بنایا تاکہ لوگ اسے خریدیں۔ اس کام سے بچو، یا تم خریدار سے یہ کہو کہ یہ سستاہے یا عمدہ ہے بلکہ تم خاموشی کے ساتھ بیچو۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بازار میں داخل ہوئے تاکہ اپنے بچوں کے لئے روٹی خریدیں آپ نے دیکھا کہ روٹی بیچنے والا سبحان اللہ اور لا الہ الا اللہ کا ورد کر رہا ہے اور درود شریف پڑھ رہا ہے اور روٹی بھی بیچ رہا ہے تو حضرت فضیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس سے روٹی خریدنے سے انکار کر دیا اور صبح تک بھوکے رہے صبح ایک روٹی بیچنے والے کو دیکھا جو خاموشی سے بیچ رہا تھا(تو اس سے خریدی)۔

آپ سے کہا گیا اے ابو علی! یہ آسان معاملہ ہے فرمایا تمہارے اس آسان معاملے سے مجھے جہنم میں جانے کا خطرہ ہے۔

حضرت یونس بن عبید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ چادریں اور لباس بیچا کرتے تھے جس دن بادل ہوتے اس دن آپ نہ بیچتے اور نہ ہی بازاروں کی طرف جاتے اس سلسلے میں ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا بعض اوقات خریدار کو بادلوں کی وجہ سے وہ چیز اچھی نظر آتی ہے حالانکہ اس میں عیب ہوتا ہے۔

حضرت اصمعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص فقہاء سے مشتبہات میں رخصت چاہتا ہے تو اس کا علم جہنم کا ایندھن ہے۔

حضرت ابو علی النجورانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قمیض خریدی اور اس کو پہن لیا ایک شخص نے ان سے کہا میں نے اس کپڑے کو خریدا تھا اور اس میں ایک درہم شبہ کا تھا یہ سن کر حضرت ابو علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پانی میں داخل ہو گئے اور قمیض اتار کر فرمایا کون ہے جو مجھے ایک کپڑا بطور صدقہ دے حتیٰ کہ میں پانی سے نکل جاؤں تو لوگوں نے ان کی طرف کپڑا اچھینک دیا۔

تو اے بھائی! اس خلق کو دیکھ اور اپنے نفس کا جائزہ لے اور تقویٰ کے سلسلے میں اپنے بزرگوں کی اتباع کر اور نیکی کا دعویٰ چھوڑ دے جب تو نیکی نہیں کر رہا کیونکہ جو شخص پرہیز گار نہ ہو وہ پرہیز گار لوگوں کے نزدیک فاسقوں میں سے ہوتا ہے ان کے مقام سے اس کے لئے کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

سکون اور وقار اختیار کرنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ ان لوگوں میں ٹھہراؤ، سکون اور وقار ہوتا ہے اور وہ گفتگو بہت کم کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کی عقل کامل ہوتی ہے اور ان کو اپنے زمانے کے لوگوں کا تجربہ زیادہ ہوتا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے کلام میں سے یہ بات ہے کہ بندے کا قد بائیس سال کی عمر میں انتہاء کو پہنچ جاتا ہے اس کی عقل اٹھائیس سال کی عمر میں انتہاء کو پہنچتی ہے اس کے بعد آخر عمر تک تجربات ہوتے ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ جس شخص کی عقل میں کمی ہوگی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والا نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کو خراب کرنے والی چیز اصلاح کرنے والی چیز سے زیادہ ہے حدیث شریف میں ہے:

"کرم الرجل دینه ومروءته عقله وحسبه خلقه"۔[49]

ترجمہ: انسان کی عزت، اس کا دین، اس کی مردانگی، اس کی عقل اور اس کا نسب اس کے اخلاق ہیں۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے مرد تین قسم کے ہوتے ہیں۔

کامل مرد، آدھا مرد، اور نہ ہونے کے برابر مرد (لاشئ)۔

کامل مرد وہ ہے جس کے پاس عقل اور رائے ہو جس سے فائدہ حاصل کیا جا سکے۔

آدھا مرد وہ ہے جو عقلمند لوگوں سے مشورہ کرتا ہے اور پھر ان کی رائے پر عمل کرتا ہے۔

اور جو مرد نہ ہونے کے برابر ہے وہ ایسا مرد ہے جو عقل اور رائے سے خالی ہو اور کسی سے مشورہ بھی نہ کرے۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے سب سے چالاک جانور آواز سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ سب سے عقلمند عورت خاوند سے بے نیاز نہیں ہو سکتی اور سب سے زیادہ عقلمند مرد وہ ہے جو اصحاب رائے سے مشورہ لینے سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

---

[49] (مسند احمد 2/365۔ حاکم 1/123۔ بیہقی 10/1963 بحوالہ تنبیہ المغترین مطبوعہ دار البشائر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے جو شخص گفتگو کرنے سے پہلے غور و فکر کرے وہ سب سے زیادہ عقلمند ہے۔

حضرت مطرف بن عبد اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے انسان کی عقل اپنے زمانے کے حساب سے ہوتی ہے۔

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے پوچھا گیا کہ عقل کا ٹھکانہ کہاں ہے؟ فرمایا: دل میں پوچھا گیا رحمت کا ٹھکانہ کہاں ہے؟ فرمایا: جگر میں پوچھا گیا شفقت کا ٹھکانہ کہاں ہے؟ فرمایا: تلی میں پوچھا گیا نفس کا ٹھکانہ کہاں ہے؟ فرمایا: پھیپھڑے میں۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص عقل کا دعویٰ کرے اور آخرت کا قصد نہ کرے وہ جھوٹا ہے۔

حضرت محمد بن زیاد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے آدمی کی عقل پوری نہیں ہوتی حتیٰ کہ اپنے دوست سے بھی ڈرے۔

حضرت ہشام دستوائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص کسی بے عقل قوم کو دیکھنا چاہے وہ ہمیں دیکھ لے (تواضع کے طور پر فرمایا)۔

حضرت زیاد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے وہ شخص عقلمند نہیں جو کسی کام میں مبتلا ہونے کے بعد اس کے لئے تدبیر کرے عقلمند وہ ہے جو کسی کام سے پہلے اس کے لئے حیلہ و تدبیر اختیار کرے رائے کا خمیرہ ہو جانا اس کے خمیرہ نہ ہونے سے بہتر ہے۔(کیونکہ رائے کا خمیرہ اس کی روٹی سے بہتر ہے)

تو اے بھائی! اس بات کو جان لو اور اپنے پاکیزہ بزرگوں کی اتباع کرو آرام پاؤ گے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

زیادہ خاموش رہنا اور حکمت بھری گفتگو کرنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ زیادہ خاموش رہتے ہیں اور طالب کی آسانی کے لئے حکمت بھری گفتگو کرتے ہیں اس کی مثال حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کا ارشاد گرامی ہے:

"اعطیت جوامع الکلم واختصر لی الکلام اختصارا"۔[50]

ترجمہ: مجھے جامع کلمات دیئے گئے اور میرے کلام کو بہت مختصر کیا گیا۔

حضرت ابوالحسن ھوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے حکمت چار خصلتوں سے حرکت میں آتی ہے گناہوں سے ندامت، موت کے لئے تیاری، پیٹ کا خالی ہونا اور دنیا سے بے رغبتی اور لوگوں کی صحبت اختیار کرنا۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے حضرت محمد بن یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عبادت میں مشغول ہوئے تو ان کو حکمت کی وراثت ملی اور ہم علم لکھنے میں مصروف ہوئے تو ہمیں جھگڑے ملے (مناظرات وغیرہ مراد ہیں)۔

---

[50] (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۲۱۲ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

حضرت یحیٰی بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے حکمت آسمان سے اترتی ہے پس یہ اس دل پر نہیں اترتی جس میں چار خصلتیں ہوں:

(۱) دنیا کی طرف میلان

(۲) کل آنے والے دن کے لئے پریشان ہونا

(۳) اپنے (مسلمان) بھائی سے حسد کرنا

(۴) لوگوں پر شرف حاصل کرنے کی خواہش کرنا پس جس شخص میں ان میں سے کوئی خصلت پائی جائے اس کے دل میں حکمت داخل نہیں ہوتی۔

ان لوگوں کی حکمت بھری باتوں میں سے حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول بھی ہے فرماتے ہیں:

"لا تنظر الی من قال و انظر الی ما قال"۔

ترجمہ: اس بات کو نہ دیکھ کہ کس نے کہا یہ دیکھ کہ کیا کہا۔

اور حکمت حاصل کرو جہاں سے پاؤ کیونکہ یہ مومن کی گمشدہ میراث ہے جب اس کو پاؤ تو قید کر لو (یاد کر لو) پھر دوسری گمشدہ کے پیچھے پڑو (تلاش کرو)۔

ان اقوال حکمت میں سے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول بھی ہے جو شخص اپنی قدر سے کم پر راضی ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس کی انتہاء سے بھی اوپر لے جاتا ہے۔

حکمت اختیار کرو یہ انسان کو بادشاہوں کی مجالس میں بٹھاتی ہے۔

ان حکمت بھری باتوں میں سے حضرت اکثم بن صفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول بھی ہے کہ:

لوگوں سے دور دور رہناد شمنی پیدا کرتا ہے اور ان کے ساتھ گھل مل جانابری صحبت کو کھینچتا ہے پس دور رہنے والے اور بہت قریب ہونے والے کے درمیان میں رہو۔

حکمت بھرے اقوال میں سے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول ہے کہ بہت حسد کرنے والے اور بہت کینہ پرور دنیامیں بہت کم آرام پاتے ہیں۔

ایک شخص نے حضرت احنف بن قیس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا اے احنف! میں دیکھتا ہوں کہ آپ کی آنکھ میں کچھ خرابی ہے تو آپ کی قوم نے آپ کو اپنا سردار کیسے تسلیم کر لیا؟

انہوں نے فرمایا اس لئے کہ میں صرف با مقصد کاموں میں مشغول ہوتا ہوں جس طرح تو بے مقصد کاموں میں مشغول ہے۔

سوال: اگر کہا جائے بے مقصد کام کے سلسلے میں ضابطہ کیا ہے؟

جواب: اس کا ضابطہ یہ ہے کہ جو کام کسی دینی یا دنیوی مقصد کیلئے نہ ہو وہ لایعنی ہوتا ہے (بے مقصد ہوتا ہے، فضول ہوتا ہے)۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا بندے سے علم، حلم (بردباری) اور حکمت کب رخصت ہوتی ہے؟ فرمایا جب ان تینوں باتوں میں سے کسی ایک کے ذریعے دنیا طلب کرے۔

آپ یہ بھی فرماتے تھے جب دنیادار لوگ تمہاری مذمت کریں یا تمہاری تعریف کریں تو اسے خرافات میں شمار کر کیونکہ ان کی بصیرت کی آنکھیں بے نور ہو چکی ہیں۔

اور جان لو کہ آدمی کا مال کمانا جو دنیا سے بے رغبتی کی طرف لے جائے اس زہد سے بہتر ہے جو مال کمانے کی طرف لے جائے۔

اور آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ مریدین کی خلوت شیطانوں کا غم ہے اور لوگوں کو دکھانا ریا کاروں کی خوشی ہے۔

اور آپ یہ بھی فرماتے تھے جو شخص تیرے گناہوں کو تجھ سے چھپائے اور تجھے ذلیل ورسوا نہ کرے وہ تمام مخلوق سے زیادہ تمہارے قریب ہے کیونکہ تم اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک ہزار گناہ کرتے ہو تو وہ ان پر پردہ ڈالتا ہے اور اگر لوگ تمہارے ایک عیب پر مطلع ہوں تو وہ تمہیں بندوں کے درمیان رسوا کر دیں۔

ان ہی حکمت بھرا اقوال میں سے حضرت ابو محمد رزاماری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول بھی ہے کہ جب تم مال جمع کرو تو تم وکیل ہو اور جب تم خرچ کرو تو تم پہنچانے والے ہو۔ پس وکیل خیانت نہیں کرتا اور نمائندہ احسان نہیں جتاتا۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں وکیل کا خیانت نہ کرنا یہ ہے کہ وہ بخل کی وجہ سے کسی سے مال نہ روکے بلکہ اس طرح خرچ کرے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو حکم دیا اور کسی حکمت کے تحت منع کرے جس طرح اللہ تعالیٰ نے منع کیا اور قاصد کا احسان نہ کرنا یہ ہے کہ وہ دینے والے کا فضل سمجھے اور دینے میں اپنی فضیلت نہ سمجھے ہاں اللہ کا شکر ادا کرنے کے طریقے پر ہو۔ واللہ اعلم۔

ان اقوال حکمت میں سے حضرت ابو معاویہ اسود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول بھی ہے کہ جو شخص اللہ سے زیادہ بھلائی طلب کرتا ہے وہ رات کو سوتا ہے نہ دن کو قیلولہ کرتا ہے۔

ان کا یہ قول بھی ہے کہ جو شخص کمینے لوگوں سے فضیلت طلب کرتا ہے جب اس کی توہین کی جائے تو وہ صرف اپنے آپ کو ملامت کرے۔

اقوال حکمت میں سے ہمارے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول ہے اپنے نفس پر ظلم کرنے والوں میں سے سب سے بڑا ظالم وہ شخص ہے جو اس کے لئے تواضع کرے جو اس کی عزت نہیں کرتا اور اس کی محبت میں رغبت رکھے جو اس کو نفع نہیں پہنچاتا اور اس کی طرف سے تعریف قبول کرے جس کو وہ پہچانتا نہیں۔

ان ہی کا ایک حکمت بھرا قول یہ ہے کہ جو شخص تیرے لئے چغلی کھاتا ہے وہ تیری چغلی بھی کھا سکتا ہے اور جو (دوسروں کی بات) تم تک پہنچاتا ہے وہ تیری بات بھی پہنچا سکتا ہے اور جس شخص کو تو راضی کرے گا وہ تیرے بارے میں وہ بات (تعریفی کلمات) کہے گا جو تجھ میں نہیں اسی طرح جب تو اسے غصہ دلائے گا تو وہ تیرے بارے میں وہ (نقائص) بیان کرے گا جو تجھ میں نہیں ہیں۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ آدمی جب نکاح کر لیتا ہے تو وہ سمندر میں سوار ہو جاتا ہے اور اگر اس کے ہاں بچہ پیدا ہو جائے تو اس کی سواری ٹوٹ جاتی ہے (یعنی شادی کرنا ایسے ہے جیسے سمندری سفر کیونکہ اس میں خطرات ہوتے ہیں اور اولاد ہونا ایسے ہے جیسے کہ کشتی بھی ٹوٹ گئی اور مشکلات آگئیں)۔

اور ان کا یہ قول بھی ہے مردانگی والے لوگوں کے لئے دنیا میں آرام صحیح نہیں یہ لوگ ہر وقت تھکے رہتے ہیں (محنت کرتے ہیں)۔

آپ نے یہ بھی فرمایا جب تمہارا (مسلمان) بھائی کسی منصب پر فائز ہو جائے تو اس سے اس محبت کے دسویں حصے پر راضی ہو جا جو اس سے پہلے تجھ سے تھی۔

ابو امامہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا حکمت بھرا قول ہے جو شخص بلا سبب لوگوں کو اذیت پہنچائے اس ذلت پر صبر کرنا چاہیے۔

ان ہی کا قول ہے کہ جو شخص برے سلوک پر صبر کرتا ہے وہ احسان کے لئے جگہ بناتا ہے۔ نیز فرمایا جو شخص اپنی زندگی میں تجھ سے نیکی نہ کرے اس کی وفات پر تیری آنکھیں نہیں روئیں گی۔

ان کا یہ قول بھی ہے کہ جب چرواہا بھیڑیے کے عمل پر راضی ہو جائے تو کتا کسی اجنبی پر نہیں بھونکتا۔

ان کا ایک حکمت بھرا قول یہ ہے کہ خوب ناز و نعمت میں رہنا کسب معاش کر برباد کرتا ہے اور معزز لوگ ہمیشہ حاشیہ نشینوں کی جانب سے آزمائش میں مبتلا رہے۔

حکمت بھرے اقوال میں سے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی ہے کہ یا اللہ! مجھ پر دنیا کو وسیع کر دے اور اس میں مجھے زہد عطا فرما اور اس کی کمی کر کے مجھے رغبت نہ دینا۔

وہ فرماتے ہیں یا اللہ! مجھے آج اس میں مشغول کر دے جس کے بارے میں کل مجھ سے سوال کیا جائے گا۔

آپ ہی کا قول ہے کہ تواضع خسیس انسان کو بلندی عطا کرتی ہے اور تکبر نفیس آدمی کو ذلیل کرتا ہے اور جو شخص حکومت طلب کرتا ہے وہ اس کو تھکا دیتی ہے اور جو اس سے بھاگتا ہے وہ اس کے پیچھے آتی ہے۔

آپ فرماتے ہیں اولاد کی کثرت پر خوش نہ ہو یہ مال کے لئے کیڑا اور مردوں کے لئے شرمندگی کا باعث ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا حکمت بھرا قول ہے کہ جو شخص زیادہ جھڑکتا ہے اس کے دوست کم ہوتے ہیں اور جو کسی فاجر کو کچھ عطا کرتا ہے وہ گناہ پر اس کی مدد کرتا ہے جو کسی کمینے سے مانگتا ہے وہ اپنے آپ کو ذلیل کرتا ہے جو شخص کسی بے عمل سے عمل حاصل کرتا ہے اس کی

جہالت بڑھتی ہے جو کسی بیوقوف کو تعلیم دیتا ہے وہ کسی فائدہ کے بغیر اپنی زندگی کو ضائع کر رہا ہے اور جو ناشکرے آدمی کے ساتھ نیکی کرتا ہے وہ نعمت کو ضائع کرتا ہے۔

ان اقوال میں سے حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول بھی ہے کہ حرام کاموں سے روکنے میں رب کی رضا ہے اور مصیبتوں کے نزول کے وقت صبر کے حقائق ظاہر ہوتے ہیں، دیر تک غائب رہنے سے بھائیوں کی خیر خواہی حاصل ہوتی ہے، ادب کے ذریعے علم کی سمجھ حاصل ہوتی ہے، طمع کو چھوڑنے سے بھائی چارہ ثابت ہوتا ہے، اچھی نیت سے نیک لوگوں کی صحبت ہمیشہ حاصل رہتی ہے۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے جس شخص کی قید (ہتھکڑی) قرآن مجید ہو (یعنی جو قرآن مجید کی تلاوت و تدبر میں پھنستا ہے) اس کی رہائی موت ہے۔(یعنی مرتے دم تک قرآن مجید سے رابطہ رہے) جس کو عبات رنجیدہ کرے اسے کامیاب زندگی عطا کرتی ہے۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول بھی ہے کہ جو شخص بردباری اختیار کرتا ہے وہ اپنے ہم عصر لوگوں پر سرداری حاصل کرتا ہے اور جو اپنے غصہ کو بروئے کار لاتا ہے وہ اپنی ذلت کے سمندر میں غوطہ زن ہوتا ہے۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں باہم مل کر رہنے سے جو تنگی خاطر پیدا ہوتی ہے وہ جدائی کی صاف دلی سے بہتر ہے۔ جب قریبی شخص دشمن ہو تو وہ بعید ہوتا ہے اور جب دور والا محبت کرنے والا ہو تو وہ قریب ہوتا ہے۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا حکمت بھرا قول ہے کہ جو اچھی چیز کو اچھا نہیں سمجھتا وہ قبیح چیز کو قبیح نہیں سمجھتا اور آپ فرماتے ہیں اختلاف کی صورت میں الفت و محبت نہیں ہوتی۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں ہمیں جو تکلیف اور سزا ملی وہ نعمتوں کی وجہ سے نہیں ملی بلکہ ان پر شکر کم کرنے کی وجہ سے ملی، جس طرح ہمیں عمل کی قلت نہیں ملی ہمیں اس میں سچائی کم ملی جس طرح ہمیں گناہوں کی کثرت نہیں دی گئی ہمیں قلت حیا ملی، جس طرح ہمیں استغفار کی قلت نہیں دی گئی وفا کی قلت حاصل ہوئی، گناہوں کی طرف بلا سزا پائے ہم لوٹ گئے اور اگر فوراً سزا ملتی تو سارے گناہوں سے یک لخت رک جاتے۔

تو اے بھائی! اس بات کو جان لے اور اپنے اندر کو دنیا کی محبت اور اس کی خواہشات سے پاک کر دے اللہ تعالیٰ کا ذکر کر جب تیرا اندر روشن اور صاف ہو جائے گا اللہ تعالیٰ تیری زبان پر حکمت بھری باتیں جاری کر دے گا اور تو اپنے زمانے کا دانا ہو جائے گا لیکن دنیا کی محبت کے ساتھ یہ چیز تجھ سے دور رہے گی اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

کسی مسلمان سے حسد نہ کرنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ وہ کسی مسلمان سے حسد نہیں کرتے اور ہر مسلمان کو شرعی طریقے سے نصیحت کرتے ہیں اسی لئے وہ لوگوں کے سردار ہیں اگر وہ کسی سے حسد یا بغض رکھتے تو ان کو سیادت حاصل نہ ہوتی۔ اور بادشاہ ان کے قدموں کو بوسہ نہ دیتے اور اے بھائی! اگر تو بھی یہ چیز طلب کرتا ہے اور ایسا ہونا چاہتا ہے تو پورے اخلاص کے ساتھ ان کے طریقے پر چل ورنہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات جعل ساز آدمی کے کاموں پر لوگوں کو مطلع کر دیتا ہے پس اس کا کام اسے راحت نہیں پہنچاتا۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے اپنے شیخ سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے جو شخص خالص اللہ تعالیٰ کے لئے عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کو اس کی محبت

کے لئے خالص کر دیتا ہے لیکن جو شخص اپنے دین میں دھوکہ بازی کرے اللہ تعالیٰ اپنے بعض اولیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کو اس کے باطن پر مطلع کر دیتا ہے پس ان میں سے کسی کا دل اس کی محبت کے لئے خالص نہیں ہوتا۔

حدیث شریف میں ہے:

"ان الحسد یاکل الحسنات کماتاکل النار الحطب"۔[51]

ترجمہ: بے شک حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو جلا دیتی ہے اور جب بندے کی نیکیاں فنا ہو جاتی ہیں تو اس کی سیادت بھی چلی جاتی ہے۔

کیونکہ وہ یا تو برائیوں والا ہو جاتا ہے یا اس کا معاملہ موقوف ہو جاتا ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ سیادت و تعظیم اس شخص کے لئے ہے جو اچھے اعمال اور اچھے اخلاق میں لوگوں پر فوقیت رکھتا ہو۔

حضرت احنف بن قیس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کسی حاسد کو آرام اور کسی بد اخلاق کو سیادت نہیں مل سکتی۔

امیر المؤمنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے جس شخص کو بھی نعمتیں حاصل ہیں ان نعمتوں پر اس کے حاسد ہوتے ہیں۔

حضرت فرقد سنجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے حسد کو ترک کرنے کا علاج دنیا میں زہد اختیار کرنا ہے اور جس شخص کو دنیا سے رغبت ہو حسد اس کو لازم ہے چاہے یا نہ چاہے۔

---

[51] (الترغیب و الترھیب کتاب الادب جلد ۳ صفحہ ۵۴۷ مطبوعہ المصطفیٰ البابی حلبی مصر)

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے حسد سے فہم ختم ہو جاتا ہے جو شخص فہم میں عمدگی چاہتا ہے وہ کسی سے حسد نہیں کرتا اور میں بعض اوقات نئے کپڑے اس خوف سے نہیں پہنتا کہ میرے پڑوسی یا کسی دوسرے کے دل میں حسد انگڑائی لے گا۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے محسود (جس پر حسد کیا گیا) کے پاس جو نعمت ہے اس کی وجہ سے وہ اس شخص سے بہتر ہے جس کے پاس نعمت نہیں جس پر حسد کیا جائے پس اس کو اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے اور حاسدین کو معذور سمجھے۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے حسد سے بچو یہ پہلا گناہ ہے جس کے ذریعے آسمان میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی گئی (شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام پر حسد کیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر سجدہ نہ کیا ۱۲ ہزاروی) اور یہی پہلا گناہ ہے جس کے ذریعے زمین پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی گئی (غالباً ہابیل قابیل کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے)۔

حضرت میمون بن مہران رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر تم چاہتے ہو کہ اس شخص کے شر سے بچ جاؤ جو تم سے حسد کرتا ہے تو اپنے کاموں کو اس سے پوشیدہ رکھو۔

حضرت مسعر بن کدام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے اپنے مسلمان بھائیوں کی خیر خواہی کو ان پر شفقت کے پیش نظر ترجیح دی اور آج کل کسی کو نصیحت کرنا دشمنی کی طرح ہے اور میں نے جس کو نصیحت کی وہ میرا عیب تلاش کرنے لگا اور میری نصیحت پر عمل کرنا چھوڑ دیا۔

حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے کسی شخص سے اس کے دین یا دنیا کے حوالے سے حسد نہیں کیا اور یہ اللہ تعالیٰ کی مجھ پر بہت بڑی نعمت ہے۔

حضرت ابو ایوب السختیانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے (مسلمان) بھائیوں کو سب نصیحت کرنے والوں سے زیادہ نصیحت کرتے تھے کیونکہ ان کو ان لوگوں کے دین میں نقصان کا خوف تھا وہ فرماتے تھے میں ان لوگوں پر رحم کرتا ہوں جو نافرمان اور اپنے رب سے غافل ہیں اور جب مسلمانوں پر کوئی پریشانی یا مصیبت نازل ہوتی تو اس وجہ سے وہ بیمار ہو جاتے اور جس طرح بیماروں کی بیمار پرسی کی جاتی ہے ان کی عیادت بھی کی جاتی اور جب وہ غم دور ہو جاتا تو آپ اسی وقت ٹھیک ہو جاتے۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں جس شخص کے لئے یہ مقام صحیح ہو جائے اس کو کسی طبیب سے علاج کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ یہ ان کے بس کی بات نہیں۔ واللہ اعلم۔

عبد الملک بن مروان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک دن حجاج بن یوسف سے کہا اے حجاج! ہر شخص اپنے عیبوں کو جانتا ہے قریب نہیں کہ ان میں سے کوئی چیز اس پر پوشیدہ ہو اے حجاج! تو اپنے عیب مجھے بتا، حجاج نے کہا اے امیر المؤمنین! مجھے اس سے معاف رکھیں۔

عبد الملک نے کہا میں تمہیں قسم دیتا ہوں تجھے ضرور بتانا ہو گا حجاج نے کہا میرا عیب یہ ہے کہ میں سخت جھگڑالو، بہت زیادہ حاسد ار بہت زیادہ کینہ پرور ہوں۔ عبد الملک نے اس سے کہا اللہ تعالیٰ تجھے ہلاک کرے جو کچھ تم نے کہا اس سے زیادہ شر تو شیطان میں بھی نہیں۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں قراء (اور علماء) کی شہادت دوسرے لوگوں کے خلاف جائز قرار دیتا ہوں لیکن ان کی آپس میں شہادت کو جائز قرار نہیں دیتا کیونکہ یہ لوگ حسد کرنے والے ہیں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی اسی طرح فرماتے تھے۔

حضرت اوس بن خارجہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا تم لوگوں کا سردار کون ہے؟

انہوں نے فرمایا حاتم طائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پوچھا گیا ان کے مقابلے میں آپ کا مقام کیا ہے؟ فرمایا میں ان کا خادم بھی نہیں بن سکتا۔

حضرت حاتم طائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا تم لوگوں کی قیادت کس کے پاس ہے کہا حضرت اوس بن خارجہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس، پوچھا گیا ان کے مقابلے میں آپ کا کیا مقام ہے؟ کہا میں ان کا غلام بننے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتا۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے اس معاملے میں ہمارے فقہاء (علماء) کہاں ہیں؟

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک دن کسی قبیلہ کے ایک شخص سے پوچھا اے فلاں! تمہارا سردار کون ہے اس نے کہا اے امیر المؤمنین! میں ہوں۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا تم نے جھوٹ کہا اگر تم سردار ہوتے تو یہ بات نہ کہتے۔

حضرت ابن سماک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے حاسد کی علامات میں سے ایک علامت یہ ہے کہ وہ طمع کی وجہ سے تمہارے قریب ہو گا اور اس کی بری طبیعت اسے تجھ سے دور کر دے گی اور لوگوں میں سے سب سے بڑا حاسد قریبی لوگ اور پڑوسی ہوتے ہیں کیونکہ وہ اس نعمت کو دیکھتے ہیں جس کی وجہ سے حسد کرتے ہیں بخلاف دور والوں کے۔

اسی لئے امیر المؤمنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ قرابت دار لوگوں کو کہہ وہ ایک دوسرے کی ملاقات کریں لیکن پڑوسی نہ بنیں۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے فرمایا جان لو! اگر تم لوگوں کو نصیحت کرو حتیٰ کہ وہ دین میں تمہارے جیسے ہو جائیں تب بھی تم نے

نصیحت کا حق ادا نہیں کیا اور تم کس طرح ان کی نصیحت کا حق ادا کر سکتے ہو جب کہ وہ تمہارے حال تک نہیں پہنچے۔

حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر تمہارے اندر کوئی ایسی خصلت ہے جس سے تیرا دشمن ڈرتا ہے تو تیرے اندر بھلائی نہیں۔ تو کیسے ہو گی (بھلائی)؟ جب تمہارے اندر ایسی خصلت ہو جس سے تمہارا دوست خوف محسوس کرے اور جان لو! جو شخص دوسروں کی برائیوں کے پیچھے پڑتا ہے وہ اپنے نفس کو ہلاکت کے لئے پیش کرتا ہے اور جس سے لوگ محفوظ رہیں وہ بھی لوگوں سے محفوظ رہتا ہے اور جو لوگوں کی چغلی کھاتا ہے وہ دنیا اور دین میں محتاج ہو جاتا ہے اور شیطان کے خادموں میں سے ہو جاتا ہے۔

تو اے بھائی! اپنے نفس کا جائزہ لو اور دیکھو کیا تم اپنے مسلمان بھائیوں سے ان نعمتوں پر حسد کرنے سے محفوظ ہو جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کی ہیں اور کیا تم نے حکم خداوندی کے مطابق ان کو نصیحت کی ہے یا تم اس کے خلاف چل رہے ہو۔

اللہ تعالیٰ سے بخشش کا سوال کرو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

زیادہ بھوکا رہنا اور سیر ہو کر نہ کھانا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ زیادہ بھوکے رہتے ہیں اور سیر ہو کر نہیں کھاتے تاکہ وہ زیادہ خاموش رہیں اور زیادہ کلام اور فضول باتوں سے محفوظ رہیں جس طرح باعمل علماء کی شان ہے کیونکہ جو شخص سیر ہو کر کھاتا ہے وہ لازماً بے مقصد گفتگو زیادہ کرتا ہے۔

حضرت محمد راہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص اپنے پیٹ میں ضرورت سے زیادہ کھانا داخل کرتا ہے وہ اپنی زبان سے فضول کلام نکالتا ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے لوگوں کا تیر پھینکنا زبان کے ذریعے اذیت پہنچانے سے زیادہ آسان ہے کیونکہ زبان خطا نہیں کرتی اور اگر وہ (تیر) تجھ سے نکل جائے تو وہ تیرا مالک ہو جاتا ہے تو اس کا مالک نہیں ہوتا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم آپ میرے لئے کس چیز کا زیادہ خوف محسوس فرماتے ہیں آپ نے اپنی مبارک زبان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اس کا (یعنی زبان کا خطرہ زیادہ ہے)۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص غور و فکر کرتا ہے وہ تمام اہل مجلس سے زیادہ شرف والا ہوتا ہے اور سب سے زیادہ ہیبت اس کی ہوتی ہے جو زیادہ خاموش رہتا ہے کیونکہ خاموشی عالم کے لئے زینت اور جاہل کے لئے پردہ ہے۔

حضرت وہب بن ورد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے عافیت کے دس اجزاء ہیں ان میں سے نو خاموشی اور ایک لوگوں سے دور رہنے میں ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ منصور بن معتمر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے چالیس سال تک نماز عشاء کے بعد کوئی لغو کلام نہیں کیا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے انسان پر تعجب ہے اس کے دو فرشتے اس کے دانتوں پر ہیں، اس کی زبان ان کا قلم ہے، اس کا تھوک ان کی سیاہی ہے اور یہ اس کے درمیان بے مقصد گفتگو کرتا ہے۔

حضرت ربیع بن خیثم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے وصال سے پہلے بیس سال تک دنیاداری سے متعلق گفتگو نہیں کی۔

حضرت حسان بن سنان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے منہ سے ایک لغو بات نکل گئی تو انہوں نے اپنے نفس کو ایک سال روزے رکھنے کی سزا دی۔

حضرت حماد بن سلمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب کوئی بے مقصد بات کر لیتے تو اس کے بعد پڑھتے: "سبحان اللہ و الحمد للہ و لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر" پھر فرماتے ہمارے بزرگ کسی مجلس میں دنیوی کلام کو ناپسند کرتے تھے جب تک اس میں بھلائی کا کلمہ شامل نہ ہو۔

حضرت مورق عجلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیس سال تک خاموش رہنا سیکھتے رہے (تجربہ کرتے رہے) حتیٰ کہ یہ بات پوری ہو گئی۔

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے بندہ بے مقصد گفتگو کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے ذلت کا سامان ہوتا ہے۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے آدمی کا بے مقصد گفتگو کرنا دل کو سخت اور بدن کو کمزور کر دیتا ہے نیز اس پر اسباب رزق تنگ ہو جاتے ہیں۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے زبان کے ذریعے سر کی حفاظت کی جاتی ہے۔ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بہت کم گفتگو کرتے تھے اور اپنے ساتھیوں سے فرماتے تھے دیکھو تم اپنے نامہء اعمال میں کیا لکھواتے ہو یہ تمہارے رب کے سامنے پڑھا جائے گا تو اس شخص پر افسوس ہے جو بری باتیں کرے اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کو ایسا کلام لکھوائے

جس میں قبیح باتیں ہوں تو یہ اس کے حیا کی کمی کی وجہ سے ہے۔ تو اپنے رب کے ساتھ ایسا معاملہ کتنا برا ہو گا (یعنی جب نامہ اعمال میں ایسی باتیں ہوں)۔

حضرت ربیع بن خیثم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صبح کے وقت کاغذ اور قلم رکھ لیتے اور اس دن جو گفتگو کرتے اور اس میں کوئی فضول بات ہوتی تو غروب آفتاب کے وقت اس پر اپنے نفس کا محاسبہ کرتے تھے اور فرماتے تھے ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے منہ میں پتھر رکھتے تھے آپ نے کئی سال تک عمل کیا حتیٰ کہ گفتگو کم کرنے کی عادت ہو گئی آپ کھانے اور نماز کے وقت پتھر نکالتے تھے اور یہ سارا عمل اس ڈر سے کرتے تھے کہ بے مقصد گفتگو نہ ہو جائے پھر جب ان کے وصال کا وقت ہوا تو اپنی زبان کو نکال کر فرمایا یہ زبان مجھے ہلاکت کے مقامات پر لے جاتی تھی۔ (تقویٰ کی بنیاد پر ایسا فرماتے تھے)۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب کسی شخص کو زیادہ گفتگو کرتے ہوئے دیکھتے تو اس سے فرماتے اپنا کچھ کلام روک لو۔

حضرت یونس بن عبید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے لغو کلام کو چھوڑنا نفس پر ایک مہینے کے روزوں سے زیادہ سخت ہوتا ہے کیونکہ بعض اوقات آدمی سخت گرمی کے دن روزہ برداشت کر لیتا ہے لیکن فضول بات کو چھوڑنا برداشت نہیں کرتا۔

تو اے بھائی! اس بات کو جان لو اور اپنے نفس کا جائزہ لو کیا تم نے اس بات پر مکمل عمل کیا یا کوتاہی کی ہے اور دن اور رات کی گھڑیوں میں زیادہ استغفار کرو۔ اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

مجالس میں غیبت نہ کرنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک خلق یہ ہے کہ وہ لوگوں کی مجالس میں غیبت کا دروازہ بند رکھتے ہیں تاکہ ان کی مجلس، گناہ کی مجلس نہ بن جائے اور شاید جو کچھ انہوں نے حدیث وغیرہ پڑھی یا کوئی گفتگو کی یا وظیفہ وغیرہ کیا وہ غیبت کے قائم مقام نہ ہو جائے اور قیامت کے دن اس کی سزا ملے۔

میرے (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) بھائی افضل الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نیک اعمال زیادہ کرتا ہوں تاکہ قیامت کے دن میرے پاس اعمال میں سے کچھ نہ کچھ ہو، جو میرے مخالفین کو دیا جائے جن کا میرے ذمہ مال یا عزت وغیرہ کا کچھ تقاضا ہو۔

ایک مرتبہ میں نے اپنے شیخ سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے عرض کیا اے میرے آقا! کیا آپ اپنے مریدین سے یہ وعدہ نہیں لیتے کہ وہ آپ کی مجلس میں کسی کی غیبت نہ کریں۔ انہوں نے فرمایا اس بات پر وعدہ لینا اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کی بے ادبی ہے کیونکہ مرید سے جو اعمال واقوال صادر ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے۔ تو میں کسی شخص سے اس بات پر عہد کیسے لوں جو اس کے اختیار میں نہیں بلکہ اس کی مرضی کے خلاف اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے۔

میں نے کہا اے میرے آقا! رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے سننے، ماننے اور ان کاموں کو چھوڑنے پر صحابہ کرام سے بیعت لی جو وہ کرتے تھے۔ انہوں نے فرمایا نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم یہ کام اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی وحی کی وجہ سے کرتے تھے جب کہ ہمارا معاملہ اس کے خلاف ہے۔

تو اے شیخ! تجھ پر لازم ہے کہ اپنے مریدین کو غیبت اور چغلی وغیرہ سے ڈانٹ ڈپٹ کر اس سے خاموشی اختیار کرتے ہوئے چشم پوشی سے کام نہ لے ورنہ تو اس گناہ میں ان کے ساتھ شریک ہو گا اور تمام کے تمام فاسق ہو جائیں گے۔

حدیث شریف میں ہے رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

میں نے معراج کی رات جہنم کی طرف دیکھا تو وہاں ایک جماعت مردار کھا رہی تھی میں نے پوچھا اے جبرئیل! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے ہیں۔ (صحیح بخاری)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کے زمانے میں بدبودار ہوا چلی تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم اس ہوا کی بو کتنی سخت ہے؟ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کچھ منافقین نے کچھ مسلمانوں کی غیبت کی ہے اس لئے یہ خراب ہوا چلی ہے۔

حضرت ابو قلابہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے تھے غیبت دل کو ہدایت اور بھلائی سے محروم کر دیتی ہے۔

حضرت ابو عوف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے تھے ایک دن میں حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے پاس گیا تو میں نے ان کے پاس حجاج بن یوسف کے بارے میں کچھ کہا انہوں نے مجھ سے فرمایا:

اے ابو عوف! بے شک اللہ تعالٰی ہی عدل کے ساتھ فیصلہ کرنے والا ہے تو جس طرح تم حجاج سے بدلہ لیتے ہو اسی طرح حجاج کے لئے بھی بدلہ لیا جائے گا اور جب تو اپنے رب سے ملاقات کرے

گا تو تونے جو چھوٹا سا عمل بھی کیا ہو گا وہ تجھ پر زیادہ سخت ہو گا اور حجاج کے سب سے بڑے عمل سے بھی بڑا ہو گا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو جب یہ خبر پہنچی کہ کسی شخص نے ان کی غیبت کی ہے تو آپ اس کی طرف ہدیہ بھیجتے اور قاصد کے ہاتھ پیغام بھیجتے کہ اے بھائی! مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تو نے میری طرف اپنی نیکیوں کا تحفہ بھیجا ہے اور یقیناوہ میرے اس تحفے سے زیادہ بڑا ہے۔

سیدی حضرت عبد العزیز درینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو جب یہ بات پہنچتی کہ کسی شخص نے ان کی غیبت کی ہے تو اس کے پاس اس کے گھر تشریف لے جاتے اور فرماتے اے بھائی! تجھے کیا ہوا کہ تو نے عبد العزیز کے گناہ اٹھا لئے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اس آدمی کا مقابلہ کرنے سے بچو جو گالی گلوچ یا کسی اور وجہ سے تم پر ظلم کرتا ہے کیونکہ اس نے تم پر ایک بار ظلم کیا اور تم جب بھی اس کا ذکر کروگے اس پر لعنت بھیجوگے اور اس کو گالی دوگے حتیٰ کہ تم اس کے ذریعے اپنا حق پورا کروگے اور اس کے بعد اس کا حق تم پر ہو جائے گا۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اس زمانے میں قراء (علماء) غیبت کا پھل کھاتے ہیں اور ایک دوسرے میں نقص نکالتے ہیں انہیں یہ ڈر ہوتا ہے کہ ان کے ہم عصر لوگوں کی شان بڑھ نہ جائے اور ان کی بجائے وہ (دوسرے) علم، زہد اور پرہیز گاری میں مشہور نہ ہو جائیں اور بعض حضرات غیبت کو کھانے کا سالن بناتے ہیں ان کا گناہ دوسروں کے مقابلے میں ہلکا ہے۔ (سالن بنانے کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ غیبت تو نہیں کرتے لیکن کبھی کبھی کر لیا کرتے ہیں چکھنے کے طور پر)۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ غیبت کرنے والوں کو سب سے زیادہ ڈانٹتے تھے ایک دفعہ ایک شخص نے آپ کو کھانے کی دعوت دی جب آپ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ وہ کسی شخص کا برائی کے ساتھ ذکر کر رہا ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس سے فرمایا ہمارے زمانے میں لوگ روٹی، گوشت سے پہلے کھاتے تھے اور تم روٹی سے پہلے گوشت کھاتے ہو پھر تشریف لے گئے اور اس کا کھانا نہ کھایا۔

حضرت وہیب بن ورد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ کی قسم! میرے نزدیک غیبت کو ترک کرنا سونے کا پہاڑ صدقہ کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اپنے بھائی سے جب غائب ہو تو اس کا ذکر اسی طرح کرو جس طرح تم اس سے غائب ہونے کی صورت میں اپنا ذکر پسند کرتے ہو۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کسی آدمی کے گناہ گار ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ وہ نیک نہ ہو اور پھر مجالس میں بیٹھ کر نیک لوگوں کی عزت کے در پے ہو۔

حضرت زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے غیبت کی حد کیک بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا جو بات تم (مسلمان) بھائی کے سامنے کہنا ناپسند کرتے ہو وہ غیبت ہے۔

حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک رات اپنا وظیفہ پڑھے بغیر سو گئے تو ان کی بیوی نے ان پر ناراضگی کا اظہار کیا انہوں نے فرمایا گھر میں آج رات وظیفہ پڑھے بغیر سو گیا تو مجھ پر ناراض نہ ہو۔ کیونکہ بلخ کے اکثر علماء اور زاہدین میرے (ثواب کے) لئے نماز پڑھتے ہیں روزہ رکھتے ہیں اور دیگر نیکی کے کام کرتے ہیں۔

ان کی بیوی نے پوچھا وہ کیسے؟ فرمایا ان میں سے ایک رات بھر نماز پڑھتا ہے اور صبح ہوتی ہے تو وہ دن بھر روزہ رکھتا ہے پھر شفیق کی عزت کے درپے ہوتا ہے اور اس کا گوشت کھاتا ہے پس ان کی تمام نیکیاں شفیق کے پلڑے میں ہوتی ہیں (اپنے بارے میں فرمایا)۔

حضرت ابو امامہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے بندے کو قیامت کے دن اس کا نامہء اعمال دیا جائے گا تو وہ اس میں ایسی نیکیاں دیکھے گا جو اس نے نہیں کیں وہ کہے گا اے میرے رب! یہ میرے لئے کہاں سے آگئیں؟ تو اس سے کہا جائے گا یہ وہ نیکیاں ہیں جو لوگوں نے تمہاری غیبت کی اور تمہیں اس کا پتہ نہیں چلا۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر میں کسی کی غیبت کروں تو اپنے والدین کی غیبت کروں کیونکہ دوسروں کی نسبت وہ میری نیکیوں کے زیادہ مستحق ہیں۔

حضرت محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص اپنے (مسلمان) بھائی کی عزت کے درپے ہوتا ہے تو گویا اس نے اپنی نیکیوں کے لئے اس کو اپنے آپ سے مقدم کیا اور اپنے مقابلے میں اس سے زیادہ محبت کی۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں اس (محسود) کے لئے اس پر (حاسد پر) غضبناک ہونا مناسب نہیں بلکہ اس سے محبت کرے کہ اس کی وجہ سے اس کو ثواب حاصل ہو رہا ہے اگرچہ اس نے اس بات کا قصد نہیں کیا اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص اس آدمی پر غضب ناک ہو جس کی نیکیاں اس تک پہنچ رہی ہیں وہ بیوقوف ہے البتہ کسی شرعی وجہ سے غضبناک ہونا صحیح ہے۔

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے بندہ بے شمار نیکیاں کرتا ہے جب ان کو اپنے نامہ اعمال میں نہیں دیکھے گا تو کہے گا اے میرے رب! میری نیکیاں کہاں چلی گئیں؟ اس سے

کہا جائے گا تو لوگوں کی غیبت کرتا تھا تو اس وجہ سے وہ (ان کے حق میں) چلی گئیں اور وہ بھی نہیں جانتے۔

حضرت منصور بن معتمر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر بادشاہ ظلم کرے تو اس پر ناراض ہونے کی بجائے اس کے لئے زیادہ بخشش طلب کرو کیونکہ اس نے تم پر جو ظلم کیا وہ تمہارے گناہوں کی وجہ سے کیا۔

حضرت زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا جو شخص حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کرتا ہے اس کی برائی بیان کر سکتے ہیں فرمایاہاں۔

حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے حرام غیبت میں سے یہ بات بھی ہے کہ جس کو اکثر لوگ نہیں جانتے کہ فلاں شخص، فلاں سے زیادہ علم والا ہے کیونکہ جس پر فضیلت دی گئی ہے وہ اس سے پریشان ہوتا ہے اور غیبت کی تعریف معلوم ہے کہ اپنے بھائی کا اس طرح ذکر کرنا جسے وہ ناپسند کرتا ہو۔

اور کہا گیا ہے کہ دو یہودی طبیب ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس آئے جب وہ دونوں چلے گئے تو آپ نے فرمایا اگر مجھے غیبت کا خوف نہ ہوتا تو میں کہتا کہ ان میں سے ایک، دوسرے کیک مقابلے میں زیادہ اچھا طبیب ہے۔

میرے بھائی حضرت شیخ افضل الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے جب کسی عالم دین کے مقام کے بارے میں پوچھا جاتا تو فرماتے میرے علاوہ کسی سے پوچھو میں لوگوں کو کمال اور بہتری کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور میرے پاس کشف نہیں جس کے ذریعے مین ان کے ان مقامات کو معلوم کر سکوں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہیں۔

اور حدیث شریف میں ہے:

"الظن اکذب الحدیث"۔[52]

ترجمہ: بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب کسی قوم کے پاس سے گزرتے جو کسی کی غیبت کر رہے ہوتے تو فرماتے اٹھو اور وضو کرو کیونکہ تم نے جو گفتگو کی ہے اس میں سے بعض بے وضو ہونے سے بھی زیادہ سخت ہے۔

حضرت ابو تراب نخشبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے غیبت (علماء اور) قراء کا پھل ہے جب کہ اولیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے لئے کوڑے کرکٹ کا ڈھیر ہے۔

حضرت میمون بن یسار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ایک مرتبہ میری مجلس میں ایک شخص کی غیبت کی گئی اور میں خاموش تھا اسی رات خواب میں ایک بدبودار مردار میرے سامنے پیش کیا گیا اور مجھ سے کہا گیا اس کو کھاؤ میں نے کہا معاذ اللہ! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کہا گیا یہ اس کا بدلہ ہے جو آپ کے سامنے غیبت کی گئی اور آپ خاموش رہے۔

حضرت خالد رابعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے لوگوں نے ایک دن مسجد میں ایک شخص کے خلاف گفتگو کی تو میں نے اس پر ان کی مدد کی۔ جب میں اس رات سویا تو خنزیر کے گوشت کا ایک ٹکڑا میرے سامنے پیش کیا گیا اور کہا گیا کھاؤ میں نے کہا اس کے کھانے سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں انہوں نے زبردستی میرے منہ میں ڈال دیا میں بیدار ہوا تو میں نے اپنے منہ میں اس کا ذائقہ محسوس کیا اور چالیس دن تک اس کی بو میرے منہ میں رہی اور لوگ اسے سونگھتے رہے۔

---

[52] (صحیح البخاری کتاب الوصایا لجلد ۱ صفحہ ۳۱۴ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص لوگوں کی غیبت کرتا ہے اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جو اپنی نیکیوں کے لئے منجنیق نصب کرتا ہے اور ان نیکیوں کو مشرق ومغرب ہر طرف پھینکتا ہے۔

حضرت عطاء خراسانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص تمہاری غیبت کرے اس سے پریشان نہ ہو وہ غیر شعوری طور پر تم سے نیکی کر رہا ہے اور ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ جس کی ایک بار غیبت کی جائے اس کے نصف گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ کے ہاں بندے کا نیک ہونا اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک وہ لوگوں کے منہ میں چبانے کا گوند نہ بن جائے۔(یعنی لوگ اس کے بارے میں بہت برا بھلا کہیں)

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے خواہشات اور بدعات اختیار کرنے والوں کا ذکر بھی برائی کے ساتھ نہ کرو البتہ اس آدمی کے سامنے ٹھیک ہے جو ان تک یہ بات پہنچائے اور ان کو جھڑک ہو ورنہ اس شخص کے پاس ان کے ذکر کا کوئی فائدہ نہیں جو ان تک تمہاری بات نہیں پہنچاتا۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں بعض اوقات یہ بات کہنے والے کا مقصد حاضرین کے سامنے ان کی صفات کی خرابی ظاہر کرنا ہوتا ہے اور بلاشبہ یہ بات مفید ہے(یعنی ان کی بدعات اور خواہشات کا ذکر نام سے نہ کرے)

حدیث شریف میں ہے:

”لا غیبة فی فاسق“۔[53]

ترجمہ: فاسق کے بارے میں غیبت نہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کے بارے میں فرماتے تھے کہ فاسق لوگوں کی غیبت نہ کرو اور ان کی غیبت سے بچو۔

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب کسی مجلس میں تین باتیں ہوں تو اس مجلس والوں سے رحمت پھر جاتی ہے۔ وہ تین باتیں یہ ہیں: دنیا کا ذکر، زیادہ ہنسنا اور لوگوں کی عزت کے درپے ہونا۔

اور ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ جھوٹ بولنے والا (قیامت کے دن) جہنم میں کتے کی شکل میں بدل جائے گا۔ حاسد جہنم میں خنزیر کے روپ میں اور غیبت کرنے والا جہنم میں بندر کی شکل میں بدل جائے گا اسی طرح چغل خور بھی۔

حضرت ابو عبد اللہ انطاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے حرام غیبت سے یہ بات بھی ہے کہ تو اپنے بھائی کے عیب کو دل میں جمالے اور اس خوف سے اس کو نہ بتائے کہ وہ تیرا دشمن ہو جائے گا اور وہ فرماتے تھے جو شخص صراحتًا کسی کی غیبت کی جرأت کرتا ہے تو یہ بات اسے اس بات کی طرف لے جاتی ہے کہ وہ لوگوں کے بارے میں جھوٹ اور بہتان باندھے۔

تو اے بھائی! ان امور کو اپنے سامنے رکھ اور دیکھ کیا تو ان میں پڑنے سے محفوظ ہے اگر ایسا ہے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر اور اگر تو ان میں ملوث ہے تو اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کر۔

---

[53] (کشف الخفاء حدیث ۳۰۸۰ جلد ۲ صفحہ ۳۳۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اور اے بھائی نیک اعمال زیادہ کر تا کہ قیامت کے دن ان میں سے حقوق والوں کے حقوق ادا کر سکے اور چونکہ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ سے پردے میں ہیں تجھے صالحین میں شمار کرتے ہیں لہٰذا اس نسبت سے تو اپنے آپ کو نافرمانوں میں شمار کر نیک لوگوں میں سے شمار نہ کر۔

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے فرمایا وہ شخص سب سے بڑا جاہل ہے جو لوگوں کے گمان کی وجہ سے اس یقین کو ترک کر دے جو اسے حاصل ہے اور کونے میں بیٹھنے والے شیخ کے لئے یہ بات نہایت بری ہے کہ مثلاً وہ غیبت اور چغلی کی مجالس میں سے کسی مجلس میں بیٹھے یا کسی کو اس پر برقرار رکھے وہ فاسق ہو جائے گا اور اس بات کو اس زمانے میں لوگوں نے آسان سمجھ رکھا ہے حالانکہ یہ حشیش (بھنگ) بیچنے سے بھی زیادہ برا عمل ہے اس کے باوجود کوئی شخص اسے مکمل طور پر قبیح قرار دینے کے لئے تیار نہیں۔

لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

تو اے بھائی! اس بات کو جان لے اور اس (بری) صفت سے اجتناب کر اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

وضو اور نماز میں وسوسوں سے بچنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ وضو اور نماز میں وسوسوں سے بچتے ہیں اور اس میں قرأت نیز دیگر عبادات میں بھی وسوسوں سے اجتناب کرتے ہیں حالانکہ یہ لوگ انتہائی درجہ کے پرہیز گار ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اصل میں وسوسہ کا حصول دل کی تاریکی سے ہوتا ہے اور دل کی تاریکی اعمال کی تاریکی کی وجہ سے ہوتی ہے اور اعمال کی تاریکی کا باعث حرام

اور شبہ والی چیزیں کھانا ہے۔ پس جو شخص حلال کھانے پر مضبوط ہو جائے ابلیس کے لئے اس کے خلاف کوئی راستہ نہیں۔

اور ایک قوم نے ایسے ظالم لوگوں کو جو ٹیکس لینے والے، قاضیوں وغیرہ اور تاجر جو ان پر سودا بیچتے ہیں، ان لوگوں کے کھانے سے کھایا اور اپنی عبادت کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضور اور خشوع بھی طلب کیا اور جو عمل کیا اور جو ترک کر دیا ان کی معرفت حاصل کرنا چاہی تو یہ بات ان کے لئے صحیح نہ ہو سکی ان لوگوں نے جب نماز کے لئے نیت کی تو ان کو تھکاوٹ اور ہوا میں کودنے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا گویا وہ ایسی چیز کا شکار کر رہے ہیں جو ان کے ہاتھ سے نکل گئی۔

تم دیکھو گے جب وہ تکبیر کہتا ہے تو کہتا ہے: اک، اک، اک بار بار، بار، اور جب تشہد پڑھنا چاہتا ہے تو کہتا ہے ات، ات، ت، حیات (یعنی اللہ اکبر، بسم اللہ الرحمن الرحیم اور التحیات وغیرہ صحیح پڑھ نہیں سکتا) اور جب سلام پھیرتا ہے تو کہتا ہے اس، اس، اس وغیرہ جس طرح ان لوگوں کے احوال کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔

بعض علماء نے اس صورت میں نماز کے باطل ہونے کا فتویٰ دیا ہے اور فرمایا کہ یہ قرآن یا ذکر نہیں یہ انسانوں کے کلام میں سے اجنبی کلام ہے اور اس شخص نے بھول کر نہیں قصداً کیا ہے۔

ہمارے شیخ سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ان وسوسہ والوں کو مبتدعہ (بدعتی) کہنا زیادہ مناسب ہے فقہاء نہیں کہنا چاہئے کیونکہ یہ لوگ بعض اوقات صحابہ کرام، تابعین عظام اور آئمہ مجتہدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی عبادت کے باطل ہونے کا وہم کرتے ہیں اور اگر تم ان میں سے کسی ایک سے کہو کہ اس طرح وضو کرو جس طرح رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ

وَسَلَّم یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وضو کیا تو بعض اوقات وہ اس پر راضی نہیں ہوتا اور اس کے صحیح ہونے کا عقیدہ نہیں رکھتا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ یہ واضح گمراہی ہے اور میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے اپنی کتاب "السنن الکبری" کے پندرہویں باب میں اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے اگر ارادہ ہو تو وہاں دیکھیں اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

اسرار کو عام نہ کرنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ اسرار کو چھپاتے ہیں اور جو کچھ کسی کے حق میں سنتے ہیں اس تک نہیں پہنچاتے اور ان حضرات نے فرمایا کہ آزاد لوگوں کے دل اسرار کا قبرستان ہیں اگر اللہ والے رازوں کو نہیں چھپائیں گے تو کون باقی رہے گا جو ان کو پوشیدہ رکھے گا۔

اس زمانے میں یہ خلق ناپید ہو گیا ہے آج کل عام طور پر جب کوئی شیخ کوئی بات سنتا ہے تو اسے اپنے پاس آنے والے اکثر لوگوں سے ذکر کر دیتا ہے اور بعض اوقات اس وجہ سے گھر تباہ و برباد ہو جاتے ہیں اور تم دیکھو گے وہ کہتا ہے مجھے یہ بات اولیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں سے ایک شخص نے بتائی ہے جس کے حق میں تہمت لگانا، درست نہیں اس شخص کو اولیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم میں سے ایک ولی کا نام دیتے ہیں حالانکہ یہ شخص چغل خوری اور لوگوں کے درمیان فساد پھیلانے کے وجہ سے فاسق لوگوں میں شمار ہوتا ہے اگر وہ اس کا قصد نہ کرے۔

حدیث شریف میں ہے:

"لایدخل الجنۃ قتات"۔[54]

ترجمہ: چغل خور آدمی جنت میں (پہلے مرحلے میں) نہیں جائے گا۔

قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے:

"وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ"(پ ۳۰:اللھب ۳)

ترجمہ: اور اس (ابولہب) کی بیوی نے لکڑیوں کا گٹھا اٹھار کھا تھا۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے یہ عورت لوگوں کے درمیان چغل خوری کرتی تھی۔

حضرت اکثم بن صفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے چغل خور کی علامت یہ ہے کہ وہ لوگوں میں ذلیل ورسوا ہوتا ہے اسے کبھی بھی معزز نہیں دیکھو گے۔

حضرت یحییٰ بن ابی کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے چغل خور، جادوگر سے بدتر ہے اور اس کا کسی کو پتہ نہیں چلتا وہ ایک گھڑی میں وہ کچھ کر جاتا ہے جو جادوگر ایک مہینے میں نہیں کر پاتا کیونکہ چغل خوری کی وجہ سے خون بہہ جاتا ہے، مال چھین لیا جاتا ہے اور بڑے بڑے فتنے بپا ہوتے ہیں لوگ اپنے وطنوں سے نکالے جاتے ہیں اور اس کے علاوہ دیگر کئی مفاسد ہیں۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے لوگوں کے درمیان فساد کی کوشش وہی کرتا ہے جو زنا سے پیدا ہوا کیونکہ وہ (چغلی کے ذریعے) اپنے آپ کو ہلاک کرتا ہے اپنے بھائی کو ہلاک کرتا ہے اور جس تک کلام پہنچاتا ہے اس کو ہلاک کرتا ہے۔

---

54 (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ صفحہ ۳۸۲ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو کسی کی بات تجھ تک پہنچائے گا تیری بات بھی پہنچائے گا جو تیری تعریف ان اوصاف سے کرے گا جو تجھ میں نہیں تو اس سے بے خوف نہ ہو وہ ان باتوں کے ساتھ تیری برائی بھی بیان کرے گا جو باتیں تجھ میں نہیں ہیں۔

حضرت ابن سماک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اس آدمی سے بچو جو سنی ہوئی بات کو بیان کرتے ہوئے اکثر باتوں کو چھپاتا ہے کیونکہ جو شخص بات کو چھپاتا ہے لوگ اس کی بات کی اکثر تصدیق کرتے ہیں کیونکہ وہ اسے جھوٹ سے دور سمجھتے ہیں بعض اوقات ایک شخص ایسی بات کرتا ہے جس کا اس کو امین بنایا گیا پس وہ اس کو بیان کرکے گھروں کو برباد کر دیتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے سنی ہوئی بات کو چھپانے پر وہی قادر ہوتا ہے جس کا نسب صحیح ہو اور زانی، زانیہ کا بیٹا چھپانے پر قادر نہیں ہوتا۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کچھ بھائیوں نے ایک زمانے تک ان کی ملاقات کو ترک کیا پھر ملنے کے لئے آئے اور ان کے پاس کچھ لوگوں کے بارے میں باتیں کرنے لگے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا اللہ کی قسم! تمہارا میرے پاس نہ آنا غنیمت تھا تم نے میرے بھائی سے مجھے متنفر کیا اور میرے دل کو مشغول کر دیا کاش تم آج کے دن میرے پاس نہ آئے ہوتے۔

حضرت منصور بن زاذان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ کی قسم! میرے پاس جو بھی بیٹھتا ہے جب تک وہ مجھ سے جدا نہ ہو میں اس کے ساتھ حالت جہاد میں ہوتا ہوں کیونکہ وہ مجھے میرے دوست سے متنفر کرنے سے محفوظ نہیں ہوتا یا جو میری غیبت کرتا ہے یہ اس کی غیبت مجھ تک پہنچاتا ہے اس وجہ سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔

حضرت شداد بن حکیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر تم اپنے (مسلمان) بھائی کی نیکیاں اس کی برائیوں سے زیادہ دیکھو تو اس کی نیکیاں بیان کرو اور اس کی برائیوں سے درگزر کرو۔

اور آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے جس کو لوگوں کے قول کی وجہ سے نفرت پیدا ہو اور لوگوں کے قول کی وجہ سے محبت پیدا ہو اسے اپنے فعل پر ندامت ہوتی ہے کیونکہ اس طرح یہ بات غیبت اور نفسانی خواہشات کی وجہ سے ہوتی ہے۔

حضرت خالد بن صفوان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے چغل خور سے نفرت کرو اگرچہ وہ سچا ہو کیونکہ چغل خوری ایک بات کو روایت کرنا ہے اور اس کو قبول کرنا اس کو اجازت دینا ہے پس قبولیت اس سے بھی بدتر ہے۔

تو اے بھائی! یہ بات جان لو اور اس زمانے میں اپنے بھائیوں اور دوسرے لوگوں کے راز افشاء کرنے سے بچو اور یہ نہ کہو کہ میں نے اس بات کا قصد نہیں کیا تیرے لئے دسویں صدی کے دوسری نصف میں فتنہ باز اور عجیب لوگ ہیں اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

لوگوں کے بجائے اپنے عیب تلاش کرنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ وہ لوگوں کے عیب تلاش کرنے کی بجائے اپنے عیب تلاش کرتے ہیں اور اس طرح وہ اس آیت پر عمل کرتے ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

”وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ“(الذاريات ۲۱)

ترجمہ: اور تمہارے نفسوں میں ہے کیا تم دیکھتے نہیں۔

اور اس حدیث شریف پر عمل کرتے ہیں:

"طوبی لمن شغلہ عیبہ عن عیوب الناس"[55]

ترجمہ: اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جو لوگوں کے عیبوں کی بجائے اپنے عیب (تلاش کرنے) میں مشغول ہوتا ہے۔

نیز لوگوں کے عیوب پر جھانکنے والا تمام شیطانوں میں شمار ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور لوگوں میں اور اللہ والے اپنے نفوس کے بارے میں ایسی بات کو پسند نہیں کرتے۔

حضرت زید قمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے بعض آسمانی کتب میں پڑھا کہ اے ابن آدم! میں نے تمہارے لئے دو تھیلے بنائے ہیں ایک تھیلا تیرے آگے ہے اور دوسرا تھیلا تیرے پیچھے ہے۔ وہ تھیلا جو تیرے پیچھے ہے اس میں تیرے عیب ہیں اور جو تھیلا تیرے آگے ہے اس میں لوگوں کے عیب ہیں اگر تو اس تھیلے کی طرف دیکھے جو تیرے پیچھے ہے تو وہ تجھے آگے والے تھیلے میں دیکھنے سے روک دے گا۔

حضرت زید قمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہی فرماتے تھے ایک شخص کو اپنے عیوب کا یقین ہوتا ہے اس کے باوجود ان کو پسند کرتا ہے اور اپنے مسلمان بھائی سے صرف گمان کی بنیاد پر بغض رکھتا ہے پس عقل کہاں ہے؟

حضرت بکر بن عبد اللہ مزنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ لوگوں کے عیبوں کا وکیل بنا ہوا ہے تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے اور اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر کا شکار ہے۔

---

[55] (الجامع الصغیر حدیث ۵۳۰۰ جلد ۱ صفحہ ۳۲۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اور میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں یہاں یہ بات بغور سمجھنا چاہئے کہ ظالم کو ظلم کے بدلہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے حوالے نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس سے تو ظالم ہلاک ہی ہو جائے گا بلکہ یہ تو کہیں اس سے بھی خطرناک ہے کہ اس کے ظلم کا بدلہ ظاہری اعتبار سے دیا جاتا چنانچہ یہ ظاہری سزا کو چھوڑ کر اس سے سخت تر کو اپنانا ہے جو باطنی سزا ہے اس لئے مناسب ہے کہ دشمن کو اللہ تعالیٰ کے حوالے نہ کرے بلکہ یہ دعا کرے اے اللہ اس کی گرفت نہ فرما۔ واللہ اعلم۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے لوگوں پر تعجب ہے ان میں سے ایک اپنے بھائی کی عزت کے پیچھے پڑا ہوتا ہے حالانکہ وہ غائب ہوتا ہے جب وہ سامنے آتا ہے تو یہ محبت کا اظہار کرتا ہے اور اس کی تعریف کرنے میں جلدی کرتا ہے۔

پس جس شخص کا خیال ہو کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے حالانکہ وہ لوگوں کی عزتوں کو کاٹتا ہے تو وہ (اپنے دعویٰ میں) جھوٹا ہے کیونکہ وہ شیطان ہے اور شیطان اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے عقلمند کی عقل سے یہ بات ہے کہ وہ کسی شخص کو اس کے گناہ کی وجہ سے عار نہ دلائے کیونکہ بعض اوقات میں نے کسی ایک کو اس کے گناہ کے سبب عار دلایا تو بیس سال تک میں خود اس میں مبتلا ہو گیا۔

اور ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے لوگوں کے عیبوں کو نہ دیکھو گویا کہ تم آقا ہو اور اپنے عیبوں کو دیکھو گویا کہ تم غلام ہو کیونکہ لوگ دو قسم کے ہیں ایک وہ جو مبتلا ہیں دوسرے وہ جو محفوظ ہیں۔

حضرت رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا فرماتی تھیں بندہ جب اللہ تعالیٰ کی محبت کو چکھ لیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس کے برے کاموں پر مطلع کر دیتا ہے پس اس وجہ سے وہ دوسروں کے عیبوں میں مشغول نہیں ہوتا۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر پہاڑ کسی دوسرے پہاڑ کے خلاف بغاوت کرے تو ان میں سے بغاوت کرنے والے کو دھماکے سے گرادیا جائے۔

امیر المؤمنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے جو میرے عیب مجھے بتاتا ہے۔

حضرت عبد اللہ التیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کوئی بھی شخص لوگوں کے اسی قدر عیب بیان کرتا ہے جتنے خود اس میں پائے جاتے ہیں۔

حضرت شعبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص لوگوں کے عیب تلاش کرتا ہے وہ کسی دوست کے بغیر رہ جاتا ہے ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ لوگ امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے پاس ایک ایسے شخص کو لے کر آئے جس پر حد لگانا تھی لوگ اس کے گرد ٹڈیوں کی طرح تھے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا میں اللہ کی قسم دیتا ہوں تم میں سے جو بھی اس حد کا تماشہ دیکھنے آیا ہے وہ سب چلے جائیں تو سب چلے گئے (تاکہ اس شخص کی حتی المقدور ستر پوشی ہو سکے)۔

تو اے بھائی! اپنی زبان کی حفاظت کر کیونکہ جو شخص کسی کا گریبان پھاڑتا ہے لوگ اس کا گریبان پھاڑتے ہیں اور اپنے نفس کو بھولنے سے بچو جب تم اپنے مسلمان بھائی کے عیب پر مطلع ہو بلکہ

تم پر واجب ہے کہ اس عمل کو اپنے عیب کی یاد کا باعث بناؤ کیونکہ مٹی ایک ہے پس جس کام کا وقوع تمہارے غیر سے ممکن ہے تم سے بھی ممکن ہے اور حدیث شریف میں ہے:

"من عیّر اخاہ بذنب لم یمت حتی و یعمل ذالک الذنب"[56]

ترجمہ: جو شخص اپنے (مسلمان) بھائی کو کسی گناہ کی عار دلاتا ہے وہ مرنے سے پہلے خود اس گناہ کا شکار ہو گا۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں جب اللہ تعالیٰ تمہیں کشف کے ذریعے کسی ایک کے عیب پر مطلع کرے تو اللہ سے بخشش طلب کرو کیونکہ یہ شیطانی کشف ہے۔

تو اے بھائی! اس بات کو جان لے اور پوری طرح بچنے کی کوشش کر اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

سخت مزاج لوگوں کے ساتھ بھی اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے یہ خلق بھی ہے کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ بھی حسن خلق کا مظاہرہ کرتے ہیں جن کی طبیعت میں سختی ہے اس طرح یہ لوگ رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے اخلاق کریمہ کو اپناتے اور آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے اس قول پر عمل کرتے ہیں جس میں آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

"و خالق الناس بخلق حسن"[57]

ترجمہ: لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔

---

56 (الترغیب والترہیب کتاب الحدود وغیرہا حدیث ۲۰ جلد ۳ صفحہ ۳۱۰ مطبوعہ المصطفیٰ البابی حلبی مصر)

57 (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ صفحہ ۱۵۳ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

امیر المؤمنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے ایک شخص میں نو اخلاق اچھے اور ایک برا ہوتا ہے تو وہ ایک خلق ان نو پر غالب آ جاتا ہے پس زبان کی لغزشوں سے بچو۔

حضرت بشر بن عمر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے بد اخلاقی کا نتیجہ دوری ہے۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے بد اخلاقی کی مثال ٹوٹی ہوئی ٹھیکری جیسی ہے نہ اس سے نفع حاصل کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی وہ دوبارہ مٹی بن سکتی ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے بد اخلاق آدمی کا سب سے پہلا جرم بد اخلاقی ہے یہ اپنے موصوف (بد اخلاق) کو عذاب میں مبتلا کرتی ہے جیسا کہ مشاہدہ ہے ایک مرتبہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس حسن خلق کے بارے میں سوال کیا گیا جس کا اس حدیث میں ذکر ہے۔(حوالہ وترجمہ گزر چکا ہے) آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا یہ سخاوت، درگزر کرنا اور برداشت کرنا ہے۔

امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا گناہ کے علاوہ ہر بات میں لوگوں کو موافقت کرنا ہے اور آپ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے تھے جس شخص کے غم زیادہ ہوں اس کا بدن بیمار پڑ جاتا ہے اور جس کا تقویٰ کم ہو اس کا دل مر جاتا ہے۔

حضرت ابو حازم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے انسان کی بد اخلاقی میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کے پاس جائے اور وہ ہنسی خوشی میں ہوں لیکن اس کے خوف سے بکھر جائیں نیز اس کے اخلاق میں سے یہ بات بھی ہے کہ اس سے بلی بھی بھاگ جائے اور اس کا کتا اس سے ڈر کر دیوار پر چڑھ جائے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص کسی عورت کو منگنی کا پیغام دے اور اسے اپنے بد اخلاق ہونے کا علم ہو تو اس عورت کو بتا دے ورنہ وہ اس سے دھوکہ کر رہا ہے۔

اس کتاب میں یہ بات تفصیلاً متفرق مقامات پر بیان کی جائے گی کیونکہ یہ سب اچھے اخلاق ہیں اور کسی شخص کے لئے اچھے اخلاق کی قید لگانا اس وقت تک صحیح نہیں جب تک وہ خود تمام اخلاق سے مزین نہ ہو جائے اور یہ بات بہت نادر ہے اور دھوکے سے اس وقت تک نہیں نکل سکتا جب تک اپنے نفس کو برے اخلاق کی تہمت نہ لگائے۔

پھر جو شخص اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والوں میں سمجھتا ہے اس کے لئے بد اخلاق ہونا بہت برا ہے کیونکہ لوگ اس کے شر سے خوف محسوس کرتے ہیں جس طرح یہ ان کے متبعین کے لئے بھی برا ہے ان بزرگوں نے کہا ہے کہ منافق کی ایک علامت یہ ہے کہ لوگ اس کی بد اخلاقی کے خوف سے اس کو چھوڑ دیں اور مرفوع حدیث میں ہے (رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا)۔

"شر الناس من ترکه الناس اتقاء فحشه" (ابن ابی الدنیا)

ترجمہ: لوگوں میں وہ شخص بدترین ہے جس کو لوگ اس کی بدکلامی کے باعث چھوڑ دیں۔

پس اس بات کو جان لو اور اپنے آپ کو برے اخلاق سے بچاؤ اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

زیادہ سخاوت اور مردانگی کا مظاہرہ

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ وہ بہت زیادہ سخاوت کرتے اور مردانگی اپناتے ہیں کیونکہ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اور آپ

صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے صحابہ کرام، تابعین اور علماء عاملین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کا یہی طریقہ تھا کیونکہ جو شخص سخاوت نہ کرے اور اس میں مردانگی نہ ہو اس میں خیر نہیں اگرچہ دونوں مخلوقوں (جنوں اور انسانوں) کے برابر عبادت کرے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروت (مردانگی) کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا یہ اس چیز کو چھوڑنا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے نزدیک عیب شمار ہو۔

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے طریقے میں سخاوت اور مروت کے واجب ہونے پر اسلاف کا اجماع ہے حدیث شریف میں ہے۔

"سیاتی علی الناس زمان تقصر فیه المروئة وتدق فیه الاخلاق ویستغنی فیه الرجال بالرجال والنساء بالنساء واذاوجد فلینتظروا العذاب صباحا ومساء"۔

ترجمہ: عنقریب لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں مروت کم ہو جائے گی اور اخلاق کمزور ہو جائیں گے اس زمانے میں مرد، مردوں کے ذریعے اور عورتیں، عورتوں کے ذریعے بے نیازی حاصل کریں گے جب یہ بات پائی جائے تو صبح اور شام عذاب کا انتظار کرنا۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروت کے بارے میں پوچھا گیا کہ یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور (مسلمان) بھائیوں سے اچھا سلوک کرنا ہے۔

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے مروت، نفس کو میل کچیل سے اور ہر اس چیز سے بچانا ہے جو بندے کو لوگوں کے درمیان عیب ناک کر دے نیز تمام معاملات میں لوگوں سے انصاف کرنا ہے پس جو اس سے زیادہ ہو تو وہ فضیلت کا باعث ہے۔

حضرت ربیعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے سفر میں مروت یہ ہے کہ آدمی اپنا زادراہ خرچ کرکے اپنے بھائیوں سے اختلاف کم کرے اور ان سے مزاح نہ کرے۔

ان میں سے بعض کہتے تھے کہ تاجر کا اپنے دوست سے نفع لینا مروت میں سے نہیں ہے۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں کہ تاجر میں مروت یہ ہے کہ وہ تھوڑے سے نفع پر راضی ہو جائے۔ مکمل طور پر نفع نہ چھوڑے کیونکہ تجارت دنیوی اور اخروی نفع کے لئے ہوتی ہے لہٰذا اپنے دوست سے تھوڑے نفع پر اس کے سوا کوئی راضی نہ ہو گا یعنی اس پر صبر نہیں کرتا کیونکہ جو شخص نفع کے بغیر بیچے گا وہ محتاج ہو جائے گا اور اس پر قرض چڑھ جائے گا اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

حضرت ابو عبد اللہ محمد بن عراق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروت کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا مروت یہ ہے کہ تم ایسا کام نہ کرو جس کے ظاہر ہونے سے دنیا اور آخرت میں شرمندگی ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروت کے بارے میں پوچھا جاتا تو آپ رضی اللہ عنہ فرماتے صبح اور شام کا کھانا گھروں کے صحنوں میں کھانا گھروں کے اندر نہیں (تاکہ آنے جانے والوں کو کھلا سکے)۔

حضرت حسن بن کیسان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے گھر کے دروازے پر لکھا تھا "اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے جو اندر آئے اور کھائے"۔

ہمارے اسلاف کا طریقہ تھا کہ جب ان میں سے کوئی شخص ہنڈیا بطور ادھار لیتا کہ اس میں (کھانا) پکائے تو اسے کھانے سے بھرا ہوا واپس لوٹاتا تھا اور بعض اوقات اس کا مالک اسے بھر کر ادھار دیتا اور کہتا کہ مجھے یہ ناپسند ہے کہ میں اپنے بھائی کو یہ ہنڈیا خالی بطور ادھار دوں۔

حضرت اصمعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کھانا پیش کرنا، زبان میٹھی رکھنا، مال خرچ کرنا، نامناسب کاموں سے پرہیز اور اذیت روکنا مروت ہے۔

تو اے بھائی! تو نے مروت کے بارے میں اپنے اسلاف کی باتیں سنیں پس ان پر عمل کر اور اے بھائی! اگر حقیقی طور پر مروت حاصل نہیں کر سکتا تو مروت والوں کی مشابہت ہی اختیار کر لے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

سخاوت اور غمخواری

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک خلق یہ ہے کہ وہ بہت زیادہ سخاوت کرتے ہیں مال خرچ کرتے ہیں اور حالتِ سفر میں اپنے بھائیوں کی غمخواری کرتے ہیں حالتِ اقامت میں بھی اسی طرح کرتے ہیں اس طرح ان کے درمیان دینی نصرت (مدد) ہوتی ہے جو ان کا مقصود ہے۔

حدیث شریف میں ہے: جب تمہارے غنی لوگ سخی ہوں گے، تمہارے امراء تم میں سے بہتر لوگ ہوں گے، تمہارے امور باہمی مشاورت سے انجام پائیں گے، تو زمین کا ظاہر تمہارے لئے اس کے باطن سے بہتر ہو گا۔

اور جب تمہارے امراء تمہارے برے لوگ ہوں گے اور تمہارے مالدار لوگ تم میں سے بخیل لوگ ہوں گے اور تمہارے معاملات تمہاری عورتوں کے پاس چلے جائیں گے تو زمین کے اندر (قبر) تمہارے لئے اس کے ظاہر سے بہتر ہو گی۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کسی چیز کا سوال کیا نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے چالیس

بکریاں عطا کرنے کا حکم دیا جب وہ شخص واپس اپنی قوم کے پاس گیا تو اس نے کہا اے میری قوم! ایمان لاؤ بے شک محمد صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اس قدر عطا کرتے ہیں کہ ان کو محتاجی کا خوف نہیں رہتا۔

حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے ایک عورت کی شادی کرائی تو اس کے ساتھ ایک سو لونڈی بھیجی اور ہر لونڈی کے ساتھ ایک ہزار درہم بھیجا۔

راوی نے کہا، حضرت عبد اللہ بن ابی بکرہ صحابی رضی اللہ عنہما ایک دن ایک مجلس میں تشریف لے گئے تو ایک شخص نے ان کو مجلس میں جگہ دی جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اٹھنے کا ارادہ کیا تو اس شخص سے فرمایا، میرے ساتھ میرے مکان پر آؤ وہ آپ کے ساتھ گیا تو آپ نے اسے دس ہزار درہم دیئے۔

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ کوئی شخص سفر کرتا تو آپ شرط رکھتے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی اس پر خرچ کریں گے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے خادم اور موذن ہوں گے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں جنت سخی لوگوں کا گھر اور جہنم بخیل لوگوں کا گھر ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کریم شخص کی علامت یہ ہے کہ اس کے سر کے اگلے حصے اور داڑھی میں سفیدی ہوتی ہے اور کمینے آدمی کے علامت یہ ہے کہ اس کے سفید بال سر کے پچھلے حصے میں ہوتے ہیں اور وہ کسی دوسرے شخص کو نفع نہیں دیتا البتہ یہ کہ اس سے کوئی رغبت یا خوف ہو۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کمینے آدمی پر افسوس ہے وہ دنیا(کے مال) کے ساتھ اپنے دوستوں سے بخل کرتا ہے اوراپنے دشمنوں کے لئے جنت کے ذریعے سخاوت کرتا ہے۔

ہمارے امام حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کمینے شخص کی علامت یہ ہے کہ جب اسے کوئی بلند مقام ملتا ہے تو وہ اپنے قرابت داروں پر ظلم کرتا ہے اور اپنی جان پہچان والوں کا انکار کرتا ہے نیز فضیلت وشرف والے لوگوں پر تکبر کرتا ہے۔

حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہم نے لوگوں کو پایا کہ وہ پھلوں کی طرح چاندی تھالوں میں رکھ کر بطور تحفہ دیتے تھے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے مجھے اس شخص پر تعجب ہوتا ہے جس کے پاس مال باقی رہتا ہے اور وہ یہ آیت بھی سنتا ہے:

"إِنْ تُقْرِضُوا اللهَ قَرْضًا حَسَنًا" (التغابن ١٧)

ترجمہ: اگر تم اللہ کو اچھا قرض دو تو (وہ تمہارے لئے بڑھا دے گا)۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں اللہ تعالیٰ نے جن اچھے کاموں پر خرچ کرنے کا حکم دیا ہے اگر بندہ ان کاموں پر خرچ کرنے سے اس لئے رک جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس اجر اور ثواب کے دوگنا ہونے کا وعدہ کیا ہے وہ اس کی تصدیق نہیں کرتا تو اس کو کوئی عمل فائدہ نہیں دے گا اگرچہ پہاڑوں جیسا ہو، کیونکہ اس عمل کی کوئی بنیاد نہیں ہے کیونکہ مومن کامل کا کمال یہ ہے کہ وہ احکام خداوندی سے پیچھے نہ ہٹے۔

آگے بڑھنے کا سبب ایمان کا کامل ہونا ہے

اے بھائی! غور کر اگر ایک انسان بیٹھا ہو اور اس کے سامنے سونے سے بھرا ہوا ٹوکرا ہو اور وہ کہے کہ جو شخص فقیر کو ایک درہم دے گا میں اسے ایک دینار (جو دس درہم کے برابر ہوتا ہے) دوں گا تو لوگ کس قدر جلدی کریں گے اور فقراء کو درہم دینے کے لئے دوڑیں گے بخلاف اس کے جب وہ ایک سال کے بعد دینار دینے کا وعدہ کرے۔ اس صورت میں بہت کم لوگ اس کی بات پر لبیک کہیں گے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی تصدیق کرنے میں کمزور ہیں اگر ان کا اعتقاد کامل ہوتا تو وہ تمام اس کی بات مان لیتے کیونکہ کامل ایمان والے کے لئے شرط یہ ہے کہ شارع نے جس پوشیدہ چیز کا وعدہ کیا ہے وہ اسے حاضر کی طرح خیال کرے۔ اسی وجہ سے آگے بڑھ گیا جو آگے بڑھ گیا اور پیچھے رہ گیا جو پیچھے رہ گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عقلمند آدمی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جو شخص اپنے مال کو ایسی جگہ رکھتا ہے جہاں سے اسے کیڑے نہیں کھاتے اور نہ اس تک چور پہنچ سکتے ہیں یعنی آسمان میں جمع کرتا ہے (مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتا ہے)۔

کسریٰ کہتا تھا تو اس مال کے لئے ہے جسے تو روک کر رکھتا ہے اور جب تو اس کو خرچ کر دے تو وہ تیرے لئے ہو گا۔

ایک شخص بصرہ میں داخل ہوا تو پوچھا اس شہر کا سردار کون ہے؟ اس سے کہا گیا حضرت حسن بن ابی الحسن البصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس نے پوچھا ان کو ان لوگوں کی سرداری کیسے حاصل ہوئی؟ انہوں نے جواب دیا اس لئے کہ جو کچھ ان لوگوں کے پاس ہے انہوں نے اس سے بے نیازی اختیار

فرمائی اور وہ لوگ اس چیز کے محتاج ہوتے جو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس ہے یعنی علم اور دین۔

اس شخص نے کہاواہ! واہ! وہ یقیناً ان کے سردار ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ مجھے اپنے بندوں سے چار باتوں کی شکایت ہے:

(۱) میں نے ان کو جو کچھ دیا اس میں سے قرض مانگا تو انہوں نے بخل کیا۔

(۲) میں نے ان کو ابلیس سے بچنے کا حکم دیا تو وہ اس سے دور نہ رہے۔

(۳) میں نے ان کو جنت کی دعوت دی تو انہوں نے اسے قبول نہ کیا۔

(۴) میں نے ان کو جہنم سے ڈرایا لیکن وہ نہ ڈرے اور جہنم میں لے جانے والے کاموں میں کوشش کرتے رہے۔

ایک دن ایک عورت حضرت امام لیث بن سعد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس ایک چھوٹا سا برتن لے کر آئی اور اس میں ان سے شہد مانگا اور کہا میرا خاوند بیمار ہے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کو شہد سے بھرا ہوا مشکیزہ دینے کا حکم دیا آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا گیا کہ اس نے ایک چھوٹا پیالہ مانگا تھا؟ فرمایا اس نے اپنے حساب سے مانگا تھا میں نے اپنی قدر کے مطابق دیا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اے انسان! تجھ پر تعجب ہے تو اپنی خواہشات پر ضرورت سے زیادہ اور جلدی کرتے ہوئے خرچ کرتا ہے اور اپنے رب کی مرضی پر ایک درہم خرچ کرتے ہوئے یعنی بخل سے کام لیتا ہے۔ اے نادان! کل (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے مقام کو جان لے گا۔

اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے شعراءاور زبان درازلوگوں کو(مال)دو کیونکہ جس نے اپنے بارے میں شکوہ شکایت کی پرواہ نہیں کی اس نے اپنے آپ پر گھٹیا پن اور بے مروتی کا حکم خود لگا لیا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر شعراء کو انعامات نہ دیئے جائیں تو ہجو کے اشعار لکھ کر اس کی تشہیر کر دیں گے۔

اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کسی بخیل سے حاجت کا سوال کرنے سے بچو جو شخص اس سے حاجت طلب کرتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو خشک مقامات اور چٹیل میدان میں مچھلی کا شکار کرنا چاہتا ہے۔

حضرت ابو القاسم جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے لوگ جو بھی سوال کرتے آپ انکار نہ کرتے اور فرماتے میں رسول اکرم صَلَّی اللّٰہ ُتَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے اخلاق اپناتا ہوں۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ میں سے ایک اسم مبارک "**المانع**" ہے اللہ تعالیٰ سوال کرنے والے کی حاجت کو(بعض اوقات)کسی حکمت کے تحت منع کرتا ہے بخل کی وجہ سے نہیں اللہ تعالیٰ اس سے بلند ہے تو بعض بزرگوں سے جو منقول ہے کہ انہوں نے سائل کا سوال پورا نہ کیا تو یہ بھی حکمت کے تحت ہوا بخل کی وجہ سے نہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اخلاق پر عمل کیا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک لاکھ درہم بھیجے تو انہوں نے اسی وقت تقسیم کر دیئے اور اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک رات کے کھانے کی قیمت بھی نہ رہی۔

حضرت طلحہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک لاکھ درہم تقسیم کئے اور خود بیٹھے ہوئے چادر کا ایک کنارہ سی رہے تھے اور اس میں پیوند لگا رہے تھے۔

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے میں نے رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑا سخی کسی کو نہیں دیکھا ان کی ملاقات حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے ہوئی تو فرمایا رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم کے نواسے کو خوش آمدید پھر ان کے لئے تین لاکھ درہموں کا حکم دیا پھر حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو ان کے لئے ایک لاکھ درہموں کا حکم دیا۔

حضرت حماد بن سلمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رمضان شریف کی ہر رات پچاس آدمیوں کو اپنے دستر خوان پر بلاتے جو ان کے ساتھ افطار کرتے تھے اور جب عید کا دن ہوتا تو ان میں سے ہر ایک کو لباس پہناتے اور ایک سو درہم دیتے اور جو استاذ ان کے بچے کو قرآن مجید پڑھاتا تھا اسے ہر مہینے تیس دینار دیتے تھے ایک مرتبہ ان کے کپڑے کا بٹن ٹوٹ گیا اور درزی نے اسے ٹھیک کر دیا تو آپ نے اسے تیس درہم عطا فرمائے اور معذرت بھی کی۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر محتاج لوگ مجھ سے سوال نہ کرتے تو میں کسی چیز میں بھی تجارت نہ کر سکتا۔ (گویا ان کی تجارت صرف فقراء پر خرچ کرنے کے لئے ہوتی تھی) اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب کسی خوبصورت عورت کو دیکھتے کہ وہ لوگوں سے سوال کر رہی ہے تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کی عزت کرتے اور اس کو درہم اور کپڑے عطا فرماتے اور فرماتے تھے یہ کام اس لئے کر رہا ہوں تاکہ لوگ اس کے ساتھ نکاح کرنے میں رغبت رکھیں کیونکہ مجھے اس پر فتنے کا خوف ہے۔

اور حضرت عبد اللہ بن ابی بکرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے چاروں طرف چالیس چالیس پڑوسیوں پر خرچ کرتے تھے اور خود روٹی کے ایک ٹکڑے سے افطار کرتے اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عیدوں کے موقع پر ان کے لئے قربانی کے جانور اور کپڑے بھیجتے تھے نیز آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہر سال عید الفطر کے موقع پر ایک سو غلاموں کو آزاد کرتے۔

حضرت عبد اللہ بن ربیعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے غلاموں میں سے کوئی غلام جب ان کو پچھنے لگاتا تو اس کو آزاد کر دیتے اور جب وہ کسی اور کا غلام ہوتا تو اسے اس کے مالک سے خریدتے اور آزاد کر دیتے۔

جب امام عبد اللہ بن لھیعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیمار ہوئے تو حضرت امام لیث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کی زیارت کی ان کو دیکھا تو وہ رو رہے تھے پوچھا اے عبد اللہ! آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا مجھ پر ایک ہزار دینار قرض ہے (یہ سُن کر) حضرت امام عبد اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے خادم کو بھیجا وہ ایک ہزار دینار لایا جو قرض کی ادائیگی میں دے دیئے۔

حضرت عبد اللہ بن جعفر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ایک ولیمہ میں دعوت دی گئی تو وہ کسی مجبوری کے تحت تشریف نہ لے جاسکے لیکن انہوں نے ولیمہ والے کی طرف پانچ سو دینار بھیج دیئے اور معذرت بھی کی اور اس سے درخواست کی کہ ان کی غیر حاضری سے چشم پوشی کرے۔

ایک شخص حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کسی چیز کا سوال کیا آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کے لئے مطلق پانچ سو کا حکم دیا آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے غلام نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا دینار یا درہم؟ حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے تو صرف درہموں کا ارادہ کیا تھا لیکن تم نے پوچھا ہے تو ان کو دیناروں میں بدل دو۔ وہ شخص (مانگنے والا) بیٹھ گیا اور رونے

لگا۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیوں رو رہے ہو؟ اس نے کہا میں اس بات پر روتا ہوں کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسے لوگ زمین کے نیچے جاتے ہیں اور مٹی ان کو کھا جاتی ہے (مطلب یہ تھا کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسے لوگوں کو زندہ رہنا چاہیے ورنہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے جسم کو مٹی نہیں کھاتی۔)

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ دعا مانگتے تھے یا اللہ! مجھے مال عطا فرما کہ میں سخاوت کروں کیونکہ مال کے بغیر عمل نہیں ہوتا پھر یہ شعر پڑھتے۔

اری نفسی تتوق الی فعال فیقصر دون مبلغهن مالی
فلا نفسی تطاوعنی ببخل و لا مالی یبلغنی فعالی

ترجمہ: میرا نفس کچھ عمل کرنا چاہتا ہے لیکن ان افعال تک پہنچنے میں میرا مال رکاوٹ بنتا ہے پس میرا نفس بخل کے لئے میری بات نہیں مانتا اور میرا مال میرے کاموں تک نہیں پہنچتا۔

تو اے بھائی! اس بات کو جان لے اور اس بات سے بچ کہ تو بزرگی ظاہر کرے جب کہ ان صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق، کرم، سخاوت، جود اور غمخواری جیسی باتیں تجھ میں نہ ہوں وہ لوگ بہت زیادہ مال دیتے تھے اور پھر بھی کسی شخص سے اپنے آپ کو افضل نہیں سمجھتے تھے ان میں سے ایک اپنی چادر کو دو حصوں میں پھاڑ کر نصف اپنے بھائی کو دیتا تھا۔

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ مسلمان کا مسلمان پر کیا حق ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ وہ اپنے بھائی کو بھوکا چھوڑ کر خود سیر ہو کر نہ کھائے، اپنے بھائی کو کپڑوں کے بغیر چھوڑ کر خود لباس نہ پہنے اور اس پر کسی درہم اور دینار کے حوالے سے بخل نہ کرے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے تھے تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کے ساتھ درہم اور دینار کا بخل کس طرح کرتا ہے حالانکہ جب وہ مر جائے گا تو اس پر خوب روئے گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی ایک اپنے بھائی کو تحفہ بھیجتا تو وہ صحابی یہ تحفہ دوسرے صحابی کی طرف بھیج دیتے پس یہ تحفہ ان کے درمیان پھرتا رہتا حتیٰ کہ سب سے پہلے ہدیہ دینے والے کی طرف لوٹ آتا حالانکہ وہ سب اس کے محتاج ہوتے تھے لیکن وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے اور جب ان میں سے ایک شادی کرتا اور وہ فقیر ہوتا تو وہ اس کی طرف سے مہر ادا کرتے تھے اور اس کو ایک سال کا خرچہ بھی دیتے تھے تاکہ اس کو خوشی حاصل ہو اور اس کو حصول معیشت میں جو پریشانی ہو سکتی ہے وہ دور ہو جائے کیونکہ عام طور پر شادی کرنے والے کو یہ مسئلہ درپیش ہوتا ہے۔

حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کسی سائل کو رد نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو ایک ہزار دینار دینے کا حکم دیا اس شخص نے عرض کیا کہ میرے پاس ان کو اٹھانے کے لئے کوئی چیز نہیں تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی چادر عطا فرما دی۔

حضرت بکر بن عبد اللہ مزنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میرا سب سے پسندیدہ مال وہ ہے جو میں اپنے بھائیوں تک پہنچاتا ہوں اور سب سے برا مال وہ ہے جسے میں اپنے پیچھے رکھتا ہوں۔

ان اسلاف کا طریقہ تھا کہ جب ان کے پاس کوئی مانگنے والا آتا تو اس پر خوش ہوتے اور آنے والے کو خوش آمدید کہتے اور فرماتے یہ شخص ہمارا مال کسی اجرت کے بغیر آخرت کی طرف لے جا رہا ہے اور ہم سے اس چیز کو کم کر رہا ہے جو ہمارے رب کی عبادت میں ہمارے لئے رکاوٹ ہے۔

ان میں سے کوئی ایک اپنے بھائی کی طرف ایک ہزار دینار بھیجتا اور کہتا اس کو محتاجوں پر خرچ کرو اور ان کی نسبت میری طرف نہ کرنا۔

حضرت ضحاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ (یوسف ۳۶)

ترجمہ: بے شک ہم آپ کو نیکی کرنے والوں میں سے دیکھتے ہیں۔

وہ فرماتے تھے حضرت یوسف علیہ السلام کی نیکی یہ تھی کہ قید خانے میں جب کوئی بیمار ہو جاتا تو آپ علیہ السلام اس کی تیمارداری کرتے جو محتاج ہوتا اس کی مدد کرتے اور جب آپ علیہ السلام اپنے پاس کوئی چیز نہ پاتے جو فقیر کو دیں تو دروازوں پر جا کر لوگوں سے اس کے لئے سوال کرتے۔

اسلاف کا طریقہ تھا کہ جب ان میں سے کسی کا خادم مر جاتا تو اس کی جگہ خادم بھیجتے اور وہ خاموشی سے قبول کر لیتا اور اس کو اپنے بھائی پر فضیلت کا سبب نہ سمجھتا اور جب ان کو یہ خبر پہنچتی کہ ان کے بھائیوں میں سے کسی پر قرض ہے تو اس سے مشورہ کئے بغیر اس کی طرف سے ادا کر دیتے اور قرض دار کو جب اس بات کا علم ہوتا تو وہ بھی خاموش ہو جاتا گویا ادا کرنے والے نے اسی (قرض دار) کے مال سے ادا کیا ہے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کے بھائی کے لئے یہ بات پسندیدہ ہے۔

حضرت ربیع بن خیثم، ابراہیم نخعی اور عطاء اسلمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کا گزرانِ زندگی دوسرے بھائیوں کے عطیات پر موقوف تھا ان میں سے کسی کی کھیتی باڑی اور دودھ (دینے والا جانور) نہیں تھا نہ کوئی اور آمدن کا ذریعہ تھا۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں بزرگوں کی طرف سے جو یہ بات آئی ہے کہ انہوں نے عمل کو چھوڑنے اور لوگوں کے کھانے سے کھانے کی مذمت کی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی ان پر احسان جتائے یا ان کے دین کی وجہ سے ان کو کھلائے، جب ان میں سے ایک اپنے بھائیوں

سے سوال کرتا کہ وہ اس کا قرض ادا کر دیں تو وہ کہتے ہائے افسوس ہم نے اپنے بھائی کا حال پوچھنے میں کوتاہی کی حتیٰ کہ ہم نے اسے سوال کرنے پر مجبور کر دیا۔

حضرت ابن مقنع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تک یہ بات پہنچی کہ ان کے پڑوسی نے قرض کی ادائیگی کے لئے اپنا مکان بیچنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے اس کی طرف مکان کی رقم بھیج دی اور فرمایا اس کو نہ بیچو کیونکہ آپ نے اس سے اس قدر نفع نہیں اٹھایا جس قدر نفع ہم نے اٹھایا ہم کتنا عرصہ اس کے سائے میں بیٹھے۔

حضرت ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فقراء کی ہر چھوٹی جماعت کو جمع کر کے ان کے ساتھ مسجد میں بیٹھتے اور ان سے فرماتے عبادت کرو میں تمہاری خدمت کے لئے کھڑا ہوں۔

حضرت میمون بن مہران رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص کسی احسان (حسنِ سلوک) کے بغیر اپنے بھائیوں کی رضا چاہتا ہے وہ راستے سے غلطی کر گیا ایک روایت میں ہے کہ وہ قبرستان والوں سے مل جائے۔

امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے تھے مسلمانوں میں سے وہ شخص سب سے بہتر ہے جو ان کی مدد کرے اور ان کو نفع پہنچائے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے وہ چیز زیادہ حاصل کرو جس کو آگ اور مٹی نہ کھائے لوگ پوچھتے وہ کیا ہے؟ تو فرماتے "نیکی" پس اگر تجھے اس کی دوستی کے دن فائدہ نہ دیں تو تیرا اس سے کیا تعلق؟ قریب ہو یا دور۔

تو اے بھائی! اپنے دل میں غور کرو اور اپنے ان اسلاف کی اتباع کرو جن کے تم خلفاء ہونے کا دعویٰ کرتے ہو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

مسلمان بھائیوں سے حسن سلوک کی چاہت

ان صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ (مسلمان) بھائیوں سے حسن سلوک کو بہت پسند کرتے ہیں اور ان کے لئے بچھ جانا اور ایک دوسرے کو خوشی پہنچانا چاہتے ہیں نیز وہ ان بھائیوں کو اپنے آپ سے مقدم کرتے ہیں اور وہ اپنے بھائیوں کے استحقاق میں کوئی توقف اور سوچ وبچار نہیں کرتے اور کہتے ہیں اگر ہمارا بھائی اچھے سلوک کا اہل نہیں تو ہم اس کے اہل ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے تھے نیکی کرو اگرچہ اس شخص سے کرو جو اس کی ناشکری کرتا ہے کیونکہ یہ ترازو میں اس سے زیادہ وزنی ہوگی جس کا وہ شکریہ ادا کرتا ہے۔

حضرت محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے نیکی کرنے والا گرتا نہیں اور اگر گر جائے تو ٹوٹتا نہیں۔

حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ نے سود کو اس لئے حرام قرار دیا ہے کہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ نیکی کرنے سے رک نہ جائیں۔

حضرت معمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے آج کل نیکی اور احسان برائی کی سیڑھی بن گئے ہیں لوگ کہتے ہیں اس شخص کے شر سے بچو جو تم سے نیکی کرتا ہے۔

یہ تمام باتیں اس لئے ہیں کہ قربِ قیامت کی وجہ سے تمام کام اپنے موضوعات سے (یعنی جن مقاصد کے لئے بنائے گئے ان سے) باہر نکل گئے ہیں۔

اور وہ فرماتے تھے سب سے بری نیکی یہ ہے کہ مانگنے والا سوال کرنے پر مجبور ہو جائے اور وہ تم سے شرمندہ ہو تو تمہاری نیکی اس کی شرمندگی کے برابر نہیں ہو سکتی سب سے بہتر بات یہ ہے کہ تم

اپنے بھائی کے حالات معلوم کرو اور اس کے پاس وہ چیز بھیجو جس کا وہ محتاج ہے اس کو سوال کرنے پر مجبور نہ کرو۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہم قرض کو نیکی میں شمار نہیں کرتے کیونکہ قرض دینے والا مقابلہ کا (واپسی کا) مطالبہ کرتا ہے نیکی یہ ہے کہ لوگ تم سے دنیا اور آخرت میں جو چیز مانگیں اس میں چشم پوشی اختیار کرو۔

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے نیکی چلی گئی اور تجارت باقی رہ گئی ان میں سے ایک شخص دوسرے کو کوئی چیز اس لئے دیتا ہے کہ وہ اسے اس کا بدلہ دے گا۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے نیکی صرف تین باتوں سے مکمل ہوتی ہے۔ (۱) اس میں جلدی کرنا، (۲) دینے والے کی نظر میں اس کا حقیر ہونا اور (۳) لوگوں سے چھپا کر کرنا۔

حضرت مہلب بن ابی صفیرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی اولاد سے فرماتے تھے تم جس فقیر کو صبح اور شام اپنے دروازے پر دیکھو تو جان لو کہ وہ محتاج ہے پس اسے کچھ دو اور اسے سوال کرنے پر مجبور نہ کرو، اس کا صبح وشام آنا ہی سوال کی جگہ کفایت کرتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہم نے لوگوں کو یوں پایا کہ ان میں سے ایک اپنے بھائی کے پاس جاتا اور وہ وہاں نہ ہوتا وہ دیکھتا کہ ٹوکری پھل سے بھری ہوئی ہے تو وہ اس کی اجازت کے بغیر خود بھی کھاتا اور تقسیم بھی کرتا اور جب اس کا وہ بھائی آتا اور یہ اسے واقعہ بتاتا تو وہ خوش ہوتا۔

حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک خچر تھا جو دروازے پر بندھا رہتا تھا جو شخص اس پر سواری کی ضرورت سمجھتا اسے بغیر اجازت پکڑتا اور سوار ہو جاتا کیونکہ اسے معلوم ہوتا کہ آپ اس پر خوش ہوتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کے باوجود کہ بہت بڑے متقی شخص تھے کسی اجازت کے بغیر اپنے بھائیوں کی دوات سے لکھتے تھے۔

حضرت مسلم بن زیاد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ایک ولیمہ کی دعوت دی گئی تو ان سے تاخیر ہو گئی پھر تشریف لے گئے صاحب ولیمہ نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو دیکھا تو کہا آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو دیر ہو گئی اور لوگ کھانا کھا کر چلے گئے اور کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ حضرت مسلم بن زیاد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا شاید پیالوں کے ساتھ کچھ لگا ہو گا میں اسے چاٹ لیتا ہوں اس نے کہا ہم نے ان کو بھی دھو ڈالا ہے انہوں نے فرمایا شاید روٹی کا ایک ٹکڑا ہو گا اس نے کہا ہمارے پاس کچھ باقی نہیں رہا بلکہ ایک لقمہ بھی نہیں اس وقت حضرت مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تبسم فرمایا اور واپس تشریف لے گئے۔

لوگوں نے عرض کیا آپ کبیدہ خاطر نہ ہوئے بلکہ ہم نے دیکھا کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تبسم فرمایا انہوں نے فرمایا اس شخص نے ہمیں اچھی نیت سے دعوت دی تھی اور ہمیں واپس اسی اچھی نیت سے کیا تو ہم کس بات پر کبیدہ خاطر ہوتے۔

ایک جماعت حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے گھر آئی اور آپ موجود نہ تھے انہوں نے کھانے کا سامان لیا اور بیٹھ کر کھانے لگے اور ساتھ ساتھ حضرت سفیان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نیکی کے بارے میں باتیں بھی کرنے لگے اسی دوران حضرت سفیان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تشریف لائے ان کو اس حالت میں دیکھا تو رو پڑے انہوں نے پوچھا آپ کیوں رو رہے ہیں؟

فرمایا میں کیوں نہ رؤوں تم نے پہلے نیک بزرگوں کی طرح میرا ذکر کیا اور مجھ سے صالحین کے اخلاق والا معاملہ کیا جب کہ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں۔

حضرت بقیہ بن ولید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے دوست کی عدم موجودگی میں اس کے گھر تشریف لے گئے اور آگ پر رکھی ہوئی ہانڈی اٹھا کر اسے گھر کے دروازے پر رکھا اور اس میں سے کھانے لگے اور ساتھ ساتھ فقراء اور مساکین پر تقسیم بھی کر رہے تھے جب ان کا بھائی (دوست) آیا تو اس پر خوش ہوا اور کہا آپ جیسے نیک بھائی کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا کرے۔ آپ نے ہماری آخرت کا سامان ہمارے لئے آگے بھیج دیا۔

حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ عنہ فرماتے تھے وہ بھائی برا ہے جس کا دوسرا (مسلمان) بھائی اس کی عدم موجودگی میں اس کی تھیلی کھول کر اس کی اجازت کے بغیر ضرورت کے مطابق نہ لے سکے۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں بعض اوقات ان میں سے ایک اس عمل کو چھوڑ دیتا تھا اس لئے نہیں کہ وہ اپنے بھائی پر بلکہ اپنے اوپر قیاس کرتا تھا (کہ تہمت ہو تو مجھ پر ہو) واللہ اعلم۔

حضرت حامد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ کی قسم ہمیں یہ گمان نہ تھا کہ ہم اس زمانے تک زندہ رہیں گے کہ کوئی بھائی دوسرے بھائی کو کوئی چیز دے کر اسے اپنے دل میں بڑی بات سمجھے گا۔ پس جب تیرا بھائی تیری محبت کا اظہار کرے تو اس کی تصدیق کرنے میں جلدی نہ کر کیونکہ آج کل بھائیوں میں بہت جلدی تبدیلی آجاتی ہے پس جب کوئی شخص تیرے قریب ہو تو اس سے بچتا رہ۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے جو شخص اپنے بھائیوں کو خوشی پہنچائے وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے والا ہوگا۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہم نے لوگوں کو اس طرح پایا کہ ان میں سے ایک اپنے آپ کو ذاتی سامان کا دوسرے بھائی کے مقابلے زیادہ حق دار نہیں سمجھتا تھا البتہ یہ کہ اس بھائی سے زیادہ محتاج ہو۔

حضرت معین بن زائدہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے کبھی کسی سوال کرنے والے کے سوال کو رد نہیں کیا اور اگر کبھی رد بھی کیا تو بعد میں معلوم ہوا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے مجھے اپنے ساتھی سے حیا آتی ہے کہ وہ تین مرتبہ میری ملاقات کے لئے آئے اور میں اسے کچھ نہ دوں۔

حضرت زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر تمہیں اپنے بھائی کے ہاں کوئی حاجت ہو تو اس کے پاس اس کے گھر جاؤ کیونکہ یہ بات حاجت کو زیادہ پورا کرنے والی ہے۔

ایک دن ایک شخص نے حضرت اوس بن خارجہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا کہ میں ایک چھوٹے سے کام کے لئے آپ کے پاس آیا ہوں انہوں نے فرمایا اس کے لئے کسی چھوٹے آدمی کو تلاش کرو۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے جب کسی حاجت کا سوال کیا جاتا تو اس طرف جلدی کرتے اور فرماتے مجھے ڈر ہے کہ میں اس میں تاخیر کروں اور میرے بھائی کی حاجت ختم ہو جائے تو مجھ سے ثواب رہ جائے۔

حضرت مطرف بن عبد اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جس شخص کو میرے ہاں حاجت ہے وہ ایک کاغذ پر لکھ کر میری طرف بھیج دے میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ میں مسلمان کے چہرے پر سوال کی ذلت دیکھوں کیونکہ سوال اس عطیہ سے بھاری و ثقیل ہے اگرچہ وہ عطیہ کتنا بڑا ہی کیوں نہ ہو۔ (مطلب یہ کہ سوال بڑا اجرم ہے)

حضرت فضیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے یہ نیکی کی بات ہے کہ جب تمہارا بھائی تم سے کوئی چیز لے تو تم اپنے اوپر اس کا احسان سمجھو کیونکہ اگر وہ نہ ہوتا تو تمہیں ثواب نہ ملتا نیز اس نے سوال کے لئے تمہارا انتخاب کیا اور دوسروں کی بجائے تم سے امید رکھی۔

حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب کسی سے حاجت کا سوال کرتے تو فرماتے ہم نے اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف اٹھادیا ہے اگر وہ تیرے ہاتھوں اس کو پورا کرے گا تو ہم اس کی حمد کریں گے اور تمہارا شکریہ ادا کریں گے اور اگر تیرے ذریعے پورا نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی حمد کریں گے اور تجھے صاحب عذر سمجھیں گے۔

حضرت میمون بن مہران رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب تجھے کسی سے کوئی حاجت ہو تو قاصد کے ہاتھ تحفہ بھیج۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں تحفہ حاجت کے پورا ہونے کی چابی ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے رات کے وقت کسی سے حاجت کا سوال نہ کرو کیونکہ حیا آنکھوں میں ہوتی ہے (اس لئے رات کو انکار کیا جاسکتا ہے)۔

آپ یہ بھی فرماتے تھے جب مجھ پر کوئی مصیبت یا غم نازل ہو اس وقت جو شخص بستر پر کروٹیں بدلتا رہے (یعنی میری پریشانی پر پریشان ہو) تو میں اس کا بدلہ نہیں دے سکتا اس نے اپنے رب کے ہاں مجھے اپنی حاجت بنالیا۔

حضرت عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے مین ایک شخص سے حدیث سنتا ہوں اور میں اس کو پہلے سے جانتا ہوں اور اس سے کئی بار سن چکا ہوں لیکن میں اس کی طرف اس طرح کان لگاتا ہوں جس طرح اس شخص کی طرف متوجہ ہوتا ہوں جیسے اس کے علاوہ کسی سے نہیں سنی اس کی وجہ میرا یہ

خوف ہے کہ اگر میں نے اس سے سبقت کی تو اسے شرمندگی ہوگی۔(اگر میں نے کہا یہ تو میں سن چکا ہوں)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے ہر آنے والے کو کوئی خدشہ ہوتا ہے پس تم اسے کشادہ دلی کے ساتھ ملو اور سلام کے ساتھ ابتدا کرو۔ حدیث شریف میں ہے:

"لا تنزلوا حوائجکم بمن لا یشتھی قضاءھا"۔

ترجمہ: اپنی حاجات ان لوگوں کے سامنے پیش نہ کرو جو ان کو پورا کرنا نہیں چاہتے۔

حضرت ربیع بن خثیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مانگنے والے کو روٹی کا ایک ٹکڑا یا کوئی ٹوٹی چیز یا پرانا کپڑا نہیں دیتے تھے اور فرماتے تھے مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں میرا نامہ اعمال پڑھا جائے اور اس میں گھٹیا چیزیں ہوں جو میں نے اللہ تعالیٰ کے لئے دی ہوں۔

تو اے بھائی! اپنے دل کا جائزہ لو کیا تم ان باتوں میں جو تم نے سنی ہیں اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر ہو یا تم نے ان کی مخالفت کی اور صالحین میں سے ہونے کا دعویٰ کرنے سے پرہیز کرو۔

اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

بھائی چارہ قائم کرنے میں جلدی نہ کرنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے بھائی چارہ قائم کرنے میں جلدی نہیں کرتے بلکہ ان میں سے ایک سال بھر یا اس سے زیادہ مدت انتظار کرتا ہے۔(ان کا یہ عمل) اللہ تعالیٰ کے ساتھ ادب کی وجہ سے ہوتا کہ کسی شخص کو بھائی یا دوست بنائیں اور اللہ تعالیٰ کے حقوق کو پورا کرنے اور اس کو دنیا اور آخرت کے امور میں اپنی ذات کی طرح قرار دینے کی معرفت حاصل نہ ہو۔

اس خُلق سے بے شمار لوگ خالی ہیں ان سے جو شخص بھائی چارہ یا دوستی قائم کرنے کا مطالبہ کرتا ہے وہ اس میں جلدی کرتے ہیں پھر ایک عرصہ کے بعد قطع تعلق کر لیتے ہیں۔

عقلمند لوگوں نے کہا ہے کہ آخر میں پیدا ہونے والا فساد ابتدا کے فساد سے ہوتا ہے (یعنی پہلی اینٹ ٹیڑھی ہو تو دیوار آخر تک ٹیڑھی ہوتی ہے)

حدیث شریف میں ہے:

"لاتواداثنان فیفرق بینھما الا بذنب یحدثه احدھما"۔[58]

ترجمہ: وہ شخص آپس میں محبت کرتے ہیں پھر ان میں جدائی ہو جائے تو اس کی وجہ ان میں سے کسی ایک کا گناہ ہوتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے:

"سیکون فی آخر الزمان قوم اخوان العلانیة اعداء السریرة"۔[59]

ترجمہ: آخری زمانے میں ایک قوم ہوگی جو ظاہر میں بھائی اور باطنی طور پر دشمن ہوں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم یہ کیسے ہو گا؟ فرمایا "**یتواخوان رغبة ورھبة**" وہ کسی رغبت یا خوف کی وجہ سے بھائی بنیں گے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ رسول اکرم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان مواخات (بھائی چارہ) قائم کرتے تو ان میں سے ایک جب تک اپنے بھائی سے ملاقات نہ کر لیتا اس پر رات طویل ہو جاتی۔

---

58 (مسند امام احمد 2/68، الترغیب 3/128 مطبوعہ بیروت)

59 (مسند احمد بن حنبل جلد ۵ صفحہ ۲۲۵ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

اور ان سب کا یہ معاملہ تھا کہ جب وہ اپنے بھائی سے تین دن غائب رہتے تو ہر ایک اپنے آپ کو کوستا تھا۔

حضرت حبیب بن ابی ثابت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کسی کو اپنا بھائی (دوست) نہ بناؤ مگر یہ کہ تم اس سے راز نہ چھپاؤ ورنہ وہ تم سے اجنبی ہو گا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہم نے لوگوں کو پایا کہ وہ ایک دوسرے سے خیر خواہی کرتے تھے اور اپنے بھائی سے یہ نہیں پوچھتے تھے کہ وہ کسی بات میں خیر خواہی کا محتاج ہے یا نہیں لیکن آج کے زمانے میں تم ان کو دیکھو گے کہ ایک دوسرے سے حالات پوچھتے ہیں پھر ان میں سے کوئی ایک دوسرے بھائی کو ایک درہم دینے کا روادار نہیں ہوتا۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کسی شخص کے لئے مناسب نہیں کہ اپنے بھائی سے کہے میں تجھ سے اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرتا ہوں بلکہ پہلے اپنے نفس کا جائزہ لے کہ وہ اس سے جو کچھ مانگے گا اس سے انکار تو نہیں کرے گا اگرچہ وہ یہ مطالبہ کرے کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دو تاکہ میں اس سے نکاح کر لوں۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اللہ تعالیٰ کے لئے بھائی چارہ قائم کرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا یہ ایسا راستہ ہے جس میں کانٹے اُگ گئے ہیں پس اس پر کوئی شخص چل نہیں سکتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے جس شخص کے بھائی کے جسم پر مکھی بیٹھے اور وہ اس پر گراں نہ گزرے تو وہ (حقیقتاً) بھائی نہیں ہے۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے تھے جب دوست زیادہ ہوں گے تو قیامت کے دن اس پر حقوق زیادہ ہوں گے اور جو شخص اپنے بھائیوں سے مقدور بھر چیز میں غمخواری نہ کرے تو وہ اسی مقدار میں محبت کم کر دیتے ہیں جس قدر وہ اس میں کمی کرتا ہے۔

حضرت علی بن بکار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے اپنے زمانے میں کسی شخص کو بھائی چارے کا حق قائم کرنے میں حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مثل نہیں دیکھا۔ آپ درہم یا پھل اور منقی اپنے اور اپنے بھائی کے درمیان تقسیم فرماتے اور اگر وہ موجود نہ ہوتا تو اس کے آنے تک اس (کے حصے) کی حفاظت فرماتے۔

حضرت میمون بن مہران رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا کیا وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں دوست آپ سے جدا نہیں ہوتے؟ انہوں نے فرمایا اس لئے کہ جب میں دیکھتا ہوں کہ میرا بھائی کسی چیز کو پسند کرتا ہے تو میں اس کو دے دیتا ہوں اور میں اس پر اپنے نفس کو ترجیح نہیں دیتا۔

ہمارے امام حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے وہ شخص تیرا بھائی نہیں جس کی خاطر مدارات اور اس سے معذرت کی تمہیں ضرورت پیش آئے۔

حضرت یونس بن عبید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بیٹا فوت ہو گیا اور ابن عوف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تعزیت نہ کی تو ان سے کہا گیا کہ فلاں نے آپ کے بیٹے کی تعزیت نہیں کی۔ انہوں نے فرمایا جب ہم کسی شخص کی دوستی پر یقین رکھتے ہیں تو ان کے نہ آنے سے ہمیں کوئی نقصان نہیں ہوتا۔

حضرت حامد اللفاف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہم نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے دشمنوں سے بھی اچھا سلوک کرتے تھے اور اب ہم ان کو دیکھتے ہیں کہ نہ دشمنوں سے نیکی کرتے ہیں اور نہ دوستوں سے۔

حضرت اعمش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہم نے لوگوں کو اس طرح پایا کہ ان میں سے ایک کئی دن تک اپنے بھائی سے ملاقات نہ کرتا پھر جب ان کی ملاقات ہوتی تو صرف اتنی بات کہتے "آپ کیسے ہیں؟" آپ کا حال کیا ہے؟ اور اگر وہ اس سے اس کا نصف مال طلب کرتا تو وہ اسے دے دیتا۔

پھر آج کل لوگوں کی حالت یہ ہے کہ ان میں سے ایک اپنے بھائی سے ہر روز یا ہر گھڑی ملاقات کرتا ہے تو اس سے پوچھتا ہے تمہارا کیا حال ہے؟ تم کیسے ہو؟ اور اس سے ہر چیز کے بارے میں حتیٰ کہ گھر میں موجود مرغی کے بارے میں بھی پوچھتا ہے اور اگر وہ اس سے ایک درہم کا سوال کرے تو وہ نہیں دیتا۔

ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا میں آپ سے اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا تم جو کچھ کہہ رہے ہو سچ نہیں ہے جبکہ تمہارا گدھا تمہارے نزدیک مجھ سے زیادہ اہم ہے کہ رات کے کھانے کے وقت اس کو یاد کرتے ہو تو میری محبت کا دعویٰ کس طرح کرتے ہو۔

ایک شخص نے حضرت بشر بن صالح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا میں آپ سے اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا تم جھوٹ کس وجہ سے بول رہے ہو پھر فرمایا تم مجھ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو اور حال یہ ہے کہ تمہارے گدھے کی پیٹھ پر ڈالا جانے والا کمبل میری دستار اور میرے کپڑوں سے زیادہ قیمتی ہے۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اللہ کے لئے اخوت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا یہ اخوت اس طرح ہے کہ تم اپنا تمام مال چھوڑ دو جس طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنا تمام مال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کے لئے چھوڑ دیا تھا۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو کسی دوسرے شخص سے محبت کرتا ہے لیکن بعض اوقات دنیا کے بعض منافع اس کے راستے میں رکاوٹ بنتے ہیں تو کیا ایسا شخص اپنی محبت میں سچا ہے؟ فرمایا ہاں (سچا ہے) لیکن اس کے درجہ کمال میں کمی ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے باہم محبت کرنے والوں کی ایک علامت یہ ہے کہ جب وہ ایک دوسرے سے ناراض ہوں تو ان میں سے ہر ایک دوسرے ساتھی کو راضی کرنے کی کوشش کرتا ہے ہم نے کوئی ایسا شخص نہیں پایا جو اپنے بھائیوں کے ہاں محبوب ہو اور وہ ان کی غمخواری نہ کرے جس طرح ہم سخت غصے والے کو خوش اور کسی حریص کو غنی نہیں پاتے۔ (یعنی دو متضاد باتیں اکٹھی نہیں ہوتیں)

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ کیا وجہ ہے ہم میں سے ایک اس چیز کی طرف دیکھتا ہے جو بیت الخلاء میں اس سے نکلتی ہے اور اس کے کسی حصے سے اپنی نگاہ نہیں پھیرتا ہے۔

انہوں نے فرمایا اس لئے کہ فرشتہ اس سے کہتا ہے جس سے اپنی نگاہ نہیں پھیرتا ہے اس چیز کو دیکھ جسے اپنے بھائی کو دینے سے تو نے بخل کیا وہ کیا بن گئی ہے۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے آج کے زمانے میں لوگوں کا بھائی چارہ باورچی کے اس شوربے کی طرح ہو گیا ہے جس کی خوشبو اچھی ہو اور ذائقہ نہ ہو۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے بھائی چارے کی صداقت میں سے یہ بات ہے کہ آدمی اپنے بھائی کی حالت فقر میں اس سے زیادہ عزت کرے جتنی اس کی مالداری کی صورت میں کرتا ہے۔ کیونکہ فقر، غنا سے افضل ہے اور اس کا بھائی (دوست) اپنے اعتبار سے زیادہ عزت کے لائق ہے، فقر کی وجہ سے نہیں۔

حضرت ابو مطیع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہم نے لوگوں کو یوں پایا کہ وہ اپنے غلاموں ترکی گھوڑوں (عمدہ گھوڑوں) مکانات اور مال سے بھرے ہوئے تھالوں کا تحفہ دیتے تھے اور آج کل صرف روٹی اور کھانے کا تحفہ دیتے ہیں اور عنقریب لوگ اس کو بھی چھوڑ دیں گے اور اپنے بزرگوں کی سنت کو بالکل مٹا دیں گے۔

اور اگر ان لوگوں میں سے کوئی فوت ہو جاتا تو اس کے جنازے سے واپسی کے بعد دوسرا (مسلمان) بھائی اس کے بچوں کے بالغ اور سمجھدار ہونے تک ان کی دیکھ بھال کرتا تھا اور آج کے زمانے میں لوگوں نے اپنے بھائیوں کے بچوں اور اہل خانہ کو بھلا دیا ہے۔

حضرت ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے آدی اپنے بھائیوں کے بغیر اس طرح ہوتا ہے جس طرح دایاں ہاتھ، بائیں ہاتھ کے بغیر ہو۔

حضرت ابو معاویہ اسود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پتھروں کو گھڑتے تھے اور اس کے ذریعے روزی حاصل کرتے تھے جب عمر زیادہ ہو گئی تو لوگوں نے عرض کیا آپ بوڑھے ہو گئے ہیں اور اس کام سے عاجز ہو چکے ہیں انہوں نے فرمایا اللہ کی قسم میرے لئے پتھروں کو گھڑنا، لوگوں سے سوال کرنے کے مقابلے میں زیادہ آسان ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے سامنے سونے اور چاندی کا ڈھیر لگاتے اور فرماتے اگر یہ نہ ہوتا تو لوگ ہمیں ناک ومنہ صاف کرنے کا رومال بنالیتے (یعنی ذلیل کر دیتے) یعنی اپنی ضرورت کیلئے مال جمع کرنے کو اچھا سمجھتے تھے۔ اور اگر میں اپنے پیچھے تیس ہزار دینار چھوڑوں جس کے بارے میں قیامت کے دن مجھ سے پوچھا جائے تو یہ بات میرے لئے اس سے بہتر ہے کہ میں کسی شخص کے دروازے پر کھڑا ہو کر حاجت کا سوال کروں۔

حضرت میمون بن مہران رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جس شخص کے نزدیک سب لوگ ایک جیسے ہوں اس کا کوئی دوست نہیں اور جو شخص صبح تمہاری حالت دریافت نہ کرے اور شام کو صلہ رحمی نہ کرے اس کو مردوں میں سے شمار کرو اور جو شخص تیری بیماری کے دوران تیری بیمار پرسی نہ کرے اور جب تو محتاج ہو تو تیری طرف تحفہ نہ بھیجے اور جب تو اس سے ملاقات نہ کر سکے تو وہ تجھ سے ملاقات نہ کرے تو وہ راہ چلتے دوستوں میں سے ہے۔(یعنی حقیقی دوست نہیں)

الا ذهب التذمم والوفاء وبادر جاله وبقي الغثاء
واسلمني الزمان الى اناس كانهم الذئاب لهم عواء
اذا ما جئتهم يتدافعوني كاني اجرب الاعضاء داء
اخلاء اذا استغنيت عنهم واعداء اذا نزل البلاء
اقول ولا الام على مقالي على الاخوان كلهم العفاء

ترجمہ اشعار: احساس ذمہ داری اور وفار خصت ہوئی اس پر عمل کرنے والے مرد چلے گئے اور بھوسہ رہ گیا۔ اور زمانے نے مجھے ایسے لوگوں کے سپرد کر دیا کہ گویا وہ بھیڑیے ہیں جو بھونکتے ہیں۔ جب میں ان کے پاس آتا ہوں تو وہ مجھے دھکے دیتے ہیں گویا میں خارش کی بیماری میں مبتلا ہوں۔ جب تجھے ان کی ضرورت نہ ہو تو وہ دوست ہوتے ہیں اور جب (تجھ پر) مصیبت نازل ہو تو دشمن بن جاتے ہیں۔ میں

کہتا ہوں اور مجھے میری بات پر ملامت نہ کیا جائے کہ وہ تمام بھائیوں کے لئے بردباری اور ہلاکت ہیں۔

تو اے بھائی! اپنا جائزہ لو کیا تم نے کبھی اپنے بھائیوں کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کیا ہے یا جہالت اور بخل کی وجہ سے اس میں کمی کی ہے تو صالحین میں سے ہونے کا دعویٰ نہ کر اگرچہ ان جیسے کام کرو۔

اے بھائی اس بات کو سمجھو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

مہمانوں کی عزت اور خدمت کرنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ مہمانوں کی عزت اور خود ان کی خدمت کرتے ہیں ہاں کوئی عذر شرعی ہو تو الگ بات ہے پھر بھی وہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے ہمارے پاس ٹھہرنے ہمارے بارے میں اچھا گمان رکھنے اور ہمیں بخیل نہ سمجھتے ہوئے ہمیں اس مقصد کے لئے منتخب کیا ہے تو ہم اس کھانے کے ذریعے اس کا بدلہ نہیں دے سکتے۔

رسول اکرم صَلَّی اللّٰہ ُتَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم بنفس نفیس مہمانوں کی خدمت کرتے تھے صحابہ کرام و تابعین رضی اللہ عنہم بھی اسی طرح کرتے تھے۔

جب نجاشی بادشاہ کا وفد حضور صَلَّی اللّٰہ ُتَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوا تو نبی اکرم صَلَّی اللّٰہ ُتَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے اپنے علاوہ کسی کو ان کی خدمت پر مامور نہ فرمایا اور ارشاد فرمایا انہوں نے ہمارے ساتھیوں کی عزت کی ہے اور میں ان کو بدلہ دینا چاہتا ہوں۔

پہلے بزرگ مہمان کی رات کو عید کی رات کی طرح سمجھتے تھے کیونکہ اس رات ان کو خوشی حاصل ہوتی تھی۔

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے تھے مجھے اپنے دوستوں کو کھانے کے دستر خوان پر جمع کرنا ایک غلام آزاد کرنے سے زیادہ پسند ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے تھے مکان کی زکوٰۃ یہ ہے کہ اس میں ایک مہمان خانہ بنایا جائے۔

حضرت بکر بن عبد اللہ المزنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مہمان کو کھانا کھلاتے اور جب وہ واپس جانے کا ارادہ کرتا تو اسے لباس بھی عطا فرماتے اور فرماتے اس کا میرے کھانے کو قبول کرنا اس سے افضل ہے جو کچھ میں نے اس کے ساتھ (حسن سلوک) کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کنیت ابو الضیفان (مہمانوں والے) تھی۔ آپ دو میل تک تشریف لے جاتے تاکہ مہمان کو اپنے ساتھ گھر لائیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں مہمانوں کے کھانے میں فراوانی فضول خرچی نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ الْمُكْرَمِينَ (الذاریات ۲۴)

ترجمہ: حضرت ابراہیم کے معزز مہمان۔

اس کی تفسیر میں حضرت مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ وہ لوگ اس لئے معزز تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خود ان کی مہمان نوازی کرتے تھے۔

حضرت عبد الواحد بن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس جو شخص بھی آتا اس کو کھلاتے پلاتے پھر اس سے معذرت کرتے کہ اس کے حق میں کوتاہی ہوئی ہے۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں کہ جن لوگوں کو ہم نے اس مقام پر پایا ان میں سیدی شیخ محمد بن عنان، شیخ ابو الحسن الغمری، شیخ عبد الحلیم بن مصلح، شیخ محمد شناوی، شیخ ابو بکر حدیدی

اور دیگر بزرگ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم شامل ہیں۔ یہ لوگ مہمان کے لئے اس ڈر سے تکلیف نہیں کرتے تھے کہ اس کے دوبارہ آنے پر وہ پریشان نہ ہو جائیں وہ کہتے تھے جو شخص مہمان کو وہ چیز پیش کرے جو اس کو میسر ہے تو مہمان جس وقت بھی آئے اسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا کہ اگر مہمان اپنے غیر کے لئے کھانا لے جائے تو کیا حکم ہے؟ فرمایا اگر اپنے بعض ساتھیوں کے لئے لے جائے تو کوئی حرج نہیں لیکن کسی اجنبی کے لئے لے جانا درست نہیں۔

حضرت بکر بن عبد اللہ مزنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جس شخص کو کھانے کی دعوت دی جائے اور وہ اپنے ساتھ کسی اور کو بھی لے جائے تو ایک تھپڑ کا مستحق ہے اگر اس سے کہا جائے یہاں بیٹھو اور وہ کہے نہیں وہاں بیٹھوں گا تو دو تھپڑوں کا مستحق ہو گیا اور اگر گھر والے سے کہے تم بھی ہمارے ساتھ کھاؤ تو تین تھپڑوں کا مستحق ہو گا کیونکہ اس نے تین فضول کام کئے ہیں۔

حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کوشش کرتے تھے کہ مہمان کو وہ چیز کھلائیں جو اس مہمان کے پاس بلکہ اس کے شہر میں بھی نہ ہو۔

حضرت خالد بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس گیا اور میرے ساتھ میرے کچھ ساتھی بھی تھے انہوں نے ہمارے سامنے شہد رکھا اور فرمایا اس قسم کا شہد تمہارے پاس نہیں ہے ہم نے کہا جی نہیں ہے۔

حضرت میمون بن مہران رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص مہمان کو کھانا کھلائے لیکن کھجور پیش نہ کرے یا کوئی میٹھی چیز نہ کھلائے تو یہ اسی طرح ہے جیسے نماز عشاء پڑھے اور وتر نہ پڑھے۔

جان لو! میزبان پر لازم ہے کہ مہمان کو حلال مال سے کھلائے اور اسے نماوں کے اوقات سے آگاہ کرے اور اچھا کھانا اور چربی (گھی) جو اس کے بس میں ہو اس میں کوتاہی نہ کرے اور مہمان پر واجب ہے کہ جہاں وہ (میزبان) بٹھائے اور جو کچھ اس کے سامنے رکھے اس پر راضی ہو جائے اور اس کی اجازت کے بغیر باہر نہ جائے۔

حضرت اوس بن خارجہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے جب بھی کچھ لوگوں کو اپنے ہاں کھانے پر بلایا اور انہوں نے وہ کھایا تو میں نے اپنے احسان کے مقابلے میں ان کے احسان کو افضل قرار دیا۔

حضرت حامد بن اللفاف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے نام نہاد زاہد کی نشانی یہ ہے کہ جب وہ کسی کا مہمان ہوتا ہے تو اس کے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مہمان نوازی کا ذکر کرتا ہے اور جب اس کے پاس کوئی مہمان آئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زہد کا ذکر کرتا ہے۔

حضرت اصمعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب بخیل تجھے مہمان بنائے تو اس کی طرف جلدی کر اسے کرم کرنے کی باتیں سکھا اور اس کے ہاں کھانا نہ کھا۔ اور اپنے جانور کے لئے چارہ لے جانا نہ بھولنا کیونکہ بعض اوقات وہ رات کے چارے میں کوتاہی کرتا ہے۔

(مطلب یہ کہ جب سواری کے لئے ساتھ کچھ نہ لے جائیں اور بخیل بھی اسے نہ دے تو جانور بھوکا مرے گا)

وہ فرماتے تھے میں جب بھی کسی بخیل کیک ہاں مہمان ہوا میرا جانور بھوک کی وجہ سے چلانے لگا میں بیت الخلاء سے بے نیاز ہو گیا اور بد ہضمی سے بچ گیا۔

شیخ الاسلام کمال الدین طویل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجھے بخیل کے بارے میں کچھ اشعار سنائے جو اس طرح ہیں:

و اذا اردت اخاءہ فارفع یمینک من طعامہ

فالموت اھون عندہ من مضغ ضیف و التقامہ

سیان کسر رغیفہ او کسر شیء من عظامہ

و اذا مررت ببابہ فاحفظ رغیفک من غلامہ

ترجمہ: جب تو اس (بخیل) سے بھائی چارہ چاہتا ہے تو اس کے کھانے سے ہاتھ اٹھا لے، اس کے نزدیک مہمان کے (کھانا) چبانے اور لقمہ بنانے سے موت زیادہ آسان ہے، اس کی روٹی کا ٹکڑا توڑنا یا اس کی ہڈی میں سے کوئی چیز توڑنا دونوں اس کے لئے برابر ہیں، جب تم اس کے دروازے سے گزرو تو اس کے غلام سے اپنی روٹی کی حفاظت کرو۔

تو اے بھائی! اپنے نفس کا جائزہ لے کہ کیا تیرے اندر یہ اخلاق ہیں یا تو نے ان میں کوتاہی کی اور تو نے یہ کہا کہ کھانا کھلانا ہمارے طریقے سے نہیں ہے اور نہ ہی ہمارے شیخ کا طریقہ ہے۔ جس طرح بعض ایسے لوگوں نے یہ بات کہی جو طریقت کے جھوٹے دعویٰ دار ہیں۔ اس طرح کے لوگ کہتے ہیں کہ ہر صوفی کے ہاں دستر خوان بنایا گیا گویا اس کے مکان کو بیکار لوگوں کا اڈہ بنا دیا۔

تو اے بھائی! اس قسم کی باتوں سے اپنے آپ کو بچا۔ حدیث شریف میں ہے:

"ما جبل ولی اللہ الا علی السخاء و حسن الخلق"۔[60]

ترجمہ: سخاوت اور حسن اخلاق اولیاء اللہ کی فطرت میں رکھا گیا ہے۔

[60] (الترغیب و الترھیب جلد ۳ صفحہ ۳۸۳ مطبوعہ المصطفیٰ البابی حلبی مصر)

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں میں نے اب مصر میں شیخ سلیمان خفیری اور شیخ جمال الدین جو شیخ شاہین کے خلیفہ ہیں سے زیادہ معزز اور کریم کسی کو نہیں دیکھا اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں ان دونوں جیسے لوگ بکثرت پیدا فرمائے ان کی برکت سے ہمیں نفع عطا فرمائے اور ان کو مزید فضل عطا فرمائے۔ اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

مشتبہ مال والوں کی دعوت قبول نہ کرنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ ان لوگوں کی دعوت قبول نہیں کرتے جن کے مال میں شبہ ہو مثلاً امیر، افسر (ڈائرکٹر) قاضی، جاسوس، شیخ عرب، شہر کا شیخ اور تاجر جو ظالموں کے ساتھ لین دین کرتا ہے اور اس قسم کے بے شمار دوسرے لوگوں سے۔

اور جان لو کہ کھانے میں شبہ کی علامت یہ ہے کہ اس کے ہاں قسم قسم کے کھانے ہوں کیونکہ اگر وہ حلال رزق کے پیچھے جاتا تو حلال سے اس قدر رزق نہ پاتا کہ کھانے کو مختلف اقسام پر تقسیم کرتا۔ (زیادہ ڈشیں نہ ہوتیں)

اسی وجہ سے نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے فخر کرنے والے لوگوں کے کھانے سے منع فرمایا۔

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے صرف متقی پرہیز گار آدمی کے کھانے سے کھاؤ اور اپنا کھانا بھی متقی لوگوں کو کھلاؤ۔ اور آپ کسی ولیمہ کی دعوت اس وقت قبول کرتے جب اس شخص کے دین کا کامل یقین ہو جاتا۔

حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ اس وقت ولیمہ کی دعوت قبول کرتے جب آپ کو اس بات کا علم ہو جاتا کہ وہاں کوئی ایسی چیز نہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ جب کسی ولیمہ میں جاتے اور گھر میں پردے دیکھتے تو واپس آجاتے اور فرماتے گھروں پر (بلاضرورت) وہی شخص پردے ڈالتا ہے جو دنیادار اور ظالم ہو۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ایک ولیمہ کی دعوت دی گئی انہوں نے وہاں عجمی لوگوں کا کوئی لباس دیکھا تو جلدی جلدی واپس آگئے۔ اور فرمایا جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ ان ہی میں سے ہوتا ہے۔ اور جو شخص کسی قوم کے عمل پر راضی ہوتا ہے وہ اس میں شریک ہوتا ہے۔ (یعنی گناہ میں)

حضرت محمد بن سلام سکندری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ولیمے کے بارے میں سنت طریقہ ختم ہو گیا بڑے بڑے ٹب کھانے سے بھر کر مسجد میں لے جاتے تھے اور وہاں جو بھی موجود ہوتا وہ ان میں سے کھاتا وہ مالدار ہوتا یا فقیر، شریف ہوتا یا حقیر۔ اور جب ولیمہ کی دعوت کرنے والا صرف مالدار لوگوں کو دعوت دیتا تو لوگ اس کا کھانا نہ کھاتے اور کہتے تھے یہ سب برا کھانا ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ایک شخص کے لئے میرے دل میں جگہ (عزت) ہوتی ہے جب میں دیکھتا ہوں کہ وہ کھانے میں وسعت اختیار کرتا ہے تو اس کے تقویٰ میں کمی کے باعث وہ میری نگاہوں سے گر جاتا ہے۔

حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے کہا اے میرے بیٹے! ولیموں میں جانے سے بچو کیونکہ ان سے تمہیں دنیا اور اس کی خواہشات یاد آئیں گی۔ (اگر غیر شرعی امور پر مشتمل ہو ورنہ دعوت قبول کرنا سنت سے ثابت ہے۔)

حضرت ایوب سختیانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے بندہ اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک اس میں دو خصلتیں نہ ہوں جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے بچنا اور ان کی طرف سے اذیت برداشت کرنا۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو جب کسی ولیمہ کی طرف بلایا جاتا اور آپ وہاں ظالم حکمرانوں میں سے کسی کو دیکھتے تو جلدی جلدی واپس آ جاتے اور فرماتے ہم ظالم لوگوں کے ساتھ نہیں بیٹھتے۔

حضرت میمون بن مہران فرماتے تھے محب کے ساتھ کھانے سے کھانا ہضم ہو جاتا ہے اور دشمنوں کے ساتھ کھانے سے بدہضمی ہو جاتی ہے۔

حضرت شقیق بن ابراہیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اس زمانے میں ولیمہ سنت کے مطابق نہیں رہا اور مجھے ولیمہ کی دعوت قبول کرنے پر شرمندگی ہوتی ہے۔

حضرت شفیق ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے ساتھیوں سے فرماتے تھے تم پر لازم ہے کہ جس حد تک ممکن ہو ولیموں سے بچو البتہ جو بدعت (نئے نئے غیر شرعی طریقے) سے محفوظ ہو کیونکہ جو شخص کسی کے پیالے سے کھاتا ہے وہ اس کے سامنے ذلیل ہوتا ہے۔

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما ولیموں میں حاضری کو قبول نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے ہمیں ڈر ہے کہ کھانا فخر کے طور پر ہو گا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے جو شخص کھانے میں ہمارے سامنے تکبر اور ریاکاری ظاہر کرتا ہے یا جس کے گھر میں خانہ کعبہ کے غلاف کی بجائے پردے ہوں ہمیں اس کے کھانے سے منع کیا گیا ہے۔

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے آج کے زمانے میں کسی شخص کی مذمت کرنا اس کی تعریف کرنا ہے کیونکہ وہ اس کی مذمت ان ہی باتوں کے ساتھ کرتے ہیں جن کو ان کے نفس پسند نہیں کرتے۔(یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے نہیں بلکہ ہوائے نفس پر مبنی ہے)

حضرت موسیٰ بن طلحہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے عبد الملک بن مروان نے میری طرف چاندی کے تین تھال بھیجے اور پیغام بھیجا کہ ان کو فقراء پر تقسیم کر دو میں نے ان کو قبول کیا پھر ان میں سے کچھ ابو رزین عقیلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف بھیجے اور وہ محنت کش تھے تو گویا میں نے ان پر بچھو ڈال دیئے انہوں نے وہ چاندی واپس کر دی اور رات بھوک سے گزاری۔

امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کے پاس اپنے غلام کے ہاتھ مال بھیجا اور اس سے کہا اگر انہوں نے قبول کر لیا تو تم آزاد ہو۔ جب غلام ان کے پاس گیا تو انہوں نے قبول نہ کیا غلام نے کہا اے میرے سردار آپ اس کو قبول کر لیں گے تو مجھے آزادی مل جائے گی حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تیرے لئے اس میں آزادی ہے لیکن میرے لئے غلامی ہے۔

تو اس بات کو جان لو اور اپنا جائزہ لو کیا تم بھی کبھی ان لوگوں کی طرح اس مال سے بچے ہو یا جب بھی دعوت دی گئی تم نے کھا لیا اور تم نے کہا اصل میں یہ حلال ہے اور تم نے اپنے نفس کو ضائع کر دیا اور تیری پیروی کرنے والے نے بھی، جس نے پہلے یہ بات کہی کہ یہ حلال ہے اس سے میرے شیخ نے کھایا ہے۔ جب تو اس سے بچتا نہیں تو تجھے نیک ہونے کا دعویٰ کرنے سے بچنا چاہئے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

زائد مال صدقہ کر دینا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ اپنی ضرورت سے بچ جانے والا مال رات اور دن صدقہ کرتے ہیں پوشیدہ بھی اور ظاہر بھی۔ اور ان میں سے جسے صدقہ کرنے کے لئے مال اور کھانا حاصل نہیں ہوتا وہ لوگوں کو تکلیف نہ پہنچانے کے ذریعے صدقہ کرتا ہے نیز ان کی طرف سے پہنچنے والی اذیت برداشت کرتا ہے۔

گذشتہ زمانے میں مالدار لوگوں کے مقابلے میں فقراء زیادہ صدقہ کرتے تھے کیونکہ وہ مال اور کھانا جمع نہیں کرتے تھے جب کہ مالدار لوگ جمع کرتے تھے۔

اور یہ بات یقینی ہے کہ مالدار لوگوں کے مقابلے میں فقراء دل کی خوشی سے صدقہ کرتے ہیں کیونکہ ان کا ایمان اور یقین کامل ہوتا ہے اور وہ محتاج لوگوں کو مال دینے میں بخل نہیں کرتے۔

امیر المؤمنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ دعا مانگتے تھے:

یا اللہ ہم میں سے نیک لوگوں کو اپنا فضل عطا فرما تاکہ وہ ہم میں سے حاجتمند لوگوں کی طرف لوٹا دیں۔

ان حضرات میں سے کوئی اپنے بھائی کے پاس روٹی یا کھجوری یا جو تا بھیجتا اور کہتا ہمیں معلوم ہے کہ آپ کو اس کی ضرورت نہیں ہے لیکن ہم نے آپ کو یہ بات بتانے کا ارادہ کیا ہے کہ آپ ہماری یاد میں ہیں۔

حضرت عبد العزیز بن عمیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے نماز تجھے نصف راستے تک پہنچاتی ہے روزہ تجھے بادشاہ کے دروازے تک پہنچاتا ہے اور صدقہ تجھے بادشاہ (اللہ تعالی) کے دربار تک پہنچاتا

ہے۔ آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ ہمارے مال ہمارے پاس نیک کاموں پر خرچ کرنے کے لئے بطور امانت ہیں۔

حضرت ابراہیم بن یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مال جمع کرتے اور فرماتے ہیں اس کو بھوکے پیٹوں اور ننگی پیٹھوں کے لئے جمع کرتا ہوں پانی اور گارے (عمارتوں کی تعمیر) کے لئے جمع نہیں کرتا۔

لوگوں نے ان سے مسجد کی تعمیر کے لئے کچھ مانگا تو انہوں نے انکار کر دیا اور ان کو کچھ نہ دیا اور فرمایا بھوکا آدمی اس کا زیادہ حق دار ہے۔

حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے کہا جب تم سے کوئی غلطی ہو جائے تو صدقہ کرو اگرچہ ایک روٹی ہو۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے جو شخص اپنے مال کے ذریعے سخاوت نہیں کرتا اس کا مال کو جمع نہ کرنا زیادہ بہتر ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے تم میں سے کوئی شخص اچھی کمائی کے علاوہ مال سے صدقہ نہ کرے جو شخص فقیر کو خبیث (حرام) مال سے صدقہ دیتا ہے تاکہ اس فقیر پر رحم کرے وہ مغرور ہے اس فقیر سے جو کچھ لیا (لوٹ مار کی) وہ واپس کر دینا اور یوں اس پر رحم کرنا زیادہ بہتر ہے۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو اپنے حاجتمند رشتہ دار کو چھوڑ کر غیر پر صدقہ کرے اللہ تعالیٰ اس شخص کا صدقہ قبول نہیں کرتا۔

حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صدقہ فطر چھان کر اور صاف ستھرا کر کے دیتے تھے۔ حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب انسان کا عقیدہ یہ ہو کہ وہ جس قدر مال

دے رہاہے اس کا مالک اللہ تعالیٰ ہے تو اس پر کوئی حرج نہیں اور نہ اسے ضرر ہو گا۔ جب اس میں عیب ہو (یعنی اچھامال نہ ہو اور جو ردی مال موجود ہو اس سے صدقہ کرے تو کوئی حرج نہیں)۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے صدقہ دینے کے لئے اچھے مال کا انتخاب کرو بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ پاک مال ہی قبول کرتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے تم میں سے ایک شخص فلاں کی بیٹی کا فلاں سے زیادہ مال کے بدلے نکاح کرتا ہے لیکن ایک لقمہ یا ایک کھجور یا خوشبو پھٹے پرانے کپڑوں کا ٹکڑا خرچ کر کے حور عین سے شادی نہیں کرتا یہ عجیب بات ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اکثر شکر صدقہ کرتے تھے اور فرماتے تھے میں اسے پسند کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران ۹۲)

ترجمہ: تم ہرگز نیکی (کا ثواب) نہیں پاسکتے جب تک اپنی پسندیدہ چیز خرچ نہ کرو۔

حضرت امام لیث بن سعد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص مجھ سے صدقہ یا تحفہ قبول کرے اس کا مجھ پر اس سے زیادہ حق ہے جتنا میرا حق اس پر ہے کیونکہ اس نے مجھ سے وہ چیز قبول کی جو قرب خداوندی کا ذریعہ ہے۔

حضرت معاذ نسفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص اپنے نفس کو اپنے صدقہ کے ثواب کا اس سے زیادہ محتاج نہ سمجھے جس قدر فقیر اس کے صدقہ کا محتاج ہے تو اس شخص نے احسان کر کے اپنے صدقہ کو باطل کر دیا کیونکہ اس نے فقیر پر اپنے آپ کو ترجیح دی اور اس صورت میں یہ صدقہ اس کے منہ پر مارا جائے گا۔

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص ایک سو درہم میں سے ایک درہم دے اور اس کے نزدیک یہ ایک درہم باقی رہنے والے درہموں سے زیادہ عظمت والا اور محبوب نہ ہو تو اس کا صدقہ رد کر دیا جائے گا اور اس کے منہ پر مارا جائے گا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں صدقہ میں سے کسی چیز کو حقیر نہ جانو کیونکہ اس میں سے ایک دانہ قیامت کے دن ثواب کے پہاڑوں کے ساتھ تولا جائے گا۔

آپ نے ایک فقیر کو انگور کا ایک دانہ دیا تو اس نے واپس دیا گویا اس کی نگاہ میں وہ کم تھا ام المؤمنین نے فرمایا کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں پڑھا۔

فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ (الزلزلۃ ۷)

ترجمہ: جو شخص ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا اسے دیکھ لے گا۔(ثواب پائے گا)

تو ذرہ کے مقابلے میں یہ انگور کس قدر ہے؟ (یہ سن کر) اس شخص نے اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگی۔

تو اے بھائی! اپنے زائد مال کا صدقہ نہ کرنے پر اپنے نفس کا جائزہ لو اور اپنے آپ کو صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اللہ کی جماعت میں شامل نہ کرو مگر یہ کہ ان کے اخلاق کی پیروی کرو۔

اور میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے اس مقام پر آخر میں جن لوگوں کو پایا وہ سیدی شیخ محمد شناوی، شیخ محمد منیر، شیخ عبد الحلیم بن مصلح، شیخ محمد بن داؤد، شیخ محمد العدل اور دیگر اکابر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم تھے ان میں سے ہر ایک کے نزدیک ایک ہزار درہم ایک پیسے کے برابر ہوتا تھا۔ اس بات کو سمجھو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

سائل کے سامنے خوشی کا اظہار کرنا اور اسے جھڑکنے سے باز رہنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک خُلق یہ ہے کہ وہ سائل کے ساتھ خندہ روئی سے پیش آتے ہیں ان کو جھڑکتے نہیں اور وہ ان کے سوال کو ضرورت کے تحت خیال کرتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے جو شخص مانگنے والے کو خالی ہاتھ لوٹاتا ہے فرشتے سات دن تک اس کے گھر کو (رحمت کے ساتھ) نہیں ڈھانپتے۔

حدیث شریف میں ہے:

"لولا ان بعض المساکین یکذب ما افلح من ردہ"۔[61]

ترجمہ: اگر یہ بات نہ ہوتی کہ بعض مساکین جھوٹ بولتے ہیں تو اس کو رد کرنے والا فلاح نہ پاتا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو نعمتیں عطا فرما کر اس کا امتحان لیتا ہے کہ وہ اس میں اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے اگر وہ ان سوال کو پورا کرتا ہے تو ٹھیک ورنہ وہ نعمت اس سے لے لیتا ہے۔

اسی طرح اسلاف اپنے اصحاب (مریدین) سے پکا وعدہ لیتے اور ان پر اس معاملے میں سختی کرتے کہ جو کچھ انہوں نے دیا ہے وہ واپس نہ لیں۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے سب سے پہلے جو شخص غفلت کی نیند سے بیدار ہوا وہ حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تھے وہ اس طرح کہ ایک دن ان کو مچھلی کی خواہش ہوئی جب اسے لے کر گھر آئے اور ہنڈیا میں رکھ دیا تو ایک سائل آیا آپ نے اس کو خالی ہاتھ

---

[61] (الکامل فی ضعفاء الرجال ابن عدی عمر بن موسی بن دحیہ الوجیھی جلد ۵ صفحہ ۱۶۷۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

لوٹا دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس مچھلی کو خون میں بدل دیا۔ اس واقعہ سے انہوں نے نصیحت حاصل کی اور اپنا تمام مال صدقہ کر دیا۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب اپنے دروازے پر سائل کو دیکھتے تو اس کے لئے اپنا سینہ کشادہ کر دیتے اور فرماتے اس شخص کو خوش آمدید جو میرے گناہوں کو دھونے کے لئے آیا ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے مانگنے والے کتنے اچھے ہیں کہ وہ ہمارے بوجھوں کو کسی اجرت کے بغیر اٹھاتے ہیں حتیٰ کہ وہ ان کو اللہ تعالیٰ کے سامنے میزان میں رکھ دیں گے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا زہد اختیار کرنے سے پہلے یہ طریقہ تھا کہ جب ان کے پاس مانگنے والا آتا تو گھر والوں کے پاس جا کر فرماتے تمہارے پاس قبرستان سے نمائندہ آیا ہے تو کیا تم اپنے فوت شدہ لوگوں کے لئے صدقہ بھیجتے ہو؟

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے تھے بنی اسرائیل کے زمانے میں مسجد مین ایک سائل آیا اور اس نے سوال کیا لوگوں نے اس کی پرواہ نہ کی وہ مر گیا تو انہوں نے اس کو کفن پہنایا اس کی نماز جنازہ پڑھی اور اس کو دفن کر دیا۔ جب مسجد کی طرف واپس آئے تو کفن کو محراب میں رکھا ہوا پایا اس پر لکھا ہوا تھا "یہ کفن تمہاری طرف لوٹایا جاتا ہے اور تمہارا رب تم سے ناراض ہے"۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ کے ناپسندیدہ لوگ وہ ہیں جو مساجد میں سوال کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے گھر میں اس کے غیر سے مانگتے ہیں۔ اور جو کچھ ان سے مانگتے ہیں اگر وہ نہیں دیتے تو یہ (مانگنے والے) ان کے عذاب کا سبب بنتے ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا کہ فقراء اور مساکین کی کثرت ہے وہ سوال کرتے ہیں تو ہم ان میں کس کو دیں۔ فرمایا اسے دو جس کے لئے اپنے دل میں نرمی پاتے ہو۔

حضرت اسود دؤلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر ہم ہر سائل کی بات مانیں تو اس سے برے حال والے ہو جائیں (یعنی پورا مال خرچ ہو جائے گا اور خود مانگنا شروع کر دیں گے)۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں صدقہ کرنے والے کو چاہئے کہ وہ اپنے نفس اور اپنے گھر والوں کے لئے بھی کوئی چیز رکھے جو کچھ ان کی ضرورت سے زائد ہو وہ صدقہ کرے۔

ایک دن حضرت سالم بن عبد اللہ ابن عمر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حرم شریف میں داخل ہوئے تو ہشام بن عبد الملک کو دیکھا اس نے کہا اے سالم! مجھ سے اپنی حاجت کا سوال کریں انہوں نے فرمایا اے امیر المؤمنین! مجھے اللہ تعالیٰ کے گھر میں اس کے غیر سے مانگتے ہوئے شرم آتی ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس جب کوئی سائل آتا تو اسے عطا فرماتے اور پھر کہتے یا اللہ! اس شخص نے ہم سے رزق کا سوال کیا اور ہم تجھ سے بخشش کا سوال کرتے ہیں اور ہم نے جو عطیہ دیا ہے اس کے مقابلے میں تو بخشش کے ساتھ زیادہ جود کرنے والا ہے۔

ایک دن ایک سائل حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس آیا تو آپ نے اس کو دینے کے لئے جوتوں کے سوا کچھ نہ پایا تو وہی عطا فرما دیئے پھر اس کے بعد آپ کو یہ خبر پہنچی کہ اس شخص نے جوتا بیچ کر اس کی قیمت سے پھل خریدا ہے۔ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا الحمد للہ! شاید وہ پھل کھانے کا خواہش مند تھا تو ہم نے اس کی قیمت کے ساتھ اس کی غمخواری کی۔

حضرت سالم بن عبد اللہ ابن عمر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نو ذوالحجہ کے دن ایک شخص کو سوال کرتے ہوئے دیکھا تو اس کو جھڑک دیا اور فرمایا کیا تمہیں اللہ تعالیٰ سے حیا نہیں آتی آج کے دن (حج کے دن) اور اس قسم کی جگہ (عرفات میں) غیر اللہ سے سوال کرتے ہو۔

تو اے بھائی! یہ بات جان لو اور جو کچھ تم نے گزشتہ دنوں میں فقراء کو دیا ہے اس کے بارے میں اپنے نفس کا جائزہ لو تو کبھی تم نے احسان کیا ہو گا اگرچہ تمہارے دل میں ہی یہ بات ہو تو تمہارا اجر ضائع ہو گیا اور کبھی تم نے سائل کو جھڑکا ہو گا اور جو کچھ تم نے دیا اس کے مقابلہ میں جھڑک زیادہ ہو گی تو یہ اذیت پہنچانا ہے اس سے پرہیز کر۔ اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

دوستی کا معیار

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ کسی کو بھائی (دوست) نہیں بناتے تھے مگر جس کے بارے میں جان لیتے کہ وہ اس کا حق ادا کر سکیں گے کیونکہ جب تم اپنے بھائی کا حق ادا نہیں کرو گے تو اس کا دل تم سے فارغ ہو گا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے اپنی اولاد کو وہ چیز اچھے طریقے سے دو جس کا وہ سوال کریں اور تم ان پر تالے نہ بن جاؤ ورنہ وہ تمہاری موت کی تمنا کریں گے اور تمہاری زندگی سے تنگ آ جائیں گے۔

امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے تھے اپنے بھائیوں کا خیال رکھو وہ دنیا اور آخرت میں تمہاری جماعت ہیں کیا تم نے جہنمیوں کا قول نہیں سنا:

فَمَالَنَامِنْ شَافِعِينَ (١٠٠) وَلَاصَدِيقٍ حَمِيمٍ (الشعراء ١٠١)

ترجمہ: پس ہمارے لئے سفارش کرنے والے اور کوئی گہرا دوست نہیں ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

"ما احدث عبد اخاء فی اللہ الا احدث اللہ لہ درجة فی الجنة"۔[62]

ترجمہ: جو بندہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کسی کو بھائی بناتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک درجہ بناتا ہے۔

حضرت مہلب بن ابی صفرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے دوست اس کاٹنے والی تلوار سے زیادہ عزیز ہوتا ہے جو اس کے ہاتھ مین ہوتی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آدمی کی ہتھیلی میں ہوتی ہے۔

بے شک دوستی قرابت کی محتاج نہیں ہوتی قرابت دوستی کی محتاج ہوتی ہے اور سچے بھائی کے حق میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ اپنی حاجات کے بارے میں جس قدر زیادہ سوال کرے تو اس میں کوتاہی نہ کر اور تو کہے کہ میرے اور اس کے درمیان کوئی چیز نہیں اس کا مال میرا مال اور میرا مال اس کا مال ہے جس طرح اکثر جاہل لوگ کرتے ہیں کیونکہ انسان کی فطرت میں بخل اور محتاجی کا ڈر پایا جاتا ہے (الا ماشاء اللہ)

---

[62] (اتحاف السادۃ المتقین فضیلۃ الالفۃ والاخوۃ جلد ٦ صفحہ ١٧٤ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اور گائے کے بچے بچھڑے میں غور کر جب اپنی ماں کے تھنوں کو زیادہ چوس لیتا ہے حتیٰ کہ اسے تھکا دیتا ہے تو وہ کس طرح اسے سینگوں اور لاتوں سے مارتی ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر اس دنیا میں دوستوں سے بات چیت اور سحری کے وقت تہجد کی نماز نہ ہوتی تو میں یہاں باقی رہنا پسند نہ کرتا۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص دنیامین تجھ سے زیادہ مالی وسعت رکھتا ہو اس کے ساتھ سفر پر نہ جا کیونکہ اگر تو اس کے ساتھ برابری کرنا چاہے گا تو تیری جان کے لئے نقصان دہ ہوگا اور اگر اس سے کمی میں رہے گا تو لوگوں کے درمیان تجھے ذلت اٹھانا پڑے گی۔

حضرت سلمان فارسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر تو کسی مالدار سے دوستی لگائے تو اس سے سوال کرنے سے پرہیز کرنا اگر تو اس کے ہاں اپنے مقام کی حفاظت چاہتا ہے کیونکہ سوال کرنا، سوال کرنے والے کے چہرے کی خواہش ہے اور جو کچھ اس کو دیا گیا اگر اسے واپس کرے گا تو دینے والے کے دل میں اس کے خلاف غصے کی آگ بھڑک اٹھے گی۔

حضرت مہلب بن ابی صفرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے عقلمند کو تین آدمیوں سے دوستی لگانے سے پرہیز کرنا چاہئے بیوقوف، جھوٹے اور تاجر سے۔ جہاں تک بیوقوف کا تعلق ہے تو وہ تجھے بھلائی کا مشورہ نہیں دے گا اور اس سے برائی کو پھیرنے کی امید نہیں کی جاسکتی۔ اس کی خاموشی اس کے بولنے سے اور اس کی دوری اس کے قرب سے بہتر ہے۔

جہاں تک جھوٹے آدمی کا تعلق ہے تو اس کے ساتھ تیری زندگی خوشگوار نہین گزرے گی وہ تیری باتیں دوسروں تک پہنچائے گا اور تیرے اور لوگوں کے درمیان دشمنی اور بغض پیدا کرے گا۔

اور تاجر تیرے لئے اپنے کاموں کو اچھا کر کے پیش کرے گا اور تیرے دینی معاملات میں تیری مدد نہیں کرے گا۔

حضرت ابراہیم بن زید عدوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے چار چیزیں دل کو فرحت پہنچاتی ہیں (۱) سحری کے وقت تہجد، (۲) نیک خوبصورت عورت، (۳) حسب ضرورت رزق اور (۴) مومن دوست۔

تو اے بھائی اس کو جان اور اپنے نفس کا جائزہ لے اور دیکھ کیا تو نے اپنے بھائیوں (دوستوں) کے حقوق ادا کئے؟ اور کیا تو ان سے زبان حال یا زبان قال یا اشارے کے ذریعے سے سوال کرنے سے بچا؟ کیا تو نے ان کی صحبت اللہ تعالیٰ کے لئے اختیار کی یا نفسانی غرض تھی؟ کیونکہ جو کام اللہ تعالیٰ کے لئے نہ ہو وہ بندے پر دنیا اور آخرت میں وبال ہے تو اے بھائی! اپنے نفس سے دوستوں کے حقوق کا مطالبہ کر اور ان سے اپنے حق کا مطالبہ کا نہ ظاہری طور پر کر نہ باطنی طور پر۔

ہمارے امام حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ اشعار پڑھے:

صدیق لیس ینفع یوم باس — قریب من عدو فی القیاس
و لا یبغی الصدیق بکل عصر — و لا الاخوان الا للتآسی
غمرت الناس ملتمسا بجهدی — اخاثقة فاکداه التماسی
تنکرت البلاد علّی حتی — کان اناسها لیسو اابناس

ترجمہ: جو دوست تکلیف کے دن نفع نہ دے وہ عقل و قیاس میں دشمن کے قریب ہے، ہر زمانے میں دوست اور بھائی غمخواری کے لئے ہوتے ہیں، میں نے قابل اعتماد بھائی کی تلاش میں لوگوں کی چھان بین کی لیکن میری تلاش ناکام ہو گئی، شہروں کی پہچان نہ رہی گویا ان کے لوگ (در حقیقت) لوگ ہی نہیں۔

اور آپ اکثر یہ شعر پڑھتے تھے:

ولیس کثیرا الف خل لواحد　　　　وان عدوا واحدا الکثیر

ترجمہ: ایک شخص کے لئے ایک ہزار دوست زیادہ نہیں جب کہ ایک دشمن کافی ہے۔

اور ہمارے شیخ، شیخ الاسلام زکریا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجھے یہ شعر سنایا:

صاد الصدیق و کاف الکیمیاء معا　　　　لا یوجدان فدع عن نفسک الطمعا

ترجمہ: صدیق کا صاد اور کیمیاء کا کاف دونوں اکٹھے پائے نہیں جاتے پس اپنے نفس سے طمع کو چھوڑ دے۔(مطلب یہ ہے کہ مخلص دوست بہت کم ملتے ہیں جس طرح کیمیا (سونا بنانا) بہت کم نصیب ہوتا ہے)

تو اے بھائی! اپنے نفس کو بیدار کر اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

لوگوں سے دشمنی نہ کرنا اور ان کی خاطر داری کرنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ وہ لوگوں سے دشمنی کو ترک کرتے ہیں ان کی خاطر مدارت بہت زیادہ کرتے ہیں اور ان میں سے کسی سے برائی کے ساتھ مقابلہ نہیں کرتے۔ لوگ ان سے دشمنی کرتے ہیں اور وہ کسی سے دشمنی نہیں کرتے اور ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے فرمایا:

"اے بیٹے! ایک دشمن کو کم نہ سمجھ اور اگر ایک ہزار دوست بھی ہوں تو ان کو زیادہ نہ سمجھ"۔

یہی بات امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نظم کی صورت میں فرمائی جو ابھی (چند سطور پہلے) گزر چکی ہے آپ نے فرمایا:

ولیس کثیر الف خل لواحد　　　　وان عدوا واحد لکثیر

ترجمہ: حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اپنے بھائی کی مصیبت پر خوش نہ ہو یہ دشمنی کا عنوان ہے۔

اور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

"لاتظھر الشماتۃ لاخیک فیعافیہ اللہ و یبتلیک"۔[63]

ترجمہ: اے بھائی کی مصیبت پر خوش نہ ہو ورنہ اللہ تعالیٰ اسے عافیت عطا فرمائے گا اور تجھے مبتلا کر دے گا۔

حضرت وہیب بن ورد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص لوگوں کی دل جوئی نہیں کرتا وہ ایمان کی مٹھاس نہیں پاتا۔

حضرت محمد بن فضل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے دشمنوں کو ساتھ بٹھاتے ان سے نرم گفتگو کرتے اور ان کو قسم دیتے کہ وہ ان کے ساتھ (کھانا) کھائیں اس سلسلے میں ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ ان کی دشمنی کی آگ ٹھنڈی ہو جائے۔

حضرت صفوان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے مکان کے دروزے پر لکھا:

اللہ اس پر رحم فرمائے جو ہمیں نہیں پہچانتا اور ہم اسے نہیں پہچانتے کیونکہ ہمیں تکلیف اپنے بھائیوں کی طرف سے پہنچتی ہے جو ہمیں پہچانتے ہیں اور ہم ان کو پہچانتے ہیں۔

حضرت ایوب علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ کو آزمائش کے دنوں میں کس چیز سے زیادہ ضرر پہنچا؟ فرمایا دشمنوں کے مجھ پر خوش ہونے سے۔

---

[63] (جامع الترمذی کتاب صفۃ القیامۃ حدیث ۲۵۱۴ جلد ۴ صفحہ ۲۲۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس سلسلے میں بعض حضرات نے یہ شعر کہے ہیں:

جمیع فوائد الدنیا غرور　　فلا یبقی لمسرور سرور
فقل للشامتین بنا استعدوا　　فان نوائب الدنیا تدور

ترجمہ: دنیا کے تمام فوائد دھوکہ ہیں بس کسی خوش ہونے والے کے لئے خوشی باقی نہیں رہتی، دوسروں کی مصیبت پر خوش ہونے والوں سے کہو کہ تم بھی تیار ہو جاؤ کیونکہ دنیا کی مصیبتیں گھومتی رہتی ہیں۔(یعنی تمہاری باری بھی آسکتی ہے)

جب یزید بن عبد اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بیماری کے دوران خبر ملی کہ ہشام کو ان کے مرض سے خوشی ہوئی اور اس نے ان کی موت کی تمنا کی ہے تو انہوں نے یہ شعر پڑھے:

تمنی رجال ان اموت وان امت　　فتلک سبیل لست فیھا باوحد
فقل للذی یبغی خلاف الذی ھضی　　تھیا لاخری مثلھا فکانی قد

ترجمہ: کچھ لوگ میری موت کی تمنا کرتے ہیں اور اگر میں مر جاؤں تو اس راستے میں، میں اکیلا نہیں ہوں اس شخص سے کہو جو زندگی کے خلاف تلاش کرتا ہے تو اس کی مثل دوسرے کے لئے تیار ہو جاؤ میں مر چکا ہوں۔

اسی طرح ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ ہمارے امام، امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہم عصر لوگوں نے جب ان کی موت کی تمنا کی تو آپ نے بھی یہی شعر پڑھے۔

حضرت محمد بن کدام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے بیٹے سے فرماتے تھے اے میرے بیٹے زمانے والوں کے ساتھ زندگی گزار اور ان کی اقتدا نہ کر پھر فرماتے یہ زندگی زندوں کے ساتھ گزارنا اور مردوں کی اقتدا کرنا کس قدر برا ہے۔ اور فرماتے تھے کسی سے دشمنی نہ کرو جب تک اس کے عمل کو

دیکھ نہ لو۔ اگر اس کا عمل اچھاہے تو اللہ تعالیٰ اسے تمہارے حوالے نہیں کرے گا اور اس کا عمل برا ہو تو اس کے گناہ ہی اس کے لئے کافی ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ایک آدمی کی دشمنی کے بدلے ایک ہزار آدمی کی محبت نہ خریدو۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے لوگوں کیک ساتھ دشمنی کرنے سے بچو میں کسی دوست کی خواہش کی مخالفت نہیں کرتا ورنہ مجھے ڈر ہوتا ہے کہ وہ مجھے قتل کرنے کی کوشش کرے گا اور اگر مجھے قتل کرنے کی کوشش نہیں کرے گا تو لوگوں کے سامنے میرے عیب ظاہر ہونے کی تمنا کرے گا۔

حضرت محمد بن مقاتل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص تم سے حسن سلوک کرتا ہے اس کے شر سے بچو اور جس بات میں اپنے نفس کو معذور سمجھتاہے اپنے بھائی کو بھی معذور سمجھو۔

پھر فرماتے تھے:

وتعذر نفسک لما اساءت　　　وغیرک بالعذر لا تعذر

وتبصر فی العین منہ القذی　　　وفی عینک الجذع لا تبصر

ترجمہ: تیرا نفس برائی کرے تو تو اس کو معذور سمجھتاہے اور اپنے غیر کے عذر کو قبول نہیں کرتا۔ اس کی آنکھ میں تنکا بھی دیکھ لیتاہے اور اپنی آنکھ کا شہتیر بھی نہیں دیکھ سکتا۔

تو اے بھائی اس بات کو جان اور لوگوں کے ساتھ دشمنی کرنے سے بچ۔ خاص طور پر بھٹکے ہوئے لوگ اور وہ جو تیرے شہر میں صرف اپنی شہرت چاہتے ہیں یہ لوگ تیری زندگی کو ناگوار کر دیں گے اگرچہ تو اکابر اولیاء میں سے ہو کیونکہ تیرے اندر جو بشری جز ہے وہ نرم ہو جاتا ہے ٹوٹتا نہیں۔

اکابر بزرگوں نے کہا ہے جو شخص لوگوں کی دشمنی کو معمولی سمجھتا ہے تو یہ اس کی عقل کے ناقص ہونے کی دلیل ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ اگر سب سے زیادہ کامل انسان کو عوام کے ساتھ آزمایا جائے اور وہ اس پر جھوٹ اور بہتان باندھیں تو اس کے دل کو پریشان کر دیں گے اور اس کی حالت یہ ہوگی کہ وہ ربانی اور شیطانی خیالات میں فرق نہیں کر سکے گا۔

اور میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے ایک بھائی کو دیکھا کہ وہ اپنے زمانے کے مشائخ میں سے کسی شیخ کے ساتھ دشمنی کو معمولی سمجھتا تھا اور بعض امراء اس شیخ کے معتقد تھے شیخ نے امیر سے ذکر کیا اور اس نے بادشاہ کو لکھ دیا تو اس شخص کو مصر سے نکالنے کا حکم آگیا اور اسے ملک بدر کر دیا گیا۔ پس جان لو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

دور دراز کے ساتھیوں کو پند و نصائح لکھتے رہنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے یہ بات بھی ہے کہ جب ان میں سے بعض دور دراز کے علاقوں میں ہوں تو وہ ان کو نصیحت سے بھرپور خط لکھتے ہیں اور جس کو نصیحت کی گئی وہ اس نصیحت کو قبول کر کے ناصح کا شکریہ ادا کرتا ہے اور اس کی فضیلت کا اقرار کرتا ہے بخلاف آج کے زمانے کے کہ اگر تم کسی کی طرف ناصحانہ کلمات لکھو گے تو وہ تمہارے عیب تلاش کرے گا تا کہ ان کے ذریعے تمہاری مذمت کرے۔

اور میں نے اس وصف پر سب سے آخر میں لکھا وہ سیدی علی الکازوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تھے جو مکہ مکرمہ میں تھے اور سیدی محمد بن عراق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان کو ایسے خطوط بھیجتے جن کو پہاڑ بھی نہ اٹھا سکیں پس وہ ان خطوط پر خوش ہوتے اور فرماتے تھے:

سید محمد بن عراق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ہمارے بارے میں سچ فرمایا اللہ تعالیٰ ان کو ہماری طرف سے اچھی جزا عطا فرمائے۔

حضرت عبد اللہ انطاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے بعض ساتھیوں کی طرف لکھا آپ نے فرمایا:

اے میرے بھائی! تو کب تک اس چیز پر خوش ہوتا رہے گا جو تجھے فتنے میں ڈالتی ہے، ضرر دیتی ہے اور غمگین کرتی ہے یعنی دنیا اور اس کے منافع کم ہو رہے ہیں اور تو اس چیز کو چھوڑ رہا ہے جو تیرے لئے نفع بخش ہے۔

حضرت حذیفہ مرعشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو لکھا سلام کے بعد!

اے بھائی! جان لے جس شخص کے نزدیک گناہوں کو چھوڑنے کی نسبت فضائل کی اہمیت زیادہ ہو وہ دھوکے میں ہے اور جس شخص کے پاس قرآن مجید کا علم ہو اور وہ اس کے احکام کی مخالفت کرے اس نے قرآن مجید کا مذاق اڑایا۔

حضرت طاؤس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت مکحول رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف لکھا آپ نے فرمایا:

اے بھائی! اپنے نفس کے بارے میں یہ خیال کرنے سے بچو کہ تمہیں اپنے اعمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا مقام حاصل ہے کیونکہ جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ وہ قیامت کے دن نیکیوں سے خالی ہاتھ کے ساتھ ہو گا۔ بعض اوقات لوگ تیرے نیک اعمال کی وجہ سے تیری تعظیم کرتے ہیں تو تو نے اس کا ثواب جلدی لے لیا۔

حضرت ربیع بن خیثم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے ایک بھائی کو لکھا:

سلام کے بعد! اے بھائی اپنے نفس کو وصیت کرنے والا ہو جا اور اس بات کا انتظار نہ کر کہ تیرا کوئی دوست تجھے تیری کوتاہی سے منع کرے گا کیونکہ یہ بات رخصت ہو چکی ہے۔ والسلام۔

حضرت عبد اللہ بن زیاد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت بکر بن عبد اللہ امزنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو خط لکھ کر ان سے اپنے لئے دعا کا مطالبہ کیا۔ اس کے جواب میں حضرت بکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کو لکھا سلام کے بعد!

اے بھائی جان لو! اس شخص کی دعا قبول ہوتی ہے جو گناہوں میں ملوث نہ ہو اور میرے گناہ اس قدر ہیں جن کا شمار اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ اللہ کی قسم! مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے کہ میں اس سے اپنے نفس کے لئے دعا مانگوں تو میں دوسروں کے لئے دعا مانگتے ہوئے اس سے حیا کس طرح نہیں کروں گا۔

امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا آپ نے فرمایا سلام کے بعد!

اے بھائی! جانوروں کی طرح ہونے سے بچتے رہنا جانور جب سرسبز و شاداب زمین کو دیکھتا ہے تو اس کے ذریعے موٹا ہونے کی خاطر چرتا ہے اسی موٹاپے میں اس کی ہلاکت ہے اور وہ ذبح ہو جاتا ہے۔ **والسلام۔**

تو اے بھائی! اس بات کو جان لے اور سب سے پہلے اپنے نفس کو نصیحت کر پھر اپنے دوست احباب کو ان کے سامنے بھی اور خط و کتابت کے ذریعے بھی نصیحت کر اور منہ بسورنا جہنمیوں کی علامت ہے اللہ تعالیٰ کی پناہ اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

کچھ دیگر اخلاق

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ وہ اکثر لوگوں سے دور رہتے ہیں اور ان کے ساتھ میل جول صرف شرعی مصلحت کے تحت رکھتے ہیں ہمارے پہلے بزرگوں کا یہی طریقہ تھا جس دن وہ کسی کے ساتھ اکٹھے نہ ہوتے اس دن کو "عید کا دن" شمار کرتے۔ پس جو شخص لوگوں کے ساتھ زیادہ میل جول رکھتا ہے وہ اپنے اسلاف کے راستے سے نکل جاتا ہے اور اس کا مقام گر جاتا ہے اور لوگ اسے کمزور اخلاق اور اللہ تعالیٰ سے غفلت میں اپنی طرح دیکھتے ہیں۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں مجھے یاد نہیں کہ میں نے اس زمانے کے مشائخ میں سے کسی سے ملاقات کی ہو اور میرا اس کے ساتھ بیٹھنا غیبت سے محفوظ رہا ہو، ایسا بہت کم ہوا اسی لئے میں نے اپنے دین اور ان کے دین پر خوف کھاتے ہوئے ان سے ملاقات کم کر دی ان کے حق میں سستی نہیں کی۔

جب بزرگوں کی مجلس کا یہ حکم ہے تو دوسروں کی مجلس کا کیا حال ہو گا تو اے بھائی! اس زمانے میں جب تو کسی شخص سے ملاقات کرے تو اپنے نفس کی مکمل حفاظت کر اور اس میں سستی نہ کر۔

امیر المؤمنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے گوشہ نشینی سے اپنا حصہ حاصل کرو۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے جو شخص چاہتا ہے کہ لوگوں کو اس کے عیبوں سے کم آگاہی حاصل ہو تو وہ اپنے گھر میں بیٹھ جائے جو لوگوں سے میل ملاپ رکھے گا تو اس کا دین چلا جائے گا اور اس کی پتہ بھی نہیں چلے گا۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے تھے میں چاہتا ہوں کہ اپنے گھر کا دروازہ بند کر دوں اور باہر نہ نکلوں حتیٰ کہ مجھے موت آجائے۔

حضرت شعبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے حضرت ربیع بن خیثم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لوگوں کی مجلس میں زندگی بھر نہیں بیٹے ایک مرتبہ اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ان پر ایک پتھر گرا جس سے ان کا سر زخمی ہو گیا انہیں پتہ نہ چلا کہ کس نے مارا ہے وہ اٹھے اور کہنے لگے اے ربیع! اب تمہیں نصیحت آگئی اس کے بعد فوت ہونے تک کسی ضرورت کے بغیر گھر سے باہر نہیں نکلے۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص راستے میں بیٹھے وہ اس کا حق ادا کرے اور حق یہ ہے کہ سلام کا جواب دے، مظلوم کی مدد کرے، ظالم کے خلاف گواہی دے اور ہر ضرورت مند کی مدد کرے۔

حضرت ابو حازم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص اپنے بھائی سے زیادہ مجلس اختیار کرتا ہے تو ان میں سے ایک سے ایسی بات نکلتی ہے جو دوسرے کو ناپسند ہوتی ہے لہٰذا دونوں بھائیوں (یعنی دوستوں) کو چاہیئے کہ کبھی کبھی ملاقات کیا کریں۔

امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے تھے عنقریب لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ ان کی بادشاہی قتل اور ظلم کے بغیر نہیں ہو گی، مالداری تکبر اور بخل سے خالی نہ ہو گی اور لوگوں کے ساتھ مجلس خواہش کے بغیر نہ ہو گی۔ پس جو شخص وہ زمانہ پائے وہ صبر کرے اور اپنے نفس کی حفاظت کرے اللہ تعالیٰ اسے پچاس صدیقین جیسا ثواب عطا کرے گا۔

اور آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ آخری زمانے میں لوگوں کو اس بات سے آرام حاصل ہو گا کہ لوگوں کے درمیان گمنام ہوں۔(یعنی گمنامی میں آرام ہو گا)

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو خبر ملی کہ ان کے صاحبزادے حضرت علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں میں چاہتا ہوں کہ میں اس جگہ رہوں جہاں سے میں لوگوں کو دیکھوں لیکن لوگ مجھے نہ دیکھیں۔

ان کے والد نے فرمایا انہوں نے پوری بات کیوں نہیں کی؟ پھر فرمایا پوری بات یہ ہے کہ نہ وہ مجھے دیکھیں اور نہ میں ان کو دیکھوں۔

حضرت وہیب بن ورد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے آج کے دن تک پچاس سال لوگوں کے ساتھ میل جول رکھا تو میں نے کسی کو نہ پایا جس نے میری لغزش کو معاف کیا ہو اور نہ ہی میں اس سے بے خوف ہوا جب اسے مجھ پر غصہ آیا۔

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے لوگوں کو آگ کی طرح سمجھو پس ضرورت کے وقت ہی ان کے قریب جاؤ اور جب ان کے قریب جاؤ تو اس طرح بچو جس طرح آگ سے بچا جاتا ہے جب آگ کے قریب جایا جائے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے تھے جو شخص لوگوں سے میل ملاپ رکھتا ہے تو ضروری ہے کہ وہ اس پر اس کے دل کو خراب کر دیں۔

حضرت جعفر بن حمید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے حق یہ ہے کہ لوگوں میں رہنا تمہارے لئے بھی ضروری ہے اور ان کے لئے بھی لیکن تم میں سے ہر ایک کو ایک دوسرے سے بچتے رہنا چاہئے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک سفر میں تھے جب اس سے واپس تشریف لائے تو لوگوں نے حضرت سلیمان الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا کیا آپ حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ملاقات نہیں کرتے؟

انہوں نے فرمایا مجھے ڈر ہے کہ میں ملاقات کے وقت ان کے لئے مزین کلام کروں گا تو یہ ان کے لئے ہلاکت کا باعث ہو گا۔

حضرت حسن بن صالح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہم نے لوگوں کو پایا کہ وہ دور سے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور باہم ملاقات کو ناپسند کرتے ہیں۔

حضرت ربیع بن خیثم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کسی شخص کے لئے مناسب نہیں کہ وہ عبادت کے لئے گوشہ نشینی اختیار کرے مگر دین میں سمجھ اختیار کرنے کے بعد۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے دین کی سمجھ اختیار کرو پھر لوگوں سے الگ گوشہ نشینی اختیار کرو۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے آدمی کے بیٹھنے کی بہترین جگہ گھر کا اندورنی حصہ ہے کہ وہ کسی کو دیکھے نہ اس کو کوئی دیکھے۔

حضرت سفیان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ کی قسم (اب) لوگوں کے لئے گوشہ نشینی جائز ہو گئی ہے۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ واجب ہو گئی ہے جیسے حدیث شریف میں ہے جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت جائز ہو گئی یعنی واجب ہو گئی (''خلت'' سے مراد واجب ہے)۔

حضرت ابو سفیان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے لوگوں سے اپنی مشقت کو دور رکھو یہ لوگ عقلوں کے چور ہیں۔

حضرت ابو بکر وراق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ سے محبت کی توقع ہرگز نہ رکھ جب تو لوگوں سے میل جول رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی طمع نہ رکھ جب تو ظالموں سے میل جول رکھتا ہے اور یہ طمع نہ کر کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت کرے گا جب کہ تو دنیا سے محبت کرتا ہے اور اپنے دل کے نرم ہونے کی طمع نہ کر جب کہ تو یتیم پر ظلم کرتا ہے۔

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے لوگوں سے الگ تھلگ ہونا اسی کے لئے بہتر ہے جو دنیا سے زہد (بے رغبتی) اختیار کرتا ہے لیکن جو دنیا میں رغبت رکھتے ہیں ان کی گوشہ نشینی کا کوئی فائدہ نہیں جو شخص لوگوں سے علیحدگی اختیار کرے اور اللہ تعالیٰ کو اپنا غمخوار اور قرآن کو محدث (بات کرنے والا) نہ بنائے وہ راستے سے بھٹک گیا اور اس کی گوشہ نشینی درست نہیں۔ (مطلب یہ ہے کہ گوشہ نشینی میں قرآن مجید کی تلاوت کرے)

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ایسی جگہ پر بیٹھو جہاں تمہاری شخصیت زیادہ پوشیدہ اور تمہاری آواز زیادہ پست ہو۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص اللہ تعالیٰ، حضور صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلس اختیار نہیں کرتا اس کی گوشہ نشینی نقصان کا باعث ہے آپ سے پوچھا گیا وہ کس طرح؟

فرمایا قرآن مجید پڑھ کر اس میں غور وفکر کرے رسول اکرم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم کے افعال، اقوال اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال وافعال کو دیکھے (پڑھے) جس نے یہ

طریقہ اختیار کیا اس نے اللہ سے کلام کیا، رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے گفتگو کی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہم کلام ہوا۔

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جب لوگوں سے علیحدگی اختیار کی تو آپ کے ساتھیوں نے اس پر آپ کو ملامت کیا آپ نے فرمایا میں نے یہ طریقہ اس وقت اختیار کیا جب میں نے دیکھا کہ چھوٹا، بڑے کی عزت واحترام نہیں کرتا اور میں نے اپنے بھائی کو دیکھا کہ وہ میرے عیب شمار کرتا ہے تاکہ جب وہ مجھ سے ناراض ہو تو ان کے ذریعے میری برائی بیان کرے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے گوشہ نشینی کا کم از کم فائدہ یہ ہے کہ انسان کوئی ناپسندیدہ بات نہیں دیکھتا جس کو برا سمجھے۔

حضرت بشیر بن منصور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے لوگوں کے تجھے پہچاننے کا چھوٹے سے چھوٹا نقصان تجھے مشقت میں ڈالنا ہے تم نہیں جانتے کہ تمہیں کس قدر شرمندگی حاصل ہوگی (اللہ کی پناہ) پس لوگوں میں سے تجھے پہچاننے والے لوگ کم ہونے چاہئیں۔

حضرت ایوب سختیانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے لوگوں سے گوشہ نشینی اختیار کرنے میں سے ایک بات یہ ہے کہ جب تم کسی کام کے لئے باہر نکلو تو لوگوں کے درمیان بہت کم جگہوں میں چلو۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ایک صاحبزادے تھے جن کا نام عبد اللہ تھا ان کا ایک تہہ خانہ تھا جس میں بیٹھے رہتے اور صرف نماز کے اوقات میں باہر نکلتے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے یہ زمانہ خاموشی کا زمانہ ہے گھروں میں بیٹھنے اور اس قدر روزی پر قناعت کا زمانہ ہے جس سے جسم کی طاقت بحال رہے (مرتے دم تک یہی صورت رہے)۔

حضرت مکحول رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر لوگوں کے ساتھ مجلس میں بہتری ہے تو ان سے الگ تھلگ رہنے میں دین زیادہ محفوظ رہتا ہے۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں ابو حبیب بدری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس گیا تو انہوں نے مجھ سے فرمایا اے سفیان بن عیینہ! ہم نے صرف اللہ کی طرف سے بھلائی دیکھی ہے تو کیا وجہ ہے کہ ہم اس ذات کی طرف متوجہ نہ ہوں جس کے علاوہ کسی سے بھلائی نہیں دیکھی۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو شام میں دیکھا تو میں نے ان سے کہا اے ابو اسحاق! آپ خراسان کو چھوڑ کر یہاں بیٹھ گئے؟ انہوں نے فرمایا مجھے زندگی اسی مقام پر خوشگوار ملی ہے میں اپنے دین کے ساتھ ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ تک بھاگا جس نے مجھے دیکھا اس نے خیال کیا کہ میں کشتی بان ہوں یا اونٹوں والا ہوں یا جانوروں کو سدھانے والا ہوں۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہم نے لوگوں کو دیکھا تو وہ دوا تھے ان کے ذریعے شفا حاصل کی جاتی تھی اور آج وہ ایسی بیماری بن چکے ہیں جس کا کوئی علاج نہیں۔

حضرت حماد بن زید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ملاقات کی تو ان کے پاس ان کے سامنے کتا دیکھا میں نے اس کو بھگانا چاہا تو انہوں نے

فرمایا اے حماد! اسے چھوڑ دو یہ اس برے ساتھی سے اچھا ہے جو میرے پاس بیٹھ کر لوگوں کی غیبت کرتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بصرہ سے بغداد پہنچے اور حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں پوچھا تو کسی کو ان کا علم نہ تھا حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا یہ ان کی فضیلت میں سے ہے کہ ان کو کوئی نہیں جانتا پس ان کی محبت اور تعظیم بڑھ گئی۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ایک مرتبہ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ لوگوں سے الگ تھلگ ہے میں نے پوچھا تم لوگوں کے ساتھ کیوں نہیں رہتے؟ اس نے کہا میں ان سے اہم کام میں مشغول ہوں میں نے پوچھا وہ کیا ہے؟

اس نے کہا میں ہر صبح نعمت اور گناہ کے درمیان ہوتا ہوں تو میں نعمت کی وجہ سے شکر میں اور گناہ کی وجہ سے استغفار میں مشغول رہتا ہوں میں نے اس سے کہا اے بھائی! تو حسن سے زیادہ فقیہ ہے اکیلا بیٹھا کر۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے انسان کو جاننے والے زیادہ ہوں تو یہ اس کی عقل کی کمزوری ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا گیا کہ آپ لوگوں کے ساتھ کیوں نہیں رہتے تاکہ ان کو نیکی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں؟ انہوں نے فرمایا اگر میں لوگوں سے نہیں ملوں گا تو مجھ سے یہ حکم (امر بالمعروف نہی عن المنکر) ساقط ہو جائے گا۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا آپ لوگوں کے ساتھ نہیں بیٹھتے؟ فرمایا میں ان کے لئے فارغ نہیں ہوں۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اولیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے گوشہ نشینی اس لئے اختیار کی کہ اس سے آدمی غفلت کی نیند سے بیدار رہتا ہے اور حالت غیب میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مراقبہ زیادہ ہوتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے وہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس بات کا کسی کو علم نہ ہو۔

اگر تو یہ طاقت رکھتا ہے کہ تو لوگوں کے لئے چلے اور وہ تیرے لئے نہ چلیں، تو ان سے سوال کرے اور وہ تجھ سے سوال نہ کریں تو ایسا کرلے۔ اللہ کی قسم میں کسی شخص سے ملاقات کرتا ہوں اور وہ مجھے سلام نہیں کرتا تو میں اس کے لئے فضیلت دیکھتا ہوں، اسی طرح جب میں بیمار ہو جاؤں اور وہ میری بیمار پرسی نہ کرے تو بھی اس کی فضیلت دیکھتا ہوں۔

ایک مرتبہ ایک شخص آپ کے پاس اچانک آیا تو آپ کھرے ہوگئے اور گھر اس کے لئے چھوڑ دیا اس شخص نے کہا اے ابو علی! آپ کو کیا ہوا؟ مجھ پر رحم کھاتے ہوئے آپ کھڑے ہوگئے اس کی کیا وجہ ہے؟ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس سے فرمایا کیا تو چاہتا ہے کہ میں تیرے بارے میں اور تو میرے بارے میں چکنی چپڑی باتیں کرے اللہ کی قسم میں اسی وقت لذت پاتا ہوں جب تنہا ہوتا ہوں۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے تھے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ان کی زندگی میں اور وصال کے بعد میں نے خواب میں دیکھا مجھے فرمایا لوگوں کی پہچان کے سلسلے میں اپنی

معرفت کو کم کرو کیونکہ اس سے چھوٹنا مشکل ہو جائے گا اور آدمی ناپسندیدہ بات اسی سے دیکھتا ہے جس کو پہچانتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا کیا آپ لوگوں کے ساتھ نہیں بیٹھتے؟ انہوں نے فرمایا (اچھے) لوگ تو مٹی کے طبقات کے نیچے چلے گئے۔

تو اے بھائی! اس بات کو جان لے اور اپنی مشقت کو ان سے دور رکھ اور میں نے دوسری صدی کے لوگوں کی باتیں سنی ہیں اور اب کیا حال ہو گا جب کہ تو دسویں صدی میں ہے۔ (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے دور کی بات کر رہے ہیں اور پندرھویں صدی کی حالت تو اس سے بھی بدتر ہے) اس بات سے اپنے آپ کو بچا کہ شیطان تجھ سے کھیلے اور تجھ سے کہے الحمد للہ! تو اپنے مقام میں اس حد کو پہنچ گیا ہے کہ تجھے اپنے رب سے کوئی بات غافل نہیں کر سکتی یہ ابلیس کے وسوسے ہیں۔

اے بھائی! تو یقینا ان بزرگوں کے مقام سے بہت نیچے ہے۔ اس بات کو سمجھ اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

جس قدر ترقی اسی قدر تواضع

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے یہ بات بھی ہے کہ جب ان میں سے کوئی ایک اپنے مقام میں ترقی کرتا ہے تو اس کی تواضع بڑھ جاتی ہے اور یہ اس شخص کے حال کے برعکس ہے جو چراغ کے قریب ہوتا ہے کیونکہ جو اس کے قریب ہوتا ہے وہ اپنے نفس کو بڑا سمجھتا ہے لیکن یہ لوگ جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کا قرب حاصل کرتے ہیں تو اپنے آپ کو مچھر سے بھی زیادہ چھوٹا سمجھتے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور اسی لئے شیطان کو بارگاہ خداوندی سے دور کیا گیا جب اس نے تکبر کیا اور کہا کہ میں آدم علیہ السلام سے بہتر ہوں۔

تو اے بھائی! اس بات کو سمجھ اور جس فقیر کو متکبر دیکھو اس سے دور ہو جاؤ کیونکہ وہ اللہ کا دشمن ہے جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی:

اے موسی علیک السلام! میری مخلوق میں سے میرے نزدیک سب سے زیادہ قابل نفرت وہ شخص ہے جس کے دل میں تکبر ہو، زبان سخت ہو، ہاتھوں میں بخل ہو اور وہ بد اخلاق ہو۔

حضرت ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے تکبر وہی شخص کرتا ہے جو کمینہ ہو، فخر وہی کرتا ہے جو گرا ہوا (ذلیل) ہو اور باطل کے ذریعے تعصب وہی کرتا ہے جو اپنی اصل میں گھٹیا ہو۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر تمام لوگ اس بات پر جمع ہو جائیں کہ میں اپنے نفس کو حقیر جاننے سے باز آجاؤں تو وہ اس بات کی طاقت نہیں رکھتے۔

حضرت ابو ایوب سختیانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جن لوگوں نے بلندی کی طلب کی اللہ تعالیٰ نے ان کے مقام کو کم کر دیا اور جن لوگوں نے تواضع اختیار کر لی اللہ تعالیٰ نے ان کو بلندی عطا فرمائی۔

جب حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رملہ کی طرف تشریف لائے تو حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کو پیغام بھیجا کہ ان کے ہاں تشریف لائیں اور ہم سے حدیث بیان کریں۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا گیا کہ آپ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسے شخص کو پیغام بھیج رہے ہیں کہ وہ آپ کے پاس آئیں، فرمایا ہاں میں آپ کو ان کی بہت

زیادہ تواضع دکھاتا ہوں پھر حضرت سفیان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تشریف لائے اور ان سے حدیث بیان کی۔

حضرت سلیمان خواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کرم اور اچھے اخلاق میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے مشابہ تھے۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے تواضع اختیار کرنا تم پر لازم ہے یہ عظیم نعمت ہے اور اس پر تم سے کوئی شخص حسد نہیں کرے گا۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص ناحق بڑائی کا اظہار کرتا ہے وہ قرآن مجید کو سمجھنے سے محروم ہو جاتا ہے اور جو کسی حق کے بغیر عزت کا متلاشی ہوتا ہے اس کو حقیقتاً ذلت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے تواضع کے بغیر زہد اختیار کرنے والا بے پھل درخت کی طرح ہے اور جو شخص اپنے آپ کو خود عاجز نہیں سمجھتا وہ دوسروں کی نگاہ میں بلند نہیں ہو سکتا۔

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے دستر خوان سے کسی کوڑھ یا برص کے مریض (سفید دانے والے) کو بلکہ کسی بھی تکلیف میں مبتلا شخص کو نہیں روکتے تھے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔

آپ فرماتے تھے تواضع کی اصل یہ ہے کہ تو مجلس کی حقیر ترین جگہ پر بھی بیٹھ جائے لیکن ذاتی خواہش نہ ہو تم میں سے ایک شخص جوتوں والی جگہ پر بیٹھتا ہے لیکن اس میں تکبر ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور وہ اس مقام پر اس لئے بیٹھا ہے تاکہ لوگ کہیں کہ یہ متواضع ہے۔

آپ فرماتے تھے تیری تواضع کی علامت یہ ہے کہ تو لوگوں کے درمیان نیکی اور تقویٰ کے ساتھ اپنے ذکر کو ناپسند کرے۔

حضرت ابن سماک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے افضل تواضع یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو کسی سے افضل نہ سمجھ اور لوگوں کو اپنے آپ سے افضل سمجھ اپنے ہمعصر لوگوں میں سے جس کو دیکھے اسے اپنے دل میں اپنے آپ سے افضل خیال کر اس کی شفقت کی امید رکھ اور اس سے دعا کا سوال کر اور یہ خیال کر کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے مصیبتوں کو دور فرمائے گا جب تو اس کا وسیلہ اختیار کرے گا یہی سب سے بڑی تواضع ہے۔

ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے لوگوں میں سے عالم دین اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کی خدمت کی جائے۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر کوئی مذاق کرنے والا مسجد کے دروازے پر آواز دے کہ تم میں سے جو شخص سب سے برا ہے وہ باہر آئے تو مجھ سے پہلے کوئی نہیں آئے گا ہاں وہ شخص پہلے آئے گا جسے مجھ سے زیادہ قوت حاصل ہو گی۔

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے متکبر آدمی دنیا سے نہیں جائے گا مگر اللہ تعالیٰ اسے اس کے حقیر ترین خادم اور پڑوسی کی طرف سے ذلت ورسوائی دکھائے گا اور وہ موت سے پہلے اپنے بول وبراز میں لوٹ پوٹ ہو گا۔

حضرت ابو تراب نخشبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے فقیر کو حقیر جاننا تکبر ہے اسی طرح فقراء کی شان میں گستاخی کرنا کتوں کی عادات سے ہے۔

ایک دن حضرت ابو سلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، عبد الملک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس گئے تو دور کھڑے ہو گئے ان سے پوچھا گیا اے ابو سلیمان آپ دور کیوں کھڑے ہوئے؟ آپ نے فرمایا مجھے دور سے بلایا جانا اس سے زیادہ پسند ہے کہ قریب جاؤں تو مجھے دور کر دیا جائے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خلافت پر متمکن ہونے سے پہلے ایک ہزار دینار کا جوڑا پہنتے تھے اور فرماتے اگر یہ سخت نہ ہوتا تو کتنا عمدہ ہے اور جب خلافت حاصل ہوئی تو پانچ درھم کا جوڑا پہنتے اور فرماتے یہ کتنا نرم اور کتنا عمدہ ہے۔ اس سلسلے میں ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا میرا نفس بلندی طلب کرتا تھا جب مجھے خلافت حاصل ہوئی جو لوگوں کی نظر میں بلند ترین مقام ہے تو میرے نفس نے اصل چیز کا مطالبہ کیا جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور وہ دنیا سے بے رغبت ہو گیا۔

لوگ کہتے ہیں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرش پر بیٹھنے کی بجائے مٹی پر بیٹھتے تھے۔

حضرت عبد اللہ الرسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ نے رکوع اور سجدہ بنیادی طور پر میرے جیسے لوگوں، فرعون نمرود اور نوشیروان جیسے متکبرین پر فرض کیا (اپنا نام بطور تواضع لیا)۔

حضرت یحییٰ بن خالد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے شریف (معزز) آدمی جب عبادت کرے گا تو تواضع اختیار کرے گا بخلاف کمینے آدمی کے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مروان کے زمانے میں مدینہ طیبہ کے امیر تھے آپ سر پر لکڑی کا گٹھا اٹھاتے ہوئے جاتے اور فرماتے اپنے امیر کے لئے راستہ بناؤ۔

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تیز تیز چلا کرتے تھے اور فرماتے تھے یہ طریقہ تکبر اور خود پسندی سے دور ہے اور ضرورت کو بھی جلدی پورا کیا جاتا ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مہمان کی خدمت خود کرتے تھے اور رات کے وقت اس کے لئے چراغ ٹھیک کرتے اور کسی خادم کو جگاتے نہیں تھے۔

حدیث شریف میں ہے حضرت سلیمان علیہ السلام خشوع (عاجزی) کے تحت آسمان کی طرف نگاہ نہیں اٹھاتے تھے حالانکہ آپ کو بادشاہی عطا کی گئی تھی وفات تک یہی طریقہ رہا۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم خادم کے ساتھ کھانا کھاتے اور جب وہ تھک جاتا تو اس کے ساتھ چکی پیستے تھے۔

نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم بازار سے سامان اٹھا کر گھر لانے میں حیا محسوس نہیں فرماتے تھے آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم مالدار اور فقیر سب سے مصافحہ فرماتے تھے۔

اور جب آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے حج کے موقعہ پر کنکریاں ماریں تو آپ کے آگے (لوگوں کو) مارنا پیٹنا اور ہٹو بچو کی آوازیں نہ تھیں۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص تمہارے سامنے مال کے ساتھ تکبر کرتا ہے اس کے مقابلے میں تکبر کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع ہے۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیل پر شام سے حج کے لئے تشریف لے گئے۔

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہمارے زمانے کے فقراء، علماء اور قراء کی ظاہری تواضع کو نہ دیکھو کیونکہ یہ اتنے متکبر ہیں جتنے امراء اور بادشاہ بھی نہیں ہیں۔

اس موضوع پر مزید بحث کتاب میں متفرق مقامات پر آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

تو اے بھائی! اپنی حالت پر غور کر اور اپنے آپ کو دیکھ بعض اوقات تو بڑے بڑے متکبرین میں سے ہوتا ہے اور تجھے خبر بھی نہیں ہوتی بعض اوقات تو موٹا جبہ یا اس سے گیا گزرا لباس پہنتا ہے لیکن اس کے ساتھ تو باریک کپڑے پہننے والوں سے بڑا متکبر ہوتا ہے۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے جن کاموں کی ترغیب دی ان کو معمولی نہ سمجھنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ ان فضائل کو معمولی نہیں سمجھتے جن کی ادائیگی کے لئے رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ہمیں ترغیب دی ہے ان کاموں کو زیادہ کرتے اور یہ خیال کرتے کہ اگرچہ ان کی تعداد زیادہ ہے لیکن ان کو اس کی کامل فضیلت کی صورت میں اجر حاصل نہیں ہوگا (اگر ان پر عمل نہ کریں)۔

حضرت یحیٰی بن ابی کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی بات پہنچے اور وہ اس پر ایمان لاتے ہوئے اس پر عمل کرے اللہ تعالیٰ اسے اس پر اجر عطا کرتا ہے اگرچہ وہ ایسا نہ ہو۔

ایک شخص نے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کثرت عبادت کو دیکھا تو تمنا کی کہ وہ آپ کی مثل ہو جائے یہ بات حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی پہنچی تو آپ نے اس سے فرمایا اے شخص! اللہ تعالیٰ کی قسم! وہ گھبراہٹ جو تجھے اپنے گھر والوں پر ہوتی ہے میری اس تمام عبادت سے افضل ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عبادات زیادہ کرتے تھے اور فرماتے ہمارے جیسے لوگوں کے نوافل کی کیا حیثیت ہے نوافل تو ان لوگوں کے ہیں جن کے فرائض مکمل ہوں۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے وہ شخص جو زیادہ فضائل حاصل کرتا ہے اور فرائض کو مکمل نہیں کرتا وہ اس تاجر کی طرح ہے جس کو اصل مال میں نقصان ہو گیا اور نفع کا طالب ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے قرض خواہ ہدیہ اسی وقت قبول کرتا ہے جب تمام قرض وصول کرلیتا ہے۔

حضرت عبید بن عمیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو بندہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے اپنا پہلو بستر پر رکھے حتیٰ کہ سو جائے تو وہ جاگنے تک اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا شمار ہوتا ہے۔

حضرت وہب بن ورد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اپنی عبادت پر ثواب طلب کرنے سے بچو وہ قبولیت کی نسبت رد ہونے کے زیادہ قریب ہے۔ کیا تم حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو نہیں دیکھتے کہ جب آپ نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کی تو دعا فرمائی اے ہمارے رب! ہم سے قبول فرما۔ آپ نے عدم قبولیت کے خوف سے یہ دعا فرمائی (حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے خلیل تھے اور قبولیت یقینی تھی)۔

حضرت یونس بن عبید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص نوافل کو ہلکا سمجھتا ہے وہ فرائض کو بھی معمولی سمجھتا ہے حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آیات اور اذکار کو شمار کرنا ناپسند کرتے تھے البتہ یہ کہ شریعت میں اس کی تعداد کا ذکر ہو۔

تو اے بھائی! یہ بات جان لے اور نوافل و فضائل کو کثرت سے اختیار کر ان سے اکتاہٹ محسوس نہ کر۔ اس کے بعد بھی یہ خیال نہ کر کہ تو نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت کا بھی شکر ادا کرلیا ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک خلق یہ ہے کہ وہ رات اور دن میں بہت زیادہ توبہ اور استغفار کرتے ہیں کیونکہ وہ اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ وہ کسی فعل میں بھی گناہ سے محفوظ نہیں ہوتے حتیٰ کہ اپنی عبادات میں بھی، پس وہ اس بات پر بخشش طلب کرتے ہیں کہ ان کے خشوع اور مراقبہ میں کمی آگئی۔

پہلے بزرگ اس راست پر چلے ہیں جب کہ موجودہ دور کے خود ساختہ صوفیوں کی اکثریت اس کے خلاف راستے پر چلتی ہے حتیٰ کہ میں نے ایک مرتبہ ان میں سے کسی سے سنا کہ ہم لوگ بحمد اللہ گناہوں سے بچے ہوئے ہیں میں نے پوچھا وہ کیسے ؟

اس نے کہا اس لئے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی فاعل ہے ہم نہیں ہیں میں نے کہا اس صورت میں تم پر توبہ اور استغفار واجب ہو چکا ہے کیونکہ تم نے شریعت کے تمام ارکان کو گرا دیا اور اس کی حدود کو باطل کر دیا اللہ تعالیٰ کی قسم اگر میرے پاس حکومت ہوتی تو میں اس قسم کے آدمی کی گردن مار دیتا۔ کیونکہ انبیاء و رسل علیہم السلام اور تمام اکابرین گواہی دیتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کے افعال کا خالق ہے اس کے باوجود وہ مغفرت طلب کرتے اور روتے تھے حتیٰ کہ ان کے آنسوؤں سے گھاس اگتی تھی۔ (مبالغہ کے طور پر گھاس کا ذکر فرمایا)

رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم فرماتے تھے:

"الا انبئکم بدائکم و دوائکم فان داء کم الذنوب و دواء کم الاستغفار"۔[64]

ترجمہ: کیا میں تمہیں تمہاری بیماری اور تمہاری دوا کے بارے میں نہ بتاؤں بے شک تمہاری بیماری گناہ ہیں اور تمہارا علاج بخشش طلب کرنا ہے۔

---

[64] (الترغیب 2/309۔ فردوس 1/136 مطبوعہ بیروت)

امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے تھے اس شخص پر تعجب ہے جو نا امید ہوتا ہے حالانکہ اس کے پاس نجات ہے جب آپ سے پوچھا جاتا ہے کہ نجات کیا ہے؟ فرماتے کثرت استغفار۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے گناہوں کا قلع قمع کئے بغیر استغفار جھوٹوں کی توبہ ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اللہ تعالیٰ سے یوں ہم کلام ہوتے:

بے شک ابلیس تیرا بھی دشمن ہے اور ہمارا بھی دشمن ہے اسے کوئی چیز غصہ نہیں دلاتی جو تیرے معاف کرنے کے مقابلے میں زیادہ زخمی کرتی ہو پس تو اپنی رحمت کے ساتھ ہمیں معاف کر دے اے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے۔

حضرت ابو عبد اللہ انطاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ایک گناہ اگرچہ چھوٹا ہو، چھوڑ دینے سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید ایک ہزار حج، ایک ہزار جہاد اور ایک ہزار غلام اللہ کے لئے آزاد کرنے سے زیادہ ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک جھوٹ یا وعدہ خلافی کی امید کثرت نوافل سے زیادہ ہے جب ان کے ساتھ جھوٹ بولا جائے یا حرام نظر کی جائے یا وعدہ کی خلاف ورزی کی جائے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے عقلمند آدمی چار باتوں کی پرواہ نہیں کرتا:

(۱) نامرد کا جماع سے بے رغبت ہونا　　(۲) عورتوں کا زہد

(۳) لشکری کی توبہ　　(۴) بچوں کی قرأت

حضرت رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا فرماتی تھیں ہمارا استغفار بھی استغفار کا محتاج ہوتا ہے یعنی اس میں سچائی نہیں ہوتی۔

حضرت خالد بن معدان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے توبہ کرنے والے جہنم پر گزریں گے تو اسے نہیں دیکھیں گے، وہ کہیں گے اے ہمارے رب کیا تونے ہم سے وعدہ نہیں کیا تھا کہ ہم جہنم کے اوپر سے گزریں گے ؟ تو ان سے کہا جائے گا تم اس کے اوپر سے گزرے ہو لیکن وہ بجھ گئی کیونکہ تم نے توبہ کی اور وہ گناہ کے ارتکاب اور اس پر اصرار سے بھڑکتی ہے۔

اہل سنت کا اجماع ہے کہ ناحق قتل کرنے، کسی کا مال لینے، شراب پینے اور تمام گناہوں سے بندے کی توبہ صحیح (قبول) ہوتی ہے۔

حضرت مسروق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا کیا مومن کے قاتل کی توبہ قبول ہوتی ہے انہوں نے فرمایا میں اس دروازے کو بند نہیں کرتا جس کو اللہ تعالیٰ نے کھولا ہے۔

حضرت ابو الجوزاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے بندہ گناہ کر کے اس پر مسلسل نادم رہتا ہے حتیٰ کہ جنت میں چلا جاتا ہے تو شیطان کہتا ہے کاش میں اس کو اس گناہ میں نہ ڈالتا۔

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے تھے تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو گناہ کے بعد توبہ کرتے ہیں پھر آپ تلاوت فرماتے:

إِنَّ اللهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ (البقرة ۲۲۲)

ترجمہ: بے شک اللہ خوب توبہ کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

حضرت ربیع بن خیثم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں اللہ سے بخشش کا سوال کرتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں کیونکہ یہ گناہ اور جھوٹ ہوگا اگر عمل نہ کرے۔

بلکہ وہ یوں کہے یا اللہ! مجھے بخشش دے اور میری توبہ قبول فرما۔ ان سے کہا گیا بندے کا استغفر اللہ کہنا حدیث شریف میں آیا ہے؟ فرمایا یہ سچے لوگوں کے حق میں ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے مجھے کتاب و سنت سے معلوم نہیں ہوا اور نہ ہی کسی دوسری صورت میں پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہو میں گناہ کو نہیں بخشتا۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں شاید ان کی مراد یہ ہو کہ خاص یہ لفظ نہیں آیا ورنہ قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ اللهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ (النساء ۴۸)

ترجمہ: بے شک اللہ نہیں بخشتا یہ کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے۔

تو ان کے کلام کو مسلمانوں کے گناہ پر محمول کیا جائے جس طرح علماء کے لئے اللہ تعالیٰ کے قول:

إِنَّ اللهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا (الزمر ۵۳)

ترجمہ: بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخشتا ہے۔

کو مسلمانوں کے گناہوں پر محمول کیا (جہاں نفی ہے وہاں کفار سے نفی مراد ہے اور جہاں اثبات ہے وہاں مسلمانوں کے لئے ہے) حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے حضرت داؤد علیہ السلام نے لغزش کے بعد جب بھی پانی پیا اس میں آپ کے آنسو شامل ہوتے تھے۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں اپنے بیمار پڑوسی کے ہاں گیا اور وہ گناہ گار شخص تھا میں نے اس سے کہا اے بھائی! اللہ سے وعدہ کرو کہ تم توبہ کرو گے اللہ سے امید ہے وہ تمہیں بخش دے گا تو وہ رو پڑا۔

فرماتے ہیں میں نے گھر کے کونے سے کسی کہنے والے کو سنا وہ کہہ رہا تھا اگر اس کا وعدہ بھی تمہارے وعدے کی طرح ہے جو تم نے ہم سے کیا تو اس کا کوئی فائدہ نہیں تم نے بار بار وعدہ کیا لیکن ہم نے تمہیں جھوٹا پایا۔ کہتے ہیں اس وقت حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔

حضرت طلق بن حبیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ کے حقوق بندے کی ادائیگی سے کہیں زیادہ عظمت والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں شمار سے باہر ہیں۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ نے ہمیں رزق ہماری ضرورت سے زیادہ دیا اور ہمیں عبادات کا مکلف ہماری طاقت سے کم کیا پس ہمیں جو رزق دیا ہم نے اس پر اکتفا نہ کیا اور اپنی قوت کو ان عبادات پر خرچ نہ کیا جن کا ہمیں مکلف بنایا۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص ہر صبح اور شام توبہ نہیں کرتا وہ ظالموں میں سے ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو توبہ کر کے توڑ دیتا ہے پھر توبہ کرتا اور پھر توڑ دیتا ہے۔ اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔

انہوں نے فرمایا میں اس کو مومن سمجھتا ہوں وہ مومنوں کے طریقے پر عمل کرتا ہے۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا کہ "توبۃ النصوح" کی علامت کیا ہے؟ فرمایا چار چیزیں ہیں:

(۱) دنیا کی قلت (۲) نفس کو ذلیل رکھنا

(۳) عبادات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب زیادہ حاصل کرنا

(۴) اور پھر اس میں قلت اور کمی سمجھنا۔

حضرت بکر بن عبد اللہ مزنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر گناہ گار آدمی تمام مجلسوں اور دروازوں پر جاکر کہے کہ میرے لئے بخشش کا سوال کرو تو اس کے لئے یہ بات لقمہ اور پرانے کپڑے مانگنے وغیرہ سے بہتر ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے توبہ کرنے والے کے بارے میں سوال کیا گیا کہ وہ کون ہے؟ فرمایا وہ شخص جو جوانی میں توبہ کرے اور مرتے دم تک گناہ کو چھوڑ دے بوڑھوں کی توبہ (حقیقتاً) توبہ نہیں کیونکہ گناہوں کی خواہش کی آگ بجھ چکی ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے حتیٰ کہ سورج مغرب سے طلوع ہو۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت

فَإِنَّهُ كَانَ لِلْأَوَّابِينَ غَفُورًا (الإسراء ۲۵)

ترجمہ: بے شک وہ بہت توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے۔

اس شخص کے حق میں نازل فرمائی جو گناہ کرنے کے بعد توبہ کرتا ہے پھر اس سے گناہ سرزد ہوتا ہے پھر توبہ کرتا ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اے داؤد علیہ السلام! گناہ گاروں کو خوش خبری دیں کہ اگر وہ توبہ کریں تو ان کی توبہ قبول ہو گی اور صدیقین کو اس بات سے ڈرائیں کہ اگر میں نے انصاف سے کام لیا تو میں ان کو عذاب دوں گا۔

حضرت عبد اللہ بن حبیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر تم اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طاقت نہیں رکھتے جب تم گناہ کرتے ہو تو پھر شام کو بھی توبہ کرو اور صبح بھی اسی طرح توبہ کرو۔

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے جو شخص گناہ میں پڑے پھر اس کو یاد آئے اور وہ دل میں خوفزدہ ہو جائے تو لوح محفوظ سے اس کا یہ گناہ مٹا دیا جاتا ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مجاہدین سے فرماتے جب وہ جہاد کے لئے جانے کا ارادہ کرتے کہ تم پر توبہ لازم ہے وہ تم سے اس چیز کو دور کر دے گی جسے تلوار دور نہیں کر سکتی۔

وہ فرماتے تھے جب حضرت یونس علیہ السلام کی قوم نے عذاب دیکھا تو ان میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا اے اللہ! میرے گناہ بہت بڑے ہیں اور تیری ذات ان سے عظیم اور بڑی ہے تو ہمارے ساتھ وہ سلوک کر جس کا تو اہل ہے اور وہ سلوک نہ کر جس کے ہم اہل ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب کو دور کر دیا۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رات کے وقت دعا میں یوں کہتے تھے۔

یا اللہ! میری خطا سے مجھے عذاب ملتا ہے اور میری توبہ مجھے پگھلا دیتی ہے پس میری ساری زندگی عذاب اور پگھلنے میں گزر رہی ہے۔

حضرت حبیب بن تمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص گناہ کا ارتکاب کرے پھر اللہ تعالیٰ سے ڈرے کہ وہ اسے عذاب دے گا، تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے جنت کے آٹھ دروازے ہیں تمام دروازے کھلتے ہیں اور بند ہوتے ہیں سوائے توبہ کے دروازے کے اس پر ایک فرشتہ مقرر ہے وہ اسے بند نہیں ہونے دیتا۔ پس اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اور مایوس نہ ہو۔

حضرت عبد الرحمن بن قاسم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے کافر کے بارے میں گفتگو کی اور یہ کہ اس کے تمام گزشتہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ تو میں نے کہا مجھے امید ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے ہاں اس بات کا زیادہ حق دار ہے کیونکہ مسلمان کی توبہ بار بار اسلام لانے کے مترادف ہے۔ یعنی کلمہ شہادت کا تکرار ہے۔

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے تھے میں تم سے جو کچھ بیان کرتا ہوں وہ اتاری گئی کتاب اور بھیجے گئے رسول علیہ السلام کی طرف سے بیان کرتا ہوں کہ بے شک جب بندہ گناہ کرتا ہے پھر اس پر پلک جھپکنے کے برابر نادم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتا ہے تو پلک جھپکنے سے بھی جلدی وہ گناہ ساقط ہو جاتا ہے۔

امیر المؤمنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے توبہ کرنے والوں کے پاس بیٹھا کرو ان کے دل زیادہ نرم ہوتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے:

"ما اصرّ من استغفر و ان عاد فی الیوم اکثر من سبعین مرۃ"۔[65]

ترجمہ: جو شخص بخشش طلب کرتا ہے اس کے گناہوں میں اصرار نہیں ہوتا اگرچہ دن میں ستر بار سے زیادہ کرے۔ (جان بوجھ کر ایسا نہ کرے)

---

[65] (الجامع الصغیر۔حدیث ۷۸۲۲ جلد ۱ صفحہ ۴۷۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جس بندے کو اللہ تعالیٰ عذاب دینے کا ارادہ کرتا ہے اس کے دل میں توبہ کا خیال نہیں ڈالتا۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بندے کے قول استغفر اللہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے یا اللہ میرے گناہ کو واپس کر دے۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص نادم ہونے سے پہلے استغفار کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مذاق کرتا والے کی طرح ہے اور اس کو پتہ بھی نہیں چلتا اور یہ جھوٹوں کی توبہ ہے۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں اس بات کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ہوتی ہے:

أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ (المائدة ۷۴)

ترجمہ: کیا وہ اللہ کے ہاں توبہ نہیں کرتے اور اس سے بخشش نہیں مانگتے۔

تو استغفار کا ذکر توبہ کے بعد ہے اور توبہ ندامت کو شامل ہے تو غور کیجئے یہاں واو ترتیب کے لئے ہے۔ واللہ اعلم (احناف کے نزدیک واؤ مطلق جمع کے لئے آتی ہے ترتیب کے لئے نہیں مصنف علیہ الرحمہ شافعی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے انہوں نے اس حوالے سے فرمایا۔ ۱۲ ہزاروی)

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا کہ اس مسلمان کا کیا حال ہے جو گناہ کا مرتکب ہوتا ہے اور وہ نہیں چاہتا کہ لوگ اس پر مطلع ہوں اور اللہ تعالیٰ کے اس پر مطلع ہونے کو بھی ناپسند کرتا ہے لیکن بندوں کی اطلاع کو زیادہ ناپسند کرتا ہے کیا یہ اپنے رب کی توہین نہیں؟

فرمایا نہیں بلکہ یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ وہ اپنے رب کے جود و کرم کی زیادہ پہچان رکھتا ہے اور یہ کہ اس کا رب اسے شرمندہ نہیں کرے گا جب کہ لوگوں کا معاملہ اس کے خلاف ہے۔

ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ ایک اعرابی یوں دعا کر رہا تھا

یا اللہ! گناہوں پر اصرار کے ساتھ میرا بخشش طلب کرنا ملامت کا باعث ہے اور یہ جانتے ہوئے کہ تیرا عفو و در گزر اور تیری رحمت وسیع ہے۔ میرا استغفار نہ کرنا میری کمزوری ہے یا اللہ میں تیری رحمت کی امید رکھتا ہوں اس کی وجہ سے میری ملامت کو بخش دے۔ اے سب سے زیادہ رحم فرمانے والے!

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب اللہ تعالیٰ کا یہ قول سنتے:

فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا (طٰہٰ ۴۴)

ترجمہ: (اے موسیٰ اور اے ہارون) اس سے نرم انداز میں گفتگو کرنا۔

تو فرماتے الٰہی! جب تیرا یہ قول اس شخص کے حق میں ہے جو کہتا تھا میں "تمہارا اعلیٰ رب" ہوں تو تیرے دوستوں کا کیا معاملہ ہو گا جو تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے بلکہ وہ یقین رکھتے ہیں کہ تو اللہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ایک ہے تیرا کوئی شریک نہیں۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہ بھی فرماتے تھے کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مسلمانوں کا حساب احسان اور فضل کے ساتھ لے گا اور کافروں کا حساب دلیل اور عمل کے ساتھ لے گا۔

تو اے بھائی! اس بات کو جان لے اور جب تک اس دنیا میں ہے بکثرت استغفار کر کیونکہ یہ جبار کے غضب کو ختم کرتا ہے اور جب تو وہ کام کرے جن کے بارے میں شریعت میں آیا ہے کہ گناہوں

کو مٹانے والے ہیں تو اس کے باوجود یہ خیال نہ کر کہ تیرے گناہ مٹ گئے کیونکہ بعض اوقات اس کے لئے کچھ شرائط ہوتی ہیں جن کو تو پورا نہیں کرتا اور جان لے کہ مومن جب تک جنت میں نہ جائے مطمئن نہیں ہوتا اس بات کو سمجھ اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں اگرچہ خود نیکی نہ کریں اور برائی سے نہ بچیں اس خلق سے بہت سے ایسے لوگ نکل جاتے ہیں جو کسی سچے مرشد کی بیعت سے مشرف نہیں ہوئے۔

وہ کہتے ہیں نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا اسی شخص سے درست ہے جو تمام گناہوں سے توبہ کرے اور ہم لوگ گناہوں میں ڈوبے ہوئے ہیں لیکن یہ بات عمل کرنے والے علماء کے طریقے کے خلاف ہے حدیث شریف میں ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ہم نے عرض کیا یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کیا ہم نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اگرچہ ہم خود (اچھے کام) نہ کریں اور (برے کاموں سے) نہ رکیں؟ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا نیکی کا حکم دو اگرچہ تم اس پر عمل نہ کر سکو اور برائی سے روکو اگرچہ تم خود نہ رک سکو۔

امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے تھے جو شخص برائی سے روکے، فاسقوں سے بغض رکھے جب اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ امور کی خلاف ورزی کی جائے تو اسے غصہ آئے ایسے شخص کے حق میں اللہ تعالیٰ بھی غضب فرماتا ہے (یعنی اس کے مخالفین پر ناراض ہوتا ہے)

حضرت حفص بن حمید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو جو تکلیف ہوتی وہ کیا تھی؟ ان کے زمانے میں کثرت عبادت اور علم میں ان کی مثل کون تھا؟ انہوں نے فرمایا حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حق کے مقام پر نافرمان لوگوں کو ہلکا سمجھتے اور ان کی رعایت نہیں کرتے تھے۔ آپ جب کسی برائی کو دیکھتے اور اس کو دور کرنے کی طاقت نہ رکھتے تو غصے کی وجہ سے پیشاب میں خون آتا تھا۔

امیر المؤمنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں وہ لوگ نیک شمار ہوں گے جو نیکی کا حکم نہیں دیں گے اور برائی سے نہیں روکیں گے پس لوگ کہیں گے ہم نے اس سے صرف بھلائی دیکھی ہے کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ کے لئے غصہ نہیں آتا۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے دنیا میں مومن کے لئے تین مصیبتیں ہیں (۱) نماز کا ضائع ہو جانا، (۲) نیک دوست کا فوت ہونا اور (۳) اسلام میں کسی (خلاف شرع) نئی بات کا پیدا ہونا۔

امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے تھے عنقریب لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا جس میں برائی کے منکر دسویں حصہ سے بھی کم ہوں گے پھر وہ دسواں حصہ بھی چلا جائے گا اور کوئی شخص برائی کا منکر نہیں رہے گا۔

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے مومن کا حق کو قائم کرنا اس کے لئے کسی دوست کو نہیں چھوڑتا اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا مشورہ دیا اور برائی سے روکا لوگوں نے اسے ہڈیوں کے ساتھ مارا اور اس کی عزت پر حملہ کیا۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے تھے جنت الفردوس ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَ جَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنتُ (مریم ۳۱)

ترجمہ: اور اس نے مجھے مبارک بنایا میں جہاں بھی ہوں۔

حضرت وہیب بن ورد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے قول کا مطلب ہے، نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے تھے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے تھے جو شخص کسی کے بارے میں سنے کہ وہ برائی کا ارتکاب کرتا ہے اور وہ اس کو نہ روکے تو وہ قیامت کے دن بہرہ اور کٹے ہوئے کانوں والا آئے گا۔

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے تمہیں ضرور بضرور نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ہوگا ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر ظالم بادشاہ کو مسلط کر دے گا جو تمہارے بڑے کی بڑائی کا خیال بھی نہیں رکھے گا اور تمہارے چھوٹے پر رحم بھی نہیں کرے گا۔ اس کے خلاف تمہارے نیک لوگ دعا مانگیں گے تو وہ قبول نہیں ہوگی تم مدد مانگو گے لیکن تمہاری مدد نہیں کی جائے گی اور تم بخشش مانگو گے تو بخشا نہیں جائے گا۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے تھے میں حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو میں نے ان کو پریشان اور غمگین دیکھا میں نے پوچھا اے امیر المؤمنین! آپ کس وجہ سے پریشان ہیں؟ فرمایا مجھے ڈر ہے کہ میں کسی برائی میں مبتلا ہو جاؤں اور میری تعظیم کی وجہ سے کوئی شخص مجھے نہ روکے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم اگر ہم نے دیکھا کہ آپ حق سے نکل گئے ہیں تو ہم آپ کو روکیں گے اور اگر آپ نہ رکے تو ہم آپ کو تلوار سے ماریں گے۔

اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خوش ہوئے اور فرمایا اللہ کے لئے تعریف ہے جس نے میرے ایسے ساتھی بنائے ہیں جو مجھے ٹیڑھا ہونے کی صورت میں سیدھا کر دیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میں آپ کی قوم میں سے چالیس ہزار نیک لوگوں میں سے اور ساٹھ ہزار برے لوگوں میں سے ہلاک کرنے والا ہوں۔ انہوں نے پوچھا اے میرے رب! برے لوگوں کی ہلاکت تو ٹھیک ہے نیک لوگوں کا کیا معاملہ ہے؟ فرمایا اس لئے کہ ان کو میرے جلال پر غصہ نہ آیا اور ان (برے لوگوں) کے ساتھ کھاتے پیتے رہے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے اس امت کے کچھ لوگوں کو بندروں اور خنزیروں کی شکل میں اٹھایا جائے گا کیونکہ وہ نافرمان لوگوں کے ساتھ میل جول رکھتے ہیں اور انہوں نے ان کو روکنا چھوڑ دیا حالانکہ وہ اس پر قادر ہیں۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں جب ان لوگوں کا یہ حال ہے جو نافرمان لوگوں کے ساتھ میل جول رکھتے ہیں اور خود نافرمانی نہیں کرتے تو اس کا کیا حال ہو گا جس کا کوئی عضو (گناہ سے) محفوظ ہونے کے قریب نہ ہو ہم اللہ سے اس کی مہربانی کا سوال کرتے ہیں۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا گیا کہ کیا آپ نیکی کا حکم نہیں دیتے اور برائی سے نہیں روکتے؟ فرمایا مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نے یہ کام کیا تو مجھے اذیت پہنچے گی جس کو برداشت کرنے کی مجھ میں ہمت نہ ہو گی تو نیکی کا حکم دینے پر مجھے اپنے اوپر ناراضگی اور ندامت ہو گی۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے ساتھیوں (مریدین) سے فرماتے تھے میری اقتدا نہ کرو ہلاک ہو جاؤ گے میں تو مداہنت سے کام لیتا ہوں میرے معاملات ملے جلے ہیں اور میں کوتاہی کرنے والا ہوں (تواضع کے طور پر فرمایا) مداہنت کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ دل میں ہو اس کے خلاف بات کی جائے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بات سب سے بڑے گناہوں میں سے ہے کہ کوئی شخص دوسرے آدمی سے کہے اللہ سے ڈر اور وہ (جواب میں) اسے کہے تم اپنی فکر کرو۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کسی شخص پر نیکی کا حکم دینا ان ہی باتوں میں لازم ہے جن پر امت کا اتفاق ہے جن میں اختلاف ہے ان میں لازم نہیں۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے تھے عنقریب لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ لوگوں کی مجلس گدھے کے مردار جسم کی طرح ہو گی اور ان کے لئے گدھے کا مردار جسم اس مومن کے ساتھ بیٹھنے سے زیادہ پسندیدہ ہو گا جو ان کو نیکی کا حکم دیتا اور برائی سے روکتا ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اس زمانے میں کوئی ایسا شخص نہیں رہا جس سے حیا کی جائے پوچھا گیا کیوں؟ فرمایا آدمی اس سے حیا کرتا ہے جو نیکی کا حکم دیتا اور برائی سے روکتا ہے لیکن جس کی یہ حالت نہ ہو اس کی کوئی ہیبت نہیں ہوتی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا۔

امیر المومنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے احباب سے فرماتے تھے جو شخص میرے سامنے میرے عیب بتائے گا میں اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے رحمت کی دعا کروں گا۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عالم تھا جو لوگوں کو وعظ کرتا تھا اور لوگ اس کے گھر میں جمع ہوتے اور مرد اور عورتیں اس کا وعظ سنتی تھیں اس کا ایک جوان بیٹا تھا ایک دن اس نے ایک خوبصورت عورت کو آنکھ سے اشارہ کیا اور اس کے باپ نے دیکھ لیا تو کہا:

اے بیٹے! رک جا، فرماتے ہیں وہ منہ کے بل چارپائی سے نیچے گرا حتیٰ کہ اس کے بعض اعضاء ٹوٹ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دور کے نبی کو وحی فرمائی کہ فلاں یعنی اس عالم کو خبر دیں کہ میں اس کی پیٹھ سے کبھی بھی سچا بیٹا پیدا نہیں کروں گا اس وقت میرے لئے غصہ صرف اس قدر ہے کہ وہ اپنے بیٹے سے کہے اے بیٹے رک جا۔ (نیک لوگوں کی آزمائش بھی زیادہ ہوتی ہے۔)

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب تم دیکھو کہ کوئی شخص اپنے پڑوسیوں کے نزدیک محبوب ہے اور وہ اس کی تعریف کرتے ہیں تو جان لو کہ وہ منافق ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے جب کوئی شخص مر جائے اور اس کے پڑوسیوں میں کوئی اس کی مذمت نہ کرے تو جان لو کہ وہ منافق ہے۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں مداہنت (منافقت) کی حقیقت یہ ہے کہ لوگ اس شخص کی دین میں کمی پر راضی ہوں جس طرح مدارات کا معنی یہ ہے کہ کسی شخص کی دنیا میں کمی پر لوگ خوش ہوں۔ پہلی بات حرام ہے اور دوسری مستحب ہے (اچھی نیت کے ساتھ یہ حکم ہے)۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی طرف الہام کیا کہ فلاں فلاں بستیوں پر عذاب نازل کرو فرشتے چیخ اٹھے اور کہا اے رب!

ان میں تیرا فلاں عبادت گزار بندہ بھی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے عذاب کی وجہ سے اس کی چیخ وپکار سناؤ کیونکہ میرے حرام کردہ کاموں کو دیکھ کر اس کے چہرے کا رنگ کبھی نہیں بدلا۔

حضرت لقمان فرماتے تھے وہ شخص جھوٹ بولتا ہے جو کہتا ہے کہ برائی کو برائی کے ذریعے مٹایا جاتا ہے اگر وہ سچا ہے تو آگ کے پاس آگ جلائے کیا ایک آگ دوسری آگ کو بجھا سکتی ہے۔

حضرت ابو اسحاق فزاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہارون الرشید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس تشریف لے گئے حضرت یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو یہ بات پہنچی تو انہوں نے ان کو ملامت کی اور فرمایا یہ اس شخص کے پاس کیسے چلے گئے جب کہ اس کے ہاں ریشمی بستر ہیں؟

حضرت ابو اسحاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا اے یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ! آپ کو صرف ریشمی بستر کی خبر پہنچی ہے (لوگوں کے) خون، عزتیں اور مال کہاں ہیں؟ یعنی (یہ خرابیاں بھی ہیں) لیکن ہم ضرورت کے تحت گئے ہیں۔

اور کہا جاتا تھا جب کوئی عالم کسی ظالم کے پاس جائے اور اس سے کوئی چیز نہ مانگے تو اس کے لئے جواز ہے اور میں نے کوئی چیز نہیں مانگی اور میں اس کے پاس بیٹھا رہا اور وہ مجھے پوچھتا جاتا کہ یہ بچھونا حرام سے ہے؟ میں کہتا ہاں حرام سے ہے۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں یہ جواب قابل غور ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا کیا آدمی اس شخص کو نیکی کا حکم دے جس کے بارے میں جانتا ہے کہ وہ اس کی بات کو قبول نہیں کرے گا؟ فرمایا ہاں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عذر پیش کرنا ہے۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے نیکی روتی ہوئی چلی گئ اور برائی ہنستی ہوئی آئی۔

پھر یہ شعر پڑھے:

ذھب الرجال المقتدی بفعالھم   والمنکرون لکل امر منکر
وبقیت فی خلف یز کی بعضھم   بعضا لیدفع معور عن معور

ترجمہ: وہ لوگ چلے گئے جن کے کاموں کی اقتدا کی جاتی تھی وہ برے کام کے منکر تھے، اور پچھلے لوگوں میں وہ رہے جو ایک دوسرے کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں تاکہ برائی کرنے والا برائی کرنے والے کا دفاع کرے۔

اے بھائی! ان صفات کو اپنے نفس کے سامنے پیش کر تاکہ تجھے معلوم ہو جائے کہ تو برائی کا منکر ہے یا نہیں؟ اور کیا تو ان لوگوں میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے پسند کرتا ہے یا نہیں اور کیا تو نے اپنے نبی صَلَّی اللّٰہ ُتَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی شریعت کی مدد کی یا اس کی ذلت کا سبب بنا۔

تیرا خیال یہ ہے کہ تو رسول اکرم صَلَّی اللّٰہ ُتَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی نیابت میں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والا ہے کیونکہ آپ صَلَّی اللّٰہ ُتَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے بعد آپ صَلَّی اللّٰہ ُتَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی امت کے علماء آپ کی شریعت پر مطمئن ہوئے لیکن آج اکثر لوگوں نے اپنے اقوال، افعال اور برائی کو دیکھ کر خاموش رہنے کے ساتھ دین کو رسوا کیا۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

خود پسندی اور اعمال پر بھروسہ نہ کرنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ وہ خود پسندی کا شکار نہیں ہوتے اور اپنے اعمال پر بھروسہ نہیں کرتے بلکہ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ نیک اعمال کے باوجود جہنم کے مستحق ہیں برے اعمال تو ایک طرف رہے کیونکہ وہ اپنے اعمال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ سوءادب ملاحظہ کرتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے کتنے ہی چراغ ہیں جن کو ہوا نے بجھادیا اور کتنی ہی عبادتیں ہیں جن کو خود پسندی نے خراب کر دیا۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ایک گھڑی جس میں بندہ نفس کو عیب زدہ قرار دے اس کے لئے ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

حضرت ابو عبد اللہ انطاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے سب سے زیادہ نقصان دہ عبادات وہ ہیں جو بندے کو برائیاں بھلا دیں اور نیکیاں یاد دلائیں اور یوں لوگوں کے درمیان اس کا غرور اور تکبر زیادہ ہو جائے اور وہ آخرت کی طرف نیکی اور ثواب سے خالی ہاتھ جائے۔ جب کہ اس کا خیال یہ ہو کہ وہ نیک لوگوں میں سے ہے۔

حضرت شعبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ گزشتہ زمانے میں ایک شخص تھا جب وہ چلتا تھا تو بادل اس پر سایہ کرتا تھا اور یہ اس کی فضیلت کی وجہ سے تھا۔ اسے ایک اور شخص نے دیکھا تو کہا میں اس کے سائے میں چلوں گا شاید مجھے اس کی برکت حاصل ہو جائے۔ فرماتے ہیں پہلے شخص کے دل میں غرور پیدا ہو گیا جب اس نے دیکھا کہ لوگ اس کے سائے میں چلتے ہیں۔ جب وہ جدا ہوئے تو سایہ اس شخص کے ساتھ چلا گیا جو اس کے اتباع میں گیا تھا۔

امیر المؤمنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے تیری سچی توبہ کی علامت یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے گناہ کا اعتراف کرے اور تیرے عمل کا اخلاص یہ ہے کہ خود پسندی چھوڑ دے اور تیرے شکر کی صداقت یہ ہے کہ تو اپنی کوتاہی کو پہچان لے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب منبر پر خطبہ دیتے تو خود پسندی سے ڈرتے ہوئے گفتگو چھوڑ کر اس عمل کی طرف منتقل ہو جاتے جس میں خود پسندی نہ ہو اور جب کوئی خط لکھتے تو خود پسندی کے خوف سے اسے پھاڑ دیتے اور کہتے یا اللہ! میں نفس کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب اپنا حلقہ درس بڑا دیکھتے تو جلدی جلدی سہمے ہوئے کھڑے ہو جاتے اور فرماتے اللہ تعالیٰ نے ہمیں پکڑ لیا اور ہمیں پتہ بھی نہ چلا راوی فرماتے ہیں ایک دن لوگ آپ کے پیچھے چلے اور کہا آپ جیسے آدمی کو اس قسم کی بات کا خوف نہیں؟ فرمایا ہاں میں اس سے سب لوگوں سے زیادہ ڈرتا ہوں کیونکہ مجھے اپنی اخلاقی کمزوری کا علم ہے اور اللہ کی قسم اگر حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ مجھے اس مجلس میں بیٹھا ہوا دیکھتے تو دُرّے کے ساتھ مجھے مارتے اور اٹھا دیتے اور فرماتے تو اس کے لائق نہیں ہے۔

حضرت مطرف بن عبد اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے رات سو کر گزاروں اور صبح مجھے ندامت ہو تو یہ بات مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں رات کے وقت عبادت کے لئے کھڑا ہوں اور صبح تکبر کا شکار ہو کر سونے والوں سے اپنے آپ کو برتر سمجھوں۔

پہلے بزرگ لوگوں کو زیادہ روزے رکھنے اور قیام لیل کرنے پر اس لئے اچھا نہیں سمجھتے تھے کہ ان پر تکبر کا خوف ہوتا تھا اور وہ ان سے کہتے تھے علم سیکھو پھر عمل کرو کیونکہ یہ عمل کے شرعی آداب ہوتے ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر انسان کے تمام اعمال نیک ہوں تو وہ خود پسندی کی وجہ سے اپنے آپ کو ہلاک کر دے لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ آدمی اعمال میں کمی کے ساتھ آزمایا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ایک شخص نے کہا اے فقیہ! فلاں بات کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا میں جس زمانے میں فقیہ بنا ہوں وہ برا زمانہ ہے۔

حضرت حذیفہ مرعشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر تجھے یہ ڈر نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ تجھے تیرے افضل اعمال پر بھی عذاب دے گا تو تو ہلاک ہونے والا ہے۔

حضرت رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا فرماتی تھیں میں اکثر بھلائی کی امید اس وقت کرتی ہوں جب میرے نیک اعمال کم ہو جائیں کیونکہ آپ کا بھروسہ اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان پر تھا اعمال پر نہیں۔

حضرت حسان بن سنان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حکمرانوں کے معاونین سے فرماتے تھے کہ وہ ان کے لئے دعا کریں اس سلسلے میں ان سے پوچھا گیا تو فرمایا ہو سکتا ہے ان میں سے کسی ایک میں ایسی خصلت ہو جسے اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہو اور شاید میرے اندر کوئی ایسی خصلت ہو جسے اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہو اور شاید میں اپنے آپ کو اس سے بہتر سمجھتا ہوں اور وہ مجھ سے بہتر ہو۔

جب حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیمار ہوئے تو ان کو مشورہ دیا گیا کہ آپ کو حضور صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کی قبر شریف کے ساتھ چوتھی جگہ پر دفن کیا جائے اس پر

آپ کانپ اٹھے اور فرمایااللہ کی قسم اگر اللہ تعالیٰ مجھے آگ کا عذاب دے تو یہ بات مجھے اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے دل میں یہ بات دیکھے کہ میں نے اپنے آپ کو اس کا اہل سمجھا ہے۔

حضرت ابن سماک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے خود پسندی کی حقیقت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ تم اپنے عمل کے ساتھ دوسروں پر گردن بلند کرو اور جس کو عمل میں کوتاہی کرنے والا دیکھو اسے حقیر جانو۔(یہ خود پسندی ہے)

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عبادت زیادہ کرتے تھے ایک دن آپ سے کہا گیا کہ ہم آپ کو زیادہ عبادت کرتے ہوئے دیکھتے ہیں انہوں نے فرمایا جس شخص کی نگاہ میں اس کی عبادت زیادہ ہو وہ اللہ تعالیٰ سے بے علم ہے بے ک فرشتے پلک جھپکنے کے برابر بھی عبادت میں کوتاہی نہیں کرتے اگر وہ اپنے اعمال کو زیادہ خیال کریں تو اللہ تعالیٰ ان کو آسمان میں اپنے سامنے نہ رکھے لیکن وہ اس کے باوجود کہتے ہیں اے اللہ تو پاک ہے ہم نے اس طرح عبادت نہیں کی جس طرح تیری عبادت کا حق ہے۔

اور میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے سیدی حضرت علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے اگر تجھے یہ خوف نہ ہو کہ برے اعمال تو درکنار نیک اعمال میں کمی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تجھے ہلاک کرے گا تو تو ہلاک ہونے والوں میں سے ہے۔

حضرت یزید بن ہارون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے قیام لیل کو دیکھا تو چوکیداری کرنے والا دو دانق (دانق ایک سکہ ہے جو درہم کے چھٹے حصے کے برابر ہوتا ہے) لے کر رات بھر چوکیداری کرتا ہے تو کیا تم میں سے کوئی شخص ایک رات عبادت کیلئے جاگ کر جنت طلب کرتا ہے۔ شاید جنت دو دانق کے برابر ہے اور بعض اوقات اپنے رب پر احسان جتاناہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے علماء اور قراء کاریاکاری اور منافقت سے بچنا کبریت احمر (سرخ یاقوت) سے زیادہ نمایاں ہے کیونکہ ان میں سے ایک اس بات پر قادر نہیں کہ لوگوں کی یہ بات سنے کہ فلاں کتنا بڑا عالم ہے اور فلاں کتنی اچھی آواز میں قرآن پڑھتا ہے اور پھر وہ خود پسندی کا شکار نہ ہوں اور اگر لوگ کہیں کہ وہ عالم نہیں یا اس کی آواز اچھی نہیں تو یہ بات اس کے لئے باعث تکلیف ہوتی ہے اور قریب ہے کہ وہ غم کی وجہ سے مر جائے اور یہ ریاکاری کی سب سے بڑی علامت ہے پھر وہ لوگوں کو دکھانے اور سنانے کے لئے اپنی حالت کو مزید اچھا کرتا ہے۔

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص اپنے نفس کو نیکوکار خیال کرے تو یہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے لئے ان کے اعمال مزین کئے گئے۔ اور جو یہ گمان نہ کرے کہ وہ ہلاک ہونے والا ہے تو وہ ہلاک ہوا۔

ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا اے امام! میں اپنے نفس کو اس شخص سے اچھی حالت میں نہیں جانتا جس نے میرے سامنے کسی کو ظلم کے طور پر قتل کیا حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا تیرا اپنے نفس کے بارے میں یہ خیال اس سے برا ہے جس نے کسی نفس کو ظلم کے طور پر قتل کیا۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ جھگڑالو ہے اپنے علم کو جھگڑے کے لئے استعمال کرتا ہے اور اپنے آپ پر اکڑتا ہے تو جان لو کہ وہ مکمل خسارے میں ہے۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص اپنے علم پر غرور کرتا ہے وہ قدری ہے کیونکہ اگر وہ اپنے علم کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق سمجھتا تو اس پر تکبر نہ کرتا۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں یہ اچھے عمل کے بارے میں ہے جہاں تک برے عمل کا تعلق ہے تو اس کے لئے اس پر نفس کو تسلی دینا صحیح نہیں بلکہ اس پر واجب ہے کہ اس سے توبہ کرے پشیمان ہو اور اس سے بخشش طلب کرے۔ واللہ اعلم۔

کچھ مخنث (ہیجڑے) حضرت عطا اسلمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے گھر میں کام کرتے اور ان کو وضو کرواتے تھے آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کو ان لوگوں کو اپنے گھر میں رکھنے سے گھن نہیں آتی؟

فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم یہ لوگ میرے نزدیک مجھ سے زیادہ پاک ہیں ان کے گناہ کم اور ریاکاری اور منافقت بھی بہت کم ہے۔ تو مجھے ان سے کس طرح گھن آئے۔

حضرت ابان بن عیاش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے (شرعی) رخصتوں کے ساتھ عمل کو ناپسند وہی کرتا ہے جو خود پسندی کا شکار ہوتا ہے یا خواہشات کا پجاری ہوتا ہے۔ کیونکہ رخصتوں پر عمل کرنے والے کی کوئی تعریف نہیں لہٰذا اس وقت وہ خود پسندی کا شکار نہیں ہوتا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تکبر اور خود پسندی سے بہت زیادہ ڈرتے تھے اور جب لوگ آپ کی تعریف کرتے تو آپ دعا مانتے یا اللہ! مجھے اس سے بہتر بنا دے جو کچھ یہ کہتے ہیں اور جو کچھ یہ نہیں جانتے میرا وہ عمل بخش دے۔

جب لوگ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتے تو وہ دعا مانگتے یا اللہ! میں اس چیز کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں جو کچھ یہ کہتے ہیں اور تجھ سے اس عمل کی بخشش چاہتا ہوں جس کا ان کو علم نہیں۔

ایک شخص نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں عرض کیا اے ام المؤمنین! آدمی کو کب پتہ چلتا ہے کہ وہ نیکی کرنے والوں میں سے ہے؟ فرمایا جب اس کو یہ معلوم ہو جائے کہ وہ برے کام کرنے والوں میں سے ہے اس نے پوچھا اسے کب پتہ چلتا ہے کہ وہ برے کام کرنے والوں میں سے ہے؟

فرمایا جب وہ اپنے آپ کو نیکی کرنے والوں میں سے سمجھے۔

حضرت بکر بن عبد اللہ مزنی اور مطرف بن عبد اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما عرفات میں موقف (کھڑے ہونے کی جگہ) میں پہنچے تو حضرت مطرف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دعا میں یہ کلمات بھی تھے یا اللہ! آج ان لوگوں کو میری وجہ سے نامراد نہ لوٹانا اور حضرت بکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دعا میں سے یہ کلمات تھے کہ یہ جگہ کس قدر شرف والی اور دعا کی بہت زیادہ قبولیت کا مقام ہے اگر میں لوگوں میں نہ ہوتا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے بہت سے لوگ اپنی تعریف کی وجہ سے ہلاک ہوتے ہیں اور بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ ان سے احسان کیا جائے تو وہ ترقی کرتے ہیں۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے بعض اوقات خود پسندی فقیر کو اس مقام تک پہنچا دیتی ہے کہ وہ کہتا ہے اگر میرے سامنے جنت کی حور بھی پیش کی جائے تو میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ اس کی طرف توجہ نہیں کروں گا۔ حالانکہ وہ بعض اوقات دنیا کی کسی لڑکی کو دیکھتا ہے تو اس کا دل اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے حتیٰ کہ عرش پر پہنچ جاتا ہے۔ اللہ کی قسم ایک گناہ جس کی وجہ سے تو اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے تیرے لئے اس عبادت سے زیادہ بہتر ہے جس کے ذریعے تو بندوں پر فخر کرتا ہے۔

حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے زمانے کے عبادت گزاروں سے فرماتے تھے تم پر افسوس ہے تمہارے اعمال کم ہونے کے باوجود ان میں خود پسندی داخل ہو گئی اور تم سے پہلے لوگ اپنے اعمال کی کثرت کے باوجود ان پر تکبر نہیں کرتے تھے۔ اللہ کی قسم پہلے لوگوں کی عبادت کو دیکھا جائے تو تم لوگ محض کھیلنے والے ہو۔

تو اے بھائی! اس بات کو جان لے اور اپنے نفس کا پوری طرح جائزہ لے بعض میں خود پسندی کو ترک کرنے پر تکبر پیدا ہو تا ہے تو یہ اس سے زیادہ بری حالت والا ہے جو اپنے اعمال پر خود پسندی کا شکار ہو تا ہے۔ اس بات کو سمجھو۔

اور اے بھائی! اپنے نفس کو مسلمانوں پر برتر سمجھنے سے بچو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

ضرورت مندوں کی ضرورت کو پورا کرنا تعمیرات پر مقدم ہونا چاہئے

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ وہ عمارات وغیرہ کی تعمیر پر، بھوکوں کو کھانا کھلانے، ننگوں کو لباس پہنانے اور ان لوگوں کا قرض ادا کرنے جن کو طاقت نہیں، پر روپیہ پیسہ خرچ کرنے کو مقدم کرتے ہیں خاص طور پر اس زمانے میں جب کہ فقیر کام کرنے والے کو موت کے اسباب دیکھے بغیر اور عبادت گزار ہے اور کوئی کام کاج نہیں کرتا تو دین کے چلے جانے کے بغیر روزی کا حصول ممکن نہیں۔

میں نے ایک مرتبہ مشائخ میں سے ایک شیخ کو دیکھا کہ اس کے لئے گنبد میں قبر اور تابوت بنایا جارہا تھا اتنے میں ایک نابینا عیال دار شخص آیا اور اس نے چاندی کے ایک ٹکڑے کا مطالبہ کیا کہ اپنے بچوں کے لئے روٹی لے جائے لیکن اس نے نہ دیا میں نے اس سے کہا اس کو دے دے یہ اس گنبد کی

تعمیر سے افضل ہے لیکن اس نے دینے سے انکار کر دیا تو اسی دن سے میری نگاہوں میں اس کی کوئی وقعت نہ رہی۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے گھر کے گرد چالیس چالیس گھر والوں کی خبر گیری کرتے تھے۔ ان کے دستر خوان پر مہمانوں کے لئے بھنی ہوئی مرغی رکھی جاتی تھی۔ لوگوں نے ان سے مسجد کی تعمیر میں تعاون کا مطالبہ کیا تو انہوں نے انکار کر دیا اور فرمایا کسی بھوکے کے پیٹ میں ایک لقمہ میرے میزان میں مسجد کی تعمیر سے زیادہ وزنی ہو گا اگرچہ میں اکیلا اسے تعمیر کروں۔

نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم فرماتے تھے:

"اذا اراد اللہ بعبد شرّا اھلک مالہ فی الماء و الطین"۔[66]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کے ساتھ شر کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے مال کو پانی اور گارے میں تباہ کر دیتا ہے (یعنی وہ غیر ضروری تعمیرات کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے)۔

ایک دوسری حدیث میں ہے:

"کل درھم ینفقہ العبد فان اللہ یخلفہ الا ما کان فی بنیان او معصیۃ"۔

ترجمہ: بندہ جو درہم (روپیہ) خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ دیتا ہے سوائے اس کے جو (غیر ضروری) تعمیر یا گناہ پر خرچ کرے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے تھے میں نے رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے بالا خانے کی سیڑھی کا ایک درجہ حرکت کرتے ہوئے دیکھا تو میں نے کچھ گارے

---

66 (اتحاف السادۃ المتقین بیان فضیلت الذھد جلد ۹ صفحہ ۳۶۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

کے ساتھ اس کو بنانے کا ارادہ کیا لیکن نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے مجھے منع فرما دیا اور فرمایا میرا دنیا سے کیا تعلق ہے۔

ایک اور روایت میں ہے آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

"انی بعثت بخراب الدنیا و لم ابعث بعمارتھا"۔[67]

ترجمہ: بے شک مجھے دنیا کو غیر آباد کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے اس کو آباد کرنے کے لئے نہیں۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے مکان کا چھجہ (بیت الخلاء) بنایا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خبر ملی اور یہ آپ کا دور خلافت تھا آپ نے ان کو لکھا:

عمر کی طرف سے عویمر کی طرف۔ تم پر سلام ہو، اس کے بعد تمہاری ماں تم پر روئے کیا حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے بعد تمہیں نئی تعمیرات کی ضرورت پڑ گئی میرا حکم ہے کہ میرا خط اپنے ہاتھ سے اس وقت تک نہ رکھنا جب تک اس کو گرا نہ دو چنانچہ انہوں نے اس کو اسی وقت گرا دیا۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص فقراء کے مال کے ساتھ مالداری حاصل کرتا ہے اس کو فقیر بنا دیتا ہے اور جو شخص تعمیر میں فقراء کو مسخر کرتا ہے تو وہ عمارت برباد ہو جاتی ہے۔ کہ فقراء کے مال کے ذریعے مالداری حاصل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نام پر لے کر خود رکھ لینا۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے تعمیر پر ایک درہم بھی کبھی خرچ نہیں کیا وہ فرماتے ہیں حضرت مطرف بن عبد اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مکان کی دیوار گرنے لگی تو

---

[67] (الترغیب و الترھیب کتاب القضاء جلد ۳ صفحہ ۱۷۸ مطبوعہ المصطفیٰ البابی حلبی مصر)

لوگوں نے کہا کسی دن اس کو درست کر دیں؟ انہوں نے فرمایا مکان کا مالک (اللہ) ہمیں یہاں رہنے کے لئے نہیں چھوڑے گا کہ ہم اس کی تعمیر کریں۔

حضرت نوح علیہ السلام کے پاس کھجور کی چھال تھی آپ سے کہا گیا کہ آپ کے لئے مکان بنا دیا جائے آپ نے فرمایا مرنے والے کے لئے یہ بھی زیادہ ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو لوگ مکانات کی زیب وزینت کرتے ہیں قریب ہے کہ ان پر آسمان سے پتھر برسائے جائیں۔

حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ نے کسی نبی علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اس کی امت کی عمر تین سو سال ہے انہوں نے ان لوگوں کو خبر دی تو ان لوگوں نے کہا ہماری عمر کم ہے پھر وہ اپنے گھروں سے نکلے اور صحراؤں میں خیمے لگا کر اپنے رب کی عبادت کرنے لگے۔ چنانچہ ان کی اولاد کا سلسلہ ختم ہو گیا حتی کہ ان کا آخری آدمی بھی مر گیا۔

حضرت حامد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک دن اپنی زوجہ کے پاس تشریف لے گئے تو دیکھا کہ وہ اپنی انگیٹھی پر گارا لگا رہی تھیں اور اسے کچھ تنگ کر رہی تھیں انہوں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ ان کی بیوی نے معذرت کرتے ہوئے کہا اس سے یہ انگیٹھی مضبوط رہے گی حتی کہ اس کے اوپر سے ہنڈیا نہیں گرے گی اور کھانا زمین پر نہیں گرے گا انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے اندر کی بات پر مطلع ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میرے والد کے پاس ایک کشادہ حویلی تھی جو ان کو ان کے والد سے وراثت کے طور پر ملی تھی اور وہ اس کے ایک مکان میں رہتے تھے جب وہ گر گئی تو دوسری میں منتقل ہو گئے حتی کہ وہ اس کے آخری مکان میں وفات پا گئے لیکن اس کو ٹھیک نہ کیا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا جس میں گارے کو (مکانات مراد ہیں) بلند کریں گے اور دین کو ضائع کریں گے اپنے ترکی نسل کے گھوڑوں کو موٹا کریں گے اور نماز تمہارے قبلہ کی طرف (منہ کرکے) پڑھیں گے اور ان کو موت تمہارے قبلہ کے غیر کی طرف آئے گی۔

حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جس سواری، لباس کھانے اور مکان میں فخر تکبر داخل ہو جائے وہ فضول خرچی اور گناہ ہے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے تھے جب کوئی شخص اپنے مال سے حق ادا نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اسے پانی اور گارے میں تباہ وبرباد کر دیتا ہے۔

امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم زیبائش والی مسجد میں نماز نہیں پڑھتے تھے۔ ایک دن آپ بنو تمیم کی ایک مسجد سے گزرے انہوں نے اسے زیب وزینت دے رکھی تھی اور نماز کا وقت بھی ہو چکا تھا انہوں نے عرض کیا امیر المومنین! کیا آپ بنو تمیم کی مسجد میں نماز نہیں پڑھتے؟

فرمایا اس کو مسجد بنو تمیم نہ کہو پھر آپ آگے چلے گئے اور بنو لیث کی مسجد میں نماز پڑھی اور فرمایا ہمیں اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ ہم اس مسجد میں نماز پڑھیں جس کی بنیاد تقویٰ پر نہ ہو۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک مسجد سے گزرے جس پر نقش ونگار تھے تو فرمایا جس نے یہ مسجد بنائی ہے اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے اس نے اپنا مال اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں خرچ کیا۔ اس نے اس پر جو پیسہ خرچ کیا ہے اسے جہنم میں ایک درہم کے بدلے میں ایک داغ لگایا جائے گا۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو یہ خبر پہنچی کہ دمشق کی جامع مسجد کے ستونوں میں زعفران اور سرخ رنگ لگایا گیا ہے تو آپ نے وہاں کے عامل کو لکھا ستونوں کے مقابلے میں مساکین اس رقم کے زیادہ محتاج تھے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص عمارت تعمیر کرے اس پر سرخ اور زرد رنگ کرے وہ اور اس کے مدد گار سب گناہ گار ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نبی اکرم صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی ازواج مطہرات کے حجرات مبارکہ میں داخل ہوتا تو چھت کو ہاتھ لگالیتا ہوں (چھت بلند نہیں تھی)

ایک شخص حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس آیا اور آپ سے کہا میں نے مکان بنایا ہے اور میری خواہش ہے کہ آپ اس میں تشریف لائیں اور برکت کی دعا فرمائیں آپ نے فرمایا تجھے زمین والوں نے دھوکہ دیا آسمان والے تجھے ناپسند کرتے ہیں تو نے مضبوط عمارت بنا کر دور کی امید رکھی لیکن موت قریب ہے۔

حضرت محمد بن سلام بیکندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مساجد اور عمارات کی تعمیر میں بلندی کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا آدمی کے قد کے برابر ہو۔

حضرت احمد بن حرب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص کسی باغ یا مکان کی طرف خواہش کی نگاہ سے دیکھتا ہے عبرت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس سے ایمان کی حلاوت سلب کر لیتا ہے۔

حضرت معتمر بن سلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہمارا مکان گر گیا تو ہمارے والد نے ہمیں بنا کر نہ دیا اور فرمایا معاملہ (موت) اس سے زیادہ جلدی ہے پھر ہمارے لئے ایک خیمہ بنایا اور ہمیں اس میں داخل کیا پس ہم اس میں تیس سال رہے۔

تو اے بھائی! ان اخلاق میں غور کر اگر تو اپنے نفس میں اس کے خلاف پاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کر کیونکہ بندے کی عزت ان بزرگوں کی اتباع میں ہے جو اقوال، افعال اور اخلاق میں پاک تھے۔

اور میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے دیکھا کہ جس شخص نے اپنے لئے مسجد بنائی تو اکثر لوگوں سے اس کی دشمنی ہو گئی کیونکہ انہوں نے اس کی مدد نہ کی پس وہ ان کی عزتوں کے لئے قینچی بن گیا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں پس اس قسم کے لوگ اللہ تعالیٰ نے نافرمان ہیں اور شاید اس عمارت کے بنانے سے اسے جو ثواب حاصل ہوا اس پر ان میں کوئی بھی راضی نہ ہو جس کی اس نے غیبت کی جو (اس کی تعمیر کے وقت) غائب تھا۔

تو جس شخص کے پاس مال ہو تو اس کے لئے جائز نہیں کہ ضرورت شرعی کے بغیر اسے پانی اور گارے پر خرچ کرے تو جو لوگوں سے سوال کرے کہ اس تعمیر میں میری مدد کرو اس کا کیا حال ہو گا؟

تو اے بھائی! اس بات کو جان لے اور پوری طرح دور رہ اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

مجاہدات کی کثرت اور خواہش کا ترک

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک خلق یہ ہے کہ وہ عبادات میں اپنے نفسوں کو مجاہدات میں ڈالتے ہیں اور خواہشات کو چھوڑتے ہیں اس کے بعد بھی وہ ان امور پر راضی نہیں ہوتے حتیٰ کہ دنیا سے رخصت ہو جائیں (یعنی اس کے باوجود وہ عبادات کی ادائیگی میں اپنی کوتاہی خیال کرتے ہیں) اس بات پر صوفیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کا اتفاق ہے پس جو شخص اس سلسلے میں ان کی مخالفت کرتا ہے اس نے اجماع کو توڑ دیا اور یہ بات حرام ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جس کام کے بغیر واجب مکمل نہ ہو وہ بھی واجب ہوتا ہے۔

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے فرمایا جو شخص یہ خیال کرے کہ وہ عبادات میں کوشش کے بغیر کوئی درجہ حاصل کرے گا اس نے محال کا قصد کیا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ بندہ عادات سے اسی صورت میں نکلتا ہے جب دوسرے لوگوں سے زیادہ عبادت کرے کیونکہ کرامات، معجزات کی فرع ہیں تو جس طرح نبی علیہ السلام کا امتیاز عبادات کی فراوانی اور معجزات ہیں اسی طرح ولی کے لئے کرامات تب واقع ہوتی ہیں جب وہ عبادات میں اپنے ہم عصر لوگوں سے بڑھ جائے۔

حدیث شریف میں ہے:

"المجاھد من جاھد نفسه فی الله"۔[68]

ترجمہ: (حقیقی) مجاہد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے۔

---

[68] (مسند امام احمد بن حنبل مرویات فضالہ بن عبید جلد ۶ صفحہ ۲۰ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے تھے تم لوگ سب سے زیادہ جس جہاد کا انکار کروگے وہ نفس کیک خلاف جہاد ہے۔

حضرت ابومالک اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے تھے تمہارا حقیقی دشمن وہ نہیں جس کو قتل کرنے پر اللہ تعالیٰ تمہیں اجر عطا فرمائے گا بلکہ تمہارا دشمن وہ ہے جو تمہارے دو پہلوؤں کے درمیان ہے اس سے نفس مراد لیا۔ اور تیری بیوی ہے جس کے ساتھ تو ہمبستر ہوتا ہے اور تیری سگی اولاد ہے یہ تیرے سب سے بڑے دشمن ہیں (کیونکہ ان کی خاطر آدمی شریعت کی خلاف ورزی کرتا ہے)

حضرت خضر القاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر ہم پہاڑوں کو ناخنوں کے ساتھ کھودیں حتی کہ انگلیوں کے جوڑ کٹ جائیں تو یہ بات خواہشات کی مخالفت سے آسان ہے جب وہ نفس میں جا گزیں ہو جاتی ہے۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ساٹھ سرکش شیطان اتنا فساد بپا نہیں کرتے جتنا فساد ایک گھڑی میں میرا ساتھی بپا کرتا ہے اور ساٹھ برے ساتھی اس قدر فتنہ بپا نہیں کرتے جس قدر نفس ایک گھڑی میں بپا کرتا ہے اور جب تمام امور بندے کی مرضی کے مطابق ہوں تو ان میں خلل اس کی ذات کی طرف سے آتا ہے۔

تمام ادیان کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا، نفس کی ناپسندیدگی میں ہے (یعنی نفس کو ناراض کریں گے تو رب راضی ہوگا)

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے تمام دنیا عجیب باتوں سے بھری ہوئی ہے اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ ہمارے نفس اور ہمارے جیسے لوگوں کے نفس جہنم سے نجات

پائیں اور جس آدمی کے تمام اعمال جہنم کی طرف لے جانے والے ہیں وہ جہنم سے کس طرح نجات پا سکتا ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ایک زاہد کو تیر لگا اور وہ مر گیا۔ اس نے کہا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے میرا بدلہ میرے نس سے لیا کتنی ہی مرتبہ اس نفس نے مجھے ذبح کیا۔

حضرت یحیٰی بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں اب اپنی بد بختی کو پہچانتا ہوں۔ ایک مرتبہ ان سے پوچھا گیا آپ کس طرح پہچانتے ہیں؟ فرمایا اس طرح کہ لوگ کہتے ہیں انسان کی سعادتمندی سے یہ بات ہے کہ اس کا دشمن عقلمند ہو۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ میرا دشمن عقلمند نہیں پوچھا آپ کا دشمن کون ہے؟

فرمایا میرا نفس، کہا گیا بحمد اللہ! آپ عقلمند ہیں۔ فرمایا میں کس طرح عقلمند ہوں جب کہ میں جنت کو نیند یا لقمہ یا کسی بات کی خواہش کے بدلے بیچتا ہوں۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے خواہش نفس میں چھپی ہوئی چیز ہے اس کی اتباع کرنے والا بے خوف نہیں ہو سکتا۔ ارشاد خداوندی ہے:

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ (الجاثية۲۳)

ترجمہ: کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جو اپنی خواہشات کی گرفت میں آ گیا۔

حضرت یحیٰی بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے آج کل ہم کسی شخص کو سنت کے مطابق عمل کرتے ہوئے نہیں دیکھتے ہر شخص اپنی خواہش کے مطابق عمل کرتا ہے عالم ہو یا جاہل، عابد ہو یا

زاہد، بوڑھا ہو یا نوجوان، ہر شخص اس لئے عمل کرتا ہے کہ اس کی تعریف کی جائے چاہے اللہ تعالیٰ کے ہاں ہو یا بندوں کے ہاں۔

اسی طرح گناہوں کو اس لئے چھوڑتا ہے کہ لوگ اسے حقیر جانیں گے اللہ تعالیٰ کے خوف سے نہیں چھوڑتا اور ہم میں سے کون ہے جس کا ذکر برائی کے ساتھ کیا جائے تو اس کو غصہ نہ آتا ہو اللہ تعالیٰ کی قسم ہم نے منافقت پر صلح کر لی۔ ہماری محبت محض زبانی ہے اور ہمارے دل ایک دوسرے سے ناراض ہیں ہم نے علم عمل کے لئے حاصل نہیں کیا۔ بلکہ زینت، فخر اور لوگوں پر سرداری حاصل کرنے کے لئے سیکھا تاکہ سب سے پہلے ہم پر آگ بھڑکائی جائے۔

ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی (اے داؤد علیک السلام) اگر آپ میری محبت چاہتے ہیں تو اپنے نفس سے دشمنی کریں اور اس کی دشمنی کے ذریعے مجھ سے محبت کریں۔

حضرت عبد العزز بن ابی رواد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب ہمارے سامنے ہمارے بزرگوں کے حالات بیان کئے جاتے ہیں تو ہم سب کو شرمندگی ہوتی ہے۔ (اپنے اعمال کی وجہ سے شرمندگی ہوتی ہے)

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ کی قسم اگر تم گناہوں کو بُو پاؤ تو تم میں سے کوئی شخص میری بدبو کی وجہ سے میرے پاس بیٹھ نہ سکے۔

حضرت عطاء اسلمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شہر والوں کو جب ہوا یا مہنگائی یا فنا یا کوئی مصیبت پہنچتی تو آپ فرماتے یہ سب کچھ عطاء کے گناہوں کی وجہ سے ہے اگر عطاء کا انتقال ہو جائے تو لوگوں کو اس مصیبت سے راحت مل جائے۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے بندے کو اللہ تعالیٰ کے ہاں بزرگ ترین بندوں میں سے اور اپنے نفس کے ہاں بدترین بندوں میں سے ہونا چاہئے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص کسی درجہ کا دعوی کرتا ہے اس سے گر جاتا ہے اور جب کوئی شخص اعلی درجہ پر ہو تو اسے چاہئے کہ اپنے آپ کو حقیر سمجھے۔

حضرت ابو معاویہ اسود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میرا جو دوست مجھے اپنے نفس پر فضیلت دے وہ مجھ سے بہتر ہے۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس جب کوئی شخص بیٹھتا اور آپ اپنے دل پر بوجھ محسوس کرتے تو اپنے نفس پر ناراض ہوتے اور فرماتے تو نیک لوگوں کو پسند نہیں کرتا جب تو نے اپنے آپ سے بہتر کو دیکھا تو اسے ناپسند کیا اور اس کے پاس بیٹھنا تیرے اوپر بوجھ بن گیا۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اکثر فرماتے تھے جو شخص کسی ریاکار کو دیکھنا چاہتا ہے وہ مجھے دیکھے پھر اپنی داڑھی ہاتھ میں پکڑ کر روتے تھے اور فرماتے اے فضیل! تو جوانی میں فاسق تھا۔ جو بڑھاپے میں ریاکار بن گیا اللہ کی قسم! ریاکاری سے فسق ہلکا گناہ ہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا اے ریاکار! تو انہوں نے فرمایا میرے بھائی، تو میرے اس لقب کو پہچان گیا جس کے بارے میں بصرہ والے بھٹک گئے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص یہ خیال کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اور وہ اپنے نفس سے محبت کرتا ہو تو وہ جھوٹا ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے عابد اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک اپنا اخلاص نہ دیکھ لے، اللہ کی قسم اگر مجھے کہا جائے کہ ابھی خلیفہ تمہارے پاس آرہا ہے اور میں اس کے لئے اپنی داڑھی کو درست کروں تو مجھے ڈر ہے کہ منافقین کی فہرست میں میرا نام لکھ دیا جائے۔

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے خواہشات کو چھوڑنے کے سلسلے میں کتاب وسنت میں دلائل موجود ہیں حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے شیطان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے آیا تو آپ نے پوچھا:

اگر تم حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی امت کو پاؤ تو اس کے ساتھ کیا سلوک کروگے؟

اس نے کہا میں ان کے لئے دنیا کو خوبصورت بنا کر پیش کروں گا حتیٰ کہ ان میں سے ایک کو درہم اور دینار لا الہ الا اللہ کی شہادت سے زیادہ پسند ہوگا۔

حضرت وہیب بن ورد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص اپنی خواہش پر غالب آجائے وہ فرشتوں سے بہتر ہے کیونکہ ان کے پاس عقل ہے شہوت نہیں اور جس شخص پر اس کی شہوت غالب ہو وہ جانوروں سے بدتر ہے کیونکہ ان کے پاس شہوت ہے عقل نہیں۔

حضرت احنف بن قیس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص خواہشات کے مطابق کھائے اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت چاہے اس نے محال بات کا ارادہ کیا۔

حضرت ابو حازم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قصاب کے پاس سے گزرتے تو وہ آپ سے کہتا گوشت لے جائیں اور میں آپ سے (قیمت لینے) پر صبر کرلوں گا آپ اسے فرماتے اپنے نفس پر صبر کرنے کا مجھے تجھ سے زیادہ حق ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے زاہد لوگوں کا مقابلہ خواہشات کے ساتھ اور توبہ کرنے والوں کا مقابلہ گناہوں کے ساتھ ہوتا ہے اور جو شخص اپنے آپ کو جہنم میں داخل ہونے سے بچانا چاہتا ہے وہ دنیا میں اپنی تمام نفسانی خواہشات چھوڑ دے۔

حضرت عتبہ غلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک دن حضرت عبد الواحد بن زید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا کہ فلاں شخص اپنے آپ کو ایسی صفات سے موصوف قرار دیتا ہے جن کو اس نے چکھا تک نہیں لیکن ہمارے نزدیک وہ سچا ہے تو کیا وجہ ہے ہم اس کا حال سمجھ نہیں سکے؟ فرمایا اس لئے کہ وہ سالن کے بغیر روٹی کھاتا ہے اور تم سالن کے ساتھ روٹی کھاتے ہو اور جو چیز روٹی سے زائد ہے وہ خواہش ہے۔

حضرت ابو العباس موصلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص خیال کرتا ہے کہ خواہش کے مطابق کھانے سے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچتا وہ اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا جھوٹ باندھتا ہے۔

حضرت دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے یہ بات محال ہے کہ کوئی شخص عبادات کی لذت حاصل کرے جب کہ وہ خواہشات کا پجاری ہو۔

حضرت طاؤس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مریض کو کم کھانے کا مشورہ دیتے اور فرماتے تھے اللہ تعالیٰ نے تندرست اور بیمار سب کے لئے زیادہ کھانا چھوڑنے سے بہتر علاج پیدا نہیں کیا اور کسی مریض کے

پاس بیماری (زیادہ) کھانے کی وجہ سے ہی آتی ہے اور فرشتے اسی لئے بیمار نہیں ہوتے کہ وہ کھاتے نہیں۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص کسی محل یا باغ وغیرہ کو دیکھے اور اس کو اچھا سمجھے تو جس قدر حسین سمجھے گا اسی قدر اس کی عقل میں کمی ہو گی۔

حضرت وہیب بن ورد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص خواہشات کے تحت کھاتا ہے وہ دنیا اور آخرت میں ذلت کے لئے تیار ہو جائے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے نفس کی خواہشات اس کی آگ اور لکڑیاں ہیں اور بھوک وہ پانی ہے جو اس آگ کو بجھاتا ہے۔

حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام سب سے اچھا کھانا کھاتے تھے آپ جراد (ایک بڑی ٹڈی ہوتی ہے) اور کھجور کا گودا کھاتے تھے۔

امیر المؤمنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے نفس کو بھوکا رکھتے اور اسے مار دیتے اور فرماتے کھانا آگے چل کر ہو گا۔

حضرت بشر بن سری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں صبح یا شام کے کھانے سے ایک ذرہ چھوڑ دوں تو یہ بات مجھے تمام عبادت گزاروں کی عبادت تمام نمازیوں کی نماز حاجیوں کے حج روزہ داروں کے روزہ اور مجاہدین کے جہاد سے زیادہ پسند ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے تمام صالحین کا مذہب بھوک ہے پس جو اس سے بھاگا وہ فاسقین میں سے ہے اور ہم نے علماء کو پایا کہ وہ بہادر تھے اور اب دنیا کا کوڑا خانہ ہیں اور جب تم کسی زاہد کو دیکھو کہ خواہش کے مطابق کھانے کو جائز سمجھتا ہے تو جان لو کہ وہ زہد سے واپس

لوٹ گیا کیونکہ دنیا میں کشادگی کے ساتھ کھانا عارفین کا فسق شمار ہوتا ہے اور اللہ کی قسم اس زمانے کے زاہدین میں سے کوئی باقی نہیں رہا جس کو دیکھ کر آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوتی ہو۔ اور ہم نے ایسے لوگوں کو پایا جو دنیا کو حاصل کرنے کی حرص کے مقابلے میں اس کو چھوڑنے کی حرص زیادہ رکھتے تھے اور جان لو کہ جو شخص کھانے کے ساتھ سیر ہوتا ہے وہ ہمیشہ بھوکا رہے گا اور جس شخص کا بھروسہ اللہ تعالیٰ کی بجائے مخلوق پر ہو وہ ہمیشہ ذلیل ورسوا رہتا ہے۔

حضرت یزید رقاشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کبھی ٹھنڈا پانی نہ پیا وہ فرماتے تھے مجھے ڈر ہے کہ میں کل (قیامت کے دن) اس کے پینے سے محروم کر دیا جاؤں اگر آج پیوں گا۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے لوگ کہتے ہیں کہ جو شخص چالیس دن گوشت کھانا چھوڑ دے اس کی عقل میں کمی آجاتی ہے اور میں نے اسے کئی سال سے چھوڑے رکھا لیکن میری عقل میں کچھ بھی کمی نہیں آئی۔ اللہ تعالیٰ کے لئے ہی تعریف ہے۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بصرہ کی کھجوریں نہیں کھاتے تھے اور جب ان کا زمانہ گزر جاتا تو فرماتے اے اہل بصرہ، یہ میرا پیٹ ہے کھجور نہ کھانے سے اس میں کوئی کمی نہیں آئی اور کھانے کی وجہ سے تمہارے پیٹوں میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے خواہشات کے پیچھے چلنے والے کو دنیا اور آخرت میں عذاب ہوتا ہے دنیا میں اسے حاصل کرنے کی تکلیف اور آخرت میں اس کے حساب کا عذاب۔

اور جان لو جو زیادہ کھاتا ہے اس کے پیٹ کا گوشت بڑھ جاتا ہے اور جس کے پیٹ کا گوشت بڑھ جائے اس کی خواہشات زیادہ ہو جاتی ہیں۔ اور جس کی خواہشات زیادہ ہو جائیں اس کے گناہ زیادہ ہو

جاتے ہیں اور جس کے گناہ زیادہ ہو جائیں اس کا دل سخت ہو جاتا ہے اور جس کا دل سخت ہو جائے وہ گناہوں اور آفات میں غرق ہو جاتا ہے اور جو گناہوں اور آفات میں غرق ہو جائے وہ جہنم میں داخل ہوتا ہے۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو مرض الموت میں سفید روٹی (میدے کی روٹی) اور دودھ کی خواہش ہوئی جب حاضرین نے آپ کی خدمت میں پیش کی تو اس کی طرف دیکھ کر فرمایا میں نے زندگی بھر اپنے نفس کو خواہشات سے دور رکھا تو کیا اب اس کے آخر میں اس کی موافقت کروں گا۔ پھر فرمایا اسے فلاں قبیلہ کے یتیم کے پاس لے جاؤ اور خود تناول نہ فرمائی۔

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو تیس سال یہ خواہش رہی کہ گاجر کو میٹھے شیرے میں ڈبو کر کھائیں لیکن آپ نے فوت ہونے تک اس پر عمل نہ کیا۔

کہا گیا کہ امیر المؤمنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک برتن لایا گیا جس میں دودھ اور شہد تھا تو آپ نے واپس کر دیا اور اس میں سے کچھ نہ کھایا اور فرمایا اس کی لذت چلی گئی اور باقی بچ گیا۔

آپ نے ایک دن اپنے صاحبزادے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ روٹی اور گھی کھا رہے تھے تو آپ نے ان پر اپنا درہ بلند کیا۔ اور فرمایا روٹی اور نمک کھاؤ اور گھی دوسروں کے لئے چھوڑ دو۔

تو اے بھائی! اپنے بارے میں غور کرو اور اپنی حالت پر روؤ کیونکہ تیرا تانا بانا خواہشات سے ہے اور تو تمام اوقات میں اپنے رب سے پردے میں ہے تو عبادات کے ساتھ لذت حاصل نہیں کرتا اور اپنی خلوتوں میں اپنے رب کو نہیں دیکھتا پھر کس طرح دعوی کرتا ہے کہ تو نیک لوگوں میں سے ہے

حالانکہ تو تمام احوال میں ان کی مخالفت کر رہا ہے۔ اگر تو باطن میں ان کی موافقت نہیں کرتا تو اے بھائی! ان کا ظاہری لباس یعنی اونی عمامہ، جبہ اور شملہ وغیرہ اتار دے۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے ایک ولیمہ میں ایک شخص کو اسی صفت پر دیکھا وہ دائیں بائیں ہاتھ بڑھا کر اپنے بھائیوں کے آگے سے گوشت اور اچھے اچھے کھانے لے رہا تھا اور بعض اوقات اسے ایک کھانے کے لئے مصر سے باہر مصریہ (مقام) کی طرف دعوت دی جاتی تو وہ وہاں کا سفر کرتا اور کبھی دعویٰ کرتا کہ وہ دعوت دینے والے کا دل رکھنے کے لئے ایسا کرتا ہے پیٹ کی خواہش کے لئے نہیں لیکن پرکھنے والا نگاہ رکھتا ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

دن رات عبادت

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ وہ مرد ہوں یا عورتیں دن رات عبادت میں خوب کوشش کرتے ہیں اور ہمیشہ رات کو قیام کرتے ہیں خصوصاً سردیوں کی راتوں میں لیکن اس کے باوجود کسی سونے والے سے اپنے آپ کو برتر خیال نہیں کرتے اور نہ یہ خیال کرتے ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے واجب حقوق میں سے ایک ذرہ بھی ادا کیا ہے بلکہ وہ ان تمام عبادات کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے شمار کرتے ہیں جس کا شکر ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے جس طرح اس کی تفصیل اس کتاب کے مختلف مقامات میں آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

رسول اکرم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

"رحم اللہ اقواما یحسبھم الناس مرضی وما ھم بمرضی"۔[69]

---

[69] (الجامع الصغیر حدیث ۴۴۳۵ جلد ۱ صفحہ ۲۷۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر رحم فرمائے جن کو لوگ بیمار خیال کرتے ہیں حالانکہ وہ بیمار نہیں ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ عبادت کی وجہ سے وہ مشقت میں ہیں وہ نیک اعمال کرنے کے بعد ان کے رد کئے جانے کا خوف رکھتے ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے کچھ لوگوں کو پایا اور ان کے ساتھ بھی رہا وہ دنیا کی آنے والی کسی چیز پر خوش نہیں ہوتے تھے اور جو چیز چلی جائے اس پر غمگین نہیں ہوتے تھے اور وہ اس کو اس مٹی سے زیادہ حقیر جانتے تھے جس پر وہ چلتے تھے ان میں سے ایک کے لئے زندگی بھر کپڑا لپیٹا نہ جاتا اور نہ وہ کسی کو کسی کام کا حکم دیتے اور وہ سوتے وقت اپنے اور زمین کے درمیان کوئی چیز نہیں رکھتے تھے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کی سنت پر عمل کرتے تھے اور جب ان پر رات چھا جاتی تو وہ اپنے قدموں پر کھڑے ہو جاتے اپنے چہروں کو (سجدے میں) بچھا دیتے اور ان کے رخساروں پر آنسو بہتے حتیٰ کہ ان کے پاس آنے والا سمجھتا کہ یہ وضو کا پانی ہے۔

ایک جماعت حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس ان کی بیماری کے دوران عیادت کے لئے گئی تو ان کو بہت کمزور پایا پوچھا آپ ان حالات کو کیسے پہنچے؟

فرمایا ان غموں اور تفکرات کی وجہ سے جو حساب اور برے انجام کے خوف سے پیدا ہوئے۔

جب منصور بن معتمر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا وصال ہوا تو ایک شخص نے ان کی ماں سے پوچھا منصور کو کیا ہوا؟ اس نے کہا منصور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روزہ رکھا اور افطار اپنے رب کے ہاں کیا۔

اور ان کے پڑوسی کی بیٹی ان کو ہمیشہ رات کے وقت اپنے مکان کی چھت پر عبادت میں کھڑا دیکھتی تو آپ کے طویل قیام کی وجہ سے وہ سمجھتی کہ یہ ایک ستون ہے جب آپ کا انتقال ہوا تو اس کو نظر نہ آئے۔ اس نے آپ کے گھر والوں سے پوچھا تمہاری چھت پر جو ستون تھا وہ کہاں گیا؟

انہوں نے بتایا کہ وہ اپنے رب کے پاس چلا گیا ہے اس نے پوچھا وہ کیسے ؟ انہوں نے کہا ہماری چھت پر ستون نہیں تھا وہ حضرت منصور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تھے جو رات بھر کھڑے رہتے تھے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس بات کو ہمیشہ یاد کر کے روتے حتیٰ کہ آپ کی داڑھی مبارک تر ہو جاتی۔

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دن رات مسلسل عبادت کرتے حتیٰ کہ آپ کے پاس کھانے پینے کے لئے بھی وقت نہ بچتا اور آپ ستو اور چوری کھاتے روٹی نہیں کھاتے تھے۔ اور فرماتے تھے لقمہ کو چبانے اور نگلنے کے درمیان فلاں فلاں آیت پڑھی جا سکتی ہے۔

ایک دن ایک شخص آپ سے ملاقات کے لئے آیا تو اس نے آپ کے مکان کی چھت میں ٹوٹا ہوا شہتیر دیکھا پس اس نے بتا دیا انہوں نے فرمایا اے بھائی اللہ کی قسم! میں اس گھر میں بیس سال سے رہ رہا ہوں لیکن میں نے اللہ سے حیا کرتے ہوئے اس کی چھت کی طرف سر نہیں اٹھایا۔

لوگ حضرت احمد بن رزین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس بیٹھتے لیکن انہوں نے کبھی آپ کو دائیں بائیں دیکھتے ہوئے نہیں پایا انہوں نے اس سلسلے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آنکھوں کو کسی مقصد کے لئے پیدا کیا ہے اور جو کسی مقصد کے بغیر دیکھتا ہے اس کے ذمہ گناہ لکھ دیا جاتا ہے۔

حضرت مسروق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زوجہ کہتی تھیں اللہ کی قسم حضرت مسروق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قدم ہر صبح طویل قیام کی وجہ سے پھولے ہوتے تھے اور میں ان کے پیچھے بیٹھ کر ان پر رحم کھاتے ہوئے روتی تھی۔

اور آپ کی عادت تھی کہ رات کے وقت جب عبادت میں زیادہ وقت گزرنے کی وجہ سے تھک جاتے تو بیٹھ کر نماز پڑھتے لیکن نماز کو چھوڑتے نہیں تھے۔ اور جب نماز سے فارغ ہوتے تو کمزوری کی وجہ سے اونٹ کی طرح سرین کے بل گھسٹتے تھے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے تھے اگر دوپہر کی سخت گرمی کی پیاس اور رات کا قیام نہ ہو تو میں اس دنیا میں رہنا پسند نہ کرتا (گویا آپ روزے کی شدت اور رات کی عبادت کی مشقت میں لذت محسوس کرتے تھے)۔

حضرت اسود بن زید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے گرمی میں روزہ رکھا حتی کہ آپ کا جسم سبز اور زرد ہو گیا اور آپ نماز پڑھتے رہے حتی کہ کھرے ہونے کی حالت میں گر جاتے۔

لوگوں نے ایک مرتبہ حضرت علقمہ بن قیس رضی اللہ عنہ سے کہا آپ کب تک اس جسم کو تکلیف میں مبتلا رکھیں گے انہوں نے فرمایا میں کل (قیامت کے دن) اس کی عزت چاہتا ہوں۔

حضرت علاء بن زید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روزہ رکھا حتی کہ ان کا جسم زرد ہو گیا اور نماز پڑھتے رہے حتی کہ گر گئے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان کے پاس گئے اور کہا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ سب کچھ کرنے کے لئے حکم نہیں دیا۔

انہوں نے فرمایا میں تو غلام ہوں جو کسی کی ملک میں ہوں اللہ کی قسم اگر میں زندگی بھر بلکہ جب سے اللہ تعالیٰ نے دنیا کو پیدا کیا ہے اس وقت سے قیامت قائم ہونے تک انگارے پر سجدہ کروں تو ایک گھڑی کی عافیت اور ایک گھونٹ پانی کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہر روز ایک ہزار رکعات پڑھتے حتیٰ کہ آپ اس سے معذور ہو گئے تو پانچ سو رکعات کھڑے ہو کر اور اس کی مثل بیٹھ کر پڑھتے۔

حضرت علی بن فضیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سورۃ القارعہ نہ پڑھ سکتے تھے نہ کسی سے سن سکتے تھے ایک دن ایک شخص ان کے پاس اچانک آیا اور اس نے مغرب کی نماز میں یہ سورت پڑھی تو آپ پر بیہوشی طاری ہو گئی اور تین دن تک افاقہ نہ ہوا۔

حضرت حارث بن سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہم ایک دن ایک راہب کے پاس سے گزرے تو ہم نے اس کو سخت مشقت میں اور جو کچھ وہ اپنے نفس کے ساتھ کر رہا تھا دیکھا تو ہم نے اس پر اس کو ملامت کیا۔ اس نے کہا قیامت کے دن ہمیں جو کچھ حاصل ہو گا اور ہم اس سے غافل ہیں اس کے مقابلے میں یہ کچھ بھی نہیں۔ ہم میں سے بعض نے کہا ہم اس کے بارے میں تم سے پوچھنا چاہتے ہیں کیا تم ہمیں اس کے بارے میں بتاؤ گے؟

اس نے کہا پوچھو لیکن زیادہ سوال نہ کرو کیونکہ یہ وقت واپس نہیں آئے گا اور نہ یہ عمر لوٹ کر آئے گی اور طالب (موت) بہت تیزی میں ہے۔ پس ہمیں اس کے کلام سے تعجب ہوا پھر ہم نے اس سے پوچھا کل (بروز قیامت) مخلوق کا اپنے رب کے ہاں کیا مقام ہو گا؟

اس نے کہا اپنی اپنی نیتوں کے مطابق ہوں گے ہم نے اس سے کہا کہ ہمیں کوئی نصیحت کریں اس نے کہا اپنے سفر کے مطابق سامان لے جاؤ (آخرت کا سامان مراد ہے) اور پھر وہ اپنے عبادت خانے میں داخل ہو گیا اور ہمیں چھوڑ دیا۔

حضرت عبد الواحد بن زید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں ایک دن چین کے راہبوں میں سے ایک راہب کے پاس سے گزرا تو میں نے کہا اے راہب اس نے جواب نہ دیا میں نے اس سے پوچھا تو مجھے جواب کیوں نہیں دیتا؟ اس نے کہا مجھے ڈر ہے کہ "ہاں" کہوں اور میں جھوٹ بولوں (یعنی میں راہب نہ ہوں اور ہاں کہوں تو یہ جھوٹ ہے)۔

کیونکہ راہب وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی بلند ذات سے ڈرے، اس کی کبریائی میں اس کی تعظیم کرے، اس کی آزمائش میں صبر کرے، اس کے فیصلے پر راضی ہو، اس کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرے، اس کی عظمت کے سامنے جھک جائے، اس کی عزت کے سامنے پست ہو جائے، اس کی قدرت کے سامنے سر تسلیم خم کر دے، اس کی ہیبت کے سامنے سر جھکا دے، اس کے حساب اور عذاب کے بارے میں فکر مند ہو، اس کا دن روزے سے اور رات قیام میں گزرے، جہنم کا ذکر اور اللہ کی طرف سے سوال اسے بے خواب رکھے تو یہ راہب ہے۔ میں تو باؤلا کتا ہوں میں نے اپنے آپ کو اس عبادت خانے میں قید کر رکھا ہے تاکہ لوگوں کو نہ کاٹوں۔

حضرت عبد الواحد بن زید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں مجھے اس کے کلام سے تعجب ہوا میں نے اس سے کہا مجھے اس بات کے بارے میں بتاؤ جس نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کے باوجود اس سے دور کر رکھا ہے۔

اس نے کہا دنیا کی محبت نے ان کو اللہ تعالیٰ سے الگ کر دیا کیونکہ یہ گناہوں کی جگہ ہے عقلمند وہ ہوتا ہے جو اس دنیا کو دل سے نکال پھینکے اپنے گناہوں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں توبہ کرے اور اس چیز کی طرف متوجہ ہو جو اس کو اس کے رب کے قریب کر دے۔

ایک دن حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا گیا کہ آپ اپنی داڑھی میں کنگھی نہیں کرتے کیونکہ اس کے بال الجھ گئے ہیں تو انہوں نے فرمایا گویا میں فارغ ہوں (یعنی کنگھی وہ کرے جو فارغ ہو)۔

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پوری رات ایک سجدے میں گزار دیتے تھے۔

اور جب حضرت عتبہ غلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے توبہ کی تو وہ کھانے اور پینے کے لئے بھی فارغ نہیں ہوتے تھے ان کی ماں نے کہا بیٹا اگر اپنے نفس کے ساتھ نرمی برتو (تو اچھا ہے) انہوں نے جواب دیا اماں جان! مجھے چھوڑ دیجئے میں تھوڑی سی زندگی میں طویل دن کے لئے اپنے آپ کو تھکاتا ہوں۔

جب حضرت مسروق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حج کیا تو وہ راستے میں صرف چہرے پر سجدے کی حالت میں آرام کرتے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن بلال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ میری رات سونے اور میرا دن کھانے کے بارے میں میرے خلاف گواہی نہیں دیں گے۔

حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہم نے لوگوں کو اس طرح پایا کہ ان میں سے ایک نماز پڑھتا تو اپنے بستر پر گھسٹ کر آتا (یعنی چل نہ سکتا)۔

حضرت عامر بن عبد اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہر روز روزہ رکھتے اور رات بھر قیام کرتے اس سلسے میں ان سے پوچھا گیا تو فرمایا میں دن کا کھانا رات تک اور رات کی نیند دن تک موخر کرتا ہوں اور یہ کوئی بڑی بات نہیں۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے صبح کے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بال بکھرے ہوتے اور چہرے گرد آلود ہوتے کیونکہ وہ پوری رات سجدے اور قیام میں گزارتے تھے۔ کبھی وہ قیام میں ہوتے تو کبھی سجدے میں اور جب وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تو اس طرح جھومتے جس طرح کپڑے تر ہو جائیں اور ان کے آنسو وضو کے پانی کے آثار نظر آتے۔ جب سحری کا وقت ہوتا وہ اپنے چہروں پ تیل لگاتے اور سرمہ لگاتے گویا انہوں نے رات سونے کی حالت میں غفلت میں گزاری ہے (ریاکاری سے بچنے کے لئے ایسا کرتے تھے)۔

حضرت ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے مقام تہجد میں ایک ڈنڈا رکھا تھا جب کچھ سستی ہوتی تو اپنے آپ کو ڈنڈے سے مارتے اور اپنے نفس کو پکار کر کہتے اپنے رب کی عبادت کے لئے کھڑے ہو جاؤ اللہ کی قسم میں تمہیں اس قدر تھکا دوں گا کہ تمہاری تھکاوٹ بھی مجھے ملامت کرے گی۔ اور بے شک تم جانور کے مقابلے میں مار کھانے کے زیادہ مستحق ہو کیونکہ تمہارے پاس عقل ہے اور تم بہت دعوے کرتے ہو۔

حضرت ضیغم عابد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کھڑے ہو کر اس قدر عبادت کی کہ بیٹھنے پر مجبور ہو گئے (پاؤں شل ہو گئے) اور پھر بیٹھ کر اس قدر عبادت کی کہ لیٹنے پر مجبور ہو گئے اور فوت ہونے تک لیٹ کر عبادت کرتے تھے۔

حضرت ابو حازم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہم نے ایک قوم کو عبادت میں ایسی حد تک پایا جس میں اضافہ نہیں ہو سکتا تھا۔

حضرت صفوان بن سلیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی پنڈلیاں بہت زیادہ کھڑا ہونے کی وجہ سے بیکار ہو گئی تھیں حتیٰ کہ اگر ان کو کہا جاتا کہ کل قیامت ہو گی تو مزید قیام نہیں کر سکتے تھے (یعنی آخری حد تک پہنچ چکے تھے) اور سردیوں میں چھت پر تہجد پڑھتے حتیٰ کہ سجدے کی حالت میں فوت ہو گئے۔

حضرت قاسم بن محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو چاشت کی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا آپ اللہ تعالیٰ کے اس قول کو بار بار پڑھتی تھیں:

فَمَنَّ اللّٰہُ عَلَیْنَا وَ وَقَانَا عَذَابَ السَّمُوْمِ (الطور ۲۷)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں گرم ہوا سے بچایا۔

آپ زوال کے قریب تک پڑھتی رہتیں اور روتی رہتیں۔

امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے تھے صالحین کی علامت یہ ہے کہ زیادہ دیر جاگنے کی وجہ سے ان کے رنگ پیلے پڑ جاتے ہیں زیادہ رونے کی وجہ سے ان کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں اور زیادہ روزوں کی وجہ سے ان کے ہونٹ خشک ہو جاتے ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے زمانے کے عبادت میں کوشش کرنے والوں سے فرماتے تھے اللہ کی قسم! پہلے لوگوں کے مقابلے میں تمہاری کوشش کھیل کی طرح ہے۔

حضرت عتبہ غلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رات کو تین چیزوں میں تقسیم کرتے اپنے سر کو گردن میں جھکا کر غور و فکر کرتے رہتے جب رات کا تہائی حصہ گزرتا تو چیخ مارتے لوگوں نے حضرت جعفر بن محمد

صادق رضی اللہ عنہما کی خدمت میں عرض کیا تو فرمایا ان کی چیخ کو نہ دیکھو جس وجہ سے چیخ مارتے ہیں اس کو دیکھو۔

حضرت حبیبہ عدویہ رضی اللہ عنہا عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد مکان کی چھت پر کھڑی ہو جاتیں اور اپنے دوپٹے اور چادر کو اچھی طرح لپیٹ کر نماز کی طرف متوجہ ہوتیں اور فجر تک نماز پڑھتی رہتیں وہ اپنی دعامیں یوں کہتی تھیں۔

یا اللہ! میری نماز میں پائی جانے والی بے ادبی کو بخش دے۔

حضرت عجرہ عابدہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہا رات کو عبادت کے ساتھ زندہ رکھتیں اور آپ نابینا تھیں پھر غمگین آواز کے ساتھ کہتیں یا اللہ! عبادت گزار تیری بارگاہ میں حاضر ہو گئے اور میرا عزم بجھا بجھا ہے۔

حضرت عفیرہ عابدہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہا دن اور رات میں (کسی بھی وقت) اپنا پہلو زمین پر نہیں رکھتی تھیں اور فرماتی تھیں مجھے ڈر ہے کہ میں سوئی رہوں اور مجھے اچانک پکڑ لیا جائے۔

حضرت شعوانہ عابدہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہا رات بھر صبح تک روتی رہتیں ایک دن کچھ لوگ ان کے پاس حاضر ہوئے اور کہا اپنے آپ سے نرمی کا سلوک کریں انہوں نے جواب دیا۔

اللہ کی قسم! آنسو ایک طرف میں خون کے آنسو رونا چاہتی ہوں حتی کہ میرے جسم میں خون کا ایک قطرہ نہ رہے اور وہ یوں دعا کرتی تھیں۔

یا اللہ! جو لوگ تیری معرفت کے بعد تیری نافرمانی کرتے ہیں ان کو بخش دے۔ ایک مرتبہ انہوں نے کہا یا اللہ تجھے مجھ سے جو محبت ہے اس کی قسم! مجھے بخش دے۔

لوگوں نے پوچھا آپ کو کیسے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ آپ سے محبت کرتا ہے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ کو مجھ سے محبت نہ ہوتی تو وہ مجھے اندھیروں میں کھڑا نہ کرتا جب کہ لوگ سوئے ہوتے ہیں۔

حضرت معاذہ عابدہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا رات بھر نماز پڑھتی رہتیں جب ان پر نیند کا غلبہ ہوتا تو اٹھ کر گھر میں چکر لگاتیں اور کہتیں اے نفس نیند آگے قبر میں ہے یا تو خوشی اور سرور کی حالت میں یا عذاب اور حسرت کی صورت میں۔

حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی والدہ عابدہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا نے ارادہ کیا کہ مکہ مکرمہ کی مجاور بن جائیں پھر یہ ارادہ ترک کر دیا لوگوں نے اس سلسلے میں پوچھا تو فرمایا اسے یہ بات معلوم ہے کہ میں اس کی خدمت کی صلاحیت نہیں رکھتی لہٰذا میں جس کے پاس حاضر ہو رہی تھی اس نے مجھے واپس کر دیا۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ایک رات میں کنعان کی وادی سے نکلا اور جب وادی کے اوپر چڑھا تو مجھے ایک آٹے والا نظر آیا میں نے غور سے دیکھا تو وہ ایک عورت تھی میں نے پوچھا یہ کس کا جسم ہے؟ اس نے کہا یہ مرد کون ہے؟ میں نے کہا میں ایک اجنبی ہوں اس نے کہا سبحان اللہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کے بعد بھی اجنبیت؟

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں میں اس کی بات پر رونے لگا اس نے کہا اگر تو سچا ہوتا تو نہ روتا میں نے کہا نہ رونا سچائی کی علامت ہے؟ اس نے کہا ہاں کیوں کہ رونے سے دل کو آرام ملتا ہے اور سچا آدمی اس دنیا میں آرام کا طالب نہیں ہوتا۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں مجھے اس کی بات پر تعجب ہوا میں نے اس سے کہا مجھے کوئی نصیحت کرو اس نے کہا تم پر اللہ سے حیا کرنا لازم ہے بے شک حضرت عطاء اسلمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اللہ تعالیٰ سے حیا کرتے ہوئے چالیس سال تک آسمان کی طرف سر نہیں اٹھایا۔

حضرت رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا نے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہائے افسوس! انہوں نے کہا اے سفیان! یہ کلمہ نہ کہو اگر آپ غمگین ہوتے تو اس کلمہ کے لئے فارغ نہ ہوتے یوں کہو ہائے میرے غم کی قلت! یہ سچائی کے زیادہ قریب ہے۔

حضرت عفیرہ عابدہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا رونے سے تنگ نہیں پڑتی تھیں پوچھا گیا کیا آپ زیادہ رونے سے اکتاتی نہیں ہیں؟ فرمایا انسان کس طرح اپنی دوا اور شفا سے اکتا سکتا ہے۔

حضرت ام العلاء سعدیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا رات بھر روتیں اور نماز پڑھتیں اور کہتیں میرے گناہ زیادہ ہیں پس وہ مسلسل روتی رہیں حتی کہ ان کی بینائی چلی گئی۔

حضرت بردہ عابدہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا اس قدر روئیں ان کی بینائی ختم ہو گئی اس پر لوگوں نے ان کو ملامت کیا تو انہوں نے فرمایا اگر تم قیامت کے دن نافرمان لوگوں کا رونا دیکھو تو کہو کہ یہ رونا تو ایک کھیل ہے۔

حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی صاحبزادی بیس سال تک مصلیٰ پر رہیں وہ صرف وضو اور نماز کے لئے اٹھتی تھیں۔

حضرت معاذہ عدویہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا رات دیر تک نماز پڑھتیں حتی کہ مرد تھک جاتے اور وہ تھکتی نہیں تھیں۔

حضرت رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہانہ آرام کرتی تھیں نہ سوتیں اور نہ روزہ چھوڑتیں حتی کہ ان کا انتقال ہو گیا۔

حضرت دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں ایک رات میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی صبح کا وقت ہوا تو میں نے ان سے کہا اے رابعہ! جس ذات نے ہمیں اس رات کے قیام کی طاقت دی ہے اس کا بدلہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا یہ کہ ہم اس کے لئے دن بھر روزہ رکھیں اور رات بھر قیام کریں حتی کہ ہمیں موت آجائے۔

حضرت رملہ عابدہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا بہت زیادہ روزے رکھتی تھیں حتی کہ ان کی جلد سیاہ ہو گئی اور وہ روتی تھیں حتی کہ نابینا ہو گئیں اور اس قدر نماز پڑھتی تھیں کہ پاؤں شل ہو گئے۔

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں میں نے ایک رات ان کے ساتھ نماز پڑھی جب سحری کا وقت ہوا تو میں نے ان سے سنا وہ کہہ رہی تھیں کاش میں پیدا نہ ہوئی ہوتی پھر رونے لگیں۔

حضرت صالح مری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ایک دفعہ میں نے یہ آیت پڑھی:

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ (الأحزاب ٦٦)

ترجمہ: جس دن ان کے منہ (بھوننے کے لئے) بار بار آگ میں ڈالے جائیں گے۔

اسے ایک عابد نے سنا تو اس نے چیخ ماری (اور بیہوش ہو گیا) پھر افاقہ ہوا تو کہا مجھے دوبارہ سناؤ فرماتے ہیں میں نے دوبارہ پڑھا تو وہ مر کر گر گیا۔

ایک دفعہ حضرت عبد الواحد بن زید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وعظ فرمایا کہ مسجد کے ایک کونے سے ایک شخص نے پکارا: اے واعظ! رک جاؤ تم نے میرے دل کا پردہ ہٹا دیا ہے۔ حضرت عبد الواحد

نہ رکے تو اس شخص نے چیخ ماری پھر اس کی روح پرواز کر گئی حضرت ابن قاسم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں میں اس شخص کے جنازے میں شریک تھا اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے۔

حضرت زرارۃ بن ابی اوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ ارشاد خداوندی پڑھا:

فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ (٨) فَذَلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ (المدثر ٩)

ترجمہ: جب صور پھونکا جائے گا تو یہ دن بہت مشکل دن ہو گا۔

آپ نماز پڑھ رہے تھے اسی حالت میں انتقال فرما گئے۔

حضرت عمرو ابن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب بازار کی طرف جاتے تو اپنی آنکھ پر پٹی باندھ لیتے نہ کسی کافر کو دیکھتے اور نہ کسی ایسے شخص کو دیکھتے جو اللہ تعالیٰ سے غافل ہو آپ کا غلام آپ کو پکڑ کر لے جاتا تھا۔

ایک دن آپ نے اپنے غلام سے پوچھا ہم کہاں ہیں؟ اس نے کہا قبرستان میں آپ نے اپنی آنکھوں سے پٹی اتاری تو قبروں پر نگاہ پڑی پس فوت ہو کر گر پڑے۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جب آگ کا ذکر کرتے تو رو پڑتے حتی کہ آپ کے دل کی دھڑکن ایک میل کی مسافت سے سنی جاتی۔

ایک دن حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے کہا کیا آپ نے دیکھا ہے کہ خلیل اپنے خلیل کو عذاب دیتا ہو؟ فرمایا اے جبریل علیہ السلام جب میں اپنی لغزش کو یاد کرتا ہوں تو اپنا خلیل ہونا بھول جاتا ہوں۔

حضرت میمون بن مہران رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا یہ قول نازل ہوا:

وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ (الحجر ۴۳)

ترجمہ: اور بے شک جہنم ان سب کے وعدہ کی جگہ (ٹھکانہ) ہے۔

تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے چیخ ماری اور اپنا ہاتھ سر پر رکھ کر حیرانگی کے عالم میں نکل پڑے اور تین دن اس حالت میں رہے کہ کوئی چیز یاد نہیں رہتی تھی۔

حضرت محمد بن منکدر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب روتے تو اپنے چہرے اور داڑھی پر آنسوؤں کو ملتے اور فرماتے مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ جہاں آنسو لگتے ہیں اس جگہ کو آگ نہیں جلاتی۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے جو شخص رونے کی طاقت رکھتا ہے وہ روئے اور جو طاقت نہیں رکھتا وہ رونے کی کوشش کرے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص محبوب کا قرب چاہتا ہے وہ گناہوں پر بہت زیادہ روئے۔

حضرت محمد بن عثمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی آنکھوں کو پرنالے سے تشبیہ دیتا ہوں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ایک دن حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا آپ کی آنکھیں رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی آنکھوں کے کس قدر مشابہ ہیں فرماتے ہیں (یہ سن کر) حضرت ثابت رضی اللہ عنہ رو پڑے حتی کہ ان کی بینائی کم ہو گئی ان کو اس

بات پر غیرت آئی کہ کسی کی آنکھیں رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی آنکھوں کے مشابہ ہوں۔

انصار میں سے ایک نوجوان روتا تھا حتی کہ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اس پر اس کو جھڑکا گیا تو اس نے کہا اللہ کی قسم میں جب تک زندہ ہوں روتا رہوں گا جب مجھے موت آجائے گی تو میری عملی کوتاہی اللہ تعالیٰ کی رضا سے شمار کی جائے گی (مطلب یہ کہ یہ رونا اس کی جگہ کفایت کرے گا)۔

جب حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے بیٹے حضرت سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (کے فوت ہونے) پر روئے تو لوگوں نے آپ کو اس پر ملامت کیا آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ حضرت سعید پر رحم فرمائے تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام پر رونے کے باعث عار قرار نہیں دیا اور اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو جھڑکا بھی نہیں ورنہ یہ کام باعث شرم ہوتا تو ہم پر معاملہ تنگ ہو جاتا۔

حضرت عتبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے محدثین، حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دروازے پر جمع ہوئے انہوں نے روشن دان سے جھانکا اس حال میں کہ آپ رو رہے تھے اور آپ کے آنسوؤں کے قطرے آپ کے چہرے اور داڑھی پر گر رہے تھے اور آپ پریشان تھے۔ ان (محدثین) سے پوچھا گیا تمہارا کیا معاملہ ہے؟

انہوں نے کہا اے ابو علی ہمیں وعظ کیجئے فرمایا قرآن مجید کو اختیار کرنا تم پر لازم ہے سنت پر عمل کرنا تم پر لازم ہے اور نماز کی ادائیگی لازمی ہے۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے یہ زمانہ بات کرنے کا نہیں یہ

وہ زمانہ ہے کہ اس میں اپنی زبان کی حفاظت کرو اپنے گھر میں چھپ جاؤرات کے وقت عبادت کرو معروف کاموں پر عمل کرو اور منکر کاموں کو ترک کرو۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ جمعے کی طرف جانے سے پہلے جس آنکھ سے آنسوؤں کے قطرے جاری ہوں تو اللہ تعالیٰ بائیں کندھے والے فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ میرے فلاں بندے کا نامہ اعمال لپیٹ دو اور دوسرے جمعے تک اس کا کوئی گناہ نہ لکھو۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے تھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں اللہ تعالیٰ کے خوف سے روؤں حتی کہ میرے آنسو میرے چہرے پر گریں تو یہ بات مجھے سونے کا ایک پہاڑ صدقہ کرنے سے زیادہ پسند ہے۔

حضرت ذر بن عمرو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے والد سے پوچھتے ابا جان! کیا وجہ ہے میں گفتگو کرنے والوں کو دیکھتا ہوں وہ گفتگو کرتے ہیں ان میں کوئی ایک بھی نہیں روتا اور جب آپ کلام کرتے ہیں تو میں ادھر ادھر سے رونے کی آوازیں سنتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا اے بیٹے! جو عورت اجرت لے کر روتی ہے وہ اس کی طرح نہیں جو بچے کے گم ہونے پر روتی ہے۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے تھے حضرت زکریا علیہ السلام اپنے صاحبزادے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے اور وہ ایک قبر پر جھکے ہوئے رو رہے تھے پوچھا بیٹے! کیوں رو رہے ہو؟

انہوں نے عرض کیا مجھے حضرت جبریل علیہ السلام نے خبر دی ہے کہ جنت اور جہنم کے درمیان ایک بیابان ہے اس کی گرمی کو صرف آنسو مٹا سکتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا اے بیٹے! تم پر رونا لازم ہے پھر ان کے ساتھ خود بھی قبر پر جھک کر رونے لگے حتی کہ مٹی تر ہو گئی۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یوں دعا کرتے تھے:

اے اللہ! مجھے خوف سے برسنے والی آنکھیں عطا فرما جو تیرے خوف سے روئیں اس سے پہلے کہ آنسو خون بن جائیں اور داڑھیں انگارے ہو جائیں۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ایک دفعہ میں ایک پہاڑ میں موجود ایک عابد کے پاس کھڑا ہوا اور وہ رو رہا تھا۔ میں نے پوچھا تم کیوں رو رہے ہو؟

اس نے کہا میں کسی چیز کے چلے جانے پر نہیں رو رہا یہ ایک خوف ہے جسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے اپنے دلوں میں پاتے ہیں اسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی عمر کے آخری حصے میں بہت زیادہ روتے اور کہتے اے میرے رب میں بوڑھا ہو گیا ہوں میرا جسم کمزور ہو گیا اور میری عبادت کم ہو گئی ہے اپنے فضل و کرم سے مجھے جہنم سے آزاد کر دے میں اس میں ایک گھڑی ٹھہرنے کی طاقت بھی نہیں رکھتا۔

حضرت نافع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے امیر المؤمنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کے چہرے پر آنسوؤں کے جاری ہونے کی وجہ سے دو سیاہ لکیریں بن گئی تھیں۔

جب حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی آنکھیں دکھیں اور بینائی کمزور ہو گئی تو حکیم نے کہا اگر آپ رونا اور سجدہ کرنا چھوڑ دیں تو میرے لئے آپ کا علاج کرنا ممکن ہو گا حضرت ثابت بنانی رحمۃ

اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ان دو چیزوں کے بغیر میری یہ زندگی گزر نہیں سکتی تم جاؤ مجھے تمہارے علاج کی کوئی ضرورت نہیں۔

لوگوں نے حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا یہاں ایک شخص ہے جو بہت اچھی آواز سے قرآن پڑھتا ہے کیا آپ اس کے پاس جا کر (قرآن مجید کی تلاوت) نہیں سنتے؟ انہوں نے فرمایا جس عورت کا بچہ گم ہو جائے اسے کسی رونے والی کی ضرورت نہیں ہوتی (یعنی وہ خود روتی ہے)۔

حضرت ضحاک بن مزاحم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہر رات سورج غروب ہونے کے بعد بہت روتے حتی کہ ان کی داڑھی تر ہو جاتی اور وہ فرماتے تھے مجھے ڈر ہے کہ آج کے دن میرا کوئی ایسا عمل اوپر گیا ہو جس سے میرا رب ناراض ہو گیا ہو۔

حضرت مکحول دمشقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب تم کسی کو روتے ہوئے دیکھو تو اس کے بارے میں اچھا گمان کرو۔ میں نے ایک دفعہ ایک شخص کو روتے ہوئے دیکھا اور خیال کیا کہ یہ شخص ریاکار ہے تو مجھے ایک سال تک رونے سے محرومی کی سزا ملی۔

حضرت یزید بن میسرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے رونا پانچ چیزوں کی وجہ سے ہوتا ہے (۱) خوشی سے، (۲) غم سے، (۳) درد سے، (۴) خوف اور دہشت سے اور (۵) دکھاوے کے طور پر، اور چھٹی قسم کا رونا اللہ تعالیٰ کے خوف سے ہوتا ہے وہ انسان کو اچانک لاحق ہوتا ہے اپنے عمل سے نہیں ہوتا۔ یہی وہ رونا ہے جس کا آنسو آگ کے پہاڑوں کو بجھا دیتا ہے۔

حضرت کعب بن احبار رضی اللہ عنہ فرماتے تھے بندہ روتا ہے حتی کہ اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے جو اپنے پروں سے اس کے آنسو پونچھتا ہے اس وقت بندہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے روتا ہے۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے حضرت داؤد علیہ السلام چالیس دنوں تک روتے رہے آپ سجدے سے سر نہیں اٹھاتے تھے حتی کہ آپ کے آنسو سے سبزہ اگ گیا اور آپ نے اللہ تعالیٰ سے حیا کرتے ہوئے اپنے سر کو ڈھانپا پس آواز دی گئی

اے داؤد علیہ السلام کیا آپ بھوکے ہیں آپ کو کھانا دیا جائے یا پیاسے ہیں کہ آپ کو پانی پلایا جائے یا لباس کے بغیر ہیں کہ آپ کو لباس دیا جائے۔ تو حضرت داؤد علیہ السلام کو ان کی طلب کے علاوہ کے ساتھ جواب دیا گیا حتی کہ مواخذہ پورا ہو گیا فرماتے ہیں حضرت داؤد علیہ السلام بلند آواز سے روتے رہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ پر توبہ اور مغفرت نازل کی تو آپ نے کہا اے میرے رب میری لغزش میری ہتھیلی میں رکھ دے پس آپ کی خطا آپ کی ہتھیلی میں نقش ہو گئی چنانچہ آپ جب بھی کھانے کا پینے یا کسی اور کام کے لئے اپنی ہتھیلی کو پھیلاتے تو اسے دیکھ کر روتے تھے اور آپ کو پانی کا پیالہ دیا جاتا کہ آپ اسے پیئیں تو آپ اسے بھی ہونٹوں پر نہیں رکھتے تھے کہ آپ کے آنسو جاری ہو جاتے اور اس لئے آپ نے اللہ تعالیٰ سے حیا کرتے ہوئے کبھی آسمان کی طرف سر نہیں اٹھایا حتی کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک دن اپنی خطا کو یاد کیا تو چلاتے ہوئے اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر چل پڑے حتی کہ پہاڑوں میں چلے گئے تو وہاں آپ کے پاس درندے جمع ہو گئے آپ نے فرمایا واپس لوٹ جاؤ میرا مقصود تم نہیں ہو میں نے ہر اس شخص کا ارادہ کیا جو میری طرح اپنی خطا پر روتا ہے اور جس کی خطا نہیں اسے داؤد علیہ السلام کی خطا سے کیا تعلق؟

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے تھے جب لوگ حضرت داؤد علیہ السلام کے زیادہ رونے پر اعتراض کرتے تو وہ فرماتے مجھے چھوڑ دو کہ میں طویل دن کے رونے سے پہلے روؤں اس سے پہلے کہ ہڈیاں جل جائیں اور داڑھی آگ سے جل جائے اس سے پہلے کہ بندے کو جہنم کی طرف لے جانے کا حکم ہو اور سخت قسم کے فرشتے اسے گھسیٹیں۔

حضرت عبد العزیز بن عمیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب حضرت داؤد علیہ السلام سے لغزش ہوئی تو آپ کی قوت کم ہو گئی اور آواز بیٹھ گئی عرض کیا اے میرے رب صدیقین کی آوازیں صاف ہیں اور میری آواز بیٹھ گئی ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی کہ صدیقین خطا نہیں کرتے۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے حضرت داؤد علیہ السلام لغزش کے واقع ہونے سے پہلے یوں دعا مانگتے تھے یا اللہ! جو تیری نافرمانی کرے اسے نہ بخشنا۔ آپ اللہ تعالیٰ سے غیرت کی وجہ سے یوں کہتے تھے۔ اور جب لغزش واقع ہو گئی تو فرماتے تھے یا اللہ! ہر خطا کو بخش دے حتیٰ کہ اپنے بندے داؤد علیہ السلام کو بھی ان کے ساتھ بخش دے۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب حضرت داؤد علیہ السلام کا رونا سخت ہو گیا اور آپ نے دیکھا کہ رونے سے کامیابی حاصل نہیں ہوتی تو کہا اے میرے رب کیا تجھے میرے رونے پر رحم نہیں آتا؟

اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی اے داؤد علیک السلام! کیا آپ اپنی لغزش کو بھول گئے اور اپنا رونا آپ کو یاد ہے۔ انہوں نے عرض کیا الٰہی! میں اپنی لغزش کو کس طرح بھول سکتا ہوں میں جب تورات کی تلاوت کرتا تھا تو جاری پانی رک جاتا، چلتی ہوئی ہوا ٹھہر جاتی، پرندے مجھ پر سایہ

کرتے وحشی جانور مجھ سے مانوس ہوتے تو یا اللہ! یہ میرے اور تیرے درمیان کیا وحشت (دوری) ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی کہ اے داؤد علیک السلام! وہ عبادت کا انس تھا اور یہ نافرمانی کی وحشت ہے۔ پھر فرمایا:

اے داؤد علیک السلام! میں نے آدم علیہ السلام کو اپنے دست قدرت سے پیدا کیا ان میں اپنی روح پھونکی اپنے فرشتوں سے ان کو سجدہ کرایا اپنی عزت و کرامت کا لباس پہنایا، اپنی طرف سے وقار کا تاج ان کے سر پر رکھا۔ انہوں نے مجھے تنہائی کی شکایت کی تو میں نے اپنی بندی حضرت حواء علیہا السلام کو ان کے نکاح میں دیا ان کو اپنی جنت میں ٹھہرایا لیکن جب انہوں نے درخت سے کھانے کی وجہ سے ایک مرتبہ (بظاہر) میری حکم عدولی کی تو میں نے ان کو اپنے پڑوس سے دور کر دیا۔

اے داؤد علیک السلام! میں جو کچھ کہتا ہوں مجھ سے سنو، اور میں سچ کہتا ہوں تم ہماری بات مانو ہم تمہاری بات مانیں گے، تم ہم سے سوال کرو ہم تمہیں عطا کریں گے، آپ سے لغزش ہوئی ہم نے مہلت دی اگر آپ ہماری طرف رجوع کریں گے تو ہم قبول کریں گے۔

اہم بات

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں یہ عقیدہ رکھنا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی لغزشیں ہمارے جیسے لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتیں بلکہ بعض اوقات ہم میں سے کوئی ایک ایسی باتوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے ان لغزشوں کو ان گناہوں پر محمول کرنا جائز نہیں جو ہماری عقل کے مطابق ہیں اور ان سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔

اے بھائی! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے مقربین اور اس کی مخلوق میں سے خاص لوگ یعنی انبیاء کرام علیہم السلام اور اصفیاء کے بارے میں اپنے دل اور زبان کی حفاظت کر اور ہم نے اپنی کتاب میں اکابر

کی طرف سے جوابات ذکر کئے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی خطائیں اور لغزشیں محض صورتاً ہوتی ہیں۔ حقیقت میں نہیں ہوتیں اللہ تعالیٰ ان کاموں کو ان کے ہاتھوں جاری کرتا ہے کہ ان کی قوم کو تعلیم دی جائے کہ حقیقی گناہوں سے نکلنے کی کیا صورت ہے جب ان سے واقع ہوں نیز ان کا رونا بھی صورتاً ہوتا ہے۔ (امت کی تعلیم کے لئے ہوتا ہے یہ مطلب نہیں کہ واقعی ان سے گناہ سرزد ہوا اور اس پر روئے ہیں)

تو اے بھائی! اس بات کو جان لو اور اپنے کم رونے پر روؤ اور اس دروازے سے داخل ہو جس سے وہ لوگ داخل ہوئے جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے روتے ہیں اور وہ دروازہ بھوک ہے نیز حرام اور شبہ والی چیزیں نہ کھانے کا دروازہ ہے کیونکہ جو شخص ان چیزوں سے پیٹ بھرتا ہے اس کا دل لازمی طور پر سخت ہو جاتا ہے جس طرح اس سے پہلے کئی بار تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

حضرت عبد الرحمن بن اسود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاؤں میں تکلیف ہوتی تو صبح تک ایک پاؤں پر کھڑے ہوتے اور قیام لیل ترک نہ کرتے۔

ایک دفعہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا کیا وجہ ہے تہجد پڑھنے والوں کے چہرے دوسرے لوگوں کے مقابلے میں زیادہ خوبصورت ہوتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا اس لئے کہ انہوں نے صرف رحمن کے ساتھ تنہائی اختیار کرلی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نور سے نورانی لباس پہنا دیا۔

حضرت شعوانہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا اپنے معتقدین سے کہتی تھیں اپنے دلوں میں غم اور اللہ تعالیٰ کی محبت کو لازم کرلو پھر تم میں سے کسی ایک کو مرنے کی فکر نہیں ہو گی۔

حضرت ابو بکر بن عیاش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قرآن مجید چوری ہو گیا تو آپ جب بھی وعظ فرماتے روتے اور فرماتے ہم سب روتے ہیں تو قرآن مجید کس نے چوری کیا؟ اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

تلاوت قرآن کے وقت کثرت استغفار اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا خوف

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ وہ جب بھی قرآن مجید پڑھتے ہیں بہت زیادہ بخشش طلب کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے ڈرتے ہیں کیونکہ وہ اس بات کے گواہ ہوتے ہیں کہ اس پر وہ عمل نہیں کرتے۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کتنے ہی قرآن مجید کے محافظ ہیں کہ قرآن مجید ان کے اندر سے ان پر لعنت کرتا ہے اور جب قرآن کا حافظ نافرمانی کرتا ہے تو قرآن مجید اس کے اندر سے کہتا ہے اللہ کی قسم تم نے اس مقصد کے لئے مجھے حاصل کیا تھا کیا تجھے اپنے رب سے حیا نہیں آتی۔

اور جان لو کہ قرآن مجید پڑھنے والے پر واجب ہے کہ وہ کسی سچے بزرگ سے تربیت حاصل کرے اور مشق کرے تاکہ اس کی کثافتیں اور جو پردے قرآن پر عمل کرنے اور عظمت خداوندی کو دیکھنے میں رکاوٹ ہیں وہ ہلکے ہو جائیں کیونکہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کو دیکھ لے تو اس کی نافرمانی نہ کرے جس طرح انبیاء کرام علیہم السلام کا معاملہ اور ان کی وراثت بھی مکمل ہو جائے۔ کیونکہ کوئی شخص بھی حجاب کے بغیر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں نہیں پڑتا۔

حضرت یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب قرآن مجید کی تلاوت مکمل کرتے تو سات سو مرتبہ اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتے پھر سات مرتبہ کہتے یا اللہ! جو قرأت میں نے عمل کے بغیر کی ہے اس پر مجھ سے ناراض نہ ہونا۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے قرآن مجید کے حامل کا مقام اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بہت بلند وبالا ہے اور اس کے لئے اپنے رب کی نافرمانی کرنا کیسے درست ہے جب کہ قرآن مجید کا ہر حرف اس کو آواز دیتا ہے تجھے اللہ کی قسم تو نے مجھ سے جو کچھ اٹھایا ہوا ہے اس کی خلاف ورزی نہ کرنا۔

پس حامل قرآن کے لئے مناسب نہیں کہ وہ کھیل کود کرنے والوں کے ساتھ کھیل کود میں ہو اور نہ بھولنے والوں کے ساتھ بھول جائے اور نہ غافل لوگوں کے ساتھ غفلت کا شکار ہو۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اے اہل قرآن! قرآن نے تمہارے دلوں میں کیا بویا ہے کیونکہ قرآن مجید دل کی بہار ہے جس طرح بارش زمین کے لئے بہار ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے حامل قرآن کو چاہیئے کہ اپنی رات کو پہچانے جب لوگ سو جائیں اور دن کو پہچانے جب لوگ روزہ نہ رکھیں اور غم کے ساتھ جب لوگ ہنسیں اور وہ خاموشی اختیار کرے جب لوگ بیہودہ گفتگو کریں اور وہ عاجزی اختیار کرے جب لوگ اپنے کپڑوں اور اپنی چال میں تکبر کی راہ اختیار کریں۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ عالم اور قرآن پاک کے حامل شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ ظلم کرنے والا اور جھگڑالو ہو اور حدیث اور علم کے ساتھ اپنی آواز کو بلند کرنے

والا ہو اور نہ دنیا سے رغبت رکھنے والا ہو کیونکہ اس کے پاس جو کلمہ بھی ہے وہ اس سے کہتا ہے دنیا سے بے رغبت ہو جا۔

میں نے سیدی حضرت علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے جو شخص غور کرے اسے معلوم ہو جائے گا کہ ہر آسمانی کتاب اس سے کہتی ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ڈر۔

حضرت صالح مری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے خواب میں رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے سامنے قرآن مجید پڑھا جب میں نے مکمل کیا تو حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے مجھ سے فرمایا یہ قرآن مجید (کی تلاوت) ہے رونا کہاں ہے؟

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہماری مصیبت نہیں ہم میں سے ایک شخص دن رات قرآن مجید پڑھتا ہے اور اس پر عمل نہیں کرتا حالانکہ یہ سب ہمارے رب کے ہماری طرف پیغامات ہیں اور ان کے صاحبزادے حضرت علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص قرآن مجید کی تلاوت کے وقت نہ روئے وہ مغرور ہے کیونکہ اس سے مقصود عمل ہے (صرف) تلاوت نہیں۔

اور جب آپ قرآن مجید پڑھتے تو روتے حتی کہ سورت مکمل کرنے پر قادر نہ ہوتے اور فرماتے مجھے اس شخص پر تعجب ہوتا ہے جو قرآن مجید کی تلاوت مکمل کرنے پر خوش ہوتا ہے۔ اور اپنے نفس سے اس کے مواعظ، جھڑک اور کھٹکھٹانے والی آیات پر عمل کا مطالبہ نہیں کرتا۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں کبھی کبھی ایک آیت کے ساتھ پانچ راتیں مسلسل قیام کرتا ہوں اس کو بار بار پڑھتا ہوں اور اس پر عمل کرنے کا نفس سے مطالبہ کرتا ہوں اور اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان نہ کیا ہوتا تو میں زندگی بھر اس آیت سے آگے نہ بڑھ سکتا

کیونکہ میں اس مین جب بھی تدبر کرتا ہوں جدید علم حاصل ہوتا ہے اور قرآن مجید کے عجائبات ختم نہیں ہوتے۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے اگر اللہ تعالیٰ ولی کو اپنی جانب سے تلاوت کے دوران معانئ قرآن کا عطیہ مرحمت نہ فرماتا تو ان میں سے کوئی بھی رات بھر تلاوت پر قادر نہ ہوتا کیونکہ ان کے وہ علوم جو قرآن مجید سے متعلق ہیں وہ فکر یا گہری نظر سے نہیں نکالے جاتے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطیات ہیں جو ان لوگوں کو دوران تلاوت اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے پس عین تلاوت، عین معانی ہیں جب معانی، کلام سے الگ ہو جائیں تو یہ فکر کا نتیجہ ہے۔

آپ مزید فرماتے ہیں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور عرض کیا اے میرے رب! مقرب فرشتوں کو قرب کیسے حاصل ہوتا ہے؟

فرمایا اے احمد! میرے کلام کی وجہ سے عرض کیا اے میرے رب! سمجھنے کے ساتھ یا سمجھنے کے بغیر؟ فرمایا سمجھنے کے ساتھ بھی اور اس کے بغیر بھی تو "ارشاد خداوندی بغیر سمجھنے کے بھی" کا مطلب یہ ہے کہ اس کے معانی کشف کے ذریعے آتے ہیں فکر اور سوچ کے ذریعے نہیں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی یہی تشریح مناسب ہے اگرچہ تلاوت کرنے والے کو ثواب ہر صورت میں ملتا ہے۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں (حضرت سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) یہ کلام عجیب ہے پس تو غور کر۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے تھے بہت سے لوگ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں اور قرآن مجید ان پر لعنت بھیجتا ہے۔

حضرت ابو میسرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کسی فاجر کے سینے میں قرآن مجید کا پایا جانا عجیب بات ہے۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے گناہ گاروں کو جہنم کی طرف لے جانے والے فرشتے بت پرستوں کی طرف جانے کی نسبت قرآن مجید کے حامل (حافظ، عالم) کی طرف جلدی جاتے ہیں کیونکہ انہوں نے اس کی مخالفت کی جسے اٹھار کھا ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے بندہ جب اللہ تعالیٰ کا کلام پڑھتا ہے پھر لغو کلام کرتا ہے اس کے بعد قرآن کی طرف لوٹتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے فرماتا ہے میرے کلام کے ساتھ تیرا کیا تعلق ہے؟

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں یہی وجہ ہے کہ جب سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قرآن پاک کی تلاوت کرتے اور پھر کوئی شخص کسی ضرورت کے بارے میں آپ سے گفتگو کرتا تو آپ دل میں کہتے یا رب مجھے اجازت دے کہ میں فلاں سے کلام کر لوں پھر اس سے گفتگو کرتے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے قرآن مجید کے حاملین سے قیامت کے دن اس چیز کے بارے میں سوال کیا جائے گا جس کے بارے میں انبیاء کرام علیہم السلام سے سوال ہو گا یعنی ان سے پوچھا جائے گا کہ قرآن مجید پر مکمل طور پر عمل کیا یا اس کے غیر پر، کیونکہ ان سب کو ایک ہی حکم دیا گیا کہ وہ اس (عمل) سے خالی نہ ہوں اور حدیث شریف میں ہے:

"اکثر منافقی ھذہ الامۃ قراؤھا"۔[70]

ترجمہ: اس امت کے زیادہ منافق (بے عمل) قراء ہوں گے (عملاً منافق ہوں گے)

اور مجھے (حضرت مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو) سیدی شیخ ابو السعود الجارحی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بتایا کہ وہ بیس سال ایک ختم دن کے وقت اور ایک ختم رات کے وقت کرتے رہے اور یہ عمل ان کو اپنے شیخ طریقت سیدی احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ملاقات سے پہلے حاصل ہے۔

جب ان سے ملاقات ہوئی اور ان کو بتایا تو انہوں نے فرمایا تم نے کچھ بھی حاصل نہیں کیا کیونکہ تم زیادہ بار ختم قرآن پر خوش ہوتے ہو اور اپنے نفس سے اس پر کچھ بھی عمل کرنے کا مطالبہ نہیں کرتے، انہوں نے جواب دیا یہی بات ہے۔

فرماتے ہیں اس کے بعد شیخ نے مجھے قرآن مجید میں غور و فکر کرنے اور اپنے نفس سے ہر آیت پر عمل کا مطالبہ کرنے کا حکم دیا تو اس کے بعد میں پہلے معمول کے دسویں حصے پر بھی عمل نہ کر سکا۔

تو اے بھائی! اس بات کو جان لے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

نماز کے وقت بارگاہ خداوندی میں حاضری کی تیاری

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ نماز کے اول وقت سے ہی اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونے کی تیاری شروع کر دیتے ہیں پس ان میں سے ایک کو وضو کے وقت سے یا جب حی علی الصلوٰۃ کی آواز دی جاتی ہے اس وقت سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا شعور حاصل ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اپنے مقام کے مطابق بارگاہ خداوندی میں حاضر ہو جاتا ہے۔

---

[70] (زھد، ابن مبارک صفحہ ۱۵۲ مطبوعہ بیروت)

خاص طور پر جو شخص نماز سے پہلے علمی مطالعہ یا بحث مباحثہ کر رہا ہو یا اس قسم کے دوسرے عمل میں ہو تو اس شخص کے لئے حاضری دور ہوتی ہے ہاں وقت داخل ہونے سے پہلے مستعد ہو (تو ٹھیک ہے)۔

میرے (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے) بھائی شیخ افضل الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وقت داخل ہونے سے دس درجہ (پانچ منٹ) پہلے نماز میں کھڑا ہونے کے لئے مستعد ہو جاتے تھے۔ ایک دن میں نے ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے آپ کا کوئی دنیوی تعلق نہیں جو حاضری سے روکے، انہوں نے فرمایا ہر انسان کے مرتبہ کے مطابق اس کے لئے کچھ رکاوٹیں ہوتی ہیں اگر لوگوں کے لئے نماز سے پہلے حجاب نہ ہوتا تو نماز کے لئے کھڑا ہونے کی صورت میں ان کے رنگ زرد نہ ہوتے۔

پس ہر ولی کے لئے ضرور حجاب ہوتا ہے جو نماز کے لئے کھڑا ہونے کی صورت میں اٹھ جاتا ہے۔ اور اس سے اس کے لئے اپنے رب کی تعظیم میں اضافہ ہو جاتا ہے اور اگر یہ حجاب نہ ہوتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل کی دھڑکن ایک میل سے نہ سنی جاتی جب وہ نماز پڑھتے تھے۔

اکابر سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم منقول ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح کھڑے ہوتے تھے جس طرح بادشاہ کا غلام اس کے سامنے کھڑا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے اعلیٰ مثال ہے۔(یعنی یہ مثال محض بات سمجھانے کے لئے دی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بلند وبالا ہے۔)

حدیث شریف میں ہے:

”خمس صلوات کتبھن اللّٰہ تعالی علی العباد فمن جاء بھن لم یضیع منھن شیئا استخفافا بحقھن کان لہ عھد عند اللّٰہ ان یدخلہ الجنة“۔[71]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر (یومیہ) پانچ نمازیں فرض کی ہیں پس جو شخص ان کو ادا کرے (اور) ان کے حق کو معمولی سمجھتے ہوئے ان میں سے کسی چیز کو ضائع نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے کہ اس کو جنت میں داخل کرے۔

اور دوسری حدیث میں ہے:

”اول مایحاسب بہ العبد یوم القیامة الصلوة فان وجدت تامة قبلت منہ سائر اعمالہ وان وجدت ناقصة ردعلیہ سائر عملہ“۔[72]

ترجمہ: قیامت کے دن بندے سے سب سے پہلے نماز کے بارے میں پوچھا جائے گا اگر وہ مکمل پائی گئی تو اس کے تمام اعمال قبول ہوں گے اور وہ اگر ناقص پائی گئی تو اس کے تمام اعمال رد کر دیئے جائیں گے ایک اور حدیث میں ہے:

”من لم یتم رکوع الصلوة ولا سجودھا ولا خشوعھا خرجت وھی سوداء مظلمة تقول لصاحبھا ضیعک اللّٰہ کما ضیعتنی حتی اذا کانت حیث شاء اللّٰہ تعالی لفت کما یلف الثوب الخلق فیضرب بھا وجھہ“۔

[71] (سنن ابو داؤد کتاب الصلوة باب المحافظة علی الصلوة جلد ۱ صفحہ ۶۱ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاھور پاکستان)

[72] (المستدرک للحاکم کتاب الصلوٰة جلد ۱ صفحہ ۲۶۳ مطبوعہ اسلامیہ بیروت۔ جامع الترمذی۔ کتاب الصلوٰة حدیث ۴۱۳ جلد ۱ صفحہ ۴۲۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ترجمہ: جو شخص نماز کا رکوع، سجدہ اور خشوع پورا نہ کرے تو وہ نماز سیاہ تاریکی کی صورت میں آئے گی اور اس نمازی سے کہے گی اللہ تعالیٰ تجھے ضائع کر دے جس طرح تو نے مجھے ضائع کیا حتی کہ جب اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اس کو پرانے کپڑے کی طرح لپیٹ کر اس شخص کے منہ پر مارا جائے گا۔

حضرت سعید تنوخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب نماز پڑھتے تو آنسو آپ کے رخساروں اور داڑھی پر پھیل جاتے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھتے ہوئے اپنی داڑھی سے کھیل رہا تھا اور اس سے سنا کہ وہ سجدے کی حالت میں کہہ رہا ہے۔ یا اللہ! جنت میں حور عین سے میرا نکاح کر دے جس سے میری آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہو۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا اے فلاں! تیرا حور کو اپنے نکاح میں لانے کی خواہش کرنا میرے خیال میں تیرے اندر حیا کی کمی کی وجہ سے ہے۔ تو حور سے نکاح کرنا چاہتا ہے اور (نماز میں) کھیل رہا ہے۔

حضرت مسلم بن یسار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب نماز میں داخل ہوتے تو آپ کو پتہ نہ چلتا کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ارد گرد کیا چیز ہے۔ اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے گھر والوں سے فرماتے تھے میرے پاس آواز بلند نہ کرو البتہ جب تم دیکھو کہ میں نے نماز شروع کر دی ہے کیونکہ جب میں نماز میں ہوتا ہوں تو تمہاری گفتگو میں سے کچھ بھی نہیں سنتا۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نماز پڑھ رہے تھے کہ مسجد کا ایک حصہ گر گیا اور بہت زیادہ شور مچا اور لوگ اس سے جلدی جلدی نکلنے لگے لیکن آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو کچھ بھی پتہ نہ چلا حتی کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نماز سے سلام پھیرا۔

جب نماز کا وقت ہوتا امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کا رنگ پیلا پڑ جاتا اور بدل جاتا اور آپ فرماتے یہ امانت ہے جو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کی گئی تو انہوں نے اس کو اٹھانے سے انکار کر دیا اور میں نے (انسان مراد ہے) اس کو اٹھایا تو میں نہیں جانتا کہ میں اس کے آداب پورے کر رہا ہوں یا نہیں؟

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے حضرت داؤد علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا اے میرے رب! تو کس شخص کی نماز قبول کرتا ہے اور کس کے لئے تیرے گھر میں داخل ہونا مناسب ہے؟ (یعنی مسجد میں) اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی کہ میری رضا کی خاطر جو شخص میری عظمت کے لئے تواضع اختیار کرے اپنا دن میری یاد میں گزارے، اپنے نفس کو میری رضا کی خاطر خواہشات سے روکے بھوکے کو کھانا کھلائے اجنبی کو ٹھکانہ دے اور مصیبت زدہ پر رحم کرے اس شخص کے لئے مناسب ہے کہ میرے گھر میں داخل ہو اور میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے جب بھی نماز پڑھی تو میں نے اپنے عمل کو دیکھا کہ اس میں اطاعت کے مقابلے میں سوئے ادب زیادہ ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے دل کی حاضری کے ساتھ دو رکعتیں ان ہزار رکعتوں سے بہتر ہیں جن میں آدمی کا دل غافل ہو۔

حضرت علی ابن عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو زیادہ سجدوں کی وجہ سے ''سجاد'' کہا جاتا تھا اور وہ فرماتے تھے اس میں (سجدے میں) خضوع اختیار کرنا رکوع کے خضوع سے افضل ہے۔ اسی لئے میں سجدے زیادہ کرتا ہوں۔ کہا گیا ہے کہ ہر دن ایک ہزار رکعات آپ کا وظیفہ تھا۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نماز کے دوران مٹی پر سجدہ کرتے تھے چٹائی پر نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ خضوع کے زیادہ قریب ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہم نے لوگوں کو اس طرح پایا کہ جب ان میں سے ایک مسجد میں داخل ہوتا تو کانپ اٹھتا اور اللہ تعالیٰ کے خوف کی شدت سے اس کا رنگ بدل جاتا اور اسے امور دنیا میں سے کوئی بات یاد نہ رہتی بلکہ سب کچھ بھول جاتا۔

ہمارے (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے) شیخ سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان لوگوں میں سے آخری ہیں جن کو ہم نے اس مقام پر پایا اور آپ مسجد میں جانے کی جرأت نہیں کرتے تھے مگر لوگوں کے تابع ہو کر جاتے۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے جو شخص مسجد میں بیٹھتا ہے وہ صرف اپنے رب کے ساتھ بیٹھتا ہے اور عنقریب ایک وقت آئے گا کہ لوگ مسجد میں حلقوں میں بیٹھیں گے اور دنیوی باتیں کریں گے پس تم ان کے ساتھ نہ بیٹھنا۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں یہ جائز باتوں کے بارے میں ہے تو ان لوگوں کا کیا حال ہے جو مسجدوں میں بیٹھ کر غیبت کرتے ہیں ان میں علماء اور صالحین بھی شامل ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

تو اے بھائی! اس بات کو جان لو اور خشوع اختیار کر و وہ سکتا ہے تم بھی خشوع کرنے والوں میں شمار ہو جاؤ۔ اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

نماز کے وقت پردوں کا اٹھ جانا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ وہ پردے اٹھ جانے پر عمل کرتے ہیں حتیٰ کہ ان میں سے ایک جب بھی چاہے رسول اکرم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم کی قبر شریف میں آپ کے پیچھے نماز پڑھتا ہے اسی طرح ہر نبی علیہ السلام اپنی قبروں میں اذان اور اقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔

سیدی شیخ ابو العباس مرسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پانچوں نمازیں حضور صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم کے پیچھے پڑھتے تھے جس طرح آپ نے خود بیان فرمایا۔

اور میرے بھائی شیخ افضل الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بھی یہی معاملہ تھا۔ ایک دن سیدی ابو العباس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے مریدین سے پوچھا تم میں سے کون رسول اکرم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم کی مجلس میں ہوتا ہے اور آپ سے رات اور دن میں کسی بھی وقت پردے میں نہیں ہوتا؟ انہوں نے عرض کیا ہم میں سے کسی کو یہ مقام حاصل نہیں آپ نے فرمایا ان دلوں پر روؤ جو کائنات اور عالم ملکوت کے اسرار سے پردے میں ہیں اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر حضور صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم ایک لحظہ کے لئے مجھ سے پردے میں ہوں تو میں اپنے آپ کو مسلمانوں میں سے شمار نہ کروں۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں یہ وہ مقام شرف ہے جس تک (راہ حق کا) سالک اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک ایک لاکھ پردوں، سینتالیس ہزار پردوں اور نو سو ننانوے پردوں سے آگے نہ چلا جائے اور یہ بات ہر ولی کو حاصل نہیں ہوتی جیسا کہ ہم (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

نے اپنی کتاب "العھود المحمدیہ" میں وضاحت کی ہے اور اس کتاب کے شروع میں بھی ذکر کیا ہے۔
پس اس بات کو جان لو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

روزے اور حج میں آداب کا زیادہ خیال رکھنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ وہ دیگر عبادات کے مقابلے میں روزے اور حج کے آداب کا زیادہ خیال رکھتے ہیں تاکہ وہ ایک سال سے دوسرے سال تک (روزوں کے حوالے سے) اور حج کے بعد مرنے تک شیطان کے وسوسوں سے محفوظ رہیں۔
جس طرح نماز جمعہ میں دل حاضر ہو تو دوسرے جمعہ تک شیطان کے وسوسوں سے محفوظ رہتا ہے اسی طرح جب پانچوں نمازوں میں دل حاضر ہو تو بعد والی نماز تک شیطانی وسوسوں سے محفوظ رہتا ہے جس طرح اس بات کو وہ شخص پہچانتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اسرار شریعت پر مطلع کیا اور وہ ان نمازیوں میں سے ہوا جو شریعت کے حکم کے مطابق نماز پڑھتے ہیں عادت کے طور پر نہیں۔

ایک مرتبہ میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے ایک شخص سے سنا وہ سیدی حضرت علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھ رہا تھا کہ کیا آپ نے عصر کی نماز پڑھ لی ہے؟ شیخ خاموش رہے اور ایک ساعت تک جواب نہ دیا پھر فرمایا آئندہ مجھ سے اس قسم کا سوال نہ کرنا اس طرح تم مجھے جھوٹ میں مبتلا کروگے کیونکہ نماز تو اسے کہتے ہیں جس میں بندہ اول سے آخر تک اپنے رب کے ہاں حاضر ہو اور اس کے دل میں کوئی خیال نہ گزرے سوائے اللہ تعالیٰ کی محبت کے اور یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے اور وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اور جو کچھ کر رہا ہے یعنی قرات، ذکر، رکوع اور سجدہ وغیرہ سب اللہ تعالیٰ کے سامنے ادا ہو رہا ہے۔

اس شخص نے کہا اگر میں اس قسم کا سوال کرنا چاہوں تو کیا کہوں فرمایا تم مجھ سے پوچھو کیا آپ وقت پر لوگوں کے ساتھ اٹھے اور بیٹھے یا نہیں؟

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہم نے لوگوں کو یوں پایا کہ وہ اپنے روزے کو ہنسنے سے بھی بچاتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ مہینہ نیکیوں میں آگے بڑھنے کا ہے ہنسنے اور کھیل کود کا مہینہ نہیں ہے۔

حضرت احنف بن قیس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے بے شک روزوں کا مہینہ بھوک کا مہینہ ہے پس جو شخص اس میں اس قدر بھوکا نہ ہو جس سے اس کی جلد کا رنگ بدل جائے تو اس کے روزے سے اسے کوئی فائدہ حاصل نہ ہو گا۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص اپنے تمام اعضاء کو گناہوں سے نہ بچائے وہ روزہ دار نہیں ہے اگرچہ بھوکا رہے اور جو شخص اپنے اعضا کو گناہوں سے روکے وہ حقیقت میں روزہ دار ہے۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں اس سے مراد یہ ہے کہ آخرت کے احکام میں جب عمل کرنے والے کو پورا پورا اجر دیا جائے گا تو یہ شخص روزہ نہ رکھنے والے کی طرح ہو گا کہ اس کا اجر کم ہو گا۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے حضرت علی بن حسین (امام زین العابدین) رضی اللہ عنہما نے حج کیا جب احرام باندھ کر سواری پر بیٹھ گئے تو آپ کا رنگ پیلا پڑ گیا اور آپ پر کپکپی طاری ہو گئی حتی کہ ہیبت کی وجہ سے تلبیہ نہ کہہ سکے ساتھیوں نے پوچھا کیا آپ تلبیہ نہیں کہتے؟

فرمایا مجھے ڈر ہے کہ میں لبیک (میں حاضر ہوں) کہوں تو مجھے جواب دیا جائے تیرا ''لبیک اور سعدیک'' کہنا قبول نہیں ہے۔ عرض کیا گیا یہ کلمات کہنا ضروری ہے جب آپ نے تلبیہ کہا تو آپ پر بیہوشی طاری ہو گئی اور آپ گر پڑے اور مسلسل یہ حالت طاری رہی حتیٰ کہ حج کو مکمل کیا اور جب حجر اسود کو بوسہ دیا تو فرمایا اگر رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تجھے بوسہ نہ دیا ہوتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشائخ کی قبروں کو بوسہ دینے کی بجائے بوسہ نہ دینا زیادہ بہتر ہے کیونکہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے ثابت نہیں کہ آپ نے اپنے بھائیوں (یعنی انبیاء کرام علیہم السلام) میں سے کسی کی قبر کو بوسہ دیا ہو۔

اور ہمیں یہ بات بھی پہنچی کہ آپ نے کسی کو اس پر یعنی کسی کو صالحین امت میں سے کسی کی قبر کو بوسہ دینے پر برقرار رکھا ہو (یعنی آپ کے سامنے بوسہ دیا گیا اور آپ نے منع نہ فرمایا ہو) اس لئے ادب کا تقاضا یہ ہے کہ مشائخ کی قبروں اور چوکھٹوں کو بوسہ دینے سے باز رہنا چاہئے اور اس کی جگہ ان کے اخلاق کی پیروی کرنی چاہئے۔

جب حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حج کا احرام باندھا تو آپ تلبیہ نہ کہہ سکے حتیٰ کہ قافلہ ایک میل تک چلا اور آپ کی بیہوشی والی کیفیت ہو گئی اور آپ کجاوے میں تھے پھر افاقہ ہوا حضرت احمد بن ابی حواری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو آپ کے ساتھ تھے ان سے فرمایا اے احمد! بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ بنی اسرائیل کے ظالموں سے فرما دیں کہ وہ میرا ذکر کم کر دیں کیونکہ ان میں سے جو میرا ذکر کرتا ہے میں اس کا ذکر لعنت کے ساتھ کرتا ہوں حتیٰ کہ وہ میرے ذکر سے خاموش ہو جائے۔

اے احمد! تجھ پر تعجب ہے ہم اس بات سے بے خوف نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم پر لعنت بھیجے کیونکہ ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا اور اپنے غیر پر بھی ظلم کیا۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے ایک نوجوان کو دیکھا اس نے احرام باندھ رکھا تھا اور خاموش تھا میں نے اس سے پوچھا اے نوجوان! تو تلبیہ کیوں نہیں کہتا؟ اس نے کہا اے شیخ! تلبیہ مجھے کیا فائدہ دے گا میرے گناہ، جرائم اور برے اعمال بے شمار ہیں مجھے ڈر ہے کہ اگر مین نے تلبیہ کہا تو جواباً یہ نہ کہا جائے تیرا تلبیہ قبول نہیں نہ میں تیرا کلام سنتا ہوں اور نہ تیری طرف (رحمت کی) نظر کرتا ہوں۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں میں نے اس سے کہا اے میرے بیٹے! بے شک اللہ تعالیٰ کرم کرنے والا بخشنے والا ہے اس نے کہا آپ مجھے تلبیہ کا اشارہ دے رہے ہیں میں نے کہا ہاں پس اس نے اپنا پہلو زمین پر رکھ کر لبیک کہا اور سسکیاں لینے لگا حتیٰ کہ اس کی روح قبض ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بصرہ سے پیدل حج کے لئے گئے ان سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کے پاس سواری نہیں جس پر سوار ہوں انہوں نے فرمایا کیا بھاگا ہوا غلام اس بات پر راضی نہیں کہ اپنے آقا سے صلح کرنے کے لئے سواری کے بغیر آئے اور میں اس (مقدس) سرزمین میں جاتے ہوئے بہت زیادہ شرم محسوس کر رہا ہوں۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے ایک نوجوان کو دیکھا اس کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا اور وہ کعبہ شریف کے پردوں سے لٹکا ہوا کہہ رہا تھا۔

اے اللہ! بے شک میرے ذمہ تیرے حقوق ہیں پس مجھے وہ معاف فرمادے اور تیرے بندوں کے مجھ پر حقوق ہیں تو اپنے فضل سے ان کو مجھ سے اٹھالے اور تیرا فضل مجھ پر پوراہو چکا ہے۔

اور میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے ہم نے لوگوں کو یوں پایا کہ وہ کجاوے کے بغیر سواری پر حج کے لئے جاتے تھے اور ان پر سایہ بھی نہیں ہوتا تھا اور وہ فرماتے تھے محرم (جس نے احرام باندھا اس) کے بال بکھرے ہوں اور چہرہ گرد آلود ہو اور یہ (سواری وغیرہ) اس کے خلاف ہے اور ان میں سے ایک جب حج کا ارادہ کرتا اور کئی سال حلال پیسے اکٹھے کرتا رہتا تا کہ حج پر خرچ کرے اور وہ اپنے حج کے سلسلے میں حکمرانوں اور ان کے خدمت گاروں سے کوئی چیز نہیں لیتے تھے۔ اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

مخلوق کے دیکھنے سے شدید حیا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ وہ مخلوق کے دیکھنے سے سخت حیا کرتے ہیں چہ جائیکہ وہ اپنے رب سے سخت حیانہ کریں۔

حدیث شریف میں ہے:

"الحیاء من الایمان ولکل دین خلق وخلق الاسلام الحیاء"۔[73]

ترجمہ: حیا ایمان سے ہے اور ہر دین کا ایک خلق ہے جب کہ اسلام کا خلق حیا ہے۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہر چیز کی زینت ہوتی ہے اور حیا کی زینت گناہ کو ترک کرنا ہے اور ہر چیز کا پھل ہے اور حیا کا پھل بھلائی کمانا ہے۔

---

[73] (الجامع الصغیر حدیث ۳۸۵۹ جلد ۱ صفحہ ۲۳۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ کسی دل کو اس سے سخت سزا نہیں دیتا کہ اس کے دل سے حیا چھین لے۔

حضرت یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہم نے لوگوں کو یوں پایا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا اور جنت کا سوال کرنے میں بھی حیا کرتے تھے۔ وہ اس سے عفو ودر گزر کا سوال کرتے تھے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے سب سے پہلے سفر میں خیمہ لگانے والے امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تھے انہوں نے فرمایا میں لوگوں سے سخت حیا کرنے والا ہوں پس مجھے ان کے دیکھنے سے پردے میں کرلو۔

اور آپ بیت الخلاء میں سر ڈھانپے بغیر نہیں جاتے تھے کیونکہ فرشتوں سے بھی حیا کرتے تھے۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں یہی وجہ ہے کہ ان کو اس کا بدلہ اس صورت میں ملا کہ فرشتے ان سے حیا کرتے ہیں کسی اور سے نہیں جس طرح حدیث شریف میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا نبی اکرم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

"الا استحی ممن تستحی منه ملائکة السماء"۔[74]

ترجمہ: کیا میں اس شخص سے حیا نہ کروں جس سے آسمان کے فرشتے حیا کرتے ہیں۔

---

[74] (مسند امام احمد بن حنبل۔مرویات مسند عائشہ رضی اللہ عنہا جلد ۶ صفحہ ۶۲ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

اور حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرشتوں کے لئے بیت الخلاء کے دروازے پر اپنی چادر ڈال دیتے اور فرماتے تم دونوں (کراماً کاتبین) یہاں بیٹھو یہاں تک کہ میں تمہاری طرف باہر نکلوں۔

شدت تقویٰ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے محبت

ان صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ وہ بہت زیادہ تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور اس کے بعد بھی اپنے آپ کو متقی نہیں سمجھتے نیز وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے محبت کرتے ہیں۔

امیر المؤمنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے آپ سے کہتے تھے اے ابن خطاب اللہ کی قسم! تمہیں اللہ تعالیٰ سے ضرور بضرور ڈرنا ہو گا ورنہ وہ تمہیں عذاب دے گا پھر تمہاری پرواہ نہیں کرے گا۔

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے وہ نفس کی خواہشات کے مطابق عمل نہیں کرتا۔

حدیث شریف میں ہے:

"من قیل لہ اتّق اللہ فغضب اوقف یوم القیامۃ فلم یبق ملک الا مرّ بہ وعاتبہ وقال لہ انت الذی قیل لک اتّق اللہ فغضبت"۔

ترجمہ: جس شخص سے کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اسے اس پر غصہ آئے تو قیامت کے دن اسے کھڑا کیا جائے گا اور ہر فرشتہ اس کے پاس سے گزرتے ہوئے اسے جھڑکے گا اور اس سے کہے گا تم وہ ہو جس سے کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو تو تمہیں غصہ آ گیا۔

حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا گیا اے امیر المؤمنین لوگ اس وقت تک بھلائی کے ساتھ رہیں گے جب تک آپ ان میں موجود رہیں گے۔ انہوں نے فرمایا لوگ اس وقت تک بھلائی کے ساتھ رہیں گے جب تک اپنے رب کو راضی رکھیں گے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب یہ آیت کریمہ پڑھتے:

وَاتَّقُونِ يَاأُولِي الْأَلْبَابِ (البقرۃ ۱۹۷)

ترجمہ: اے عقلمندو! اللہ سے ڈرو۔

تو فرماتے ان لوگوں کو اس لئے عتاب ہوا کہ وہ اپنے آپ سے محبت کرتے تھے۔

حضرت عروہ رقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے بندے کی اپنے رب سے محبت قرآن مجید سے محبت اور اس پر عمل کرنا ہے اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم سے اس کی محبت یہ ہے کہ آپ کی سنت پر عمل کرے۔

حضرت مطرف بن عبد اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے بندے کی اپنے رب سے محبت یہ ہے کہ وہ اس کی کتاب (قرآن مجید) کی تلاوت سے نہ اکتائے۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے بندے کی اپنے رب سے محبت کی علامت یہ ہے کہ اس کی عبادت میں زیادہ کھڑا ہو اور اپنے آپ کو تھکا دے۔

حضرت عبد الواحد بن زید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں ایک شخص کے پاس سے گزرا جو برف میں سویا ہوا تھا میں نے اس سے پوچھا کیا تم برف کی تکلیف کو محسوس نہیں کرتے؟ اس نے کہا جس کو اللہ تعالیٰ کی محبت کا ذائقہ حاصل ہو گیا اسے ٹھنڈک اور آگ کی تکلیف نہیں پہنچتی۔ وہ ہر جگہ محبت کاملہ مراد لیتے ہیں۔

اور حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو اپنے خیال میں اللہ سے محبت کرتے ہیں لیکن اللہ ان سے محبت نہیں رکھتا ہے۔

اے بھائی! اس بات کو جان لو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

دنیا سے زہد اور طلب دنیا کی مذمت

ان صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ وہ دنیا سے بے رغبتی اختیار کرتے ہیں اور ہر طالب دنیا کی مذمت کرتے ہین اور اس سلسلے میں مبالغہ کرتے ہیں حتی کہ علماء بنی اسرائیل کی طرح وہ حکمت بھری گفتگو کرتے ہیں۔

اور زہد کے سلسلے میں ان کے قائد سرکار دوعالم صَلَّی اللّٰہ ُتَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم ہیں رسول اکرم صَلَّی اللّٰہ ُتَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کے خانہ اقدس میں چالیس چالیس راتیں آگ اور چراغ نہیں جلتا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ آپ لوگ زندگی کیسے گزارتے تھے انہوں نے فرمایا دو سیاہ چیزوں یعنی کھجور اور پانی کے ساتھ۔

اور رسول اکرم صَلَّی اللّٰہ ُتَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے پیوند لگی چادر اور ایسی ازار میں وفات پائی جو عرنی گاڑھی تھی (عرنی، عرنیہ کی طرف منسوب ہے)

نبی اکرم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم فرماتے تھے:

"انما مثلی و مثل الدنیا کمثل رجل استظل تحت شجرۃ ثم راح و ترکھا"۔

ترجمہ: بے شک میری اور دنیا کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو ایک درخت کے سائے میں بیٹھتا ہے پھر اسے چھوڑ کر چل پڑتا ہے۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے تھے زہد کے تین حرف ہیں۔ زاء کا معنی دنیوی زینت کو چھوڑنا۔ ہاء کا معنی نفسانی ھویٰ (خواہش) کو ترک کرنا اور دال کا معنی دنیا کو (اس کی محبت کو) مکمل طور پر چھوڑنا ہے پس جب تم ایسا کروگے تو تم زاہد ہوگے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے تھے زہد کی تین اقسام ہیں:

(۱) فرض: یہ زہد حرام کاموں کو چھوڑنے کی صورت میں ہے۔

(۲) واجب: یہ زہد شبہات سے بچنے میں ہے۔

(۳) سنت: یہ زہد حلال (مباح) چیزوں سے بچنے میں ہے (لیکن ان کو حرام نہ سمجھے)

اسی لئے حکومت حاصل کرنے سے زہد سونے اور چاندی سے بچنے کے مقابلے میں زیادہ سخت ہے کیونکہ تم حکومتی منصب حاصل کرنے کے لئے ان دونوں چیزوں کو خرچ کرتے ہو۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے تھے کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے بیوی بچوں کو دنیا میں زہد پر مجبور کرے ہاں اس پر لازم ہے کہ ان کو اس بات کی دعوت دے اگر وہ اسے قبول کرلیں تو ٹھیک ہے ورنہ خود زہد اختیار کرے اور ان کی بھلائی کی چیزیں ان کو دے۔

وہ یہ بھی فرماتے تھے کہ جو چیز تمہیں تمہارے رب سے غافل کرے وہ اہل ہوں، مال ہو یا کوئی دوسری چیز وہ تمہارے لئے نحوست کا باعث ہے۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام موجودات کو پیدا کیا کہ وہ بندے کو اس کے رب کی یاد دلائیں اس صورت میں یہ مبارک ہے بخلاف اس کے جب موجودات اس کے اور اس کے رب کے درمیان حجاب بن جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ اولاد اور مال بندے کے لئے بہت بڑا فتنہ ہے کیونکہ جب اس کا میلان ان کی طرف ہو گا تو وہ اللہ تعالی کی طرف متوجہ نہیں ہو سکے گا۔

حضرت وکیع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو یہ بات پہنچی کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے طبطبیج کھایا (غالباً ایسا کھانا جو عیاشی شمار ہوتا ہو) تو انہوں نے اس بات کو اچھا نہ سمجھا اور فرمایا (اس طرح) لوگ اپنی خواہشات کے مطابق کھانے میں آپ کی اقتدا کریں گے۔

حضرت بلال بن سعد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں دنیا میں زہد عطا فرمایا تو اس کے بعد ہماری دنیا کی طرف رغبت کا گناہ ہی کافی ہے۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہم نے زہد کے بارے میں بہت سی باتیں سنی ہیں لیکن اس سلسلے سے اچھی بات جو ہم نے دیکھی یہ ہے کہ زہد ہر اس چیز میں ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے پھیر دے حتی کہ علم اور عمل بھی۔ (جس چیز کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے دوری ہو اسے چھوڑنا زہد ہے)

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں یعنی اگر علم اور عمل میں ریاکاری خود پسندی یا لوگوں کی طرف سے تعریف کی چاہت وغیرہ آجائے ورنہ جو شخص علم و عمل میں مخلص ہو اس کے لئے اس میں زہد ٹھیک نہیں کیونکہ ان دونوں باتوں میں اخلاص بندے کے دل کو اپنے رب کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا مجھے کسی زاہد عالم کے بارے میں بتایئے جس کے پاس میں بیٹھوں انہوں نے فرمایا اے فلاں! یہ چیز گم ہو چکی ہے اب نہیں پائی جاتی۔

اور حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے زہد پورے کا پورا نفس کو تھکانے کا نام ہے جب کوئی زاہد دنیا میں راحت کی طرف مائل ہوا، اس وقت اس نے زہد سے رجوع کر لیا۔

حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ لوگوں نے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے دنیا کا (عہدہ حاصل کرنے کا) مطالبہ کیا تو آپ اس سے بھاگ گئے اور ہم نے دنیا طلب کی تو وہ ہم سے بھاگ گئی تو دیکھو دونوں قسم کے لوگوں کے درمیان کتنا فرق ہے۔

حضرت یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے اللہ تعالیٰ سے تین باتیں طلب کیں ایک یہ کہ جب مجھے موت آئے تو میری ملک میں کوئی درہم نہ ہو اور نہ میرے ذمہ ہو اور نہ میری ہڈیوں پر گوشت ہو پس آپ کا انتقال اسی طرح ہوا۔

ایک مرتبہ خلیفہ نے فقہاء کی طرف عطیات بھیجے تو انہوں نے قبول کر لئے اور حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف دس ہزار درہم بھیجے لیکن آپ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا ان کی اولاد نے ان سے کہا کہ فقہاء نے تحائف قبول کر لئے حالانکہ وہ لوگوں کے پیشوا ہیں آپ کیوں قبول نہیں کرتے؟

(یہ سن کر) آپ روئے اور فرمایا میری اور تمہاری مثال اس قوم جیسی ہے جن کے پاس گائے ہو اور وہ اس کے ذریعے کھیتی باڑی کرتے ہوں جب وہ بوڑھی ہو جائے تو ان میں سے بعض کہیں اس کو

ذبح کر دو اس سے پہلے کہ تم اس کی کھال اور گوشت سے فائدہ نہ اٹھا سکو، اسی طرح تم بھی مجھے بڑھاپے میں ذبح کرنا چاہتے ہو پس بھوک پر صبر کرو یہ تمہارے لئے مجھے ذبح کرنے سے بہتر ہے۔

انہوں نے کہا آج ہمارے پاس کھانے کے لئے کچھ نہیں تو انہوں نے چھری لی اور اپنے نیچے بچھے ہوئے پرانے بچھونے سے ایک ٹکڑا کاٹ کر فرمایا اس کی قیمت سے کھانے کے لئے کچھ خرید لو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام زاہدین کے سردار تھے آپ بالوں والا لباس پہنتے اور درختوں کے پتے کھاتے تھے آپ کے ہاں اولاد نہ تھی جسے موت آتی، گھر نہیں تھا جو خراب ہو جاتا اور نہ کل کے لئے رزق تھا، جہاں رات آجاتی وہاں سو جاتے۔

ایک مرتبہ آپ سے عرض کیا گیا اے روح اللہ! کیا آپ اپنی سواری کے لئے دراز گوش (گدھا) خرید نہیں لیتے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کے ہاں میری عزت اس سے زیادہ ہے کہ میں گدھے کی خدمت میں مشغول ہو جاؤں اور آپ علیہ السلام اپنے حواریوں (ساتھیوں) سے فرماتے تھے میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو کا چھان بورا کھانا جو راکھ میں ملا ہوا ہو اور کتوں کے ساتھ کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر سو جانا اور سخت ٹاٹ پہن لینا اس شخص کے لئے بہت زیادہ ہے جس نے (آخر کار) مر جانا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے لئے بچھونا، تکیہ اور پیالہ تک نہیں رکھا اور ایک مرتبہ اپنے سر کے نیچے اینٹ رکھ دی حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا اے عیسیٰ علیہ السلام! آپ دنیا سے زہد اختیار کرنے کے بعد اس کی طرف مائل ہو گئے اور آپ نے اپنے سر کے نیچے اینٹ کا تکیہ رکھ لیا؟ اس کے بعد سے آپ بیٹھے بیٹھے سوتے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اٹھالیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل سے فرماتے تھے تم پر خالص پانی خشکی کی سبزی اور جو کا چھان اختیار کرنا لازمی ہے گندم کی روٹی سے بچو تم جو کے چھان بورے کا شکر بھی ادا نہ کر سکو گے۔

امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے تین درہم کی قمیض خریدی اس وقت آپ خلیفہ تھے آپ نے کلائیوں سے اس کی آستین کاٹ کر پہن لی اور فرمایا اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ اس کے عمدہ مال میں سے ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب قمیض پہنتے تو جب تک پرانی نہ ہو جاتی اسے نہ اتارتے ایک مرتبہ آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ اپنی قمیض کو دھوتے نہیں؟ آپ نے فرمایا معاملہ (موت) اس سے زیادہ جلدی میں ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر پوری دنیا میرے قبضے میں ہوتی تو میں اس پر خوش نہ ہوتا اور اگر کوئی شخص میرے ہاتھ سے پوری دنیا لے لے تو میں اس کا پیچھا نہیں کروں گا اور نہ ہی اس پر غمگین ہوں گا۔

آپ مکہ مکرمہ میں پانی کے ذریعے روزی کماتے تھے آپ کے پاس ایک اونٹ تھا اس پر پانی لا کر فروخت کرتے اور اس سے آپ اور آپ کے گھر والے رزق حاصل کرتے۔

حضرت عبد الواحد بن زید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جس نے اپنے پیٹ کو کنٹرول کر لیا اس نے اپنے دین کو محفوظ کر لیا اور تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی آزمائش ایک لقمہ سے ہوئی تھی اور قیامت تک تمہاری آزمائش بھی اسی کے ساتھ ہو گی پس اس بات کو جان لو۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا انسانوں کو آزمانا ہے کہ کیا یہ لوگ خواہشات و چھوڑنے پر صبر کر سکتے ہیں یا خواہشات کا شکار ہوتے ہیں حضرت آدم علیہ السلام کی آزمائش محض صورتاً بھی (حقیقتاً نہ تھی) اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس میں ڈالا تا کہ آپ کو اس بات کی

پہچان حاصل ہو جائے کہ جب آپ علیہ السلام اولاد ہو گی تو وہ اس طرح آزمائش میں پڑے گی۔ یہ رسولوں کو غیب کے باتوں پر مطلع کرنے کے باب سے ہے۔

اور تاکہ آپ کو اس بات کی پہچان بھی حاصل ہو جائے کہ جب آپ کی اولاد اس میں مبتلا ہو گی تو وہ کس طرح توبہ کرے گی پس خطاب آپ کو اور حکم دوسروں کو تھا۔ جس طرح ہم نے (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے) اپنی کتاب "الاجوبہ عن الاکابر" (اکابر کی طرف سے جواب) میں اس کی وضاحت کی ہے۔

حکمت بھری باتیں

اور ان صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی حکمت بھری باتوں میں سے یہ باتیں ہیں مطلب یہ کہ جب وہ دنیا سے بے رغبتی میں مضبوط ہو گئے (تو ان کی باتیں حکمت پر مبنی ہوتی ہیں) تو اس سلسلے میں حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا جو شخص گناہ کا مرتکب ہوتا ہے وہ عقلمند نہیں۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے جو شخص تیرے بارے میں اچھائی کی بات کرے جو (اچھائی) تجھ میں نہیں پائی جاتی تو وہ تیرے بارے میں ایسی برائی کا ذکر بھی کرے گا جو تجھ میں نہیں اور جو شخص اپنے آپ کو تہمت کے مقام پر لے جائے وہ اپنے بارے میں بدگمانی کرنے والے کو ملامت نہ کرے۔ اور ان کا یہ قول بھی ہے کہ جس بات کا عذر پیش کرنا پڑے اس سے بچو۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے کسی یقین کو اس یقین کے مقابلے میں جھوٹ کے زیادہ مشابہ نہیں دیکھا جو لوگوں کو موت کے بارے میں ہے لیکن اس کے باوجود غفلت میں ہیں (عینی یقین بھی رکھتے ہیں اور عملاً جھوٹ بھی سمجھتے ہیں)

حضرت احنف بن قیس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے خضاب سے جوانی اور دوائی سے صحت واپس نہیں آتی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے تو خود زمانہ ہے اگر تو ٹھیک رہا تو وہ (زمانہ) بھی ٹھیک رہے گا اور اگر تو خراب ہو گیا تو وہ بھی خراب رہے گا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ سبا (ملک) کے ایک شخص سے فرمایا تمہاری قوم کس قدر جاہل ہے کہ انہوں نے ایک عورت کو اپنا حکمران بنالیا (ملکہ بلقیس کی طرف اشارہ ہے)۔ اس نے جواب دیا آپ کی قوم زیادہ جاہل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم کو رسول بنا کر بھیجا تو ان لوگوں نے کہا:

اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (الانفال ۳۲)

ترجمہ: یا اللہ! اگر یہ تیری طرف سے حق پر ہیں تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہمیں دردناک عذاب دے انہوں نے یہ کیوں نہیں کہا یا اللہ اگر یہ تیری طرف سے حق پر ہیں تو ان کی طرف ہماری رہنمائی فرما۔

(یہ سن کر) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔

حدیث شریف میں ہے:

"لو كانت الادنيا تزن عند الله جناح بعوضة ما سقى كافر امنها شربة ماء"۔[75]

ترجمہ: اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا مچھر کے پر کے برابر بھی وزن رکھتی تو اللہ تعالیٰ اس سے کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا۔ ایک اور حدیث میں ہے:

---

[75] (سنن ابن ماجہ۔ کتاب الزھد حدیث ۴۱۱۰ جلد ۲ صفحہ ۱۳۷۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

”الدنیادار من لا دار لہ ومال من لا مال لہ ولھا یجمع من لا عقل لہ وعلیھا یعادی من لا علم لہ وعلیھا یحسد من لا فقہ لہ وعلیھا یسعی من لا یقین لہ“۔[76]

ترجمہ: دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہیں اور اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہیں اور اس (دنیا) کے لئے وہ شخص (مال) جمع کرتا ہے جس کے پاس عقل نہیں اس کے لئے وہ دشمنی کرتا ہے جس کے پاس علم نہیں اور اس پر وہ حسد کرتا ہے جس کے پاس سمجھ نہیں اور اس کے لئے وہ کوشش کرتا ہے جس کو (آخرت کا) یقین نہیں۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر برائی کو ایک گھر میں رکھا اور اس کی چابی دنیا کی محبت کو بنایا اور تمام بھلائیوں کو ایک گھر میں رکھا اور اس کی چابی دنیا سے بے رغبتی کو بنایا۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے دنیا کی محبت دل سے ایمان کی مٹھاس کو نکال دیتی ہے۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص دنیا کا مالک ہوا وہ تھک گیا جس نے اس سے محبت کی وہ اس کا غلام ہو گیا یہ تھوڑی سی کافی ہوتی ہے اور زیادہ ہو تو بے نیاز نہیں کرتی۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے طالب دنیا کی کوئی منزل نہیں جس کے پاس ٹھہر جائے جیسا کہ صاحب آخرت کی کوئی انتہا نہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے ایک دل میں دنیا و آخرت دونوں کی محبت قائم نہیں ہو سکتی جس طرح ایک ہی برتن میں پانی اور آگ جمع نہیں ہو سکتے۔

---

[76] (الجامع الصغیر حدیث ۴۲۷۴ جلد ۰ ۲ ۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ابو حازم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص دنیا کو جائز طریقے سے کمائے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق خرچ کرے اس نے اپنے رب سبحانہ وتعالیٰ کو راضی کر لیا۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے دنیا شیطان کی دکان ہے پس تو شیطان کی دکان سے کوئی چیز چوری نہ کر وہ تیرے پیچھے آ کر تجھے پکڑ لے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کی وفات ہونے لگی تو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا اے نبیوں میں سے سب سے زیادہ عمر والے نبی علیک السلام! آپ نے دنیا کو کیسا پایا انہوں نے فرمایا ایک ایسی حویلی کی طرح جس کے دو دروازے ہوں میں ایک میں سے داخل ہوا اور دوسرے میں سے باہر نکل گیا۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے دنیا ایک دلہن ہے اور اس سے محبت کرنے والا اس کو کنگھی کرنے والا ہے اور جو اس سے بے رغبت ہے وہ اس کے بالوں کو توڑ پھوڑ دیتا ہے اس کے چہرے کو سیاہ کرتا ہے اس کے کپڑے کاٹتا اور اس کا زیور توڑ دیتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے بندے کی اپنے رب سے محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ اس چیز سے نفرت کرے جس سے اللہ تعالیٰ نفرت کرتا ہے پس جو شخص دعویٰ کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اور وہ دنیا سے بھی محبت کرے تو وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس دنیا سے نفرت کرتا ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی دعا میں فرمایا کرتے تھے اے اللہ! جس نے آسمان کو اپنے حکم کے بغیر زمین پر گرنے سے روک رکھا ہے ابراہیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بھی دنیا سے روک لے۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہم اولاد آدم علیہ السلام جنتی باشندے ہیں شیطان نے ہمیں اس سے دور کیا اور ہمیں وہاں سے فنا اور ہلاکت کے گھر کی طرف نکال دیا گیا پس کسی عقلمند کے لئے مناسب نہیں کہ وہ خوش اور مطمئن ہو جب تک وہ اس گھر کی طرف لوٹا یا نہ جائے جہاں سے اسے نکالا گیا تھا۔

ایک جماعت حضرت رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا کے پاس حاضر ہوئی اور انہوں نے ان کے پاس دنیا کی بہت زیادہ مذمت کی انہوں نے ان لوگوں سے فرمایا اس کے ذکر سے رک جاؤ وہ تمہارے دل میں نہ ہوتی تو تم اس کا ذکر زیادہ نہ کرتے۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب جسم کی بیماری مکمل ہو جائے تو اس کو کھانا اور پانی فائدہ نہیں دیتے اسی طرح جب دل میں دنیا کی محبت پیدا ہو جائے تو وعظ و نصیحت سے کامیابی نہیں ہوتی۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص تیرے دین کے سلسلے میں تجھ پر فخر کا اظہار کرے تو بھی اس سے فخر کا اظہار کر اور جو شخص تیری دنیا کے بارے میں تجھ پر فخر کرے تو تو اسے اس کے سینے میں ڈال دے (مطلب یہ کہ دین میں مقابلہ درست ہے دنیا کے بارے میں نہیں)

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے تھے ایک دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک سوئے ہوئے شخص کے پاس سے گزرے اور اس سے فرمایا اے فلاں! کیا تو اٹھ کر اللہ کی عبادت نہیں کرتا؟

اس شخص نے کہا میں نے اس سے افضل عبادت کی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا وہ کیا ہے؟ اس نے کہا میں نے دنیا کو دنیا داروں کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم نے سچ کہا سو جا تو نے عبادت گزاروں پر فوقیت حاصل کر لی ہے۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے دنیا مردار ہے پس جو شخص اس میں سے کچھ لینے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کتوں کے ساتھ میل جول پر صبر کرنا چاہیئے۔

حضرت مسلم النحات رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ کی قسم! مینگنیوں کی ایک تھیلی جس کے ساتھ تنور جلایا جائے میرے نزدیک سونے کی تھیلی سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

تو اے بھائی! اس بات کو جان لے اور اس پر عمل کر اگر تو نجات چاہتا ہے حدیث شریف میں ہے:

"ان بین یدیکم عقبة کنودا لا ینجو منها الا المخفون"۔[77]

ترجمہ: بیشک تمہارے آگے ایک دشوار گزار گھاٹی ہے اس سے وہی لوگ نجات حاصل کریں گے جن کا بوجھ ہلکا ہو گا۔

ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّم میں زیادہ بوجھ والوں میں سے ہوں یا کم بوجھ والوں میں سے؟ نبی اکرم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّم نے فرمایا کیا تیرے پاس ایک دن کا رزق ہے؟ اس نے کہا یا رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّم جی ہاں بلکہ کل کے لئے بھی ہے نبی اکرم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

"لو کان عندک قوت بعد غد کنت من المثقلین"۔[78]

---

[77] (اتحاف السادۃ المتقین جلد ۱۰ صفحہ ۲۰۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[78] (الترغیب والترھیب۔ جلد ۴ صفحہ ۱۳۱ مطبوعہ المصطفیٰ البابی حلبی مصر)

ترجمہ: اگر تیرے پاس پرسوں کا رزق بھی ہو گا تو تو زیادہ بوجھ والوں میں سے ہو گا۔

تو یہ شریعت کا ترازو ہے اور تو اپنے نفس کو زیادہ جانتا ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

نوافل پر کسب حلال کو مقدم کرنا

ان صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک خلق یہ ہے کہ یہ لوگ ایسے عمل اور صفت کو جو ان کو لوگوں کے سامنے سوال کرنے سے بچائے نوافل اور ایسے واجبات سے جن میں گنجائش ہو مقدم کرتے ہیں۔ (کیونکہ سوال کرنے سے بچنا اور رزق حلال کمانا فرض ہے)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو (رزق حلال کے لئے) کمانے کا محتاج ہے اگر وہ نماز باجماعت کے لئے جائے تو اس دن لوگوں سے مانگنے کا محتاج ہو گا آپ نے فرمایا وہ (حلال) کمائی کرے اور نماز تنہا پڑھ لے۔

حدیث شریف میں ہے:

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ایک ہزار پیشے سکھائے اور فرمایا اپنی اولاد سے کہیں کہ ان پیشوں کو سیکھیں اور ان کے ذریعے کھائیں اپنے دین کے بدلے نہ کھائیں۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

بے شک روح القدس (جبریل علیہ السلام) نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک فوت نہیں ہو گا جب تک اپنا رزق حاصل نہ کرے اگرچہ اسے کچھ تاخیر سے ملے پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اچھی طلب اختیار کرو اور رزق کی جلدی تمہیں اس بات پر نہ ابھارے کہ تم اللہ

تعالیٰ کی نافرمانی کے ذریعے اسے حاصل کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے وہ نافرمانی کے ذریعے عطا نہیں کرتا۔

امیر المؤمنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کوئی شخص رزق کی تلاش چھوڑ کر مسجد میں بیٹھ جائے اور یوں کہے کہ یا اللہ! مجھے رزق عطا کر یہ بات خلاف سنت ہے۔ اور تمہیں معلوم ہے کہ آسمان سے سونے اور چاندی کی بارش نہیں ہوتی۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو اپنے گھر یا مسجد میں بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے میں کوئی عمل نہیں کروں گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ مجھے خود رزق عطا کرے آپ نے فرمایا یہ شخص علم سے بے خبر ہے۔ کیا اس نے حضور صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کا یہ ارشاد گرامی نہیں سنا:

"جعل اللہ رزقی تحت ظل سیفی"۔[79]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے میرا رزق میری تلوار کے سائے میں رکھا ہے۔

اس سے غنیمتیں مراد ہیں۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں اس پر طبرانی شریف کی وہ حدیث گواہ ہے جو پرندوں کے برے میں ہے کہ وہ صبح کے وقت خالی پیٹ جاتے ہیں اور شام کے وقت پیٹ بھرے ہوئے آتے ہیں اور اس میں ذکر کیا گیا کہ وہ طلب رزق کے لئے نکلتے ہیں۔

---

79 (مسند امام احمد بن حنبل۔ جلد ۲ صفحہ ۵۰ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خشکی اور سمندر میں تجارت کرتے تھے اور ان کی اقتدا سب سے بہتر ہے اور ارشاد خداوندی ہے:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ (النور ۳۷)

ترجمہ: کچھ ایسے لوگ ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے نہیں روکتی۔

ان کو رجال (کامل مرد) کہا گیا کیونکہ وہ دنیوی اسباب بھی اختیار کرتے ہیں اور اللہ کے ذکر سے بھی غافل نہیں ہوتے اور یہی کمال ہے۔

مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک دن ایک شخص کے پاس سے گزرے جو بیٹھا ہوا تھا آپ نے فرمایا تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ اس نے کہا اے روح اللہ! میں عبادت کر رہا ہوں فرمایا تمہارے اخراجات کون برداشت کرتا ہے؟ اس نے کہا میرا بھائی۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا تیرا بھائی تجھ سے زیادہ عبادت گزار ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں ایک شخص کا ذکر کیا اور اس کی اچھے الفاظ میں تعریف کرنے لگے نیز انہوں نے اس کی سفر و حضر کی عبادت کا ذکر کیا حضور صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم نے پوچھا اس کو کون کھلاتا پلاتا ہے؟ اس کے جانور کو چارہ کون دیتا ہے؟ اور اس کے معاملات کو کون پورا کرتا ہے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم ہم کرتے ہیں رسول اکرم صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

تم سب اس سے بہتر ہو۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنی آخرت اور دنیا (دونوں) کے لئے عمل کرے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ کوئی شخص دنیا اور آخرت کے اعمال سے فارغ ہو۔

حضرت ابو قلابہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے جب کوئی شخص اپنی معیشت کے لئے کوشاں ہو وہ مسجد میں بیٹھنے والے سے افضل ہے۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے یہ شان نہیں کہ تو اپنے قدموں کو عبادت کے لئے پھیلائے اور دوسرا آدمی تیرے لئے تھک جائے۔ شان یہ ہے کہ تو اپنے گھر میں روٹی حاصل کرے پھر اسے لٹکا کر نماز پڑھے (مطلب یہ کہ روٹی خود حاصل کرے) پھر تجھے اس بات کی پرواہ نہیں ہو گی کہ کون کھٹکھٹانے والا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے بخلاف اس شخص کے جو شخص اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہو اور اس کے پاس کھانے کے لئے کچھ نہیں اس کی حالت یہ ہو جائے کہ ہر کھٹکھٹانے والا دروازہ کھٹکھٹائے گا اور کہے گا کہ اس کے پاس روٹی ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے مریدین سے فرماتے تھے تمہیں کوئی پیشہ اختیار کرنا چاہئے کیونکہ عام طور پر جو لوگ امراء کے دروازے پر جاتے ہیں وہ ان کے پاس کسی ضرورت کے تحت جاتے ہیں۔

تو اے بھائی! تو اس بات کو جان لے اس پر عمل کر اور اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چل اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

مساکین سے محبت اور ان کے لئے تواضع

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ وہ مساکین سے محبت کرتے اور ان کے لئے تواضع اختیار کرتے ہیں اور مالداروں کی مجالس سے نفرت کرتے ہیں لیکن ان کو حقیر نہیں جانتے یہ لوگ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی اس حدیث پر عمل کرتے ہیں:

"اللھم احیینی مسکینا امتنی مسکینا و احشرنی فی زمرۃ المساکین"۔[80]

ترجمہ: یااللہ! مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھنا، مسکین ہونے کی حالت میں مجھے وفات دینا اور (قیامت کے دن) مجھے مساکین کی جماعت میں اٹھانا۔

حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام اس کے باوجود کہ آپ کو بادشاہی عطا کی گئی تھی جب مسجد میں داخل ہوتے تو مساکین کے ساتھ بیٹھتے اور فرماتے مسکین، مساکین کے ساتھ بیٹھتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ بات پسند تھی کہ آپ کو "یا مسکین" کہہ کر پکارا جائے اور آپ کو صرف یہی نام پسند تھا۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کسی مرد کی عقل کا امتحان اس وقت ہوتا ہے جب اس کے بچھونے پر اس کے ساتھ کوئی مسکین اس کی اجازت کے بغیر بیٹھ جائے اور اس کی حالت ناگفتہ ہو پس اگر یہ شخص پریشان ہو جائے تو اس کی عقل ناقص ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام میں سے ایک نبی علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب مجھے کیسے اس بات کا علم ہو گا

---

[80] (جامع الترمذی، کتاب الزھد حدیث ۲۳۵۹ جلد ۴ صفحہ ۱۵۸ مطبوعہ دار الکتب بیروت)

کہ تو مجھ سے راضی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ تم مساکین کو دیکھو وہ تم سے راضی ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تمام اصحاب صفہ کی طرف سے کوئی بات پہنچی تو آپ نے ان کو جھڑک دیا رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم تک یہ بات پہنچی تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ان سے فرمایا:

اے ابو بکر (رضی اللہ عنک) شاید تم نے ان کو ناراض کر دیا اگر تم نے ان کو ناراض کیا ہے تو تم نے اپنے رب کو ناراض کیا۔

چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کی طرف تشریف لے گئے اور ان سے ہمدردی کا اظہار کیا اور فرمایا شاید میں نے تم لوگوں کو ناراض کر دیا انہوں نے کہا نہیں اے ابو بکر اللہ آپ کی مغفرت کرے۔

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے ہر زمانے میں انبیاء کرام علیہم السلام کے متبعین فقرا اور مساکین لوگ رہے ہیں مالدار اور متکبر لوگ نہیں رہے اور رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم فقرا کے لئے بہت تواضع فرماتے تھے اور جب آپ ان کے پاس تشریف رکھتے تو گھٹنے پر گھٹنہ رکھتے اور فرماتے میں ایک بندہ ہوں اس طرح بیٹھتا ہوں جس طرح بندہ بیٹھتا ہے۔

ایک حدیث شریف میں ہے:

"من سرّہ ان یتمثل لہ الناس قیاما فلیتبو أمقعدہ من النار"۔[81]

---

81 (جامع ترمذی، کتاب الادب، حدیث ۲۷۶۴ جلد ۴ صفحہ ۳۴۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ترجمہ: جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ اس کے لئے لوگ کھڑے ہوں تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں جس طرح بعض علماء نے فرمایا حدیث کا معنی یہ ہے کہ وہ اس بات کو پسند کرے کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے ہوں اور وہ بیٹھا ہوا ہو جس طرح بادشاہ اور بعض عجمی مشائخ کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے تھے ہمیں نبی اکرم صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم سے زیادہ کوئی شخص محبوب نہ تھا لیکن جب آپ صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم ہمارے پاس تشریف لاتے تو ہم آپ کے لئے کھڑے نہ ہوتے کیونکہ ہم جانتے تھے کہ آپ صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم اس بات کو ناپسند کرتے ہیں لیکن حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ آپ کے لئے کھڑے ہو جاتے کیونکہ وہ اس بات سے صبر نہیں کر سکتے تھے اور وہ فرماتے تھے کہ جس شخص کے پاس دین اور عقل ہو اس کے لئے یہ بات مناسب نہیں رسول اللہ صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم کو دیکھے اور کھڑا نہ ہو اور نبی اکرم صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم ان کی اس بات کی تائید کرتے تھے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے تھے جس شخص کے ساتھ لوگ چلتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس سے دوری میں اضافہ کرتا ہے۔

حضرت یونس بن عبید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عرفات میں موقف (ٹھہرنے کی جگہ) سے واپس تشریف لائے تو آپ سے پوچھا گیا لوگوں کی کیا حالت تھی؟ فرمایا وہ اچھی حالت میں تھے لیکن میں ان

میں تھا اگر اللہ تعالیٰ ان پر مہربانی نہ فرماتا تو میری وجہ سے ان پر رحمت نازل نہ کرتا۔(تواضع کے طور پر فرمایا)

حضرت زیاد نمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے تواضع کے بغیر زاہد اس درخت کی طرح ہے جس پر پھل نہ ہو۔

حضرت عبد العزیز بن ابی روّاد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ کی قسم، میں اس وقت روئے زمین پر اپنے آپ سے زیادہ برا کسی کو نہیں سمجھتا۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بذات خود مہمانوں کی خدمت کرتے اور اٹھ کر چراغ ٹھیک کرتے۔ جب آپ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا جب میں اٹھتا ہوں تو بھی عمر ہوتا ہوں اور جب بیٹھتا ہوں تو بھی عمر ہوتا ہوں (یعنی اس سے میری شان میں فرق نہیں آتا)

حضرت میمون بن مہران رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو جب کسی ولیمہ کی دعوت دی جاتی تو مساکین کے درمیان بیٹھتے اور ان کے ساتھ برتن چاٹتے۔

(ایک مرتبہ) سرخ ہوا چلی تو لوگوں نے حضرت عبد اللہ بن مقاتل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا کہ وہ ان کے لئے دعا مانگیں فرمایا کاش میں ان کی ہلاکت کا سبب نہ بنتا۔

راوی فرماتے ہیں اس رات کسی نے حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کو خواب میں دیکھا تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں سے اس شر کو حضرت عبد اللہ بن مقاتل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دعا کے سبب دور کیا جب انہوں نے عاجزی اختیار کی۔

حضرت بشر بن منصور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک مرتبہ نماز پڑھی اور دیر تک پڑھتے رہے آپ خشوع کرنے والے تھے آپ کے پیچھے ایک شخص تھا جسے اس بات کا علم نہ تھا آپ نے نماز سے سلام پھیرا تو فرمایا۔

اے بھائی! تم نے مجھ سے جو کچھ دیکھا ہے اس پر تعجب نہ کرنا۔ ابلیس نے فرشتوں کے ساتھ ہزاروں سال عبادت کی پھر وہ جو کچھ بنا تمہیں معلوم ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہم نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ مالدار لوگوں اور اللہ تعالیٰ سے غافل لوگوں کے ساتھ بیٹھنے سے نفرت کرتے تھے۔

امیر المومنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے ان لوگوں کے پاس نہ جاؤ جو دنیا جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے یہ بات اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہے۔ اور بعض اوقات تم مین سے ایک اپنے سامان کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو حقیر جانتا ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کتنے ہی علماء ہیں جو بادشاہ کے پاس جاتے ہیں تو ان کا دین ان کے ساتھ ہوتا ہے اور جب نکلتے ہیں تو ان کے پاس دین میں سے کچھ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی پناہ۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے مالداروں کے سامنے فخر کرنا بھی تواضع ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے بادشاہوں کے دروازوں پر کھڑے ہونے سے بچو کیونکہ یہ فتنے کے مقامات ہیں۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے تھے ہم نے مالدار لوگوں کے ساتھ انصاف نہیں کیا ان میں سے ایک مجھ سے کہتا ہے اب درداء میں آپ سے اللہ کے لئے محبت کرتا ہوں پس جب میں ان میں سے کسی ایک سے کوئی دنیوی چیز طلب کرتا ہوں تو وہ مجھ سے جدا ہو جاتا ہے اور وہ بھاگ جاتا ہے ہمیں مالداروں سے شرف وعزت میں یہی بات کافی ہے کہ وہ مشکلات میں ہماری طرف آئیں اور ہم ان کی طرف نہ جائیں۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ زیتون کی تجارت کرتے تھے اور فرماتے تھے اس کے ذریعے امراء کے دروازوں پر جانے سے بے نیازی ہو جاتی ہے۔

حضرت میمون بن مہران رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے بادشاہ کی صحبت بہت بڑا خطرہ ہے جب تم اس کی بات مانو گے تو اپنے دین کو خطرے میں ڈالو گے اور اگر اس کی بات نہیں مانو گے تو تمہاری جان کے لئے خطرہ ہے۔ پس سلامتی اسی میں ہے کہ تم اسے نہ پہچانو اور وہ تمہیں نہ پہچانے۔

جب حضرت امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بادشاہ سے میل جول ہوا تو مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کو لکھا اے بھائی! آپ جس فتنے میں مبتلا ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے آپ ایک بزرگ عالم ہیں اپنی زندگی کا اختتام ظالموں کی صحبت کے ساتھ کر رہے ہیں اور جب کوئی ان پر اعتراض کرتا ہے تو آپ ان کی طرف داری کرتے ہیں اگر آپ ان کے قریب نہ ہوتے بلکہ صرف ان سے مانوس ہوتے اور ان کی وحشت کو چھوڑ دیتے تو آپ کے لئے یہ گناہ بھی کافی تھا اس کے بعد حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فوت ہونے تک ان سے قطع تعلق کئے رکھا۔

تو اے بھائی! اس بات کو جان لے اور اپنے آپ کو مالدار اور دنیا دار لوگوں سے دور رکھ البتہ شرعی ضرورت کے تحت ان کے پاس جانے کی گنجائش ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

مال سے محبت خرچ کرنے کے لئے

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ وہ مال سے محبت اس کو خرچ کرنے کے لئے کرتے ہیں جمع کرنے کے لئے نہیں اور وہ لوگوں کی طرف حاجت کے خوف کو اس مال کے حساب کے خوف سے مقدم کرتے ہیں جس میں شبہ داخل ہو۔ (مطلب یہ ہے کہ شبہ والا (حرام نہیں) مال قبول کر لیتے ہیں مانگنے سے بچتے ہیں)۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر میں اپنے بعد چالیس ہزار دینار چھوڑ جاؤں جن کے بارے میں قیامت کے دن مجھ سے حساب لیا جائے تو یہ بات مجھے اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ میں کسی کے دروازے پر کھڑا ہو کر اپنی حاجت کے لئے سوال کروں۔

لقمان حکیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حکمت سے ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے سے فرمایا اے بیٹے! حلال کسب کے ذریعے فقر سے بچو کیونکہ جس شخص کو فقر لاحق ہوتا ہے اسے تین باتیں پیش آتی ہیں۔

(۱): دین میں نرمی (۲): عقل کی کمزوری (۳): مردانگی (مروت) کا چلا جانا

اور یہ (تیسری بات) ان میں سے زیادہ بڑی ہے اور ان تینوں سے بڑی بات یہ ہے کہ لوگ اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر تو اس مال کی حفاظت کرے جو تیرے پاس ہے تاکہ اس کے ذریعے اپنی ضرورت کو پورا کرے تو یہ اس بات سے بہتر ہے کہ تو اسے صدقہ کرے اور جو کچھ دوسروں کے پاس ہے اس کی طلب کرے بندہ ہمیشہ بھلائی کے ساتھ رہتا ہے جب دو باتوں کی حفاظت کرے روپے پیسے کی حفاظت اپنی زندگی کے لئے اور دین کی حفاظت اپنی آخرت کے لئے۔

حضرت قیس بن عاصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کے باوجود کہ بہٹ بڑے زاہد اور پرہیز گار تھے اپنے بیٹوں سے فرماتے تھے حلال مال جمع کرنا تم پر لازم ہے کیونکہ یہ دوست کو خوش کرتا ہے دشمن کو اداس کرتا ہے اور تم سوال کرنے بالخصوص کسی کمینے سے سوال کرنے سے بچ جاؤ گے لوگوں سے سوال کرنے سے اجتناب کرو کیونکہ یہ عاجز لوگوں کا کام ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہم نے لوگوں کو یوں پایا کہ وہ بازار میں خرید و فروخت کرتے اور ان میں سے کسی ایک کے پاس ہجوم ہوتا لیکن جب وہ نماز کے لئے اذان سنتا تو تیزی سے اٹھ کھڑا ہوتا اور خرید و فروخت کو چھوڑ دیتا۔ لیکن ہمارے زمانے کے لوگوں کی حالت یہ ہے کہ بازار جوبن پر ہو تو نماز میں دیر کرتے ہیں۔ اور اگر بازار میں کاروبار ڈھیلا ہو تو پشیمان ہوتے ہیں۔

حضرت ابو قلابہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے بازار (تجارت) اور کاریگری کو اختیار کرو اس طرح تم اپنے (مسلمان) بھائیوں کے ہاں معزز ہو گے جب تک تم ان کے محتاج نہیں ہو گے۔

ایک مرتبہ ایک مانگنے والا حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دروازے پر کھڑا ہوا آپ نے ایک روٹی نکال کر اسے دی اس نے کہا مزید دیں آپ نے ایک روٹی مزدی دے دی وہ

مسلسل مانگتا رہا اور حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسے عطا کرتے رہے حتی کہ گھر میں جو کچھ تھا اسے دے دیا یہاں تک کہ برتن بستر وغیرہ بھی دے دیئے اس نے کہا مزید عطا کریں۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا اے بھائی! اللہ کی قسم! اب میرے پاس کوئی چیز باقی نہیں رہی البتہ یہ کہ تم مجھے لے جا کر بیچ ڈالو اور میری قیمت وصول کر لو۔

چنانچہ مانگنے والا آپ کو چھوڑ کر چلا گیا اور آپ نے جو کچھ دیا تھا اس میں سے بھی کچھ نہ لیا۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہا جاتا ہے کہ وہ فرشتہ تھا جو آپ کی آزمائش کے لئے آیا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے جو شخص کسی مانگنے والے کو ناکام لوٹاتا ہے فرشتے سزا کے طور پر سات دن تک اس کے گھر کو نہیں گھیرتے (حفاظت نہیں کرتے)۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں اس قول کا محل یہ ہے کہ جب وہ طاقت کے باوجود رد کرے عاجز کے لئے یہ حکم نہیں۔ واللہ اعلم

حضرت سحنون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس سے مانگنے والا مانگتا ہے وہ اس کے لئے صدقہ نکالتا ہے پھر دیکھتا ہے کہ وہ شخص چلا گیا تو اب اس صدقہ کو کیا کرے؟

فرمایا مجھے یہ بات پسند ہے کہ وہ صدقہ کسی اور کو دے دے اور اگر مال میں واپس رکھ دے تب بھی کوئی حرج نہیں۔

تو اے بھائی! اس بات کو جان لے جو کچھ تیرے پاس ہے اور تیری ضرورت سے زائد ہے اس کو خرچ کر اور اس کو جمع نہ کر مگر کسی دوسرے کے نام پر مثلاً اپنے اہل وعیال وغیرہ کے لئے جمع کر سکتا ہے۔ اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

دن رات زائد مال کا صدقہ کرنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ وہ دن رات حاجت سے زائد مال صدقہ کرتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ وہ مال حلال ہو۔ جس طرح اس سے پہلے کئی بار ذکر ہوا۔

حدیث شریف میں ہے:

"ولا یکسب عبد مالا من حرام فیتصدق منه ولا یترکه خلف ظھره الا کان زاده الی النار"۔[82]

ترجمہ: جو شخص حرام مال کماتا ہے پھر اسے صدقہ کرتا ہے اس سے وہ صدقہ قبول نہیں ہوتا اور اگر وہ اپنے پیچھے چھوڑ جاتا ہے تو وہ جہنم کا سامان ہے۔

سیدی حضرت علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے شبہ والے مال کو قبول نہ کرنا اسے صدقہ نہ کرنا زیادہ بہتر ہے اور آج کے زمانے میں اکثر فقرا میں یہ بات پائی جاتی ہے ان میں سے شبہ والا مال لیتا ہے اور اس کو صدقہ کر دیتا ہے اس مال کے ذریعے محافل میلاد کا انعقاد کرتا ہے لوگوں کے دلوں کو نرم کرنے کے لئے دیتا ہے اور اس لئے دیتا ہے کہ اس کو ان پر برتری اور سرداری حاصل ہو اور بعض لوگ فقراء کے نام پر شبہ والا مال قبول کرتے ہیں اور خود تنہا اسے کھاتے ہیں یہ صورت پہلی حالت سے زیادہ قبیح ہے۔

---

[82] (الترغیب والترھیب۔باب یاتی علی الناس زمان جلد ۲ صفحہ ۴۴۰ مطبوعہ المصطفیٰ البابی حلبی مصر)

رسول اکرم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے صدقہ کی ترغیب دی اور فرمایا:

"اتّقوا النار ولو بشق تمرۃ فمن لم یجد فبکلمۃ طیبۃ"۔[83]

ترجمہ: (جہنم کی) آگ سے بچو اگر یہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ذریعے ہو پس جو نہ پائے وہ اچھے کلمے کے ساتھ (جہنم سے بچے) اور یہ بات معلوم ہے کہ شبہ والے مال سے صدقہ کرنا جہنم سے نہیں بچاتا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اکرم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے مجھ سے فرمایا:

اے عائشہ! جب تم ہنڈیا پکاؤ تو اس کا شوربا زیادہ بناؤ اور پڑوسیوں کا بھی خیال رکھو۔

اسی طرح حضور صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے حضرت ابو درداء رضی اللہ سے فرمایا:

"یا ابا الدرداء اذا صنعت طعاما فاکثر المرق وتعاھد جیرانک"۔[84]

ترجمہ: اے ابو درداء (رضی اللہ عنہ) جب تم کھانا تیار کرو تو شوربا زیادہ بناؤ اور اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ستر ہزار درہم صدقہ کئے اور آپ کی قمیض پر پیوند لگے ہوئے تھے۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے تم میں کوئی شخص اس چیز کا صدقہ کرے جس کی خود خواہش رکھتا ہے۔ کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

وَيُطۡعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ (الدھر ۸)

---

[83] (مسند امام احمد بن حنبل۔ جلد ۴ صفحہ ۲۵۶ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

[84] (الجامع الصغیر حدیث ۱۴۴ جلد ۱ صفحہ ۱۲ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ: اور وہ کھانے کی محبت کے باوجود (کھانا) کھلاتے ہیں یعنی خود اس کی خواہش رکھنے کے باوجود۔(حبہ سے مراد خواہش رکھنا)

امیر المؤمنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے یا اللہ! اپنا فضل (مال) اپنے پسندیدہ بندوں کو عطا کرتا کہ وہ ہمارے حاجتمندوں کی طرف لوٹائیں۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے صدقہ کرو کیونکہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ نماز بندے کو نصف راستے تک پہنچاتی ہے روزہ اس کو بادشاہ کے دروازے تک پہنچاتا ہے۔اور صدقہ اسے بادشاہ کے پاس داخل کرتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک عابد نے ستر سال عبادت کی پھر کسی فاحشہ عورت تک پہنچا تو اس وجہ سے اس کا عمل ضائع ہو گیا پھر اتر کر غسل کرنے لگا تو ایک مسکین وہاں سے گزرا اس نے اسے ایک روٹی بطور صدقہ دی تو اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا اور اس کا عمل لوٹا دیا۔

حدیث شریف میں ہے:

"باکروا بالصدقة فان البلاء لا یتجاوزھا"۔[85]

ترجمہ: صبح صبح صدقہ دیا کرو بے شک مصیبتیں اس سے آگے نہیں بڑھتیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فجر کی نماز کے لئے جانے سے پہلے اس مسکین کو صدقہ دیتے جو ان کو سب سے پہلے ملتا۔اگرچہ ایک لقمہ ہوتا یا پیاز یا منقیٰ ہوتا۔

---

[85] (الجامع الصغیر حدیث ۳۲۲۲ جلد ۱ صفحہ ۱۸۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو دانہ دنیا کے پہاڑوں کے مقابل تولا جائے گا میں اسے صرف صدقہ کے دانے کے طور پر جانتا ہوں۔(یعنی صدقہ کا دانہ ہی اتنی اہمیت رکھتا ہے)

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے صحیح سالم چیز صدقہ کرو کیونکہ یہ بات مناسب نہیں کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے لئے عیب یا نقصان والی چیز نکالے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا کہ جو پانی مسجد میں جاری ہوتا ہے اس سے مالدار آدمی کا پینا کیسا ہے؟ فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ وہ پیاسے لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا ہے وہ کوئی بھی ہو اور صرف اہل حاجت کو خاص نہیں کیا گیا۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے حلال مال کماؤ اور اس سے صدقہ دو کیونکہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

"من لم یبال من این اکتسب المال لم یبال اللہ بہ من این یدخلہ النار"۔[86]

ترجمہ: جو شخص اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ اس نے مال کہاں سے کمایا تو اللہ تعالیٰ کو بھی اس بات کی پرواہ نہیں کہ اسے کہاں سے جہنم میں داخل کرے۔

ایک اور حدیث میں ہے:

"من اصاب مالا من ماثم فوصل بہ رحما او تصدق بہ او انفقہ فی سبیل اللہ جمع لہ ذلک جمیعا ثم قذف بہ فی نار جھنم"۔[87]

---

[86] (اتحاف السادۃ المتقین جلد ۲ صفحہ ۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[87] (کنز العمال۔حدیث ۹۲۶۵ جلد ۴ صفحہ ۱۵ مطبوعہ الموسسۃ الرسالہ بیروت)

ترجمہ: جو شخص گناہ کی صورت میں مال حاصل کرتا ہے پھر اس کے ذریعے صلہ رحمی کرتا ہے یا اس کو صدقہ کرتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتا ہے تو یہ تمام مال اس کے لئے جمع کیا جائے گا پھر اس کو جہنم کی آگ میں ڈالا جائے گا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں تم لوگ تقویٰ سے بے خبر ہو حالانکہ یہ افضل عبادت ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے اگر تم نماز پڑھو حتی کہ تم کبڑے لوگوں کی طرح ہو جاؤ اور روزہ رکھو حتی کہ تانت کی طرح (کمزور) ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ تم سے اس (عبادت) کو اسی صورت میں قبول کرے گا جب تمہیں تقویٰ حاصل ہو جو (گناہوں سے) رکاوٹ ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اس قوم (صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) نے جو مقام پایا وہ اسی وجہ سے پایا کہ وہ اس بات کو سمجھتے کہ پیٹ میں کیا جائے یعنی حلال مال سے روٹی۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص اس بات کو جان لے کہ اس کے پیٹ میں کیا چیز جائے وہ شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں صدیق (سچا) لکھا جاتا ہے۔ اور جو شخص اپنے فقر میں تقوی کو درست نہیں رکھتا وہ محض حرام کھاتا ہے اور اسے پتہ نہیں چلتا۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے (پرہیز گاری) یہ ہے کہ ضرورت کے وقت تاویل کرنا اور رخصت پر عمل کرنا بھی چھوڑ دے۔

حضرت یونس بن عبید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر ہم حلال مال سے ایک درہم پائیں تو ہم اس سے گندم خرید کر اسے پیس کر اپنے پاس رکھ لیں اور جس شخص کے علاج سے ڈاکٹر عاجز ہو جائیں ہم اس (آٹے) کے ساتھ اس کا علاج کریں تو وہ اسی وقت اپنی بیماری سے ٹھیک ہو جائے گا۔

حضرت مسعر بن کدام رضی اللہ عنہ فرماتے تھے میں اس زمانے میں صرف اس کو حلال سمجھتا ہوں کہ کوئی شخص نہر سے چلو بھر کر پانی پیئے۔(یعنی حلال ناپید ہو گیا ہے)

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے حلال کمانا ایک پہاڑ کو دوسرے پہاڑ تک منتقل کرے سے بھی زیادہ سخت ہے۔

حضرت وہب بن ورد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر تم میں سے کوئی ایک (عبادت کے لئے) کھڑا ہو حتی کہ اس ستون کی طرح ہو جائے تو اس سے (یہ عبادت) قبول نہیں کی جائے گی حتی کہ وہ جان لے کہ اس نے اپنے پیٹ میں کیا داخل کیا ہے (حرام یا حلال)۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص حرام مال میں سے صدقہ کرتا ہے یا کسی عبادت میں خرچ کرتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو اپنا کپڑا پیشاب سے دھوتا ہے آپ فرمایا کرتے تھے صدقہ گناہوں کا کفارہ اسی صورت میں بنتا ہے جب حلال مال سے ہو۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی ایک کی نماز قبول نہیں فرماتا جب تک اس کے پیٹ میں حرام سے کوئی چیز ہو۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شام میں رزق حلال کی تلاش میں چالیس سال ٹھہرے اور جہاد وغیرہ کے لئے نہیں گئے ان کا قیام "جبل لبنان" میں تھا وہ مباح پھل کھاتے تھے جو کسی شخص کی ملکیت میں نہیں تھے۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت معبد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک مرتبہ اپنے خط (کو خشک کرنے کے لئے اس) پر اپنی پڑوسی کی دیوار سے اس کی اجازت کے بغیر مٹی ملی تو اسی رات کسی کہنے والے کو دیکھا جو کہہ رہا تھا مٹی سے خشک کرنے والے عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کل (قیامت کے دن) اسے برے حساب کا سامنا ہو گا۔

اسلاف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم تقویٰ سیکھنے کے لئے بھی سفر کرتے تھے جس طرح وہ علم اور حج کے لئے سفر کرتے تھے۔

تو اے بھائی! اس بات کو جان لے اور تقویٰ مین باریک بینی سے کام لے اور سلف صالحین کے شبہات کے ساتھ ملنے سے دور ہو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

دنیوی مناصب سے محبت نہ کرنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ وہ دنیوی امور میں سے کسی چیز میں حکومت (سرداری) نہیں چاہتے کیونکہ اس میں بہت مصیبتیں ہیں۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کوئی شخص دوسروں پر برتری اس لئے چاہتا ہے کہ وہ ان کے عیب اور نقائص کا ذکر پسند کرتا اور ان کے ذکر خیر کو ناپسند کرتا ہے تاکہ ان لوگوں پر اس کی سرداری مکمل ہو جائے۔

اس وصف کا محل وہ لوگ ہیں جو ناح قطور پر اس ریاست (سرداری) کے خواہش مند ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لئے اس کا طالب ہے اس کے لئے ممنوع نہیں ہے وہ فرماتے تھے جو شخص لوگوں پر برتری چاہتا ہے وہ کبھی بھی بلند مقام حاصل نہیں کر سکتا۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص وقت سے پہلے سرداری چاہتا ہے اس سے یہ منصب بھاگتا ہے اور جو اس کو چھوڑتا ہے یہ خود اس کے پیچھے آتا ہے۔

حضرت یحییٰ بن حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سناوہ فرماتے ہیں جو شخص وقت سے پہلے سرداری طلب کرتا ہے اس سے بہت ساعلم رہ جاتا ہے اس سے پہلے بھی اس کتاب میں ریاست (سرداری) کے بارے میں تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے وہاں رجوع کیجئے۔ اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

فقر پر خوشی اور مالداری پر غم

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ وہ فقر اور معیشت کی تنگی پر خوش اور مالداری پر غمگین ہوتے جب مالداری آتی۔ آج کے دور میں یہ وصف صرف بعض افراد میں پایا جاتا ہے اور یہ وہ فقرا ہیں جو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کی محبت میں سچے ہیں۔

اور میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے مصر کے مشائخ میں سے ایک جماعت کو پایا کہ فقر اور معیشت کی تنگی کے لئے ان کا سینہ کشادہ ہوتا تھا اور وہ اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر بجالاتے تھے۔

ان بزرگوں میں ہمارے سردار حضرت علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، سیدی محمد بن عنان، سیدی محمد المنیر اور شیخ محمد العدل وغیرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم شامل ہیں۔ اس خلق میں جو لذت ہے وہ مالداری کی لذت سے زیادہ ہے جس طرح ہم نے اسے چکھا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے حمد ہے۔

مگر یہ لذت صرف ان ہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو زہد میں درجہ کمال کو پہنچتے ہیں جس طرح اس سے پہلے کئی بار بیان ہوا۔

رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم زاہدوں کے سردار تھے اور آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم فرماتے تھے:

"اللھم اجعل رزق آل محمد قوتا"۔

ایک روایت میں کفافًا۔

ترجمہ: اے اللہ حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی آل کو حسب ضرورت (کفایت کرنے والا) رزق عطا فرما۔

اور یہ رزق وہ ہے کہ صبح اور شام کے کھانے سے نہ بچے۔

ایک اور حدیث میں ہے:

"من اصبح آمنا فی سربہ (ای نفسہ) معافی فی جسمہ عندہ قوت یومہ فکانہ حیزت لہ الدنیا بخدافیرھا"۔[88]

ترجمہ: جو شخص دل سے ایمان کے ساتھ اور جسمانی عافیت کے ساتھ صبح کرے اور اس کے پاس اس دن کا رزق ہو اس کے لئے دنیا ہر طرف سے جمع کر دی گئی۔

ایک مرتبہ حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا گیا کہ کیا آپ بادشاہ کے پاس نہیں جاتے کہ اس سے کچھ کھانے کے لئے طلب کریں کیونکہ ہمیں ڈر ہے کہ آپ کمزوری کی حالت میں فوت ہو جائیں انہوں نے جواب دیا کہ میں اللہ تعالیٰ سے اس طرح ملاقات کروں کہ میں مومن، کمزور ہوں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ منافق موٹا ہونے کی صورت میں ملاقات کروں۔

ایک مرتبہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ نے اس حکمت کو جسے ہم آپ کی گفتگو میں پاتے ہیں کس طرح پایا انہوں نے فرمایا (ضرورت سے زائد کپڑوں سے)

---

[88] (اتحاف السادۃ المتقین جلد ۸ صفحہ ۵ ا مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ننگے جسم، ڈرنے والے دل اور بھوکے پیٹ کے ذریعے پایا ایک روایت میں ہے کہ میں نے اسے کم کھانے، کم سونے کم گفتگو کرنے اور کل کے لئے کچھ جمع نہ کرنے کے ذریعے پایا۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا لوگوں میں سے کون شخص کفر میں پڑنے کے زیادہ قریب ہے؟ فرمایا وہ شخص جسے فاقہ ہوا اور وہ عیال دار ہو اور صبر بھی نہ کر سکے۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں کہ اس قسم کے شخص کا کفر میں جانا اس طرح ہے کہ وہ ایسے الفاظ استعمال کرے جو بظاہر اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر ناراضگی کا معنی دیتے ہوں۔ واللہ اعلم

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے تھے ایک درہم والے کے مقابلے میں دو درہموں والا دنیا سے زیادہ محبت کرتا ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب تم میں سے کوئی محتاج ہو جائے تو اپنے فقر کو اپنے اور لوگوں کے درمیان نہ رکھے بلکہ اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان رکھے تاکہ لوگوں کی نگاہوں میں حقیر نہ ہو۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کسی بندے کی معیشت تنگ ہونے کے وقت اس کے دل سے پردہ اٹھا دے اور وہ دیکھے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے جنت میں تیار کیا ہے تو وہ اس سے دنیا میں تنگی کے اضافہ کی دعا کرے۔

ایک شخص حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس دس ہزار درہم لے کر آیا تو آپ نے اس سے یہ رقم قبول نہ کی اور فرمایا تو چاہتا ہے کہ تو اپنے ان درہموں کے ذریعے میرا نام فقرا کے رجسٹر سے مٹا دے اور مجھے مالدار لوگوں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں جانے سے روک دے چلا جا اللہ تجھے معاف کرے۔

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اے موسیٰ علیہ السلام جب آپ دیکھیں کہ دنیا آپ کی طرف آرہی ہے تو کہہ دیں کہ کسی لغزش کی سزا میری طرف جلدی آرہی ہے (لوگوں کی تعلیم کے لئے ہے بظاہر خطاب آپ سے ہے)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے تین (قسم کے) لوگ کسی حساب کے بغیر جنت میں جائیں گے ایک وہ شخص جو اپنے کپڑے دھونا چاہتا ہے لیکن کوئی پرانے کپڑے پہننے کے لئے نہیں پاتا دوسرا شخص جس کے چولہے پر دو ہنڈیاں نہیں ہوتیں اور تیسرا وہ شخص جو پانی مانگے تو اس کو نہ کہا جائے کہ ان دو میں کونسا (چاہئے) (زہد کی طرف اشارہ ہے)۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے خواب میں حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو دیکھا کہ وہ دونوں جنت کے دروازے پر کھڑے ہیں میں دیکھتا ہوں کہ ان میں سے کون جنت میں پہلے داخل ہو گا تو وہ یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تھے۔

میں نے وہاں موجود فرشتے سے پوچھا کہ یہ ان سے پہلے کیوں داخل ہوئے اس نے کہا ان کی ایک قمیض تھی اور ان کی (حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی) دو قمیضیں تھیں۔

ایک مرتبہ بصرہ میں آگ لگ گئی اور لوگ اپنا سامان لے کر نکل گئے اور حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صرف قرآن پاک کو اپنے گلے میں لٹکائے ہوئے باہر نکلے اور فرمایا کل ہم اپنی قبروں سے اسی طرح نکلیں گے۔

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے جو شخص مالدار کی عزت اور فقرا کی توہین کرے وہ ملعون ہے کیونکہ فقراء سے محبت کرنا رسولوں علیہم السلام کے اخلاق میں سے ہے اور ان کی صحبت سے بھاگنا منافقین کی صفات میں سے ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجلس میں فقراامرا کی طرح ہوتے تھے۔

ایک دفعہ ایک فقیر آکر آپ سے دور بیٹھ گیا تو انہوں نے فرمایا اے بھائی! قریب ہو جاؤ اگر تم مالدار ہوتے تو میں تمہیں قریب نہ کرتا۔

حضرت ابو حازم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص فقر کا خوف رکھے اس کا عمل آسمان کی طرف نہیں اٹھایا جاتا (قبول نہیں ہوتا) کیونکہ وہ فقر سے اس لئے ڈرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر تہمت لگاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر تہمت لگانے والا اللہ کا دشمن ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

"جاھدوا انفسکم بالجوع و العطش فان الاجر فی ذلک کاجر المجاھد فی سبیل اللہ"۔[89]

ترجمہ: اپنے نفسوں کے خلاف بھوک اور پیاس کے ساتھ جہاد کرو کیونکہ اس پر ثواب اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والے کے ثواب کی طرح ہے۔

---

89 (اتحاف السادۃ المتقین بیان فضیلت الجوع جلد ۷ صفحہ ۳۸۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حدیث شریف میں ہے:

”لاتمیتوا القلب بالطعام والشراب فان القلب کالزرع یموت اذا کثر علیه المآء“۔[90]

ترجمہ: دل کو کھانے اور پینے کے ساتھ موت نہ دو بے شک دل کھیتی کی طرح ہے جب اس میں پانی زیادہ ہو جائے تو وہ تباہ ہو جاتی ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے:

”اذیبوا طعامکم بذکر اللہ“۔[91]

ترجمہ: اپنے کھانے کو اللہ کے ذکر کے ساتھ پگھلا دو۔

ایک اور روایت میں و الصلوۃ و لا تناموا علیه نماز کے ساتھ بھی (کھانے کو پگھلا دو) اور کھانے کے بعد سو نہ جاؤ یعنی ذکر الٰہی کے بغیر (سو نہ جاؤ)۔

”فتقسوا قلوبکم“۔

اس طرح تمہارے دل سخت ہو جائیں گے۔

ایک اور حدیث میں ہے:

”شرار امتی الذین یاکلون مخ الحنطة“۔[92]

ترجمہ: میری امت کے بدترین لوگ وہ ہیں جو گندم کا مغز (میدہ) کھاتے ہیں۔

(مطلب یہ کہ کھانے کے بعد غفلت اختیار کرتے ہیں محض کھانے کی مذمت نہیں)

امیر المؤمنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے پیٹ بھرنے سے بچو یہ زندگی میں بوجھ اور موت کے قریب بدبو ہے۔

---

90 (اتحاف السادۃ المتقین۔بیان فضیلت الجوع جلد ۷ صفحہ ۳۸۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

91 (الجامع الصغیر۔حدیث ۲۰۹ جلد ۱ ۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

92 (الجامع الصغیر۔حدیث ۴۸۵۹ جلد ۱ صفحہ ۲۹۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے عبادت اور بھوک کو جمع کرو (یا اختیار کرو) کیونکہ جب معدہ بھر جاتا ہے تو اعضاء عبادت سے بیٹھ جاتے ہیں۔

جب حضرت فتح موصلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بیماری اور بھوک بڑھ جاتی تو وہ اس پر خوش ہوتے اور زیادہ شکر کرتے۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جس کے پاس حسب ضرورت رزق ہو جو اس کو لوگوں سے بے نیاز کر دے۔

انہوں نے فرمایا اس کے لئے خوشخبری ہے جو صبح بھوکا ہو اور شام کے وقت بھوکا ہو اور اس کا رب اس سے راضی ہو پھر ایک خشک روٹی نکال کر اس کو پانی میں تر کرے اور نمک کے ساتھ کھا لے۔ فرمایا جو شخص دنیا میں سے اس قدر پر راضی ہو جائے وہ لوگوں کا محتاج نہیں ہوتا۔

تو اے بھائی اس بات کو جان لے اور اپنے نیک بزرگوں کی اقتدا کر اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حقوق میں کوتاہی پر غمگین ہونا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں کوتاہی پر بہت غمگین ہوتے ہیں خصوصاً جب وہ قبرستان کو دیکھتے ہیں قیامت کے ہولناک مناظر کو یاد کرتے ہیں اور جب تک اس دنیا میں ہیں فتنہ سے ڈرتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے حضور صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

"لا تقوم الساعة حتی یمر الرجل بقبر الرجل فیقول لیتنی کنت مکان صاحب ھذا القبر"۔[93]

ترجمہ: قیامت قائم نہیں ہوگی حتی کہ ایک شخص کسی آدمی کی قبر سے گزرے گا اور کہے گا کاش میں اس قبر والا ہوتا۔

تو صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اس زمانے کو پائیں اور اس میں صبر نہ کر سکیں اور ان سے ناراضگی کا اظہار ہو جائے پس وہ ہلاک ہو جائیں۔

رسول اکرم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے جب اپنی والدہ ماجدہ کی قبر انور کو دیکھا تو رو پڑے آپ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے پوچھا گیا تو فرمایا مجھ پر بھی وہ ہی رقت طاری ہوئی جو کسی اولاد پر طاری ہوتی ہے اور رسول اکرم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے اپنے رب سے اپنی والدہ کی بخشش طلب کرنے کی اجازت طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے اجازت نہ دی۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں کہ حضرت علامہ حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور دیگر حفاظ (حدیث) نے نقل کیا ہے کہ حضور صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے والدین کو زندہ کیا گیا حتی کہ وہ دونوں آپ پر ایمان لائے پھر قبر میں واپس چلے گئے۔

امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کسی بھی قبر کے پاس سے گزرتے تو روتے حتی کہ آپ کی داڑھی مبارک تر ہو جاتی۔

---

[93] (کنز العمال حدیث ۳۸۴۸۷ جلد ۱۴ صفحہ ۲۲۳ مطبوعہ الموسسۃ الرسالہ بیروت)

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ایک دن ایک مقبرے کے پاس سے گزرے تو اتر کر قبروں کے پاس دور کعتیں پڑھیں آپ سے اس سلسلے میں پوچھا گیا تو فرمایا میں نے دیکھا کہ ان کے اور نماز کے درمیان رکاوٹ ہے تو میں نے اس بات کو پسند کیا کہ ان کے درمیان دو رکعتوں کے ذریعے قرب خداوندی حاصل کروں میں نے زندگی کو غنیمت جانا۔

ضرت مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میت سے سب سے پہلے قبر گفتگو کرتی ہے وہ کہتی ہے میں اجنبیت کا مقام ہوں، میں اندھیری کوٹھڑی ہوں، میں کیڑوں کا گھر ہوں، یہ وہ چیزیں ہیں جو میں نے تیرے لئے تیار کی ہیں تو نے جو کچھ میرے لئے تیار کیا ہے وہ کہاں ہے؟

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب حضرت ھرم بن حبان رضی اللہ عنہ انتقال ہوا تو ایک بادل نے آکر ان کی چارپائی پر سایہ کیا جب ہم نے ان کو (قبر میں) چھپا دیا تو اس نے ان کی قبر پر چھینٹے ڈالے حتی کہ وہ پانی بہہ گیا اور قبر کے ارد گرد ایک قطرہ بھی نہ برسا۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کیا میں تمہیں اپنے فقر کا دن نہ بتاؤں یہ وہ دن ہو گا جب میں قبر میں رکھا جاؤں گا۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ قبروں کے درمیان بہت بیٹھتے تھے آپ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا یہ مجھے آخرت کی یاد دلاتی ہیں اور جب میں ان کے پاس سے اٹھ کر چلا جاتا ہوں تو میری غیبت نہیں کرتیں۔

حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ عنہ قبرستان میں تشریف لے جاتے اور ان لوگوں کو آواز دیتے لیکن وہ جواب نہ دیتے تو اپنے آپ سے کہتے اے جعفر! گویا تم ان کی طرح ہو گئے ہو اور تم بھی آواز دینے والے کو جواب نہیں دیتے پھر نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے اور فجر تک نماز پڑھتے۔

حدیث شریف میں ہے:

"مامن لیلة الا ومنادینادی یا اهل القبور من تغبطون الیوم؟فیقولون تنبط اهل المساجد لانهم یصومون ولا نصوم ویصلون ولا نصلی ویذکرون الله تعالی ولا تذکره"۔[94]

ترجمہ: ہر رات ایک منادی پکارتا ہے اے قبروں والو! آج تم کس پر رشک کرتے ہو وہ کہتے ہیں ہم مسجدوں والے لوگوں پر رشک کرتے ہیں کیونکہ وہ روزہ رکھتے ہیں ہم روزہ نہیں رکھتے وہ نماز پڑھتے ہیں اور ہم نماز نہیں پڑھتے وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر رکتے ہیں ہم اس کا ذکر نہیں کرتے۔

حضرت عطاء اسلمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا طریقہ تھا کہ جب رات چھا جاتی تو آپ قبرستان کی طرف نکل جاتے اور صبح تک ان لوگوں سے باتیں کرتے رہتے۔

حضرت احمد بن حرب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے بے شک زمین ان لوگوں پر تعجب کرتی ہے جو دنیا میں سونے کے لئے بستر تیار کرتے ہیں اور زمین ان سے کہتی ہے کیا تمہیں میرے اندر طویل زمانے تک جاگنا یاد نہیں جب کہ میرے اور تمہارے درمیان بچھونا بھی نہیں ہوگا۔

حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں قبرستان میں داخل ہوا جب وہاں سے نکلنے کا ارادہ کیا تو میں نے ایک غم سے بھرپور آواز سنی کہنے والا کہہ رہا تھا اے ثابت! تجھے ان لوگوں کی خاموشی دھوکے میں نہ ڈالے ان میں سے کتنے ہی لوگوں کو عذاب ہو رہا ہے۔

حضرت محمد بن سلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے بیٹے کی قبر پر کھڑے ہوئے اور کہا یا اللہ! میں نے یوں صبح کی کہ میں اس کے لئے تجھ سے امید بھی رکھتا ہوں اور اس پر خوف بھی محسوس کرتا ہوں

94 (تذکرة الموضوعات صفحه ۲۱۶ مطبوعه کتب خانه مجیدیه ملتان پاکستان)

جس طرح اپنے نفس پر خوف محسوس کرتا ہوں پس اے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے! اس کے بارے میں میری امید کو پورا کر دے۔

حضرت ابو سنان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے بیٹے کی قبر پر کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی یا اللہ! میرے جو حقوق اس پر واجب تھے میں نے معاف کر دیئے اور بخش دیئے پس میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اے کریم! تیرے جو حقوق اس پر واجب تھے وہ معاف کر دے۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے حضرت محمد بن یسار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ان کی موت کے بعد دیکھا تو پوچھا آپ کے وصال کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا سلوک کیا؟

(یہ سن کر) ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا اللہ کی قسم! میں نے خوفناک مناظر اور بہت بڑے نیز سخت زلزلے دیکھے اس کے بعد حضرت مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیہوش ہو کر گر پڑے اور جب بھی یہ واقعہ بیان کرتے آپ کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا ایک دن آپ نے یہ خواب بیان کیا تو آپ پر بیہوشی طاری ہو گئی اور آپ بیمار ہو گئے پھر تین دن کے بعد آپ کا انتقال ہو گیا۔

جب حضرت منصور بن عمار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا انتقال ہوا تو ان کے بعض دوستوں نے ان کو خواب میں دیکھا اور ان کا حال پوچھا نیز اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا اے منصور! میں نے تیرا لوگوں کے ساتھ زیادہ میل جول معاف کر دیا کیونکہ تو لوگوں کو میرا زیادہ ذکر کرنے کی ترغیب دیتا تھا۔

حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مسلسل یوم قیامت کے ہولناک منظر کا ذکر کرتے رہتے اور اپنے احباب سے فرماتے جو ہولناک مناظر تمہارے سامنے ہیں دل مین ان کا خیال لاؤ شاید

موت سے پہلے گناہوں سے توبہ کر لو کیونکہ جو شخص بھی اپنے رب کی نافرمانی کرتا ہے وہ حساب اور سختیوں کا اندازہ لگانا بھول جاتا ہے اور میں تمہیں اور اپنے آپ کو بھی اس دن سے ڈراتا ہوں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے کہ وہ کسی بندے کو اس وقت تک نہیں چھوڑے گا جب تک اس کے تمام اعمال چھوٹے ہوں یا بڑے پوشیدہ ہوں یا ظاہر (سب) کے بارے میں پوچھ نہ لے۔

تو دیکھو تم اللہ تعالیٰ کے سامنے کس بدن کے ساتھ کھڑے ہوگے جب کہ وہاں کھڑا ہونا بہت ہولناک ہے اور کس زبان کے ساتھ جواب دوگے؟ پس سوال کے لئے جواب اور جواب کے لئے نیکی تیار کرو۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کتنی ہی برائیاں ہیں جن کو کل حساب ظاہر کر دے گا۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے قیامت کے دن جہنم کو اس طرح لایا جائے گا کہ اسے ستر ہزار لگاموں کے ساتھ کھینچا جائے گا اور وہ بھینس کی شکل میں ہو گی ان میں سے ہر لگام کو ستر ہزار فرشتے کھینچ رہے ہوں گے اس کے دروازے بند ہوں گے اور ہر دروازے پر سیاہ رنگ کے فرشتے ہوں گے ان کے پاس لمبی لمبی زنجیریں اور بھاری بیڑیاں تار کول کی قمیض اور آگ کے ٹکڑے ہوں گے ان کی آنکھیں اچکنے والی بجلی کی طرح چمکتی ہوں گی۔ ان کے چہروں سے آگ کی طرح شعلے نکلتے ہوں گے ان کی آنکھیں پھٹی پھٹی ہوں گی وہ عرش والے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی وجہ سے اس کی طرف دیکھ نہیں سکیں گے جب آگ (جہنم) قریب ہو گی اور اس کے اور مخلوق کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہو گی تو وہ ایک لمبی سانس لے گی جس سے ہر شخص گھٹنوں پر جھک جائے گا اور اسے

گرج پکڑ لے گی پس اس کا دل اس کے نرغے (حلق) کے ساتھ لٹک جائے گا نہ باہر نکلے گا اور نہ اپنی جگہ جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اسی بات کا بیان ہے:

إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كَاظِمِينَ (المؤمنون ۱۸)

ترجمہ: جب وفور غم سے دل منہ کو آ جائیں گے۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کہیں گے اے اللہ! ہماری خطاؤں کی وجہ سے اپنے بندوں کو ہلاک نہ کر پھر آگ کو عرش کی بائیں جانب رکھا جائے گا اس کے بعد میزان کو لا کر جبار (اللہ تعالی) کے سامنے رکھا جائے گا۔ پھر مخلوق کو حساب کے لئے بلایا جائے گا پس اگر کسی شخص کے پاس سارے انبیاء کرام علیہم السلام کے برابر بھی عمل ہو تو وہ اس دن کی سختی کی وجہ سے یہ خیال نہیں کرے گا کہ اس کی نجات ہو جائے گی۔

حضرت عتبہ غلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تیس سال تک پانی کے ساتھ روٹی کھاتے رہے اور بعض اوقات نمک یا سبزی یا سرکے کو سالن کے طور پر استعمال کرتے تھے اور آپ آٹا گوندھ کر اس کے پیڑے بنا کر دھوپ میں رکھتے جب سخت ہو جاتے تو کھا لیتے اور فرماتے کھانے کا مقصد یہ ہے کہ بھوک کا کتا مجھ سے دور ہو جائے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے صدیقین کی بھوک ان کے لئے غیرت ہے اور زاہدین کی بھوک حکمت ہے۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے بھوک اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے خزانہ میں سے ہے اور وہ اسے صرف ان لوگوں کو عطا فرماتا ہے جن سے محبت کرتا ہے اور وہ فرماتے تھے مجھے عبادت میں زیادہ مٹھاس اس وقت محسوس ہوتی ہے جب میرا پیٹ میری پیٹھ سے مل جائے اور

آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ میں شام کے کھانے سے ایک لقمہ چھوڑ دوں یہ بات مجھے صبح تک قیام لیل سے زیادہ پسند ہے۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے چوتھے آسمان میں دو فرشتوں کی باہم ملاقات ہوئی تو ان میں سے ایک نے دوسرے سے پوچھا تم کہاں سے آئے ہو؟ اس نے جواب دیا مجھے حکم دیا گیا تھا کہ میں سمندر سے ایک مچھلی فلاں یہودی تک پہنچاؤں تاکہ وہ اسے کھائے۔ اس نے دوسرے سے پوچھا تم کہاں سے آرہے ہو اس نے کہا میں زیتون بہانے کے لئے گیا تھا جس کی محمد عابد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو خواہش تھی اس خوف سے (بہادیا) کہ کہیں وہ کھانہ لیں اس طرح ان کا آخرت میں سے حصہ کم ہو جائے گا۔

ایک حدیث شریف میں ہے:

"طوبی لمن هدی للاسلام و کان عیشه کفافا و قنع"۔[95]

ترجمہ: اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جس کو اسلام کی طرف راہنمائی کی گئی رزق حسب ضرورت دیا گیا اور اس نے قناعت اختیار کی۔

کسی بادشاہ نے ایک فقیر کو دیکھا وہ اس کے محل کے سائے میں بیٹھا اور اس نے ایک خشک ٹکڑے کو پانی میں تر کرکے کھایا پھر پانی پی کر سو گیا جب بیدار ہوا تو اسے بادشاہ نے بلایا اور کہا جب تو نے ٹکڑا کھایا اور اس پر پانی پی کر سو گیا تو اپنے رب سے راضی تھا؟ اس نے کہا ہاں۔ اس بات نے بادشاہ پر اثر کیا پھر اس نے بادشاہی چھوڑ کر ٹاٹ پہن لیا اور گوشہ نشینی اور عبادت کے لئے نکل گیا۔

---

[95] (الجامع الصغیر حدیث ۵۳۰۹ جلد ۱ صفحہ ۳۲۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ایک شخص حضرت عامر بن قیس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس سے گزرا اور آپ نمک اور سبزی کھا رہے تھے اس نے کہا اے ابن قیس! آپ دنیا میں سے صرف اسی پر راضی ہو گئے؟

فرمایا لیکن میں تمہیں ایسے آدمی کے بارے میں بتاتا ہوں جو اس سے آسان پر راضی ہوا اس نے کہا ہاں (مجھے بتائیں) فرمایا وہ شخص جو آخرت کے بدلے میں دنیا پر راضی ہو گیا۔

حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خشک روٹی نکال کر اسے پانی اور نمک میں بھگو کر کھا لیتے اور فرماتے جو شخص دنیا میں سے اتنی چیز پر راضی ہو گیا وہ لوگوں کا محتاج نہیں ہوتا۔

جب ہارون الرشید نے حج کیا تو مکہ مکرمہ میں حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا دروازہ کھٹکھٹایا آپ نے اس کے لئے (دروازہ) نہ کھولا۔ حضرت جعفر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا اس کے لئے دروازہ کھولیں جس کی اطاعت آپ پر لازم ہے (یعنی حاکم ہے) حضرت فضیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سمجھ گئے کہ یہ ہارون ہے چنانچہ آپ نے دروازہ کھولا اور دونوں نے آپ میں طویل گفتگو کی۔ پھر ہارون الرشید نے آپ کے لئے دس ہزار دینار کا حکم دیا لیکن حضرت فضیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قبول نہ کئے۔ اس نے کہا مساکین پر تقسیم کر دیں آپ نے فرمایا جس نے ان کو جمع کیا وہ تقسیم کرنے کا زیادہ حق رکھتا ہے پھر اس کی غفلت میں وہاں سے چلے گئے اور اسے وہاں گھر میں چھوڑ دیا اور جب تک ہارون الرشید مکہ مکرمہ سے چلا نہیں گیا۔ حضرت فضیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ظاہر نہ ہوئے۔

اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول پہلے گزر چکا ہے کہ محنت کرو اور لوگوں کا مال کھانے سے بچو کیونکہ جو شخص اپنا ہاتھ کسی دوسرے کے پیالے میں رکھتا ہے وہ ذلیل ہوتا ہے۔

حضرت یزید رقاشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نگاہ جب کسی قبر پر پڑتی تو آپ اس طرح آواز نکالتے جس طرح بیل آواز نکالتا ہے (خوف زدہ ہو جاتے)۔

حضرت حاتم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص قبرستان سے گزرے اور اپنے دل میں غور نہ کرے اور اپنے اور ان کے لئے دعا نہ مانگے اس نے اپنے آپ سے بھی اور ان لوگوں سے بھی خیانت کی۔

حضرت کُرز بن برہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب کسی قبر کو دیکھتے تو رو پڑتے اور فرماتے کاش میری ماں بانجھ ہوتی اس کے بیٹے کو قبر میں دیر تک بند رہنا ہو گا پھر اس (قبر) کے بڑے بڑے ہولناک مناظر ہوں گے جس سے بچے بھی بوڑھے ہو جائیں۔

حضرت حسن بن صالح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب قبرستان کو دیکھتے تو فرماتے تمہارا ظاہر کتنا اچھا ہے مصائب تمہارے اندر ہیں۔

حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے قبر اس شخص کے لئے جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے جو اس کو یاد کرے اور جو اس کو بھول جائے اس کے لئے جہنم کا گڑھا ہے۔

حضرت ربیع بن خیثم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے گھر میں قبر کھودی آپ جب بھی اپنے دل میں کوئی سختی محسوس فرماتے اس میں اتر کر اپنے معاملے میں اور قیامت کے دن جن مصائب کا سامنا ہو گا ان کے بارے میں سوچتے رہتے تھے صبح تک یہی سلسلہ رہتا۔ ایک مرتبہ اس (قبر) میں اتر گئے اور اس ارشاد خداوندی کو بار بار پڑھتے رہے:

قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ (۹۹) لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا (المؤمنون ۱۰۰)

ترجمہ: تو وہ (کافر) کہے گا اے میرے رب! مجھے واپس بھیج دے تاکہ میں اچھا عمل کروں۔

پھر فرمایا اے ربیع! ہم نے آپ کو واپس کر دیا اب دنیا میں ہو نماز کے لئے کھڑے ہو جاؤ پس آپ کھڑے ہو جاتے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (مشہور) شاعر فرزدق کی بیوی کے جنازے کے لئے تشریف لے گئے تو آپ نے فرزدق سے پوچھا اے فرزدق! تم نے اس دن کے لئے کیا تیار کیا ہے؟
اس نے کہا میں نے اس دن کے لئے ساٹھ سال سے اس بات کی گواہی تیار کر رکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اللہ کے رسول ہیں۔
حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا اے فرزدق! اگر تجھے اس پر موت آگئی تو تو نے کامیابی پائی۔
حضرت حوشب بن مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس آئے اور فرمایا میں نے رات کو (خواب میں) دیکھا ہے کہ منادی اعلان کر رہا ہے اے لوگو! کوچ کرو۔ کوچ کرو۔
تو میں نے حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علاوہ کسی کو جلدی جلدی کوچ کرتے ہوئے نہیں دیکھا (اس پر) حضرت مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے چیخ ماری اور بیہوش ہو کر گر پڑے۔
حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میرا ایک بھائی فوت ہو گیا میں نے اس کی وفات کے بعد اسے دیکھا تو پوچھا اللہ نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے میرے وہ تمام گناہ بخش دیئے میں نے جن کے لئے بخشش مانگی اور جن کے لئے بخشش نہیں مانگی وہ نہیں بخشے۔
حضرت صالح بن بشیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے حضرت عطاء اسلمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ان کے وصال کے بعد دیکھا تو میں نے کہا اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے آپ دنیا میں بہت غمگین

رہتے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ انہوں نے فرمایا اس غم کے بعد مجھے طویل راحت اور شدید خوشی حاصل ہوئی۔

وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وصال کے بعد ان کو دیکھا تو میں نے پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ انہوں نے فرمایا میں نے فرائض کی ادائیگی سے افضل کوئی چیز نہیں دیکھی پس تم پر یہ لازم ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے مجھے یہ بات پسند ہے کہ میری نیکیاں میرے گناہوں سے بڑھ جائیں اگرچہ یہ اضافہ ذرے کے برابر ہی ہو۔ اور اگر وہ مجھے جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑا کریں اور کہیں تمنا کرو کیا چاہتے ہو؟ تو میں تمنا کروں گا کہ مٹی ہو جاؤں۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر مجھے اختیار دیا جائے کہ مجھے اٹھا کر حساب وکتاب کے بعد جنت مین دخل کیا جائے تو میں اس بات کو اختیار کروں گا کہ مجھے نہ اٹھایا جائے۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے حساب کے خوف نے میرے جسم پر گوشت نہیں چھوڑا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے جب نافرمان لوگ جہنم کی طرف جائیں گے اور وہ پیاسے ہوں گے تو ان کو سب سے پہلے بچھوؤں اور سانپوں کے زہر کا تحفہ دیا جائے گا اس سے ان کے جسم پگھل جائیں گے۔ والعیاذ باللہ تعالی۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ ارشاد خداوندی: لَيۡسَ لَهُمۡ طَعَامٌ إِلَّا مِن ضَرِيعٍ (الغاشية٦)(ترجمہ: ان (اہل جہنم) کے لئے صرف کانٹوں سے کھانا ہو گا) کے بارے میں فرماتے

ہیں یہ خشک کانٹے ہوں گے جو ان کے حلق میں پھنس جائیں گے اور اگر ان کے آنسوؤں میں کشتیاں چلائی جائیں تو چل پڑیں۔

اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے کتنے ہی روشن چہرے اور فصیح زبانیں مٹی کی تہوں میں چیخ رہے ہیں۔ خوف کے بارے میں بزرگوں کے اقوال بہت زیادہ ہیں اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

مریدین کی زیادہ سے زیادہ تربیت کرنا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ مریدین کی تربیت کے لئے اس ادب کو زیادہ اختیار کرتے جو ادب اللہ تعالیٰ نے اپنے مقرب بندوں انبیاء کرام و مرسلین عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام، اولیاء و صلحاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کو پہلی کتابوں میں سکھایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مرید کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے (تقویٰ) کا حکم ہر شریعت میں دیا گیا۔

خاتمہ کتاب

اور ہمارے سردار حضرت علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہماری شریعت پر تورات سے گواہی پیش کر کے کھٹکھٹاتے اور زجر و توبیخ کے امور بتاتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی حضرت داؤد علیہ السلام کو خطاب کیا اور مراد دوسرے لوگ ہیں۔

اس کی مثال ہمارے نبی حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کے حوالے سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَئِنۡ أَشۡرَکۡتَ لَیَحۡبَطَنَّ عَمَلُکَ (الزمر ٦٥)

ترجمہ: اگر آپ نے شرک کیا تو آپ کا عمل ضائع ہو جائے گا۔

اور فرمایا:

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ الله (الأحزاب ١)

ترجمہ: اے نبی! اللہ سے ڈریں۔

(ان آیات میں حضور صَلَّى اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو خطاب ہے لیکن حکم امت کے لئے ہے آپ کے لئے نہیں)۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہم سے فرماتے تھے غیبت کرنے والوں کی مجلس اور چغلی کھانے والوں کی صحبت سے بچو۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی:

اے داؤد علیک السلام اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جو خطاکاروں کی جگہ پر کھڑا نہیں ہوتا۔ نہ استہزاء (مذاق) کرنے والوں کی مجلس اختیار کرتا ہے، نہ غیبت کرنے والوں کے ساتھ بیٹھتا ہے اور نہ چغل خوروں سے دوستی لگاتا ہے۔

اے داؤد علیک السلام! جو شخص لوگوں کے عیبوں کا ذکر کرتا ہے یا ان کو ذکر کرنے کا ارادہ کرتا ہے میں اسے قیامت کے دن لوگوں کے سامنے ذلیل کروں گا۔

اے داؤد علیک السلام! جو شخص نگاہ جھکائے، شرمگاہ کی حفاظت کرے اور زبان کی بھی حفاظت کرے وہ میرے نزدیک مقربین لوگوں میں سے ہے۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے حضرت شیخ علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا آپ بعض علماء سے فرمارہے تھے اے بھائی! تم پر نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا لازم ہے یہ علم کی زکوۃ ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی۔

اے داؤد علیک السلام! جب علماء نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کا عمل چھوڑ دیں گے تو ان کی ہیبت ختم ہو جائے گی اور یہ ہیبت بیوقوف اور برے لوگوں میں چلی جائے گی۔ ان لوگوں کے لئے خوشخبری ہے جو لوگوں سے الگ تھلگ رہتے ہیں ان کے عیبوں سے خاموش رہتے ہیں۔

اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جو رات کے وقت بستر کو چھوڑ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور سخت سردی میں مجھ سے ہم کلام ہوتا ہے۔

جب کہ لوگ اپنے لحافوں میں سوئے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کے لئے خوشخبری ہے جو میری بڑائی بیان کرتے ہیں اور مجھ سے ڈرتے ہوئے حرام شرمگاہوں کی طرف نہیں دیکھتے۔

اے داؤد علیک السلام! زناکاروں کے ساتھ میں سب سے ہلکا سلوک کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ میں ان کے چہروں سے تروتازگی کو لے جاتا ہوں اور ان کی زندگیوں سے برکت کو مٹا دیتا ہوں۔

اے داؤد علیک السلام! بنی اسرائیل سے فرما دیجئے کہ تم مجھ سے غافل ہو اور قلمیں چل رہی ہیں میں غافل نہیں (اعمال لکھے جا رہے ہیں) ان لوگوں سے فرما دیجئے جو گناہوں کے وقت دروازے بند کر دیتے ہیں اور پردے لٹکا دیتے ہیں اگر میں چاہوں تو ان کو ہلاک کر دوں اور ان کو زمین میں دھنسا دوں۔

اے داؤد علیک السلام! بنی اسرائیل سے فرما دیں وہ مجھ سے ڈریں میں ان کے چہروں کو ہیبت اور قبولیت کا لباس پہنا دوں گا اور ان کے دشمنوں کو ان کے قدموں کے نیچے کر دوں گا جس طرح مینڈھا چھری کے نیچے ہوتا ہے۔

اے داؤد علیک السلام! میں جس شخص سے محبت کرتا ہوں تو اس (محبت) کی علامت یہ ہے کہ وہ گفتگو کم کرتا ہے اور استغفار زیادہ کرتا ہے۔

اے داؤد علیک السلام! مومنوں کے حرمات سے اپنی نگاہوں کو جھکائیں آپ کے پاس دنیا رغبت کرتی ہوئی آئے گی۔

اے داؤد علیک السلام! میری ناراضگی نے ان زانیوں کو گھیر لیا جو مومنوں کی عزتوں کو خراب کرتے ہیں۔

اے داؤد علیک السلام! بنی اسرائیل سے فرمادیں پوشیدہ طور پر بھی میری نافرمانی نہ کریں اور مجھے بندوں سے ہلکا نہ سمجھیں (کہ ان سے چھپنا ضروری سمجھتے ہیں) بے شک میں ان کو جہنم میں عذاب دوں گا۔

اور میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے ان (حضرت علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) سے اکثر سنا وہ فرماتے تھے بعض اوقات بندوں کو نعمتیں دی جاتی ہیں اور اس طرح وہ آہستہ آہستہ یذاب کی طرف جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ آپ عقلمند لوگوں سے فرمائیں جو مجھ سے ڈرتے ہیں جب میں ان کو مسلسل نعمتیں عطا کروں اور وہ روئیں جبکہ ان کو زیادہ نعمتیں ملیں تو یہ ان کے لئے آہستہ آہستہ عذاب کی طرف جانا ہے اگر میں ان سے محبت کرتا تو ان کو دنیا سے فارغ کردیتا۔

اے داؤد علیک السلام! جو میری نافرمانی کرتا ہے وہ میری تعظیم نہیں کرتا۔

اے داؤد علیک السلام! جب تمہارے پاس خوبصورت عورت گزرے تو قیامت کے دن میرے سامنے پیشی کو یاد کرو۔

اے داؤد علیک السلام! جو شخص مجھ سے اس صورت میں ملاقات کرے کہ وہ میرے غیر کا خیال کرتا ہو میری رعایت سے محروم ہو جائے گا۔

اے داؤد علیک السلام! بنی اسرائیل سے فرمادیں کہ لوگوں کی عزتوں میں نہ پڑیں، کیونکہ ان کی عزتوں پر حملہ کرنے سے دل اندھا اور مردہ ہو جاتا ہے۔

اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جو اپنی ذات میں عیب دیکھتا اور اصلاح کرتا ہے۔

اے داؤد علیک السلام! سب سے تعلق توڑ کر مجھ سے تعلق جوڑ لو تمہارے سامنے بادشاہوں کے سر بھی جھکادوں گا اور تمہارے چہرے کو ہیبت کا لباس پہنادوں گا۔

اے داؤد علیک السلام! اپنے باطنی کپڑوں کو پاک رکھیں کیونکہ (محض) ظاہر تمہیں میرے ہاں کوئی فائدہ نہیں دے گا۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے شیخ (سیدی علی الخواص) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا وہ ایک تاجر سے جس سے دنیا پھر گئی تھی فرمارہے تھے تجھے بھلائی کی خوشخبری ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت کرتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ:

اے داؤد علیک السلام! قیامت قائم نہیں ہو گی حتیٰ کہ معزز لوگ ذلیل ہو جائیں اور ذلیل لوگ بلند مرتبہ ہو جائیں۔ میری کتاب کو چھوڑ دیا جائے اور اسے پڑھا نہ جائے نافرمان اور فاجر لوگوں کا رزق زیادہ ہو جائے اور اطاعت گزار فاضل مومن کا رزق کم ہو جائے جب معاملہ یوں ہو جائے گا تو اس زمانے کے لوگوں کے دلوں میں دنیا کی محبت آجائے گی اور آخرت کی محبت روک دی جائے گی جب وہ اس طرح کریں گے تو میں ان پر سزا کی تلوار مسلط کر دوں گا (چیزوں کے) نرخ بڑھ جائیں

گے چھوٹا، بڑی کی عزت نہیں کرے گا اور میں ان کو فسق فجور میں مبتلا کر دوں گا اور میرے نزدیک ان کی یہ سزا ہو گی۔

اے داؤد علیک السلام! کتنی ہی فصیح زبانیں ہیں جن کو میں موت کے وقت کلمہ شہادت سے گونگی کر دیتا ہوں کیونکہ وہ لوگوں کی عزتوں کے پیچھے پڑتے ہیں۔

اے داؤد علیک السلام! بنی اسرائیل سے فرمادیں کہ اگر تم میرے لئے اپنے باپوں، بھائیوں اور اولاد کو نہیں چھوڑو گے تو میں تمہاری نماز قبول نہیں کروں گا۔

اے داؤد علیک السلام! بنی اسرائیل سے فرمادیں موت سے پہلے وہ چیزیں واپس کر دو جو تمہارے ذمہ ہیں میں نے اپنی ذات کی قسم کھائی ہے کہ جن لوگوں کے ذمہ دوسروں کے حقوق ہیں ان کو اس طرح اٹھاؤں گا کہ ان کے گلے میں آگ کا طوق ہو گا وہ اسے ہر حق کے بدلے ایک داغ لگائے گا۔

اے داؤد علیک السلام! ایسا نہیں ہے کہ ہر نماز پڑھنے والا کی نماز قبول ہو اور جو بھی عبادت کرے اس کی عبادت اوپر اٹھالی جائے۔(یعنی قبول ہو)

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے حضرت شیخ علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا آپ بعض بھائیوں سے فرمارہے تھے:

اے بیٹے! تجھ پر اللہ تعالیٰ سے ڈرنا (تقویٰ) لازم ہے اور اپنے رب کی نافرمانی سے بچو یہ سمجھنا کہ میرا رب غفور ورحیم ہے (اور گناہ کرتے رہنا) نفس کی گمراہی اور شیطان کا مکر ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اے داؤد علیک السلام! بنی اسرائیل سے فرمادیں کتنی ہی راتیں ہیں جن میں تم نے واضح طور پر میری نافرمانی کی پھر صبح تم اس کو

چھوڑے بغیر استغفار کے ذریعے مجھ سے دھوکہ کرتے ہو۔ جس طرح کوئی شخص تم سے غائب ہو تو تم اس سے مکر اور فریب کرتے ہو۔

اے داؤد علیک السلام! بنی اسرائیل سے فرمادیں اپنی نگاہوں کی حفاظت کرو کتنے ہی لوگ ہیں جو اپنے بھائی کو بے حیائی کے کام میں دیکھتے ہیں پھر اسے پھیلاتے ہیں حالاکہ انہوں نے اس سے بڑا گناہ کیا ہوتا ہے لیکن میں ان کو رسوا نہیں کرتا اگر میں چاہتا تو ایسے شخص کو رسوا کرتا۔

اے داؤد علیک السلام! جو شخص میری رضاجوئی کے علاوہ علم حاصل کرے میں اس کو جہنم میں داخل کروں گا۔

اے داؤد علیک السلام! جو شخص گناہ کرکے لوگوں سے چھپاتا ہے تو کیا وہ مجھ سے بھی چھپا سکتا ہے۔

اے داؤد علیک السلام! ان لوگوں کے لئے خوشخبری ہے جو علیحدگی میں میری نافرمانی کرتے ہوئے حیا کرتے ہیں۔

اے داؤد علیک السلام! بہت رونے والوں کی صحبت اختیار کریں اور جھوٹے لوگوں کو چھوڑ دیں اور بنی اسرائیل میں سے نافرمان لوگوں سے فرمادیں تم کس طرح لوگوں سے حیا کرتے ہو اور مجھ سے حیا نہیں کرتے اور ان لوگوں کے جلال سے میرا جلال زیادہ ظاہر ہے کیونکہ میں ان کا آقا ہوں۔

میں (مصنف علیہ الرحمہ) نے ایک مرتبہ حضرت سیدی علی الخواص علیہ الرحمہ سے سنا کہ وہ ایک ایسے شخص کو جس کی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی فرمارہے تھے تم یوں کہو اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اہل واولاد میں مشغول نہیں کیا۔

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اے داؤد علیک السلام! اولاد طلب نہ کریں ہر اولاد نفع نہیں دیتی۔ کتنی ہی اولاد باپ کو اپنے رب سے غافل کر دیتی ہے اور اس کی قبر میں آگ کے شعلوں کا باعث بنتی ہے۔

اے داؤد علیک السلام! تم لوگوں کی عدم موجودگی میں میرے حکم کی حفاظت کرو میں مخلوق کی موجودگی میں آپ کی حفاظت کروں گا۔ میرا ذکر زیادہ کرو میں تمہارا رزق زیادہ کروں گا۔

اے داؤد علیک السلام! جو آپ کے خلاف سرکشی کرے آپ اس سے بدلہ نہ لیں اس طرح میری مدد آپ کو حاصل نہ ہو گی۔

اے داؤد علیک السلام! بنی اسرائیل سے فرمادیں کہ تم میں سے کوئی ایک جب نافرمانی کرتا ہے تو وہ اس بات سے نہیں ڈرتا کہ میں اسے توبہ کرنے سے پہلے اسی حالت میں موت دے دوں اور وہ مجھ سے اس حالت میں ملاقات کرے کہ میں اس پر غصہ میں ہوں پس میں اس کو جہنم میں داخل کروں اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

اے داؤد علیک السلام! اگر میں چاہتا تو آسمان کو حکم دیتا کہ وہ نافرمان آدمی پر جائے یا زمین کو حکم دیتا کہ وہ اسے نگل لے۔

اے داؤد علیک السلام! بنی اسرائیل سے فرمادیں کہ جب تم گناہ کا ارادہ کرو تو جہنم کی طرف لے جانے والے فرشتوں کے دبدبہ اور جہنم کے مختلف طبقات میں بیڑیوں کی تنگی کو یاد کرو۔

اے داؤد علیک السلام! اگر میرے بندوں کو میرے اس غضب کی اطلاع ہو جائے جو میں ان پر کرتا ہوں جب وہ میری نافرمانی کرتے ہیں تو وہ مر جائیں لیکن میں نے ان پر رحمت کرتے ہوئے اپنے غضب کو ان سے چھپا رکھا ہے۔

اے داؤد علیک السلام! اپنار خسار مٹی پر رکھ کر مجھ سے مناجات کریں۔

اے داؤد علیک السلام! آپ کے باپ حضرت آدم علیہ السلام میرے نزدیک سب لوگوں میں سے زیادہ معزز ہیں انہوں نے حرام شرمگاہ کو نہیں چھوا کسی کو قتل نہیں کیا میں نے ان کو درخت کے پھل سے کھانے سے منع کیا اور انہوں نے بھول کر کھالیا تو ان کے بدن سے لباس اڑ گیا ان کے سر سے تاج گر گیا اور میں نے ان کو ندامت کی جگہ کھڑا کیا۔ تو اس شخص کی کیا حالت ہو گی جو حرام شرمگاہ تک جاتا ہے اور کسی نفس کو قتل کرتا ہے میری ذات پاک ہے۔

اے مخلوق! میں تم پر کس قدر مہربان ہوں اور تم مجھ سے کتنا کم حیا کرتے ہو جب تم میری نافرمانی کرتے ہو اور میں تمہیں دیکھ رہا ہوتا ہوں اگر میرے بندوں میں سے کوئی ایک تمہیں دیکھ لے تو تم اس سے حیا کرتے ہوئے پگھل جاؤ حالانکہ مجھ سے حیا کرنا ضروری ہے۔

اے داؤد علیک السلام! کیا وجہ ہے کہ میں آپ کو مطمئن دیکھتا ہوں آپ رونے والوں کے ساتھ روتے کیوں نہیں نوحہ کرنے والوں کے ساتھ نوحہ کیوں نہیں کرتے اگر آپ جہنم اور اس کے فرشتوں کو دیکھ لیں اور جو کچھ میں نے زانی لوگوں کے لئے تیار کیا اسے دیکھ لیں تو اس طرح پگھل جائیں جس طرح آگ میں سیسہ پگھل جاتا ہے۔

اے داؤد علیک السلام! برف میں اوندھے منہ عبادت کرنا، آپ کے لئے حساب وکتاب کی خاطر میرے سامنے پیش ہونے اور جرح کرنے سے زیادہ آسان ہے مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم ہے جن لوگوں پر کسی کا دعویٰ ہے میں ان کو ضرور کھڑا کر کے رائی کے دانے کے برابر چیز کا سوال بھی کروں گا۔

اے داؤد علیک السلام! آپ بنی اسرائیل سے فرمادیں تم نظر بچا کر زنا کرتے ہو گویا تم صرف اپنی نظروں میں ہو (اور) میں تمہیں دیکھ نہیں رہا۔

اے داؤد علیک السلام! جو شخص علیحدگی میں میری نافرمانی کرتا ہے میں مخلوق کو اس کے برے اعمال پر مطلع کر دیتاہوں اس کو رسوا کرتاہوں اور جہنم میں داخل کرتا ہوں۔

میں (مصنف علیہ الرحمہ) نے حضرت شیخ علی الخواص علیہ الرحمہ سے زبور کے جو مواعظ سنے وہ مکمل ہو گئے اور میں نے ان تمام مواعظ کو ایک کتاب میں جمع کیا ہے پس اس کو دیکھیں اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

یہ بیان (مواعظ زبور کا بیان) اس کتاب "تنبیه المغترين اواخر القرن العاشر على ما خالفوا فيه سلفهم الطاهر" کا آخر ہونا چاہئے اور تمام تعریفیں اللہ تعالی کے لئے ہیں جس نے اس کی طرف ہماری راہنمائی فرمائی اور اگر ہمیں اللہ تعالیٰ ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت نہ پاسکتے۔

میں نے جب کتاب کا خطبہ شروع کیا تو میرے سامنے بہت بڑی رکاوٹ تھی کیونکہ میرے پاس وہ مواد نہ تھا جس سے میں کتاب میں مدد لیتا تو میرے پاس ایک شخص ایک پرانی کتاب لایا جس کے ابتدائی اوراق نہیں تھے وہ کوفی خط میں تھی اور اس پر تاریخ کتابت پانچ صد ہجری اور کچھ اوپر لکھی ہوئی تھی میں نے اس کو سلف صالحین صحابہ کرام اور تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے احوال سے پُر پایا۔

اور میں نے دیکھا کہ اس کے مولف، حضرت وکیع بن جراح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کرتے ہیں جو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہم عصر ہیں اس سے مجھے بہت خوشی حاصل ہوئی پس میں نے اس کے ذریعے اس کتاب کے اخلاق کو مضبوط اور مزین کیا گویا جو اس کا مطالعہ

کرے گا اسے صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم کی صحبت حاصل ہو گی اور وہ ان کے اقوال، افعال، تقویٰ، زہد، خوف اور خشیت کو دیکھے گا۔

اور ہم نے کتاب کے خطبہ میں ذکر کیا ہے کہ جو شخص انصاف کی نگاہ سے اس کا مطالعہ کرے گا تو وہ دیکھے گا کہ وہ ان صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق سے اس طرح نکل گیا ہے جس طرح سانپ اپنے لباس سے نکل جاتا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ اپنے فضل سے اس کتاب کے ذریعے (ہمارے) بھائیوں کو نفع عطا فرمائے اور بعد والے لوگوں کو بھی، اور ہمارا اور ان کا اچھا خاتمہ فرمائے اور اس دنیا سے جاتے ہوئے ہمارا آخری کلام "اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمد رسول اللہ" ہو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہمارے آقا حضرت محمد صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ اور آپ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے تمام آل واصحاب پر ہو۔ ہم عنقریب کلام مولف (مذکورہ بالا) کے کچھ اخلاق عالیہ کا ذکر کریں گے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائے گا تم میرے اور اپنی اولاد کے درمیان فیصلہ کرنے والے ہو جس کی نیکی اس کے شر سے ایک ذرہ کے برابر بھی زیادہ ہو وہ جنت میں داخل ہو گا تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ میں صرف اسی کو عذاب دیتا ہوں جو اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَ الْأَبْصَارُ (النور ۳۷)

ترجمہ: اس میں دل اور آنکھیں پھر جائیں گی۔

اس کی تفسیر میں حضرت مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے دلوں کے پھرنے سے مراد ان کا اپنی جگہوں سے نکلنا ہے اور آنکھوں کا پھرنا یہ ہے کہ وہ سرمگیں ہونے کی بجائے نیلی ہوں اور بینائی کی جگہ اندھاپن ہوگا اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

حسن ظن

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے یہ بات بھی ہے کہ جو شخص ان کو ناپسند کرتا ہے وہ اس کے بارے میں یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ حق پر ہے اور سچا ہے کیونکہ وہ اپنے نفسوں کی پاکیزگی بیان کرنے اور عیب سے بری قرار دینے سے ڈرتے ہیں اگر وہ یہ کہیں کہ ان کو ناحق طور پر ناپسند کیا گیا ہے۔

اور میرے بھائی شیخ افضل الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو جب یہ خبر پہنچتی کہ کوئی شخص ان سے ناپسندیدگی کا اظہار کرتا ہے اور ان پر اعتراضات کرتا ہے تو فرماتے اللہ کی قسم! اس شخص کا دل روشن ہے جس نے میرے باطنی نقص اور میں جن برائیوں میں لپٹا ہوں جن کے ذریعے میں اپنے رب کو دھوکہ دے رہا ہوں کو پالیا اور سمجھ گیا۔

اسی طرح جب ان کے دل میں کسی مسلمان کے خلاف ناپسندیدگی کا خیال آتا ہے تو وہ اپنے دل سے جھگڑتے اور کہتے کہ تیرا اپنے بھائی کو ناپسند کرنا ناحق بات ہے تو اس کو اچھی باتوں پر کیوں محمول نہیں کرتا تو جب ان میں سے کسی کو کوئی ناپسند کرتا یا وہ کسی کو ناپسند کرتے تو وہ اپنے نفس کو اس کا ذمہ دار ٹھہراتے۔

تمام صالحین اسلاف کا یہی طریقہ رہا وہ اپنے نفسوں کو ہر چیز میں تہمت لگاتے جب وہ اس میں کسی مقام یا حال کے حوالے سے سچائی کا دعویٰ کرتا ان میں سے ایک اپنے نفس سے کہتا اے سن! اگر

میں تیری طرف ریاکاری اور منافقت کی نسبت کرنے میں جھوٹا ہوں تو تو اس غریب کے بارے میں کیا کہے گا جس نے تیرے اندر یہ وصف بیان کیا تیرے لئے جائز نہیں کہ تو اسے جھوٹ کی طرف منسوب کرے ہاں شرعی طریقے پر کر سکتا ہے اور وہ طریقہ تیرے پاس نہیں ہے۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ایک سال میری حالت یہ رہی کہ میرا نفس مجھ سے اخلاص کے دعویٰ میں جھگڑتا رہا اور میں اس سے کہتا رہا تو جھوٹ بولتا ہے حتی کہ ایک دن میں بصرہ کی ایک تنگ گلی سے گزر رہا تھا اور وہاں ایک عورت دوسری عورت سے کہہ رہی تھی اگر تو کسی ریاکار آدمی کو دیکھنا چاہتی ہے تو حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو دیکھ لے۔ فرماتے ہیں مجھے اس بات پر خوشی ہوئی جس کے ذریعے میں اپنے نفس پر غالب آگیا اور میں نے اس سے کہا:

اے میرے نفس! اس نیک عورت سے اپنا قبیح لقب سن لے اس کے بعد فرماتے تھے جو شخص کسی ریاکار کو دیکھنا چاہے وہ مجھے دیکھ لے (تواضع اور کسر نفسی کے طور پر فرماتے)۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر میں اپنے ریاکار ہونے پر قسم کھاؤں تو یہ بات مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ ریاکار نہ ہونے پر قسم کھاؤں اور آپ اکثر اپنے نفس پر غصہ فرماتے اور اسے جھڑکتے تھے اور فرماتے تھے اے فضیل تو اپنی جوانی میں فاسق گناہ گار تھا اور بڑھاپے میں ریاکار منافق ہو گیا اللہ کی قسم! فاسق اور گناہ گار کا گناہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ریاکار اور منافق کے گناہ سے کم ہے کیونکہ گناہ گار اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا منتظر ہوتا ہے لیکن ریاکار اور منافق کا یہ حال نہیں ہے کیونکہ یہ گناہ ہے جس کا بندے کو بہت کم شعور ہوتا ہے کہ وہ اس سے توبہ کرے پس اس بات کو جان لو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

حاسدین کے مناقب ذکر کرنا

ان صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ وہ اپنے ان ہم عصر لوگوں کے مناقب بھی ذکر کرتے ہیں جو ان کو ناپسند کرتے اور ان کا ان سے حسد کرنا اور دشمنی رکھنا ان (صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) کو ان کے ذکر خیر سے نہیں روکتا۔

حضرت عمرو بن عاص اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کے درمیان کوئی بات تھی لوگوں نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا تو انہوں نے اچھے کلمات کے ساتھ ان کی تعریف کی ان سے کہا گیا کہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ تو آپ کو پسند نہیں کرتے انہوں نے فرمایا ہمارے درمیان جو اختلاف ہے وہ ہمارے دین تک نہیں پہنچا۔

اور الحمد للہ! میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) اس وصف سے موصوف ہوا میں ان فقراء اور علماء کے مناقب بیان کرتا ہوں جو مجھ سے دشمنی رکھتے ہیں اور حسد کرتے ہیں کیونکہ میں ان کو دیکھتا ہوں اپنے آپ کو نہیں دیکھتا پس میں اپنی ذات کے لئے کسی مسلمان سے دشمنی نہیں کرتا وہی لوگ مجھ سے دشمنی کرتے ہیں کیونکہ میں ان کے بارے میں وہ بات ظاہر نہیں کرتا جو دشمنی کو واجب کرے مثلاً نماز چھوڑنا، شراب پینا یا جب لوگ ان کی پیٹھ پیچھے ان کے نقائص بیان کریں تو ان لوگوں کی مدد کرنا ان سے دنیوی امور میں ٹکراؤ اختیار کرنا (میں یہ سب کام نہیں کرتا) حالانکہ وہ مجھ سے سخت عداوت رکھتے ہیں۔

اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مجھ پر مہربانی کی دلیل ہے کیونکہ عام لوگ اپنے دشمن کا نام بھی اپنی زبان پر لانا پسند نہیں کرتے چہ جائیکہ اپنے زمانے کے لوگوں کے درمیان ان کی خوبیاں بیان کریں۔

ہم نے اپنی کتاب "المنن" میں ان کی ایذا رسانیوں میں سے کچھ باتیں بیان کی ہیں ان میں سے بعض نے کئی مرتبہ مجھے قتل کرنے کی کوشش کی بعض نے مجھے مصر سے نکالنے کی کوشش کی بعض نے میری کتب میں ایسے عقائد داخل کر دیئے جو اہل سنت وجماعت کے خلاف ہیں اور مصر اور حجاز میں ان کو شائع کر دیا جس طرح ہم نے اس کتاب کے خطبہ میں اشارہ کیا ہے۔

ان میں سے بعض نے بات علی باشت جو مصر کے امور کا وزیر تھا کے پاس میرے بارے میں ایسی من گھڑت باتیں بیان کی جن کو کوئی مومن زبان پر نہیں لا سکتا۔ یہ تمام اذیت ناک باتیں جو میرے بارے میں واقع ہوئیں کا دار و مدار اہل مصر میں سے تین اشخاص پر ہے جو علم اور نیکی کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور تینوں اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچ کے ہیں اور دونوں جہانوں میں ان کے ذمہ داری سے میں نے برآت اختیار کر لی ہے۔

میں نے یہ باتیں صرف اس لئے ذکر کی ہیں تا کہ میرے بھائی اپنے زمانے کے لوگوں سے اذیتیں برداشت کرنے میں میری اقتداء کریں حالانکہ تینوں افراد ایک دوسرے کو ناپسند کرتے تھے لیکن وہ تین علم اور بھلائی کے نام پر میرے خلاف متفق ہو گئے اور انہوں نے مجھے طرح طرح کی تکالیف پہنچائیں جب کہ تمام اہل مصر نے مجھے ٹھنڈک اور سلامتی پہنچائی۔

میں نے "طبقات العلماء والصوفیہ" میں ان تینوں کا ذکر کرنے میں مبالغہ کیا اور ان کا ذکر اچھے انداز میں کیا یعنی میں نے ان کے رویہ کے برعکس راستہ اختیار کیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے عفو و درگزر اور چشم پوشی کا وصف عطا کیا میں نے اس کا اظہار کیا نیز یہ کہ میرے بھائی میرے راستے پر چلیں اور میرے علم کے مطابق میرے ہم عصر لوگوں میں سے کوئی بھی (عفو و درگزر کے) اس راستے پر نہیں چلا۔

بلکہ ان میں سے بعض کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے اپنے دشمنوں کا مقابلہ اسی انداز میں کیا جیسا ان لوگوں نے سلوک کیا تھا۔

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہمیں اس اخلاق محمدی صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے وصف سے موصوف فرمایا اور ہمیں ان لوگوں میں سے کیا جو برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ معاف کرتے ہیں اور درگزر کرتے ہیں۔ اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا

ان صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ جب وہ کشف کے ذریعے اس بات پر مطلع ہو جاتے ہیں کہ مستقبل میں ان سے کوئی گناہ صادر ہونے والا ہے تو وہ اپنے آپ کو بارگاہ خداوندی میں پیش کر دیتے ہیں۔ اور اپنی قوت وطاقت سے برأت کر لیتے ہیں اور ان کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ وہ اپنی دعا اور سجدے میں کہتے ہیں:

یا اللہ! جس بات پر میں مطلع ہوا ہوں اگر یہ تقدیر الٰہی میں ثابت ہو چکی ہے تو لوگوں کے درمیان ہمارا پردہ رکھنا اور دنیا اور آخرت میں ہمارا مواخذہ نہ کرنا یہ تیرے صدقات میں سے ہم پر ایک صدقہ ہوگا اور اگر یہ کام تقدیر الٰہی میں ثابت نہیں ہوا تو ہم تیرے فضل وکرم کی وجہ سے تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ اس کو ہمارے ذہنوں سے زائل کر دے کیونکہ اس کی وجہ سے ہمارا وقت خراب ہو رہا ہے۔

کیونکہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ بندے کی دعا کو قبول کرتا ہے اس پر پردہ ڈالتا ہے اور اسے بخش دیتا ہے یا اسے محو واثبات (مٹانے اور ثابت رکھنے) کی تین سو ساٹھ تختیوں سے مٹا دیتا ہے۔

اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ جس شخص سے کسی میلان اور خواہش کے بغیر تقدیر الٰہی کے فیصلوں کے خلاف بات صادر ہو جائے تو بعض اوقات اس کی سزا اس سے کم ہوتی ہے جو میلان اور خواہشات کے ساتھ ہوتی ہے ان میں سے بعض حضرات سجدے کے دوران کہتے تھے:

یا اللہ! تو جانتا ہے کہ میں تیری تقدیر میں سے کسی چیز کو جو میرے بارے میں نافذ ہونے والی ہے رد کرنے سے عاجز ہوں پس تو مجھے بخش دے جو جرم میں نے کیا ہے یہ تیری ملاقات میں سے مجھ پر ایک صدقہ ہے اے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے! تیرے سوا کوئی بھی گناہوں کو نہیں بخش سکتا۔

پس تم اس بات کو جان لو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

اچھی نیت سے خوبصورت الفاظ کے ساتھ تالیف وتصنیف

ان صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے یہ بھی ہے کہ جب وہ اپنی تالیف میں اچھے الفاظ لاتے ہیں اور زیادہ عمدہ لکھتے ہیں تو اپنے آپ کو صرف اچھی نیت کی بنیاد پر ہی تھکاتے ہیں تاکہ لوگ ان کی اس وجہ سے تعریف کریں کہ فلاں نے اپنی تالیف میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔

اور اے بھائی! یہ بات جان لے کہ انسان اپنی کتاب کی تحریر میں جس قدر مبالغہ کرے حتی کہ مضبوط تحریر لائے پھر بھی وہ عام طور پر نسیان کا شکار ہو جاتا ہے اور کسی مسئلہ کی کوئی شرط ترک کر دیتا ہے یا تفصیل کے مقام پر مطلق (اور مجمل) کلام لاتا ہے ارشاد خداوندی ہے:

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا (النساء ۸۲)

ترجمہ: اور اگر یہ (قرآن) اللہ کے غیر کی طرف سے ہوتا تو یہ لوگ اس میں بہت اختلاف پاتے۔

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے کبھی بھی کوئی کتاب تدبیر اور حقیقت حال سے واقف ہو کر نہیں لکھی بلکہ میں اپنی تالیف میں وہی کچھ لکھتا تھا جو اللہ تعالیٰ مجھے الہام فرماتا تھا۔

حضرت سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے بندے کا کلام خطاء تحریف یا تناقص (باہم ٹکراؤ) سے محفوظ اس لئے نہیں ہوتا کہ وہ ہمیشہ بیدار نہیں رہتا اسی لئے وہ غفلتوں اور سہو (بھولنے) کا شکار ہوتا ہے۔

سیدی احمد زاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے یہ بات ادب سے ہے کہ مطلقاً یہ نہ کہے کہ کوئی اعتراض نہ کرے جس قدر ممکن ہو اللہ تعالیٰ کے کلام کی مشابہت سے بھاگے (مطلب یہ اللہ تعالیٰ کا کلام غلطیوں سے پاک ہے بندے کا کلام ایسا نہیں ہو سکتا ہے)

باب چہاردہم (14)

مرید ہونے کے آداب اور بیعت کا طریقہ

مرید ہونے کے لئے اولاً دو باتیں لازمی ہیں:

۱) عقیدہ میں فرقہ ناجیہ اہل سنت والجماعت کے مطابق ہو۔

۲) فقہاء کرام اور آئمہ مجتہدین کے اقوال کے مطابق عمل کرنا یعنی احکام فقہ کا علم اور اس کے مطابق عمل۔

یہ دونوں باتیں گویا دو پروں کی حیثیت رکھتی ہیں جب یہ دونوں باتیں ہوں گی تب مرید مشائخ کی طرف سے فیض اخذ کرنے، منازل سلوک طے کرنے اور مراتبِ قرب حاصل کرنے کے قابل

ہو گا۔ یعنی عقیدہ ایک پَر ہے اور دائرہ تقلید کے اندر ہونا اور اس کے مطابق عمل کرنا دوسرا پَر ہے۔ اب دونوں پروں کے ذریعے اُڑنے کے قابل ہو گا اور اُڑنے کا راستہ تصوف ہے۔

تصوف میں آنے اور کامل و مکمل مرشد سے مرید ہونے سے پہلے استخارہ کرے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ:

اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نفل نماز استخارہ پڑھے کہ پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ کافرون (قل یا ایھا الکافرون) اور دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ اخلاص (قل ھو اللہ احد) پڑھے۔ سلام پھیرنے کے بعد "یاعلیمُ" تینتیس (۳۳) بار پڑھے اور آخری بار "یاعلیم" کے ساتھ "عَلِّمْنِی" پڑھے۔ اسی طرح تینتیس بار "یاخبیرُ" پڑھے اور آخری بار "أَخْبِرْنِي" ساتھ ملائے اور اسی طرح تینتیس بار "یا رشیدُ" پڑھے اور آخری بار "أَرْشِدْنِی" ساتھ ملائے۔ "عَلِّمْنَی"، "اَخْبِرْنِی" اور "اَرْشِدْنِی" پڑھتے وقت اپنا مقصد اور نیت دل میں یاد رکھے اور اس کے بارے میں اپنے رب تعالیٰ سے دعا کرے کہ خواب یا جاگتے میں اس سے اللہ تعالیٰ مجھے باخبر کر دے اور اس کے بعد دعائے مسنونہ مندرجہ ذیل پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَ اَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَ لَا اَقْدِرُ وَ تَعْلَمُ وَ لَا اَعْلَمُ وَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ۔ اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا لْاَمْرَ (یہاں پر اپنا مقصد زبان سے کہے یا دل میں یاد رکھے) خَیرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَ مَعَاشِیْ وَ عَاقِبَۃِ اَمْرِیْ (اَوْ قَالَ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَ اٰجِلِہٖ) فَاقْدِرْہُ لِیْ وَیَسِّرْہُ لِیْ ثُمَّ بَارِکْ لِیْ فِیْہِ وَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھَذَا الْاَمْرَ (یہاں بھی اپنا مقصد زبان سے کہے یا دل میں یاد رکھے) شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَ مَعَاشِیْ وَ عَاقِبَۃِ اَمْرِیْ (اَوْ قَالَ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَ اٰجِلِہٖ) فَاصْرِفْہُ عَنِّیْ وَ اصْرِفْنِی عَنْہُ وَ اَقْدِرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِہٖ۔

یہ دعا پڑھ کر دائیں کروٹ پاک جگہ قبلہ رو ہو کر سو جائے۔ اگر مراد پوری ہو خواب میں یا جاگتے میں تو مرشد یا تعبیر جاننے والے کو بتائے۔ اگرہاں میں اشارہ مل جائے تو عمل کرلے ورنہ پانچ یا سات بار استخارہ کرے یا جب تک جواب نہ ملے کرتا رہے۔

بیعت کا طریقہ

حضرت شیخنا فی الطریقۃ و مسندنا فی الشریعۃ کامل العصر و مکمل الدھر موصلنا و وسیلتنا الی اللہ فداہ قلبی وروحی و جسمی اخندزادہ سیف الرّحمٰن صاحب مبارک دامت برکاتہم وفیوضاتہم کے طریقہ کے مطابق اولاً سورۃ فاتحہ ایک بار اور سورۃ اخلاص تین بار پڑھ کر (یعنی یہ اس وقت فرماتے ہیں جب کسی کو مرید بناتے ہیں اور تلقینِ ذکر کرتے ہیں) ثواب سلسلہ کے تمام مشائخ کو بطورِ دعا ہدیہ کرتے ہیں پھر مرید ہونے والے کے دونوں ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں بصورتِ مصافحہ پکڑتے ہیں۔ پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم پھر بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم پڑھتے ہیں پھر کلمہ طیّبہ (لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَسَلَّم) خود پڑھتے ہیں اور مرید کو بھی پڑھاتے ہیں، اس کے بعد کلمہ شہادت (اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ) اور اس کے بعد کلمہ تمجید (سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ) پھر (لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم) پھر کلمہ توحید (لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِی وَیُمِیْتُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیءٍ قَدِیْر) پھر اس کے بعد استغفار (اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْہ) یہ استغفار ۳ بار پڑھتے ہیں۔ اس کے بعد ایمان مفصل (اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلٰئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْت) پھر ایمان مجمّل (اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ کَمَا ھُوَ بِاَسْمَآئِہٖ وَ صِفَاتِہٖ وَ قَبِلْتُ جَمِیْعَ اَحْکَامِہٖ

اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَ تَصْدِيْقٌ بِالْقَلْبِ) پھر رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبّاً وَّ بِالْاِسْلَامِ دِيْناً وَّ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَ سَلَّمَ نَبِيّاً وَّ رَسُوْلاً۔ پس اگر بیعت سلسلہ نقشبندیہ میں ہو تو اپنے سیدھے ہاتھ کی انگلیوں کو سوائے انگوٹھے کے مرید کے لطیفہ قلب پر (جس کا مقام بائیں پستان سے تقریباً دو انگل نیچے ہے) رکھتے ہیں اور پہلے زبان سے تین بار "اللہ، اللہ، اللہ" پڑھتے ہیں اور مرید بھی پڑھتا ہے، پھر زبان بند کر کے دل سے ذکر شروع کرتے ہیں اور پھر اپنے طریقے سے توجہ فرماتے ہیں۔

اور اگر بیعت و تلقین طریقہ قادریہ یا چشتیہ یا سہروردیہ میں ہو تو زبانی تلقین فرماتے ہیں حضور قلبی کے ساتھ ساتھ اسباق و اذکارِ لسانی کی تعلیم دیتے ہیں اور ان کے طریقہ اور لوازمات کی تعلیم دیتے ہیں۔

مندرجہ بالا کلمات اس مرید کو پڑھاتے ہیں جو کہ پہلی بار مرید ہونے والا ہو اور اگر اس سے قبل کسی سلسلے میں مرید ہو چکا ہے اور اب دوسرے سلسلے میں مرید ہونا چاہتا ہے تو یہ کلمات پڑھانے کی ضرورت نہیں۔ مثلاً کوئی شخص پہلے طریقہ نقشبندیہ میں مرید ہو چکا ہے اس کی تکمیل کے بعد اب دوسرے سلسلہ کے اذکار کی تلقین چاہتا ہے تو اب دوبارہ یہ کلمات پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے البتہ سورۃ فاتحہ و سورۃ اخلاص پڑھ کر ثواب مشائخ کی ارواح کو ہدیہ کرنا معمول عند المشائخ ہے اور اگر کلمات مذکورہ دوبارہ بھی پڑھ لے تو تجدید بیعت ہو جائے گی جس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اگر پہلے کسی اور پیر سے مرید تھا اب دوسرے سے مرید ہونا چاہتا ہے تو دوبارہ مرید ہوتے وقت کلماتِ مذکورہ کو پڑھنا چاہیئے۔

اب رہا یہ کہ ایک پیر کے ہوتے ہوئے یا اس کے انتقال کے بعد دوسرے پیر سے مرید ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ تو مکتوبات شریف دفتر دوم صفحہ ۱۷۵ مکتوب ۶۳ میں مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے

ہیں: ”جان لو کہ مقصود اصلی سلاسل سے اللہ تعالٰی ہے اور شیخ وصول الی اللہ کا ایک وسیلہ ہے۔ اگر کوئی شخص ایک مرشد سے مرید ہے مگر اپنی کامیابی کسی دوسرے پیر سے دیکھتا ہے کہ جب اس کی صحبت میں جاتا ہے تو اس کا قلب جاری و ذاکر ہوتا ہے تو اس کے لئے بالکل جائز ہے کہ اس پیر سے مرید ہو جائے اور اپنے پیر کی اجازت کے بغیر ہو جائے اگرچہ وہ پیر حیات ہو البتہ مرشد اول کا انکار نہ کرے اور بے ادبی سے پرہیز کرے۔ یہ تو اس صورت میں ہے کہ مرشدِ اول حیات ہو اور اگر مرشد فوت ہو جائے تو اب کسی دوسرے کامل و مکمل سے بیعت لازمی ہے اور بہت ضروری ہے تاکہ تربیت حاصل کر سکے۔“

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے پیر تو صرف پردے میں ہیں باقی سب کچھ انہیں معلوم ہے لٰہذا ہمیں کسی اور کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے حالانکہ سوچنے کی بات یہ ہے کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم بھی تو ہم سے صرف پردے میں ہیں انہیں بھی تو تمام امت کے حالات کا علم ہے اور تھا تو صحابہ کرام کو خلفاء راشدین کے ہاتھوں پہ بیعت کی کیا ضرورت تھی حالانکہ آج تک تمام صحابہء کرام اور اولیاء کرام ایک دوسرے سے بیعت ہوتے چلے آئے ہیں۔

یہی قول شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ”القول الجمیل“ میں فرمایا۔ اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ”ارشاد الطالبین“ میں اسی طرح ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے پیر پر حسنِ اعتقاد اور اس کے دیئے ہوئے طریقہ ذکر کے باوجود کچھ فائدہ باطنی یا ظاہری محسوس نہ کرے یا اس کا کامل مرشد فوت ہو جائے یا اپنے مرشد میں کوئی عیب و خلل دیکھے جو کہ محرومیتِ فیض کا سبب بنے تو بلاشک و شبہ دوسرے سے بیعت کر سکتے ہیں اور اگر وہ ویسے ہی رہا اور دوسرے سے مرید نہ ہوا تو یہ حق پرستی نہیں بلکہ پیر پرستی ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

باب پانزدہم (15)

طریقہ اسباق سلسلہ نقشبندیہ سیفیہ

پہلا ذکر قلبی: خواجہ خواجگان سلطان الاولیاء یکتائے زمانہ حضرت علامہ مجمع البحرین اخندزادہ سیف الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم وفیوضاتہم مریدین کو پہلا ذکر "قلبی" دیتے ہیں۔ اس لطیفہ کا رنگ زرد ہے اور یہ حضرت آدم علیہ السلام کے زیر قدم ہے۔ ذکر اس طرح دیا جاتا ہے کہ شہادت والی انگلی مقامِ قلب پر (جو کہ بائیں پستان کے دو انگل نیچے ہے) رکھتے ہوئے زبان سے تین بار اسم ذات "اللّٰہ" تلقین کرتے ہیں، پھر زبان بند کرواتے ہیں۔ سالک ذکر میں مشغول رہتا ہے اور شیخ کامل مکمل اس کو توجہ کرتا ہے (توجہ کہتے ہیں اپنی قلبی طاقت کو دوسرے کے قلب پر ڈالنا) یہاں تک کہ اس کا لطیفہ قلب ذاکر ہو جاتا ہے۔ اس دورانیہ میں صفات فعلیہ سے تجلی ہوتی ہے اور ستر ہزار حجابات جو کہ اللہ تعالیٰ اور بندہ کے درمیان نور و ظلمت کے ہیں، ان میں سے دس ہزار حجابات رفع ہو جاتے ہیں۔ سالک قرب بلا کیف سے اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جاتا ہے۔ یہ لطیفہ چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کے زیر قدم ہے، تو سالک ان کی ولایت سے حصہ پاتا ہے اور لطیفہ قلب میں صفائی پیدا ہونے کے بعد ایک دوسرا لطیفہ نظر آجاتا ہے جو کہ لطیفہ روح (اصل الاصل) ہے۔ ماسوا اللہ تعالیٰ کے نسیان اور ذات حق کے ساتھ محویت لطیفہ قلب کے ذاکر ہونے کی تاثیر ہے۔ لطیفہ قلب کا حرکت کرنا دافع غفلت اور دافع شہوت ہے۔

دوسرا ذکر روحی: یہ ذکرِ قلبی کے جاری ہونے کے بعد دیتے ہیں۔ لطیفہ روح کا رنگ سرخ ہے اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے زیر قدم ہے۔ اس کا مقام سینہ

انسان میں دائیں پستان کے دو انگل نیچے کی جانب مائل بہ پہلو ہے اس کا ذکر بھی "اللہ" ہے۔ سالک اس لطیفہ میں بھی ذکر کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہر حالت میں مشغول رہتا ہے اور شیخ مبارک اس کو توجہ دیتا ہے یہاں تک کہ یہ لطیفہ بھی ذاکر ہو جاتا ہے اور سالک پر صفاتِ ثمانیہ ثبوتیہ ذاتیہ حقیقیہ سے تجلی ہوتی ہے اور ستر ہزار حجابات میں سے دس ہزار حجابات مزید رفع ہو جاتے ہیں۔ اور سالک قرب بلا کیف سے قریب ہوتا جاتا ہے۔ یہاں سالک حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے ولایت سے حصہ لیتا ہے۔ اور جب یہ لطیفہ ذاکر ہو جائے اور اس میں صفائی پیدا ہو جائے تو اس میں تیسرا لطیفہ نظر آجاتا ہے جو کہ لطیفہ سِر ہے جو کہ اصل اصل الاصل ہے۔ ذکرِ روحی کی تاثیر اسم ذات کی صفاتی تجلیات کا ظہور ہے۔ اس لطیفہ کی حرکت سے غصہ و غضب کی کیفیت میں اعتدال اور طبیعت میں سکون پیدا ہوتا ہے۔

تیسرا ذکر سرّی: لطیفہ سِر کا رنگ سفید ہے اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم ہے۔ یہ ذکر لطیفہ روحی کے جاری ہونے کے بعد دیتے ہیں اس کا مقام بائیں پستان کے دو انگل اوپر مائل بہ بائیں ہاتھ ہے۔ اس کا ذکر بھی "اللہ" ہے۔ اس کا اثر اللہ تعالیٰ کے شیونات اور اعتبارات کا ظہور ہے۔ یہ مشاہدہ اور دیدار کا مقام ہے (صاحب کشف کے لئے)۔ حرص کا خاتمہ ہوتا ہے، دینی معاملات میں فیاضی اور فکر آخرت کی بیداری پیدا ہوتی ہے۔ اس لطیفہ کے ذاکر ہونے کے ساتھ ساتھ سالک شیونات سے تجلی لیتا ہے اور یہ لطیفہ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم ہے اس لئے سالک ان کی ولایت سے اس میں حصہ لے لیتا ہے اور ستر ہزار حجابات میں سے دس ہزار حجابات یہاں بھی اٹھ جاتے ہیں اور سالک قرب کی طرف بڑھتا جاتا ہے۔ اس لطیفہ کے صیقل ہونے کے بعد ایک اور لطیفہ نظر آجاتا ہے جو کہ لطیفہ خفی ہے (جو کہ اصل اصل الاصل ہے)۔

چوتھا ذکر خفی: چوتھا ذکر خفی ہے۔ لطیفہ خفی کا رنگ سیاہ ہے اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم ہے۔ یہ ذکر سری کے جاری ہو جانے کے بعد دیتے ہیں۔ ذکر خفی کا مقام دائیں پستان کے بالکل برابر میں دو انگشت اوپر ہے۔ یہ ذکر بھی اسم جلالت "اللہ" کا ہے۔ اس لطیفہ میں سالک ذکر کرتا ہوا صفات سلبیہ کی تجلیات سے بہرہ ور ہوتا جاتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولایت سے حصہ لے لیتا ہے۔ ساتھ ساتھ ستر ہزار حجابات میں سے مزید دس ہزار حجابات اور بھی اٹھتے جاتے ہیں اور سالک قرب بلا کیف سے اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس لطیفہ میں ایک اور لطیفہ نظر آجاتا ہے جو کہ لطیفہ اخفیٰ (اصل اصل اصل اصل الاصل) ہے۔ جس طرح کہ ایک آئینہ دوسرے آئینہ کے سامنے رکھ دیا جاتا ہے اور اس میں اس کا عکس نظر آتا ہے۔ اس لطیفہ کے ذاکر ہونے کا اثر یہ ہے کہ حسد، بخل، کینہ، غیبت وغیرہ سے نجات حاصل ہوتی ہے۔

پانچواں ذکر اخفیٰ: لطیفہ اخفیٰ کا رنگ سبز ہے اور یہ ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کے زیر قدم ہے۔ یہ خفی کی پختگی کے بعد دیا جاتا ہے اس کا مقام لطیفہ سری اور خفی کے بالکل درمیان اور برابر میں ہے۔ اس کا ذکر بھی "اللہ" ہے۔ جب سالک ذکر کرتا رہے اور شیخ سے توجہ لیتا رہے تو یہ لطیفہ بھی ذاکر ہو جاتا ہے۔ ذاکر ہونے کے ساتھ شانِ جامع سے تجلی لیتا ہے اور ستر ہزار حجابات میں سے دس ہزار اور حجابات قطع ہو جاتے ہیں۔ سالک اور بھی قریب ہو جاتا ہے اور یہ لطیفہ چونکہ حضرت محمد مصطفی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کے زیر قدم ہے لہٰذا سالک ان کی ولایت سے حصہ لیتا ہے۔ اس لطیفہ کے ذاکر ہو جانے کا اثر یہ ہے کہ سالک تکبر، فخر و غرور اور خود پسندی وغیرہ سے نجات اور حضور و اطمینان حاصل کر لیتا ہے۔ اور اس لطیفہ میں سالک کو اپنا نفس نظر آجاتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جس کے بارے میں فرمایا **"من عرف نفسہ فقد**

عرف ربہ" یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ یہاں سالک پر عارف کا اطلاق ہو جاتا ہے۔

چھٹا ذکر نفسی: ذکر اخفٰی جاری ہونے کے بعد نفسی ذکر دیا جاتا ہے۔ اس کا مقام پیشانی کے اوپر بال اُگنے کی جگہ پر ہے اور اس کا رنگ خاکی ہے۔ اس کا ذکر بھی "اللہ" ہے۔ لطیفہ نفس میں ذکر کرتے ہوئے سالک نفس کو امّارگی سے اطمینان وراضیت ومرضیت کی طرف لے جاتا ہے۔ یہاں تک کہ نفس مطمئنہ ہونے کے بعد راضیہ و مرضیہ بن جاتا ہے اور ستر ہزار حجابات میں سے دس ہزار حجابات اور بھی قطع ہو جاتے ہیں۔

ساتواں ذکر قالبی: لطیفہ قالبی کا رنگ آتش نما ہے۔ اس ذکر کو سلطان الاذکار بھی کہا جاتا ہے اور ذکر قالبی بھی۔ اس کا مقام سَر کے اوپر والی جانب، سَر کے بالکل درمیان میں ہے لیکن فیض پورے جسم میں داخل ہوتا ہے۔ اس کا ذکر بھی "اللہ" ہے۔ سالک ذکر کرتا ہوا لطیفہ قالب کے عناصر اربعہ یعنی ہوا، آگ، مٹی اور پانی، کی سرکشی کو اعتدال کی طرف لانے میں کوشش کرتا ہے جس کو رسول اکرم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے جہادِ اکبر سے تعبیر کیا ہے۔ جب غزوہ خندق سے آپ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین واپسی فرما رہے تھے، تو آپ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا "رجعنا من الجھاد الاصغرِ الی الجھاد الاکبر" (ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف واپس ہوئے)۔ یہاں پر اکثر لوگ جہاد اکبر سے نفس کے ساتھ جہاد مراد لیتے ہیں۔ لیکن یہ خطا ہے۔ کیونکہ رسول اکرم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اور صحابہ کرام کے نفوس پہلے سے مطمئن وراضیہ و مرضیہ تھے۔ تو جہادِ اکبر سے مراد اس حدیث میں عناصرِ اربعہ کے ساتھ جہاد کرنا ہے، جن کی طبیعت میں سرکشی ہے۔ سالک جب تک

ان کی طرف متوجہ رہتا ہے، تو یہ اعتدال کی حالت میں ہوتے ہیں اور جیسے ہی توجہ ہٹاتا ہے تو یہ اپنی اصل (سرکشی) کی طرف لوٹتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَأْتِیَکَ الْیَقِیْنُ (الحجر ۹۹) یعنی مرتے دم تک عبادت کا امر دیا گیا ہے۔

لطیفہ قالبی میں ذکر کرتا ہوا سالک حجاباتِ نور و ظلمت میں سے دس ہزار حجابات اور بھی قطع کر دیتا ہے اور وصلِ عریانی سے مشرف ہو جاتا ہے۔ یعنی ستر ہزار حجابات تمام کے تمام رفع ہو جاتے ہیں۔ اس کی تاثیر رزائل بشریہ اور علائق دنیویہ سے مکمل رہائی پا لینے کے بعد تمام بدن میں ظاہر ہوتی ہے۔

لطائف کی عالم امر و عالم خلق کے اعتبار سے تقسیم:

جہاں جہاں مقامات اذکار ہیں انہیں اہل نقشبندیہ لطائف کہتے ہیں اور ان سات لطائف میں پہلے پانچ، یعنی سینے والے (قلب، روح، سِر، خفی، اخفٰی) لطائف کو عالمِ امر سے موسوم کیا جاتا ہے اور باقی دو کو جو آخری ہیں، لطائفِ عالمِ خلق کہتے ہیں۔

لطائف کے انوار

لطیفہ قلبی کا نور سرخ اور روحی کا زرد ہوتا ہے۔ اور بعض لوگ اس کے برعکس، یعنی قلبی کا زرد اور روحی کا سرخ بتاتے ہیں۔ لطیفہ سری کا نور سفید ہوتا ہے، اور لطیفہ خفی کا نور سیاہ، لطیفہ اخفٰی کا نور سبز ہوتا ہے جبکہ لطیفہ نفسی کا خاکی ہوتا ہے۔

ذکر نفی اثبات کا طریقہ

لطائف کے اذکار جاری ہونے اور اچھی طرح پختہ ہونے کے بعد ذکر نفی اثبات دیا جاتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ بالکل اطمینان کے ساتھ ماسویٰ اللہ کو باطن سے مٹا کر بیٹھ جائے اور رابطۂ شیخ کے

ساتھ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا ذکر کرے، اس طرح کہ سانس بند کر کے لفظ "لَآ" کو تصور کے ساتھ ناف سے اُٹھا کر سر کی آخری حد یعنی قالبی تک لے جائے اور لفظ "اِلٰہَ" کو پورے خیال کے ساتھ دائیں کندھے پر لے جائے اور تصوّر میں ماسویٰ اللہ کو نیچے پھینک دے اور لفظ "اِلَّا اللہ" کے ساتھ دل پر شدّت سے ضرب لگائے۔ یہاں تک کہ ذکر کی حرارت کا اثر تمام عالم امر کے لطائف میں ظاہر ہو۔ یعنی لفظ "لا" کے ساتھ باطن سے ماسویٰ اللہ کو اُٹھا کر اور 'الہ' کے ساتھ سیدھے کندھے کی جانب نیچے پھینک دے۔ اور لفظ "الاّ اللہ" کے ساتھ اپنے قلب میں تصوّر اللہ کو باقی رکھے۔ جب سانس میں سالک دقت محسوس کرے تو سانس کو طاق عدد پر خالی کر دے۔ یعنی اگر وہ حبس دم میں نفی اثبات کا ذکر دس مرتبہ کر چکا ہے اور سانس میں تنگی محسوس کرنے لگا ہے تو گیارہ پر سانس کو خالی کر دے۔ یعنی طاق عدد پر سانس چھوڑ دے اور بہ زبانِ حال محمدرّسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم پڑھے اور سانس کھولنے کے بعد یہ دعا پڑھے:

اِلٰھِی اَنۡتَ مَقۡصُوۡدِیۡ وَرِضَاکَ مَطۡلُوۡبِیۡ اَعۡطِنِی مُحَبَّۃَ ذَاتِکَ وَمَعۡرِفَۃَ صِفَاتِکَ۔

ہر بار لا الہ الاّ اللہ کے ساتھ تصور میں ہی لا معبود الاّ اللہ، لا مقصود الاّ اللہ، لا موجود الاّ اللہ، لا مطلوب الاّ اللہ، ان چاروں میں سے کسی ایک کا معنی دل میں حاضر رکھے، لیکن یاد رکھے کہ مذکورہ آٹھوں اذکار میں زبان بند رہے گی اور یہ سارے اذکار تصور سے کرنے کے ہیں۔

ایک بار پھر بتاتے چلیں کہ نفی اثبات میں ان باتوں کا خیال رکھیں:

۱) سانس بند رہے۔

۲) معنی دل میں حاضر رکھ کر مذکورہ بتلائے ہوئے طریقہ سے تصور قائم رکھے۔

۳) تعداد کا خیال رکھے کہ جب سانس کھولنا ہو تو طاق عدد پر ہی کھولے۔

۴) سانس چھوڑتے وقت **محمد رّسول اللہ صَلّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم** تصوّر سے پڑھے۔

نفی اثبات میں زیادہ محنت کی ضرورت ہوتی ہے، کہ اس سے کافی حد تک مقامات طے ہو جاتے ہیں اور افاضہ و استفادہ کی قوّت کافی حد تک نفی اثبات سے بڑھتی ہے۔ یعنی آدمی میں نفی اثبات کی کثرت سے دوسرے کو فیض پہنچانے اور دوسرے سے فیض حاصل کرنے کی قوّت کافی حد تک پیدا ہو تی ہے۔

نفی اثبات کے فضائل

کلمہ طیبہ لا إله إلا الله محمد رسول الله۔ مشائخ نے فرمایا کہ اگر لطائف کے اسباق کرنے کے باوجود کچھ روحانی بیماریوں کے اثرات رہ جائیں تو اس کو دوسری دوا کھلائیں۔ اس کا نام کلمہ کا ذکر ہے۔

لا إله إلا الله محمد رسول الله۔ یہ گناہوں کی ظلمت کو مٹانے کے لیے حتیٰ کہ کفر اور شرک کی ظلمتوں کو ختم کرنے کی ایک تریاق ہے۔ یہ ایک جھاڑو ہے جو باطن کو صاف کر کے رکھ دیتا ہے۔ چنانچہ کلمہ طیبہ کے فضائل میں علمائے دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا زکریا فضائلِ ذکر میں فرماتے ہیں، کہ اخلاص پیدا کرنے کے لیے بھی جس قدر مفید اس کلمہ کی کثرت ہے اتنی کوئی دوسری چیز نہیں کہ اس کلمہ کا نام ہی **جلاء القلوب** (دلوں کی صفائی) ہے۔

یعنی کلمہ طیبہ کا نام ہی جلاء القلوب، دلوں کو جِلا دینے والی، منور کرنے والی عبادت ہے تو محدثین نے اس کا نام ہی "جِلاء القلوب" رکھا، **سبحان اللہ!**

لطائف پر مراقبے کے بعد ذکر کا طریقہ پہلے کی نسبت دوسرا ہو جاتا ہے۔ پہلے اسم ذات کا ذکر تھا، پھر آٹھواں سبق تہلیل کا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ کلمہ طیبہ کے بارے میں حدیث مبارکہ سنیے۔

عن زید بن أرقم قال قال رسول اللہ صَلّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم من قال لا الہ الا اللہ مخلصا دخل الجنۃ۔

جو شخص اخلاص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہے وہ جنت میں داخل ہو گا۔

قیل و ما اخلاصھا۔

کسی نے پوچھا کہ کلمہ کے اخلاص (کی علامت) کیا ہے؟

قال ان تحجزہ عن محارم اللہ۔[96]

فرمایا کہ حرام کاموں سے اس کو روک دے۔

اب دیکھیے! ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کو دلیل مل گئی کہ اگر گناہوں سے بچنا ہے تو پہلے اللہ کا ذکر کریں، گناہوں کے زیادہ اثرات ختم جائیں گے۔ اگر کچھ اثرات رہ جائیں تو کلمہ طیبہ کا ذکر کریں کیونکہ کلمہ طیبہ حرام کاموں سے روکنے کے لیے سند کی مانند ہے، اللہ کے محبوب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم فرمارہے ہیں۔ ان تحجزہ عن محارم اللہ کہ کلمہ اس بندے کو حرام کاموں سے روک لیتا ہے۔ سالک حرام کاموں سے تب رکے گا، جب روحانی بیماریاں ختم ہو جائیں گی۔ مثلاً شہوت، غضب، بخل، حسد، کبر جیسی بیماریوں سے نجات ہو گی تو گناہوں سے بچے گا تو یہاں حدیث مبارکہ سے دلیل ملی کہ کلمہ طیبہ کا ذکر انسان کی روحانی بیماریوں کے لیے شفاء بن جاتا ہے۔ من کو صاف کر دیتا ہے، کلمہ طیبہ ناپاک سینے کو بھی طیب بنا دیتا ہے۔

---

[96] (رواہ الطبرانی فی الکبیر: ۵۰۷۴۔ مجمع الزوائد: ۱/۳۱)

ہمارے مشائخ دین رحمہم اللہ تعالیٰ کو پڑھنے والے، سمجھنے والے اور معرفت رکھنے والے بزرگ تھے۔انھوں نے دین سے ہی یہ نکتے نکالے ہیں۔ ہم بھی انہی احادیث کو پڑھتے ہیں، ہمارے ذہن وہاں تک نہیں پہنچتے۔مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ بھی انہی احادیث کو پڑھتے ہیں اور ہیرے اور موتی نکال لیا کرتے ہیں۔ چنانچہ بہت سارے لوگ ایسے ہیں کہ انبیاء جیسی باتیں کرتے ہیں لیکن متکبر ہوتے ہیں۔ اب یہ کب ختم ہو گا جب ذکر کریں گے۔

ایک اور حدیث مبارکہ سنیے، علمائے دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا زکریا فضائلِ ذکر میں فرماتے ہیں، کہ صاحب احیاء نے لکھاہے کہ ایک مرتبہ حضور صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے خطبہ پڑھا، جس میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص لا إله إلا الله کو اس طرح سے کہے کہ خلط ملط نہ ہو تو اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ حضور صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم !اس کو واضح فرمادیں خلط ملط کا کیا مطلب ہے ؟ارشاد فرمایا کہ ”دنیا کی محبت اور اسکی طلب میں لگ جانا۔“ یعنی ایک طرف دنیا کی محبت ہو اور دوسری طرف بندہ ذکر کر رہا ہو تو اس طرح کلمہ کو خلط ملط کرنا ہے۔اس لیے انسان پہلے توبہ کرے، رجوع الی اللہ ہو اور طبیعت کے اندر زہد پیدا ہو، تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو عمل کرتا ہے، اس سے ترقی بہت جلدی ہوتی ہے۔تو ”لا إلهَ إلاّ الله“ باطنی بیماریوں کو ختم کرنے کے لیے بہت مؤثر ہے۔اس لیے جو لوگ کلمے کا ذکر کرتے ہیں، ان پر موت کے وقت وحشت طاری نہیں ہو گی نہ قبر میں ہو گی۔حدیث مبارکہ میں ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ نبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرمایا:

ليس على أهل لا إله إلا الله وحشة عند الموت ولا عند القبر۔[97]

جو کثرت سے کلمہ پڑھتے ہیں ان کو نہ موت کے وقت وحشت ہوتی ہے، نہ قبر میں۔ اللہ تعالیٰ ان کو سکون عطا فرمادیتے ہیں۔

علمائے دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا زکریا فضائلِ ذکر میں فرماتے ہیں کہ ایک حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص سو مرتبہ **لا الہ الا اللہ** پڑھا کرے اس کو حق تعالیٰ شانہ قیامت کے دن ایسی حالت میں اٹھائیں گے کہ چودھویں رات کے چاند کی طرح اس کا چہرہ روشن ہوگا۔

اب بتائیں کہ سو دفعہ روزانہ پڑھنے پر چودھویں کے چاند کی طرح چہرہ ہوتا ہے تو مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ اس کو روزانہ ہزاروں دفعہ پڑھتے ہیں، **سبحان اللہ** ان کے کیا کہنے! چنانچہ ایسے بھی سالکین ہیں، جو تین ہزار مرتبہ..... پانچ ہزار مرتبہ... دو ہزار مرتبہ ..... اکیس ہزار مرتبہ پڑھتے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں جو ایک دن میں چالیس ہزار مرتبہ کلمے کی ضرب لگاتے ہیں۔ آپ سوچیں کہ قیامت کے دن ان کے چہرے کتنے منور ہونگے۔ **سبحان اللہ!** حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ فرماتے ہیں کہ "جن لوگوں کی زبانیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر و تازہ رہتی ہیں وہ جنت میں ہنستے ہوئے داخل ہوں گے۔

اب علمائے دیوبند کے شیخ الحدیث ایک جگہ لکھتے ہیں اس کو توجہ سے سنیں، یہ کسی عام بندے کی بات نہیں ہے۔ یہ استاذ الاساتذہ، استاذ المحدثین کی بات ہے۔ حضرت اتنے بڑے محدث تھے کہ ان

---

97 (رواہ الطبرانی والبیہقی، مجمع الزوائد: ۱۰/۸۲)

کے شاگرد بھی آگے محدث ہی بنے۔ فرماتے ہیں: اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاک نام کے برابر کوئی بھی چیز نہیں۔ بدقسمتی اور محرومی ہے ان لوگوں کی جو اس کو ہلکا سمجھتے ہیں۔ البتہ اس میں وزن اخلاص سے پیدا ہوتا ہے، جس قدر اخلاص ہو گا اتنا ہی وزنی یہ پاک نام ہو سکتا ہے، اسی اخلاص کے پیدا کرنے کے واسطے مشائخ صوفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی جوتیاں سیدھی کرنا پڑتی ہیں۔

اب یہ ایک شیخ الحدیث کے لکھے ہوئے الفاظ ہیں کہ اس اخلاص کو حاصل کرنے کے لئے مشائخ صوفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی جوتیاں سیدھی کرنا پڑتی ہیں۔

تہلیل کی مقدار اور بس دم کے بارے میں محدثین کا قول

ایک دوسری جگہ حضرت شیخ الحدیث نے فرمایا، "جامع الاصول میں لکھا ہے کہ لفظ اللہ کا ذکر ورد کے طور پر کم از کم پانچ ہزار کی مقدار ہے اور زیادہ کے لئے کوئی حد نہیں اور صوفیا رحمہم اللہ تعالیٰ کے لیے کم از کم پچیس ہزار روزانہ۔" اب یہ جو ہم اسم ذات کا ذکر کرتے ہیں، تو اس کی دلیل جامع الاصول کتاب سے ایک محدث فرما رہے ہیں، اس میں لکھا ہے کہ اس کی پانچ ہزار مقدار روزانہ ہے۔ سبحان اللہ! یہ اللہ اللہ کی ضرب لگانے کے بارے میں ہے، اسم ذات اللہ کے متعلق جامع الاصول میں لکھا ہے کہ پچیس ہزار مرتبہ ضرب لگائیں۔ حضرت خواجہ فضل علی قریشی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب میں لطائف کے اسباق میں تھا، تو ہر لطیفے پر روزانہ اسی (۸۰) ہزار مرتبہ اللہ اللہ کے نام کی ضرب لگاتا تھا۔ اللہ اکبر کبیرا! دیکھو ان مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کتنا ڈٹ کر ذکر کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسے صاف کر دیا کہ من صاف ہو گیا۔ اور لا الہ الا اللہ کی مقدار کے متعلق لکھا ہے کہ کم از کم پانچ ہزار روزانہ ہو۔ اس مقدار میں مشائخ سلوک کی تجویز کے موافق کم و بیش ہوتی رہتی ہیں۔

تہلیل کے ذکر کے دو طریقے ہیں، ایک ہے سانس روک کر ایک سانس میں تصور سے اس کو اکیس مرتبہ کرنا، دوسرا ہے اس کو زبان سے کرنا۔ تو پہلے کو کہتے ہیں تہلیل خفی، یہ آٹھواں سبق ہے، اور نواں سبق ہے تہلیل لسانی لیکن دونوں سبق چونکہ لا إله إلا الله کے ہیں، تو اس لیے دونوں اکٹھے بھی دے دیتے ہیں۔ ہمارے حضرت نے کئی مرتبہ لوگوں کو دونوں سبق اکٹھے دیے، فرمایا کہ ایک جیسے اثرات ہیں اس لیے دونوں سبق کر لیں لیکن پہلا ہے حبسِ دم کے ساتھ اور دوسرا ہے زبان کے ساتھ۔

اب یہ جو حبسِ دم ہے نا، اس پر لوگوں کو کوئی دفعہ اشکال ہوتا ہے۔ یہ بدعت کہاں سے آگئی، سانس بند کر کے ذکر کرتے ہیں۔ ایک سانس میں زیادہ سارا ذکر کرنا کہاں سے آگیا؟ اب اس کے لیے دلیل سنیے۔ علمائے کے دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا زکریا ہی لکھتے ہیں، ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے القول الجمیل میں اپنے والد سے نقل کیا ہے میں ابتدائے سلوک میں ایک سانس میں لا اله الا الله دو سو مرتبہ کہا کرتا تھا اب یہ نقل کرنے والے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں جن کو جامع الاسانید کہتے ہیں جو پاک و ہند کے علماء ہیں، سب کی حدیث کی سند بالآخر حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے ہو کر امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ تک پہنچی ہیں۔ اس دریا کا ایک ہی پل ہے، چنانچہ اکابر علمائے دیوبند کی بھی سند وہیں سے جاتی ہے تو اتنے بڑے محدث اپنی کتاب القول الجمیل میں اپنے والد سے نقل کرتے ہیں۔ یہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد ہیں، شاہ عبد الرحیم رحمہ اللہ تعالیٰ وہ نقشبندی تھے اور ہم تو کہتے ہیں کہ ایک سانس میں اکیس مرتبہ کہیں۔ وہ فرماتے ہیں میں ایک سانس میں دو سو مرتبہ کہا کرتا تھا اور اس بات کو نقل ایک محدث فرما رہے ہیں، ہمارے لیے اس سے بڑی سند کیا ہو سکتی ہے؟ اس لیے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ جو

کہہ رہے ہیں یقیناً اس کو کرنے میں ہمارے باطن کی اصلاح ہے۔ شیطان ہمارے ذہن میں شکوک ڈالتا ہے، وسوسے ڈالتا ہے کہ یہ بدعت اور وہ بدعت کلمہ پڑھنا، اپنے دل کی صفائی کے لیے اور دل سے گناہوں کی رغبت ختم کرنے کے لیے تو حدیث پاک سے ثابت ہے تو علاج کی غرض سے اگر ہم اس کلمے کو پڑھیں، تو یہ حدیث پاک سے ثابت ہے۔ اس لیے تہلیل کو خوب کرنا چاہیے۔

آگے علمائے دیوبند کے شیخ الحدیث مولوی محمد زکریا صاحب لکھتے ہیں کہ ایک حدیثِ پاک میں آیا ہے کہ لا الہ الا اللہ حق تعالیٰ شانہ کے غصہ کو دور کرتا رہتا ہے۔ جو بندہ لا الہ الا اللہ پڑھتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کا غصہ اس سے دور ہوتا ہے۔ ایک حدیثِ مبارک کہ ہمارے سلسلے کے سردار سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جس کا تذکرہ فضائلِ ذکر میں ہے۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ شیطان بدبخت نے یہ کہا:

اھلکت الناس بالذنوب واھلکونی بلاإلہ إلا اللہ و الإستغفار۔[98]

کہ ''میں نے لوگوں کو گناہوں سے ہلاک کیا اور انہوں نے مجھے لا الہ الا اللہ اور استغفار سے ہلاک کیا''۔

تو معلوم ہوا کہ یہ لا إلہ إلا اللہ کا سبق شیطان کو ہلاک کر دیتا ہے یعنی گناہوں کو مٹا دیتا ہے حتی کہ شیطان اس بندے سے مایوس ہو جاتا ہے کہ یہ میرے ہاتھ سے گیا۔ اب یہ اللہ کی حفاظت میں آ گیا۔ شیطان نے جو کہا ہے کہ انہوں نے مجھے مار دیا، اس سے مراد یہ ہے کہ شیطان کی امید مر جاتی ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ اب یہ بندہ میرے ہاتھوں سے چلا گیا، اب یہ اللہ پاک کی حفاظت میں آ گیا۔ چنانچہ ہمیں کلمہ طیبہ کا ذکر کثرت سے کرنا چاہیے۔

---

[98] (رواہ الطبرانی فی الدعاء:۵۰۴)

علمائے دیوبند کے شیخ الحدیث مولوی محمد زکریا صاحب لکھتے ہیں کہ اس کام یعنی دین میں دقتیں بھی پیش آتی ہیں، وساوس بھی گھیرتے ہیں، شیطان کی رخنہ اندازی بھی مستقل ایک مصیبت ہے، دنیاوی ضروریات بھی اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ اس صورت میں مطلب ارشادِ نبوی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا یہ ہے کہ کلمہ طیبہ کی کثرت ان سب چیزوں کا علاج ہے۔" دنیا کی محبت بھی ختم ہوتی ہے، گناہوں کی رغبت بھی ختم ہوتی ہے، شیطان کے حملے سے بھی دفاع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث مبارکہ میں ہے جس کا فضائلِ ذکر میں ذکر کیا گیا ہے، ذرا غور سے سنیے گا کہ "لا الہ الا اللہ" کا کلمہ اپنے پڑھنے والے سے ننانوے قسم کی بلائیں دور کرتا ہے۔ جن میں سب سے کم غم ہے جو ہر وقت آدمی پر سوار رہتا ہے۔"

کیا ضرورت ہے عاملین کے پیچھے بھاگنے کی؟ یہ تعویذ دے دو، وہ تعویذ دے دو اور ان اللہ کے بندوں نے بھی تعویذات فوٹو کاپی کروا کر رکھے ہوتے ہیں۔ آج کل نیا دور آ گیا کہ فیض بھی فوٹو کاپی ہو جاتا ہے۔ سبحان اللہ! تو بھئی! اللہ کے پیارے حبیب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے بتایا کہ کلمے کی کثرت کرنے سے اللہ تعالیٰ ننانوے قسم کی بلائیں دور کر دیتا ہے، یہ سب سے چھوٹا ہے، کہ جو ہر وقت بندے کے دل پر سوار رہتا ہے، وہ غم سب سے چھوٹا ہے، باقی بلائیں اس سے بھی بڑی ہوتی ہیں۔ زندگی کو پر سکون بنانے کا کتنا آسان طریقہ ہے۔ اس لیے کلمے کو روزانہ کثرت کے ساتھ کرنے کی کوشش کریں۔

اپنے آپ کو مُردوں میں شمار کرو

چنانچہ کلمہ طیبہ کے بارے میں نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی ایک اور حدیث مبارکہ کتاب فضائل ذکر میں ہے، کہ ''حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالٰی کی عبادت کر اور کسی کو اس کا شریک نہ بنا اور ایسے اخلاص سے عمل کیا کر جیسا کہ وہ پاک ذات تیرے سامنے ہو اور اپنے آپ کو مُردوں میں شمار کر''

یہاں ایک نکتہ سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے ایک تو کلمہ کی کثرت کا حکم فرمایا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ اپنے آپ کو مُردوں میں شمار کر تو مردوں میں شمار کرنے سے لمبی امید ختم ہو جاتی ہیں۔ پھر انسان گناہوں کو آسانی سے چھوڑتا ہے کہ میں تو بس اب مُردوں کی فہرست میں شامل ہو گیا ہوں۔

ایک مرتبہ ہمارا واسطہ کسی ضدی بندے سے پڑ گیا۔ وہ مجھے کہنے لگا کہ آپ جو ''اللہ اللہ'' کا ذکر کرتے ہیں، یہ کہاں سے ثابت ہے؟ عاجز نے کہا: قرآن سے۔ کہنے لگا: کیسے؟ میں نے کہا: اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: وَاذۡكُرِ اسۡمَ رَبِّکَ۔ (المزمل ۸) ذکر کر رب کے نام کا" میں نے کہا: رب کا نام کیا ہے؟ کہنے لگا: "اللہ۔ تو مطلب کیا بنا؟ اللہ کا ذکر کرو، اللہ کے نام کا۔ وَاذۡكُرِ اسۡمَ رَبِّکَ۔ (المزمل ۸) اللہ کے نام کا ذکر کرو۔ تو عاجز نے کہا کہ ہم اللہ کے نام کا ذکر کرتے ہیں۔ کہنے لگے نہیں، اللہ کا ذکر تو کرنا چاہیے۔ اس کا تو حکم ہے۔ یہ جو آپ بار بار کرتے ہیں اللہ کا ذکر کہ دل اللہ اللہ اللہ کہہ رہا ہے یہ جو متعدد دفعہ کرتے ہیں یہ جائز نہیں ہے۔ بھئی! اگر ایک دفعہ کرنا جائز ہے، تو متعدد کرنے میں آپ کو کیا تکلیف ہے؟ عجیب بات یہ ہے کہ ذکر ہم کرتے ہیں اور تکلیف ان کو ہوتی ہے تو جب اس نے یہ کہا کہ جی بار بار کیوں کرتے ہیں؟ تو میں نے کہا کہ نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ سے ثابت ہے۔

کہنے لگا: نہیں، نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے تو یہ ثابت نہیں ہے، میں نے دورہ حدیث کیا ہوا ہے، میں جانتا ہوں۔ میں نے کہا: آپ نے دورۂ حدیث کیا ہوا ہے لیکن آپ نے کسی اللہ والے کی جوتی سیدھی نہیں کی ہوئی، آپ کو سمجھ نہیں ہے۔ کہنے لگا: اچھا آپ بتا دیجیے، ثابت کر دیجیے۔ میں نے کہا دیکھیں! نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا ہے: **لا تقوم الساعة حتی یقال في الأرض الله الله۔**[99] "قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک زمین میں اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا" تو ایک دفعہ اللہ ہے یا زیادہ مرتبہ ہے؟ کہنے لگے ایک دفعہ سے تو زیادہ ہے۔ عاجز نے کہا: ہم بھی کہہ رہے ہوتے ہیں، اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ۔ بھئی! اللہ اللہ تو حدیث سے ثابت ہے تو ہم بھی یہی کر رہے ہوتے ہیں۔ بس اپنے قلب سے اللہ اللہ.... اللہ اللہ... اللہ اللہ! تو کہنے لگے اب اشکال دور ہو گیا ہے۔ **الحمد للہ** کہ ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کی ہر بات کے پیچھے حقیقت ہے۔ دیکھیں! پانی کے نل سے بار بار قطرہ گر رہا ہوتا ہے۔ نیچے ماربل لگا ہوتا ہے اور ہم نے دیکھا ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد فرش میں اس جگہ سوراخ ہو جاتا ہے جہاں پانی کا قطرہ گر رہا ہوتا ہے۔ پانی کا قطرہ کتنا نرم ہے، پتھر کے اوپر تواتر سے گرتا رہا، اس نے وہاں جگہ بنالی، اللہ کا نام اگر تواتر سے کسی پتھر جیسے دل پر بھی پڑتا رہے گا، یہ وہاں بھی راستہ بنالے گا۔ چنانچہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک ضدی بندہ پہنچ گیا۔ کہنے لگا کہ حضرت! یہ آپ کلمے کا ذکر کیوں کرتے ہیں؟ حضرت نے بڑی خوبصورت بات بتائی۔ حضرت نے فرمایا کہ دیکھو! نبی صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم کا ارشاد ہے: **لقنو الموتی۔**[100] کہ جو تمہارے مرنے والے لوگ ہوں ان کو کلمے کی تلقین کرو۔

---

99 (مسلم، مجمع الزوائد:۱۳۵۹۹)

100 (ترمذی:۹۷۷)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا کہ یہ حدیث مبارکہ سے ثابت ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ فرمایااور نبی صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا یہ بھی فرمان ہے کہ تم اپنے آپ کو مُردوں میں شمار کرو۔ اب دونوں حدیثوں کو ملاؤ تو میں ہر لمحے اپنے نفس کو محسوس کر رہا ہوں کہ یہ مر رہا ہے، اور میں اس کو کلمے کی تلقین کر رہا ہوں۔ لا إله إلا الله..... لا إله إلا الله۔

عن أم هانی قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا إله إلا الله لا یسبقها عمل ولا تترک ذنبا۔

حضور اقدس صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ لا إله إلا الله سے آگے نہ کوئی عمل بڑھ سکتا ہے، اور نہ ہی یہ کلمہ کسی گناہ کو چھوڑ سکتا ہے۔[101]

ہمارے لیے سند ہے کہ جو بندہ تہلیل کا سبق اچھی طرح کر لے گا، اللہ اس کی معصیت سے حفاظت فرمالیں گے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کلمے کا ذکر بھی کرتا رہے اور گناہوں سے جان بھی نہ چھوٹے۔ اب جو کہتے ہیں کہ گناہوں سے جان نہیں چھوٹی، وہ ذرا دیکھیں کہ کلمہ کا ذکر کتنا کرتے ہیں؟ مشکل سے چند سو دفعہ کرتے ہونگے، یا اتنا بھی نہیں کرتے ہونگے تو اگر انسان دوائی نہ کھائے اور پھر کہے کہ بخار ہی نہیں اتر رہا تو قصور تو اپنا ہے نا؟ اس لیے جو لوگ ان اسباق پر وقت لگائیں گے تو رب العزت ان کو کیفیتیں بھی عطا فرمائیں گے۔ ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے جو ذکر اذکار بتائے ہیں، یہ مجرب روحانی دوائیاں ہیں، استعمال کریں، یقیناً گناہوں سے جان چھوٹے گی اور یہ بات کرتے ہوئے، اس عاجز کے پاؤں کے نیچے چٹان ہے۔ عاجز ایسے یقین سے بات کر رہا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ عاجز نے اپنی زندگی میں الحمد للہ سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں کو معصیت سے نکل کر نیکی کی طرف آتے

---

[101](رواہ ابن ماجہ، کنز العمال: ۱۷۸۱)

ہوئے آنکھوں سے دیکھا ہے تو اس لیے معصیت کی ذلت سے بچنے کے لئے، مراقبہ اور تہلیل دو بہت اہم اعمال ہیں۔

کلمہ طیبہ تمام مخلوق سے زیادہ وزنی

اب تہلیل کیسے کرنا ہے؟ اپنے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارات سے سن لیجیے۔

ایک حدیث قدسی امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دفتر دوم، مکتوب میں نقل کی ہے؟ فرماتے ہیں کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وَسلَّم نے فرمایا کہ (حدیث قدسی میں) اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے "اگر میرے علاوہ ساتوں آسمان اور ان آسمانوں میں آباد شدہ فرشتے اور ساتوں زمینیں (ترازو کے ایک پلڑے میں رکھے جائیں اور دوسرے پلڑے میں لا الہ الا اللہ تو لا الہ الا اللہ والا پلڑا (اپنے بزرگی کے وزن کی وجہ سے جھک جائے گا۔ (فرماتے ہیں) کلمہ کیسے افضل اور وزنی نہ ہو جبکہ اس کلمہ کا پہلا جز (لا الہ) تمام ماسویٰ کی نفی کرتا ہے (خواہ وہ آسمان ہوں یا زمین، عرش ہو یا کرسی، لوح ہو یا قلم، عالم ہو یا آدم (سب کی نفی کرتا ہے) اور اس کلمہ کا دوسرا اجزء (الا اللہ) معبود حق جل برھانہ کا اثبات کرتا ہے جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے۔ اس لیے اس کو افضل الذکر کہا گیا ہے۔

أفضل الذكر لا إله إلا الله

مکتوبات شریف میں امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دفتر اول مکتوب ۵۲ میں فرماتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: جددوا ایمانکم یقول لا الہ الا الہ۔[102] یعنی لا الہ الا اللہ (کی تکرار سے اپنے ایمان کو تازہ کر لیا کرو) بعض لوگ اپنی گاڑی روزانہ صاف کرواتے ہیں صبح کا وقت ہوتا ہے تو نوکروں کو بھیجتے ہیں کہ گاڑی کو صاف کر دو، روزانہ جوتے بھی صاف ہوتے ہیں، کہ دفتر جانا

---

102 (مسند أحمد ۵/۲۳۹)

ہے تو گاڑی جوتے تو روزانہ صاف ہوں اور دل روزانہ صاف نہ ہو تو کتنی افسوس کی بات ہے۔ ذرا گھر کی صفائی میں کچھ ترتیب ذرا آگے پیچھے ہو جائے تو بیوی کی کم بختی آ جاتی ہے۔ وہ بیچاری گھر کو ایسے چمکا کر رکھتی ہے، کہتی ہے کہ میاں گھر آئے گا اور صفائی نہ ہوئی تو سخت ناراض ہو گا تو جوتے بھی صاف...... گاڑی بھی صاف...... کپڑے بھی صاف..... گھر بھی صاف.... اور خود انسان کا من ناپاک۔

اللہ اکبر! تو بھئی من کو تو صاف کرنے کی بہت ضرورت ہے اور من صاف ہو گا لا إله إلا الله کی کثرت سے، اب اس حدیث مبارکہ میں تو نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے خود فرمادیا کہ ایمان کی تجدید کرتے رہو، اس کو روزانہ تازہ کرتے رہو۔ اس لیے وقت نکالنا اور تہلیل کا سبق کرنا، دل کو چمکانے کے لیے بہت ضروری ہیں۔

امام ربانی مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ ایک بہت خوبصورت بات لکھتے ہیں، پڑھ کر لطف آ گیا۔ دفتر دوم، مکتوب ۳۷ میں فرماتے ہیں:

اس فقیر کو محسوس ہوا ہے کہ اگر تمام عالم کو بھی صرف ایک مرتبہ کلمہ طیبہ (صدق دل سے) پڑھ لینے پر بخش دیں اور بہشت میں بھیج دیں تو بھی گنجائش ہے۔

بہت بڑی بات لکھی ہے، تمام عالم کو صرف ایک مرتبہ اخلاص کے ساتھ کلمہ طیبہ پڑھ لینے پر بخش دیں اور بہشت میں بھیج دیں تو بھی گنجائش ہے۔ اللہ اکبر کبیرا! اور یہ بھی مشہود ہوتا ہے (یعنی کشف ہوا حضرت کو فرماتے ہیں یہ بھی مشہود ہوا ہے) کہ اس کلمۂ مقدسہ کی برکات کو اگر تمام عالم پر تقسیم کر دیں تو ہمیشہ کے لیے سب کو کافی ہوں گی اور سب کو سیراب کر دیں گی۔"

کلمے کی برکتیں سارے عالم کو سیراب کر سکتی ہیں

اگر کلمہ طیبہ نہ ہوتا تو اللہ کی طرف راستہ دکھائی نہ دیتا کتاب مبداء و معاد (منھا:۴۹) میں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اس کلمہ کے فضائل لکھے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اگر کلمۂ طیبہ **لا الہ الا اللہ** نہ ہوتا تو بارگاہِ قدس خداوندی جل سلطانہ کی طرف راہ کون دکھاتا؟ اور توحید کے چہرے سے نقاب کون اٹھاتا؟ اور جنتوں کے دروازے کون کھولتا؟ (بلکہ آپ قدس سرہ نے یہ بھی فرمایا کہ) صفات بشریہ کے پہاڑ کے پہاڑ اس "**لا**" کے تیشہ کو کام میں لا کر ہی کھودے جاتے ہیں اور تعلقات کی بے شمار دنیائیں اسی نفی کے تکرار کی برکت سے منتفی ہوتی ہیں۔"

یعنی اس کا کھانا، پینا، سونا، کم ہو جاتا ہے، اس کے اندر ملکوتیت آجاتی ہے۔ **سبحان اللہ!**

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہی کلمہ تو ہے جو تجلیات افعال سے (آدمی کو) تجلیات صفات تک لے جاتا اور تجلیات صفات سے تجلیات ذات تک پہنچاتا ہے۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ تمام جہاں کلمہ طیبہ کے مقابلہ میں اس طرح ہے جس طرح دریا کے سامنے قطرہ ہوتا ہے اور یہ کلمہ شریف نبوت اور ولایت کے تمام کمالات کا جامع ہے۔

سبحان اللہ! مطلب یہ کہ آگے پھر جتنے بھی اسباق کھلتے ہیں، جس میں کمالاتِ ولایتِ علیا، ولایتِ کبری اور ولایتِ انبیاء علیہم السلام ہیں۔ وہ سارے اس کلمے کی کثرت کے ساتھ آگے بڑھتے ہیں تو کلمہ طیبہ کا سبق لطائف کے بعد شروع ہوتا ہے، اور پھر کمالات کے اسباق میں بھی کلمہ کا ذکر بہت فائدہ دیتا ہے۔ کلمے کا ذکر سالک جتنا زیادہ کرتا جاتا ہے، اتنا کمالات نبوت اس پر زیادہ کھلتے ہیں۔

مکتوبات معصومیہ دفتر اول مکتوب ۱۴۵ میں لکھا ہے کہ اہل اللہ کے نزدیک مسلم ہے کہ باطن کو منور کرنے میں اس کلمۂ مبارکہ سے زیادہ نفع دینے والی کوئی چیز نہیں ہے، صاحب استعداد سالک

اس کلمہ کے پہلے جزو (لا الہ) کے ساتھ مطلوبِ حقیقی کے ماسوا کی نفی کرتا ہے اور اس کے دوسرے جزو (الا اللہ) کے ساتھ معبود برحق کا اثبات کرتا ہے جو کہ تمام سلوک کا خلاصہ ہے۔

تا بجاروب لا نہ روبی راہ　　　　نرسی در سرائے الا اللہ

جب تک تو لا کی جھاڑو سے راستہ کو صاف نہیں کرے گا (اسوقت تک) الا اللہ کی سرائے میں نہیں پہنچے گا۔

دفتر دوم، مکتوب: ۴۶ میں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" یہ کلمہ طیبہ طریقت و حقیقت اور شریعت مشتمل پر ہے۔

یعنی تینوں چیز میں طریقت، حقیقت، شریعت، تینوں اسی کلمے میں ہیں۔ سبحان اللہ! اور فرماتے ہیں کہ انسان جب اس کلمہ کو کرنا شروع کرتا ہے، تو لا الہ میں مقامِ طریقت ہے، اور الآ اللہ یہ مقامِ حقیقت ہے، اور محمد رسول اللہ یہ مقامِ شریعت ہے۔

کلمہ نفی کو خلیل علیہ السلام نے پورا کیا اور کلمۂ اثبات حبیب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی بعثت سے مکمل ہوئے۔

اب اس سے آگے ایک عجیب بات کہی ہے۔ سبحان اللہ! مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دفتر دوم، مکتوب ۹۔

"جاننا چاہیے کہ کلمہ منفی کو حضرت خلیل علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام نے پورا کیا تھا اور شرک کے دروازوں میں سے کوئی دروازہ ایسا نہیں چھوڑا جس کو آپ نے بند نہ کر دیا ہو، اسی لیے آپ انبیا علیہم الصلوۃ والسلام کے امام قرار پائے اور پیشوا بن گئے۔ کیونکہ اس دنیا میں کمال کی انتہا اسی نفی کے

اتمام کے ساتھ وابستہ ہے اور کلمہ طیبہ کے کمالات کا ظہور یعنی اثبات آخرت کی زندگی پر موقوف ہے۔"

اب یہ ایک نکتہ ہے کہ **لا الہ الا اللہ** میں سے یہ دنیا سالک کو صرف **لا الہ** کے کمال تک پہنچاتی ہے کہ نفی کامل ہو جائے۔ اور اس میں سیدنا ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام سب سے نمبر لے گئے۔ چنانچہ انھوں نے سب بتوں کو توڑ دیا **فَجَعَلَهُمْ جُذَاذًا (الأنبياء٥٨)** پھر اسباب کو توڑ دیا حتیٰ کہ عالم خلق کے جتنے اسباب تھے، سب کو توڑ دیا اور پھر عالم ملکوت سے جبرئیل علیہ سلام ان کی مدد کرنے کے لیے آئے، ان کو بھی چھوڑ دیا۔ سبحان اللہ، جبریل علیہ سلام سے اتنا پوچھا کہ کیا اللہ جانتے ہیں کہ میں اس حال میں ہوں؟ تو جبرئیل علیہ سلام نے کہا: ہاں۔ فرمایا: **حسبي من سوالي علمه بحالي۔**[103]

کہ اللہ کو جو میرے حال کا پتہ ہے، اس لیے میں کسی سے سوال نہیں کرتا۔" سبحان اللہ! اللہ کو معلوم ہے کہ میں اس حال میں ہوں تو میں کیوں کسی سے مانگوں؟ اللہ کو یہ بات اتنی پیاری لگی کہ رب کریم نے فرمایا: **وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّى (النجم٣٧)** (اور ابراہیم جس نے وفا کی) میرا ابراہیم بڑا وفادار نکلا، وفا ہو تو ایسی ہو، میرا ابراہیم بڑا وفادار تھا۔ تو **لا إله إلا الله** کا کمال اس دنیا میں ظاہر ہو سکتا ہے۔ **لا الہ** سے مقام نفی مقصود ہے۔ اور انسان کامل نفی کرے، اپنی ذات کی مخلوق کی، اپنے ارادوں کی، تمناؤں کی، اسباب کی، ہر چیز کی نفی کرے حتی کہ ہمارے بزرگوں نے کہا جو کچھ دیکھا گیا، سنا گیا اور جانا گیا، یہ بھی اللہ کا غیر ہے، **لا** کلمے کے نیچے لا کر اس کی بھی نفی کر دینی چاہیے۔ تو کامل نفی، یہ اس دنیا میں حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ دنیا کے کمال کی انتہا ہے البتہ اثبات کا کمال آخرت میں ہو گا۔ اس لیے

---

103 (مرقاۃالمفاتیح:١٥/١٦٨، کشف الخفاء:١١٣٦)

کہ آخرت میں رویت باری تعالیٰ ہو گی۔ تو جب رویت باری تعالیٰ ہو گی تو اثبات کا کمال تو وہاں نصیب ہو گا۔ معلوم ہوا کہ اثبات کا کمال آخرت میں نصیب ہو گا۔ لیکن نکتہ یہ ہے کہ اللہ کے پیارے حبیب صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اس دنیا میں معراج پر تشریف لے گئے، اور اللہ کے دیدار سے مشرف ہوئے اور اثبات کے فیوضات کو لے کر آئے تو الا اللہ کی تکمیل محبوب صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم پر ہوئی۔ کیا خوبصورت بات کہی ہے! کہ لا الہ کی تکمیل حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام پر ہوئی تھی، اور الاّ اللہ کی تکمیل اللہ کے محبوب صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم پر ہوئی تھی۔

اللہ اکبر کبیرا! خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات اس دنیا میں رویت حق جل وعلا سے (شب معراج میں) مشرف ہوئے تو آپ نے کلمہ طیبہ کے جزء اثبات الا اللہ کے کمالات سے بھی اس دنیا میں بہت بڑا حصہ پالیا۔ کہا جا سکتا ہے کہ کلمہ اثبات اس دنیا کے اندازے کے مطابق آپ علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام کی بعثت (تشریف آوری) سے کامل ومکمل ہو گیا اور اسی وجہ سے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ تجلی ذات کو آپ کے حق میں اس دنیا میں ثابت کرتے ہیں اور دوسروں کے لیے آخرت کے وعدہ پر موقوف کرتے ہیں۔

تو باقی انبیا کو تجلی کا وعدہ آخرت میں اور اللہ کے حبیب صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو وہ تجلی اسی دنیا میں ملی، معراج کے ذریعے سے۔ سبحان اللہ!

مکتوبات معصومیہ دفتر دوم مکتوب ۷۷ میں خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اس کلمہ طیبہ کا پہلا جزو (یعنی لا الہ) حق جل وعلا کے ماسوا کی نفی کرتا ہے اور وجود بشریت کے پہاڑوں کو جڑ سے اکھاڑ دیتا ہے اور اس کا دوسرا جزو (یعنی الا اللہ) معبود برحق کا اثبات کرتا ہے جو کہ

سیر وسلوک کا حاصل اور فنا اور بقا کے حصول کا ذریعہ ہے، اس کے برابر کوئی آرز نہیں ہے کہ کوئی شخص کسی گوشہ میں تنہا ہو اور وہ اس مبارک کلمہ سے تر زبان رہے، اور اس کے اسرار کے سمندروں سے سیر اب وشاداب ہوتا رہے، مطلوب کی کھڑکی کھلی ہوئی ہے اور مقصود کی طرف راستہ ظاہر ہو گیا ہے امیدوار رہیں۔

امید رکھنی چاہیے اور کلمہ کا ذکر کرنا چاہیے تاکہ اللہ رب العزت ہمیں بھی نعمت عطا فرمائیں۔ ہمارے سلسلہ عالیہ کے اسباق کی ترتیب اس طرح سے ہے کہ پہلے لطائف پر اللہ اللہ کا ذکر ہوتا ہے، تو اس میں ماسوی کی نفی تو ہو جاتی ہے۔ مگر ذکر کے اثرات تو طبیعت میں ہوتے ہیں، چونکہ اللہ کا اثبات جو کرتا ہے اللہ....... اللہ..... اللہ اب کسی طرف دھیان نہیں لیکن اللہ کی طرف تو دھیان ہے نا؟ تو یہ ایک کیفیت ہے۔ ہمارے بزرگوں نے کہا کہ اگرچہ تم نے ماسوا کی نفی کر دی لیکن جو اپنے اندر اللہ کے ذکر کا احساس ہے، یہ بھی تو ماسوا ہے، یہ الہ تو نہیں ہے نا؟ لہذا اس کی بھی نفی کر والہذا تحلیل کا سبق اس کے بعد لائے، تاکہ انسان کے من میں جھاڑو پھر جائے، ہر کیفیت ختم ہو جائے۔ اب اس کی مثال یوں سمجھیے کہ ایک بزرگ کی خدمت میں ایک دیہاتی آیا مگر اس کو ذکر سے فائدہ ہو ہی نہیں رہا تھا۔ بہت کوشش کی، بہت وقت گزارا مخلص تھا، مگر ذکر سے طبیعت کی مناسبت ہی نہیں ہو رہی تھی۔ کافی عرصہ کے بعد اس نے کہا کہ حضرت! میں نے اتنا وقت گزارا، میں سنورنا چاہتا ہوں، میری رہنمائی فرمائیں۔ یہ مشائخ بہت حکیم اور دانا ہوتے ہیں۔ تو حضرت نے ان سے پوچھا کہ بتاؤ ساری دنیا میں سب سے زیادہ محبت تمہیں کس سے ہے؟ اس دیہاتی نے کہا کہ اچھی قسم کی کوئی بھینس ہو تو مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔ حضرت نے فرمایا، اچھا! آج کے بعد ایسا مراقبہ کیا کرو کہ میں خود بھینس ہوں۔ بھئی تمہیں بھینس اچھی لگتی ہے، تو یہ مراقبہ کرو کہ میں بھینس ہوں۔ وہ تو بڑا خوش ہو گیا کہ بھینس کے بارے

میں ہر وقت سوچوں گا، خیال رہے گا۔ چنانچہ اس نے مراقبہ کرنا شروع کر دیا۔ کچھ دن مراقبہ کرتا رہا تو اس کو استغراق کی کیفیت حاصل ہو گئی، بھینس کے تصور میں ڈوبا ہوتا تھا۔ باقی سالکین بڑے حیران کہ حضرت نے اس کو بھینس کا مراقبہ بتایا ہے، یہ کیا بات ہوئی؟ اس دیہاتی کی یہ کیفیت ہو گئی کہ ایک مرتبہ وہ کمرے کے اندر کھڑا تھا تو حضرت نے اس کو بلایا کہ آپ ادھر آؤ، تو وہ کھڑا ہوا کہنے لگا کہ میں کیسے آؤں دروازے میں میرے سینگ اسکتے ہیں۔ اب اس کو بھینس کے خیال کا اس قدر غلبہ ہو گیا تھا کہ بیچارہ بھینس کا تصور کرتے کرتے خود ہی بھینس بن گیا۔ کہتا ہے کہ میں کیسے آؤں میرے تو خود سینگ اسکتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا: الحمد للہ! ماسوا سے اس کو نفی نصیب ہو گئی، اب ہم اس بھینس کو ذبح کر دینگے، تو اس کو کلی نفی نصیب ہو جائے گی۔ ہمارے حضرات ماسوا سے انسان کو کاٹ کے اللہ کے ذکر پر لاتے ہیں، اور پھر یہ جو کیفیتیں بندے کے دل میں ہوتی ہیں، اس پر بھی لا الہ کا جھاڑو پھرا کر نفی کامل کا مرتبہ عطا فرما دیتے ہیں۔ سبحان اللہ۔

جو کچھ دیکھا گیا، سنا گیا اور سمجھا گیا، کلمہ لا سے اس کی نفی کرو

چنانچہ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی دفتر اول مکتوب ۲۷۲ میں نقل ہے:

حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند بخاری فرماتے ہیں کہ جو کچھ دیکھا گیا، یعنی آنکھوں سے دیکھا، کشف کی نظر سے، یا سنا گیا اور یا اپنی عقل سے جانا سمجھا گیا یہ بہت خوبصورت بات کہی ہے، سلوک کے لیے تو یہ بنیادی فقرہ ہے کہ جو کچھ دیکھا گیا، سنا گیا اور جانا گیا، وہ سب اس کا (یعنی اللہ کا غیر ہے کلمہ لا کی حقیقت سے اس کی نفی کرنی چاہیے۔ لا کی تلوار چلا کر اس کی بھی نفی کر دو۔ چنانچہ آٹھواں سبق اور نواں سبق تہلیل یعنی نفی کا سبق ہے۔

اسی مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ”حضرت خواجہ قدس سرہ کے اس کلام نے مجھ کو اس شہود سے نکالا اور مشاہدہ و معائنہ کی گرفتاریوں سے نجات بخشی اور میرے اسباب (ہستی) کو علم سے جہل کی طرف اور معرفت سے حیرت کی طرف لے گیا۔

جزاہ اللہ سبحانہ عنی خیر الجزاء

مکتوبات معصومیہ دفتر اول مکتوب ۱۴۲ میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے دریافت کیا کہ کلمہ طیبہ کے اثبات کے تکرار کے وقت کلمہ مبارکہ محمد رسول اللہ کو بھی اس کے ساتھ ملائے یا نہ ملائے، اور اگر ملائے تو کتنی مرتبہ کے بعد ملائے؟ جواب: (کتنی مرتبہ کا کوئی تعین نہیں ہے ہر دس، یا بیس، یا ہر پچاس، یا سو، کے بعد ملائیں اور اس کلمہ کے تکرار سے اپنے مقاصد اور ارادوں کی نفی کرتا کہ اپنے ارادوں سے پوری طرح خالی ہو جائیں اور واحد حقیقی و مطلب تحقیقی کے سوا کچھ مقصود نہ رکھیں، اپنی مراد تلاش کرنا بندگی کے مقام کے لائق نہیں ہے۔ مشائخ نے فرمایا ہے کہ جو کچھ تیرا مقصود ہے وہ تیرا معبود ہے۔“

عجیب بات کہی ہے! مشائخ نے فرمایا کہ جو تیرا مقصود ہے وہ ہی تیر معبود ہے۔ تو اس لیے ارادے ختم کر دیں، اپنے ارادوں کی نفی کر، مجھے کچھ نہیں چاہیے، کامل نفی ہو۔

اس لیے ہمارے مشائخ فرماتے تھے:

خداوند مقصود من توئی و رضـــا من توئی

مکتوبات معصومیہ دفتر اول مکتوب ۱۳۹ فرماتے ہیں:

کلمہ نفی و اثبات جو کہ کلمہ توحید ہے دوسرے فائدے رکھتا ہے، باطن کو پاک کرتا ہے اور متفرق تعلقات کا جو کہ بشریت کے لوازم سے ہیں ازالہ کرتا ہے بلکہ وجود بشریت کو جڑ سے اکھاڑتا

ہے اور فنا تک پہنچاتا ہے اور بقاتک رہنمائی کرتا ہے اور ظل سے اصل تک لے جاتا ہے اور اصل اصل تک اور اس اصل سے تیسری، چوتھی اور پانچھ اصل تک (اور) الا ماشاءاللہ (جہاں تک اللہ تعالی چاہے تحقق کر دیتاہے۔

تو کلمہ کا ذکر فنا اور بقا کے دروازے کھولتا ہے۔اس لیے ہمارے مشائخ نے پہلے اسم ذات کے اسباق رکھے، پھر کلمے کا سبق رکھے، تا کہ گناہ ختم ہوں اور معصیت سے جان چھوٹے۔اور یہ چونکہ ماسوا کی کامل نفی کر دیتاہے لہذا اس بندے کے اوپر فنا کے دروازے کھول دیتاہے، چنانچہ تہلیل کے بعد کا سبق فنا کا سبق ہے، اس کو مراقبہ احدیت کہتے ہیں۔اس سلوک کو سمجھنا کتنا آسان ہے۔سبحان اللہ، ہمارے مشائخ نے اس سلوک کو کھول کھول کر بیان کر دیاہے۔

شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں ہے کہ لا الہ الا اللہ کو پڑھنے کی نیت جیسی ہو ویسا ہی فیض ملتاہے۔ کہ اگر تو اس کو کلمہ کی نیت سے پڑھیں، تو پھر انسان کو دل کی صفائی کا فیض ملتا ہے۔اور یہ لا الہ الا اللہ قرآن کی آیت بھی تو ہے، تو فرماتے ہیں کہ آیت کی نیت سے پڑھیں تو مختلف انوارات وارد ہوں گے۔اس لیے لا الہ کو کس نیت سے پڑھ رہے ہیں، یہ ضروری ہے۔ واقعی اگر قرآن کی آیت سمجھ کر پڑھ رہے ہیں، تو پھر رحمتیں اتریں گی، اگر نفی کی نیت سے پڑھ رہے ہیں تو پھر اثرات اس کے اور ہوں گے۔

مقامات مظہری میں لکھاہے کہ نفی اثبات کے ذکر کی ورزش سے بشری صفات کم ہو جاتی ہیں۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر بری عادت کا جدا جدا تکرار کلمہ طیبہ لا سے چند روز تک نفی کرے اور اس کی جگہ خدا کی محبت ثابت کرے یہاں تک کہ وہ بری خصلت زائل ہو جائے۔نفسانی خواہش کے

برعکس مقامات سلوک حاصل کرنا چاہیے۔ ممکن ہے کہ بری خصلتیں نیک اوصاف میں تبدیل ہو جائیں۔

یعنی جو گناہ ہیں ان کو ذہن میں رکھ کر لا الہ الا اللہ کا ذکر کرے تا کہ اللہ پاک اس گناہ سے نجات عطا فرمادیں۔

نفی اثبات افضل ہے یا نفلی عبادتیں؟

مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دفتر سوم مکتوب ۱۲ میں لکھا ہے کہ ایک صاحب نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا تھا کہ میں ذکر زیادہ کروں یا نفل نماز میں پڑھوں یا قرآن کی تلاوت زیادہ کروں؟ تو اس دلچسپ سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

آپ نے دریافت کیا ہے کہ ذکر نفی و اثبات (لاإله إلا الله) تلاوت قرآن اور نماز میں طول قیام، ان تینوں میں کونسی چیز بہتر ہے؟ (جواب) ذکر نفی و اثبات وضو کی طرح ہے جو نماز کے لیے شرط ہے۔ کہ جب تک طہارت درست نہ ہو نماز کا شروع کرنا منع ہے، اسی طرح جب تک نفی کا معاملہ انجام تک نہ پہنچ جائے اس وقت تک فرائض و واجبات اور سنن کے علاوہ جو کچھ بھی نفلی عبادات کریں سب وبال میں داخل ہیں۔ پہلے اپنے مرض کو دور کرنا چاہیے جو کہ ذکر نفی واثبات پر وابستہ ہے اس کے بعد دوسری عبادات وحسنات میں مشغول ہونا چاہیے جو کہ بدن کے لیے صالح غذا کی طرح ہیں، مرض کے دور ہونے سے پہلے جو غذ ا بھی کھائیں وہ فاسد و مفسد ہو گی۔

سبحان اللہ! عجیب بات لکھی ہے! فرماتے ہیں کہ ذکر نفی واثبات وضو کی طرح ہے جو نماز کے لیے شرط ہے۔ بھئی! وضو کرو گے تو تلاوت بھی کر سکو گے اور نماز بھی پڑھ سکو گے۔ فرماتے ہیں

بیماری دور نہ ہوئی تو جتنی بھی اچھی غذائیں کھاتے رہیں الٹا نقصان ہی پہنچائیں گی۔اسی لیے جب من صاف نہ ہوا، کوئی بھی تسبیح پڑھیں نفل پڑھیں، انسان کو فائدہ نہیں ہو گا،پہلے من صاف کرو۔

مکتوبات معصومیہ دفتر سوم مکتوب ۱۷ میں فرماتے ہیں کہ کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کا ایک ہزار سے پانچ ہزار تک جس قدر ہو سکے تکرار کریں، ہیں تکرار کریں، تمام صوفیہ اس بات پر متفق ہیں کہ باطن کو منور کرنے میں یہ کلمہ ذکر قلبی کی مانند بہت مفید ہے اور اشغال و مراقبات باطنی جو ہمارے طریقے میں معمول و مشہور ہیں صحبت و حاضری سے تعلق رکھتے ہیں۔

مکتوبات معصومیہ دفتر اول، مکتوب ۱۳۷ میں فرماتے ہیں کہ:

آخری دونوں ولایتوں (ولایت کبری وعلیا) کے حاصل کرنے میں نفی اثبات کا زبان کے ساتھ ذکر کرنا (تہلیل لسانی) ہے اور جو کمالات مرتبہ نبوت کے ساتھ وابستہ ہیں ان کے حصول میں مدد دینے والی چیز قرآن مجید کی تلاوت کرنا اور نماز میں پڑھنا بالخصوص فرض نمازیں پڑھنا ہے۔

ولایت صغری سولھویں سبق تک حاصل ہو جاتی ہے۔اس کے بعد پھر ولایت کبری آتی ہے اور پھر ولایت علیا آتی ہے۔تو فرماتے ہیں کہ ولایت علیا اور ولایت کبری میں تو کلمہ کا ورد زیادہ فائدہ دیتا ہے،اس کے اوپر جو کمالات نبوت اور کمالات رسالت کے اسباق ہیں، ان میں قرآن کی تلاوت اور نماز کی کثرت انسان کو زیادہ فائدہ دیتی ہیں۔

نفی اثبات کا طریقہ اور تعداد

اس ذکر نفی و اثبات کا طریقہ خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات دفتر دوم مکتوب ۱۳ میں لکھا ہے کہ:

اس کا طریقہ یہ ہے کہ زبان کو تالو سے لگائے اور سانس کو ناف کے نیچے روکے اور کلمہ لا کو ناف سے کھینچے اور سر کے وسط تک پہنچائے اور الہ کو وسط سر سے دائیں کندھے پر لائے اور الّا اللہ کو دائیں کندھے سے دل صنوبری پر جو بائیں پہلو میں واقع ہے لائے، اس مجموعہ کا نقش لائے معکوس کی صورت پر ہو جاتا ہے اور ان کلمات کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک لے جانا خیال کے ساتھ ہونا چاہیے اور اعضا اور سانس کو حرکت نہ دے اور سانس ناف کے نیچے رکا رہے اور سانس کو جب تک روک سکے اس کلمہ کو کہتا رہے لیکن ہر سانس میں طاق عدد کہے جفت نہ کہے، اس لیے اس ذکر کو وقوف عددی کہتے ہیں اور جب سانس میں تنگی محسوس ہو اس کو چھوڑ دے اس کے بعد پھر سانس روکے اور سابقہ طریقوں کے مطابق ذکر مذکور کے پھر اسی طرح کرے پھر اسی طرح کرے (اور) پھر اسی طرح کرے۔"

مکتوبات معصومیہ دفتر دوم مکتوب ۴۳ میں فرماتے ہیں:

اور ذکر نفی و اثبات کی تعداد و وقت معین نہیں ہے جس وقت مہیا ہے کرے اور جب تک سانس (روکنا) ساتھ دے کہتا رہے خواہ کسی عدد تک پہنچے لیکن طاق کہے جفت نہ کہے اور اسی وجہ سے اس ذکر کو وقوف عددی کہتے ہیں اور اگر کسی وقت حبس دم (سانس روکنا نہ کر سکے تو حبس دم کے بغیر کہے کیونکہ حبس دم لازمی شرط نہیں ہے۔

تو سانس کا روکنا اس سبق کی شرط نہیں ہے۔ اب اگر کسی آدمی کو سانس کی بیماری ہے، وہ تو لمبا سانس نہیں روک سکتا۔ سانس کے ساتھ اس کو ذکر کرے۔ مشائخ اس کو سمجھاتے ہیں کہ اس کا طریقہ کیا ہے؟ تو فرمایا کہ حبس دم کے بغیر کرے کیونکہ حبس دم شرط نہیں ہے۔ اس ذکر پر اس قدر مداومت کریں کہ سینہ کی وسعت میں حق سبحانہ کے سوا کوئی مراد و مقصود نہ رہے۔ اور اس تعالیٰ شانہ کے مقصود ہونے کے سوا کوئی اور مراد نہ ہو تاکہ بندگی کی حقیقت ظاہر ہو جائے عبدیت کا مقام ملتا ہے۔ لہذا یہاں پر آکر کہ سب بیماریاں ختم ہو جاتی ہیں۔

اس لیے اگر صحیح طریقے سے لطائف کے اسباق کیے ہوں، اور صحیح طریقے سے تہلیل کا سبق کرے، تو تمام نفسانی محبتوں سے جان چھوٹ جاتی ہے۔ جو شخص یہ کہے کہ میرے تو اسباق تہلیل سے بھی اوپر کے ہیں اور ابھی بھی نفسانی تعلقات باقی ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ سبق سے فائدہ ہی نہیں ہوا، دوبارہ سبق شروع کرنا چاہیے۔ صرف اسباق بڑھنے سے تو انسان کا سلوک طے نہیں ہو سکتا۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ بیماری ختم ہوئی کہ نہیں۔ تہلیل کے سبق پر پہنچتے ہوئے، تمام مراد میں ختم ہو باتی ہیں۔ جب ساری مرادیں ختم ہو گئیں تو نفسانی تعلقات سے نجات مل گئی۔

حضرت خواجہ معصوم بہ دفتر دوم، مکتوب ۳۲ میں فرماتے ہیں:

میرے مخدوم! آپ نے بہت محنت کی ہے، حق تعالیٰ اس پر اثر مرتب فرمائے، اگر آپ تکلف کے بغیر اضافہ کر سکتے ہیں تو اضافہ کریں بعض دوست اس سے زیادہ کہتے ہیں۔

ایک صاحب نے لکھا تھا کہ میں ایک سانس میں تہلیل ایک سو مرتبہ کرتا ہوں تو کیا یہ کافی ہے؟ تو فرماتے ہیں کہ بہت ہے اور اگر زیادہ ہو سکتا ہے تو اور بھی زیادہ کریں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد تو ایک سانس میں (۲۰۰) مرتبہ کہا کرتے تھے، اور ماشاء اللہ ہمارے نو

جوانوں سے اکیس مرتبہ بھی نہیں ہوتا۔اصل میں محنت نہیں کرتے اور خود بخود تو یہ نعمت ملتی نہیں۔ محنت سے ملتی ہے۔ کرنے والے تو ایک سانس میں چالیس مرتبہ ستر مرتبہ، سو مرتبہ آسانی سے کر لیتے ہیں، جوانی میں کرنا مشکل نہیں ہے۔ بلکہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ روزانہ سانس بند کرے جبس دم تین سو مرتبہ کرے۔ تین سو مرتبہ! سنئے، مقامات مظہری میں منقول ہے، فرماتے ہیں کہ:

"حبس نفس سے نفی و اثبات کا ذکر تین سو بار سے کم کیا جائے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔"

یہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں ہے فرماتے ہیں ۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم دوائی پورے طریقے سے نہیں کھاتے لہذا معصیت کی بیماری سے کیسے جان چھوٹے؟ دوستو! آج ہم نے آپ کو منزل کا نشان بتا دیا، ہم نہیں پہنچ سکے تو ممکن ہے کہ سننے والوں میں سے اللہ کسی کو پہنچا دے۔ اللہ تعالی سب کے لیے اپنی رضا کو حاصل کرنا آسان فرمائے۔

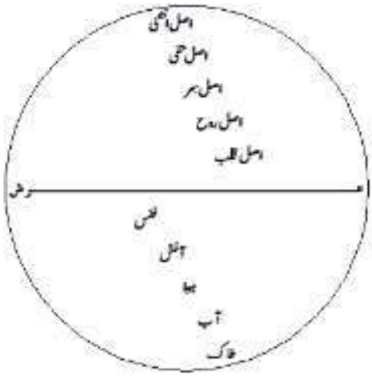
واخر دعونا أن الحمد للہ رب العلمین۔

نفی اثبات کے پختہ ہونے کے بعد مراقبات دیئے جاتے ہیں اور سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ سیفیہ میں کُل چھتّیس (۳۶) مراقبات ہیں۔

دائرۂ امکان

دائرہ امکان کے حالات سالک پر ذکر قلبی اور ذکر کثیر میں گزر جاتے ہیں لیکن مجھے اس بات کو بیان کرنا ہے کہ دائرہ امکان اصطلاح حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ میں کیا چیز ہے؟ حضرت مجدد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر ایک مقام کا دائرہ قرار دیا ہے اور یہ دائرہ امکان سب سے پہلا دائرہ ہے اور یہ طرز اور اصطلاح دائرہ خاص آپ کی ہی قرارداد ہے، دائرہ ہر مقام کے واسطے اس لئے

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جیسے دائرہ کا کوئی پہلو کوئی سمت کوئی انتہاء نہیں ہے، اسی طرح قرب حق میں ہر مقام میں کوئی سمت اور کوئی حد نہیں ہے۔ لہذا دائرہ کو مقامات سے نہایت مناسبت ہے۔ علاوہ اس کے مسئلہ ہمہ اوست ہمہ ازوست کا فیصلہ بھی اسی دائرہ سے ہوتا ہے کیونکہ دائرہ نقطہ سے بنتا ہے، اور خود بخود وجود دائرہ نہیں ہے، لیکن وجود نقطہ اور وجود دائرہ دونوں الگ الگ ہیں نہ دائرہ کو مرکز سے وصل و حلول واتحاد ہے اور نہ مرکز کو دائرہ سے۔ جب باوجود پیدائش دائرہ کو مرکز سے تعلق اور وصل نہیں ہے تو پھر خدا کا تعلق عین یا اتحاد اور وصل کیسے ہو سکتا ہے۔ میں ان شاء اللہ مختصر حالات دوائر کے لکھوں گا اور تقریر علمی اور وجوہات مفصل سے اوراق نہ بھروں گا کیونکہ عام لوگ نہ پڑھنے والے ایسے ہیں نہ سمجھنے والے، میرا مقصد صرف عام لوگوں کو سمجھانے کا ہے اور جو صاحب ذی علم ہیں ان کے واسطے مکتوبات حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سی کتابیں موجود ہیں کہ جن میں ہر اجمال کی تفصیل موجود ہے۔



حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق میں تعلق دائرہ امکان کا دس لطائف سے ہے، پانچ عالم امر کے اور پانچ عالم خلق کے۔ عالم امر کے لطائف قلب روح سر خفی اخفی ہیں اور عالم خلق

کے لطائف خاک، آب، ہوا، آتش اور نفس ہیں، عرش سے اوپر اصل ہر لطیفہ عالم امر کی ہے اور عرش سے نیچے ہر لطیفہ عالم خلق کی اصل ہے، جس کا دائرہ اس جگہ لکھا جاتا ہے۔

آگاہی: عالم خلق اس کو کہتے ہیں جو بتدریج وقتاً فوقتاً پیدا ہوئے ہیں، عالم امر لفظ کن کے ساتھ ہی پیدا ہوئے ہیں اگر سالک صاحب کشف ہوتا ہے تو تحت الثریٰ سے لے کر بالائے عرش تک اس کو حالات جنت و دوزخ وغیرہ وغیرہ نظر آتے ہیں لیکن فی زمانہ طلبا اہل کشف بہت کم ہوتے ہیں کیونکہ کشف اکل حلال، صدق مقال، کثرت عبادت، قلتِ طعام اور کمی آرام سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ سب باتیں تو کجا، ان میں سے دو ایک پر بھی پوری طور پر عامل نہیں ہوتے، زمانہ ایسے طلباء سے خالی تو نہیں ہے لیکن ہزاروں میں سے پانچ یا دس طالب ایسے نکلتے ہیں کہ جن کو کشف صحیح دیا جاتا ہے۔ کشف بہت سے قسم کا ہے، کشف عیانی، کشف حسی، کشف وجدانی، کشف ادراکی، بعض کو کشف قبور بعض کو کشف قلوب بعض کو صرف خواب اور بعض کو یہ سب عنایت کیا جاتا ہے۔ کشف عیانی اور کشف حسی باقی مکشوفات کے مقابلہ میں قوی ہیں اور یہ دونوں کشف صحیح طور پر امام وقت یا قطب مدار یا قطب ارشاد کو کامل طور پر عنایت کیا جاتا ہے کیونکہ انتظام عالم دنیا اور فیض رسانی عالم کے لئے یہ ذات مبارک مرکز ہوتے ہیں اور ان کی اتباع میں اولیائے خدمت مردان غیب، قطب ابدال، اوتاد نقیب، نجیب وغیرھم کو بھی کشف دیا جاتا ہے جس کے ذریعے سے یہ صاحب تعمیل احکام الٰہی مثل خضر علیہ السلام کے کرتے ہیں اور یہ اولیائے خدمت پوشیدہ رہتے ہیں، ان سے کوئی واقف نہیں ہوتا، سوائے اولیائے خدمت کے لیکن بعض اولیائے عشرت زبردست بھی اولیائے خدمت سے واقف ہوتے ہیں لیکن اس کا اظہار نہیں کرسکتے اور اولیائے عشرت جو قطب ارشاد کے ماتحت ہوتے ہیں ان سے خلق واقف ہو کر فائدہ اٹھاتی ہے۔

فائدہ: قطب مدار ہر زمانہ میں ہر وقت رہتا ہے، گویا عالم کا دارو مدار اللہ نے اس پر رکھا ہے اور قطب ارشاد کسی زمانہ میں ہوتا ہے اور کبھی نہیں۔ اور قطب مدار قطب ارشاد کے ماتحت رہتا ہے۔

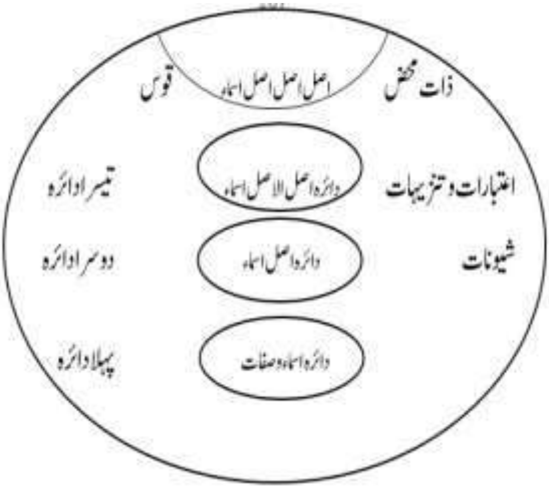
آگاہی: یہ مقامات قطب، ابدال اور اوتاد وغیرہم بلا مقام فنا وبقا کے حاصل نہیں ہوتے اور نہ بلا فنا وبقا کے جماعت اولیاء میں داخل ہوتا ہے، اور شاذ ونادر اس کے خلاف بھی فضل خدا سے کسی کو نصیب ہوتا ہے اور بعض علماء اور اولیاء ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو ان حالات مذکورہ بالا میں سے کچھ نہیں دیا جاتا، ان کو صرف برو یقین عنایات کیا جاتا ہے یہاں تک کہ بعض کو اپنے ولی ہونے کا بھی علم نہیں ہوتا، قبر میں جاکر معلوم ہوگا۔

آگاہی: کشف کا ہونا ولایت کے لئے ضروری بات یا شرط نہیں ہے۔ کیونکہ کشف دنیا علاوہ مسلمانوں کے غیر مذاہب جوگیہ برہمنان ہند فلاسفر یونان کو بھی ہوتا ہے لیکن جو کشف غیر مذاہب کے لوگوں کو ہوتا ہے وہ صرف کشف اشیاء دنیا کا ہوتا ہے ذات وصفات الٰہی یا عالم ملکوت کا نہیں ہوتا، ذات وصفات الٰہی و عالم ملکوت کا کشف تب تک ہرگز نہیں ہوتا جب تک حضرت محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم پر ایمان نہ لائے، کمال یقین کا نام ولایت ہے۔ چنانچہ بہت سے اولیاء اللہ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو کشف بالکل نہیں ہوتا لیکن اہل کشف اولیاء سے بدرجہا قرب حق میں ان کا قدم غالب ہوتا ہے، اسی واسطے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے دریافت پر شناختِ کمال کی بابت فرمایا: "یقین تر، کامل تر" چنانچہ اکثر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے کشف اور کرامات کا اظہار ثابت نہیں ہے، بعض بعض سے خال خال مکشوف و کرامات کا ظاہر ہونا ثابت ہوا ہے، لیکن ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی جن سے کبھی ادنیٰ سی کرامت کا یا کشف کا اظہار نہیں ہوا ہے وہ اعلیٰ سے اعلیٰ، اکمل سے اکمل ولی سے مرتبہ ولایت قرب

حق میں اعلیٰ، افضل وبرتر ہیں، بلکہ وہ کیا ان کے دیکھنے والے تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی ہر اعلی ولی سے اعلی ہیں، یہ بزرگی ان کی یقین کامل کا سبب ہے جو صحبت اور برکت رسالت مآب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے حاصل ہوا ہے، بعض اولیاء نہ اہل خدمت ہوتے ہیں، نہ اہل ارشاد، صرف امت کی دعا کے واسطے مختص ہوتے ہیں، اگر کسی کو کشف نہ ہو تو شناخت دائرہ امکان کے طے کر جانے کی یہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ وہ طالب چار گھڑی تک ذکر و فکر خدا میں ایسا مشغول رہتا ہو کہ دنیا کا خیال اس کے دل و دماغ میں بالکل نہ آتا ہو، اور بعضوں نے انوارِ لطائف دیکھنے سے دائرہ امکان کے طے کر جانے کی علامت بیان فرمائی ہے۔

دائرہ ولایت صغریٰ

اصطلاح صوفیاء میں اس مقام کو چند ناموں کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں، وحدۃ الوجود ہمہ اوست، مقام جمع، کفر طریقت، فنا و بقا، ولایت صغریٰ، اور نسیانِ ماسویٰ اللہ، یہ نام حضرات نقشبندیہ مجددیہ کے قرار دیئے ہوئے ہیں، ان حضرات کی تحقیقات سلوک میں مقام ہمہ اوست سے آگے بہت زیادہ مقامات ترقی کے ہیں اسی واسطے اس ولایت کو ولایت صغریٰ فرماتے ہیں، یعنی چھوٹی ولایت اور دیگر طرق کے کبرائے دین اکثر و بیشتر اس مقام ہمہ اوست کو انتہائی ترقی اور قرب حق فرماتے ہیں اور نسیان ماسوی اللہ شریعت سے بہت ہی مناسبت رکھتا ہے بموجب ارشاد نبوی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اکثروا ذکر اللہ حتی یقولوا مجنون (اتنی کثرت سے یاد خدا کرو کہ لوگ تم کو دیوانہ کہنے لگیں)۔



دوسری جگہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ارشاد فرماتے ہیں:

لن یؤمن احدکم حتی یقال انہ لمجنون۔

(تم میں سے کوئی ایمان والا نہ ہو گا جب تک کہ اس کو یہ نہ کہا جائے کہ وہ دیوانہ ہے) جب کوئی خلق کو محبت و ذکر خدا میں بھول جائے تو دنیادار لوگ اس کو دیوانہ کہیں گے۔ اسی لئے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہر کرا باشد زیزداں کاروبار   یافت باشد آنجا بیروں شد زکار

جب کسی کا تعلق اور لگاؤ خدا سے ہو جائے

اس وقت وہ دنیا کے کاروبار سے بے تعلق پایا جائے گا

اس خاص مقام میں بہت بڑا اختلاف اور رد و کد صوفیوں میں صوفیوں سے اور علماء اور صوفیاء میں واقع ہے اور بیسیوں رسالے کتابیں مکتوبات اس کی تائید اور تردید میں بھرے ہیں۔ بہت سے اہل

قال نے بلا حال اہل حال اولیاء اللہ کی نقل کر کے اپنے کو جہنمی بنالیا اور بہت سے اہل قال نے اہل حال اولیاء اللہ پر طعن وطنز کر کے اپنے آپ کو خسر الدنیا والاخرۃ کر لیا۔

حضرت مولانا رومی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد کم کسے باشد زاو آگاہ شد

تمام دنیا اس وجہ سے گمراہ ہو گئی

اس مسئلہ سے بہت کم لوگ واقف ہیں

اس واسطے میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو راہ راست پر چلائے اور اس خاص مسئلہ میں ہم کو حق بیان کرنے اور سمجھنے کی توفیق عنایت فرمائے اور ایسا علم ہمارے سینہ میں ڈالے کہ جس کے بیان اور ادراک میں لغزش نہ ہو اور عند اللہ و عند الرسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم مقبول ہو (آمین)۔ یہ مقام ہمہ اوست سلطان الاذکار کے انتہا ہونے پر شروع ہوتا ہے۔ بعض مرشد جب نور اس مقام کا سالک میں پاتے ہیں تو کلمہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ اس کو تلقین فرماتے ہیں۔ بعض شیخ جب سالک میں اس مقام کا نور دیکھتے ہیں تو اس کو مراقبہ تعلیم کرتے ہیں کہ تمام عالم میں سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں، بعض رہنما کچھ تعلیم نہیں کرتے بلکہ اس کو اپنی ہمت باطنی سے اس مقام میں کھینچ لے جاتے ہیں اور خود بخود اس طالب پر یہ حال طاری ہو جاتا ہے لیکن ایسے شیخ بہت کم ہیں، ایسے پیر فی زمانہ زیادہ ہیں کہ طالب کو نہ ذکر قلبی حاصل ہے اور نہ سلطان الاذکار حاصل ہوا ہے نہ ہمہ اوست کا نور اس پر وارد ہوا ہے، بلکہ وہ شیخ خود ہی ان باتوں سے ناآشنا ہیں، لیکن طالب کو باوجود ہوش کے اور بلا حال کے ہمہ اوست کا مسئلہ زبانی تلقین کر دیا کرتے ہیں اور ایسا مسئلہ بلا حال کے تلقین کرنا شریعت پاک میں "کفر" ہے۔ مسلمان اپنے ایمان کو قوی کرنے کے لئے شیخ کی خدمت

میں جاتے ہیں لیکن جاہل شیخ اپنا اور اپنے مرید کا ایمان کھو دیتے ہیں، ایسے شیخ جاہل و نا اہل اس مصرعہ کے مصداق ہیں:

''او خویشتگن گم است کرا رہبری کند''

بعض لوگ تو مرید سے یہ بھی کہہ دیا کرتے ہیں کہ میں اور تو اور جو کچھ تو دیکھ رہا ہے یہ سب عین خدا ہے **نعوذ باللہ منہا** اللہ تعالیٰ ہمیں اور ایسے لوگوں کو صراط مستقیم عنایت فرمائے۔

طالب حق جب خدا کی یاد کثرت سے کرتا ہے تو اس کے لطائف اور جسم پاک صاف ہوتے ہیں اور وہ حسب حیثیت عروج کرتا ہے یہاں تک کہ اپنی اصل سے اس کو وصل ہو جاتا ہے۔ اصل اس کی کیا ہے؟ حقیقت ممکنہ ہے۔

سوال: حقیقت ممکنہ کیا ہے؟

جواب: جس جگہ انوارِ اسماء و صفات الٰہی نے جمع ہو کر عدم محض کی طرف عکس ڈال کر وجودِ مستعار بخشا ہے، مثلاً آئینہ کو بالکل اس میں کوئی چیز نہیں ہوتی، اس کو عدم خیال کیا جائے اور جو وجود اس آئینہ کے سامنے آئے اس کو انوار اسماء و صفات خیال کیا جائے اور جو عکس آئینہ میں قائم ہو اس کو حقیقت ممکنہ خیال کیا جائے لیکن وہ معاملہ حقیقت ممکنہ کا کہیں بالاتر اور عقل معاش کی فہمید سے دور ہے کیونکہ اس کا خالق قادرِ کل بیچون و بیچگون ہے، جب رب العالمین نے چاہا کہ اپنی ذات کو پہچانواؤں اور عالم کو پیدا کروں تو پرکارِ قدرت اسماء و صفات سے نقطہ حقیقت محمدی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم قائم فرما کے اس سے تمام اشیاء کا دائرہ وجود کھینچ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم تمام مخلوق کے باعث تخلیق ہیں اور جس طرح دائرہ مرکز سے الحاق نہیں کر سکتا، اسی طرح کوئی مخلوق میں سے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم کے مرتبہ کو نہیں

پہنچ سکتا، اسی مطلب میں حدیث شریف میں وارد ہوا ہے **لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیه ملک مقرب ولا نبی مرسل** (مجھے اللہ پاک عز وجل کے ساتھ وہ وقت حاصل ہے کہ جس میں نہ کوئی مقرب فرشتہ میری برابری کر سکتا ہے اور نہ کوئی پیغمبر برگزیدہ) چونکہ طالب خدا عدم کی طرف پشت اور اسماء وصفات الٰہی کی طرف منہ کرکے تقرب الی اللہ چاہتا ہے اس کو اصطلاح صوفیاء میں سیر الی اللہ کہتے ہیں، بموجب حدیث شریف **کل شیئٍ یرجع الی اصله** (ہر چیز اپنی اصل کی طرف رجوع کرتی ہے) اور اسی حدیث کا ترجمہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہر کسے کو دور ماند از اصـــل خویـش　　　باز جوید روزگار وصـــل خویـش

جو کوئی اپنی اصل و حقیقت سے دور رہا

ایک عرصہ تک وہ اس سے طالبِ وصل رہا اور ڈھونڈتا رہا

اور حدیث شریف میں وارد ہوا ہے، **حب الوطن شعبة من الایمان** (وطن کی محبت شعبہ ایمان سے ہے) وطن حقیقتاً ہر مومن کا حقیقت ممکنہ ہے، جہاں روحوں کا قیام اور اسماء وصفات الٰہی کے انوار کا ظہور ہے۔ لہٰذا ہر ایمان دار اپنی حقیقت کی طرف رجوع کرتا ہے اور چونکہ حقیقت ممکنہ میں تمام مخلوق کی حقیقت اور نقشہ اجمالاً ہوتا ہے، کفر اور اسلام، مسجد اور مندر خوب وزشت سب ایک جگہ نظر آتے ہیں، جیسے کہ تخم درخت میں سب درخت کی حقیقت جڑ شاخیں پتے پھول اور پھل اجمالاً اس میں ہوتی ہے اور تفصیل اس کی بعد درخت کامل ہو جانے کے معلوم ہوتی ہے اسی طرح حقیقت ممکنہ میں اسماء و صفات کا انوار ہادی و مضل، رحمن، قہار، جبار، شافی وغیرہم اور عدم محض سب یکجا ہوتے ہیں تو سالک اپنے علم کے مطابق ہمہ اوست انا الحق سبحانی وما اعظم شانی وغیرہ الفاظ بحالت بے

خودی کہہ اٹھتا ہے، چونکہ عدم کی طرف اس کی پشت ہوتی ہے اور انوارِ اسماء وصفات الٰہی کی طرف منہ ہوتا ہے پس سامنے جو دیکھتا ہے کہتا ہے:

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

قلندر جو کچھ کہتا ہے دیکھا ہوا کہتا ہے

وہ اس وقت مرفوع القلم ہوتا ہے لیکن یہ حال ہمیشہ نہیں رہتا ہے۔ دریا کی سی موجیں آیا کرتی ہیں جب اور جس وقت اصل سے وصل ہوتا ہے اپنے کو اور تمام جہان کو نیست ونابود پا کر وجود حقیقی کو اپنے علم میں جان کر ہمہ اوست وغیرہ کہہ بیٹھتا ہے۔ حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کے حال کی توضیح حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت میں خوب فرمائی ہے جس سے ہر ذی علم خوب سمجھ جائے گا۔

بامریدان آن فقیر محتشم   بایزید آمد کہ یزدان نک منم

مریدوں کے پاس اس بزرگ درویش

بایزید نے آکر کہا کہ میں خدا ہوں

گفت مستانہ عیان آن ذوفنون   لا الہ الا انا فاعبدون

اس مست نے یہ صاف کہا کہ

میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے، پس میری پرستش کرو

چوں گزشت آن حال گفتند ش صباح   تو چنیں گفتی وایں نبود صلاح

جب یہ حال گزر گیا تو ان سے صبح کہا گیا

کہ آپ نے ایسا کہا اور یہ صحیح نہیں ہے

توحضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

حق منزہ از تن و من با تنم　　　　چوں چنیں گویم بباید کشتنم

اللہ تعالیٰ جسم وغیرہ سے پاک ہے اور میں جسم رکھتا ہوں

جس وقت میں ایسا کہوں تو مجھے مار ڈالنا چاہیئے

پھر جب حال طاری ہوا:

چوں ہمائے بے خودی پرواز کرد　　　　آں سخن را بایزید آغاز کرد

جب بے خودی کا ہما اڑنے لگا

توپھر بایزید رحمہ اللہ تعالیٰ نے وہی کہنا شروع کیا

عقل را سیل تحیر در ربود　　　　زاں قوی تر گفت کاول گفتہ بود

تحیر کا دریا عقل کو بہا کر لے گیا

اور پہلے سے بھی زیادہ زور دے کر وہی الفاظ ادا کیئے

نیست اندر جبہ ام الا خدا　　　　چند جوئی در زمین و در سماء

کہ میرے لباس میں خدا ہے

تم زمین و آسمان میں کب تک جستجو کروگے

حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے خود یہ فیصلہ فرمادیا ہے، جیسا کہ حالت ہوش میں حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا:

اے بروں از وہم و قال و قیل من　　　　خاک بر فرق من و تمثیل من

اے خدا تیری ذات میرے قیاس و گفتگو سے باہر ہے

میرے اور میری تمثیلات پر خاک پڑے

پس اس حکایت سے صاف معلوم ہو گیا کہ وقت غلبہ محبت کہ جس کو حالت عشق کہتے ہیں عقل بجا نہیں رہتی اور دریا تحیر کا تمیز و عقل کو بہالے جاتا ہے اور اس وقت یہ کہہ دینا کچھ بعید از عقل نہیں کیونکہ جب مجنوں سے کوئی پوچھتا کہ تو کون ہے تو مجنوں جواب میں کہتا انا لیلیٰ (میں لیلیٰ ہوں) تو جب بندہ کی محبت میں بندہ اپنے کو بھول گیا تو کوئی خدا کی محبت میں اپنے کو بھول جائے اور خدا کہنے لگے تو یہ کیا تعجب کی بات ہے۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

از محبت خشتہا زریں شود　　　از محبت تلخہا شیریں شود

محبت سے مٹی کی اینٹ سونا بن جاتی ہے

محبت میں کڑوی چیز میٹھی ہو جاتی ہے

از محبت سرکہا مل می شود　　　از محبت خارہا گل می شود

محبت سے سرکہ شراب بن جاتا ہے

محبت سے کانٹا پھول بن جاتا ہے

از محبت نار نورے می شود　　　از محبت دیو حورے می شود

محبت سے آگ نور بن جاتی ہے

محبت سے بد شکل خوبصورت بن جاتا ہے

اور جب ہوش آتا ہے تو سالک اپنے کو اور تمام خلق کو موجود پاتا ہے اور خالق و مخلوق میں تمیز کرتا ہے، یہ حالات دور کی کسی کو لحظہ، کسی کو گھنٹہ، کسی کو دنوں، کسی کو برسوں رہتے ہیں اور اکثر حضرات متقدمین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اس حال میں برسوں اور بعض عمر بھر رہے ہیں اور اس مقامِ خاص کے وہ ذات مبارک مرکز ہوئے ہیں اور ان کی نگاہ علم میں گویا غیریت اٹھ گئی تھی اور اسی مقام میں خرق عادات، کشف، کرامات کثرت سے ظاہر ہوتی ہیں، اسی مقام میں صاحب کشف کو اپنے سینہ میں تمام جہاں کی حقیقت نظر آتی ہے اسی واسطے خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اولیاء بعد فناو بقاہر چہ می بینند در خود می بینند، و ہر چہ می شناسند در خور می شناسند و حیرت ایشاں در وجود ایشاں، وفی انفسکم افلاتبصرون (اور تمہارے نفس میں ہے پس کیا تم نہیں دیکھتے)۔

اور حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

انچہ حق است اقرب از حبل الورید   تو فگندی تیر فکرت را بعید

اللہ تعالیٰ تیری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے

تو تیر فکر کو دور پھینک رہا ہے

یہ کلام حضرت خواجہ بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ کا اس حدیث قدسی سے تعلق رکھتا ہے جس کا ترجمہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

گفت پیغمبر صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَآلہ وَسلم کہ حق فرمود است

من نگنجم در سرا بالا و پست

نبی کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے

میں نشیب و فراز میں نہیں سما سکتا

من نہ گنجم بر زمین و آسماں　　　　من بگنجم در قلوب مومناں

اور نہ میں زمین و آسمان میں سما سکتا ہوں

بلکہ میں سچے مومن کے دل میں سما جاتا ہوں

جب خدا کی سمائی قلب مومن میں ہو جائے تو تمام مخلوق کا قلب مومن میں نظر آنا کیا بعید ہے لیکن یہ تقرب بیچونیت کے ساتھ ہے، نہ کسی احاطہ ظرف کے ساتھ۔ جیسے سمائی آسمان کی آنکھ کی پتلی میں، نہ آسمان آنکھ میں گھس گیا نہ آنکھ آسمان میں، بلکہ یہی سمائی بالمحبت ہے، جیسے کہ دوسری حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے بی یسمع و بی یبصر الی اخرہ اگر حقیقتاً سماعت و بصارت وغیرہ بشر کی عین خدا کی سماعت و بصارت ہو جاتی تو پھر اس کو فنا نہیں ہونا چاہئے تھا، حالانکہ خود ذات ہی ولی کی فانی ہے تو پھر بقاء صفات کہاں؟ یہ آیت قرآنی اور آحادیث قدسی اسی طرح پر ہیں کہ جس طرح حدیث شریف میں ارشاد ہے یا علی لحمک لحمی و دمک دمی (اے علی تمہارا گوشت میرا گوشت ہے اور تمہارا خون میرا خون ہے)۔ اگر حدیث شریف کے معنی حقیقتاً مان لئے جائیں تو پھر بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہما سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نکاح نہیں ہو سکتا تھا، ان آیات بینات اذا رمیت الخ وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ (الذاریات ۲۱)، و احادیث بی یسمع الخ لا یسعنی ارضی و لا سمائی و لکن یسعنی قلب عبدی المومن اور یا علی لحمک لحمی و دمک دمی سے مراد اظہار عنایت و کرم ہے بمقابلہ اور مخلوق کے اور ساتھ ہی اس کے ظلی اور صفاتی طور پر تقرب بھی ہے۔

جب اللہ تعالیٰ اپنے آپ کو ہر الفاظ تعریفیہ سے بلند تر فرماتا ہے سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يَصِفُونَ (الانعام ۱۰۰) اور یہ بھی ارشاد فرماتا ہے لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ (الانعام ۱۰۳) (کسی کی نگاہ اس کا

ادراک نہیں کر سکتی) تو پھر جسم خاکی اور فانی اس سے کیسے تقرب احاطہ جسمانی کے ساتھ کر سکتا ہے، بموجب ارشاد وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (قٓ ١٦) (ہم اس کی شہہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں) کی طرح ہر تقرب حق قابل ایمان و حالت علم منقول سے تعلق رکھتی ہے اور اسی طرح قلب حق اور نزول تجلی ذات خانہ کعبہ سے بیچون و بیچگونیت کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور نہ کوئی خلق ذات حق کو تو کجا اس کی ایک اسم و صفت کا احاطہ اور وصل نہیں کر سکتی، کیونکہ حق جل وعلا اور اس کی جملہ صفات قدیم ہیں اور جمیع حوادث سے منزہ اور مبرّیٰ ہیں۔ اور جمیع مخلوقات حادث، پس حادث اور قدیم ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے، لیکن نزول تجلی خانہ کعبہ میں اور نزول قلب انسان میں فرق ہے، خانہ کعبہ پر تجلی کا نزول ہر وقت رہتا ہے اور اولیاء پر بوجہ غفلت یا معصیت کبھی تجلی کا ظہور بند ہو جاتا ہے اور کبھی زیادہ کم ہوتا رہتا ہے اور اس حالت کو اصطلاح صوفیاء میں قبض و بسط کہتے ہیں، ان حالات کا تعلق علم معقول اور علم معاش سے نہیں ہے بلکہ علم منقول اور عقل معاد سے ہے۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

علم معقولات علم اشقیاء   علم منقولات علم انبیاء

علم معقولات اشقیا کا علم ہے

اور علم منقولات انبیاءؑ کا علم ہے

پائے استدلالیاں چوبیں بود   پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

کم عقلوں سے دلیل لانے والوں کی مثال لکڑی کی ہے

اور لکڑی کے پاؤں ناپائیدار ہوتے ہیں

گر بہ استدلال کار دیں بدے   فخر رازی راز دار دیں بدے

اگر استدلال پر ہی دین کا مدار ہے تو

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ دین کے بھی راز دار ہیں

سالک کثرت محبت الٰہی میں اپنے کو اور تمام خلق کو بھول جاتا ہے اور غیریت اس کی نگاہ علم میں اٹھ کر صرف ایک ذات واجب الوجود کی طرف باقی رہتی ہے اور وہ اپنے کو اور تمام مخلوق کو عین خدا سمجھتا ہے اور بیساختہ اس کی زبان سے لفظ انانیت کے نکلتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ بھی بموجب حدیث قدسی انا عند ظن عبدی بی، ایسے لوگوں سے ان کے خیال کے مطابق ویسا ہی پیش آتا ہے، اور جو کچھ وہ زبان سے کہہ دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ویسا ہی کر دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرات متقدمین میں سے خرق عادات کثرت سے ظہور میں آئی ہیں، اسی واسطے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آں دعا شیخ نے چوں ہر دعاست

فانی است گفتہ اش گفتہ خداست

بندہ خاص کی دعا اوروں کی طرح نہیں ہوتی

وہ محبت خدا میں فنا ہے، تو اس کا قول خدا کا قول ہے

اولیاء راہست قدرت از الہ تیر جستہ باز گرداند زراہ

اپنے اولیاء کو خدا نے ایسی قدرت عطا فرمائی ہے

کہ کمان سے نکلا ہوا تیر واپس لوٹا لیتے ہیں

اکمہ وابرص چہ باشد مردہ نیز زندہ گردد از فسون آں عزیز

مادرزاد اندھا اور کوڑھی تو کیا مردہ بھی

ان کے دم کرنے سے زندہ ہو جاتا ہے

اسی مقام کو اصطلاح صوفیاء میں مقام فنا و بقا کہتے ہیں، فنا اس حالت کو کہتے ہیں کہ جب سالک کی نگاہ سے غیریت اٹھ کر سوائے ذات باری تعالیٰ کے کچھ باقی نہ رہے، اور بقا اس حال کو کہتے ہیں کہ اس حال فنا سے اس کو افاقہ ہو اور خالق و مخلوق، حادث و قدیم میں تمیز کرے، سالک کو پہلے فنائے فعلی پھر فنائے صفاتی، پھر فنائے ذاتی ہوتی ہے، یعنی اپنے افعال کو فعل خدا میں، اور پھر اپنی صفات کو صفات خدا میں اور پھر اپنی ذات کو ذات خدا میں فنا پاتا ہے اور یہ بات کثرت ذکر اور خاصان خدا کی صحبت سے نصیب ہوتی ہے اور بموجب حدیث شریف اللہ تعالیٰ ایسے بندۂ خاص کے افعال کو اپنی طرف منسوب فرماتا ہے:

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَ اَصحَابِهٖ وَ سَلَّم ملخصا وما یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتیٰ احببته فاذا احببته فکنت سمعه الذی یسمع به و بصره الذی یبصر به و یده التی یبطش بها و رجله التی یمشی بها و ان سالنی لاعطینه و لان استعاذنی لاعیذنه۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ نوافل کے ذریعہ سے ہمیشہ مجھ سے قرب ڈھونڈتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کی وہ سماعت بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور وہ بینائی بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور وہ ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور وہ پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اس کو دیتا ہوں، اگر وہ میری پناہ مانگتا ہے تو میں اس کو پناہ دیتا ہوں۔

اور اس حدیث شریف کی تصدیق اور تائید میں آیۃ شریف وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ (الانفال ۱۷) ارشاد رب العباد ہے، اور دوسری جگہ ہے: إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللهَ يَدُ اللهِ فَوْقَ

أَيُدِيهِمْ(الفتح ۱۰) (بے شک اے نبی جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں، یقیناً اس کے سوا نہیں ہے کہ وہ خدا سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے)۔

اسی مطلب میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اللہ اللہ کن کہ اللہ می شوی　　　　این سخن حق ست باللہ می شوی

اللہ اللہ کر کہ تو "اللہ" ہو جائے

یہ بات بالکل سچ ہے قسم خدا کی تو ضرور ہو جائیگا

یہ حالت فنا و بقا دریا کی موجوں کی طرح سالک پر وارد ہوتی رہتی ہیں۔ چنانچہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہفت صد ہفتاد قالب دیدہ ام　　　　ہمچو سبزہ بارہا روئیدہ ام

میں نے سات سو ستر قالب دیکھے ہیں

اور سبزہ کی طرح کئی بار اگا ہوں

حضرت ابو مدین مغربی رحمۃ اللہ علیہ اس معنی میں فرماتے ہیں:

کشتگان خنجر تسلیم را　　　　ہر زمان از غیب جان دیگر است

خنجر تسلیم سے مرے ہوئے لوگوں کے لئے

ہر زماں میں غیب سے دوسری جان ودیعت ہوتی ہے

اسی مفہوم میں مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہر کس بمیرد ایک بار　　　　بیچارہ جامی بارہا

ہر شخص ایک مرتبہ مرتا ہے

(لیکن) بیچارہ جامی بار بار

اور اسی مقصد میں حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بعضے از دولتمندان از ہر بار گفتن آن فنائے خاص

در خود می فہمند و در ہر نفس چندیں بار می میرند

بعض عارفوں ذکر سے ایک فنائے خاص خود میں پاتے

ہیں اور ہر سانس میں کئی بار مرتے ہیں

دمے صد بار در یار تو میرم　　　　بایں بے طاقتی نام تو گیرم

ایک دم میں تیری یاد میں سو مرتبہ مرتا ہوں

اور باوجود بے طاقتی کے تیرا ذکر کرتا ہوں

یہ فنا بحکم **موتوا قبل ان تموتوا** (اپنے مرنے سے پہلے مر جاؤ) سالک پر گزرتی ہے اور یہ حالت طاری ہوتی ہے بموجب جملہ اولیٰ اس حدیث شریف کے **ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک** (یہ کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کر کہ گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے اور اگر تو اس کو نہیں دیکھ رہا ہے تو تحقیق وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ پس جس وقت آئینہ دل پر شعاعیں انوار اسماء وصفات الٰہی کی پڑتی ہیں جیسے کہ آئینہ میں شعاعیں آفتاب کی پڑتی ہیں تو جس طرح شعشان نور آفتاب میں آدمی کو اپنا وجود اور وجود آئینہ دونوں نظر نہیں آتے، اسی طرح شعشان انوار اسماء وصفات میں اپنا وجود اور وجود خلق سالک کو نظر نہیں آتا، یا جیسے چراغ کی روشنی دھوپ میں نظر نہیں آتی حالانکہ روشنی موجود ہوتی ہے یا جیسے صفراوی بخار والے کو میٹھا بھی کڑوا معلوم ہوتا ہے حالانکہ مٹھائی میں کڑواہٹ نہیں

ہے یا جیسے دریا کی ریت میں ذرات چمکتے ہیں، چمک خوب مگر چمک میں وجود ذرہ نہیں دکھتا یا جیسے کسی کو مرض پیلیا ہو جاتا ہے تو اس مریض کو تمام جہاں پیلا ہی پیلا نظر آتا ہے حالانکہ جہان پیلا نہیں ہے یا جیسے کہ ضعف زیادہ ہو جاتا ہے تو وقت کھڑے ہونے کے اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا ہے، حالانکہ جہاں روشن ہے، یہ اس کی آنکھوں اور ضعف اور علم کا قصور ہے، اسی طرح بیماری محبت الٰہی میں سالک مجبور و معذور ہے کہ اس کی نگاہ علم و محبت میں تمام جہاں میں سوائے خدا کے کچھ نظر نہیں آتا اور اسی مقام میں سالک پر ذوق و شوق گریہ وزاری، آہ و نعرہ، بے ہوشی و مدہوشی، اور اسی مقام میں درد محبت ہوتا ہے کہ جس درد کی آرزو حضرت فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کرتے ہیں:

کفر کافر را ودیں دیندار ___ را ذرہ درد دل عطار را

کفر کافر کے لئے اور دین دیندار کے لئے

عطار کے لئے دردِ دل کا ایک ذرہ کافی ہے

یہ فنا و بقا جسمانی فنا و بقا نہیں ہے بلکہ سالک کے لطائف اور علم کی فنا و بقا ہے اور تمثیل اس فنا و بقا کی اچھی طرح یوں سمجھ میں آجائے گی کہ کسی مقام پر دس دس پانچ پانچ گز کے فاصلہ سے یکے بعد دیگرے شب کو چراغ رکھ دیئے جائیں اور چراغ اول کو پس پشت لے کر آدمی کھڑا ہو جائے تو اس کا سایہ اس کے سامنے دکھائی دے گا اور جب اس چراغ اول کے پاس سے دوسرے چراغ کی طرف جوں جوں بڑھے گا اسی قدر سایہ اس کا سامنے والا کم ہوتا جائے گا، حتیٰ کہ چراغ دوم کے قریب پہنچنے پر سامنے کا سایہ بالکل کالعدم ہو جائے گا اور دوسرے سامنے کے چراغ کی روشنی کے سبب سے اس کا سایہ پس پشت آجائے گا اسی طرح جب چراغ دویم سے آگے بڑھ کر چراغ سویم کی طرف چلے گا تو پھر اس کا سایہ فوراً اس کے سامنے آجائے گا۔ علی ھذ القیاس ہر چراغ کے قرب اور بعد میں اس کے

سایہ کو فنا اور بقا ہوتی رہے گی، حالانکہ اس کے سایہ کو حقیقتاً فنا نہیں ہے بلکہ نور چراغ کی قوت نے اس کے علم میں اس کے سایہ کو ایسا معدوم کر دیا کہ اس کو نظر ہی نہیں آتا، اگر سامنے کا چراغ قریب کا گل کر دیا جائے کہ جس کی روشنی نے اس کے سایہ کو پیچھے کر دیا ہے تو پچھلے چراغ کی روشنی اس کے سایہ کو فوراً اس کے سامنے قائم کر دے گی، اسی طرح ہر مقام انوار صفات الٰہی میں جب سالک ترقی کرتا ہے تو اس کو اسی طرح تمام جہان کی فنا و بقا دکھتی ہے حقیقتاً اس کی اور تمام جہان کی فنا و بقا نہیں ہوتی، سالک کا ہر مقام میں وجود موجود رہتا ہے لیکن اس کے علم میں نظر نہیں آتا۔

چنانچہ حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

چوں زبانہ شمع پیش آفتاب

نیست باشد ہست باشد در حساب

اگرچہ چراغ کی لو آفتاب کے سامنے

معدوم ہو جاتی ہے، حالانکہ وہ حقیقتاً موجود ہوتی ہے

ہست باشد ذات او تا تو اگر　　　　بر نہی پنبہ بسوزد آں شرر

وہ تو موجود ہوتی ہے، چنانچہ اگر تم

اس کی لو پر روئی رکھو، تو وہ جل جائے گی

نیست باشت روشنی ندہد ترا　　　　کردہ باشد آفتاب اور افنا

وہ چراغ معدوم معلوم ہوتا ہے اور روشنی بھی نہیں دے رہا ہے

لیکن یہ سب کچھ آفتاب کی وجہ سے ہے کہ اس نے چراغ کو ماند کر دیا

اور اسی واسطے حضرت فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

سیہ روئی ز ممکن در دو عالم   جدا ہر گزنہ شد واللہ اعلم

بشریت کی سیاہی دونوں جہاں میں

ہر گز جدا نہیں ہو سکتی آگے خدا جانے

نمی بینی کہ شاہے چوں پیمبر   نیافت او فقر کل تو رنج کم بر

تو نہیں دیکھتا کہ پیغمبر صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم بھی بشر سے خدا

نہ بن سکے تو اے طالب تو کس بات کا غم کرتا ہے

غیر مذاہب کا ان بزرگوں کے الفاظ سے استنباط مسئلہ تناسخ و آواگون کرنا بالکل غلط اور سراسر کج فہمی ہے، یہ مقام نہایت عشق کا شدید ہوتا ہے اور بلا عشق شدید کے نفس ملعون کی سرکوبی اور خباثت نفس اور کبر و عجب وریا و حقد و حسد سے دل پاک نہیں ہوتا، اور اتباع سنت نبوی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اور تعمیل ارشاد الٰہی أَلَا لِلّٰهِ الدِّينُ الْخَالِصُ (الزمر ۳) (آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کے لئے خالص دین ہے) نہیں ہوتی۔

ہر کرا جامہ ز عشقش چاک شد   او ز حرص و بغض کلی پاک شد

جس کسی کا خدا کے عشق سے کپڑا چاک ہوا

وہ حرص اور بغض وغیرہ سے حقیقتاً پاک ہوا

اور بلا عبور کئے ہوئے اس مقام فنا و بقا کے جناب باری کی درگاہ میں گزر نہیں ہوتا۔

چنانچہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہیچ کس را تانہ گردد ایں فنا   نیست رہ در بارگاہ کبریا

جب تک کسی کو یہ فنا حاصل نہ ہو
اس کو درگاہ الٰہی کا راستہ نہیں مل سکتا

اور حسین منصور رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کفرت بدین اللہ و الکفر و اجب لدی و عند المسلمین قبیح

میں نے اللہ کے دین میں کفر کیا ہے اور یہ کفر واجب ہے
میرے نزدیک اور عام مسلمانوں کے نزدیک یہ ناپسندیدہ ہے

اس حال "ہمہ اوست" کو اصطلاح صوفیاء میں "کفر طریقت" بھی کہتے ہیں اور کفر طریقت یہ ہے کہ امتیاز اٹھ جائے اور بجز ذاتِ حق کوئی نظر میں نہ رہے، اور جب تک یہ حال طالب پر طاری نہ ہو گا فیضانِ الٰہی اخذ کرنے کے لائق بھی نہیں ہو سکتا اور نہ دوسروں کو اپنی ہمت باطن سے فیض پہنچا سکتا ہے۔ لہٰذا ایسی عشق شدید عالم غیب سے فیض لینے اور خلق میں فیض پہنچانے کا ذریعہ ہے، اور اسی حال کے گزر جانے کے بعد تمام سلاسل صوفیاء میں وہ شخص اولیاء میں شمار کیا جاتا ہے اور اسی حال کے گزر جانے کے بعد قطب ابدال، اوتاد، نقیب، نجیب، قطب مدار، قطب ارشاد اور اجازت سلسلہ بیعت کے لائق ہو جاتا ہے، اور اسی فنا کے بعد قبور اولیاء سے فیض اخذ کرنے کے لائق ہوتا ہے، اور اسی فنا کے بعد الحب للہ والبغض للہ پر عمل کرنے کے لائق ہوتا ہے، اور اسی مقام میں کشف اور خرق عادات کثرت سے ظاہر ہوتی ہیں، اسی مقام میں مقام جہان کا نقش سینہ میں نظر آتا ہے، اسی مقام میں بوقت غلبہ حال اگر مردہ سے وہ کہے کہ زندہ شو تو وہ زندہ ہو جائے، اگر زندہ سے کہے کہ مردہ شو، تو وہ فوراً مر جائے، اسی مقام میں وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ (الذاریات ۲۱) معلوم ہوتی ہے۔ اسی مقام میں تمام زمین و آسمان کی حقیقت وسعت قلب کے مقابلہ میں نقطہ کے مانند معلوم ہوتی ہے۔

کثرت حال میں یہ بندہ خاص اپنے کو بندہ جانتا، بلکہ اپنے علم میں دوئی اٹھ کر ایک ہی جانتا ہے تو خداوند تعالیٰ بھی اس کے گمان کے موافق اس سے پیش آتا ہے اور اس بندۂ خاص کی دعا کو رد نہیں کرتا، جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے کہ بعض میرے امتی پریشان حال اور غریب ہوں گے اور لوگوں میں ان کی وقعت نہ ہوگی مگر خدا کے نزدیک وہ مرتبہ والے ہوں گے اور وہ جو قسم کھا بیٹھیں گے خدا ویسا ہی کرے گا اور دوسری حدیث شریف انا عند ظن عبدی بی یعنی جو بندہ مجھ سے جیسا گمان رکھے گا میں اس کے گمان کے موافق اس سے پیش آؤں گا اور پیش آتا ہے۔

اطلاع: بعض اولیاء اللہ اکمل اپنے بعض طلبہ کو بطور طفرہ کے مقام ہمہ اوست کو درمیان میں چھوڑ کر ولایت کبریٰ میں لے جاتے ہیں، (طفرہ کے معنی لغت میں یہ ہیں کہ درمیانی مقام کو چھوڑ کر اوپر کود کر چلے جانا) جیسے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نان بائی کو مقام ہمہ اوست کو چھوڑ کر ایک ترجمہ میں مقامات عالیہ میں کھینچ کر لے گئے، حضرت مرزا مظہر جانجاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے بعض طلبہ کو اسی طرح لے گئے ہیں اور اولیاء اکمل بھی۔

اطلاع: بعض اولیاء اس راہ سلسلہ طریقت سے علاوہ صرف اتباع سنت اور کثرت عبادت اور خلوص اور مجاہدہ سے بھی خدا تک پہنچتے ہیں اور بعض پیدائشی ولی ہوتے ہیں ان کو اجتبائے صرف میں حصہ دیا جاتا ہے، بلا تعلیم، بلا عمل، بلا صحبت خود بخود ان کی روح میں کشش ربانی ہوتی ہے اور وہ خدا تک پہنچتے ہیں اور اکثر وہ مجذوب ہوتے ہیں لیکن دونوں قسم کے اولیاء شاذ و نادر ہوتے ہیں، ولایت کا راستہ شاہراہ عام میں سلسلہ طریقتِ صوفیاء ہے۔

جب سالک اپنی اصل کی طرف رجوع کرتا ہے کہ جس کی تشریح پہلے گزر چکی ہے تو اس سیر کو سیر الی اللہ کہتے ہیں اور جب سالک کو اپنی اصل سے وصل ہوتا ہے تو اس حالت میں بحالت بے خودی

اور شدت عشق سے اور بوجہ امتیاز اٹھ جانے اور بجز ذاتِ حق اس کی نظر میں باقی نہ رہنے کے ہمہ اوست "انا الحق" اور "سبحانی ما اعظم شانی" وغیرہ کہہ اٹھتا ہے۔ اس کو "سیر فی اللّٰہ" کہتے ہیں اور جب اس حال سے سالک کو حالت ہوش میں اس جہان کے ناقصوں کی تربیت کے لئے شیخ کامل واپس لاتے ہیں تو اس سیر کو سیر عن اللّٰہ باللّٰہ کہتے ہیں۔

حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ حالت عشق کی یہ فرماتے ہیں:

عشق آں شعلہ است کہ چوں بر فروخت　　　ہر کہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

عشق ایسا شعلہ ہے کہ جب بھڑک اٹھتا ہے تو

معشوق کے سوا تمام چیزوں کو جلا دیتا ہے

ماند الا اللّٰہ باقی جملہ رفت　　　شاد باش اے عشق شرکت سوز زفت

خدا ہی خدا باقی رہتا ہے، اور تمام ماسویٰ جل جاتا ہے

اے شرک کے جلا دینے والے تو ہمیشہ آباد رہے

آگاہی: فنا کی تین قسمیں ہیں، فنائے اول، فنائے ثانی اور فناء الفناء۔ فنائے اول کا سالک حالت خواب اور حالت مراقبہ میں اپنے کو مردہ اور تمام جہاں کو نیست و نابود پاتا ہے اس فنا کو عود کا خوف ہے، اور یہ فنا ضعیف ہے، فنائے ثانی کا سالک جاگتے میں بچشم ظاہر اپنے کو اور تمام جہان کو معدوم اور صرف ایک ذات واجب الوجود کو موجود پاتا ہے، اس فنا کو عود کا خوف نہیں ہے اور فناء الفناء اس کو کہتے ہیں کہ سالک کو شعور فنا بھی باقی نہ رہے، فنائے ثانی اگرچہ بہت بہتر فنا ہے اور اس کو عود نہیں ہے مگر جو توحید اکابر دین و علمائے سابقین و عرفائے محققین کے نزدیک معتبر اور اصلی ہے وہ یہ ہے کہ ظہورِ توحید بلا قید جسم کے ہو، بموجب ارشاد وَاللّٰہُ مِنۡ وَرَآئِهِمۡ مُحِيطٌ (البروج ۲۰) اور فنائے ثانی کا

سالک اپنے وجود کو اور ہر شے کے وجود کو کثرت محبت میں خدا جانتا ہے، اس میں انانیت باقی ہے اسی واسطے حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ”انا گفتن آسان ست و انا زائل کردن مشکل است“ اور یہی فناء الفنا ہے اور یہی فنا حدیث ”ان تعبد اللہ کانک تراہ۔۔الخ“ سے مناسبت رکھتی ہے اور یہی فنا شریعت سے چسپاں اور طریقت سے وابستہ ہے، اور یہ توحید صوری جسمانی صورت توحید ہے اور توحید بلا جسم وَاللّٰہُ مِنۡ وَرَائِهِمۡ مُحِيطٌ (البروج ۲۰) اور اصلی اور حقیقی توحید ہے، اولیائے فنائے ثانی اور فناء الفناء کا وجود خلق کے واسطے رحمت حق اور ذات اس کی کبریت احمر ہے اگرچہ تینوں قسم کی فنایئت والی جماعت اولیاء میں داخل ہے لیکن مرتبہ میں اور فیض میں اور قرب خدا اور اثر صحبت میں ان میں بہت بڑا فرق ہے، مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آئینہ دل چوں شود صافی و پاک　　　نقشہا بینی بروں از آب و خاک

جب دل کا آئینہ پاک و صاف ہو جائے تو تجھے
وہ چیزیں نظر آئیں گی جو مادیت سے بالاتر ہیں

سوال: یہ مقام اور حالات ہمہ اوست وغیرہ صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت نہیں اور عقیدۃً وہ اولیاء سے افضل ہیں۔

جواب: صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس مقام پست کے حاصل کرنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ ان کو نبی کریم صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَيۡهِ وَاٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی ایک ہی توجہ میں وہ تقرب حاصل ہو جاتا تھا کہ اگر ولی لاکھ برس کی عمر پا کر ریاضت شدید کھینچے تو بھی صحابہ کبار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قرب حق اور صفائی باطن اور قوت ایمان اور مرتبہ عالیہ کو نہیں پہنچ سکتا کیونکہ جب ولی کی صحبت ایک ساعت کی دوسروں کے صدہا سال کی طاعت و عبادات بے ریا سے بہتر ہے تو پھر سردار

انبیاء علیہم السلام کے صحبت یافتہ کے قرب کا کیا مقام اور کیا کہنا، جن کے آدھ سیر جو، جو انہوں نے خدا کی راہ میں خرچ کئے، ہر ولی ہر امتی کے پہاڑِ احد کے برابر سونا چاندی راہ خدا میں خرچ کرنے سے بہتر ہے، صرف اسی حدیث سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خلوص اور مرتبہ کا پتہ ملتا ہے، اگر اس مقام ہمہ اوست کو مقام انتہائے قرب اور عالی مان لیا جائے تو علاوہ ولایت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے انبیاء علہم الصلوۃ والسلام کے مرتبہ کی بھی نفی ہو جاتی ہے کیونکہ جو مقرب زیادہ ہو گا اسی کا مرتبہ بھی زیادہ ہو گا۔ اگر کشف و کلام اولیاء صحیح اور معتبر مان لیا جائے تو کشف و کلام انبیاء علیہم السلام اور احکام الٰہی غیر صحیح ماننا پڑے گا اور اگر یہ صحیح ہیں تو کشف اولیاء ماننے کے قابل نہیں ہو سکتا۔ اور احکام وحی وہ مرتبہ رکھتے ہیں کہ جو سرور انبیاء صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے کلام سے یعنی حدیث سے بھی افضل و اعلیٰ اور قابل عمل ہیں تو پھر کلام اولیاء خلاف کلام خدا و خلاف کلام مصطفی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کیسے درست ہو سکتا ہے کہ جو شرعاً اور طریقتاً اور عقائداً اور عقلاً بالکل بعید ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور انبیاء علیہم السلام سب کا مشرب یہ ہے کہ خدا قدیم ہے اور مخلوق حادث اور خالق الگ اور مخلوق الگ، خالق سے مخلوق کا اور قدیم سے حادث کا کوئی حلول و اتحاد نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

چوں قدم آمد حدث گردد عبث　　　　پس کجا راند قدیمی را حدث

جب قدیم آیا، تو حادث معدوم ہوا

لہٰذا حادث قدیم کو کیسے پا سکتا ہے

اور کفر کو برا اور اس کے مٹانے میں کوشاں رہے، اور اسلام کو اچھا اور اس کے بڑھانے میں ساعی رہے پس اولیاء کے حالات سن کر اور صحابہ اور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے حالات میں فرق بین اور معاملہ ضدین ہے، اب دیکھنا صرف اس بات کا ہے کہ آیا انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام پر اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی اتباع ہر امر میں واجب ہے یا اولیاء پر انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی، پس یہ بات کسی مسلمان پر مخفی نہیں ہے کہ اتباع انبیاء کی اولیاء پر اور ہر مخلوق پر فرض ہے، ثبوت میں اس کے نص قطعی وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر ۷) (اے مومنو! جو میرا رسول تمہارے پاس لائے اس کو لے لو اور جس بات سے منع کر دے اس سے باز رہو) اور وجہ اس کی یہ ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے فعل اور ارشاد میں کوئی لغزش اور خرابی نہیں ہوتی اور اولیاء اللہ کو جو کشف اور الہام ہوتا ہے اس کے سمجھنے میں غلطی اور سہو اور دھوکہ شیطان کا ممکن ہے۔ یہ مسئلہ مسلمہ تمام علمائے طریقت اور علمائے شریعت ہے، پس جس قول و فعل کی صحت میں تامل ہو اس کو مان لینا اور جو قول و فعل انبیاء علیہم السلام کا ہر خرابی سے مبریٰ ہو اس کو نہ ماننا صریح اور فاش غلطی ہے اور نعوذ باللہ اگر سب شے کو عین خدا سمجھ لیا جائے تو پھر کل شیئٍ ھالک اور يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ (التوبة ۷۳) اور فَلَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْكَافِرِينَ (البقرة ۸۹) اور اللهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ (البقرة ۱۹۴) وغیرہ آیات مبارکہ کا مضمون کیسے درست ہو سکتا ہے۔ یہ درست جب ہی ہو سکتا ہے کہ خالق الگ اور مخلوق الگ، نافرمان الگ اور فرمانبردار الگ، جہنمی الگ اور جنتی الگ ہوں اور کلام حق، حق ہے اور ہر تحقیق اس کے خلاف غلط، جب یہ بات سب جانتے ہیں کہ کسی اولیاء رحمۃ اللہ علیہم سے حالت سکر میں بھی کھانا، سونا وغیرہ صفات انسانی دور نہیں ہوئی تو پھر صفات بشری کو دور کر کے خدا کیسے بن سکتے ہیں۔

جب دنیا میں آنکھ ذات واجب الوجود کے دیکھنے سے مجبور ہے، تو بندۂ خاکی خدا میں مل جانے یا خدا بن جانے پر کیسے قادر ہو سکتا ہے، جب بندہ کو روح اور پھول کی خوشبو اور آنکھ کی روشنی اور ہوا اور آواز اور درد اور دوا کے اثر شفا و نقصان ہی نہیں دکھتے تو ان کے خالق کو کیسے دیکھ سکتا ہے؟ اور پھر دیکھنا تو کجا خود خدا میں مل جانا یا خدا ہو جانا کیونکر اور کیسے ہو سکتا ہے، اگر کسی نے کہا ہے تو بحالت سکر کہا ہے اور کلام اہل سکر قابل ماننے کے نہیں ہوتا، اسی واسطے امام الطریقہ حضرت خواجہ خواجگان خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہر کہ دیدہ شد و شنیدہ شد و دانستہ شد آں ہمہ غیر است

اور ارشاد فرماتے ہیں:

کس راند ہد ز تو نشانے　　　　این ست نشان بے نشانے

کسی کو تیرا نشان نہیں دے سکتے

یہی ہے بے نشانی کی علامت

اور ارشاد فرماتے ہیں:

برتر از علم ست و بیروں از عیاں　　　　ذاتش اندر ہستی خود بے نشاں

وہ علم سے بالا اور خیال سے باہر ہے

اس کی ذات اس کی ہستی میں بے نشان ہے

زو نشان جذبے نشانی کس نیافت　　　　چارہ جز جاں فشانی کس نیافت

اس کا سوائے بے نشانی کے کسی نے نشان نہ پایا

اور سوائے جاں فشانی اور حیرانی کے کوئی چارہ نہ دیکھا

گر عیاں جوئی نہاں آنگہ بود　　　ور نہاں جوئی عیان آنگہ بود

جب تو اس کو ظاہر تلاش کرے تو وہ پوشیدہ ہو گا

اور اگر پوشیدہ تلاش کرے تو اس وقت ظاہر ہو جائے گا

صد ہزاراں طور از جاں بر تراست　　　ہر چہ خواہم گفت اوزاں بر ترست

لاکھوں طریقہ سے وہ جان سے بالا تر ہے

جو کچھ میں کہوں گا وہ اس سے کہیں زیادہ بر تر و بالا ہے

عجز از اں ہمراہ شد با معرفت　　　کونہ در شرح آید و نہ در صفت

معرفت کے ساتھ اس سے عاجزی ملی ہوئی

ہے کہ جو نہ بیان کی جاسکے اور نہ اس کی تعریف ممکن ہے

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کو اس درجہ اس مقام فنا و بقا میں ترقی نصیب ہوئی کہ بجائے نام محمد عبد الباقی کے باقی باللہ مشہور خلائق ہیں، مگر بعد میں جب ترقی ہوئی تو فرمایا کہ ""توحید کوچہ تنگ است شاہراہ دیگر است"" (مقام وحدۃ الوجود تنگ راستہ ہے، بڑا راستہ شاہراہ یعنی راستہ فرمودہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور ہے) اسی طرح شروع حال میں اولیاء متقدمین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے بعض نے توحید وجودی کے الفاظ بحالت سکر فرمائے ہیں بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو اس مقام سے ترقی نصیب فرمائی ہے، چنانچہ حضرت فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے بحالت سکر اشعار توحید وجودی وغیرہ کا اظہار ہوا ہے، لیکن آخر میں یہ فرمایا:

نمی بینی کہ شاہ چوں پیمبر　　　نیافت او فقر کل تو رنج کم بر

کیاتو نہیں دیکھتا کہ شاہِ کونین، پیمبر صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم بھی
خدا نہ بنے تو تو کیوں غم کرتا ہے

اور فرماتے ہیں:

بے گناہ نگزشت برما ساعتے   با حضور دل نہ کردم طاعتے

بغیر گناہ کے میری ایک گھڑی بھی نہیں گزرتی
اور نہ کوئی عبادت حضوری کیساتھ مجھ سے ہو سکی

اطلاع: یہ حضرت فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے پیشتر ہوئے ہیں، ان کی تعریف میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ انہوں نے سات بازار عشق کے طے کئے ہیں اور میں ایک ہی بازار میں ہوں، اور حضرت مونالا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

اے بروں از وہم و قال و قیل من   خاک بر فرق من و تمثیل من

اے وہ ذات کہ جو وہم وچون وچرا سے باہر ہے
میرے سر اور میری مثال پر خاک پڑے

قرب بیچون ست عقلت را بہ تو   آں تعلق ہست بیچوں اے عمو

عقل کے ذریعہ سے ہی تجھ کو قرب حاصل ہے
اور وہ تعلق اور قرب بھی بیچونیت کے ساتھ ہے

اتصالے بے تکیف بے قیاس
ہست رب الناس را باجان ناس

جو اتصال کہ پروردگار کا انسان کے ساتھ ہے

وہ نہ قیاس میں آ سکتا نہ عقل میں

زانکہ فصل و وصل نبود در رواں

غیر فصل و وصل نیندیشد گماں

چونکہ اسکا قرب فصل و وصل سے بالا ہے اسلئے خیال

خیال بھی اس تک نہیں پہنچ سکتا بلکہ فصل و وصل ہی کے چکر میں رہتا ہے

مرصفاتش راچناں داں اے پسر   کز وے اندر وھم ناید جز اثر

اس کی تعریف بس اس قدر سمجھ لو کہ انسان کے

وہم و خیال میں سوائے اثر کے اور کچھ نہیں آ سکتا

ظاہر ست آثار و نور رحمتش   لیک کے داند جز او ماہیتش

اس کی رحمت کے انوار و آثار ظاہر ہیں

لیکن ان کی حقیقت سوائے اس کے کون جان سکتا ہے

ہیچ ماہیات اوصاف و کمال   کس نہ داند جز بہ آثار و مثال

اس کے وصف و کمال کی حقیقت کو

سوائے اثر اور مثال کے کوئی نہیں جان سکتا

صد ہزاراں وصف گر گوئی و بیش

جملہ وصف اوست او زیں جملہ بیش

چاہے کوئی لاکھ اس کی تعریف کرے لیکن   وہ ان تمام اوصاف اور تعریفوں سے بالاتر ہے

وانکہ ہر مدحے نبود حق رود		بر صور اشخاص عاریت بود

جو تعریف کسی کی کی جائے وہ حقیقتاً

اس کی نہیں بلکہ اللہ ہی کی تعریف ہے

چوں نہایت نیست ایں راالا جرم		لاف کم باید زدن بر بند دم

چونکہ اس کی کوئی حد وانتہا نہیں ہے

اس لئے خاموشی بہتر ہے

ہر چہ اندیشی پذیرائے فناست		وانکہ در اندیشہ ناید آن خداست

تم جو کچھ خیال کرتے ہو وہ سب فانی ہے

اور خدا وہ ہے جو خیال و گمان سے بالا تر ہے

آں مگو چوں در اشارت نایدت		دم مزن چوں در عبارت نایدت

جو تیرے اشارہ و کنایہ

اور عبارت سے بالا تر ہے اس کے متعلق خاموش رہ

نے اشارت می پذیرد نہ عیاں		نہ کسے زو علم دارد نہ نشاں

نہ وہ قابل ارشاد ہے، نہ ظاہر ہے

اور نہ کسی کو اس کا علم اور پتہ ہے

ہر کسے نوع دگر در معرفت		می کند موصوف غیبے را صفت

ہر شخص نئی نئی طرح

اپنی حیثیت کے موافق اس کی تعریف کرتا ہے

فلسفی از نوع دیگر کرد شرح　　　　واں دگر مر گفت اورا کرد جرح

فلسفی کسی اور طرح اس کی تعریف بیان کرتا ہے

کوئی دوسرا اس فلسفی کی تردید پر آمادہ ہے

واں دگر بر ھر دو طعنہ می زند　　　　واں دگر از زرق جانے می کند

ایک تیسرا شخص ان دونوں پر اعتراض کرتا ہے

چوتھا اس کے بھی خلاف دلائل تیار کرتا ہے

ہاں وہاں گر حمد گوئی و سپاس　　　　ہمچو نافرجام آں چوپاں شناس

اگر کوئی خدا کی حمد اور اس کا شکر کرنا چاہے

تو وہ (حضرت موسیٰؑ کے دور کے) چرواہے سے بھی بدتر ہوگی

حمد تو نسبت بہ تو گر بہترست

لیک آں نسبت بہ حق ہم ابترست

تمہاری تعریف خواہ ہمارے نزدیک بہتر ہو

لیکن خدا کی شان کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی

جب موسیٰ علیہ السلام نبی اولوالعزم ایک پرتو صفات سے بے ہوش ہو کر گر پڑے اور **لن ترانی** کی آواز سنی تو ولی بے چارہ خاک پائے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اس جہاں میں خدا کو کیسے دیکھ سکتا ہے؟ جناب حضرت خاتم النبیین صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمۡ شب معراج میں عرش معلی پر تشریف لے گئے اور خدائے پاک کو اپنی چشم مبارک ظاہر سے دیکھا اور قریب ہونے میں **قاب قوسین او ادنیٰ** کا مرتبہ پایا اور اچھی طرح دیکھنے میں **ما زاغ البصر و ما طغیٰ** کا خلعت جناب باری

تعالیٰ سے عطا ہوا۔ فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ کے رموز تاج خاص سے خدا نے مشرف فرمایا۔ یہ مراتب، یہ قرب، یہ رفعت، یہ عزت، یہ خلعت کسی کو مخلوق میں سے نہ ملی، مگر ایسے قرب کے وقت خاص میں بھی جناب باری تعالیٰ کے سامنے یہی عرض کیا اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمداً عبدہ و رسولہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود سوائے خدا کے نہیں ہے اور یہ شہادت بھی دیتا ہوں کہ محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اللہ تعالیٰ کے بندہ اور اس کے پیغمبر ہیں) اور ایسے وقت خاص میں کہ مخلوق الٰہی میں سے کسی کو یہ مرتبہ نصیب نہ ہوا اپنے کو اور امت گنہگار اور صالحین کو اور خدائے عزو جل کو الگ الگ جانتے رہے، اور فرق فرماتے رہے کہ جس جگہ ولی کی بھی نہیں پہنچ سکتی، بعض مقام قرب و تجلیات میں روح کا گزر بھی نہیں ہے اگر جائے تو جل جائے مگر سیر نظری روح کو ہوتی ہے، وہ بھی بوسیلہ اور تبعیت روح اقدس رسول پاک صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم سے جس کا حال آئندہ دوائر میں آئے گا اور مسئلہ ضمنیت صغریٰ و ضمنیت کبریٰ سے حال روشن ہو گا جس کی تشریح یہ ہے کہ خاص خاص قرب میں تجلیات الٰہی کو روح برداشت نہیں کر سکتی، تو اکمل اولیائے متقدمین کی روح کم درجہ کے اولیاء کی روح کو اپنی اپنی روح کے احاطہ میں لے کر سیر کراتے ہیں، اس کو ضمنیت صغریٰ کہتے ہیں اور بعض اعلیٰ مقامات قرب میں اکمل اولیاء کی روح کو نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اپنے احاطہ روح اقدس میں لے کر سیر کراتے ہیں، اس کو ضمنیت کبریٰ کہتے ہیں تو ولی بے چارہ کو نہ وہ مقام نصیب، نہ وہ قرب حاصل تو پھر ان کا "انا الحق" کہنا خلاف احکام قرآنی و خلاف حدیث نبوی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ، و خلاف ارشاد صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کب درست ہو سکتا ہے۔ اگر ہو سکتا ہے تو اتنا کہ اثنائے سکر اور غلبہ محبت میں بحالت مدہوشی یا بے ہوشی ایسا فرمایا لیکن یہ ان کا بحال بے خبری کہنا ان کے واسطے نور ہے اور اوروں کے

واسطے بلا حال کہنا نار ہے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ خاصانِ خدا کعبہ مقصود کے اندر اپنے کو پاتے ہیں اور دریائے معرفت میں غرق ہوتے ہیں، اس لئے وہ بمقابلہ اوروں کے مستثنٰی ہیں، جیسے کہ حاجی وقت داخلۂ بیت اللہ سمت کعبہ کے احکام سے مستثنٰی ہیں پھر ان کی نقل غیر کو کیونکر درست ہو سکتی ہے۔

چنانچہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

دردرون کعبہ رسم قبلہ نیست　　　　چہ غم ار غواص راپاچیلہ نیست

کعبہ کے اندر قبلے کی کوئی خاص سمت نہیں ہے

جس طرح غوطہ خور کو چاٹو کی ضرورت نہیں ہے

خوں شہیداں راازآب اولیٰ تراست　　　　زیں گناہ از صد ثواب اولیٰ تراست

شہیدوں کا خون پانی سے زیادہ پاک ہے

اسی وجہ سے یہ گناہ ہزاروں نیکیوں سے افضل ہے

بس ان بندگانِ خاص اہل حال کے واسطے اتنا کہنا کافی ہے السکاریٰ معذورون (سکر والے معذور ہیں) ان کا حال ان کے لئے نور ہے اور ان کے حال کی اتباع اہل قال کے واسطے نار ہے۔ **فاعتبروا یا اولی الابصار**۔

اطلاع ضروری: مقام فنا و بقا سے مراد اور مقصد صرف خلوص اور یقین کامل، یعنی ایمان حقیقی حاصل کرنا ہے اور اگر کوئی یہ خیال کرے کہ مقام فنا و بقا کے حاصل ہونے پر بشر عین خدا ہو جاتا ہے یا خدا میں یہ شخص مل جاتا ہے ایسا خیال الحاد اور زندقہ ہے، **نعوذ باللہ**، چنانچہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حدودِ شریعت کے اندر رہ، اگر شریعت سے باہر قدم رکھا تو گمراہ ہوا اور پھر ہوا، اور ضرور ہوا۔

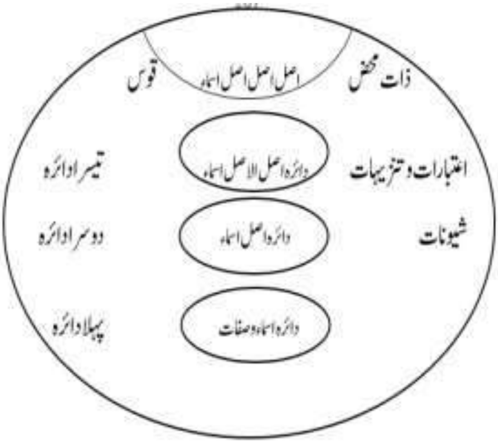
دادیم ترا ز گنج مقصود نشان   گر ما نرسیدیم تو شاید برسی

ہم نے تجھے مقصود کے خزانہ کا پتہ اور نشان بتادیا

اگر ہم نہ پہنچے تو شاید تو پہنچ جائے

دائرہ ولایت کبریٰ

جب طالب ولایت صغریٰ کو کہ جو بمقام ظلال اسماء وصفات الٰہی ہے، اور یہ مقام ولایت اولیاء ہے، طے کر چکتا ہے تو اس کو عروج ہوتا ہے کہ جو اصل ہے، ظل کے یعنی اسماء وصفات میں اور یہ ولایت کبریٰ ولایت ہے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی اور مبدء یعنی نکاس اور اصل انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام وملائکہ کہ اسماء وصفات الٰہی سے ہے اور اسماء وصفات الٰہی جمیع نقصانات سے پاک ہیں، اسی وجہ سے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور ملائکہ کرام معصوم اور گناہوں سے پاک ہیں، انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو اس مقام میں ایسا قرب حاصل ہے جیسے مرکز اور اولیاء کو بطفیل انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور ان کی متابعت کی وجہ سے مثل دائرہ کے، اسی واسطے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو معصوم اور اولیاء رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کو محفوظ کہتے ہیں۔ اس مقام میں علم شریعت ہے اور ذوق وشوق آہ نعرہ سب جاتا رہتا ہے یہاں نیستی گزشتگی حاصل ہوتی ہے یہاں سالک اپنے کو خوب جان لیتا ہے کہ تیری اصل شر وفساد ہے اور جو کچھ خیر ہے وہ **من جانب اللہ** ہے۔



مَا أَصَابَکَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰہِ وَ مَا أَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِکَ (النساء ۷۹)

اے سننے والے تجھے جو بھلائی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچے وہ تیری اپنی طرف سے ہے۔

چشم علم ظاہری و چشم علم لدنی سے دیکھ لیتا ہے اور اس دل کی پرورش بعض وقت خود رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم فرماتے ہیں جس طالب کی استعداد ضعیف ہوتی ہے تو وہ اکثر حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی پرورش اور التفات بحالت خواب دیکھتا ہے، اور جس کی قوتِ ولایت بدرجہ اوسط ہوتی ہے، وہ جناب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو دل کی آنکھوں سے بحالت مراقبہ دیکھتا ہے اور جس طالب کی ولایت قوی ہوتی ہے وہ حضور پر نور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو چشم ظاہر سے دیکھتا ہے اور پرورش آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی ذات مبارکہ سے اور التفات اور انعام اپنے پر پاتا ہے، بعض خاصان خدا پر حضور انور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی اس قدر عنایت ہوتی ہے اور اتصال روحانی ہوتا ہے کہ کبھی کبھی آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اس ولی کی شکل بن جاتے ہیں اور کبھی ولی آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی شکل بن جاتا ہے اور کبھی دونوں ہمشکل بن جاتے ہیں۔ اس اتصال کو اصطلاح صوفیاء میں اتصالِ روحانی کہتے ہیں اور اس کو فنافی الرسول بھی کہتے ہیں۔ فنافی الرسول کی کئی اقسام ہیں آپ کی محبت میں فنا ہونا، آپ کی اتباع میں فنا ہونا، وغیرہما، لیکن یہ اتصال روحانی ہمشکل ہو جانا سب سے اعلیٰ اور قوی تر ہے، لیکن کمال اتصال روحانی اور بدرجہ اتم آپ کے علوم ورموز باطنی سے جب کوئی مشرف ہوتا ہے کہ دائرہ حقیقت محمدی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم میں اس کو پورا عروج میسر ہو اور اس ولایت کبریٰ کا تعلق اسم **هو الظاهر** سے ہے۔

دادیم ترا از گنج مقصود نشاں　　　گر ما نہ رسیدیم تو شاید برسی

ہم نے تجھے مقصود کے خزانہ کا پتہ بتادیا
اگر ہم نہیں پہنچے تو شاید تو ہی پہنچ جائے

ولایت علیا

ولایت علیا فرشتوں کی ولایت ہے اور تعلق اس کا اسم **هو الباطن** سے ہے اور یہ ولایت علیا انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی ولایت سے اعلیٰ ہے، چونکہ ولایت کبریٰ کا تعلق اسم **هو الظاهر** سے ہے، اسی واسطے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام خلق پر ظاہر اور ملائکہ کا تعلق اسم **هو الباطن** سے ہے، بایں وجہ وہ پوشیدہ رہے اور ترقی ملائکہ اسماء وصفات وشیونات ذات تک ہے چونکہ تعلق اسم **هو الباطن** کا ذات غیب الغیب سے زیادہ مناسبت اور قرب رکھتا ہے، بمقابلہ اسم **هو الظاهر** کے، اسی واسطے فرشتوں کی ولایت انبیاء کی ولایت سے اعلیٰ ہے۔

سوال: انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام بمقابلہ ملائکہ کرام افضل ہیں تو ولایت بھی ان کی افضل ہونی چاہئے اور یہاں معاملہ بر عکس ہے کیونکہ خصوصاً حضور رسول خدا صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا ہر قرب تمام خلق سے زیادہ مانا گیا ہے۔

جواب: تحقیقات و حالات و مقامات حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض یا شبہ کرنا (کہ جس کی تصدیق ہزاروں بڑے بڑے علماء اور صلحاء فرما چکے ہیں اور حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے اسی طرح ان حضرات پر ظاہر ہوا ہے اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے فرمودہ میں سر مو فرق نہ ہوا) ذرا فہمید سے دور ہے، مگر چونکہ سوال کیا گیا ہے اس لئے یہ جواب لکھا جاتا ہے۔ ولایت کمالات نبوت کا جز ہے۔ جز کی خوبی اور بھلائی عین کل کی خوبی اور بھلائی ہے، جملہ قرب حق اور جملہ خوبیاں تمام خلق کی یہ سب خوبی ہے رسول پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی۔ لیکن بعض مخلوق میں سے بعض قوم اور بعض افراد کو بعض بعض معاملات میں خصوصیت ہے جیسے ملائکہ پوشیدہ رہتے ہیں اور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام ظاہر، یا جیسے حضرت خضر علیہ السلام اسرار الٰہی سے واقف ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام واقف نہ ہوئے یا جیسے ترقی اسلام اور فتوحات امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی ویسی حضرت محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں نہ ہوئی لیکن ان جزئی خصوصیات سے نہ حضرت خضر علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہو سکتے ہیں اور نہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ سے بہتر اور افضل ہو سکتے ہیں۔ یہ فرق بشریت اور ملکیت کا ہے۔ فرشتوں کی ولایت کی ترقی انوار اسماء و صفات الٰہی اور شیونات ذات تک محدود ہے اور انبیاء علیہم

الصلوۃ والسلام کی ترقی کمالات نبوت میں ہے۔ جہاں تجلی ذات بے پردۂ صفات ہے اس جگہ ملائکہ کا گزر نہیں اور یہ ترقی ملائکہ کو صدقہ ہے حضرت رسول اللہ صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا اور یہ خصوصیت بشریت اور ملکیت کی یوں خوب سمجھ میں آجائے گی کہ جو کلام خدا یعنی وحی بتوسط فرشتہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آئی، وہ افضل ہے حدیث قدسی سے کہ جو کلام اللہ تعالیٰ نے خود حضور صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے بلاتوسط فرشتہ کے فرمایا، عقل معاش چاہتی ہے کہ حدیث قدسی افضل ہونی چاہیئے وحی سے، کیونکہ خدا نے سب سے بہتر ذات صاحب لولاک سے خود کلام فرمایا تو پھر کم درجہ والے کی معرفت جو ارشاد فرمایا وہ کیونکر افضل ہو سکتا ہے لیکن بھید اس کا یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام معصوم اور گناہوں سے پاک ہیں مگر بوجہ بشریت بھول ممکن ہے، جیسے سورۂ کہف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت خضر علیہ السلام کے حالات میں ارشاد ہے وَمَا أَنْسَانِيهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ (الکھف ٦٣) (اور نہیں بھلایا مجھ سے اس کو مگر شیطان نے) اور فرشتے علاوہ معصوم ہونے کے بھول سے بھی پاک ہیں، اسی واسطے وحی حدیث قدسی سے افضل ہے، اس فضل جزئی سے فرشتے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام سے نہ افضل ہوسکتے ہیں اور نہ ان کی ولایت افضل ہو سکتی ہے یا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانِ چہارم پر زندہ اٹھا لئے گئے اور حضور انور صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے تریسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی اور قبر شریف زمین پر مدینہ منورہ میں بنی۔

تنبیہ: حضور انور صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے وفات پائی مگر صرف نقل مکانی کی ہے۔ آپ صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم حیات النبی ہیں جیسے کہ دنیائے ظاہر میں زندہ تھے، ویسے ہی قبر شریف میں زندہ ہیں۔ آپ صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم تو کیا آپ کے غلامان غلام بندہ خاص حسب مراتب حسب حیثیت قبروں میں زندہ ہیں، جب شہداء فی سبیل اللہ کے واسطے

ارشادِ ربّ العباد سے وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ (آل عمران ۱۶۹) (جو اللہ کے راستہ میں شہید ہوئے ہیں ان کو تم مردہ خیال مت کرو بلکہ وہ زندہ ہیں، الی آخرہ) اور اللہ تعالیٰ نے مرتبہ کا تفاوت خود ہی قرآن مجید میں فرمادیا ہے من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين جب شہداء کو موت نہیں اور وہ زندہ ہیں تو صدیقین جو مرتبہ میں شہداء سے بہتر ہیں (یعنی اولیاء) تو انہیں بالاولی زندہ ہونا چاہیئے اور جب شہداء اور اولیاء غلامانِ حضرت محمد رسول اللہ صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو زندگی میسر ہے تو سردار انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو حیات النبی کہنا بالکل درست اور ہر طرح ٹھیک ہے اور جب آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم حیات النبی ہیں تو آپ کے غلام اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بموجب اس حدیث شریف کے العلماء ورثۃ الانبیاء کو بھی حضور صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی صفت حیات میں سے حصہ ملنا چاہیئے، اگر کسی صفت میں حصہ نہ ملے تو وارث کہنا لازم نہ آئے گا، اس جزئی خوبی سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت خاتم النبیین صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم پر فضیلت نہیں پاسکتے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام مستقل طور پر سدرۃ المنتہٰی پر تشریف رکھتے تھے، مگر اس جزئی فضیلت سے حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے افضل نہیں ہوسکتے، ترقی شب معراج میں حضرت محمد رسول اللہ صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت جبرئیل علیہ السلام سے کہیں بالاتر مقام پر پائی اور حدیث قدسی لی مع اللہ الخ میں ترقی درجات اور قرب مولیٰ کا حال تو بالکل صاف ہوگیا کہ کوئی نبی مرسل یا فرشتہ مقرب حضور انور صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے مرتبہ اور قرب میں شرکت نہیں رکھتا۔ پس نبی صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اور خاص فرشتے بعض جزئی فضیلت سے حضور صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے فضلِ کلی

پر سبقت نہیں پاسکتے یہی تفاوتِ ولایتِ کبریٰ وولایتِ علیا اور کمالاتِ نبوت کا ہے کہ ولایت میں فضل جزئی ہے اور کمالاتِ نبوت میں فضلِ کلی نصیب ہے، غرضیکہ جملہ قربِ حق اور جملہ صفاتِ حمیدہ تمام خلق کی پرتو ہے ذاتِ صاحبِ لولاک صَلَّی اللّٰہ ُتَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا اور اظہار اس کا مختلف صورتوں اور مختلف اقوام اور مختلف افراد میں، وقتاً فوقتاً مجملاً اور مفصلاً ہوتا رہا اور ان شاءاللہ ہوتا رہے گا جیسے کہ فرمایا حضور صَلَّی اللّٰہ ُتَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے کہ مجھ کو ملک شام اور ملک کسریٰ کے فتح کی کنجیاں عنایت ہوئی ہیں مگر حضور صَلَّی اللّٰہ ُتَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے زمانہ میں یہ ملک فتح نہ ہوئے بلکہ خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانہ میں فتح ہوئے لیکن یہ فتح خلفاء عین فتح خاتم النبیین صَلَّی اللّٰہ ُتَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ہے یا جیسے تخم درخت کہ درخت کے شاخوں کی بلندی، پتوں کی سبزی، پھولوں کی خوشبو، پھل کا ذائقہ یہ سب تعریف تخم درخت کی ہے۔ شاخیں پتے پھول پھل اپنے جزئی فضل سے درخت کی فضل کلی پر سبقت نہیں لے جاسکتے یا جیسے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بعض تعریفیں اور خصوصیتیں حضور صَلَّی اللّٰہ ُتَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ایسی فرمائی ہیں کہ وہ اور دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم میں نہیں پائی جاتیں لیکن ان جزئی خصوصیات اور فضائل کلی حضرات شیخین رضی اللہ عنہما پر لازم نہیں آتا، یا جیسے حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو حضور صَلَّی اللّٰہ ُتَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کہ تو میری مٹی سے پیدا ہوا ہے اور اس کو اصطلاح صوفیاء میں اصالت کہتے ہیں۔ اگرچہ یہ اصالت موجب فضیلت ہے مگر اس جزئی خوبی سے حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ خلفاء راشدین اور عشرہ مبشرہ رضوان اللہ علیہم اور حضرات امام حسن و امام حسین رضوان اللہ علیہم سے بہتر نہیں ہوسکتے۔ اسی طرح ہر نبی مرسل فضائل اور خصوصیات جزئی رکھتے ہیں جیسے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام،

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام، حضرت داؤد خلیفۃ اللہ علیہ السلام، حضرت ایوب صابر و نعم العبد علیہ السلام، حضرت اسمعیل ذبیح اللہ علیہ السلام، وغیر ہم علیہم الصلوۃ والسلام اور ہمارے رسول پاک صاحب لولاک علیہ التحیۃ والبرکات صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم فضائل اور خصوصیات کلی سے ممتاز ہیں اور جزو اور کل میں ایسا فرق ہوتا ہے جیسے شے اور سایہ شے میں، اسی طرح حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا مرتبہ قرب اور رفعت اور خلت اور خلافت اور صداقت اور صبر اور حلم اور علم اور عفو اور شجاعت اور سخاوت اور شفاعت اور رحمت کو کوئی نہیں پہنچ سکتا کیونکہ سب فرشتے اور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور تمام خلق آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ہی کے نور سے پیدا ہوئے ہیں۔

حسنِ یوسف علیہ السلام دمِ عیسیٰ علیہ السلام یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

چنانچہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قدم غالب ہے ولایت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قدم غالب ہے کمالات نبوت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے، چونکہ ولایت جزو نبوت ہے۔ اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں یا جیسے شب کو ماہتاب روشن رہتا ہے اور آفتاب پوشیدہ ہو جاتا ہے، یہ جزئی فضیلت ماہتاب کو آفتاب پر ضرور ہے لیکن روشنی ماہتاب میں خود بخود نہیں بلکہ قیام روشنی ماہتاب آفتاب سے ہے لہٰذا صفت جزئی مہتاب صفت کلی آفتاب پر سبقت نہیں پاسکتی، اسی طرح قرب ولایت صغریٰ، کبریٰ، علیا جزئی فضیلت سے کمالات نبوت کے فضل کلی پر سبقت نہیں پاسکتیں، جس سالک کی ولایت علیا قوی ہوتی ہے اور اس کو کشف دیا جاتا ہے

اس پر فرشتے ظاہر ہوتے ہیں اور بہت سی راز کی باتیں اس پر کھلتی ہیں اور بوجہ مناسبت ملائکہ اس سے گناہ بہت کم ہوتے ہیں چنانچہ حضرت مرزا جانجاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنے خلیفہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کو اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اے قاضی صاحب تم کیا عمل کرتے ہو کہ جب تم ہمارے پاس آتے ہو تو فرشتے تمہاری تعظیم کے لئے اٹھتے ہیں اور تمہارے بیٹھنے کے لئے جگہ خالی کرتے ہیں، اس ولایت کے متعلق جو مقامات انتہائی بیان کئے جائیں گے ان کی تحقیقات مفصل کوئی دیکھنا چاہے تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات شریف دیکھے اور اس ولایت علیا میں تین عناصر آگ، پانی اور ہوا کے لطائف سے ترقی ہوتی ہے۔

دائرہ کمالات نبوت

طالب جب ولایت علیاء کے فیضان و انوار سے مشرف ہو جاتا ہے اور طلب اس کی اعلیٰ ہوتی ہے تو اس کو مقام کمالات نبوت سے اللہ تعالیٰ مشرف فرماتا ہے۔ اس مقام کا ولی ایسی ذات اکمل ہوتی ہے اور ان کمالات سے مشرف ہوتا ہے کہ اولیائے ولایت صغریٰ و کبریٰ و علیاء اس کے کمالات کا احاطہ اور پورے طور پر ادراک نہیں کر سکتے اور یہ بندہ خاص العلماء ورثۃ الانبیاء کا پورا پورا مصداق ہوتا ہے، اور علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کی شکل مجسم ہوتا ہے، اگر نبوت ختم نہ ہوتی تو ایسی ذات اکمل نبی ہوتا۔ اس مقام کمالات نبوت میں ظہور تجلی ذات بلا پردہ صفات ہوتا ہے اور ترقی اس جگہ لطیفہ عنصر خاک سے ہوتی ہے اور انعام و اکرام الٰہی اسی لطیفہ خاک پر ہوتا ہے اور تمام لطائف عالم خلق و عالم امر اس کے تابع ہوتے ہیں اور چونکہ یہ عنصر خاک مخصوص بہ بشر ہے اسی واسطے خاص بشر خاص ملائکہ سے اور عام بشر عام ملائکہ سے افضل ہوتے ہیں۔

سوال: بشر تو کفار بھی ہیں، تو پھر یہ عام فرشتوں سے افضل کیسے ہو سکتے ہیں؟

جواب: اس جگہ بشر سے مراد مؤمن ہے، فرشتوں کے واسطے ایک مقام مخصوص ہے نہ ترقی ہے نہ تنزل اور بشر کی ترقی غیر محدود ہے، بشر حامل اور فیضیاب جمیع انوار اسماء و صفات الٰہی کا ہے، فرشتے اس سے محروم ہیں، جیسے جب آدمی بھوکا ہوتا ہے تو شان رزاقی اور سخی حقیقی کے دروازہ کو ڈھونڈتا ہے اور جب بیمار ہوتا ہے تو فیضان یاشافی یاسلام کا انتظار کرتا ہے اور جب گناہ ہوجاتا ہے تو صفت رحیم و کریم ستار و غفار کی طرف جھانکتا ہے اور جب نادار ہوتا ہے تو غنی مطلق کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اور جب کوئی زبردست دشمن ستاتا ہے تو بادشاہِ حقیقی کی اعانت طلب کرتا ہے اور کفار کے واسطے شان قہار و جبار اور مؤمنین اور ضعیفوں کے واسطے شان رؤف و رحیم کی صفت سے متصف ہوتا ہے اور جب اپنی تحقیق و ادراک میں عاجز اور متحیر ہوتا ہے تو عرض کرتا ہے رب زدنی علما اور جب تکلیف پہنچتی ہے تو اس پر صبر اور نعمت پر شکر کرتا ہے لہٰذا بموجب ارشاد ادعونی استجب لکم وہ جو مانگتا ہے اور جو چاہتا ہے خداوند تعالیٰ سب کچھ اس کو عنایت فرماتا ہے اور اپنے دروازہ سے محروم نہیں پھیرتا، اسی وجہ سے فرشتوں سے بشر سبقت لے گیا ہے اور ان فیضان و انعامات سے فرشتے محروم ہیں اور انہی وجوہات سے انی جاعل فی الارض خلیفۃ کا لقب اس کو عنایت ہوا ہے اور بار امانت کے اٹھانے میں بھی یہ سب سے پیش قدم رہا ہے اور قاعدہ کلیہ ہے کہ ظہور ہر شے کا ضد کے ساتھ ہوتا ہے چونکہ اصل انسان میں مٹی ہے اور مٹی کو پستی ہے اور مٹی میں اندھیرا ہے، اندھیرے کے مقابلہ میں انوار الٰہی اور پستی کے مقابلہ میں بلندی و رفعت لازمی ہے یہی وجہ ہے کہ خاتم النبیین صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم عرش معلی پر پہنچے اور کوئی مخلوق ناری یعنی جنات اور کوئی مخلوق نوری یعنی فرشتے اس رفعت اور بلندی اور ترقی پر نہ پہنچے اور قدرت حق نے ثابت کر دکھایا کہ فلاتزکوا انفسکم بل اللہ

یز کی من یشاء و اللہ علی کل شیئٍ قدیر۔ (پس تم اپنے نفس کا تزکیہ نہیں کرتے، بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اس کے نفس کو صاف کر دیتا ہے اور اللہ ہر بات پر قادر ہے) کو مخلوق پر ظاہر و ثابت کر دیا اور سبحٰن الّذی اسریٰ سے شروع کر کے ما زا غ البصر و ما طغیٰ و قاب قوسین او ادنی پر ختم کر دیا، اس مقام میں ذوق و شوق اور بے تابی وغیرہ کچھ نہیں ہوتی صرف برویقین اور رضاء و تسلیم اور اتباع سنت خاتم النبیین صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ہوتی ہے اور عاجزی اور نیستی اور دید قصور زیادہ ہوتا ہے، اور ہر ایک عبادت کو رب کے لائق نہیں جانتا اور بموجب حدیث شریف ما عبدناک حق عبادتک و ما عرفناک حق معرفتک و لا احصی ثنائک۔ (ہم نے جو تیری عبادت کا حق تھا ویسا ادا نہیں کیا اور ہم نے جو تیری معرفت کا حق تھا ویسا ادا نہیں کیا اور میں تیری حمد و ثنا کا احاطہ نہیں کر سکتا)۔ اور خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد سبحانہ و تعالیٰ عما یصفون۔ (اور پاک ہے اور برتر ہے ان سب اوصاف سے کہ جن سے لوگ اس کو متصف کرتے ہیں) اس کے پیش نظر ہوتا ہے اور جیسے عام لوگ جناب باری تعالیٰ میں گناہ کرنے سے نادم ہوتے ہیں، یہ بندۂ خاص عبادت کر کے عبادت کو ناقص جان کر نادم ہوتا ہے، جیسے سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

عاصیاں از گناہ توبہ کنند　　　عارفاں از عبادت استغفار

گناہگار تو اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہے

عارف اپنی عبادت پر بھی استغفار پڑھتا ہے

اور حضرت فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بے گنہ نگزشت بر ما ساعتے　　　با حضور دل نہ کردم طاعتے

ایک لمحہ بھی بغیر گناہ ہم پر نہیں گزرتا　　　اور ہم نے حضور دل سے کوئی عبادت نہیں کی

اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اکثر فرمایا کرتے تھے کاش عبد اللہ کا ایک سجدہ ہی قبول ہو جائے اور یہ خیال عارف کا بالکل یوں درست ہے کہ سب مخلوق میں بشر افضل ہے اور سب عبادتوں میں نماز افضل ہے اور نماز کے تمام ارکان میں سجدہ افضل ہے اور خلق میں نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم افضل ہیں تو ہر نماز کے ہر سجدہ میں آپ کی جیسی ذات سر مبارک زمین پر رکھ کر اور اللہ تعالیٰ کی حمد سبحان ربی الاعلیٰ عرض کر کے سر مبارک کو سجدہ سے اٹھا کر جب یہ عرض کریں اللہ اکبر یعنی جو کچھ حمد و ثنا تیری میں نے مٹی پر اپنا سر رکھ کر کی تو اس سے بھی بڑا ہے تو ولی بے چارہ کیا حق حمد و ثنا کا ادا کر سکتا ہے، اسی واسطے عارف ہر عبادت سے استغفار کرتا ہے۔

حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہاں وہاں گر حمد گوئی و سپاس ہمچو نافرجام آن چوپاں شناس

انسان جو خدا کی تعریف کرے ایسی ہے کہ

گدڑیہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بے سمجھی سی کی تھی

حمد تو نسبت بہ تو گر بہتر ست

لیکن آں نسبت بحق ہم ابتر است

حمد خدا تیری تیرے لئے اچھی ہے

لیکن خدا کے لائق ہر گز نہیں ہے

سوال: ولی کو بے چارہ کیوں کہا جاتا ہے حالانکہ ان سے بڑے بڑے کمال ظاہر ہوتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور رسول پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی ذات نامتناہی کے مقابلہ میں کہا گیا ہے، اسی واسطے حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عریضہ کے

جواب میں حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا: ''یقین تر کامل تر'' (جس قدر یقین قوی ہے اسی قدر ولایت قوی ہے)۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ''میرا یقین ایسا ہے کہ اگر میں جنت و دوزخ دیکھ لوں تو ان کے دیکھنے کے بعد میرا یقین جو موجود ہے اس سے زیادہ نہ بڑھے'' اور اس مقام میں سوائے جہل اور حیرت کے کچھ محسوس یا دید یا ادراک حاصل نہیں ہوتا، چنانچہ قرب نہایت کے ادراک میں امیر المؤمنین افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں **العجز عن درک الادراک ادراک** (ادراک کے درک یعنی معلوم یا محسوس ہونے سے عاجز رہنا ہی ادراک ہے) اور جو اذکار صوفیاء میں جاری ہیں اس مقام میں کچھ سود مند نہیں ہوتے، یہاں ذریعہ ترقی تلاوت قرآن مجید باترتیب و ادائے نماز و آداب اور و اذکار کہ جو حدیث شریف سے ثابت ہوں اور اتباع حبیب خدا صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم فائدہ مند ہے اس مقام کمالات نبوت میں بھید و قاب قوسین او ادنی و ثمّ دنیٰ فتدلیٰ فاوحیٰ الی عبدہ ما اوحیٰ کا منکشف ہوتا ہے۔

دائرہ کمالات رسالت

کمالات رسالت کمالات نبوت سے افضل ہیں، جیسے نبی اور مرسل میں فرق مراتب ہے، اسی طرح قرب حق میں بھی فرق ہے۔ فیضان ذات محبت سے بے پردہ صفات یہ بندہ خاص مشرف ہوتا ہے اور فیضان لطائف عشرہ کی مجموعی قوت پر وارد ہوتا ہے، ترقی اس مقام میں کثرت تلاوت قرآن مجید و نماز باطول قرات اور اتباع سنت سے ہوتی ہے۔

دائرہ کمالات اولوالعزم

مقام کمالات اولوالعزم، کمالات رسالت سے قوی تر اور ذات بحت سے اقرب ہے جیسے تمام مخلوق میں کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام بہترین مخلوق ہیں اور اس تعداد انبیاء سے تین سو تیرہ مرسلین بہتر اور افضل ہیں اور ان میں سے پانچ نبی اولوالعزم حضرت آدم علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم جناب باری میں زیادہ مقرب ہیں اور اسی حیثیت سے فیضان و انوار الٰہی و انعام و اکرام و اسرار و رموز یزدانی سے مشرف ہیں، انبیاء پر کتاب آسمانی نازل نہیں ہوتی، نبی مرسل کی اتباع کیا کرتے ہیں اور مرسلین پر صحیفہ آسمانی اترتے ہیں اور پیغمبران اولوالعزم کو نیا دین اور نئی کتاب عنایت فرمائی جاتی ہے اور وہ کتاب آسمانی کتابہائے سابقہ اور دین ہائے سابقہ کی ناسخ ہوتی ہے، اسی طرح ہمارے پیغمبر جناب محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم پیغمبران اولوالعزم سے بھی اولوالعزم ہیں اور قرآن پاک ناسخ کتبہائے آسمانی سابقہ ہے اور دین ان کا ناسخ ادیان ہے، صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم۔ اسی واسطے حضور انور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم حدیث شریف میں فرماتے ہیں **لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب و لا نبی مرسل** (مجھے اللہ تعالیٰ کے پاس ایک ایسا وقت حاصل ہے کہ جس میں نہ تو فرشتہ مقرب میری برابری کر سکتا ہے اور نہ نبی مرسل۔ حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب قرآن پاک کے واسطے خوب فرمایا ہے کہ جو کتاب آخری پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم پر نازل ہوئی:

توریت کہ بر موسیٰ علیہ السلام وانجیل بر عیسیٰؑ
شد محو بیک نقطہ فرقان محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم

توریت جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر

وہ محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے قرآن کے ایک نقطہ سے محو ہو گئی

ان مقامات کمالات نبوت، کمالات رسالت اور کمالات اولوالعزم کے دوائر و حالات تبرکاً اور اتباعاً لکھ دیئے گئے ہیں ورنہ بڑے بڑے عقلاء اور عرفاء ان کی تحقیق اور فہمید سے عاجز ہیں، کتنا ہی بڑا متقی اور عابد وزاہد ہو اور اپنی دانست میں وہ عمل بے ریا کرتا ہو لیکن بلا حصول مقامات فنا اور بقا اس کے ہر فعل میں ریا مشترک ہوتی ہے اور صورت اتقاء ولایت صغریٰ میں اور حقیقت اتقاء ولایت کبریٰ میں اور کمال اتقاء کمالات نبوت میں حاصل ہوتی ہے قبل فنا و بقا جو افعال نیک ہیں ان میں ریا زاہد عابد کو نظر نہیں آتی یہ اس کے علم کی کمی ہے جیسے کہ ہر مکان میں ہر وقت ذرات اڑتے رہتے ہیں لیکن وہ دکھتے نہیں اور جس وقت اس مکان میں کسی سوراخ یا دریچے کے ذریعہ شعاع آفتاب پڑتی ہے تو اس نور آفتاب میں ذرات بالکل صاف نظر آتے ہیں اسی طرح قبل حصول ولایت اعمال میں ریا نہیں دکھتی، اور جب خانہ دل میں شعاع انوار الٰہی پڑتی ہے تو اعمال میں ریا اور ہر فعل خیر و شر کی صاحب ولایت کو تمیز ہوتی ہے جیسے کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ (ڈرو مؤمن کی فراست سے اس لئے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے)۔

آگاہی: کمالات اولوالعزم کے بعد راستہ قرب حق کا دو طرف جاتا ہے، ایک راستہ حقائق انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی طرف اور دوسرا حقائق اللہ تعالیٰ کی طرف، ان کمالات مذکورہ بالا اور حقائق اللہ و حقائق انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی تصدیق ہزارہا علماء اور صلحاء حضرات مجددیہ رحمۃ اللہ علیہم نے تواتر کے ساتھ کی ہے اور جو لوگ ان کمالات سے مشرف نہیں ہوئے ہیں اور وہ لوگ حق پسند ہیں اور آیت شریف فضلنا بعضھم علی بعض ان کے پیش نظر ہے وہ ساکت ہیں اور یقین کرتے ہیں اور

بعض نافہموں نے حضرت امام ربانی شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام معرفت پر اعتراض کیا ہے لیکن اس کا جواب حضرات مجددیہ رحمۃ اللہ علیہم نے کافی دے دیا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وصیت نامہ میں فرمایا ہے کہ اگر کسی کو تحقیق ولایت دیکھنا ہے تو حضرات نقشبندیہ رحمۃ اللہ علیہم کے رسائل وکتب دیکھے کہ ان حضرات نے ولایت کی خوب تشریح فرمائی ہے۔

اطلاع: ایک ولایت بفتح الواؤ ہے اور ایک بکسر الواؤ یعنی وَلایت اور وِلایت۔ وَلایت کا تعلق انوار اسماء وصفات سے ہے اور وِلایت کا تعلق زیادہ تر انکشاف حالات سے ہے۔ صاحب وَلایت مرتبہ میں صاحب وِلایت سے بدرجہا افضل ہے۔

دائرہ حقیقت کعبہ

اس مقام میں سالک پر حقیقت کعبہ ربانی کے اسرار اور شان کبریائی کا اظہار ہوتا ہے جب حقیقت کعبہ ربانی میں سالک کو کامل ترقی ہوتی ہے تو تمام مخلوق کی عبادات وسجود اپنی طرف دیکھتا ہے، وہ عبادات و سجود مخلوقات حقیقتاً تجلی ذات کی طرف ہوتی ہیں لیکن سالک چونکہ اس حقیقت سے قریب ہوتا ہے اور اپنے کو اس حالت میں محو پاتا ہے تو بحالت محویت اس کو معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی بادشاہ کے پاس کوئی نقیب چوبدار کھڑا ہو اور جو رؤسا اور رعایا حاضر دربار شاہی ہوں تو ان کا آداب و سلام حقیقتاً بادشاہ کو ہوتا ہے۔ نقیب و چوبدار کو نہیں ہوتا مگر بوجہ قرب شاہ اور سمت ہونے کے سلامیوں کا رخ اسی طرف ہوتا ہے۔ یا جیسے دو آدمی ایک آگے اور ایک پیچھے جاتے ہیں اور ان کے سامنے سے جو شخص آتا ہے وہ سلام سامنے سے آنے والوں میں سے پچھلے والے کو کرتا ہے لیکن آگے والا آدمی یہ سمجھتا ہے کہ یہ شخص مجھ کو سلام کر رہا ہے حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے اسی

طرح اس مقام کا سالک مخلوق کی عبادات اور سجدہ کو اپنی طرف دیکھتا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ حقیقتاً سجدہ وعبادات اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتے ہیں نہ کہ اس سالک کے لئے لیکن علم کی غلطی سے وہ اپنی طرف سمجھتا ہے۔

دائرہ حقیقت قرآن

بندہ خاص جب اس مقام حقیقت قرآن سے مشرف ہوتا ہے اور کلام مجید اور اس کے انوار و اسرار وبرکات سے متمتع ہوتا ہے تو ہر ہر حرف قرآن پاک کو دریائے ذخار وبے کنار پاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس بندۂ خاص سے بھی کلام فرماتا ہے کہ جس کلام کی حقیقت اور ماہیت اور فیضان کو وہی جانتا ہے، دوسرا اس سے واقف نہیں ہوتا، چنانچہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے ایسا کلام فرمایا کہ اس کو نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی آنکھ نے دیکھا۔ اور حضرت غلام علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دو مرتبہ میں نے خدا کا کلام سنا ہے لیکن اس میں نہ حرف ہے نہ صوت (آواز)۔ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عارف اکمل سے اللہ تعالیٰ ایسا کلام فرماتا ہے کہ وہ کلام پھر دوسروں سے نہیں فرماتا اس شرح سے یہ بات صاف ہوگئی ورنہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور دیگر عرفاء کے مرتبہ کی تنقیص واقع ہوتی تھی اور جو حالت خاتم النبیین صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ پر ثقالت کی بروقت نزول وحی معلوم ہوتی تھی اس کا نمونہ بھی عکسی طور پر اس بندہ خاص پر گزرتا ہے اور سینہ اس بندۂ خاص کا کلام ربانی کی فہمید کے واسطے نہایت وسیع ہوجاتا ہے اور اسرار حروف مقطعات الم وطہ ویس وغیرہ سے اپنی لیاقت کے موافق واقف ہوتا ہے، اور سورہ الم نشرح وسورہ اقرا کے فیضان سے مشرف ہوتا ہے:

ذوق ایں مے نہ شناسی بخدا تانہ چشی۔

خدا کی قسم تو اس شراب کے مزہ سے اس وقت تک واقف نہیں ہو سکتا جب تک کہ نہ چکھے۔

دائرہ حقیقت صلوٰۃ

مقام حقیقت الصلوۃ ایسا مقام ہے کہ بلا پردہ بندہ کے سامنے رب اور رب کے سامنے بندہ ہوتا ہے اور کوئی چیز درمیان میں حائل نہیں ہوتی اور اس مقام کے عارف پر **الصلوۃ معراج المؤمنین** اور **قرّۃ عینی فی الصلوۃ** کے اسرار کھلتے ہیں اور جو رویت حق عالم آخرت میں نصیب ہوگی اس کا نمونہ نماز میں میسر ہوتا ہے اور جو اسرار علوم اور انوار وبرکات سے خاتم النبیین صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم مشرف ہوئے تھے اس کی اتباع اور اس کے عکس سے یہ بندہ خاص بھی مشرف ہوتا ہے اور اس بندہ خاص کی ایک رکعت اوروں کی لاکھوں رکعت سے بہتر ہے۔ اسی معنی میں حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یک رکعت اواز رکعت توصد ہزار   بہتر از تو بہتر ست اے نابکار

اس کی ایک رکعت تیری لاکھوں رکعتوں سے

بہتر ہے اے ناکارہ انسان

دائرہ حقیقت معبودیت صرفہ

یہ مقام نہایت عالی مقام ہے، یہاں ترقی قدمی نہیں صرف ترقی نظری ہے یعنی قدم روح بھی یہاں اگے نہیں بڑھ سکتا، صرف نظر روح کام دیتی ہے جس مقام میں روح کا بھی گزر نہ ہو اس میں علم قال کا کیا گزر ہو سکتا ہے۔

دائرہ حقیقت ابراہیمی علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کو اپنا خلیل فرمایا، خلیل اس کو کہتے ہیں جو نہایت رازدار دوست ہو، آپ کی رازداری جو رب کے ساتھ تھی اس سے فرشتے واقف نہ تھے، اس کا اظہار فرشتوں پر اور خلق پر اس وقت ہوا کہ جب آتش نمرود میں آپ گر رہے تھے اور کسی فرشتے یا کسی اور سے کسی قسم کی اعانت نہ چاہی اور دوست رازدار حقیقی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا حسبی اللہ یا بروقت قربانی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام آپ کی رازداری جو رب کے ساتھ تھی اس سے کچھ واقف ہوئے۔ مقام خلت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قدم نہایت غالب ہے، آپ مرتبہ خلت میں خاص شان رکھتے ہیں، ترقی اس مقام میں کثرت درود ابراہیمی علیہ السلام سے ہوتی ہے کہ جو اثنائے نماز میں پڑھا جاتا ہے، سالک اس مقام کا اپنی حیثیت کے موافق مرتبہ خلت کے انوار و برکات سے مشرف ہوتا ہے اور اس سالک کی نگاہ دل حقیقت ذات کی طرف ہوتی ہے اور تمام خلق سے حقیقتاً بے تعلق ہو جاتا ہے، جب اس آیت شریف إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَاأَنَامِنَ الْمُشْرِكِينَ (الأنعام ۷۹) پر پہنچتا ہے۔

دائرہ حقیقت موسوی علیہ السلام

بعد ختم سیر دائرہ حقیقت ابراہیمی سیر دائرہ حقیقت موسوی علیہ السلام میں ہوتی ہے، حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ رب العالمین کو جو محبت خاص تھی کہ جس کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام رب العالمین سے کوہ طور پر ایسے کلام بے خوف اور بوجہ نازبرداری کے عرض کیا کرتے تھے کہ جو کلام شایان عبدیت نہ ہوتا، اور اس قدر کرم رب العالمین کا تھا کہ وہ اس کا خیال بعض وقت نہیں رکھا کرتے تھے۔

جیسے کسی نے کہا ہے:

"کرمہائے تومارا کرد گستاخ"۔

اس مقام میں ترقی کثرت درود اللّٰھم صلّ علٰی محمّد و اٰلہٖ و اصحابہٖ و علٰی جمیع الانبیاء والمرسلین خصوصاً علٰی کلیمک موسیٰ سے ہوتی ہے۔

دائرہ حقیقت محمدی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم

اس مقام کو حقیقت الحقائق اور حقیقت محمدی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم بھی کہتے ہیں علیہ الصلوۃ والسلام یعنی تمام مخلوقات کی حقیقت اور تعلق اس مقام میں ان کمالات سے ہے جن کا تعلق حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کے جسم اطہر سے ہے اور یہ جسم پاک وہ ہے کہ جو شب معراج میں رب کے نزدیک عرش معلی پر پہنچا، یہ جسم نورانی وہ ہے کہ جس کے قرب اور رفعت کے مقابلہ میں حضرت جبرئیل علیہ السلام مقام سدرۃ المنتہٰی پر ٹھہر کر اور یہ کہہ کر رہ گئے۔

اگر یک سرموئے برتر پرم فروغِ تجلی بسوزد پرم

اگر میں ایک بال کے برابر بھی زیادہ بڑھوں

تو تجلی بحت میرے پر پرواز جلا ڈالے

یہ جسم لطیف وہ ہے کہ جس نے رب کے نزدیک اس قدر قرب حاصل کیا تھا کہ جس کو خلعت وقاب قوسین او ادنی و دنی فتدلیٰ و مازاغ البصر وما طغیٰ ملا ہے اور یہ جسم شریف وہ ہے جس کا سایہ نہ تھا، یہ جسم مطہر وہ ہے کہ جس پر ہر شجر و حجر سلام و درود بھیجتے تھے، یہ وہ جسم مبارک ہے ہ جس پر خود خدا درود بھیجتا ہے اور یہ فرماتا ہے: إِنَّ اللّٰہَ وَمَلَائِکَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيۡهِ وَسَلِّمُوا تَسۡلِيمًا (الأحزاب ٥٦) (بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے

ہیں نبی صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم پر، اے مؤمنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو) صاحب اس مقام کا اپنے کو اور خاتم النبیین صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو دیکھتا ہے کہ میں اور آپ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ایک ہی چشمہ سے سیر اب ہو رہے ہیں اور میں اور حضور صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ہم آغوش ہمکنار ہیں اور ہم ایک ہی بستر پر ہیں اور ہم دونوں مثال شیر و شکر ہیں اور حضور انور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم سے اس قدر محبت ہوتی ہے کہ خدا کی محبت پر بھی آپ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی محبت غالب آجاتی ہے، چنانچہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جب اس مقام حقیقت محمدی صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے مشرف ہوئے تو اثنائے حال میں یہ فرمایا کرتے تھے کہ "اللہ کو دوست رکھتا ہوں اس واسطے کہ وہ رب ہے محمد صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا"، غرض کہ اس مقام کا انعام واکرام خداوندی ایسا ہوتا ہے کہ جس کے لکھنے سے قلم قاصر ہے اور بیان کرنے سے زبان عاجز اور خیال اپنی رسائی میں سرنگوں ہے۔

دائرہ حقیقت احمدی صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم

یہ مقام احمد بڑا جلیل القدر اور عالی مقام ہے، اس میں عجیب و غریب عنایاتِ الٰہی اور تجلیاتِ ذات لامتناہی سے مشرف ہوتا ہے اور اس دائرہ حقیقت احمدی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کا تعلق آپ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی روح اقدس سے ہے۔ جس قدر کہ روح میں اور جسم میں لطافت اور قدامت میں فرق ہے اسی قدر ظہور تجلیات ذات میں فرق ہے، اس کے حالات میں کوئی کیا کہے اور کیا سنے۔

دائرہ حب صرفہ

یہ مقام ''حقیقت احمدی'' کے بعد ہے اس مقام میں سیر نظری روحی ہے، سیر قدمی روحی مسدود ہے، یہ مقام وہ ہے کہ جب خدائے تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اپنے حبیب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کو پیدا کروں اور آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی ذات سے تمام مخلوقات کو تو فرمایا کن یا محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم پس آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی ذات مبارک ظاہر ہو گئی۔ اس کی طرف حدیثِ قدسی میں ارشاد ہے کنت کنزاً مخفیاً الخ اور دوسری حدیث میں وارد ہوا ہے، لو لاک لما خلقت الافلاک الخ یہ مقام مخصوص ہے، نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے واسطے اس میں کسی نبی اور فرشتہ مقرب علیہم السلام کو رسائی نہیں، اسی واسطے حدیث شریف میں وارد ہوا ہے: لی مع اللہ وقت الخ

''قلم ایں جا رسید سر بشکست''۔

دائرہ لاتعین

بعد طے دائرہ حب صرفہ دائرہ لاتعین میں ترقی ہوتی ہے، اس جگہ ترقی نظری ہے، قدمی نہیں اور یہ مقام بھی مخصوص بسید الانبیاء علیہ الصلوۃ والسلام ہے اور یہ مقام وہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، لیکن بے نام ونشان، بے وہم وگمان ہے جس کی خبر مولانا جامی رحمہ اللہ تعالیٰ دیتے ہیں۔

بنام آنکہ آں نامے نہ دارد　　　بہر نامے کہ خوانی سر برآرد

اس ذات کے نام سے شروع جس کا کوئی نام نہیں

جس نام کی صفت سے اس کو پکارو وہ اس سے برتر ہے

اللہ تعالیٰ خود کلام پاک میں فرماتا ہے **سبحانہ و تعالیٰ عما یصفون** (پاک ہے اور برتر ہے وہ ذات اس تعریف اور وصف سے جس سے لوگ اس کو موصوف کرتے ہیں)۔

دائرہ سیف قاطع و دائرہ منصب قیومیت

دائرہ سیف قاطع داخل سلوک نہیں، بعض کو پیش آتا ہے اور بعض کو نہیں اور یہ دائرہ، ولایت کبریٰ کے مقابل ہے اور دائرہ منصب قیومیت بھی داخل سلوک نہیں اور یہ دائرہ منصب قیومیت دائرہ کمالاتِ اولوالعزم سے نکلتا ہے۔ اس مرتبہ منصب قیومیت میں خاص انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور امت میں خاص خاص اولیاء مشرف ہوتے ہیں، اس بندہ خاص پر یا حی یا قیوم کا فیضان نازل ہوتا ہے، اور اس کی ذات سے تمام زمین و آسمان کا قیام رہتا ہے۔

مراقبات سلسلہ نقشبندیہ مجدّدیہ معصومیہ ہاشمیہ سیفیہ

کل چھتّیس مراقبات مروّج ہیں۔ مراقبہ کا معنی انتظارِ فیض کرنا ہے۔ لہٰذا مراقبہ میں فیضِ الٰہی کے انتظار میں سکون و اطمینان کے ساتھ بیٹھنا ہوتا ہے۔ اور مراقبات کرتے وقت حضرت مرشدنا و اصلنا الی اللہ اخندزادہ سیف الرّحمٰن صاحب سقی اللہ ثراہ و جعل الجنۃ مثواہ کا فرمان ہے کہ فارسی زبان میں ہی نیتِ مراقبہ کر کے بیٹھنا زیادہ فیض کا باعث ہوتا ہے۔ مراقبات شروع کرنے سے پہلے چند شرائط ہیں جن پر عمل کرنے سے مراقبہ میں زیادہ سے زیادہ سرور و تسکین و لذت ملتی ہے جو درجِ ذیل ہے۔

شرائطِ مراقب و مراقبات:

۱) مراقب کو چاہیے کہ وقتِ مراقبہ طہارتِ کامل رکھتے ہوئے بالکل یکسوئی کے ساتھ متوجّہ ہو کر فیضانِ الٰہی کا منتظر رہے اور علاوہ مقصود کے ہر طرف سے اپنی توجّہ ہٹا دے۔

۲) یہ مراقبات ایسے شخص کے لئے سود مند ہیں اولاً جس کا عقیدہ اہل سنت والجماعت کی آراء کے مطابق بالکل صحیح ہو اور شیخ کامل کے ہاتھ پر بیعت کر کے تابع ہو چکا ہو اور کسی کامل و مکمل مرشد سے مراقبات کا اذن لے چکا ہو۔

۳) یہ مراقبات اس وقت تجویز کئے جائیں گے جب سالک کے لطائف عالمِ امر و عالمِ خلق میں مرشدِ کامل مکمل کی صحبت سے حیات پیدا ہو چکی ہو اور ذکرِ الٰہی اس میں جاری ہو چکا ہو۔ اور نفی اثبات کا جس طور پر کہ لازم ہے عامل ہو چکا ہو۔ اس کے بعد اگر اس میں استعداد ہو تو مراقبات شروع کرائے جائیں۔

۴) تعداد توقفِ ایام ہر مراقبہ میں مرشد موصوف کے اذن پر موقوف ہے ورنہ:

ہر آن کاری کہ بے اُستاد باشد　　　یقین می دان کے بے بنیاد باشد

۵) ہر مراقبہ کے الگ الگ آثار اور کیفیات ہوتے ہیں۔ مراقب کو چاہئے کہ متابعتِ سنن اور آدابِ طریقت کا صحیح پابند رہے۔ آداب اور سنّتِ مصطفوی صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّم کی کسی وقت مخالفت نہ کرے کیونکہ اس باب میں نہایت کوشش اور احتیاط سے کام لینا پڑتا ہے۔ اگر کچھ سستی محسوس ہو تو اپنی تقصیرات کی طرف متوجّہ ہو کر معافی مانگ لینا چاہئے کیونکہ:

ہر چہ ہست از قامت ناسازبی ہموار ماست
ورنہ تشریف تو بر بالائی کس کوتاہ نیست

۶) مراقبہ کرتے وقت اس طور پر بیٹھنا چاہئے کہ اگر کسی دوران نیند طاری ہو جائے تو وضو کی تجدید کی ضرورت نہ پڑے۔ اس لئے کہ مراقبہ نیند کی کیفیت رکھتا ہے، جیسا کہ بحر العلوم شرح فقہ اکبر میں کراماتِ اولیاء کی بحث میں صراحتہً فرمایا گیا ہے، تفصیل کے لئے وہاں رجوع کریں۔

۷) اگر دورانِ مراقبہ کچھ واقعات دیکھنے میں آجائیں تو اپنے مرشد کے حضور میں ذکر کرنا چاہیئے۔ خصوصاً عالم امر کے ظہور میں کہ اس مقام میں بیچونیت کا شائبہ دیکھا جاتا ہے۔ اپنے کو چون دیکھنے پر کہیں فریفتہ نہ ہو جائے۔ بہت سے سادہ لوح افراد اس وادی میں پھنسے ہوئے ہیں۔

۸) مراقب کو چاہیئے کہ جس مراقبہ میں جتنے دن کرنے پر معمور کیا گیا ہے، اس میں سستی نہ کرے۔

۹) مراقبات کی نیّت یاد کرنی چاہیئے۔ تمام مقامات، منازل اور کیفیاتِ سیر و سلوک سے واقفیت رکھنا ضروری ہے۔

۱۰) سالک کے سلوک کرنے کے لئے کام کسی کامل و مکمل شیخ کی توجہ کے ساتھ وابستہ ہے۔ اگر ایسا شخص مراقبہ کرے جو کہ لطائف کی کچھ اطلاع نہ رکھتا ہو، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کمثل الحمار یحمل اسفارا۔

ہر جاہل و کاہل و کہن سال　　　کے بود لائق شیخیت و اقبال

۱۱) طالب کو چاہیئے کہ ہر وقت مرشد کے بسط کا منتظر رہے اور ان کی توجہات سے نفع وافر حاصل کرے، یہاں تک کہ ولایتِ صغریٰ جس کی ابتداء مراقبہ معیّت سے ہوتی ہے، کہ اس مقام سے گزار دیا جائے۔ اس لئے کہ یہ گزر گاہ نہایت تنگ ہے۔ بہت سے لوگ اس مقام میں متمرکز ہو چکے ہیں جو اپنی جان اور اپنے عروجات تک کی خبر نہیں رکھتے۔ اور وحدت الوجود کے قائلین بھی اس مقام میں انا الحق پر قرار پکڑے ہوئے ہیں۔ اسی باب میں حضرت مرشد کی توجہ کی تاثیر کبریت احمر ہے کہ ان کی توجہ کی برکت سے لوگ بجلی کی طرح اس مقام سے گزر جاتے ہیں۔ اور دائرہ ولایتِ

کبریٰ میں پہنچ جاتے ہیں اور طالب حیران رہ جاتا ہے اور وحدت الوجود کے مقام سے گزرنا نہایت دشوار ہے۔اور تنگیِ راستہ سے مراد بھی یہی دشواری ہے۔

سلسلہ نقشبندیہ کے مراقبات

بسم اللہ الرّحمن الرّحیم

نیت وقوف مراقبات

۱)نیت مراقبہ وقوف قلب: فیض می آید از ذات بیچون بہ لطیفہ قلبی من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ توقف۔۔۔۔روز

۲) نیت مراقبہ وقوف روح: فیض می آید از ذات بیچون بہ لطیفہ روحی من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ توقف۔۔۔۔روز

۳)نیت مراقبہ وقوف سِر: فیض می آید از ذات بیچون بہ لطیفہ سری من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ توقف۔۔۔۔روز

۴) نیت مراقبہ وقوف خفی: فیض می آید از ذات بیچون بہ لطیفہ خفی من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ توقف۔۔۔۔روز

۵)نیت مراقبہ وقوف اخفٰی: فیض می آید از ذات بیچون بہ لطیفہ اخفائے من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ توقف۔۔۔۔روز

۶) نیت مراقبہ وقوف نفسی: فیض می آید از ذات بیچون بہ لطیفہ نفسی من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ توقف۔۔۔۔روز

۷) نیت مراقبہ وقوف قالبی: فیض می آید از ذات بیچون بہ لطیفہ قالبی من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ توقف۔۔۔۔روز

۸) نیت مراقبہ وقوف خمسۂ عالم امر: فیض می آید از ذات بیچون بہ لطائف خمسہ عالم امر من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ توقف۔۔۔۔روز

۹) مراقبہ وقوف خمسۂ عالم خلق: فیض می آید از ذات بیچون بہ لطائف خمسہ عالم خلق من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ توقف۔۔۔۔روز

۱۰) نیت مراقبہ وقوف مجموعہ لطائفِ عالمِ امر و عالم خلق: فیض می آید از ذات بیچون بہ مجموعہ لطائف عالم امر و عالمِ خلق من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ توقف۔۔۔۔روز

۱۱) نیت مراقبہ احدیت: فیض می آید از ذات بیچون کہ جامع جمیع صفات وکمالات است ومنزّہ از جمیع عیوب ونقصانات است وبی مثل است بہ لطیفہ قلبی من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ توقف۔۔۔۔روز

مراقبۂ احدیت یعنی فنائے قلبی

تہلیل کے بعد فکر کے پہلے سبق کو ”مراقبہ احدیت“ کہتے ہیں۔

”احدیت“ احد(ایک) سے ہے، اس میں صرف فیض وارد ہونے کا دھیان رکھنا ہوتا ہے، نیت یوں کرتے ہیں ”فیض می آید از ذاتے کہ مستجمع جمیع صفات وکمالات است، ومنزہ از ہر نقصان وزوال، موردِ فیض لطیفۂ قلب من است“ میرے لطیفۂ قلب پر اس ذات والاصفات سے فیض آرہا ہے جو تمام

کمالات اور خوبیوں کا جامع ہے اور جملہ عیوب ونقائص سے منزہٌ وپاک ہے اور اسم مبارک "اللہ" کا مسمی ہے اور موردِ فیض میر الطیفہ ٔقلب ہے۔"

جس پر انوار وارد ہو رہے ہوں، اس جگہ کو مورد کہتے ہیں تو یہ فیض دل پر وارد ہوتا ہے، جب سالک نے یہ نیت کر لی اور بیٹھ گیا تو اس فکر کے ذریعہ سے سالک کی ترقی شروع ہو جاتی ہے، کیا عجیب شان ہے اللہ کی کہ بندے نے فقط ایک نیت کر لی تو اس نیت کی وجہ سے اس پر نور کا نزول شروع ہو جاتا ہے۔

میرے مولا کا کتنا بڑا اکرم ہے کہ فقط نیت پر فیض ملنا شروع ہو گیا،اس لئے یہ فکر سب سے افضل ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر اور اس کی حکمتوں کے عجائب کے متعلق سوچتے ہیں اس سے اللہ جل شانہٗ کی معرفت میں قوت پیدا ہوتی ہے،جو لوگ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں غور و فکر کرتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے "اولوا الالباب "یعنی عقلمند فرمایاہے۔چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی ذات میں غور و فکر کرنے سے منع کیا۔

فرمایا: کیونکہ وہ وراءالوراء ہے، سوچ سے بالاتر ہے، سوچ کی اوقات نہیں کہ وہ اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی حقیقت کو سما سکے، سنار کے ترازو سے کوہ ہمالیہ نہیں تولا جا سکتا اسی طرح انسان کی عقل بھی اللہ تعالیٰ کی ذات کو سمجھنے سے قاصر ہے۔چنانچہ حدیث میں فرمایا کہ تم صرف مخلوقات میں غور و تدبر کیا کرو۔

"فضائل ذکر" میں شیخ الحدیث زکریا نے نقل کیا ہے کہ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ غور و فکر کو افضل عبادت اس لئے کہا گیا کہ اس میں معنیٰ ذکر کے تو موجود ہوتے ہی ہیں، دو چیزوں کا اضافہ اور ہوتا ہے ایک اللہ تعالیٰ کی معرفت، اس لئے کہ غور و فکر معرفت کی کنجی ہے، دوسری

اللہ تعالیٰ کی محبت کہ فکر پر یہ مرتب ہوتی ہے۔یہی غور و فکر ہے جس کو صوفیہ "مراقبہ" سے تعبیر فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت بھی ملتی ہے یعنی انسان اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ واقعی اس کائنات کا کوئی نہ کوئی پیدا کرنے والا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو دیکھتا ہے تو بندے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے، غور و فکر سے معرفت کا پیدا ہونا اور محبت کا پیدا ہونا یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے۔

شیخ الحدیث صاحب ایک اور حدیث مبارک نقل کرتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ رات کو تشریف لائے، میرے بستر پر میرے لحاف میں لیٹ گئے، پھر ارشاد فرمایا: ذرني أعبد ربي، چھوڑ! میں تو اپنے رب کی عبادت کروں۔ یہ فرما کر اٹھے ،وضو فرمایا اور نماز کی نیت باندھ کر رونا شروع کر دیا یہاں تک کہ آنسو سینے مبارک پر بہتے رہے، پھر اسی طرح رکوع میں روتے رہے، ساری رات اسی طرح گزاری حتی کہ صبح کی نماز کے واسطے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ لینے کیلئے آگئے۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ تو بخشے بخشائے ہیں پھر آپ اتنا کیوں روئے؟

ارشاد فرمایا: أفلا أكونُ عَبْدًا شَكُورًا۔[104]

کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

---

[104] البخاري (ت٢٥٦)، صحيح البخاري٦٤٧١• مسلم (ت٢٦١)، صحيح مسلم٢٨١٩• البزار (ت٢٩٢)، البحر الزخار المعروف بمسند البزار ١٤/٣٣١• ابن جرير الطبري (ت٣١٠)، تفسير الطبري ١٣/٢/٨٤• ابن حبان (ت٣٥٤)، صحيح ابن حبان٣١١• ابن حبان (ت٣٥٤)، المجروحين ١/٥٢٥•

پھر فرمایا: میں کیونکر نہ روتا حالانکہ آج مجھ پر یہ آیتیں نازل ہوئیں:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (البقرة ۱۶۴)

بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات و دن کا بدلتے آنا اور کشتی کہ دریا میں لوگوں کے فائدے لے کر چلتی ہے اور وہ جو اللہ نے آسمان سے پانی اتار کر مردہ زمین کو اس سے جِلا دیا اور زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلائے اور ہواؤں کی گردش اور وہ بادل کہ آسمان و زمین کے بیچ میں حکم کا باندھا ہے ان سب میں عقلمندوں کے لئے ضرور نشانیاں ہیں۔

پھر فرمایا: ہلاکت ہے اس شخص کیلئے جو ان کو پڑھے اور غور و فکر نہ کرے۔

"فضائل ذکر" میں ایک اور روایت ہے کہ عامر بن قیس کہتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے ایک، دو یا تین سے نہیں، بلکہ ان سے زیادہ سنا ہے کہ ایمان کی روشنی اور ایمان کا نور غور و فکر ہے۔ سبحان اللہ! پس ہمیں سند مل گئی کہ اتنے سارے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا کہ ایمان کی روشنی اور ایمان کا نور غور و فکر میں ہے، ثابت ہوا کہ اگر مراقبہ میں کوئی غور و فکر کی نیت سے بیٹھے گا تو اس کے ایمان کو نور ملے گا، اس کا سینہ منور ہو گا، یہ تو حدیث پاک سے ثابت ہو رہا ہے کہ ایمان کی روشنی اور ایمان کا نور فکر میں ہے۔

ام درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضل عبادت کیا تھی؟ فرمایا: غور و فکر ان کی افضل ترین عبادت تھی، اس کا مطلب یہ ہوا کہ غور و فکر میں بیٹھنے کو مراقبہ کہتے ہیں۔ اب اگر کوئی کم فہم اعتراض کرے کہ دور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں مراقبہ

نہیں ہوتا تھا، تو یہ شخص یا تو جاہل ہے یا پھر متجاہل ہے، کیونکہ یہ تو احادیث مبارکہ اور صحابہؓ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عمل سے ثابت ہے، چنانچہ ام درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا گواہی دے رہی ہیں کہ ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضل ترین عبادت غور و فکر یعنی مراقبہ تھا۔

اس سبق میں ذکر نہیں کرتے جیسے پہلے سبق میں تھا کہ اللہ، اللہ کی صدا آرہی ہے، ذکر تو ساتویں سبق پہ ختم ہو گیا اور تہلیل آٹھویں اور نویں سبق میں تھا، اس کے بعد فکر کے مراقبے ہیں، تو مراقبۂ احدیت میں فقط ابتداء میں نیت کرنی ہوتی ہے، پھر خاموش بیٹھنا ہوتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت اور نور برستا ہے جو سینے کو منور کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیئے کہ بندہ جیسی نیت کرے ویسی برکت آتی ہے، مثلاً ذات سے فیض آرہا ہے، صفات سے آرہا ہے، شیونات سے آرہا ہے الغرض جہاں کی نیت کرے، وہیں سے فیض ملتا ہے، اس میں اتنا فیض ملتا ہے کہ بندے کو ذکر میں استغراق حاصل ہو جاتا ہے اور اس پر فنائیت کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، یہ فنائے قلبی کا سبق ہے، بندے کو قلب کی فنائیت یہاں مل جاتی ہے، ذکر بندے کے قلب کے اوپر غالب آجاتا ہے کہ وہ بندہ ذکر میں فنا ہو جاتا ہے اس کو "فنافی اللہ" کہتے ہیں اور یہ ہمارے سلوک کا ایک نمایاں موڑ ہے۔

ہدایت الطالبین میں شاہ ابو سعید نور اللہ مرقدہ لکھتے ہیں کہ مراقبہ احدیت میں جو فیض اترتا ہے وہ انسان کے لطیفہ قلب کے اوپر اترتا ہے۔ یعنی مورد فیض انسان کا لطیفۂ قلب ہے۔ شاہ غلام علی مجددی دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ملفوظات "درالمعارف" میں لکھا ہے کہ مراقبہ احدیت صرفہ کا تعلق حضرت ذات سے ہے جو کہ اسم مبارک اللہ سے مسمیٰ ہے اس لئے اس میں صفات کا شیونات کا یا کسی اور چیز کا تصور نہیں کرتے بلکہ صرف ذات کا کرتے ہیں اللہ کے ذکر کی فنائیت یہاں

حاصل ہوتی ہے بعض بزرگوں نے کہا کہ اس میں ذات کا اختتام یہاں آکر ہوتا ہے یعنی اس کی تکمیل یہاں آکر ہوتی ہے مزید فرماتے ہیں وقوف قلبی دل کی طرف توجہ کرکے اوراس معنیٰ کالحاظ رکھ کر کہ ذات پاک اللہ کے سواکوئی مقصود نہیں ہے۔ذکرکے الفاظ کی صحت کے ساتھ دل کے وسوسوں سے نگہداشت ہمیشہ ہونی چاہیئے کیونکہ دل زیادہ کے بغیر نہیں کھلتااور بعض گشت کہ اے اللہ تعالیٰ میرا مقصودتوہی ہے اور تیری رضاہے اپنی محبت اور معرفت عطافرما۔اپنی نیستی (فنا)اور حضرت ذات پاک (اللہ تعالیٰ کی ہستی کی اثبات بقاء)کی ملاحظہ وانکساری وعاجزی کے ساتھ دائمی ذکر ہوناچاہیئے۔

حضرت شاہ غلام علی مجددی دہلوی کے ملفوظات درالمعارف میں لکھاہے کہ ایک حضرت مجددالف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مکتوبات کادرس چل رہاتھا۔

شروع میں مراقبہ میں احدیت مسمیٰ اسم مبارک اللہ کرتے ہیں جو تمام صفات کمال کاجامع اور نقصان وزوال سے منزہ پاک ہے۔

صفات کے لحاظ کے بغیر کہ اللہ سننے والاہے (سمیع)

یادیکھنے والاہے (بصیر)

یاجاننے والاہے (علیم)

یاقدرت رکھنے والاہے (قدیر)

حاضرین میں سے کسی نے حضرت شاہ غلام علی مجددی دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھاکہ سمیع ،بصیر،علیم اورقدیر وغیرہ کے لحاظ رکھنے کی کیاوجہ ہے؟توحضرت شاہ غلام علی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایااس مراقبہ میں اس ذات کوملحوظ رکھتے ہیں جو تمام صفات کی جامع ہے نہ کہ صفات میں

سے کسی صفت کی۔ کیونکہ اس ذات سے جو مقصود بالذات ہے صفاجو مقصود بالعرض ہے، کی طرف متوجہ کرنا مقصود حقیقی سے مطلوب عرضی کی جانب مائل ہونا ہے۔

حضرت شاہ غلام علی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ملفوظات درالمعارف میں یہ بھی لکھاہے کہ ہم پہلے مراقبہ احدیت کی تلقین کرتے ہیں اوروہ عبارت ہے اسم مبارک اللہ کے مفہوم کے لحاظ سے، جس پر ہم ایمان لے آئے ہیں کہ وہ بے مثل وبے مثال (بے چون وبے چگون) ہے اور تمام صفات سے موصوف اورسب نقصان اورزوال سے منزہ (پاک)ہے۔ مراقبہٗ احدیت تک دائرہ امکان کے اندر سیر ہوتی ہے۔ آپ یوں سمجھئے کہ جب خلائی جہاز چلتاہے توپہلے وہ فضامیں سفر کرتاہے پھر ایک ایساوقت آتاہے کہ جہاں وہ فضاسے نکل کر خلامیں پہنچ جاتاہے،وہاں کامعاملہ کچھ اور ہوتا ہے ہمارے اس سلوک میں آپ یوں سمجھیں کہ مراقبہٗ احدیت سے پہلے سالک فضاءمیں سیر کررہاتھا اور مراقبہٗ احدیت کے بعد پھر خلامیں سیر کرتاہے یوں سمجھیں کہ مراقبہٗ احدیت کے بعد سلوک کارخ ہی دوسراہو جاتاہے۔ گویااسم ذات اور تہلیل کاذکر لطائف کے اندر استعداد پیدا کرنے کیلئے تھا، جب کہ فکر کامراقبہ اصل مقصود تھا۔

اس کی مثال یوں سمجھیں کہ جب تک کسی برتن کوپاک صاف نہ کیاجائے اس میں دودھ نہیں ڈالا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے نور ڈالنے سے پہلے فرمایاکہ تم دل کے برتن کوپہلے میرے نام سے صاف کرو کچھ رہ جائے تو لاالہ الااللہ سے رگڑلو جب تمہارابرتن صاف ہو جائے تو پھر میرے سامنے فقیر سائل بن کر یہ نیت کرکے بیٹھ جاناکہ اللہ تعالیٰ یعنی اس ذات سے فیض آرہاہے جو تمام صفات وکمالات کی جامع ہے۔ ہر نقصان وزوال سے پاک ہے اور لطیفہ قلب پر فیض آرہاہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا

ہے کہ تم اپنا کاسہ گدائی میرے سامنے کر کے بیٹھو گے تو میں پروردگار تمہارے دلوں کو نور سے بھر دوں گا۔اس لئے مراقبہ احدیت کے بعد جتنے اسباق ہیں وہ سب فکر کے مراقبات ہیں۔

نبی کریم ﷺ کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ دائم الفکر اور متواصل الحزن تھے یعنی ہمیشہ غمزدہ اور فکر مند رہتے تھے۔

تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی کے پیارے حبیب ﷺ کے اوپر اتنے انوار کی بارش ہوتی تھی کہ آپ ﷺ ان انوار کے حصول میں کئی مرتبہ مستغرق ہوا کرتے تھے اس لئے تو آپ ﷺ فرماتے تھے کہ میرا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص وقت ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث مبارک سے دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ کی طویل خاموشی غفلت کی خاموشی نہیں ہو سکتی۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی خاموشی غفلت کی خاموشی ہو،وہاں تو گناہ کا تصور ہی نہیں،وہ معصوم تھے تو پھر آپ ﷺ کی خاموشی میں کیا عمل ہوتا تھا؟

اس کا جواب یہی ہے کہ وہ فکر کا عمل تھا بلکہ اگر یوں کہیں کہ نبی کریم ﷺ غار حرا میں کیا کرتے تھے؟تو وہ بھی فکر ہی تھی چونکہ اس وقت نہ قرآن مجید تھا تو جب قرآن بھی نہیں تھا اور نماز بھی نہیں تھی تو پھر آپ ﷺ غار حرا میں کیا کرتے تھے؟ محققین کرام کے نزدیک نبی کریم ﷺ غار حرا میں فکر اور تفکر فرماتے تھے اسی فکر نے تو پھر دل کو ایسا روشن اور منور کر دیا کہ جیسے شمع جلنے کے قریب ہو جائے۔ یضی و لو لم تمسسه نار۔(سبحان اللہ) جیسے ابھی آگ نے تیل زیتون کو چھوا بھی نہیں لیکن بالکل وہ جلنے کے قریب ہو گئی۔تو محبوب ﷺ کی یہ کیفیت فکر کی وجہ سے تھی ،اللہ تعالیٰ نے وہ نور عطا فرما دیا تھا۔

الحمدللہ !ہم اگر اپنے مشائخ کے راستے پرنہ آکرزندگی گزارتے توہمیں پتہ ہی نہ چلتا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے اس طرح بھی انوار حاصل کیے جاسکتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مخلص بندوں پر راستہ کھول دیا کہ دیکھو تم اگر مجھ سے انواراور برکات لیناچاہتے ہوتواس کا یہ طریقہ ہے ۔الحمدللہ یہ جو تھوڑی دیر کا مراقبہ ہے اس کی اہمیت سے واقف ہو جاناچاہیئے۔

حضرت مجد دالف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایاہے کہ جس لطیفے کو فناحاصل نہیں ہو گی وہ لطیفہ قیامت کے دن اندھی حالت میں کھڑا کیاجائے گا۔ وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمَى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَى (الاسراء ۷۲) اور جو اس زندگی میں اندھاہو وہ آخرت میں اندھاہے۔"

اس لئے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کادیدار ظاہر کی آنکھوں سے نہیں ہو گا۔وہ دل کی آنکھوں سے ہی ہو گااوردل کی آنکھوں سے سارے لطائف بیناہوں گے اس کواللہ رب العزت کے جمال کا صحیح لطف نصیب ہو گا۔اور جس کا من ہی اندھاہو گاوہ دیدار محبوب کی لذت نہ پاسکے گاتوہم دنیامیں محنت کرکے اپنے تمام لطائف کونقطۂ فناتک پہنچادیں گے تاکہ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوں گے تومن کی آنکھیں روشن ہوں ۔اوراللہ رب العزت کے دیدار کی صحیح لذت ہمیں حاصل ہو سکے۔تویہ فنائے قلبی ولایت کاپہلاقدم ہے۔بندہ کم سے کم اس درجے تک توپہنچے جہاں نفس کی خباثتوں سے جان چھوٹ جائے۔جہاں انسان اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں آجائے اوراللہ تعالیٰ کے بندوں میں اس کاشمار ہو جائے۔قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ إِنَّ عِبَادِي لَيسَ لَکَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ۔(الحجر ۴۲)۔ بیشک میرے بندوں پر تیراکچھ قابو نہیں۔"

تو وہ جو عبادی کا زمرہ ہے وہ اس مراقبہ احدیت سے آگے شروع ہوتا ہے، جس نے کام کو اس نقطے تک پہنچادیا کہ اب اس کے اندر غفلت نہیں رہتی۔

وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ (الاعراف ۲۰۵) اور غافلوں میں نہ ہونا۔" کے حکم پر اس کو عمل نصیب ہو جاتا ہے۔

مشائخ نے فرمایا ہے کہ عدم غفلت عبدیت کی طرف پہلا قدم ہے تو وہ قدم یہاں آکر راسخ ہو جاتا ہے۔اس کے بعد غفلت نہیں ہوتی ۔ فکر کا مراقبہ کرنے کے بعد پھر بندے کو دائمی حضوری نصیب ہوتی ہے۔اس لئے لیٹے بیٹھے چلتے پھرتے ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان رہتا ہے۔اس لئے یہ مراقبۂ احدیت ذکر و سلوک کے راستے میں ایک موڑ ہے۔دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہمیں ان مراقبات کو پابندی کے ساتھ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین بحرمة سيد الانبياء و المرسلين علىٰ نبينا و عليهم السلام۔

ان پر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں بھی وہ عطا فرمائے اور ہم کوتاہ پرواز اور پست پرواز ہیں لیکن اللہ رب تو بے نیاز ہے وہ تو نیت کو دیکھتا ہے اگر ہم دل کے برتن کو سیدھا کر کے طلب لے کر بیٹھ جائیں گے تو اگرچہ ہم وہ مجاہدے نہ کر سکیں وہ ریاضتیں بھی نہ کر سکیں مگر اسی راستے پر چلنا تو چاہتے ہیں بہر حال اچھی نیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مہربان ہو گا۔

یہ حقیقت ہے کہ ماں اپنے کمزور بچے پر زیادہ مہربان ہوتی ہے اور باپ بھی اپنے کمزور بیٹے پر زیادہ مہربان ہوتا ہے۔

آج کے دور میں ذکر و سلوک کے راستے پر چلنا کوئی آسان کام نہیں ہے سچی بات یہ ہے کہ پہلے زمانے میں یوسف علیہ السلام کیلئے ایک زلیخا تھی ۔ آج ہر یوسف کیلئے دس دس زلیخائیں

ہیں۔ایسا پر فتن دور آگیا ہے اس وقت میں نفسانی و شہوانی گناہوں سے بچنا اوران تمام لذتوں سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جانا بہت بڑی قربانی ہے۔اس پر اللہ تعالیٰ مہربانی فرمادیتا ہے اور بالآخر بندے کو ولایت کا نور عطا فرمادیتا ہے۔

جیسا کہ **الفانی لا یرد**۔کہ فانی لوٹتا نہیں۔جس بندے کو مراقبۂ احدیت تک کی کیفیت صحیح مل گئی اب اس کے بھٹکنے اور پھسلنے کے امکانات نہیں رہتےوہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں آجاتا ہے۔اور جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔

حضرت خواجہ معصوم رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کو الہام ہوا کہ آپ کو ہم ایسا بیٹا عطا کریں گے جو زندگی کبیرہ گناہ نہیں کرے گا اور وہ مادرزاد ولی ہو گا بچپن سے ولایت کا نور لئے پیدا ہو گا۔ہم گناہوں سے اس کی حفاظت فرمائیں گے۔اس الہام کے بعد امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا نام محمد معصوم رکھا اب وہ خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نام سے پہچانے جاتے ہیں جنہوں نے حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے ۹ سال کی عمر میں اجازت و خلافت پائی۔۹ سال کی عمر کتنی چھوٹی عمر ہوتی ہے ۹ سال کی عمر میں حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے خلافت پائی اور وہ قیوم وقت بنے۔اپنے وقت کے روحانی اعتبار سے قیوم کہلائے۔یہ مرتبہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا۔ایک جگہ اپنے متعلق لکھتے ہیں کہ میں اس قابل تو نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے جنت کی عظیم نعمتیں مانگوں ہاں اتنی تمنا ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بخشے ہوئے بندوں کی صف میں مجھے بھی شامل فرمالے۔

نیاتِ مراقبات

صفائی باطن کا دوسرا طریقہ مراقبہ ہے، دل کو وسوسوں اور خطرات سے خالی کرکے فیضِ خداوندی اور رحمت الٰہی کا انتظار کرنا اور اس کے مورد پر وارد ہونے کا لحاظ کرنا مراقبہ کہلاتا ہے۔ جس لطیفے پر فیض وارد ہو رہا ہوتا ہے اس لطیفے کو موردِ فیض کہتے ہیں۔

۱۱) نیت مراقبہ احدیت: فیض می آید از ذات بیچون کہ جامع جمیع صفات وکمالات است و منزّہ از جمیع عیوب و نقصانات است وبی مثل است بہ لطیفہ قلبی من بواسطہ پیران کبار رحمۃاللہ علیہم اجمعین۔ توقف۔۔۔۔ روز زبانِ حال کے ساتھ یہ نیت کرکے فیضان الٰہی کے انتظار میں بیٹھا رہے۔ اس مراقبہ میں جمعیت اور حضورِ قلب کی نسبت حاصل ہونے کی طرف توجہ رکھنی چاہیئے اور تنزیہ و تقدیس ذات حق سبحانہ کا پوری طرح خیال رکھنا چاہیئے۔

اثرات: خطراتِ قلبی کے بالکلیہ زائل ہونے یا کم ہونے کو جمعیت کہتے ہیں۔ قلب کی توجہ حق سبحانہ و تعالیٰ کی طرف پیدا ہونے کو حضور کہتے ہیں۔ مراقبۂ احدیت میں سالک کو حق تعالیٰ کے ساتھ حضوری اور اس کے ماسوا سے اعراض حاصل ہو جاتی ہے حتیٰ کہ کم از کم چار گھڑی تک خطرے اور وسوسے کے بغیر یہ حضور حاصل ہو جائے تو سمجھنا چاہیئے کہ اس مراقبے کے اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔

مراقبۂ احدیت کے بعد مراقباتِ مشارب کی تعلیم دی جاتی ہے۔ مشارب جمع مشرب کی ہے بمعنی راہ اور گھاٹ۔ ان مراقبات کے ذریعے سالک مقامِ فنا تک پہنچ جاتا ہے اس لئے ان کو مشاربات کہتے ہیں۔ عالمِ امر کے ہر لطیفہ کی اصل عرش کے اوپر ہے، چنانچہ لطیفۂ قلب کی اصل تجلی افعال الٰہی

ہے، لطیفۂ روح کی اصل تجلی صفات ثبوتیہ ہیں، لطیفۂ سر کی اصل شیونات ذاتیہ ہیں، لطیفۂ خفی کی اصل تجلیٔ صفاتِ سلبیہ ہے، لطیفۂ اخفیٰ کی اصل تجلی شانِ جامع ہے۔ جب تک ہر لطیفہ نورانی ہو کر اپنی اصل تک نہ پہنچے اس لطیفہ کی فنا حاصل نہیں ہوتی۔ واضح رہے کہ جب تک ہر مراقبہ کا اثر سالک کے لطیفہ پر محسوس نہ ہو، ہرگز دوسرا مراقبے کی تلقین نہ کی جائے ورنہ ماسواء کا خیال دل سے کبھی دور نہ ہو گا اور اس کو مقامِ فنا تک (جو ولایت کا پہلا قدم ہے) رسائی نصیب نہ ہو گی۔

۔۔۔۔۔۔نیت اصول مراقبات۔۔۔۔۔۔

۱۲) نیت مراقبہ اصل قلب: الٰہی قلب من بمقابل قلب نبی علیہ السّلام، آن فیض تجلّائی صفات فعلیہ خود کہ از قلبِ نبی علیہ السّلام بہ قلبِ آدم علیہ السّلام رسانیدہ بہ قلبِ من نیز برسانی بواسطہ پیران کبار رحمہم اللہ تعالیٰ۔ توقف۔۔۔ روز

ترجمہ: اے اللہ! میرا لطیفۂ قلب رسول اکرم ﷺ کے لطیفۂ قلب کے بالمقابل فیض کا منتظر ہے جو تو نے اپنی صفات فعلیہ سے حضرت آدم علیہ السلام کے لطیفہ تک پہنچایا، وہ فیض میرے لطیفۂ قلب پر بھی القاء فرما بزرگان دین رحمہم اللہ تعالیٰ کے وسیلۂ جمیلہ سے۔

یہ ولایت کا پہلا زینہ ہے، اس زینہ پر چڑھنے والا حضرت آدم علیہ السلام کی طرح ہر وقت توبہ و انابت میں محو و مشغول رہتا ہے، نیز بری عادات وصفات رذیلہ کو ترک کر کے اخلاق حسنہ کو اپنانے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ تاکہ اس حدیث مبارک تخلقوا بأخلاق اللہ (اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی صفات پیدا کرنے کی کوشش کرو) کا مصداق بن جائے۔ اسے ہر شے میں اللہ تعالیٰ کے جلوے نظر آتے ہیں اور اپنے و دیگر مخلوقات کے افعال کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے لگتا ہے۔

اثرات: اس لطیفہ کے مراقبہ میں اپنے افعال اور تمام افعال اور تمام مخلوق کے افعال سالک کی نظر سے پوشیدہ ہو جاتے ہیں اور ایک فاعل حقیقی کے فعل کے سوا اس کی نظر میں اور کچھ نہیں آتا۔ جب اس دید کا غلبہ ہو جاتا ہے تو سالک کائنات کی ذات وصفات کو حق سبحانہ وتعالیٰ کی ذات وصفات کا مظہر دیکھتا ہے اور ماسوا کو اس قدر بھول جاتا ہے کہ بتکلف یاد کرنے پر بھی یاد نہیں آتا اور دنیا کے غم وخوشی سے قلب متاثر نہیں ہوتا، اس کو فنائے لطیفۂ قلب کہتے ہیں۔

۱۳) نیت مراقبہ اصل روح: الٰہی روح من بمقابل روح نبی علیہ السّلام، آن فیض تجلّائی صفات ثمانیہ ثبوتیہ ذاتیہ حقیقیہ خود کہ از روح نبی علیہ السّلام بہ روح ابراہیم ونوح علیہم السّلام رسانیدہ بہ روحِ من نیز برسانی بواسطہ پیران کبار۔ توقف۔۔۔روز

ترجمہ: اے ذات باری تعالیٰ میرا لطیفۂ روح رسول اکرم ﷺ کے لطیفۂ روح کے بالمقابل فیض کا منتظر ہے اپنی آٹھ حقیقی صفات کی تجلیات کا فیض جو کہ رسول اکرم ﷺ کے لطیفۂ روح سے حضرت ابراہیم ونوح علیہما السلام کے لطیفۂ روح پر پہنچا۔ وہ فیض میرے لطیفہ روح پر بھی القاء فرما۔ بزرگان دین علیہم الرضوان کے توسل سے۔

اس لطیفہ کے مراقبہ کرنے والے میں حضرت نوح و ابراہیم علیہما السلام کی طرح صفت توکل پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ مصائب و آلام سے نہیں گھبراتا بلکہ خندہ پیشانی سے حوادث زمانہ کا مقابلہ کرتا ہے، نفس و شیطان کی مکاریوں سے بچتے ہوئے ہمہ وقت ذات باری تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتا ہے جو چیز بھی یاد خدا میں حائل ہو، اسے ذبح کرتا چلا جاتا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح عالم ملک وملکوت کا مشاہدہ کرتا ہے، یعنی اسے سیر آفاقی نصیب ہوتی ہے۔

اثرات: لطیفۂ روح کی فنا اس وقت حاصل ہوتی ہے جب سالک کی نظر سے اپنی اور تمام مخلوقات کی صفات غائب ہو جائیں اور تمام صفات کی نسبت حق تعالیٰ ہی کی طرف نظر آئے۔ اس مقام میں جب سالک اپنے آپ سے اور تمام مخلوقات سے وجود کی نفی کرتا ہے جو کہ تمام صفات کی اصل ہے اور حق تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے وجود کا اثبات نہیں کرتا تو ناچار توحید وجودی کا قائل ہو جاتا ہے۔

دراصل اس سبق کے اثرات مختلف ہیں، اس سبق میں سالک کی نظر سے اپنی صفات زائل ہو جاتی ہیں اور اس پر اللہ تعالیٰ کی صفات کا غلبہ ہو جاتا ہے، اس مقام پر سالک کو وہ نعمت ملتی ہے جس کو کہتے ہیں۔ تخلقوا بأخلاق الله تعالىٰ (اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متصف ہو جاؤ) جب سالک روح کی فنایت حاصل کر لیتا ہے تو پھر اس کے اوپر صفات باری تعالیٰ کا اتنا اثر آ جاتا ہے کہ اس کی ذات ان صفات میں گم ہو جاتی ہے، اس کے اندر بھی وہ صفات آ جاتی ہیں، اور جب یہ صفات آ جائیں تو بندہ قرب کا مقام پا لیتا ہے اور ان صفات کی وجہ سے بندہ اللہ تعالیٰ کا پیارا بن جاتا ہے۔ اس مقام پر سالک کو وہ درجہ ملتا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ حدیث قدسی میں فرماتا ہے:

ولا يزال عبدي يتقرب إلي بالنوافل حتى أحبه فإذا أحببته كنت سمعه الذي يسمع به وبصره الذي يبصر به ويده التي يبطش بها ورجله التي يمشي بها وإن سألني لأعطينه۔[105]

یعنی "بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کر لیتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں پھر جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور

[105] صحيح البخاري، ج۵، ص ۲۳۸۴۔ الناشر: دار ابن كثير، اليمامة - بيروت

اس کا پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے کسی چیز کا سوال کرتا ہے تو میں اسے عطا کرتا ہوں"۔

اور پھر اس مقام والے بندے کو اللہ تعالیٰ ایک ایسی نعمت عطا فرماتا ہے کہ اس کی دعائیں رد نہیں ہوتیں۔ چنانچہ اسی حدیث مبارکہ میں ہے **وان سألنی أعطینه** "اگر وہ بندہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں عطا کرتا ہوں" یعنی مستجاب الدعوات ہونے کا درجہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ عنایت فرمادیتا ہے۔

سبحان اللہ! شاعر نے شاید اسی متعلق کہا ہے:

گفتہ اُو گفتہ اللہ بود　　　　گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

ان (اللہ والوں) کا کہنا اللہ تعالیٰ کا فرمانا ہے اگرچہ بندہ کے منہ سے وہ الفاظ نکلے ہوں۔

۱۴) **نیت مراقبہ اصل سِرّ:** الٰہی سر من بمقابل سر نبی علیہ السّلام، آن فیض تجلّائی صفات شیوناتِ ذاتیہ خود کہ از سر نبی علیہ السّلام بہ سر موسیٰ علیہ السّلام رسانیدہ بہ سر من نیز برسانی بواسطہ پیران کبار۔

توقف۔۔۔روز

شیون جمع ہے شان کی اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ شان ذاتیہ ہے کہ جس سے وہ صفات ثبوتیہ کے ساتھ موصوف ہے:

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ (الرحمٰن ۲۹)

ترجمہ: ہر روز وہ (اللہ تعالیٰ) ایک نئی نئی شان میں ہے۔

مکتوب امام ربانی رحمہ اللہ تعالیٰ شیونات کے بارے میں

شیونات

جمع الجمع کا صیغہ ہے اس کا مفرد شان ہے اور شیون اس کی جمع ہے۔ شان کا معنیٰ حال اور امر ہے۔[106] آیتِ مبارکہ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ (الرحمن ۲۹) اس مرتبے اور اصطلاح کی اصل ہے۔

اللہ تعالیٰ جب اپنے بندے پر تجلی فرماتا ہے تو اس تجلی کو حق کے اعتبار سے شانِ الٰہی کہا جاتا ہے اور بندے کے اعتبار سے حال کہتے ہیں۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ شیونات کی تعریف میں رقم طراز ہیں۔

اردو ترجمہ حسبِ ذیل ہے:

اللہ تعالیٰ کی شیونات، اس کی ذات کی فرع ہیں اور اس کی صفات ان شیونات پر ہی متفرع ہیں اور اس کے اسماء جیسے خالق ورازق (وغیرھا) صفات پر متفرع ہیں اور اس کے افعال ان اسماء پر متفرع ہیں اور تمام موجودات افعال کے نتائج ہیں اور ان ہی پر متفرع ہیں۔ (اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے) پس معلوم ہو گیا کہ شیون اور چیز ہیں اور صفات اور چیز اور شیون خارج میں عینِ ذات ہیں اور صفات خارج میں ذات پر زائد ہیں۔[107]

نیز حضرت امام ربانی قدس سرہ مزید فرماتے ہیں کہ وہ فیض جو حق تعالیٰ کی طرف سے سالک کو پہنچتا ہے دو قسم کا ہے ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق ایجاد (موجود کرنا) اِبقاء (باقی رکھنا) تخلیق (پیدا کرنا) ترزیق (رزق دینا) احیاء (زندہ کرنا) اماتت مارنا (مارنا) وغیرہا کے ساتھ ہے اور دوسری قسم

---

[106] مجمع بحار الانوار ص ۱۷۰۔

[107] معارف لدنیہ معرفت ص ۲۰۔

وہ ہے جو ایمان، معرفت اور مراتبِ ولایت و نبوت کے تمام کمالات سے متعلق ہے۔ پہلی قسم کا فیض سب کو صفات کے ذریعے سے آتا ہے اور دوسری قسم کا فیض بعض کو صفات کے ذریعے سے اور بعض کو شیونات کے واسطے سے آتا ہے اور صفات و شیونات کے درمیان بہت باریک فرق ہے جو محمدی المشرب اولیاء کے علاوہ کسی پر ظاہر نہیں ہوا اور نہ ہی کسی اور نے اس کی نسبت کلام کیا...

اس بیان کو ہم ایک مثال سے واضح کرتے ہیں مثلاً پانی بالطبع اوپر سے نیچے کو آتا ہے یہ طبعی فعل اس میں حیات ، علم ، قدرت وارادہ کا اعتبار پیدا کرتا ہے کیونکہ صاحبانِ علم اپنے ثقل کے باعث بتقاضائے علم اوپر سے نیچے کو آتے ہیں اور فوق کی طرف توجہ نہیں کرتے اور علم حیات کے تابع ہے اور ارادہ علم کے تابع ہے۔ اس طرح قدرت بھی ثابت ہو گئی کیونکہ ارادہ میں اَحَدُ المقدورَین (دو مقداروں میں سے ایک کو اختیار کرنا) کی تخصیص ہے پس یہ اعتبارات جو پانی کی ذات میں ثابت کیے جاتے ہیں بمنزلہ شیونات کے ہیں ۔ اگر ان اعتبارات کے باوجود پانی کی ذات میں صفاتِ زائدہ ثابت ہو جائیں تو وہ وجودِ زائد کے ساتھ صفاتِ موجودہ کی طرح ہوں گے۔ پانی کو پہلے اعتبارات کے لحاظ سے حیی، عالم، قادر اور مرید نہیں کہہ سکتے۔ ان اسموں کے ثابت کرنے کے لئے صفاتِ زائدہ کا ثابت کرنا ضروری ہے۔

لہٰذا جو کچھ بعض مشائخ کی عبارات میں پانی کے متعلق مندرجہ بالا اسموں کے ثبوت میں واقع ہوا ہے ان کی بنیاد شیون وصفات میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے ہے اور اسی طرح صفات کے وجود کی نفی کا حکم بھی اس فرق کے معلوم نہ ہونے پر محمول ہے اور شیون وصفات کے درمیان دوسرا فرق یہ ہے کہ مقامِ شیون صاحبِ شان کا مواجہ (روبرو) ہے اور مقام صفات ایسا نہیں ہے۔[108]

---

[108] دفتر اول مکتوب ۲۸۷۔

مقام شیون مواجہہ ٔذات ہے

حضرت امام ربانی قدس سرہ کی نظر میں بنیاد یہ ہے کہ جو حضرات صرف شہودِ صفات تک پہنچے ہیں وہ ابھی مرتبہ ٔ ذات تک وصول کی سعادت سے مشرف نہیں ہوئے اور جو شہودِ شیونات کے مرتبے سے شادکام ہیں انہیں وصولِ ذات کا مرتبہ بھی حاصل ہے کیونکہ شیونات، ذاتِ حق تعالیٰ پر زائد نہیں اور نہ ہی ان کا وجودِ خارجی ثابت ہے لیکن صفات، ذات پر زائد ہیں اور وجودِ خارجی بھی رکھتی ہیں لہذا سیر صفات میں تعلقاتِ صفات پیش نظر ہوتے ہیں اور وہ ممکنات ہیں اس مرتبے میں عارف مرتبہ ٔ ذات سے دور رہتا ہے کیونکہ یہ مقام صفات کا ہے لیکن مقامِ شیون مرتبہ ٔذات تک وصول کا نام ہے لہذا مقام شیون کو مواجہہ ٔذات قرار دیا گیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اثرات: فنائے سر یہ ہے کہ سالک اس مقام میں اپنی ذات کو حق سبحانہ و تعالیٰ کی ذات میں مٹا ہوا پاتا ہے اور اسے ذات حق اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی ذات نظر نہیں آتی، جب سالک ذات و صفات الٰہی میں فنا ہو جاتا ہے تو طعن و ملامت کی پرواہ نہیں کرتا اور نہ ہی کسی تعریف و توصیف کا خواہشمند رہتا ہے، صرف ذات حق میں مستغرق رہتا ہے۔

یہاں ایک نقطہ قابل غور ہے کہ تینوں چیزیں ہیں: ایک اللہ تعالیٰ کی ذات، دوسری اس کی صفات تیسری اس کی شیونات۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہم جانتے ہیں، دوسری اس کی صفات ہیں جن کے بارے میں مشائخ نے فرمایا ہے کہ **لا ھو و لا** غیرہ اور تیسری شیونات ہیں، شیونات جمع شان کی ہے۔

یہاں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ جب محبوب کا ہر روز ایک نیا جلوہ ہے تو محب کے دل میں محبت کا ایک نیا ولولہ ہے، اللہ تعالیٰ کے جلووں کی انتہا نہیں اور عاشق کے ولولوں کی انتہا نہیں۔ ایسے عاشق

صادق کو ہزار سال کی عمر بھی دی جائے تو بھی بندگی سے نہیں تھکے گا، روز ایک نئ مستی ہو گی، ایک نیا لطف ہو گا، روز اس کے اندر اللہ کی عبادت کا ایک نیا جذبہ ہو گا، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے جلوؤں کو شیونات کہتے ہیں۔ ان کا فیض سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو ملا، اب یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ جلوہ کا شکار تھے۔

(سبحان اللہ!) انبیاء علیہم السلام میں سے کس نے کہا کہ مجھے دیدار کرنا ہے، صرف موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے عرض کیا تھا، چونکہ بات کرنے کا موقع ملا تھا اور شیونات ذاتیہ کا فیض سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو لطیفۂ سر کے ذریعے سے ملا تھا اس مقام پر موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا تھا کہ رَبِّ أَرِنِي أَنْظُرْ إِلَيْكَ (الاعراف ۱۴۳) اور یہ مقام مقام مشاہدہ کہلاتا ہے۔

جن مشائخ نے غلبۂ حال میں کچھ الفاظ کہہ دیئے ہیں وہ اس مقام میں ہی کہے ہیں، جیسے بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا تھا: سبحاني ما أعظم شاني، انہوں نے اپنے آپ کو دیکھ کر نہیں کہا بلکہ وہ اللہ رب العزت کی طرف متوجہ تھے، اس لئے ایسی بات کہہ دی۔ منصور حلاج (حسین بن منصور) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے أنا الحق کہنے سے مراد یہ نہیں تھا کہ "میں خدا ہوں" بلکہ منصور حلاج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ "میں نہیں ہوں، صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے"۔ یعنی وہ اپنے آپ کو گم پاتے تھے۔ اس لئے کسی نے پوچھا کہ فرعون نے انا ربکم الاعلیٰ کہا تو ہلاک ہوا۔ اور منصور حلاج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے أنا الحق کہا تو وہ اہل محبت کے نزدیک کامیاب ہوئے، اس کا کیا مطلب؟ دعویٰ تو ایک جیسا ہی ہے، تو جواب دیا گیا کہ فرعون نے انا ربکم الاعلیٰ کہا تھا اپنے آپ کو رکھنے کے لئے اور اللہ کو مٹانے کے لئے جب کہ منصور حلاج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے أنا الحق اللہ کو رکھنے کے لئے اور اپنے آپ کو مٹانے کے لئے کہا تھا۔ چونکہ اپنے کو مٹانے کی نیت سے کہا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو عزتوں سے نوازا اور فرعون بدبخت کو اللہ تعالیٰ نے عذاب میں ڈالا۔ فنائے خفی کی

علامت ظاہر کا مظاہر سے الگ ہونا ہے، یعنی حق باطل سے ممتاز ہو جاتا ہے اور وحدت کثرت سے ممتاز ہو جاتی ہے۔ فنائے اخفٰی کی علامت اللہ تعالیٰ کے اخلاق کو اختیار کرنا ہے، یعنی تمام رذائل اخلاق حسنہ میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اس مقام پر انسان وَإِنَّکَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ (سورۃ القلم ۴) کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے جو آفاق و انفس میں ظاہر ہوتا ہے وہ ظلیت کے داغ سے داغ دار ہے، جو لطائف عالم امر کے ہیں یا عالم خلق کے، اس کو آفاق اور انفس کہا جاتا ہے۔

مکتوب امام ربانی رحمہ اللہ تعالیٰ دورانِ سلوک مشاہدات کے بارے میں متن

بعد ازان مرتبۂ وُجوب کہ جامع صفاتِ کلیہ است ظاہر شد وبصورتِ زن غیر جمیلہ مُسوَدّاللون متمثلِ گشت و پس ازان مرتبۂ احدیت بصورتِ مرد درازِ بالا کہ بر دیوارِ باریک پہن ایستادہ است متجلی گشت واین ہر دو تجلی بعنوان حقانیہ ظاہر شدند بخلاف تجلیاتِ سابق کہ نہ باین عنوان بودند۔

ترجمہ: اس کے بعد مرتبۂ وُجوب جو کہ صفاتِ کلیہ کا جامع ہے ظاہر ہوا اور بد صورت سیاہ رنگ عورت کی صورت میں نظر آیا اور اس کے مرتبۂ احدیت ایک دراز قد آدمی کی صورت میں ظاہر ہوا جو کم عرض والی دیوار پر کھڑا ہوا اور یہ دونوں تجلیات حقانیت کے عنوان (سر نامہ) کی صورت میں ظاہر ہوئیں بخلاف سابقہ تجلیات کے کہ وہ اس عنوان کے ساتھ ظاہر نہیں ہوئی تھیں۔

شرح

اس مکتوبِ قدسی میں آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے دوران سلوک پیش آنے والے مشاہدات اور واقعات کا ذکر فرمایا ہے اور ساتھ ہی بعض طالبان طریقت کے باطنی حالات پر بھی تبصرہ فرمایا ہے

چنانچہ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ رقم طراز ہیں کہ قبل ازیں جو تجلیات مرتبۂ ممکنات میں ظاہر ہوئی تھیں، بندہ نے ان کا حال سابقہ مکتوبات میں عرض کر دیا ہوا ہے اب مرتبۂ وجوب کی تجلیات اور ان کے مشاہدات کا بیان عرضِ خدمت ہے۔ مناسب ہے کہ پہلے تجلی کے مفہوم و ثبوت اور اس کی اقسام کا ذکر کیا جائے۔

تجلی کا مفہوم

تجلی کا لغوی معنی "ظاہر کرنا و ظاہر ہونا" ہے۔ اصطلاحِ صوفیاء میں اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور اسماء و افعال کا کسی شان یا رنگ، کیفیت یا حالت میں اظہار تجلی کہلاتا ہے۔

تجلی کا ثبوت

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کا رَبِّ أَرِنِي مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے تجلی فرمائی۔

فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَى صَعِقًا (الاعراف ۱۴۳)

"پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنا نور چمکایا اسے پاش پاش کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام گرے بے ہوش۔"

حدیث پاک میں ہے:

أتاني ربي في أحسن صورة۔ [109]

ترجمہ: حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میرا رب میرے پاس ایک اچھی صورت میں آیا۔

[109] ترمذی ص ۱۵٦ ج ۲۔

تجلیات لاتعداد ہیں

چونکہ اللہ تعالیٰ کے ظہور کی شانیں بے انتہاء ہیں لہذا تجلیات بھی لاتعداد ہیں۔ ہر شخص پر اس کی استعداد کے مطابق جداگانہ تجلیات ہوتی ہیں جو تجلی ایک شخص پر ایک مرتبہ ہوتی ہے وہ پھر دوبارہ اس پر یا کسی اور پر کبھی نہیں ہوتی کیونکہ تجلیات میں تکرار نہیں ہر دم، ہر لحظہ اور ہر آن وہ نئی نئی شان میں تجلی فرماتا رہتا ہے۔ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ (الرحمن ۲۹) جس طرح اس کی ذات لامتناہی ہے اسی طرح اس کی تجلیات بھی حدو حصر سے باہر ہیں۔

اے ترا بر طورِ دل ہر دم تجلائے دگر — طالبِ دیدار تو ہر لحظہ موسائے دگر

اقسامِ تجلیات

ان لامتناہی تجلیات کا احاطہ و حصر قطعاً ناممکن ہے تاہم نمونہ کے طور پر چند تجلیات کا ذکر درج ذیل ہے۔

۱۔ تجلی آثاری

اس کو تجلی صوری بھی کہتے ہیں۔ سالک اس تجلی میں حضرت حق سبحانہ تعالیٰ کو صورت تمثیلی میں دیکھتا ہے اور وہ جان بھی لیتا ہے کہ یہ تجلی اسی ذات وحدہ لاشریک کی ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام پر ابتداء میں تجلی بصورت نار ہوئی پھر بصورتِ شجر، انہوں نے یہ بھی جان لیا کہ اس صورت میں کون متجلی ہے۔ کبھی یہ تجلی خواب میں بھی ہوتی ہے لیکن محتاجِ تعبیر رہتی ہے۔ یہ تجلی کامل طور پر صورت انسان میں ہوتی ہے۔

۲۔ تجلی فعلی

اس تجلی میں سالک حق تعالیٰ کو صفاتِ فعلیہ ربوبیۃ میں سے کسی صفت کے ساتھ متجلی پاتا ہے اس مشاہدے میں سالک سے حول و قوت اور فعل وارادہ سلب ہو جاتا ہے اور وہ ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کو متصرف وجاری دیکھتا ہے۔

۳۔ تجلی صفاتی

اس تجلی میں سالک حق تعالیٰ کو امہاتِ صفات میں متجلی پاتا ہے۔ امہاتِ صفات آٹھ ہیں۔ ان کو صفاتِ ثمانیہ حقیقیہ بھی کہا جاتا ہے اور وہ یہ ہیں:

۱۔ تکوین	۲۔ حیات	۳۔ علم	۴۔ قدرت
۵۔ ارادہ	۶۔ سمع	۷۔ بصر	۸۔ کلام

تجلی ذاتی

اس تجلی میں سالک فانی مطلق ہو کر اپنے علم، شعور اور ادراک سے بے تعلق ہو جاتا ہے۔ عبد فانی ہو جاتا ہے اور حق باقی رہتا ہے۔ اسی فنائیت کے بعد بقاء باللہ کا مقام آتا ہے اس تجلی میں سالک اپنے آپ کو بلاتعین جسمانی وروحانی اطلاق کے رنگ میں پاتا ہے اور کمال توحید عیانی کا مشاہدہ کرتا ہے۔

مزید اقسام

ان کے علاوہ بھی تجلیاتِ غیر متناہیہ ہیں، حق سبحانہ وتعالیٰ جس صورت میں جس چیز کے ساتھ جس طرح اور جب جس پر چاہتاہے ہر معقول، مفہوم، موہوم، مسموع و مشہود میں تجلی فرماتاہے اور سالک انہیں تجلیات پر قانع نہیں رہتابلکہ هَلۡ مِنۡ مَزِيدٍ (ق ۳۰) کی صدائیں بلند کرتا رہتاہے۔

بعض صوفیاءرحمہم اللہ تعالیٰ نے حسبِ ذیل تجلیات کی بھی نشاندہی فرمائی ہے۔

تجلی ظہوری، تجلی رحمانی، تجلی رحیمی، تجلی شہودی، تجلی جمادی، تجلی نباتی،اور تجلی حیوانی وغیرہا۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ مرتبۂ وجوب میں سیر کے دوران پیش آنے والے واقعات وواردات کا بیان فرمارہے ہیں۔

مرتبۂ وجوب

یہ مرتبہ صفاتِ کلیہ کا جامع مرتبہ ہے اوردائرہ اصل سے تعلق رکھتاہے۔ یہ عارف کے لئے مشاہدے کا مقام ہے اوروہ اس رتبے میں صفاتِ حقیقیہ ثمانیہ کی سیر کرتاہے۔

مشاہدہ

کسی امر کے استحضاراور یقینی تصور کا قلبِ سالک پر اس طرح غالب اور قوی ہوجانا کہ گویاوہ دل کی آنکھ سے اسے دیکھ رہاہے مشاہدہ کہلاتاہے۔ جیساکہ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

نکون عندرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یذکرنا بالنار و الجنۃ حتی کأنا رأی عین۔[110]

”ہم لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں جب دوزخ وجنت کا ذکر سنتے تو یوں معلوم ہوتا جیسے ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔“

---

[110] مسلم ص ۳۵۵ ج ۲۔رقم ۲۷۵۰۔

وجوب کے مرتبے میں سالک کو دو قسم کا مشاہدہ ہوتا ہے کبھی صفات بدون تعلقات اس کی نظر میں بعنوانِ کلیت مشہود ہوتی ہیں اور کبھی صفات متعلق بہ معلومات و مقدورات بعنوانِ جزئیت نظر آتی ہیں۔

قسم اول

پہلی قسم کے مشاہدے کو شہودِ صفاتِ کلیہ کا نام دیتے ہیں ۔ اس مرتبے میں صفاتِ مجردہ مشہود ہوتی ہیں ان کا ممکنات کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

قسم دوم

دوسری قسم کو شہود صفاتِ جزئیہ کہا جاتا ہے اس مرتبے میں صفات کا ممکنات کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اور سالک مشاہدہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت علم فلاں معلوم کے ساتھ اور صفتِ قدرت فلاں مقدور کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ علی ہذا القیاس تمام صفات، ممکنات سے متعلق نظر آتی ہیں۔ سالکین کے نزدیک مشاہدے کی پہلی قسم (شہود صفات کلیہ) زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔

تجلیاتِ عالمِ وجوب

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کو مرتبہ وجوب میں سیر باطنی کے دوران عالم وجوب کی تجلیات مختلف صورتوں میں نظر آئیں۔ مثلاً مرتبہ ٔوجوب بد صورت سیاہ رنگ کی عورت کی شکل میں نظر آیا اور مرتبہ ٔاحدیت ایک دراز قد آدمی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس کی معنویت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سالکین پر تجلیات کا نزول کبھی صورت میں ہوتا ہے اور کبھی بے صورتی میں، کبھی کسی خاص کیفیت میں اور کبھی بے کیفی میں لیکن اس مرتبے میں کامل تجلی انسان کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے کیونکہ تنزیہہ اور تشبیہہ دونوں مرتبے توحید کے ہیں اوران دونوں

مرتبوں میں سالکین کو مشاہدہ نصیب ہوتا رہتا ہے۔ جیسا کہ بعض مفسرین نے صراحت فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن قرآن کے ہر حرف کی صورت میں تجلی فرمائے گا۔

حضرت مولانا عبدالرحمان جامی قدس سرہ فرماتے ہیں:

اگر خواہد در ہر صورت از صور عالم ظاہر گردد و اگر خواہد از ہمہ منزہ باشد۔[111]

اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو کائنات کی ہر صورت میں ظہور فرمائے اگر چاہے تو ہر صورت سے منزہ رہے۔

عنوان حقانیت

حضرت امام ربانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ دونوں تجلیاں بعنوان حقانیت ظاہر ہوئیں جبکہ سابقہ تجلیات اس عنوان کے ساتھ ظاہر نہ ہوئی تھیں، عنوان حقانیت کا مطلب یہ ہے کہ یہ تجلیاں اپنی حقیقت کے ساتھ مشہود ہوئیں اور انہیں اچھی طرح پہچان لیا گیا کہ ان کی اصل حقیقت کیا ہے یہ شناخت کامل استعداد والے اہل حال کے شہود سے مربوط ہے (عام درجے کے سالک اس استعداد کے مالک نہیں ہوتے۔) (واللہ تعالیٰ اعلم)

متن

ودر ہمین اثناء آرزوئے موت پیدا شد وچنان در نظر آمد کہ من گویا شخصے ام بر کنار دریائے محیط ایستادہ ام بارادۂ آنکہ خود را در دریا اندازد امّا از عقب او را بریسمانے مضبوط کردہ اند کہ نمی تواند بدریا درون رفت وآن ریسمان عبارت از تعلقات بدن عنصری

[111] شرح مکتوبات قدسی آیات مکتوب ۱۴۔

خود میدانستم وآرزو می کردم کہ این ریسمان گستہ شود وایضاً کیفیتے خاص روداد کہ در آن وقت بطریق ذوق دریافت کہ دل راہیچ پاستے غیر از حق سبحانہ نماندہ است۔

ترجمہ: اسی اثناء میں موت کی خواہش پیدا ہوئی اور ایسا نظر آیا گویا کہ میں ایک شخص ہوں جو دریائے محیط (بہت بڑے سمندر) کے کنارے اس ارادہ کے ساتھ کھڑا ہے کہ اپنے آپ کو دریا میں ڈال دے لیکن پیچھے سے اس کو ایک رسی سے ایسا مضبوط باندھ دیا گیا ہے کہ دریا میں گر ہی نہیں سکتا میں اس رسی سے مراد اپنے بدن عنصری کے تعلقات کو سمجھتا تھا اور خواہش کرتا تھا کہ وہ رسی ٹوٹ جائے اور نیز ایک کیفیت یہ ظاہر ہوئی کہ اس وقت ذوق کے انداز پر مجھے معلوم ہوا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے سوا دل میں کوئی خواہش نہیں رہی۔

شرح

خواہش وصل

سطور بالا میں حضرت امام ربانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ عالمِ وجوب کے مشاہدہ کے دوران مجھ پر موت کی آرزو غالب ہونے لگی اس آرزو کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ عارف جب عالمِ وجوب کی نورانیت، قدسیت اور لطافت کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس پر وصل کی خواہش غالب آجاتی ہے لیکن جب حیات دنیاوی میں یہ وصل ممکن نظر نہیں آتا تو عارف لامحالہ موت کی آرزو کرتا ہے کیونکہ الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب یعنی موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے۔

آرزوئے موت

محبوبانِ خداوصل کے شوق میں موت کی دعائیں مانگتے رہتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ خود سرورِ کائنات ﷺ نے شوق شہادت میں فرمایا:

والذي نفسي بيده لوددت أني أقتل في سبيل الله، ثم أحيا، ثم أقتل، ثم أحيا، ثم أقتل، ثم أحيا، ثم أقتل [112]

یعنی مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میری یہ تمنا ہے کہ میں خدا کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔

دراصل عاشقوں کے لئے موت ذریعۂ وصل ہے اور عید نظارہ ہے۔ انہیں قاتل کی شمشیر میں ہلال عید کی تابانیاں نظر آتی ہیں وہ وصالِ دوست کے لئے زہر کو تریاق اور موت کو حیات سمجھتے ہیں۔ سلطان العشاق حضرت سیدنا بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جب نزع کا عالم طاری ہوا آثارِ وفات نمودار ہوئے تو احباب واہل خانہ غمگین ہوگئے ان کی بیوی جب شدتِ اضطراب سے بے قرار ہوئیں تو بے ساختہ ان کے منہ سے یہ لفظ نکلے "وَاحَرَبَاه" یعنی ہائے مصیبت، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ لفظ سن کر تڑپ اٹھے اور جلال میں آکر بولے" وَاطَرَبَاهُ غَداًاَلقٰی الاَحِبَّةَ مُحَمَّداً وَصَحبَهُ"[113] فرمایا تم یہ ہرگز نہ کہو" وَاحَرَبَاه" یعنی ہائے مصیبت، بلکہ یہ کہو" وَاطَرَبَاهُ "(واہ خوشی) کیونکہ میں اپنے محبوب آقا ﷺ کے دیدار اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ملاقات کے لئے جارہاہوں یہ مصیبت اور غم کا موقع نہیں بلکہ مسرت وشادمانی کا مقام ہے۔

---

[112] البخاری رقم ۲۷۹۷ ج ۴ ص ۱۷۔

[113] زرقانی ص ۳۱۸ ج ۶۔

آج پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسیؔ　　　قبر کی رات ہے اس گُل سے ملاقات کی رات

اسی لئے عارفانِ ذات موت سے ڈرتے ہیں نہ گھبراتے ہیں بلکہ والہانہ شوق کے ساتھ مسکراتے ہوئے موت کا استقبال کرتے ہیں۔

نشانِ مردِ مومن باتو گویم　　　چو مرگ آید تبسم بر لب

جب کسی صاحبِ حال بزرگ پر شوقِ وصال اور لذتِ جمال کی اضطرابی کیفیت طاری ہوتی ہے تو کبھی نیم جان ہو کر یوں فریاد کرتے ہیں۔

امروز دیگرم در انتظار تو شام شد
در انتظارِ وصلِ تو عمرم تمام شد
آمد نمازِ شام و نہ آمد نگارِ من
اے دیدہ پاسدار کہ خوابم حرام شد

(سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ)

اور کبھی بادیدۂ پر نم اور بادلِ پُر غم اپنے جذبات قلبی کا یوں اظہار کرتے ہیں:

خود کشی ہے معصیت ہستیِ حجابِ روئے دوست　　　تو گرفتارِ محبت ہائے کس مشکل میں ہے

حضرت امام ربانی مجد دالف ثانی قدس سرہ شوقِ وصل اور سوزِ فصل کی انہی ملی جُلی کیفیات سے سرشار ہو کر اپنے مرشدِ برحق کی بارگاہ میں عرض گزار ہیں کہ ''آرزوئے موت پیدا شد''یعنی وصالِ الٰہی کی حقیقی لذتوں سے شادکام ہونے کا شوق اس قدر بڑھ چکا ہے کہ اب اس دنیا میں رہنے کی بجائے آخرت کی آرزو غالب آگئی ہے۔

بینات

- دریائے محیط(بڑے سمندر)سے مرادعالمِ وجوب کی وسعت کامشاہدہ ہے۔
- رسی کے ساتھ مضبوط باندھے ہونے کامطلب روح کے ساتھ بدنِ عنصری کے تعلقات ہیں۔
- دریامیں نہ گرنے اوررسی نہ ٹوٹنے سے مرادیہ ہے کہ روح ابھی جسمانی تعلقات سے کلیۃً آزاد نہیں ہوئی یعنی روح اگرچہ عالمِ وجوب کے مشاہدے میں مصروف ہے لیکن حیاتِ ظاہری ابھی اتصالِ روح کی راہ میں حجاب ہے۔
- آپ قدس سرہ کایہ ارشاد کہ ''کہ ذوق کے اندازپرمجھے معلوم ہواکہ اللہ تعالیٰ کے سوادل میں کوئی خواہش نہیں رہی''اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ مشاہدہ مذکورہ کے بعد آخرمیں آپ قدس سرہ کوفنائے حقیقی حاصل ہوگئی اورآپ قدس سرہ نے وصلِ حقیقی کامرتبہ پالیا۔

(واللہ تعالیٰ اعلم)

۱۵)نیت مراقبہ اصل خفی:

سالک اپنے لطیفۂ خفی کو آں سرورعالم ﷺ کے لطیفۂ خفی کے مقابل تصورکرکے زبان حال سے بارگاہ الٰہی میں التجاءکرے اوریہ نیت کرے:

الٰہی خفی من بمقابل خفی نبی علیہ السّلام،آن فیض تجلّائی صفات سلبیہ خودکہ ازخفی نبی علیہ السّلام بہ خفی عیسیٰ علیہ السّلام رسانیدہ بہ خفی من نیزبرسانی بواسطہ پیران کبار رحمۃاللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔توقف۔۔۔۔روز

صفات سلبیہ کا مطلب یہ ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے وہ جسم و جسمانی، عرض وجوہر، مکان وزمان، حال و محل، محدود ومتناہی ہونے سے بھی پاک ہے، وہ بے جہت، بے کیف، بے نسبت و بے مثل ہے۔ اس طرح ضد و ند، ہمسر و مثل ہونا اس کی پاک بارگاہ سے مسلوب و مفقود ہے۔ وہ ماں باپ، زن و اولاد سے پاک ہے، کیونکہ یہ سب حدوث کے نشانات ہیں اور ان سے نقص لازم آتا ہے، تمام قسم کی صفات کمال حق تعالیٰ کی جناب کے لئے ثابت ہیں اس لئے امکان وحدوث کی صفات سراسر نقص وشرارت ہیں یہ سب جناب پاک سے مسلوب سمجھنے چاہیئیں۔

صفات سلبیہ کا فیض حاصل ہونے کی علامات یہ ہیں کہ بندے کے اندر سے بشری صفات سلب ہو جاتی ہیں اور اس میں ملکوتی صفات سرایت کر جاتی ہیں، اس مقام پر ہمارے بعض بزرگوں سے یہ سنا گیا ہے کہ **یطعمنی ربی و یسقینی** میرا رب ہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے، اس لئے کہ ان کی بھوک ہی ختم ہو جاتی ہے۔ احادیث مبارکہ میں وارد ہے کہ قرب قیامت میں ایک وقت آئے گا کہ ایمان والے **سبحان اللّٰہ، سبحان اللّٰہ** پڑھیں گے اور ان کی بھوک جاتی رہے گی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ان کو یہ نعمت عطا فرمائیں گے، ان کے اندر سے بشریت کے تقاضے نکال لئے جائیں گے، چنانچہ ہمارے اکثر مشائخ کا کھانا پینا بالکل کم ہوتا ہے، ساری ساری رات عبادت کرتے ہیں مگر تھکنے کا نام نہیں لیتے، اس لئے کہ اُن میں روحانی قوت آجاتی ہے۔

ایک مرتبہ حضرت خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حج پر تشریف لے گئے، تیرہ دن مکہ مکرمہ میں مقیم رہے، نہ کھایا، نہ پیا، نہ ہی قضائے حاجت۔ پوچھنے پر فرمایا کہ ”میں کالا کتا اس پاک دیس کو کیسے ناپاک کروں؟“ تیرہ دن کے بعد حج کرکے واپس آگئے۔ اس لطیفہ خفی کے سبق پر انسان میں یہ صفات آجاتی ہیں، پھر کھانے پینے کی بھی اس کو محتاجی نہیں رہتی۔ چنانچہ ہمارے بزرگوں کے

حالات زندگی میں ہے کہ وہ فرماتے تھے، "میں تو سنت سمجھ کے کھاتا ہوں، ورنہ مجھے کھانے کی کوئی ضرورت نہیں رہی"۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہمت دے دیتے ہیں، ایک محدث نے اپنے شیخ کے متعلق لکھا ہے کہ رمضان میں سحری میں دو فنجان چائے پینے کا معمول تھا، اس کے باوجود مستقل ساری ساری رات عبادت فرماتے تھے، اصل میں ان میں یہ ملکوتی صفات آجاتی تھیں۔ ایسے موقع پر سالک کو سلبی توجہات ملتی ہیں۔ لہٰذا وہ کسی کمال کا انتساب اپنی ذات کی طرف نہیں کرتا۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ سالک اپنے آپ کو فاسق، فاجر اور کافر فرنگ سے بھی بدتر سمجھے، وہ بات اس سبق پر آکر سمجھ میں آتی ہے کہ جب سالک کوئی کمال اپنی طرف منسوب ہی نہیں کرتا، سب لوگ اسے اپنے آپ سے اچھے نظر آتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہاں تک فرمایا کہ سالک اپنے آپ کو کافر فرنگ سے بھی کم تر سمجھے، پڑھنے والے کو یہ بات عجیب لگتی ہوگی لیکن اس سبق کو کرنے کے بعد اس میں کوئی عجیب چیز نظر نہیں آتی، اس لئے کہ کمال سب کمال والے کا ہے۔

اثرات: اس لطیفے کی فنا یہ ہے کہ سالک اس مقام میں حق سبحانہ و تعالیٰ کو تمام عالم سے ممتاز و منفرد پاتا ہے اور جمیع مظاہر سے مجرد و یگانہ دیکھتا ہے۔

ہر سالک کے لئے یہ لازم ہے کہ یہ یاد کرے

اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی تین اقسام ہیں:

(۱) **صفات ذاتی حقیقی:** جو کہ آٹھ ہیں: حیات، علم، کلام، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، تکوین۔

(۲) **صفات سلبیہ:** جیسا کہ **لیس کمثلہ شئی لم یلد و لم یولد و لم یکن لہ کفواً احد لا یاکل و لا یشرب و لا یموت و لا ینام۔**

(۳)صفات فعلیہ: جنہیں صفات اضافی بھی کہا جاتا ہے: خالق، رازق، محی، ممیت، رؤف، رحمٰن، رحیم، کریم، منان۔[114]

امام اہل سنت علامہ ابو شکور محمد بن عبد السعید سالمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب تمہید میں صفاتِ الٰہیہ کا تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں

مہتدی ابو شکور سالمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے، قدیم ہے، اپنی صفات کے ساتھ موصوف ہے۔

اور یہ کہنا جائز نہیں کہ قدیم مع صفاتہ، اس لئے کہ "مع" کا لفظ دو چیزوں کے درمیان مقارنت کے لئے آتا ہے اور صفت موصوف کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں کہ یوں کہا جائے صفت و موصوف علیحدہ علیحدہ دو چیزیں ہیں۔

سوال: اگر کوئی کہے کہ صفت شئے ہے؟ یا غیر شئے؟ پس اگر ہم کہیں کہ صفت شئے نہیں تو موصوف "لا شئے" کے ساتھ کیسے موصوف ہو گا؟ اور اگر کہیں کہ صفت بھی شئے ہے اور یہ شئے غیر موصوف ہے تو پھر یہ جائز نہیں کہ یہ بھی قدیم ہے۔

جواب: یہ ہے کہ صفت شئے ہے ہم یہ نہیں کہتے کہ شئے ہے یا غیر شئے ہے۔

سوال: یہ ہے کہ صفت قدیم ہے یا غیر قدیم؟

جواب: یہ ہے کہ صفتِ قدیم ہے، اس لئے کہ ذات موصوف ہے وہ قدیم ہے، اپنی صفات کے ساتھ اور یہ کہنا جائز نہیں کہ صفات قائم بذاتہ ہیں لیکن ہم یہ کہیں گے کہ اس کی ذات موصوف

---

[114] تسکین السالکین، ص ۱۹۳، ۱۹۴

بصفاتہ ہے اور یہ کہنا جائز نہیں کہ اس کی صفات قائم بذاتہ ہیں موصوف بالوصف ہے، بلکہ ہم کہیں گے کہ وہ موصوف بالصفت ہے اس لئے کہ وصف واصف کی صفت ہے اور وہ موصوف ہے، قبل اس کے کہ اس کی صفت بیان کرے اور یہ کہنا بھی جائز نہیں کہ وہ قدیم بجمیع صفاتہ ہے اس لئے کہ جمع اورافتراق اس کی صفات میں جائز نہیں، توہم یوں کہیں گے کہ قدیم بصفاتہ ہے اور بعض لوگوں نے صفات ونعوت کا بالکل انکار کر دیا، انہوں نے کہا کہ صفت ونعت وہ ذات باری تعالیٰ تو ہیں نہیں ضروری ہوا کہ ذات کا غیر ہوں اور جب غیر ہوں گی تو یا قدیم ہوں گی یا حادث ومحدث اور یہ نہیں ہو سکتا کہ حادث ومحدث ہوں اس لئے کہ پھر یہ کہنا پڑے گا کہ حادث ومحدث قدیم میں حلول کیے ہوئے ہیں اور یہ کفر ہے۔

اور معتزلہ نے کہا کہ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ صفت ونعت قدیم ہیں اس لئے کہ اگر صفات قدیم ہیں تو پھر یہ کہنا واجب ہو گا دو یا تین یا اس سے بھی زیادہ قدیم ہیں اور یہ "**تعددقدماء**" محال ہے انہوں نے پھر کہا کہ اللہ تعالیٰ حی، قادر، علیم، سمیع، بصیر، مرید بذاتہ ہے۔

معتزلہ نے مزید کہا کہ یہ جائز نہیں کہ اس لئے کہ وہ اِلٰہ ہے، رب ہے، صانع ہے، اور جب صانع کا عالم ہونا ثابت ہو گیا تو یہ مقتضی ہے کہ تمام اشیاء کو جانے اور تمام احوال کو تمام اوقات اور تمام اماکن (جگہوں) کو جانے اور جب وہ تمام اشیاء کو جانتا ہے تو تمام اشیاء اس کی معلوم ہوئیں اور بغیر علم کے ناممکن ہے کہ شئے عالم کی معلوم بنے، اس لئے کہ معلوم مقتضی علم ہے، لا محالہ تو ثابت ہوا کہ علم سے اس کا معلوم ہے۔ پس واضح ہو گیا کہ نفئ علم مستلزم ہے نفی عالم کو اور اثبات علم اثباتِ عالم کو مستلزم ہے، اللہ تعالیٰ پر تو ہم نے کہا کہ صحیح ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے عالم وقوف علم جب معلوم پر ہوتا ہے تو معلوم اس کا معلوم بنتا ہے اور جب علم ہی نہ ہو گا تو معلوم بغیر وقوف

کیسے معلوم بن جائے گا؟ اور جب معلوم پر وقوف علم نہ ہوا تو وہ کسی شئے کو نہ جانے گا تو ثابت ہوا کہ عالم کا علم جب معلوم پر واقفیت پاتا ہے تو وہ معلوم بنتا ہے اور جب وقوفِ علم علی المعلوم نہ ہوا، عالم نہ ہوا اور جب عالم نہ ہوا تو صانع نہ ہوا اور یہ محال ہے۔[115]

اعتراض: اگر کہا جائے باری تعالیٰ جل شانہ تمام اشیاء کو بالذات جانتا ہے اور تمام معلومات اس کے معلوم بذاتہ ہیں تو کہنا یہ ہے کہ ذات عالم ہے تو نفی صفات موجب نفی ذات نہ ہوئی۔

جواب: ہم جواب میں کہیں گے کہ عالم اگر تمام اشیاء کو بالذات جانتا ہے تو معلومات اس کے بالذات ہوئے تو ذات علم ہوگی اور علم ہی ذات ہوگی، اس لئے کہ معلوم معلوم نہیں ہوتا بغیر اس پر وقوف کے اور بغیر علم کے تو ہر وہ شئے کہ جس کے ساتھ معلوم کا وقوف ہو وہ عالم ہے۔ پھر اگر کہا جائے کہ صانع صفت سے موصوف ہے تو یہ کہنا پڑے گا کہ دو، تین یا اس سے بھی زیادہ قدیم ہیں، اس لئے کہ صفت حادث و محدث تو ہو نہیں سکتی اور اگر ہم کہیں کہ قدیم ہے تو اس صورت میں دو، تین اور اس سے بھی زیادہ قدیم ثابت ہو جائیں گے۔

ہم نے کہا کہ یہ لازم نہیں آتا، اس لئے کہ ہم نے تو یہ کہا ہے کہ صفت موصوف کا غیر نہیں ہے کیونکہ صفت عرض نہیں اور جب عرض نہیں تو موصوف کا غیر کہنا صحیح نہیں اور موصوف کا غیر نہیں تو اس کے ثابت کرنے میں دو تین قدیموں کا ثابت کرنا لازم نہیں آتا کبھی ہوتا ہے کہ صفت صفت ہو اور عرض نہ ہو جیسے کہ یہ جائز ہے کہ ذات موجود ہے اور جوہر نہیں تو جب ذات جوہر نہیں ہو سکتی تو صفت عرض نہیں ہو سکتی تو صفت کے قدیم ماننے سے متعدد قدیموں کا ماننا لازم

---

[115] تو ثابت ہوا کہ جب عالم کا علم معلوم پر واقفیت پالیتا تو وہ معلوم بن جاتا ہے اور جب وقوف العلم علی المعلوم نہ ہو گا تو وہ عالم نہ ہو گا اور جب عالم نہ ہو گا تو صانع نہ ہو گا اور یہ باطل ہے۔ (ابو البرکات)

نہیں آیا۔ حیات یاقدرت یاعلم یا سمع یابصر ہو کیونکہ یہ اشیاء اس کے لئے ان صفات سے موصوف ہونے کی علت ہو جائیں گی اور یہ جائز نہیں کہ اس کے لئے علت ہو یا اس کی صفت علت پھر دو حال سے خالی نہیں یا موصوف ہو گا یا غیر ہو گا اور یہ دونوں حال محال ہیں۔

اہل سنت وجماعت کا مسلک

اوراہل سنت وجماعت نے کہا کہ اللہ تعالیٰ موصوف ومنعوت ہے ازل سے ابد تک یعنی ہمیشہ سے موصوف ومنعوت ہے اور ہمیشہ موصوف ومنعوت رہے گا پھر ہم (اہل سنت وجماعت) کہتے ہیں کہ صفات باری میں ذات ہیں اور نہ غیر ذات بلکہ اس کی یہ صفات ہیں اس کا بیان یہ ہے کہ صفت اگر غیر موصوف ہے تو بذاتہ قائم ہو گی، اس لئے کہ شئے جب کسی شئے کے ساتھ قائم ہو گی تو اس کے ساتھ تمکن (جگہ اور گنجائش نکال کر) اور حلول کے ساتھ قائم ہو گی جیسے عرض جوہر میں ہوتی ہے اور جس کے لئے حلول وتمکن جائز ہو گا تو انتقال اور نزول بھی جائز ہو گا اور یہ حادث کی صفت ہوتی ہے تو ثابت ہوا کہ صفت موصوف کا غیر نہیں اور لیکن ہم نے جو کہا کہ صفت موصوف نہیں اس لئے کہ اگر صفت وہی موصوف ہے تو یہاں تک پہنچا دے گا کہ دو خدا ہوں یا تین یا زیادہ اس لئے کہ موصوف صانع ہے اور وہ علم قدرت حیات وغیرہا صفات کے ساتھ موصوف ہے تو جب صفت موصوف ایک ہوئے تو صفت صانع ہو جائے گی تو پھر علم بھی صانع حیات بھی صانع، قدرت بھی صانع اور ہر صفت علیحدہ علیحدہ صانع ہو گی اور یہ محال ہے تو پھر صحیح ہوا کہ صفات عین موصوف نہیں ہے اور نہ وہ غیر موصوف ہیں اس معنی کے اعتبار سے ہم نے کہا کہ صفت ذات نہیں اور نہ صفت غیر موصوف ہے۔

معتزلہ اور مسئلہ صفات باری تعالیٰ

معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی صفت نہیں تو ہم کہیں گے کہ صفت کی نفی کرنا موصوف کی نفی کرنا ہے، اس لئے کہ صانع اگر عالم نہیں تو وہ اشیاء اور احوال کو بھی نہیں جانتا اور جو کسی شئے کو پیدا کرے اور وہ نہیں جانتا کہ کس کو پیدا کیا؟ اور وہ موصوف بالجہل ہو گا اور موصوف بالجہل صانع نہیں ہو سکتا تو یہ محال ہے۔ پس ضروری ہوا کہ صانع، عالم ہو تا کہ جائز و صحیح ہو۔ میں نے کہا: جب وہ ایسا فعل کرے جو سقوط عدالت کا موجب ہے تو وہ فاسق ہو گیا۔ پھر اللہ عزوجل اس پر وحی نازل فرمائے، اسی فسق کی حالت میں تو وہ ایک فاسق آدمی پر نازل ہو گی تو معاذاللہ رسول فاسق ہوا، میں نے یہ بھی کہا کہ جو شخص "لاالٰہ الااللہ" پڑھتا ہے اور اعتقاد اس کے خلاف ہے، اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا: وہ مؤمن ہے۔

میں نے کہا: تمہارا دین نہیں ہے مگر یہ کہ تمہارا رب ناقص اور رسول فاسق اور مؤمن منافق اور سنو! اللہ تعالیٰ و رسول (ﷺ) ان خرافات سے پاک و منزہ ہیں تو وہ متحیر ہو گیا اور چپ رہا، کلام نہ کر سکا اس لئے کہ باطل حق کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ "الحق یعلو ولا یعلی" حق غالب ہوتا ہے، مغلوب نہیں ہوتا۔

تو ان دلائل سے ثابت ہوا کہ صفت نہ عین ذات ہے اور نہ غیر ذات اور جب یہ بات "علم" (صفت علم) میں ثابت ہو گئی تو جمیع صفات میں بھی ثابت ہو گئی جیسے قدرت، حیات، سمع، بصر وغیرہ میں کہ نہ یہ عین ذات ہیں نہ غیر ذات۔ واللہ اعلم۔

دوسرا قول

صفات ذاتیہ اور صفات فعلیہ کا بیان

ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صفات ذاتیہ قدیم ہیں اور وہ درج ذیل آٹھ صفات ہیں: حیات، قدرت، علم، کلام، سمع، بصر، ارادہ، قدم اور ان کے سوا تمام صفات مقتضیات قدرت و علم ہیں اور جو تحت قدرت ہیں وہ سب صفات فعلیہ ہیں، حادث ہیں۔

متقشفہ کا مسلک

متقشفہ جو کرامیہ کا ایک گروہ ہے، کہتا ہے کہ صفات ذاتیہ قدیم ہیں اور وہ پانچ ہیں: حیات، قدرت، علم، سمع، بصر اور ان کے سوا نعوت ہیں، صفات نہیں اور یہ محدث ہیں اور بعض نے کہا کہ حادثہ ہیں اور یہ عقیدہ کفر ہے، محال ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے زعم کے مطابق ان صفات کے حدوث سے پہلے ناقص ہوگا اور ان صفات کے حدوث کے بعد کامل ہوگا اور صفت زائد ہوگی اور جس کا یہ عقیدہ ہو کافر ہے۔ اس لئے کہ حدوث و احداث موجب تغیر ہے کہ ایک صفت دوسری صفت کی طرف متغیر ہو جائے اور ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پھر جائے اور اللہ تعالیٰ جل مجدہ پر تغییر جائز نہیں۔

مصنف کا حشویہ سے مناظرہ

امام مہتدی ابوشکور سالمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے حشویہ فرقہ (جو کرامیہ میں سے ہے) کے ساتھ مناظرہ کیا، میں نے ان سے کہا: صانع اور اس کی صفات فعلیہ کے بارے میں

کیا کہتے ہو؟اس نے کہا:وہ حادثہ محدثہ ہیں۔میں نے کہا کہ صانع اس صفت کے حدوث سے پہلے ناقص ہو گا اور یہ محال ہے۔

دوسرا سوال میں نے انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں کیا۔میں نے پوچھا:بتاؤ!انبیاء کرام علیہم السلام وحی سے قبل معصوم تھے یا نہیں؟اس نے کہا: قبل وحی نبی ہی نہ تھے اور نہ ہی ان چیزوں سے معصوم تھے جن سے عدالت ساقط ہو جاتی ہے۔

تحقیق مسئلہ

مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تخلیق کائنات سے پہلے بھی تھا اور اب بھی ویسا ہی ہے جیسا تھا، نہ گھٹا، نہ بڑھا تو بے شک ابتدائے آفرینش میں بھی وہ اس صفت کا مستحق ہے، پیدا کرنے سے پہلے بھی مستحق تھا اور وہ یہ کہ اگر ہم یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کے وجود سے خالق نہ تھا تو یہ مقتضی ہو گی اور چاہے گی کہ بندوں کے معرض وجود میں آنے سے پہلے وہ معبود بھی نہ ہو اور بندوں کے موجود ہونے سے پہلے "الہ" بھی نہ ہو اور مرئیات (دکھائی دینے والی اشیاء) کے وجود سے پہلے وہ بصیر بھی نہ ہو اور معلومات کے پائے جانے سے پہلے وہ عالم بھی نہ ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی نفی واجب ہو گی اور یہ صریح کفر ہے۔

اعتراض:اگر کہا جائے کہ جب تک فعل کا ثبوت نہ ہو، اس صفت کے ساتھ کسی کو موصوف نہیں کیا جا سکتا جیسے جولاہا(بافندہ)یا درزی اور اسی کی مانند جب تک سینا نہیں سیکھتا اور یہ عمل نہیں کرتا، اس کو اس صفت (سینے یا بننے) سے موصوف نہیں کریں گے۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ جب اس نے درزی کا کام سیکھا اور یہ کام جانتا ہے مگر کام ترک کر دیا تو اس کو درزی کہا جائے گا، اسی صفت اور نام سے اس کو یاد کیا جائے گا، اس لئے کہ وہ اس کام کی قدرت

اور علم رکھتا ہے، اسی طرح صانع عالم جل شانہ (جہاں کا پیدا کرنے والا) عالم قادر تھا جب کہ مخلوق ابھی پیدا نہ ہوئی تھی۔

ایسی ایک مثال دیکھیں کہ اگر کوئی مارنے کے لئے تلوار بنائے تو قطع وضرب (کاٹنے اور مارنے) سے پہلے اس کو ضارب و قاطع کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں ضرب و قطع (مارنے اور کاٹنے) کی صلاحیت ہے تو ایسے یہاں سمجھ لیجئے کہ کسی چیز کو پیدا کیا یا نہ کیا، وہ ہمیشہ سے خالق ہے۔

اعتراض: اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے خالق ہے تو یہ مقتضی ہے کہ مخلوق بھی ہمیشہ سے ہو؟ اس لئے کہ صفت خالقیت تخلیق سے ہے تو لا محالہ تخلیق کا تقاضا ہے کہ مخلوق پائی جائے تو عالم و دہر کا قدیم ہونا لازم آئے گا اور یہ محال ہے کہ عالم و دہر قدیم ہو۔

جواب: یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے جو تم نے ذکر کیا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ صفت خالقیت کے ساتھ موصوف ہے۔

تیسرا قول

اس کا بیان کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے خالق ہے

اہل سنت وجماعت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے خالق ہے، وہ صفت خالقیت اور دیگر صفاتِ ذاتیہ اور صفات فعلیہ سے موصوف ہے۔

اشعریہ اور کرامیہ کا مسلک

اشعریوں اور کرامیوں نے کہا کہ جب تک مخلوق کو پیدا نہ کرے وہ خالق نہ ہو گا اور یہ کفر ہے۔

اور ہم (اہل سنت وجماعت) کہتے ہیں باری عزّ اسمہ ،خالق ہے اور ہمیشہ سے صفت خالقیت سے موصوف ہے، اس طرح تمام صفات مثلاً صفت خالقیت، رزاقیت وغیرہ سے موصوف ہے، مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے بھی خالق اور اب بھی خالق ہے، اس لئے خالق فاعل وصانع کا موصوف ہونا قادر وعالم ہونا اور مرید ہونا ضروری ہے کہ وہ عاجز نہ ہو اور جو صفت کو جانتا ہے اور بنانے پر قادر ہے

اگرچہ اس نے اپنی صفت کا اظہار نہ کیا ہو اس کو اس صفت سے موصوف ماننا ضروری ہے، خصوصاً جب کہ وہ صیغہ مخصوص ہو اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں تکرار نہیں ہوتی کہ ہم یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک یہ کام کیا اور اس سے فارغ ہو کر دوسرا کام شروع کیا اور جب وہ کسی صفت کا اظہار کرے تو اس کو موصوف مانا جائے اور جب صفت کا ظہور نہ ہو تو اس کو موصوف نہ کیا جائے، اللہ تعالیٰ اس سے منزہ وپاک ہے، اس کو شغل وفراغت کے ساتھ موصوف کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی اس کو تکرار واعادہ ایسی صفات سے موصوف کیا جاسکتا ہے۔

ہم یوں کہیں گے: اللہ تعالیٰ فاعل ہے، ایک ہی فعل سے اور جمیع مفعولات ایک ہی فعل کے مفعول ہیں اور یہ فعل اس سے زائل نہیں ہوا کہ دوسرا فعل پیدا ہوا اور تمام صفات اسی طرح ہیں۔"اللہ لایشغلہ شان عن شان" یہاں تک کہ اگر اس نے ایک ساعت یا ایک لمحہ میں کسی کو پیدا کیا، کسی کو بخش دیا، یا کسی کو زندہ کیا، کسی کو مارا، کسی کو رزق دیا تو اس کی تمام صفات اثر کرتی ہیں بغیر شغل وفراغ کے، یہ صفات اس کی مراد ہوتی ہیں، اس لئے کہ وہ اسی ساعت میں موصوف بجمیع صفات ہے اور جب اس کو اس صفت سے فراغ نہیں تو پھر زوال صفت واجب نہیں ہوتا، اس لئے کہ وہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف متغیر نہیں ہوتا، لیکن تاثیر صفت اس وقت ظاہر ہو گی جب وہ پیدا کرلے گا اور تخلیق سے قبل خالقیت ہے، تاثیر کا ظہور نہیں ہے۔ اسی طرح صفت صانع

کو سمجھنا چاہیئے اور دلیل یہ ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاللّٰہُ سَرِیعُ الْحِسَابِ (البقرۃ ۲۰۲) اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت سرعت حساب بیان فرمائی ہے اور حساب قیامت میں ہو گا تو حساب سے قبل اسم صفت کا اثبات صحیح ہوا تو ایسے صفت خالقیت خلق (پیدا کرنے) سے قبل ثابت کرنا جائز ہے۔

مناظرہ

ابو شکور سالمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک اشعری سے مناظرہ کی روئیداد

حضرت ابو شکور سالمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ایک اشعری سے میرا مناظرہ ہوا، اس نے کہا: تمہارا وضو اور نماز کیا ہے؟ سنو! تمہارے ہاں وضو اور نماز یہ ہے کہ ایک شخص پرنالہ کے نیچے بیٹھ جائے اور چہرہ، دونوں ہاتھ، سر اور دونوں پاؤں تر ہو جائیں تو پھر اٹھ کر کبوتر کی بھیٹ بچھائے اور اس پر کھڑا ہو جائے اور فارسی زبان میں کہے: اے خدائے بزرگ یعنی "اللہ اکبر" اور فارسی میں ایک آیت پڑھے اور کہے "دوبرگ سبز" یعنی "مدھامتان" پھر رکوع و سجود خاموشی سے کرے اور مقدار تشہد بیٹھ جائے اور بیٹھے بیٹھے گوز مارے (ہوا خارج کر دے)، یہ تمہاری نماز ہے۔

ابو شکور سالمی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ بات دراصل اس (شعری) نے سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے اصحاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) پر طعن کے طور پر کہی۔ میں نے اس کو جواب دیا کہ تم عقیدہ رکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے پیدا کرنے سے قبل خالق نہ تھا، نہ رازق تھا، نہ معبود تھا اور اسی طرح مخلوق سے پہلے نہ گناہ بخشنے والا تھا اور نہ ثواب عقاب دینے والا اور رسول معاذاللہ نہ اب رسول ہے، نہ قبل وحی رسول تھا اور مؤمنین کا گناہ ایمان سے کم ہو جاتا ہے اور معبود تم جس کو معبود کہتے ہو تو معبود رب نہ تھا، اب مخلوق پیدا ہونے کے بعد وہ معبود ہے اور

رسول رسول نہ تھا، پھر رسول ہوا ازاں بعد معزول ہو گیا اور مؤمن کے ہنسنے سے اس کا ایمان کم ہو گیا، اسی قدر کافی ہے عبادت سے۔

چوتھا قول

اللہ تعالیٰ کے علم کا بیان

جہمیہ جو معتزلہ ہی کی ایک شاخ ہے، کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ پیدا کرنے سے پہلے کسی شئے کو نہیں جانتا اور وہ معدوم بھی نہیں جانتا اور وہ معدوم کو بھی نہیں جانتا، یہ کفر ہے اس لئے کہ اگر وہ پیدا کرنے سے پہلے اشیاء کو جانتا نہیں تو جب وہ کسی شئے کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو کس طرح پیدا کرے گا اور کیسے جانے گا کہ اس کو پیدا کروں اور کتنی پیدا کروں اور کب پیدا کروں اور کیسے پیدا کروں ؟ تو اس عقیدہ میں خدا کا الوہیت سے معطل ہونا لازم آتا ہے اور یہ کفر ہے اور صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عزوجل کامل طریقے سے ہر چیز کو جانتا ہے، پیدا کرنے سے پہلے ہو خواہ بعد اور تمام معدومات و موجودات کو جانتا ہے۔

ہمارا یہ کہنا کہ موجودات کو پورے اکمال واتمام کے ساتھ جانتا ہے، اس میں تو کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

اور ہمارا یہ کہنا کہ وہ معدوم کو بھی جانتا ہے یعنی من حیث المعدوم جانتا ہے کہ یہ معدوم ہے اور وہ جانتا ہے کہ معدومات میں سے کون عدم سے وجود میں آئے گی اور وہ کیسی ہو گی؟

اللہ تعالیٰ معدوم کو بھی جانتا ہے

دلیل: یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ معدوم کی خبر نہ دیتا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے معدوم کی خبر دی ہے اور یہ بھی خبر دی ہے کہ وہ معدوم جب موجود ہوگا تو اس کی کیفیت کیا ہوگی چنانچہ فرمایا۔

إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ (الحج ۱)

بیشک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے۔

وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَى وَمَا هُمْ بِسُكَارَى وَلَكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ (الحج ۲)

اور تو لوگوں کو دیکھے گا جیسے نشہ میں ہیں اور نشہ میں نہ ہوں گے مگر ہے یہ کہ اللہ کی مار کڑی ہے۔

اور اپنے رسول مکرم ﷺ کو خبر دی تو فرمایا:

لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ (الفتح ۲۷)

بیشک تم ضرور مسجدِ حرام میں داخل ہوگے اگر اللہ چاہے امن وامان سے۔

تو جیسے خبر دی ویسے ہی ہوا اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اشیاء کو وجود میں لانے سے پہلے جانتا ہے اور یہ بات مخلوق میں بھی پائی جاتی ہے مثلاً انسان ذکر کرتا ہے ایک محل کا کہ اس کا طول وعرض اتنا ہوگا، اس کا صحن، اس کی دیواریں، اس کی چھت، اس کے دروازے ایسے ہوں گے، حالانکہ اس محل کا ابھی وجود نہیں، پھر جب محل تیار ہو جاتا ہے تو اس معدوم کے مطابق محل موجود ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حق میں بطریقِ اولیٰ ہوگا یعنی اشیاء کے وجود سے پہلے اس کو علم ہوتا ہے۔

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ (النمل ۶۵)

تم فرماؤ خود غیب نہیں جانتے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر اللہ۔

سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد مبارک

امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے جواب میں فرمایا: اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے عالم تھا اور ہمیشہ عالم رہے گا اور وہ عالم الغیب ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ (الانعام ۲۸) "اور اگر واپس بھیجے جائیں تو پھر وہی کریں جس سے منع کیے گئے تھے۔" اور حضرت نوح علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام سے فرمایا: وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (نوح ۲۷) "اور ان کے اولاد ہو گی تو وہ بھی نہ ہو گی مگر بدکار بڑی ناشکر۔" اور اس کے بکثرت نظائر ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ کے علم میں سہو، غلطی اور نسیان ناجائز ہے، اس لیے کہ اگر اس کے علم میں سہو و غلط اور نسیان کا امکان ہو تو آیات و احکام و اعمال و اخبار سب معطل ہو جائیں، اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ رسالت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دینی تھی غلطی سے حضور اقدس ﷺ کو دے دی معاذاللہ، ثم معاذاللہ نیز گناہ تو کیا کسی نے اور غلطی سے سزا دے دی دوسرے کو اور یہ بھی امر محال ہے جو سہو و نسیان خطا و غلطی کا قائل ہو وہ قطعاً کافر ہے۔

ابو شکور سالمی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ایک مجوسی نے مقام "مرو" میں مجھ سے سوال کیا کہ کافر جب کافر مرا تو کیا اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ یہ کفر کی حالت میں مرے گا؟ میں نے کہا: ہاں یقیناً جانتا تھا، اس نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کافر مرے گا تو یہ کافر مرنے سے قبل ایمان لانے پر قادر ہے یا نہیں؟ اگر تم کہو کہ وہ قادر ہے تو علم الٰہی میں خطا واقع ہو جائے گی اور اگر کہو کہ وہ قادر نہیں ایمان نہیں لا سکتا تو یہ جبر ہوا۔

میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ کفر کی حالت میں مرے گا اور اللہ تعالیٰ کے علم سے وہ مسلوب القدرت نہیں ہوا بلکہ وہ قادر ہے، ایمان لانے پر جس طرح وہ قادر ہے کفر پر قدرت

موجود ہے، صلاحیت رکھتا ہے کہ ایمان لائے جیسے قدرت اور صلاحیت رکھتا ہے کفر پر قائم رہنے کی، لیکن باوجود قدرت کے ایمان نہیں لایا اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ایمان نہیں لائے گا اور اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کو جانتا ہے جیسی اور جس حالت میں وہ ہیں اور اس کے مثل کو بھی وہ جانتا ہے۔

سوال: اگر سوال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مثل کو جانتا ہے یا نہیں ؟ اگر کہو کہ وہ اپنی مثل نہیں جانتا تو اللہ تعالیٰ کی طرف جہل کی نسبت ہوئی اور اگر کہو کہ اللہ تعالیٰ اپنی مثل کو جانتا ہے تو تم نے اللہ تعالیٰ کے لئے مثل مان لیا۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ اس کی مثل نہیں اور اللہ تعالیٰ کی نہ شکل وصورت ہے، نہ ضد، نہ ند ہے۔

جہم ابن صفوان سے اسی طرح کا سوال ہوا کہ اللہ تعالیٰ دوزخیوں اور جنتیوں کے انفاس (سانسوں) کی انتہاء وغایت کو جانتا ہے یا نہیں ؟ اگر کہو کہ نہیں جانتا تو تم نے اللہ تعالیٰ کی طرف جہل کی نسبت کر دی اور اگر کہو کہ جانتا ہے تو جنت ودوزخ کا فنا کرنا ثابت ہو گیا، تو اس نے اختیار کیا کہ ہاں نہایتِ عدد انفاس اہل جنت واہل نار کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے اسی بناء پر اس نے کہا کہ جنت ونار فنا ہو جائیں گے۔

اور صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اہل جنت واہل نار کے سانسوں کی تعداد کو اور اس کے انتہاء نہ ہونے کو کہ ان سانسوں کی نہایت نہیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

پانچواں قول

سمع وبصر کا بیان

معتزلہ اور جہمیہ تمام صفات کا انکار کرتے ہیں جیسے سمع، بصر، معتزلہ وجہمیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سمیع وبصیر ہے مگر اس کے لئے سمع وبصر نہیں ہے۔

بعض معتزلہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نہ سمیع ہے، نہ بصیر، نہ رائی، نہ مرئی بلکہ وہ ان تمام صفات کو جانتا ہے۔ ان کا یہ عقیدہ کفر ہے اس لئے کہ انہوں نے نص قطعی کا انکار کیا۔

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک قوم کے پاس سے گزرے، وہ اللہ تعالیٰ کو بلند آواز سے پکار رہے تھے، حضور ﷺ نے فرمایا: اتنی آواز بلند نہ کرو جس کو تم پکارتے ہو وہ نہ غائب ہے نہ بہرا ہے۔ پھر علاوہ ازیں سمع وبصر کی نہ نفی موجبِ ذم ہے۔ اس پر دلیل حضرت ابراہیم علی نبیناوعلیہ الصلوۃ والسلام کا قصہ ہے۔

انہوں نے اپنے والد (چچا آزر) سے فرمایا تھا:

لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا (مریم ۴۲)

اے میرے باپ کیوں ایسے کو پوجتا ہے جو نہ سنے نہ دیکھے اور نہ کچھ تیرے کام آئے۔

اوراللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْ إِلَى اللّٰهِ (المجادلة ۱)

”بے شک اللہ نے سنی اس کی بات جو تم سے اپنے شوہر کے معاملہ میں بحث کرتی ہے اور اللہ سے شکایت کرتی ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اس نے زمانۂ ماضی میں سنا اور وہ مستقبل میں سنتا ہے اور وہ اب سنتا ہے اور جو اس کا انکار کرے وہ کافر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

چھٹا قول

ارادہ و مشیت کا بیان

لوگوں نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے۔ قدریہ، معتزلہ، جہمیہ فرقوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ شر و قبائح کا نہ ارادہ فرماتا ہے اور نہ حکم دیتا ہے۔

اور بعض کہتے ہیں: سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہے، حسن و قبح، خیر و شر، کفر و ایمان، طاعت و معصیت، پھر خیر و حسن اس کی مشیت و ارادہ سے ہوتا ہے اور قبائح اللہ تعالیٰ کی مشیتہ سے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے نہیں ہوتے کیونکہ ارادہ میں محبت و رضا (یعنی پسندیدگی اور خوشنودگی) کا دخل ہوتا ہے (اور اللہ تعالیٰ قبائح سے راضی نہیں)۔

اور بعض کہتے ہیں کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت اور قضاء سے ہوتا ہے، لیکن قبائح اس کے حکم سے نہیں ہوتے، اس لئے کہ حکم جبر و تسلط کو واجب کرتا ہے اور بعض کہتے ہیں: سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ارادہ و مشیت سے ہوتا ہے لیکن اس کی مشیت و ارادہ قرآن کی مانند مخلوق ہیں۔ یعنی بندے کا مشیت و ارادہ خدا کی طرف مضاف ہوتا ہے یعنی تملیک کے طور پر اس کی نسبت خدا کی طرف ہوتی ہے۔

اہل وسنت وجماعت کا مسلک

اہل سنت وجماعت کہتے ہیں: خیر وشر اللہ تعالیٰ کی قضاء، اس کی قدر ومشیت، ارادہ وعلم اور حکم سے ہوتا ہے، پھر خیر وطاعت اس کے امر اور مرضی سے ہوتے ہیں اور شر ومعصیت نہ اس کے امر سے ہوتا ہے اور نہ اس کی مرضی سے۔

دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ہم حضور اقدس ﷺ کے دربار میں بیٹھے ہوئے تھے، ہم نے ایک آواز سنی کہ ابو بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں، حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں، بہت سے آدمی بھی ان کے ساتھ ہوتے ہیں، حضور ﷺ دریافت فرماتے ہیں کہ تم دونوں اونچی کیوں بول رہے تھے؟ تمہاری آوازیں کیوں بلند ہو رہی تھیں؟

ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرتے ہیں: حضور (ﷺ) ایک مسئلہ میں گفتگو کرتے ہوئے ہمارا اختلاف ہو گیا، میں یہ کہتا ہوں کہ خیر وشر سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرتے ہیں: حضور (ﷺ)! میرا موقف ہے کہ خیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور شر بندوں کی طرف سے ہوتا ہے، اب حضور (ﷺ)! آپ فیصلہ فرمائیں، ہم میں سے کس کا قول صحیح ہے؟

حضور (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: میں وہ فیصلہ کروں گا جو حضرت اسرافیل علیہ السلام نے، جبرائیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام کے درمیان کیا تھا۔

اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! جبرائیل علیہ السلام تو تمہاری طرح کہتے تھے اور اے ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! میکائیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمہاری طرح کہتے تھے۔

جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا: ہم نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا تو زمین والے اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں، یہاں تک کہ جبرائیل علیہ السلام و میکائیل علیہ السلام نے حضرت اسرافیل علیہ السلام کو حَکَم بنایا، حضرت اسرافیل علیہ السلام نے لوحِ محفوظ میں اللہ تعالیٰ کی قضاء کے مطابق فیصلہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: اے ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تمہارے قول کے مطابق اور اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تمہارے قول کے موافق حکم نہیں فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: حضور ﷺ! میں اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتا ہوں اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور سرورِ کائنات ﷺ سے سوال کیا کہ حضور ﷺ! اللہ تعالیٰ شر کی قضاء فرماتا ہے، پھر بندوں کو عذاب دیتا ہے ۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ (الانبیاء ۲۳)" "اُس سے نہیں پوچھا جاتا جو وہ کرے اور اُن سب سے سوال ہو گا۔"

روایت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

روایت ہے کہ ایک شخص حضرت مولیٰ مشکل کشا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ مجھ کو قدر کی خبر دیجئے؟ فرمایا: اندھیرا راستہ ہے، اس کے بارے میں نہ پوچھ۔ پھر اس نے ایک ساعت چپ رہنے کے بعد یہی سوال کیا کہ مجھ کو قدر کے متعلق خبر دیں، فرمایا: بحرِ عمیق ہے، بڑا گہرا سمندر ہے، اس میں داخل نہ ہوا۔ ایک ساعت کے لئے چپ رہا، پھر عرض کی: "اخبرنی عن القدر" مجھے بتائیے کہ قدر کیا ہے؟ فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کا راز ہے۔ زمین میں اس کو افشانہ کر۔ پھر ایک ساعت خاموش رہا، پھر یہی سوال دہراتا ہے مجھ کو قدر کی خبر دیجئے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے سوال کیا کیا یہ تیری مشیت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے یا تیری مشیت اللہ تعالیٰ

کے مشیت کے خلاف جدا ہے تو وہ شخص حیران و ششدر ہو کر عرض کرنے لگا کہ آپ ہی فرمائیں، مولا علی مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اگر تو یہ کہے کہ میری مشیت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ ہے تو تو نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشارکت کی اور اگر تو کہے کہ میری مشیت اللہ تعالیٰ کی مشیت سے برتر اور اوپر ہے تو تو نے الوہیت کا دعویٰ کیا۔ اب اس سے تجھ کو معلوم ہو جانا چاہیے کہ تیری مشیت اللہ تعالیٰ کے مشیت کے تحت ہے، یہ سن کر اس شخص نے توبہ کی اور جب جانے کے ارادہ سے اٹھا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اصحابِ مجلس سے فرمایا کہ اٹھو اس سے مصافحہ کرو کہ یہ اب مسلمان ہوا ہے۔

تو اس سے ثابت ہوا کہ جو قدر کا منکر ہے کافر ہے اور حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: قدریہ میری امت کے مجوسی ہیں، اگر بیمار ہو جائیں تو عیادت و بیمار پرسی نہ کرو اور اگر مر جائیں تو جنازہ کے ساتھ نہ جاؤ اور یہ دجال کا گروہ ہے اور حق ہے اللہ پر کہ ان کو دجال کے ساتھ ملادے اس لئے کہ انہوں نے نص کا انکار کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (التکویر ۲۹) ”اور تم کیا چاہو مگر یہ کہ چاہے اللہ جو سارے جہان کا رب۔“

سوال: یہ ہے کہ اگر ایسا ہی ہے تو پھر یہ ہونا چاہیئے کہ اگر بندہ چاہے کہ یہ گھاس سونا بن جائے تو اسے سونا ہو جانا چاہیئے اس لئے کہ تم کہتے ہو: بندہ وہی چاہتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ بندہ اس طرح چاہے تو بندہ نے ایسا چاہا اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے کہ گھاس سونا ہو جائے تو یقیناً سونا ہو جائے گا۔

غیلان قدری کا واقعہ

روایت ہے کہ غیلان قدری بصرہ سے کوفہ آیااوروہاں کے فقہاءسے مناظرہ کیا، غیلان فقہاءپر غالب آگیا۔ حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جوان تھے، حضرت حمادرضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں آیاجایاکرتے تھے۔ حضرت حمادرضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اے جوان ! تم اس شخص کے پاس جاؤاوراس سے مناظرہ کرو۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بادشاہ کے دروازے پر پہنچے اوراندرداخل ہوئے اوربعدازاں مناظرہ کیاجس میں امام صاحب غالب آئے اورغیلان مغلوب ہوگیا۔ غیلان نے امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درج ذیل سوال کیے۔

غیلان: اے ابوحنیفہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! یہ بتائیے کہ ابلیس نے فرعون سے کیاچاہا؟

امام اعظم: اس نے فرعون سے کفرچاہا۔

غیلان: موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کیاچاہا۔

امام اعظم: موسیٰ علیہ السلام نے ایمان چاہا۔

غیلان: اللہ تعالیٰ نے فرعون سے کیاچاہا؟

امام اعظم: اللہ تعالیٰ نے فرعون سے کفرچاہا۔

غیلان: آپ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اللہ تعالیٰ کی مشیت ابلیس کی مشیت کے موافق کردی اور موسیٰ علیہ السلام کی مشیت کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے موافق نہیں کیااورچاہیئے یہ تھاکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت موسیٰ علیہ السلام کی مشیت کے موافق ہوتی۔

امام اعظم: اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ابلیس فرعون سے کفر چاہے اور اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ موسیٰ علیہ السلام فرعون سے ایمان چاہیں اور اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ فرعون اپنے نفس کے لئے کفر چاہے تو یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوا اور یہ مسئلہ ایک نقطہ کی طرف لوٹتا ہے، وہ یہ ہے کہ کفر و شر دونوں مخلوق اللہ ہیں یا غیر کی مخلوق ہیں؟ تو اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق نہیں غیر کی ہیں تو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرا خالق وصانع ثابت کیا، تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرکے کافر ہوا اور اگر کہے کہ کفر و شر اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے بغیر اس کے ارادہ و مشیت کے تو پھر یہ اعتقاد کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کے پیدا کرنے میں مجبور و مُکرَہ ہے اور یہ کفر ہے تو ثابت ہوا کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ارادہ و مشیت، قدرت اور قضاء سے ہے اور جو قدر کا انکار کرے کافر ہے۔

ساتواں قول

فضل وعدل کا بیان

معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ صفت فضل وعدل کے ساتھ موصوف ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں اور نہ ہی اس میں کسی کو شبہ ہے کہ اس کا فضل بغیر میل (جانب داری وجھکاؤ) کے عدل بغیر جور و ستم کے ہوتا ہے، ہاں! البتہ اس میں اختلاف ہے کہ عدل و فضل کی تاثیر کیا ہے؟

اہل سنت وجماعت نے فرمایا کہ فضل کی صفت اور اس کی تاثیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے زیادتی لطف ہے جو کہ فقط مؤمنین کے لئے ہے، غیر مؤمنین کے لئے نہیں ہے اور وہ (زیادتی لطف) ایمان کے لئے انشراحِ صدر اور ہدایت ورہنمائی ہے اور درست باتوں کو مؤمنین کے دلوں میں ڈال دینا، اس کو قبول کرنے کی صلاحیت دینا اور طاعت وعبادت پر توفیق اور احسان واختصاص کرامت وولایت

کے ساتھ یہ سب چیزیں مؤمنین کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے محض فضل اورزیادتی لطف وکرم سے حاصل ہیں، جو غیر کے لئے نہیں ہیں۔

معتزلہ کامسلک

معتزلہ کہتے ہیں کہ یہ فضل نہیں بلکہ مَیل ہے، اس لیے کہ تمام انسان اللہ تعالیٰ کے غلام اورلونڈی ہیں ، بس اگرکسی کوبغیر سبب کچھ عطافرمائے اوردوسرے کوبلاوجہ محروم رکھے تو یہ اس کے حق میں بخس (نقص)ہوگااورپہلے کے حق میں میل (جانب داری)ہوگااور پھریہ حکمت کے خلاف ہے۔

معتزلہ کے نزدیک صفت فضل کیاہے؟

ان کے نزدیک صفت فضل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کوعاقل ، مرید، مختاراور فاعل کی صفات کے ساتھ پیدافرمایا، پھران کے لئے دلائل واحکام سےراستہ بیان کردیااوریہی ہدایت کے معنی ہیں۔

فضل کسے کہتے ہیں؟

معتزلہ کے نزدیک فضل یہ ہے کہ جوایمان لایااوراطاعت کی تواجروثواب پائے گااور جس نے انکارکیااورنافرمانی کی تووہ سزاپائے گااوراس کے سوااللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لئے کچھ نہیں اور صحیح وہی بات ہے جوہم نے ذکرکردی ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاءکرام علیہم السلام کو تمام مخلوق میں مختص کیااورچارچیزوں سے ان کوخاص کیا۔

چار خصوصیاتِ انبیاء کرام علیہم السلام

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو چار چیزوں سے خالص کیا:

(۱) ایک تو یہ کہ ان کے اجساد پاک وطیب مٹی سے گوندھے گئے۔

(۲) اوران کی روحیں روح القدس سے پیدا کی گئیں۔

(۳) اور تائید وعصمت سے ان کا اکرام کیا۔

(۴) اوران کو حلال غیر مشتبہ روزی دی، اس سے بڑھ کر ان کو وحی ورسالت سے فضیلت دی تو جب انبیاء کرام صلوات اللہ علیہم اجمعین کو بغیر علت وسبب کے زیادہ لطف وتائید اور عصمت ونبوت سے نوازنا جائز ہے تو ان کے غیر کو بھی ان کی قدر سے زیادہ دینا محض فضل اور لطف وکرم سے جائز ہو گا۔

اوران کا یہ کہنا کہ اگر دوسرے کو منع کرے گا تو بخس (یعنی نقص) ہو گا تو ہم کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ پر بندوں کے لئے کوئی شئے واجب نہیں، اگر وہ کسی کو مال ودولت عطا فرمائے تو یہ اس کا فضل ہو گا بغیر وجوب کے اور جائز ہے کہ کسی کو اپنے ارادہ سے زیادہ بھی عطا فرمادے اور پھر کسی کو کچھ نہ دے اور جو دوسرے کو دیا ہے اس سے منع کرے تو یہ منع واجب کا منع کرنا ہے، یہاں تک کہ اس کو بخس (یعنی نقص) کہا جائے، بلکہ اس سے عدل ہو گا، اس لئے کہ اس پر کچھ واجب نہیں اور اس پر ہمارا اجماع ہے کہ ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے جائز ہے، لیکن عنایت تو بعض کہتے ہیں کہ جائز ہے اور بعض کہتے ہیں: جائز نہیں، اس لئے کہ عنایت بہر حال میل (جانب داری) سے خالی نہیں ہے اور صحیح وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے کہ بندوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی

طرف سے معونت ہے اور ہم نہیں کہتے کہ عنایت ہے، اس لئے کہ یہ لفظ سماعاً وارد نہیں اور نہ ہی اہل علم اس پر متفق ہیں اور نہ یہ موجباتِ ضرورت سے ہے تو ہم بھی اس کے قائل نہیں۔

عدل اور اہل سنت و جماعت

اہل سنت و جماعت کے نزدیک صفت عدل کا بیان چھ چیزوں میں ہے:

(۱) ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ بندے کی نیکیوں میں ذرہ برابر بخس (کمی) نہیں کرتا۔

(۳) تیسرے یہ کہ بغیر گناہ کیے کسی کو عذاب نہیں دیتا۔

(۴) چوتھے یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دکھ نہیں دیتا بغیر غرض صحیح کے اور بہت بڑے عوض کے بھی۔

(۵) پانچویں یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی کو معصیت پر مجبور نہیں کرتا۔

(۶) چھٹی یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

سوال: اگر کہا جائے کہ کیا یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ جہنم میں ایک مخلوق پیدا کرے اور اس کو بغیر معصیت کے عذاب دے؟

جواب: ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے بلند و برتر اور ارفع و اعلیٰ ہے کہ کسی شخص کو بغیر جرم و خطاء اور بغیر گناہ کے عذاب دے اور اگر کوئی مخلوق جہنم میں پیدا کرے تو جہنم اس کے لئے عذاب نہ

ہو گا اور اگر بغیر جرم و گناہ اس کو عذاب دے تو عدل نہ ہو گا اور اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے فضل وعدل سے کرتا ہے، دلیل اس کی یہ ہے کہ **كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ (۳۸)** ہر جان اپنی کرنی میں گروی ہے۔ "**جَزَ آءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (الاحقاف ۱۴)**" ان کے اعمال کا انعام۔"

معتزلہ عدل کسے کہتے ہیں؟

معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عدل یہ ہے کہ وہ کفر و شرک کو پیدا نہ کرے اور ضرر کو بھی پیدا نہ کرے اور نہ ان چیزوں کی قضاء (فیصلہ) کرے اور وہ مصالح (بھلائی اور بہتری) جن کے بندے محتاج ہیں اللہ تعالیٰ پر واجب ہے اور اگر مصالح عباد کو منع کرے تو عدل نہ ہو گا۔ انہوں نے کہا کہ صفت عدل یہی ہے، یہاں تک کہ اگر اللہ تعالیٰ کفر و شرک کو پیدا کرے اور پھر بندوں کو عذاب دے تو یہ ظلم و جور ہو گا۔ سنو! یہ اعتقاد کفر ہے، اس لئے کہ بندہ جب اپنے لئے کفر کا ارادہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بندے سے توحید کا ارادہ کرتا ہے تو جس چیز کا بندہ نے ارادہ کیا ہو گا اور خدا نے جس چیز کا ارادہ کیا وہ نہ ہوا تو بندہ کا ارادہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ پر غالب ہو گیا اور یہ محال ہے اور ہمارا اس پر اجماع ہے کہ کفر اللہ تعالیٰ کے علم سے ہے، وہ جانتا ہے اور قادر ہے کہ اس کو منع کر دے جبراً اور اگر منع نہ کرے تو یہ معتزلہ کے نزدیک عدل نہ ہو گا اس لئے کہ جو چیز بندوں کے حق میں اصلح اور اصوب ہو، اللہ تعالیٰ پر اس کا پیدا کرنا واجب ہے اور کفر میں نہ فلاح ہے نہ صواب ہے اور اور ایسے ہی ان کے زعم میں اصلح واصوب اللہ تعالیٰ کے حق میں اولیٰ ہے کہ اس پر واجب ہو اور بندہ جب ترک کر دے اس چیز کو جو بندوں کے حق میں برائی ہے اور عدل نہ ہو گا، اس بندہ کی طرف سے اور عیب لوٹے اس کی طرف اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ کے حق کہ جب جانتا ہے کہ بندہ کفر و شرک کرے گا اور اس نے اصلح

واصوب کوترک کیااوراللہ تعالیٰ جانتاہے اور جبراً منع کرنے پر قادر ہے اور منع نہ کرے تو عیب اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عدل نہیں ہو گا اور یہ جائز نہیں۔ پھر ہمارا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو بغیر نہی کے کفر اور قبائح سے جبراً منع نہیں کرتا باوجود یکہ اس کو علم وقدرت ہے اور صفت قبح بندے کی طرف لوٹے گی اور ایسے ہی اگر اللہ تعالیٰ کفر و شرک اور قبح کے پیدا کرنے کا ارادہ کرے تو عیب بندے کی طرف لوٹے گا جیسے علم میں۔[116]

سوال: اگر کہا جائے کہ ازروئے حکمت یہ کیسے جائز ہے کہ کفر و شرک کا ارادہ اپنے حق کرلے اور شر و قبح اپنے نفس کے لئے ارادہ کرے؟

جواب: ہم کہتے ہیں: جیسے جائز ہے ازروئے حکمت کہ کسی نفس کو پیدا کرے اور جانتا ہے کہ یہ کفر و شرک کرے گا اور برا کام کرے گا باوجود اس کے کہ اسے علم ہو، اس کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو ایسے ہی یہ مسئلہ ہے، اس لئے کہ جائز ہے کہ شرک اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہو عیب بندے کی طرف لوٹے جیسے علم میں۔

آٹھواں قول

تکوین ومکون کا بیان

امام ابوالحسن اشعری اور کرامیہ کہتے ہیں کہ تکوین ومکوّن ایک ہی چیز ہے اور اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ تکوین مکوّن کا فعل ہوتا ہے اور مکوّن (واؤ کی زبر کے ساتھ) تکوین کی صورت مسئلہ یہ ہی ہے کہ ان کے نزدیک مکوّن (پیدا کرنے والا) جب کسی شئے کو پیدا کرتا ہے تو فعل اس سے زائل

---

[116] اللہ تعالیٰ جانتاہے کہ فلاں بندہ کفر کرے گا تو یہ عیب صرف بندے کی طرف راجع ہو گا۔

(جدا)ہو کر مُکَوَّن(مفعول)میں حلول کرتا ہے اوراس میں سما جاتا ہے اوراہل سنت وجماعت کے نزدیک فعل فاعل سے جدا ہو کر مفعول میں حلول وسرایت نہیں کرتا اور تکوین (تخلیق)مُکوِّن (خالق) سے جدا نہیں ہوتی اور یہ مسئلہ دراصل ایک دوسرے مسئلہ کی فرع ہے، وہ (اصل)مسئلہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی صفات حادث و محدث ہیں اوراہل سنت کے نزدیک صفاتِ باری ہونا جائز نہیں ہے، جیسا کہ پہلے ہم ذکر کر چکے ہیں، تو جب ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی صفات وافعال حادث ہیں تو انہوں نے کہا: فعل، صنع اور تخلیق و تکوین اس سے شروع ہوتے ہیں، پھر اس سے زائل (جدا)ہو جاتی ہیں یعنی تفعیل و تکوین اور تخلیق کے وقت اس سے جدا ہو کر مکوّن و مفعول میں حلول کر جاتی ہیں اور یہ کفر ہے۔

اس لئے کہ یہ دوحال سے خالی نہیں یا یہ فعل و صنع حادث ہوں گے یا غیر حادث؟ اگر کہیں کہ حادث ہیں تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے محل حوادث ہونے کا اعتقاد کیا اوراس پر تغییر و تکوین اور تحویل جائز ہو گا اور یہ کفر ہے۔

اوراگر کہیں: فعل غیر محدث ہے بلکہ صفت قدیم ہے تو محدث میں صفت قدیم کے حلول کا اعتقاد کیا، اب قدم اور بقائے دہر ان کا عقیدہ ٹھہرا، اس لئے کہ ان کے نزدیک دہر، قدیم کا محل ہو گا اور قدیم کا محل قدیم ہونا ضروری ہے اور یہ کفر ہے۔

متصوفین کا مسلک

بعض متصوفین کہتے ہیں کہ ہر شئے علت اس کی صنعت ہے اور یہ بھی صحیح نہیں، اس لئے کہ صنع علت ہے تو وہ معلول میں حلول کرے گی تو یہ اور پہلا مسئلہ برابر نہیں۔

سوال: پھر اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ آیا اپنی صفت کو بدلنے پر قادر ہے؟

جواب: تو ہم کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کمال پر، لیکن تغیر جائز نہیں اللہ تعالیٰ کی صفات میں اس کا وجود محال ہے اور اللہ تعالیٰ محال سے منزہ ہے۔

صفت الٰہی کا بدلنا محال ہے اور محال تحت قدرت نہیں کہ یہ مقدور بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا (تو قابل کا نقص ہے فاعل کا نہیں) اور اس کا سوال کرنا کفر ہے، اس لئے کہ اس نے صفاتِ باری میں تغییر کو جائز مانا اور یہ کفر ہے۔

نواں قول

باری تعالیٰ کی کتنے صفات ہیں؟

اہل سنت وجماعت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات نہ مکرّر ہیں اور نہ وہ متعدد ہیں، بیان اس کا یہ ہے کہ اللہ عزوجل فعل واحد کا فاعل ہے اور جمیع مفعولات کو ایک فعل سے کرتا ہے۔

اور وہ "حی" ہے حیاتِ واحد سے، سمیع ہے سمع واحد ہے، جمیع مسموعات کو سنتا ہے اور وہ ایک کلام سے متکلم ہے، تمام صفات کو اسی طرح سمجھ لو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات قدیمہ ہیں اور عدد و تکرار محدثات کی صفت ہے اور اگر ہم کہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفت حد تکرار میں داخل ہیں تو پہلی صفت زائل ہو گی اور دوسری صفت پیدا ہو گی، یہاں تک کہ مکرر ہو جائیں گی اور یہ کفر ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے اور یہ معنی تمام صفات میں موئثر ہوں گے۔

اعتراض: اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات سب کی سب صفت واحدہ ہیں یا ہر صفت علیحدہ علیحدہ پہلی صفت کے علاوہ ہے؟

جواب: تو ہم کہیں گے کہ ہمارے بعض اصحاب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صفت حیات، صفت قدرت اور علم سے موصوف ہے اوراسی طرح باقی تمام سے ہر صفت سے موصوف ہے۔

اور ہمارے اصحاب میں سے بعض کہتے ہیں کہ سب کی سب صفات صفت واجب ہیں اوراصل یہ ہے کہ جو ہم کہتے ہیں کہ صفات الٰہی حقیقت میں ایک ہیں وہ ادب کے تحت داخل نہیں ہیں لیکن اس کی تاثیر اوراسماء محدودہ ہیں اس لئے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت کا انکار کیاتو وہ کافر ہو جائے گا اور کسی صفت کوزیادہ کیاتوکافر ہو جائے گاتوصفات باری تعالیٰ جل مجدہ تاثیر اوراسم کے اعتبار سے محدودہ ہیں اورایمان کل پرواجب ہے اور صفات در حقیقت ایک ہیں اگر کہاجائے کہ قدرت اور حیات دو شئے ہیں یادوعدد ہیں یااثنان ہیں توکافر ہو جائے گا تو ہم کہتے ہیں کہ حیات اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور قدرت بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور قدرت حیات نہیں اور نہ وہ غیر حیات تو یوں کہیں گے۔"لاھی ولاھی غیرھا" اورایسے ہی علم مع الارادہ اور سمع مع البصر ہر صفت کے ساتھ ہم کہیں گے "لاھی ھی ولاھی غیرھا" جیسے صفات ذات میں اس لئے کہ صفات معدودات سے نہیں ہم کہیں گے کہ اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ واحدبصفاتہ ہے جب ہم نے ثابت کر دیا کہ صفات باری مکرراور معدودہ نہیں تو ایسے ہی واجب ہے کہ متضاداور متناقض بھی نہ ہوں۔

جیسے ہم سخط (ناراضی) اور رضا(خوشنودی) کے بارے میں کہتے ہیں ، اللہ تعالیٰ کی رضااس کی سخط(ناراضی) نہیں اور نہ ضد سخط ہے اوراس کا سخط اس کی رضا نہیں اور نہ ضد رضاتو ہم کہیں گے کہ "لاھی ھی ولاھی غیرھا" اوروہ رضاوسخط کے ساتھ موصوف ہے اور یہ جو کہا کہ رضاضد سخت نہیں اس لئے کہ رضاسخط سے زائل نہیں ہوتی اور نہ مشغول کر کے سخط سے اوراس کاسخط اس کی رضاکوزائل نہیں کر تااور نہ اس کو مشغول کرتاہے اوراس کی صفت کسی حال میں اس سے زائل نہیں

ہوتی اور تضادو تناقض اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب ایک صفت دوسری سے مشغول کرے یا اس کی ضد اس سے زائل ہو اور اثباتِ شغل بھی صفات باری میں جائز نہیں اور کوئی صفت اس سے زائل نہیں ہوتی اور اس کی صفت میں نفی کی اضافت نہیں ہو سکتی اور اثبات کی اضافت بھی نہیں ہو سکتی تو ثابت ہوا کہ اس کی صفات میں تناقض و تضاد نہیں۔

سوال: یہ ہے کہ آیا اللہ تعالیٰ کی صفات میں مکر اور مخادعہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ہم کہیں گے کہ یہ معانی ردیہ ہیں اور صفاتِ قبیحہ تو قبیحہ اور ردیہ صفات نہیں سکتیں، لیکن بہ طریقِ مکافات (بدلے) ومجازات (جزاء) جائز ہے، اپنے دشمنوں کو ان کے مکر و مخادعت اور استہزاء بمثل افعالھم یعنی جیسا ان کا فعل ویسا اس کو بدلہ دینا اور یہی معنی ہیں ۔ اَللّٰہُ یَسْتَھْزِیءُ بِھِمْ۔(البقرۃ ۱۵) اللہ ان سے استہزاء فرماتا ہے (جیسا اس کی شان کے لائق ہے)۔" وَمَکَرُوْامَکْرًاوَّ مَکَرْنَا مَکْرًا۔(النمل ۵۰) اور اُنہوں نے اپنا سا مکر کیا اور ہم نے اپنی خفیہ تدبیر فرمائی۔" اور یُخٰدِعُوْنَ اللہَ (البقرۃ ۹) فریب دیا چاہتے ہیں اللہ کو۔" وَ ھُوَ خَادِعُھُمْ۔(النساء ۱۴۲) اور وہی انہیں غافل کرکے مارے گا۔" تو ان آیتوں میں ان کے افعال کی جزاء مراد ہے۔

دسواں قول

آیاتِ متشابھات پر ایمان لانے کا بیان

اہل سنت وجماعت فرماتے ہیں: متشابہات پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کی تفسیر جائز نہیں اور اس کی تاویل واجب نہیں اور یہ کہنا جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس صفت سے موصوف ہے بلکہ یہ

کہیں گے کہ یہ کلام اللہ ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا، اس سے جو ارادہ فرمایا اس پر ہمارا ایمان ہے۔

جیسا کہ حضوراقدس ﷺ سے مروی ہے کہ فرمایا: "ان للہ یدین کلتاھما یمینان"[117] اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بَلْ یَدٰہُ مَبْسُوْطَتٰنِ (المائدۃ ٦٤) "بلکہ اس کے ہاتھ کشادہ ہیں۔" اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (طه ٥) وہ بڑی مہر (رحمت) والا اس نے عرش پر استواء فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔" اور اس قسم کی جو آیات واحادیث ہیں ان پر اس طرح ایمان لانا واجب ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کے رسول کا کلام ہے اور اس میں تاویل واجب نہیں ہے۔

معتزلہ اور جہمیہ کا مذہب

معتزلہ اور جہمیہ کہتے ہیں کہ ان آیات واحادیث کی تاویل واجب ہے، انہوں نے کہا کہ "ید" کے معنی قوت ونعمت ہے اور یہ درست نہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بَلْ یَدٰہُ مَبْسُوْطَتٰنِ (المائدۃ ٦٤) "بلکہ اس کے ہاتھ کشادہ ہیں۔" اور جائز نہیں کہ ہم کہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے دو قوتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ اَسْتَکْبَرْتَ۔ (ص ٧٥) جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ کیا تجھے غرور آ گیا۔" اور اگر "ید" سے مراد قوت ہو گی تو ابلیس یہ کہے گا کہ میں تیری قوت ونعمت سے مخلوق وپیدا شدہ ہوں تو ثابت ہوا کہ "ید" سے مراد قوت نہیں اور اس لئے بھی کہ اگر تاویل واجب ہوتی تو اوّل حضوراقدس ﷺ پر تاویل واجب ہوتی، اس لئے کہ حضور ﷺ مُبیّن بنا کر مبعوث ہوئے ہیں اور جب حضور ﷺ نے اس کے معنی بیان نہیں کیے اور

---

[117] عن عبداللہ بن عمرو: إنَّ المُقْسِطِينَ عِنْدَ اللهِ على مَنابِرَ مِن نُورٍ، عن يَمِينِ الرَّحْمَنِ عزَّ وجلَّ، وكِلْتا يَدَيْهِ يَمِينٌ، الَّذِينَ يَعْدِلُونَ في حُكْمِهِمْ وأَهْلِيهِمْ وما ولُوا. (مسلم (ت ٢٦١)، صحیح مسلم ١٨٢٧] • صحيح• [شعيب الأرنؤوط (ت ١٤٣٨)، تخريج العواصم والقواصم ٧/٢١٣ • حديث صحيح•)

تاویل نہیں کی تو معلوم ہوا کہ تاویل واجب نہیں، اس لئے کہ تاویل تفسیر سے اقویٰ وواضح ہے، اس لئے کہ تاویل وہ ہے جو مراد کی طرف لوٹتی ہے اور اگر تاویل واجب ومشروع ہوتی تو وہ تاویل ہم تک منقول ہوتی، جیسے قرآن اور تفسیر و قرأتیں منقول ہوئی ہیں اور جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے تاویل منقول نہیں تو ثابت ہوا کہ تاویل واجب نہیں۔

اورابوالحسن اشعری اور متقدمین مشائخِ بخارا نے کہا: متشابہات اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں بغیر تفصیل و تشریح و کیفیت کے اورانہوں نے کہاکہ اللہ تعالیٰ صفتِ ید، صفتِ وجہ، صفتِ نزول وقدم سے موصوف ہے، آیات واحادیث میں جو جو صفات ذکر ہوئی ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب صفات سے بلا کیف موصوف ہے۔ یہ بھی درست نہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ "اور دوسری وہ ہیں جن کے معنی میں اشتباہ ہے۔"یعنی اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایاہے کہ لوگوں پر اس کے معانی مشتبہ ہو گئے ہیں۔

اگر ہم کہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں تو حد اشتباہ سے نکل کر مفسر ہو جائے گی۔

امام محمد ابن حسن سے مروی ہے کہ ان سے اسی قسم کی آیات واحادیث کے متعلق سوال کیا گیاتو فرمایاکہ جس طرح نازل ہوئی ہیں اور جو ان سے اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایاہے اس پر ایمان لاؤاور حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ علم قرآن چار قسم کا ہے:

(۱) ایک قسم وہ ہے جس سے جاہل رہنا جائز ہے اور وہ حلال و حرام کا علم ہے۔

(۲) اور ایک قسم علم کی وہ ہے جس کو عرب جانتے ہیں، وہ علم اسماء ہے اور علم تفسیر وہ علم قصص اور شانِ نزول۔

(۳) اور ایک علم وہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَ مَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ۔(ال عمران ۷) اور اس کا ٹھیک پہلو اللہ ہی کو معلوم ہے۔"

اور مشائخ سمرقند رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ متشابہہ وہ ہیں جن کے معنی ہم پر مشتبہ ہیں تو ہم ان پر ایمان لائے اور اقرار کرتے ہیں یہ کلام اللہ تعالیٰ ہے اور خبر رسول اللہ ﷺ کا کلام ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کے کلام پر اور اس کے رسول ﷺ کے کلام پر ایمان لائے اور جو انہوں نے ارادہ فرمایا اس پر ہمارا ایمان ہے۔

سوال: اگر کہا جائے کہ آیا از روئے حکمت یہ جائز ہو گا کہ مثلاً اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو بھیجے اور اس پر کتاب نازل کرے اور احکام اتارے، پھر بعض چیزیں اپنے رسول ﷺ پر مخفی و پوشیدہ رکھے جس کے معنی وہ نہ جانتا ہو؟

جواب: ہم کہتے ہیں: بمقتضائے حکمت جائز ہے کہ علم الٰہی پر کوئی علیٰ وجہ الاتم مطلع نہ ہو، دلیل اس پر یہ ہے کہ احادیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قلم کو حکم دیا کہ لکھے لوح محفوظ میں کہ فلاں سعید ہے۔ " ان شئت "یعنی اگر میں چاہوں تو فلاں سعید ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ لوح و قلم اور فرشتے جو لوح میں دیکھ رہے ہیں وہ بھی جمیع علوم الٰہی کو نہیں جانتے تو یہ راز ہے تو جب یہ لوحِ محفوظ میں ہے تو دیگر کتب میں بھی جائز ہے، جو احکام اور جن چیزوں کی مخلوق جو حاجت ہے وہ واضح کر دیئے جائیں اور جس چیز کی مخلوق محتاج نہیں ہے تو جائز ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا راز ہو۔

معتزلہ کا مسلک

پھر معتزلہ کے نزدیک متشابہات کی تاویل واجب ہے اور اہل سنت کے نزدیک غیر واجب ہے، لیکن جائز ہے کہ متشابہ میں تاویل کریں اس لئے کہ مشبہہ نے ظاہر آیتوں کو لے کر کہا کہ اللہ تعالیٰ

کے لئے ید(ہاتھ)اورانگلی دیگر مخلوقات کی طرح ہیں اوراس کاانہوں نے اعتقاد کیااور یہ کفر ہے تو تاویل جائز ہے، تشبہ کے وقت نفی خطاء اورزوالِ شبہ کے لئے، لیکن ساتھ ہی ہم یہ نہیں کہتے کہ جو تاویل کی ہے یہی مراد متکلم ہے بلکہ یوں کہیں گے، ممکن ہے اس سے مراد یہ ہو لیکن حقیقی مراداللہ تعالیٰ جانتاہے۔

صفات باری تعالیٰ میں مفصل ومدلل بیان تفصیل کیامولاناعزیزالرحمٰن حقانی صاحب نے:

صفات باری تعالیٰ

باری تعالیٰ کے لئے خاص صفات ہیں۔

سوال: اگر باری تعالیٰ کے لئے صفات ثابت ہیں تو ہمارے لئے بھی ثابت ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کے لئے صفت علم ہے اس طرح ہمارے لئے بھی ہے وغیرہ؟

جواب: یہ ہے کہ باری تعالیٰ کے لئے خاص صفات ہیں جو مخلوق میں نہیں پائی جاتیں،یعنی مخلوق تو صرف نام ہی میں مشترک ہے،صفات الٰہی کی شان ہی کچھ اور ہے۔

ثبوت صفات کے دلائل

پہلی دلیل

عقل و شرع دونوں کے اعتبار سے یہ بات ثابت ہے کہ باری تعالیٰ عالم، قادر، حی وغیرہ ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے لئے صفات ثابت ہوئیں۔

دوسری دلیل

عرف اور لغت سے یہ بات معلوم ہے کہ ان اسماء مشتققہ میں سے ہر ایک ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو واجب کے مفہوم سے زائد خارج ہے اور وہ معنی جو واجب کے مفہوم سے زائد ہو باری تعالیٰ کی صفات ہیں۔

سوال: یہ ہے کہ دعویٰ ثبوت صفات ہے باری تعالیٰ کے لئے اور دلیل اس پر پیش کی جاتی ہے کہ یہ واجب کے مفہوم سے زائد ہے لہٰذا آپ کی دلیل دعوے کے مطابق نہیں؟

جواب: یہ ہے کہ یہ دونوں آپس میں لازم وملزوم ہیں جو لوگ صفات کو مفہوم واجب سے زائد ہونے سے انکار کرتے ہیں اور اس کو عین مانتے ہیں تو گویا وہ صفات کے ثبوت سے انکار کرتے ہیں۔

تیسری دلیل

یہ کہ وہ صفات آپس میں مترادف نہیں اس لئے کہ اگر وہ آپس میں مترادف ہو جائیں تو پھر وہ ایک ہی صفت بن کر صفات کیسے بن جائیں گی۔

چوتھی دلیل

یہ ہے کہ جس چیز پر اسم مشتق صادق ہو جائے وہ اس کے لئے ماخذ اشتقاق کے ثبوت کا تقاضا کرتا ہے "عالم کا ماخذ" "علم" ہے تو عالم اس کو کہا جاتا ہے جس کے لئے علم ثابت ہو، اسی وجہ سے تو اس کو عالم کہا جاتا ہے ایسا نہیں ہے کہ عالم ہے اور اس کے لئے علم ثابت نہ ہو جس طرح معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عالم ہے لیکن اس کے لئے علم ثابت نہیں، قادر ہے لیکن قدرت ثابت نہیں یہ تو ظاہراً باطل ہے یہ ہمارے اس قول کی طرح ہے کہ "فلاں چیز سیاہ ہے لیکن اس میں سیاہی نہیں یا سفید ہے لیکن اس میں سفیدی نہیں"۔

پانچویں دلیل

نصوص باری تعالیٰ کے لئے علم قدرت وغیرہ کے ثبوت پر ناطق ہیں۔ مثلاً:

اللّٰہُ لَا إِلَہَ إِلَّا ھُوَ لَہُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَی (طٰہٰ ۸)

ترجمہ: اللہ کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں اسی کے ہیں سب اچھے نام۔

علیم، قدیر، یا العلیم القدیر یا العزیز العلیم یا الخلاق العلیم یا علیم حلیم یا علیما حلیما یا شاکرا علیما یا لطیف خبیر وغیرہ۔

اسی طرح محکم افعال اور مشتمل بر عجائب ایجادات باری تعالیٰ کے لئے علم، قدرت وغیرہ صفات کے ثبوت پر دلالت کرتے ہیں۔

چھٹی دلیل

ذات خداوندی باوجود ایک ہونے کے پھر سب کمالات کے ساتھ موصوف ہے۔ ایک شخص ملکڑی او مجسٹریٹ دونوں کے کام کرتا ہے اس لئے دو نام ہو گئے ورنہ حقیقت میں وہ ایک ہی ذات ہے۔ ایسے ہی ذات خداوندی بھی بسبب جدا جدا کاموں کے خالق، رازق، سمیع و بصیر کہلاتی ہے۔ غرض یہ کہ صفات کا متعدد ہونا اس کی وحدانیت کے کسی طرح منافی نہیں۔

اور جس طرح ذات خداوندی تمام موجودات کے لئے اصل ہے اسی طرح کمالات خداوندی کمالات مخلوق کے لئے اصل ہیں۔ اور مخلوق میں جو کمال ہے وہ اسی کے کمال کا پرتو اور عکس ہے جیسا کہ مخلوقات کا وجود اسی کے وجود کا پرتو اور عکس ہے۔ آفتاب میں اگر نور نہ ہوتا تو زمین کیسے منور ہوتی۔ آتش میں اگر حرارت نہ ہوتی تو پانی کیسے گرم ہوتا علی ھذا اگر خالق میں کمال نہ ہوتا تو مخلوق میں کہاں سے کمال آجاتا۔

بندوں میں حیات بھی ہے۔ علم و قدرت بھی ہے ارادہ و اختیار بھی ہے۔ سمع و بصر اور کمال بھی ہے اور یہ ساری باتیں باالاتفاق خوبی و کمال کی سمجھی جاتی ہیں۔ یہ کمالات اگر خالق میں نہ تھے تو مخلوق میں کہاں سے آئے۔ نیز اگر خداوند کریم ان صفات کمالات کے ساتھ موصوف نہ ہو تو مخلوق کا خالق سے اور ممکن کا واجب سے افضل ہونا لازم آتا ہے اس لئے کہ مخلوق میں حیات، علم، قدرت، سمع، بصر سب موجود ہے۔ اب اگر خدا ان صفات سے عاری ہو تو یقیناً مخلوق کو خالق سے افضل کہنا پڑے گا۔ کیونکہ زندہ کو مردہ سے اور عالم کا غیر عالم سے اور قادر کا غیر قادر سے افضل ہونا بالکل ظاہر ہے۔

خشک ابرے کہ بود از آب تہی ۔۔۔ نایدازوے صفت آبدہی[118]

بندوں کے کمالات اور اللہ تعالیٰ کے کمالات میں فرق

لیکن بندوں کے کمالات اور اللہ تعالیٰ کے کمالات میں دو طرح کا فرق ہے۔

پہلا فرق

پہلا فرق یہ ہے کہ بندوں کی جتنی بھی کمال والی صفات ہیں اور جتنے بھی کمالات ہیں وہ ان کے اپنے نہیں ہیں بلکہ کسی دیئے ہوئے ہیں، خوبصورت ہونا، مالدار ہونا، سائنسدان ہونا، حیرت انگیز ایجادات کا موجود ہونا، انجینئر ہونا، عجیب و غریب چیزیں بنانا، یہ تمام کمالات کسی بھی انسان میں ہوں گے وہ اس کے اپنے نہیں ہوں گے بلکہ اللہ کے دیئے ہوئے ہیں۔

مال اللہ تعالیٰ نے دیا، حسن و جمال اللہ تعالیٰ نے دیا اقتدار اللہ تعالیٰ نے دیا، سائنس دانوں کو عقل و دماغ اللہ تعالیٰ نے دیا، پھر اس کو استعمال کر کے اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے مادے اور میٹیریل کو استعمال کر کے ایک چیز بنا دیتے ہیں تو واہ واہ ہو جاتی ہے، یہ کمال ان کو کس نے دیا؟ اللہ تعالیٰ نے دیا،

---

[118] (اشرف الفوئد شرح شرح العقائد، ص ۲۴۶، ۲۴۷، علم الکلام مولانا محمد ادریس کاندھلوی علیہ الرحمۃ)

اس لئے قرآن نے کہا "الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (الفاتحة ١)" دنیا میں جتنی تعریفیں ہوتی ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں، خداوند کے سوا کسی کی تعریف نہیں ہو سکتی، آپ جس کی بھی تعریف کریں گے، کسی کمال کی بنیاد پر کریں گے اور وہ کمال اس کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، تو کمال دینے والے کی تعریف ضرور ہو گی۔

تو بندوں کے سارے کمالات اپنے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے ہیں، مگر خدا تعالیٰ کی ساری صفات کمالیہ اپنی ذاتی ہیں کسی کی دی ہوئی نہیں، وہ اپنی کمال والی صفت میں مخلوق کا محتاج نہیں بلکہ وہ اپنے کمال میں مخلوق کے ماننے کا بھی محتاج نہیں کوئی مانے تب بھی وہ خالق ہے نہ مانے تب بھی وہ خالق ہے، کوئی مانے تب بھی وہ رازق ہے اور کوئی نہ مانے تب بھی وہ رازق ہے۔ تو بندوں کے سارے کمالات اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سارے کمالات ذاتی ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں۔

دوسرا فرق

بندوں کے کمالات اور اللہ تعالیٰ کے کمالات میں دوسرا فرق یہ ہے کہ بندوں کے پاس جتنی خوبیاں ہیں وہ ساری عارضی ہیں، جتنے کمالات ہیں وہ سارے عارضی ہیں، چند دنوں کے لئے ہیں یا تو وہ خوبی دنیا ہی میں چھن جائے گی ورنہ موت آکر چھین لے گی، مال ہے، اقتدار ہے، حسن و جمال ہے، عزت ہے وہ چند دن کے لئے۔

(صدائے منبر، مولانا مفتی محمد امین صاحب)

لہٰذا عقلی اور نقلی دلائل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے صفات ثابت ہو گئیں پھر ان صفات میں بعض ذاتی صفات ہیں اور بعض صفات افعال ہیں، صفات ذاتی اشاعرہ کے نزدیک سات اور ماتاترید یہ کے نزدیک آٹھ ہیں، جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

اقسام صفات

صفات باری تعالیٰ کی دو اقسام ہیں:

(۱) صفات سلبیہ (۲) صفات وجودیہ ثبوتیہ

صفات سلبیہ

وہ صفات ہیں جن کی باری تعالیٰ سے سلب اور نفی کی جائے جیسے کہا جاتا ہے "اللہ لیس بجوھر ولا بعرض والا بممکن" یہ صفات سلبیہ ہیں۔

صفات وجودیہ

وہ صفات ہیں جن کا ذات باری تعالیٰ کے لئے اثبات کیا جائے۔

صفات وجودیہ کی اقسام

پھر صفات وجودیہ کی دو اقسام ہیں:

(۱) صفات حقیقیہ (۲) صفات غیر حقیقیہ

صفات حقیقیہ کا دوسرا نام صفات ذاتیہ، جمالیہ اور صفات جلالیہ ہے۔ صفات غیر حقیقیہ کو صفات اضافیہ افعالیہ بھی کہا جاتا ہے۔

امام ابوالحسن اشعری اللہ تعالیٰ کی دو قسمیں ذکر کرتے ہیں۔ ایک صفات ذاتیہ اور دوسری صفات فعلیہ۔

صفات ذاتیہ

ان صفات کو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ان کی ضد کے ساتھ موصوف نہ ہو سکے۔ اور اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتیہ حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ تو متصف ہے ان کی ضد یعنی موت، جھل، عجز وغیرہ کے ساتھ متصف نہیں ہو سکتا۔ یہ امھات الصفات یعنی بنیادی صفات بھی کہلاتی ہیں کیونکہ یہ صفات فعلیہ اور دیگر صفات کے لئے بمنزلہ بنیادی صفات بھی کہلاتی ہیں اس لئے کہ اگر حیات ہی نہ ہو تو خدا ہی نہ رہے اور علم و ارادہ نہ ہو تو کوئی فعل وجود میں نہ آئے۔[119]

امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک صفات ذاتیہ کی اقسام

امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک صفات ذاتیہ سات ہیں:

---

119 (اسلامی عقائد، ص ۲۰)

۱۔ حیات ۲۔ علم ۳۔ قدرت

۴۔ سمع

۵۔ بصر ۶۔ ارادہ ۷۔ مشیت

یہ صفات نہ اللہ کی ذات میں داخل ہیں اور نہ ہی خارج ہیں، مفہوم ایک بھی نہیں، غیر بھی نہیں۔ اسی کو اہل علم لا عین ولا غیر سے تعبیر کرتے ہیں۔[120]

صفات فعلیہ

ان صفات کو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ان کی ضد کے ساتھ موصوف ہو سکے اور اللہ تعالیٰ کے لئے کمال ہو اور ان کا تعلق غیر کے ساتھ ہو۔ جیسے مارنا اور جلانا، عزت دینا، ذلت دینا، رزق دینا اور نہ دینا وغیرہ۔ امام اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سب صفات فعلیہ کو بنیادی صفت قدرت کے ماتحت اور اس سے متعلق مانتے ہیں۔

امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک صفات ذاتیہ کی اقسام

امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آٹھ صفات کو بنیادی قرار دیتے ہیں، جن میں سے سات تو وہ ہیں جو اوپر صفات ذاتیہ میں مذکور ہوئیں اور آٹھویں تکوین ہے۔[121]

متکلمین اور فلاسفہ کے درمیان صفات میں اختلاف کی نوعیت

---

120 (عقائد اہل سنت والجماعۃ، ص ۷۱)

121 (اسلامی عقائد، ص ۲۰، ۲۱)

سوال: یہ ہے کہ آپ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے صفات ثابت ہیں اور صفات تو مستحیل البقاء (یعنی زائل ہوتی ہیں) ہونے کی وجہ سے حادث ہیں جس طرح انسان کے ساتھ پہلے علم نہیں تھا اب ہے اور کچھ عرصہ بعد یہ ختم ہو جائے گا لہٰذا صفات حادث ہیں؟

جواب

ہمارا نزاع اس میں نہیں ہے کہ وہ صفات باری تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں جو کیفیات اور عوارض ہیں کیونکہ صفات باری تعالیٰ تو ازلی ہیں ہم ان کیفیات اور عوارض پر بحث نہیں کرتے کیونکہ جو علم کیفیات اور عوارض کی جنس سے ہے باری تعالیٰ سے اس کی نفی پر ہمارا اور معتزلہ کا اتفاق ہے۔

سوال: پھر آپ کس چیز سے بحث کرتے ہیں جس میں آپ کا اور معتزلہ کا اختلاف ہے؟

جواب: یہ ہے کہ ہماری نزاع اس بات میں ہے کہ جیسے ہم میں سے کسی کے عالم ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے لئے علم نام کی صفت ثابت ہے جو کہ اس کی ذات سے زائد ہے اور عرض ہے اور حادث ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے لئے علم نام کی ایک صفت ثابت ہے جو اس سے زائد اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور قدیم ہے تو اس میں ایک رائے فلاسفہ کی ہے اور ایک متکلمین کی۔

فلاسفہ کے نزدیک صفات عین ذات واجب ہے

فلاسفہ اس سے منکر ہیں، ان کے نزدیک صفات عین ذات واجب ہیں ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی ایسی صفت نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے زائد اور اس کے ساتھ قائم ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کا عالم ہونا اور قادر وغیرہ ہونا ایک اضافی چیز ہے معلومات کے ساتھ تعلق ہونے کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ عالم

اور مقدورات کے ساتھ تعلق ہونے کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ قادر ہیں، لہٰذا ذات باری تعالیٰ من کل الوجوہ واحد ہے۔

فلاسفہ کی یہ رائے اس لئے ہے کہ تعدد قدماء اور تعدد وجباء لازم نہ آئے۔ فلاسفہ کا کہنا ہے کہ اگر صفات ذات باری تعالیٰ سے زائد لئے جائیں چونکہ صفات قدیم ہیں تو تعدد قدماء لازم آتا ہے، اور یہ تعدد وجباء کو مستلزم ہے۔

متکلمین

متکلمین کے نزدیک صفات باری تعالیٰ ذات باری تعالیٰ سے زائد اور اس کے ساتھ قائم ہیں اور قدیم ہیں، اس سے تعدد قدماء لازم آتا ہے اور یہ تعدد وجباء کو مستلزم نہیں، کیونکہ یہاں دو چیزیں ہیں:

(۱) ذوات قدیم کا تعدد (۲) صفات قدیم کا تعدد

ذوات قدیم کا تعدد محال ہے نہ کہ صفات قدیم کا تعدد اور صفات کو زائد علی الذات لینے میں ذوات قدیم کا تعدد لازم نہیں آتا جو کہ محال ہے بلکہ صفات قدیمہ کا تعدد لازم آتا ہے اور یہ جائز ہے۔

متکلمین کی طرف سے فلاسفہ اور معتزلہ پر چند اعتراضات

اعتراض یہ ہے کہ فلاسفہ کی رائے سے بہت سارے محالات لازم آئیں گے، مثلاً صفات عین ذات باری تعالیٰ ہوں گی تو ذات باری تعالیٰ بھی ہر صفت کی عین ہو گی مثلاً علم عین ذات باری تعالیٰ ہے اور ذات باری تعالیٰ عین حیات ہے لہٰذا علم عین حیات ہے۔ اسی طرح علم عین ذات باری تعالیٰ ہے اور ذات باری تعالیٰ قادر ہے لہٰذا علم قادر ہو گا۔ اسی طرح ذات باری تعالیٰ عین علم ہے اور علم غیر

قائم بالذات ہے لہٰذا ذات باری تعالیٰ بھی غیر قائم بالذات ہو گی۔ لہٰذا صفات کو عین ماننے سے یہ تمام نقصانات لازم آئیں گے تو صفات کا عین ذات ہونا محال ہے۔[122]

اسماء الٰہیہ کی حیثیت

اسماء الٰہی (یعنی اللہ تعالیٰ کے ناموں) میں سے صرف لفظ اللہ ذات نام ہے بقیہ تمام نام صفتوں کی وجہ سے ہیں اور یہ صفاتی نام بھی توفیقی ہیں یعنی حضور اکرم ﷺ سے سنے جانے اور بتائے جانے پر موقوف ہیں عربی میں انہی ناموں سے اللہ تعالیٰ کو پکارنا جائز ہے کہ جو شریعت نے بتا دیئے ہیں اپنی طرف سے کسی عربی لفظ سے اللہ کو پکارنا جائز نہیں چاہیئے خواہ اس عربی لفظ کا معنی کتنا ہی عمدہ و اعلیٰ کیوں نہ ہو مثلاً طبیب عاقل وغیرہ۔

لیکن عربی کے علاوہ ہر زبان میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کے ساتھ جن ناموں سے بھی پکارا جائے وہ جائز ہے ان کو رد نہ کیا جائے ہو سکتا ہے کہ بے تعظیمی ہو جائے۔

اور حدیث میں جن ننانوے ناموں کے یاد کرنے اور محفوظ کرنے پر جنت ملنے کا وعدہ ہے وہ ننانوے اصلیں اور بنیادیں ہیں بقیہ تمام صفاتی نام انہی کی جزئیات ہیں جن کی مجموعی تعداد جو انسانی علم میں آسکی ہے، اس میں کئی اقوال ملتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ پانچ ہزار کا قول ملتا ہے۔[123]

معنی اور مفہوم کے اعتبار سے صفات کی اقسام

پھر معنی اور مفہوم کے اعتبار سے صفات کی دو قسمیں ہیں:

(۱) محکمات (۲) مشابہات

---

[122] (اشرف الفوائد شرح شرح العقائد، ص ۲۴۸، ۲۵۰)

[123] (عقائد اھل السنۃ والجماعۃ، مفتی زین العابدین، ص ۷۳)

(۱)صفات محکمات

صفات محکمات وہ ہیں کہ جن کا معنیٰ ظاہر اور واضح ہے اور سمجھ میں آنے والا ہے ان کو واضحات بھی کہتے ہیں، مثلاً سمع، بصر، علم قدرت اور ارادہ وغیرہ۔

حکم

ان کا حکم یہ ہے کہ ان کے ظاہر پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے اور اس کی تاویل نہ کی جائے گی۔

(۲)صفات متشابھات:

وہ صفات ہیں کہ جن کے معنی غیر واضح اور مبہم ہیں سمجھ کی وہاں تک رسائی نہیں یہ اللہ تعالیٰ کی وہ صفات ہیں جو قرآن و حدیث میں مذکور ہیں جیسے: وجہ (چہرہ)، ید (ہاتھ)، عین (آنکھ)، ساق (پنڈلی) اور عرش پر مستوی ہونا ان صفات کو **متشابھات** کہتے ہیں کیونکہ اگر ان کے ظاہری معنی مراد لیں تو اللہ تعالیٰ کا عاجز اور محتاج ہونا لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اپنے کام میں ان اعضاء کے محتاج ہیں۔ کیونکہ انسان دیکھنے کے لئے آنکھ کا، کام کے لئے ہاتھ کا، چلنے کے لئے پنڈلی کا محتاج ہے، اگر انہی چیزوں کو ان کے ظاہری معنی پر ہی مان لیں تو معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ بھی بندوں کی طرح ان اعضاء کے محتاج ہیں۔ کیونکہ انسان دیکھنے کے لئے آنکھ کا، کام کے لئے ہاتھ کا، چلنے کے لئے پنڈلی کا محتاج ہوتا ہے اگر انہی چیزوں کو ان کے ظاہری معنی پر ہی مان لیں تو معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ بھی بندوں کی طرح ان اعضاء کے محتاج ہیں جو بالکل ہی غلط ہے لہٰذا یہ صفات متشابھات میں سے ہے۔

حکم

اہل سنت والجماعت کے ہاں صفات متشابہات کو جوں کا توں سچ تسلیم کر لیں گے اور اس کے صحیح حقیقی معانی کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دیں گے۔

فضول تاویلات سے احتراز کریں گے اور ان کو ناقص بتانے کی بجائے اپنی عقل کے ناقص ہونے کا اقرار کریں گے اور یہ ذہن میں رکھیں گے کہ جو اعضاء اللہ نے قرآن کریم میں ذکر فرمائے ہیں وہ اسی کی شان کے لائق ہیں نہ وہ اعضاء مخلوق ہیں نہ مخلوق کی طرح کے ہیں۔[124]

اللہ تعالیٰ کی تمام صفات قدیم ہیں

اللہ تعالیٰ کی تمام صفات قدیمی یعنی ازلی اور ہمیشہ ہمیشہ سے ہیں۔ جب مخلوق ابھی پیدا بھی نہیں کی گئی تھی اللہ تعالیٰ اس وقت بھی خالق تھے کیونکہ تخلیق کی بنیاد جو کہ امام اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک صفت قدرت ہے اور امام ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک صفت تکوین ہے ازل سے موجود ہے۔ اس وجہ سے خالق اس کی صفت قدیم ہے۔ اس کا خالق ہونا مخلوق کے پیدا ہونے پر موقوف نہیں بلکہ مخلوق کا پیدا ہونا اس کے خالق ہونے پر موقوف ہے۔ اگر اس میں پیدا کرنے کی صفت نہ ہوتی تو یہ مخلوق کیسے پیدا ہوتی۔[125]

کرامیۃ

کرامیۃ

کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے صفات ہیں لیکن یہ صفات حادث ہیں۔

کرامیہ کی دلیل

124 (عقائد اہل السنۃ والجماعۃ، مفتی زین العابدین صاحب، ص ۷۲)

125 (اسلامی عقائد، ص ۲۱)

یہ ہے کہ صفات میں تغیر و تبدل آتا ہے مثلاً زید کی پیدائش سے پہلے اس پر علم الہٰی ایک اعتبار سے تھا پھر پیدائش کے بعد دوسرے اعتبار سے پھر مرنے کے بعد تیسرے اعتبار سے اس کے ساتھ علم الہٰی متعلق ہو گیا تو یہاں پر علم کے بارے میں تغیر و تبدل آیا ہے اور جس چیز میں تغیر آتی ہے وہ حادث ہے لہٰذا صفات باری تعالیٰ بھی حادث ہیں۔

جواب

اور ہم کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے لئے صفات ثابت کی جائیں اور وہ صفات حادث ہوں تو نعوذ باللہ ذات باری تعالیٰ کا محل حوادث ہونا لازم آجائے گا، اور آپ جو صفات ثابت کرتے ہیں اس کے متعلقات حادث ہیں اور صفت وہی ایک ہے لہٰذا متعلقات کے حادث ہونے سے متعلقہ صفات کا حادث ہونا لازم نہیں آتا۔

صفات باری تعالیٰ کی چار قسمیں اور ان کی مثالیں

صفات باری تعالیٰ کی چار قسمیں ہیں:

(۱) صفات حقیقیہ محضہ، جس طرح حیوۃ۔

(۲) صفات حقیقیہ ذات الاضافۃ جیسے سمع، بصر، قدرت، ارادہ، علم اور تکوین۔ ماتریدیہ کے نزدیک۔

(۳) اضافیہ محضہ، جیسے معیت، قبلیت اور بعدیت۔

(۴) صفات سلبیہ جس طرح لیس بعرض و الجوھر۔

صفات حقیقیہ محضہ اور سلبیہ میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں آتا اور صفات حقیقیہ ذات الاضافۃ میں باعتبار متعلق کے فرق آتا ہے اور اضافیہ محضہ میں تغیر آتا رہتا ہے کبھی قبلیت ثابت ہو گی تو کبھی بعدیت۔

خلاصہ کلام

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات قدیم ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تمام صفات اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہیں کیونکہ یہ بالکل بدیہی بات ہے کہ جب کسی شئ کی کوئی صفت ہو گی تو وہ اس کے علاوہ کسی اور کے ساتھ قائم نہیں ہو سکتی۔

معلوم ہوا کہ صفات باری تعالیٰ لازمی اور قطعی طور پر باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہیں جبکہ معتزلہ کہتے ہیں کہ صفت تو ہے مگر اس صفت کا قیام ذات باری تعالیٰ کے ساتھ نہیں بلکہ غیر کے ساتھ ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ متکلم ہیں مگر یہ صفت کلام باری تعالیٰ کی جگہ غیر کے ساتھ قائم ہے گو کہ لوح محفوظ یا جبرئیل علیہ السلام ہے یا حضرت محمد ﷺ ہے۔

سوال

یہ ہے کہ معتزلہ تو صفات باری تعالیٰ کو عین ذات مانتے ہیں علیحدہ نہیں مانتے ہیں مگر آپ کی بات سے تو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ معتزلہ کے نزدیک ذات اور صفات غیر ہیں اور یہ صفت ذات کے علاوہ کسی غیر کے ساتھ قائم ہے ؟۔

جواب:

یہ ہے کہ ان کا مقصد صفت کلام کے اللہ تعالیٰ کی صفت ہونے کا انکار کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیئے یہ صفت ثابت نہیں بلکہ وہ موجد کلام ہے جو کسی غیر کے اندر موجود کر کے اس کے ساتھ قائم کر

دیتاہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے صفت کلام ثابت نہیں کیونکہ وہ اس کو حادث مانتے ہیں اور وہ کلام کی تقسیم لفظی اور نفسی کی طرف نہیں کرتے بلکہ صفر لفظی مانتے ہیں اور وہ حادث ہے البتہ ہمارے نزدیک کلام لفظی حادث اور نفسی قدیم ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ متکلم بمعنی موجد کلام لینے سے ہماراجواب یہ ہے کہ مشتق کا اطلاق مأخذ اشتقاق کے موصوف پر ہو گانہ کہ اس کے موجد پر۔ مثلاً: اسود کا اطلاق مأخذ اشتقاق یعنی سواد کے ساتھ موصوف چیز پر ہو گانہ کہ اس چیز کے ایجاد کرنے والے پر۔[126]

اللہ تعالیٰ کی صفات نہ عین ذات ہیں نہ غیر ذات بلکہ لازم ذات ہیں

اس بات پر تمام اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ واجب تعالیٰ کے لئے ایسی صفات ثابت ہیں جوواجب الوجود کے مفہوم سے زائد ہیں عین ذات واجب نہیں ہیں اس کے بر خلاف معتزلہ صفات کی نفی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ صفات عین واجب ہیں اور صفات کے عین واجب ہونے کا یہ مطلب ہے کہ جن افعال کے لئے صفات ثابت کی جاتی ہیں ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی ذات کافی ہے اس کی ذات سے زائد کوئی چیز اس کے لئے ثابت نہیں ہے۔

صفات کی نفی پر معتزلہ کی دلیل

صفات کی نفی پر معتزلہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اگر باری تعالیٰ کے لئے ایسی صفات ہوں جو اس کی ذات کا عین نہ ہوں بلکہ اس کی ذات سے زائد چیز ہوں تو وہ اس کا غیر ہوں گی، اب وہ حادث تو ہو نہیں سکتیں، ورنہ ان کے موصوف یعنی واجب تعالیٰ کا حادث ہونا لازم آجائے گا۔ لا محالہ وہ قدیم ہوں گی لہٰذا غیر اللہ کا قدیم ہونا لازم آجائے گا۔

---

126 (اشرف الفوائد شرح شرح العقائد، ص ۲۴۵،۲۵۳)

نیز یہ صفات بہت سی ہیں تو تعدد قدماء بھی لازم آجائے گا نیز قدیم اور واجب مترادف ہیں تو تعدد واجب لذاتہ بھی لازم آئے گا۔ اور غیر اللہ کا قدیم ہونا اور تعدد قدماء و تعدد وجباء یہ سب توحید کے منافی ہیں۔

پھر یہ کہ قائلین بالصفات میں بعض سات صفات بعض آٹھ اور بعض اس سے زائد مانتے ہیں، حالانکہ نصاریٰ صرف تین قدماء یعنی اب، ابن اور روح القدس کے قائل ہونے سے کافر قرار دیئے گئے تو پھر ساتھ یا آٹھ یا اس سے زائد قدماء ثابت کرنے والوں کے کفر کا کیا ٹھکانا ہو گا۔

جواب (صفات کی نفی پر معتزلہ کے دلائل کا جواب)

صفات باری تعالیٰ "لا ھو و لا غیرہ" ہیں یعنی صفات باری تعالیٰ نہ عین ذات ہیں نہ غیر ذات بلکہ لازم ذات ہیں۔ یہاں صفت عینیت اور غیریت کی نفی ہے کیونکہ جب صفات باری تعالیٰ، اللہ تعالیٰ کا غیر نہیں ہیں تو ان کے قدیم ہونے سے غیر اللہ کا قدیم ہونا لازم نہیں آئے گا۔

نیز تعدد اور تکثر اشیاء متعددہ اور متکثرہ کے درمیان تغائر بمعنی ایک کا دوسرے سے انفکاک اور انتقال ممکن ہونے پر موقوف ہے اور جب صفات باری تعالیٰ، اللہ تعالیٰ کا اسی طرح آپس میں بھی ایک دوسرے کا غیر بایں معنی نہیں ہیں کہ ایک کا دوسرے سے انفکاک اور انتقال ہو سکے تو تعدد اور تکثر متحقق نہیں ہو گا لہٰذا ان کے قدیم ہونے سے تعدد قدماء یا تکثر قدماء لازم نہیں آئے گا۔

حاصل یہ کہ مطلق تعدد قدماء محال نہیں ہے بلکہ قدماء متغائرہ کا تعدد محال ہے اور ہم جن صفات کو قدیم کہتے ہیں وہ متغائر نہیں ہیں نہ ذات واجب کا غیر ہیں اور نہ آپس میں ایک دوسرے کا غیر ہیں۔

"لاھم" میں معتزلہ اور فلاسفہ کی تردید ہے اور "لاغیرہ" میں کرامیہ کی تردید ہے۔ فریق اول عینیت اور فریق ثانی غیریت کا قائل ہے اور ہم دونوں کا انکار کرتے ہیں۔

سوال: یہ ہے کہ نصاریٰ جن تین قدماء کے قائل ہیں انہیں باہم متغایر نہیں کہتے ہیں، اس کے باوجود وہ کافر قرار دیئے گئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلقاً تعدد قدماء توحید کے منافی ہے خواہ ان میں باہم تغائر ہو یا نہ ہو لہٰذا تمہارا یہ کہنا کہ مطلق تعدد قدماء محال نہیں بلکہ قدماء متغائرہ کا تعدد محال ہے یہ درست نہیں۔

جواب:

جواب کا حاصل یہ کہ نصاریٰ جن تین قدماء کے قائل ہیں ان کے درمیان تغایر کی اگرچہ انہوں نے صراحت نہیں کی ہے مگر ایسی بات کہی ہے جس سے ان تینوں قدماء کے درمیان متغائرات لازم آتی ہیں، اور وہ بات یہ ہے کہ انہوں نے تین اقانیم ثابت کئے ایک وجود جس کو لفظ "اب" سے تعبیر کرتے ہیں دوسرے علم جس کو لفظ "ابن" سے تعبیر کرتے ہیں اور تیسرے حیات جس کو "روح القدس" سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اقنوم علم اللہ تعالیٰ کی ذات سے عیسیٰ علیہ السلام کے بدن کی طرف منتقل ہو گیا اس طرح انہوں نے انفکاک اور انتقال کو جائز قرار دیا اور انفکاک اور انتقال جس کا نام غیریت اور تغائر ہے ذوات میں ہوتا ہے لہٰذا یہ اقانیم ثلاثہ متغائر ذوات ہوئے تو جواب کہ خلاصہ یہ نکلا کہ تکثر قدماء کے قول کا الزام عائد ہو گا کیونکہ وہ جن تین قدماء کے قائل ہیں ان میں انفکاک اور انتقال جائز قرار دیتے ہیں اور اشاعرہ چونکہ صفات کو ذات واجب کا اسی طرح ایک صفت کو دوسرے کا غیر نہیں مانتے یعنی صفات کا ذات واجب سے اسی طرح ایک صفت کا

دوسری صفت سے انفکاک اور انتقال جائز نہیں قرار دیتے لہٰذا صفات کو قدیم کہنے سے ان پر تعدد قدماء کے قول کا الزام عائد نہیں ہو گا۔

اقنوم اقانیم کی جمع ہے یہ سیریانی زبان کا کلمہ ہے بعض علماء کے نزدیک اس کے معنی صفت کے اور بعض کے نزدیک بمعنی اصل ہے۔

صفات کی نفی پر معتزلہ کے استدلال کا مذکورہ جواب **"ولا غیرہ"** کو محمول کیا تھا تعدد اور تکثر کے تغائر بمعنی امکان انفکاک پر مبنی تھا کہ صفات قدیمہ ذات واجب کا اسی طرح باہم ایک دوسرے کا غیر نہیں کہ ان کا دوسرے سے انفکاک ممکن ہو لہٰذا تعدد اور تکثر متحقق نہیں ہو گا اور صفات کے قدیم ہونے سے تعدد قدماء لازم نہیں آئے گا۔

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ فریق مخالف کو تعدد اور تکثر کے تغائر بمعنی امکان انفکاک پر موقوف ہونے کا انکار کرنے کی گنجائش ہے کیونکہ مراتب اعداد میں سے بعض دوسرے بعض کے لئے جز ہیں، اور جزء کل کے درمیان مغائرت نہیں ہے مثلاً: آٹھ اور دس کہ ان میں سے اول ثانی کے لئے جزء اور ثانی اول کے لئے کل ہے مگر ان دونوں میں مغائرت بمعنی انفکاک نہیں ہے کیونکہ آٹھ کا جو کہ جزء ہے اپنے کل یعنی دس سے انفکاک ممکن نہیں ہے ورنہ دس نہیں رہے گا بلکہ دو ہی رہ جائے گا اس کے باوجود آٹھ اور دس دونوں متعدد اور متکثر ہے تو معلوم ہوا کہ تعدد اور تکثر بمعنی امکان انفکاک پر موقوف نہیں ہے۔

جو لوگ عدد کم منفصل قرار دیتے ہیں وہ واحد کو عدد ہی نہیں مانتے کیونکہ کم وہ عرض ہے جو بالذات قابل تقسیم ہو یعنی جس کے لئے اجزاء ہوں اور واحد بسیط ہے اس کے لئے اجزاء نہیں جن کی طرف اس کی تقسیم ہو سکے لہٰذا وہ عدد بھی نہیں ہو گا، مگر جو لوگ عدد کی یہ تعریف کرتے ہیں کہ جو

شمار کیا جائے ان کے نزدیک واحد بھی عدد ہے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا کلام اسی مذہب پر مبنی ہے۔

اور اہل سنت میں سے بعض صفات حقیقیہ کی تعداد سات بتاتے ہیں یا آٹھ قرار دیتے ہیں اور بعض اس سے بھی زائد مانتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ صفات کے متعدد اور کثیر ہونے میں اہل سنت والجماعت کے درمیان کوئی نزاع نہیں ہے خواہ ان میں تغائر مانا جائے یا نہ لہٰذا صفات کو قدیم ماننے سے تعدد قدماء بہر حال لازم آئے گا۔

فالاولی فی الجواب:

جب اہل سنت والجماعت کا صفات کے متعدد اور کثیر ہونے میں کوئی نزاع نہیں تو پھر معتزلہ کے استدلال کا وہ جواب نہ دیا جائے جو تعدد صفات کے انکار پر مبنی ہے بلکہ صفات قدیمہ کا تعدد اور تکثر تسلیم کیا جائے اور کہا جائے کہ صفات کو قدیم ماننے سے ایک ذات مع اس کی صفات کا تعدد لازم آتا ہے اور یہ محال نہیں ہے بلکہ محال تو ذوات قدیمہ کا تعدد ہے جو ہم پر لازم نہیں آرہا ہے کیونکہ ہم صفات کو معتزلہ کی طرح عین ذات نہیں کہتے کہ صفات قدیمہ کے متعدد اور کثیر ہونے سے ذوات قدیمہ کا تعدد اور تکثر لازم آئے ''وھی لا ھو'' سے عینیت کی نفی کر کے اسی جواب کی طرف اشارہ ہے۔

معتزلہ نے اپنے استدلال میں کہا تھا کہ صفات کو قدیم ماننے کی صورت میں تعدد قدماء لازم آئے گا اور قدیم اور واجب کے درمیان ترادف کے قول کی بنیاد پر صفات واجب لذاتہ بھی ہوں گی تو تعدد واجب لذاتہ بھی لازم آئے گا جو توحید کے منافی ہے۔

بعض لوگوں نے معتزلہ کے اس استدلال کا جواب صفات کا واجب لذاتہ ہونا تسلیم کر کے دیا ہے کہ صفات واجبہ کا تعدد محال نہیں، بلکہ ذوات واجبہ کا تعدد محال ہے۔

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ توحید کے دلائل ذات اور صفات کی تفریق کے بغیر مطلقاً واجب الوجود کی وحدانیت پر دلالت کر رہے ہیں اس لئے صفات کو واجب الوجود لذاتہ کہنے کی جرأت نہیں کرنی چاہیئے اور یہ کہنا چاہیئے کہ صفات واجب بمعنی ثابت ہیں اس ذات کے لئے جو عین صفات ہے اور نہ غیر صفات ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے اور جن لوگوں نے صفات کو **واجب الوجود لذاتہ** کہا ان کی بھی یہی مراد ہے یعنی واجب بمعنی ثابت ہے اور **لذاتہ** کا مطلب **لذات اللہ تعالیٰ** ہے۔

رہی یہ بات کہ صفات نفس الامر کے اعتبار سے کیا ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ممکن ہیں باوجود یہ کہ قدیم ہیں کیونکہ وہ باری تعالیٰ کی قدیم ذات کے ساتھ قائم ہیں اور جب ممکن کسی قدیم ذات کے ساتھ قائم ہو تو اس کے قدیم ہونے میں کوئی استحالہ نہیں اس تقریر کی رو سے مشہور کلیہ **"کل ممکن حادث"** میں ممکن سے وہ ممکن مراد ہو گا جو قدیم ذات کے ساتھ قائم نہ ہو۔

جب صفات قدیم ہونے کے باوجود ممکن ہیں تو ہر قدیم الٰہ نہیں ہو سکتا کہ متعدد صفات قدیمہ کے وجود سے متعدد الٰہ کا وجود لازم آئے کیونکہ الٰہ کا واجب الوجود ہونا ضروری ہے۔

احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ کہا جائے کہ باری تعالیٰ اپنی صفات کے ساتھ قدیم ہیں یہ نہ کہا جائے کہ اس کی صفات قدیم ہیں تا کہ عامۃ الناس جو ہر قدیم الٰہ سمجھتے ہیں ان کو یہ وہم نہ ہو کہ ان صفات میں سے ہر صفت قائم بالذات اور صفات الوہیت کے ساتھ متصف ہے۔

عینیت اور غیریت دونوں کی نفی ارتفاع نقیضین اور اجتماع نقیضین کو مستلزم ہے؟

سوال: یہ اعتراض "لاهو ولاغیرہ" قول پر ہے اور اعتراض کی بنیاد عینیت اور غیریت کے درمیان تناقض ہونے اور دونوں کے درمیان واسطہ نہ ہونے پر ہے۔

حاصل اعتراض یہ ہے کہ عینیت اور غیریت ایک دوسرے کی تنقیص ہیں کیونکہ دونوں چیزوں کے مفہوم کا ایک ہونا عینیت ہے اور دونوں کے مفہوم کا ایک نہ ہونا غیریت ہے ان دونوں کے درمیان کوئی واسطہ نہیں لہٰذا عینیت اور غیریت نقیضین ہوئے سو اس قول "لا هو و لاغیرہ" ظاہر سے عینیت اور غیریت دونوں کی نفی ہوتی ہے یہ ارتفاع نقیضین ہے اور چونکہ نقیضین میں سے ایک کی نفی دوسرے کے ثبوت کو مستلزم ہوتی ہے اس بناء پر جب کہا کہ صفات عین ذات نہیں اس سے معلوم ہوا کہ غیر ذات ہے پھر جب کہا کہ غیر ذات نہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ عین ذات ہیں، لہٰذا عینیت اور غیریت دونوں کا ثبوت ہوا یہ اجتماع نقیضین ہے۔

مشائخ اشاعرہ کے نزدیک غیریت کا معنی اور عینیت اور غیریت کے درمیان تناقض نہیں

جواب: یہ ہے کہ عینیت اور غیریت ایک دوسرے کی نقیض نہیں ہیں، لہٰذا دونوں کی نفی ارتفاع نقیضین نہیں کہلائے گی اور نہ ہر ایک کی نفی دوسرے کے ثبوت کو مستلزم ہوگی کہ اجتماع نقیضین لازم آئے اور دونوں کے درمیان تناقض نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ نقیضین کے درمیان واسطہ نہیں ہوتا اور عینیت اور غیریت کے درمیان واسطہ ہے کیونکہ مشائخ اشاعرہ نے عینیت کا تو وہی معنی ذکر کیا ہے جو معترض نے بیان کیا ہے یعنی دو چیزوں کے مفہوم کا ایک ہونا۔ مگر غیریت کا دوسرا معنی ذکر کیا ہے، وہ یہ کہ دو چیزوں کے درمیان غیریت کا مطلب یہ ہے کہ ایک کے وجود کا

دوسرے کے عدم کے ساتھ تصور ممکن ہو یعنی دونوں میں سے ایک کا دوسرے سے انفکاک اور زوال ممکن ہو سکتا ہے۔ مثلاً: دو چیزیں اس طرح کی ہوں کہ ان کا مفہوم ایک نہ ہو اور ان دونوں میں سے ایک کا دوسرے کے بغیر وجود نہ ہو۔ تو اتحاد فی المفہوم نہ ہونے کے سبب ان دونوں کے درمیان عینیت نہ ہو گی، اور ایک دوسرے سے زوال و انفکاک نہ ہونے کے سبب غیریت بھی نہ ہو گی۔ مثلاً: باری تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات ہیں کہ دونوں کا مفہوم ایک نہ ہونے کی وجہ سے عینیت نہیں اور چونکہ دونوں ازلی ہیں عدم اور زوال دونوں کا محال ہے۔ لہٰذا ایک کا دوسرے سے زوال ممکن نہ ہونے کے سبب غیریت بھی نہیں لہٰذا صفات نہ عین ذات ہے نہ غیر ذات ہیں۔

اسی طرح صفات باری تعالیٰ میں سے ایک صفت کا دوسری صفت کے ساتھ معاملہ ہے کہ دونوں کا مفہوم ایک نہیں اور ازلی ہونے کے سبب ایک کا دوسرے سے زوال ممکن نہیں، لہٰذا کوئی صفت دوسری صفت کی عین ہو گی نہ غیر ہو گی۔

اسی طرح جزء اور کل کا معاملہ ہے کہ دونوں کا مفہوم ایک نہیں لہٰذا دونوں کے درمیان عینیت نہ ہو گی اور ایک دوسرے کے بغیر موجود نہیں ہو سکتا لہٰذا غیریت بھی نہیں ہو گی اور دونوں کا مفہوم ایک نہ ہونا تو ظاہر ہے کہ کیونکہ جزء کا مفہوم یہ ہے کہ جس سے کوئی چیز مرکب ہو اور کل کا مفہوم یہ ہے کہ جو دوسری چیزوں سے مرکب ہو، اور ایک کا دوسرے سے زوال و انفکاک ممکن نہ ہونے کی مثال واحد کا جو عشرہ کا جزء ہے کہ واحد جزء ہے عشرہ کا اور عشرہ اس کے لئے کل ہے اور واحد من العشرۃ یعنی واحد کا جو عشرہ کا جزء ہے عشرہ کے بغیر وجود محال ہے کیونکہ اگر عشرہ نہ رہے بلکہ اس میں سے مثلاً تین کم ہو جانے کی وجہ سے سبعہ رہ جائے، اگرچہ اس میں بھی واحد موجود ہے مگر یہ "واحد من العشرۃ" یعنی وہ واحد نہیں ہے جو عشرہ کا جزء تھا بلکہ یہ "واحد من السبعۃ" کہلائے گا اسہ طرح

عشرہ جو کل کل ہے اس کا وجود "واحد من العشرۃ" کے بغیر نہیں ہو سکتا کیونکہ واحد کے زوال و انفکاک سے عشرہ نہیں رہے گا بلکہ تسعہ رہ جائے گا۔ اسی طرح ہر جزء اور کل کا یہی حال ہے کہ ایک دوسرے سے زوال و انفکاک ممکن نہ ہونے کی وجہ سے ان کے درمیان غیریت نہیں۔ جس طرح دونوں کا مفہوم ایک نہ ہونے کی وجہ سے عینیت نہیں ہے۔

اوپر جس ذات اور اس کی صفات کے درمیان غیریت بمعنی امکان انفکاک کی نفی کی گئی تھی اس ذات سے ذات واجب اور ان کی صفات سے صفات واجب مراد تھیں، برخلاف ہماری ذات اور ہماری صفات کے کہ یہ چونکہ حادث ہیں ان پر زوال اور عدم طاری ہوتا ہے۔ مثلاً آج ہم صحت کے ساتھ متصف ہیں کل کو یہ صفت باقی نہیں رہتی ہم سے اس کا زوال اور انفکاک ہو جاتا ہے ہم بیمار ہو جاتے ہیں اس کے باوجود ہماری ذات موجود رہتی ہے، جب صفات مبینہ حادثہ کا اپنے موصوف ذات سے زوال اور انفکاک ممکن ہے تو پھر صفات حادثہ اپنے موصوف کا غیر ہوں گی۔

مشائخ اشاعرہ کی ذکر کردہ غیریت کی تفسیر پر اعتراض

سوال: اشاعرہ نے غیریت کی جو تفسیر کی ہے وہ معتزلہ کے نزدیک محل نظر ہے۔ معتزلہ کی طرف سے اس پر اعتراض وارد ہے کہ آپ نے غیریت کی تفسیر جو انفکاک سے کی ہے تو آپ کی مراد:

(۱) انفکاک من الجانبین ہے۔

(۲) یا جانب واحد سے انفکاک کافی ہے؟

اگر آپ کہیں کہ ہماری مراد انفکاک سے انفکاک من الجانبین ہے تو پھر جہاں جانبین سے انفکاک نہ ہو وہاں غیریت نہیں ہونی چاہیئے جیسے عالم اور صانع علم کہ صانع کا عالم سے انفکاک درست

ہے اور عالم کا صانع علم سے انفکاک محال ہے۔ اسی طرح محل کا عرض سے انفکاک درست ہے مگر عرض کا محل سے انفکاک درست نہیں جب آپ جانبین مراد لیتے ہو تو پھر مذکورہ دونوں مثالوں میں غیریت نہیں ہونی چاہیئے۔

اور اگر مراد غیریت سے یہ ہے کہ انفکاک من جانب واحد ہو تو پھر آپ کو کل اور جزاور اسی طرح ذات اور صفات کے درمیان مغایرت ثابت کرنا پڑے گی حالانکہ آپ یہاں مغایرت ثابت نہیں کرتے کیونکہ کل بغیر جز کے نہیں پایا جاتا مگر جز تو بغیر کل کے پایا جاتا ہے تو انفکاک من جانب واحد آیا اور اس کو آپ مغایرت کے لئے کافی سمجھتے ہیں لہٰذا ان کے درمیان مغایرت ثابت کرلو۔ ایسے ہی ذات اور صفات کے درمیان کہ ذات بغیر صفات کے پائی جاسکتی ہے مگر صفات بغیر ذات کے نہیں پائی جاسکتی تو انفکاک من جانب واحد آیا لہٰذا ان دونوں کے درمیان مغایرت کو ثابت کرلو۔

(اور ماسبق میں جزء اور کل کے درمیان غیریت بمعنی امکان انفکاک نہ ہونے کی مثال میں کہا تھا کہ جس طرح عشرہ کا بقاء بغیر واحد کے محال ہے اسی طرح **واحد من العشرہ** کا بقاء بغیر عشرہ کے محال ہے)۔

اور معتزلہ اس کو دفع کررہے ہیں کہ **واحد من العشرۃ** کا بقاء بغیر عشرہ کے محال ہونا فاسد ہے کیونکہ اگر عشرہ نہ رہے مثلاً تسعہ ہی رہ جائے تو تسعہ میں بھی واحد موجود ہے۔

اشاعرہ کی طرف سے معتزلہ کا جواب

جواب:

یہ ہے کہ ہمارا مقصد ان دونوں میں سے کوئی بھی نہیں بلکہ ہم تو یوں کہتے ہیں کہ غیریت کا مفہوم یہ ہے کہ دو چیزیں ایسی ہوں کہ ان میں سے ایک کا تصور دوسرے کے بغیر ممکن ہو خواہ نفس

الامر میں ان کا انفکاک نہ ہو لیکن تصور ایک کا دوسرے کے بغیر ہو جائے تو پھر اعتراض وارد نہ ہو گا۔ کیونکہ عالم اگرچہ نفس الامر میں صانع عالم سے منفک نہیں ہے لیکن بغیر صانع کے عالم کا تصور ہو سکتا ہے اور بارہا ایسا ہوتا ہے کہ عالم کا تصور ہمارے ذہن میں ہوتا ہے اور صانع کا نہیں ہوتا اور اگر عالم کے تصور سے صانع کا تصور بھی لازم آتا ہو تو پھر صانع عالم کے وجود پر دلائل پیش کرنا لغو فعل ہوتا حالانکہ اس کے اثبات پر دلائل پیش کئے جاتے ہیں لہٰذا عالم اور صانع کے درمیان ثابت ہو گئی۔

سوال:

اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر یہی بات ہے تو دس میں سے ایک کا تصور بھی بغیر دس کے ہو سکتا ہے اور واحد کے تصور کے بعد دس کو دلیل سے ثابت کیا جا سکتا ہے تو پھر واحد اور دس کو بھی غیر کہو حالانکہ آپ ان میں مغایرت کے قائل نہیں؟

جواب:

یہ ہے کہ دس میں ایک کا تصور بھی بغیر دس کے نہیں ہو سکتا اور دس کا تصور بھی ایک کے بغیر نہیں ہو سکتا کیونکہ یہاں پر وصف اضافت معتبر ہے یعنی وہ ایک جو دس میں ہے اور وہ دس جو کہ ایک بھی اس کا جز ہے لہٰذا اس تقریر سے معلوم ہوا کہ جز اور کل کے درمیان اور عالم اور صانع کے درمیان مغایرت ہے۔

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف سے اس جواب پر تین اعتراضات

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ جواب غلط ہے اس پر تین اعتراضات وارد ہیں:

(۱) اس جواب کی صورت میں مشائخ کے قول کی غلط ترجمانی ہو گی کیونکہ مشائخ اشاعرہ اس بات پر متفق ہیں کہ صفات باری تعالیٰ آپس میں مغایر نہیں اس لئے کہ سب ازلی ہیں اور غیریت کی اس تفسیر سے مغایرت لازم آتی ہے۔

(۲) اور اگر غیریت کی یہی تفسیر لی جائے تو عرض جزئی اور محل جزئی میں مغایرت نہیں ہونی چاہیئے کیونکہ کسی عرض جزئی کا تصور بغیر محل جزئی کے نہیں ہو سکتا تو غیریت نہ ہوئی حالانکہ عرض اور محل بالاتفاق مغایر ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ یہ تفسیر غلط ہے۔

(۳) اگر اضافت کا اعتبار کیا جائے جیسے واحد من العشرۃ تو اس میں دو خرابیاں لازم آتی ہیں پہلی خرابی یہ ہے کہ ہر دو متضائفین کے درمیان مغایرت نہ ہو کیونکہ ایک کا تصور دوسرے کے بغیر ممکن نہیں جیسے اب اور ابن یا جیسے علت اور معلول کہ ان سب کے درمیان علاقہ تضائف ہے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں بہر حال اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ان سب کے درمیان علاقہ تضائف ہے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں بہر حال اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اگر غیریت کی مذکورہ تعریف کی جائے تو اس سے یہ تمام خرابیاں لازم آتی ہیں لہٰذا یہ باطل ہے۔

صاحب مواقف کی طرف سے اشاعرہ کے قول "لاھو ولاغیرہ" کی ایک عمدہ توجیہہ

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اشاعرہ کی طرف سے غیریت کی ایک عمدہ توجیہ پیش کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ اجزاء محمولہ اور غیر محمولہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

صاحب مواقف نے اشاعرہ کے قول "لاھو ولاغیرہ" کی ایک ایسی توجیہ ذکر کی ہے جس سے ارتفاع نقیضین اور اجتماع نقیضین کے لزوم کا اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ انہوں نے مواقف میں جو کچھ کہا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ صفات ذات پر محمول ہوتی ہیں اور ذات ان کے لئے موضوع ہوتی ہے

اور موضوع اور محمول کے درمیان وجود خارجی کے اعتبار سے اتحاد یعنی خارج میں دونوں کا ایک ہی مصداق ہونا ضروری ہے تاکہ حمل درست ہو اور مفہوم کے اعتبار سے دونوں کا متغایر ہونا ضروری ہے تاکہ حمل مفید ہو۔ جیسے "الانسان کاتب" کہ موضوع اور محمول وجود خارجی میں متحد ہیں خارج میں جو ذات انسان کا مصداق ہے وہی کاتب کا مصداق ہے مگر مفہوم لغوی کے اعتبار سے اتحاد نہ ہونے کی وجہ سے یہ حمل درست ہے اور بر خلاف "الانسان انسان" کے کہ موضوع اور محمول کے درمیان مفہوم کے اعتبار سے مغایرت نہ ہونے کی وجہ سے یہ حمل مفید نہیں کیونکہ حمل کے مفید ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لفظ موضوع سے جو معنی سمجھ میں آتا ہے لفظ محمول سے اس سے زائد کوئی بات معلوم ہو اور یہاں ایسا نہیں ہے تو صاحب مواقف کا یہ کہنا ہے کہ جب صفات اپنے موصوف ذات پر محمول ہوتی ہیں اور محمول اپنے موضوع کا وجود خارجی میں عین اور مفہوم میں اس کا غیر ہوتا ہے تو ایسا کیوں نہیں ہو سکتا کہ اشاعرہ کی مراد "لا ھو ولا غیرہ" سے یہ ہو کہ صفات مفہوم کے اعتبار سے عین ذات نہیں بلکہ غیر ہیں اور وجود خارجی کے اعتبار سے غیر ذات نہیں بلکہ عین ہیں جس طرح ہر محمول اپنے موضوع کے مقابلہ میں اسی طرح ہوتا ہے۔ اس صورت میں عینیت اور غیریت کی جہتیں بدل جانے کی وجہ سے نہ ارتفاع نقیضین لازم آئے گا اور نہ اجتماع نقیضین۔

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توجیہ مذکورہ کی تردید

تردید کا حاصل یہ ہے کہ علم، قدرت، سمع، بصر وغیرہ صفات ہیں جو ذات پر محمول نہیں ہوتیں، چنانچہ "اللہ علم" یا "اللہ قدرت" نہیں کہا جاتا بلکہ ذات واجب پر محمول اسماء صفات عالم، قادر، سمیع و بصیر وغیرہ ہوتے ہیں، جو صفات سے مشتق ہیں، لہٰذا مذکورہ توجیہ اسماء صفات عالم، قادر وغیرہ کے بارے میں تو درست ہوگی صفات مثلاً علم، قدرت وغیرہ کے بارے میں یہ توجیہ درست نہیں ہوگی

حالانکہ اشاعرہ کا قول "ھی لا ھو و لا غیرہ" صفات کے بارے میں ہے نہ کہ اسماء صفات کے بارے میں۔

اور نہ اجزاء غیر محمولہ مثلاً واحد من العشرہ اپنے کل یعنی عشرہ پر اور ید زید اپنے کل یعنی زید پر محمول نہیں ہوتا، پس واحد من العشرہ اور اس کے کل عشرہ کے درمیان اسی طرح ید زید اور اس کے کل زید کے درمیان نہ عینیت ہے اور نہ غیریت ہے اس کے باوجود ان دونوں پر "لا ھو بحسب المفھوم و لا غیرہ بحسب الوجود" صادق نہیں ہے۔

واضح رہے کہ مرکبات کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ذہنیہ (۲) خارجیہ

مرکبات ذہنیہ کے اجزاء کا کل پر بھی حمل جائز ہے اور آپس میں اجزاء کے اندر بھی حمل جائز ہے جیسے "الانسان ناطق یا الانسان حیوان" ان کو اجزاء محمولہ کہتے ہیں مرکبات خارجیہ میں نہ تو کل کا جز پر حمل جائز ہے اور نہ اجزاء میں سے بعض کا بعض پر حمل جائز ہے لہٰذا نہیں کہہ سکتے کہ سیمنٹ مکان ہے یا لوہا کمرہ ہے۔ ان کو اجزاء غیر محلولہ کہتے ہیں۔

اب سمجھیے کہ ایک کا دس پر اور دس کا ایک پر حمل درست نہیں لہٰذا نہیں کہہ سکتے کہ ایک دس ہے یا دس ایک ہے کیونکہ یہ موجودات ذہنیہ میں سے نہیں ہے۔

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اپنے قول پر سند پیش کرنا:

یہاں علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مقصود اپنی بات پر شیخ ابو المعین کے قول سے سند پیش کرنا ہے۔

ابھی ما سبق میں کہا تھا کہ اجزاء غیر محلولہ نہ اپنے کل کا عین ہیں اور نہ ان کا غیر ہیں اس کے باوجود صاحب مواقف کی توجیہ "لا ھو بحسب المفھوم ولا غیرہ بحسب الوجود" صادق نہیں ہے اور اب اجزاء غیر محلولہ کا اپنے کل کا غیر نہ ہونے پر شیخ ابوالمعین کے قول سے سند پیش کر رہے ہیں شیخ ابوالمعین نے اپنی کتاب تبصرہ میں ذکر کیا ہے کہ واحد من العشرہ کا عشرہ کے غیر ہونے کا اور ید زید کے زید کے غیر ہونے کا متکلمین میں سے کوئی بھی قائل نہیں ہے حتیٰ کہ معتزلہ بھی اس کے قائل نہیں، صرف جعفر بن حارث معتزلی اس کا قائل ہے جس پر تمام معتزلہ نے اس کی مذمت کی ہے اور اس کی اس بات کو اس کی جہالت پر محمول کیا ہے اس لئے کہ عشرہ ان تمام افراد اور کارروائیوں پر صادق آئے گا کہ وہ باقی نو اکائیوں کے ساتھ مل کر عشرہ ہے پس اگر واحد من العشرہ عشرہ کا غیر ہو گا تو چونکہ اس عشرہ میں خود بھی داخل ہے اس لئے اپنا بھی غیر ہو گا، نیز جب واحد اور عشرہ میں مغایرت ہو گی در آن حالیکہ شی اپنی مغایر کے بغیر پائی جاتی ہے تو عشرہ کا بدوں واحد کے پایا جانا لازم آئے گا۔ اسی طرح اگر ید زید غیر زید ہو گا تو اپنا بھی غیر ہونا لازم آ جائے گا کیونکہ زید میں وہ بھی داخل ہے اور "مغایرۃ الشی لنفسہ" باطل ہے۔ کیونکہ شی کا کسی چیز میں داخل ہونا عدم مغایرت پر دلالت نہیں کرتا نیز عشرہ تمام آحاد کے مجموعہ کا نام ہے ہر واحد کو عشرہ نہیں کہیں گے۔[127]

خلاصہ

[127] (اشرف الفوائد شرح شرح العقائد ا، نسفی، ص ۲۵۳، ۲۹۶)

یہ ہے کہ ایک کے دوسرے کے عین ہونے کا مطلب ہے کہ دونوں مفہوموں کا مصداق ہر اعتبار سے ایک ہی ہو اور ہر ایک کے دوسرے کے غیر ہونے کا مطلب ہے ان میں سے ایک دوسرے کے بغیر موجود ہو سکتا ہے۔

اس تفسیر کے مطابق ذات حق اور صفات میں نہ عینیت ہوئی نہ غیریت ہوئی۔ عینیت تو اس لئے نہ ہوئی کہ اس کے معنی ہیں دو چیزوں کا بالکل ایک ہونا اور چونکہ صفات، ذات پر زائد ہوتی ہیں تو دونوں کا مصداق تمام اعتبارات سے ایک نہ ہو لہٰذا صفات الٰہی ذات الٰہی کا عین نہ ہوئیں۔

اور غیریت اس لئے نہ ہوئی کہ یہاں ذات اور صفات دونوں میں سے ایک چیز بھی ایسی نہیں کہ دوسرے کے بغیر اس کا پایا جانا ممکن ہو۔ صفات تو ذات کے بغیر اس لئے موجود نہیں ہو سکتیں کہ صفات تابع ہوتی ہیں اور ذات متبوع ہوتی ہے اور تابع کا وجود متبوع کے بغیر محال ہے۔ اور ذات صفات کے بغیر اس لئے نہیں پائی جاسکتی کہ ذات الٰہی کا صفات کمال سے خالی ہونا لازم آتا ہے اور وہ محال ہے لہٰذا ایک دوسرے کے لئے لازم ہوا۔ اس لئے غیریت بھی نہ ہوئی۔ [128]

الصِّفَةُ لَا عَيْنُ الْمَوْصُوفِ وَلَا غَيْرُهُ. وهَذَا لَهُ مَعْنًى صَحِيحٌ، وَهُوَ: أَنَّ الصِّفَةَ لَيْسَتْ عَيْنَ ذَاتِ الْمَوْصُوفِ الَّتِي يَفْرِضُهَا الذِّهْنُ مُجَرَّدَةً بَلْ هِيَ غَيْرُهَا، وَلَيْسَتْ غَيْرَ الْمَوْصُوفِ، بَلِ الْمَوْصُوفُ بِصِفَاتِهِ وَاحِدٌ غَيْرُ مُتَعَدِّدٍ۔ [129]

"وهی لا هو ولا غیره یعنی ان صفات اللّٰہ تعالیٰ لیست عین الذات ولا غیر الذات فلا یلزم قدم الغیر ولا تکثر القدماء تفریع علی عدم المغایرة"۔ [130]

---

128 (اسلامی عقائد، مفتی عبد الواحد صاحب، ص ۲۲)

129 (شرح الطحاوية في العقيدة السلفية، ج ۱، ص ۴۹)

130 (نبراس، ص ۱۲۸)

صفات خداوندی ذات باری تعالیٰ کے ساتھ ایسی نسبت رکھتی ہیں کہ ان کو نہ عین ذات کہہ سکتے ہیں اور نہ غیر ذات جیسا کہ نور کو نہ آفتاب کا عین کہہ سکتے ہیں نہ غیر بلکہ یہ کہیں گے کہ آفتاب تو معدن نور اور منبع ضیاء کا نام ہے اور نور اس کے لئے لازم ہے جیسا کہ چار کے لئے زوجیت اور پانچ کے لئے فردیت اسی طرح صفات خداوندی ذات باری تعالیٰ کے لئے لازم ذات ہیں کہ ان صفات اور کمالات کا ذات خداوندی سے جدا ہونا ناممکن اور محال ہے۔

یہی تمام اہل سنت والجماعت، اشاعرہ اور ماتریدیہ کا مسلک ہے کہ صفات خداوندی لازم ہیں اور اسی کو امام ربانی شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مکتوبات میں اختیار فرمایا ہے اور حکماء اور صوفیہ جو عینیت کے قائل ہوئے ان کا شدومد کے ساتھ رد کیا ہے۔[131]

تنبیہ

یہ بات بھی ذہن نشین ہونی چاہیئے کہ اگر صفات میں عینیت کا لفظ آجائے تو اس سے عینیت حکمی مراد ہوتا ہے اور اگر غیریت کا لفظ آجائے تو مراد غیریت منطقی ہوتا ہے۔**فافهم۔**

(حضرت مولانا سجاد الحجابی دامت برکاتہم العالیہ)

اللہ تعالیٰ کی صفات میں ترتیب نہیں ہے

یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں ترتیب زمانی نہیں ہے (البتہ سمجھنے کے طور پر ترتیب عقلی ہو سکتی ہے) یعنی یہ کہنا درست نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی فلاں صفت (زمانہ کے اعتبار سے) پہلے ہے اور فلاں صفت بعد میں۔ اس کی تمام صفات ازلی اور قدیم ہیں۔ یہ کہنا درست نہیں کہ اس کا

---

131 (علم الکلام، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ص ۱۷۲، ۱۷۳)

علم اس کی قدرت سے پہلے ہے اس کی قدرت اس کے علم کے بعد ہے یا اس کی حیات اس کے علم سے پہلے ہے۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ سے حی اور علیم اور قدیر ہے۔[132]

اب تک صرف اتنی بات معلوم ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کی بہت ساری صفات ہیں اب ان کی تفصیل بیان کی جارہی ہے۔ اشاعرہ کے نزدیک باری تعالیٰ کی صفات سات ہیں:

(۱) حیات (۲) علم (۳) قدرت (۴) سمع

(۵) بصر (۶) ارادہ (۷) کلام

اور ماتریدیہ کے نزدیک صفات حقیقیہ کی تعداد آٹھ ہے، جن میں سات تو وہی مذکورہ صفات ہیں اور آٹھویں صفت (۸) ''تکوین'' ہے۔ ان سات یا آٹھ کا نام صفات ذاتیہ ہے، ان کے علاوہ کو صفات افعال کہا جاتا ہے۔ اشاعرہ کہتے ہیں کہ تکوین مستقل صفت نہیں جبکہ ماتریدیہ صفت تکوین کو مستقل صفت مانتے ہیں۔

ا۔ صفت حیات

پس ضروری ہے کہ باری تعالیٰ میں صفت حیات اس درجہ کامل اور اکمل ہو کہ واہمہ موت سے بھی پاک ہو اور تمام عالم کی حیات اسی کی حیات کا پرتو اور فیض ہو حیات اس کے لئے ذاتی اور اصلی اور

132 (اسلامی عقائد، ص ۲۱)

خانہ زاد ہو اور کیوں نہ ہو اس لئے کہ ایسے بدیع عالم کا ایک میت اور جماد سے صادر ہونا عقل محال سمجھتی ہے اور باقی عالم کی حیات اسی کی بخشش اور عطا کر ثمرہ ہے۔

كماقال الله تعالىٰ: اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ (البقرة ٢٥٥)

ترجمہ: اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ آپ زندہ اور اوروں کا قائم رکھنے والا۔

وقال اللّٰہ تعالیٰ: الَّذِي أَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ (الحج ٦٦)

ترجمہ: جس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں جِلائے گا۔

(علم الکلام مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

وقال اللّٰہ تعالیٰ: الم (١) اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ (آل عمران ٢)

ترجمہ: الم اللہ ہے جس کے سوا کسی کی پوجا نہیں (ف ۲) آپ زندہ اوروں کا قائم رکھنے والا۔

وقال اللّٰہ تعالیٰ: هُوَ الْحَيُّ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ (الغافر ٦٥)

ترجمہ: وہی زندہ ہے اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں۔

وقال اللّٰہ تعالیٰ: وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ (الفرقان ٥٨)

ترجمہ: اور بھروسہ کرو اس زندہ پر جو کبھی نہ مرے گا۔

وقال اللّٰہ تعالیٰ: وَعَنَتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ (طٰہٰ ١١١)

ترجمہ: اور سب منہ جھک جائیں گے اس زندہ قائم رکھنے والے کے حضور۔

عن ابن عباس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يقول: اللهم لك أسلمت وبك آمنت وعليك توكلت وإليك أنبت وبك خاصمت أعوذ بك لا إله إلا أنت أن تضلني أنت الحي الذي لا يموت والجن والإنس يموتون۔[133]

۲۔ صفت علم

[133] (صحیح ابن حبان، ج ۳، ص ۱۸۰)

اللہ تعالیٰ علم والا ہے جس سے آسمانوں اور زمین میں کوئی ذرہ پوشیدہ نہیں ہے۔

بروعلم یک ذرہ پوشیدہ نیست

کہ پیدا و پنہاں بہ نزدش یکے ست

اس سے ایک ذرہ کا علم بھی پوشیدہ نہیں ہے کیونکہ کھلی اور چھپی چیزیں اس کے لئے یکساں ہیں۔

لہٰذا جو کچھ ہو رہا ہے اور ہوا ہے اور ہو گا ان سب باتوں کو پوری تفصیلات کے ساتھ ازل ہی میں جان لیا تھا کہ فلاں وقت فلاں شخص یہ کام کرے گا اور فلاں وقت میں یہ کچھ ہو گا یہاں تک کہ اگر ساتویں آسمان پر یا تحت الثرٰی میں مچھر اپنے پر کو ہلائے یا کوئی شخص اپنے دل میں کسی طرح کا وسوسہ لائے وہ بھی اس کو معلوم ہے۔[134]

اور وہ کیوں عالم نہ ہو جب اسی نے تمام عالم کو پیدا کیا اور وہی اس کو باقی رکھتا ہے اور وہی اس کی تربیت کرتا ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ ان چیزوں کا جاننے والا نہ ہو کسی شئی کو وجود دینا یا اس کو باقی رکھنا یا اس کی تربیت کرتے رہنا بغیر علم کے محال ہے۔

(علم الکلام مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

(۱) اللہ تعالیٰ علیم کل ہے

کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ (آل عمران ۵)

ترجمہ: اللہ پر کچھ چھپا نہیں زمین میں نہ آسمان میں۔

134 (اسلامی عقائد، ص ۲۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمَاوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُونَ (الانعام ٣)

ترجمہ: اور وہی اللہ ہے آسمانوں کا اور زمین کا اسے تمہارا چھپا اور ظاہر سب معلوم ہے اور تمہارے کام جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ (الانعام ٧٣)

ترجمہ: ہر چھپے اور ظاہر کا جاننے والا اور وہی ہے حکمت والا خبر دار۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ (٦٩) وَهُوَ اللّٰهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (القصص ٧٠)

ترجمہ: اور تمہارا رب جانتا ہے جو اُن کے سینوں میں چھپا ہے اور جو ظاہر کرتے ہیں۔ اور وہی ہے اللہ کہ کوئی خدا نہیں اُس کے سوا اسی کی تعریف ہے دنیا اور آخرت میں اور اسی کا حکم ہے اور اُسی کی طرف پھر جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ (یونس ٦١)

ترجمہ: کوئی کام کرو ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں جب تم اس کو شروع کرتے ہو اور تمہارے رب سے ذرّہ بھر کوئی چیز غائب نہیں زمین میں نہ آسمان میں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِذَا سَأَلَکَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ (البقرة ۱۸۶)

ترجمہ: اور اے محبوب جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (ق ۱٦)

ترجمہ: اور بے شک ہم نے آدمی کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں جو وسوسہ اس کا نفس ڈالتا ہے اور ہم دل کی رگ سے بھی اس سے زیادہ نزدیک ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَى مِنْ ذَلِکَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (مجادلة ۷)

ترجمہ: جہاں کہیں تین شخصوں کی سرگوشی ہو تو چوتھا وہ موجود ہے اور پانچ کی تو چھٹا وہ اور نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ کی مگر یہ کہ وہ ان کے ساتھ ہے جہاں کہیں ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ (النساء ۱۰۸)

ترجمہ: آدمیوں سے چھپتے ہیں اور اللہ سے نہیں چھپتے اور اللہ ان کے پاس ہے۔

خلاصہ

(۲) اللہ ظاہر و باطن، خفی و جلی اور عیاں و نہاں سب جانتا ہے

(۱) أَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّونَ وَمَا یُعْلِنُونَ (البقرۃ ۷۷)

(۲) وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تُسِرُّونَ وَمَا تُعْلِنُونَ (النحل ۱۹)

(۳) إِنَّہُ یَعْلَمُ الْجَھْرَ وَمَا یَخْفٰی (الاعلیٰ ۷)

(۴) وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَکْتُمُونَ (المائدۃ ۹۹)

(۵) إِنَّہُ یَعْلَمُ الْجَھْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَیَعْلَمُ مَا تَکْتُمُونَ (الانبیاء ۱۱۰)

(۶) یَعْلَمُ سِرَّکُمْ وَجَھْرَکُمْ وَیَعْلَمُ مَا تَکْسِبُونَ (الانعام ۳)

(۳) تمہارا پروردگار تم سب کا حال خوب جانتا ہے

(۱) رَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِکُمْ (بنی اسرائیل ۵۴)

(۲) قَدْ یَعْلَمُ مَا اَنْتُمْ عَلَیْہِ (النور ۶۴)

(۳) وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِکُمْ (النساء ۲۵)

(۴) اِنَّ رَبِّیْ بِکَیْدِھِنَّ عَلِیْمٌ (یوسف ۵۰)

(۵) وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مُتَقَلَّبَکُمْ وَمَثْوٰىکُمْ (محمد ۱۹)

(۶) وَکَانَ اللّٰہُ بِھِمْ عَلِیْمًا (النساء ۳۹)

(۴) اللہ تعالیٰ اگلے پچھلے سب حساب جانتا ہے

(۱) یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ (البقرۃ ۲۵۵)

(۲) قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی (۵۱) قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ کِتٰبٍ لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَ لَا یَنْسَی (طٰہٰ ۵۲)

(۳) وَ اللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ (البقرۃ ۲۳۴)

(۴) وَ اللّٰہُ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (آل عمران ۱۵۳)

(۵) اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا یَصْنَعُوْنَ (۳۰)

(۶) اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا (النساء ۹۴)

(۵) اللّٰہ تعالیٰ کو اپنے بندوں اور ان کے گناہوں کی خبر ہے

(۱) اِنَّہٗ کَانَ بِعِبَادِہٖ خَبِیْرًا بَصِیْرًا (بنی اسرائیل ۳۰)

(۲) وَ کَفٰی بِرَبِّکَ بِذُنُوْبِ عِبَادِہٖ خَبِیْرًا بَصِیْرًا (بنی اسرائیل ۱۷)

(۳) وَ کَفٰی بِہٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِہٖ خَبِیْرَا (الفرقان ۵۸)

(۶) اللّٰہ تعالیٰ کسی کے اعمال سے بے خبر نہیں

(۱) وَ مَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (البقرۃ ۷۴)

(۲) وَ مَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُوْنَ (البقرۃ ۱۴۴)

(۳) وَ مَا رَبُّکَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (ھود ۱۲۳)

(۴) وَ لَا تَحْسَبَنَّ اللّٰہَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ (ابراھیم ۴۲)

(۵) وَ اللّٰہُ عَلِیْمٌ بِالْمُتَّقِیْنَ (آل عمران ۱۱۵)

(۶) ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی (النجم ۳۲)

(۷) وَ اللّٰہُ عَلِیْمٌ بِالظّٰلِمِیْنَ (البقرۃ ۹۵)

(۸) فَاِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ بِالْمُفْسِدِیْنَ (آل عمران ۶۳)

(۹) اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ مَنْ یَّضِلُّ عَنْ سَبِیْلِہٖ وَ ھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ (الانعام ۱۱۷)

(۱۰) اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِیْنَ (الانعام ۱۱۹)

(۷) اللہ تعالیٰ سب اعمال خیر کو جانتا ہے

(۱) وَمَاتَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِيْمٌ (البقرۃ ۲۱۵)

(۲) وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ يَعْلَمُهٗ (البقرۃ ۲۷۰)

(۸) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے

(۱) يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (الحج ۷۰)

(۲) وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (بنی اسرائل ۵۵)

(۳) قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (الانبیاء ۴)

(۴) وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰہِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ (ابراھیم ۳۸)

(۵) يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الفرقان ۶)

(۶) يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا (سبا ۲)

ترجمہ: جانتا ہے جو کچھ زمین میں جاتا ہے اور جو زمین سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے اُترتا ہے اور جو اس میں چڑھتا ہے۔

مختصر انداز محض دو الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت علم کو جو بیان فرمایا ہے، اس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

(۱) وَاسِعٌ عَلِيْمٌ کا ارشاد کریم قرآن کریم میں تقریباً ۷ مقامات پر ہے۔

(۲) علیم حکیم یا علیماً حکیماً یا العلیم الحکیم یا حکیم علیم یا علیم خبیر یا الحکیم العلیم یا الحکیم الخبیر یا حکیم خبیر کم و بیش ۴۰ مقامات پر ہے۔

(۳) علیم قدیر یا العلیم القدیر یا العزیز العلیم یا الاخلاق العلیم یا علیم حلیم یا علیما حلیما یا شاکرا علیما یا لطیف خبیر۔ وغیرہ ۹ مقامات پر ہے۔

(۴)**سمیع علیم** یا **السمیع العلیم** کم و بیش ۲۸ مقامات پر ہے۔

میزان: ۹۴ بار[135]

(۹) اللہ تعالیٰ کو ذرے ذرے کا علم ہے

بہر حال اللہ تعالیٰ کے علیم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کائنات کے ذرے ذرے کا علم ہے اس کائنات میں جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ قیامت تک ہو گا اور جو کچھ قیامت کے بعد ابد الابد تک ہو گا اللہ تعالیٰ کو ان سارے حالات کا تفصیلی علم پہلے سے حاصل ہے ابھی تک یہ حالات و واقعات دنیا میں پیش بھی نہیں آئے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کو رونما ہونے سے پہلے بھی اسی طرح تفصیلاً جانتے تھے جس طرح رونما ہونے کے بعد جانتے ہیں۔

پہلی مثال

ایک درخت کے پتے انسان شمار نہیں کر سکتا پھر ایک باغ میں جتنے درخت ہوتے ہیں ان تمام درختوں کے پتوں کو کمپیوٹر کے ذریعے شمار نہیں کیا جا سکتا پھر پوری دنیا میں جتنے باغ ہیں مختلف قسم کے پھلوں کے الگ الگ باغ ہیں ان کے درختوں کی تعداد کتنی ہو گی اور ان درختوں کے پتوں کی تعداد کتنی ہو گی اسی طرح پوری دنیا میں کتنے جنگل ہیں ہر ہر جنگل میں کتنے کتنے درخت ہیں ان درختوں کی تعداد کتنی ہو گی اور پھر ان درختوں کے پتوں کی تعداد سوچیں، میرے دوستو! دماغ انسانی فیل ہو جائے گا، انسانی دماغ کا بنایا ہوا کمپیوٹر فیل ہو جائے گا سوچیں ان تمام درختوں کی شاخوں پر لگنے والا کوئی بھی پتہ جب حرکت کر رہا ہوتا ہے تو اس کی حرکت کو اللہ تعالیٰ جان رہے ہوتے ہیں، ان تمام

135(توحید اور شرک کی حقیقت، ص ۱۷۵، ۱۷۹)

درختوں کے پتوں میں سے جب کوئی پتہ زمین پر گرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اور اس کے گرنے کو جانتا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَمَا تَسۡقُطُ مِن وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعۡلَمُهَا (الانعام ۵۹)

اور جو پتا گرتا ہے وہ اسے جانتا ہے۔

میرے دوستو! پتے کا گرنا یہ اس کی آخری اور انتہائی حالت کو بیان کیا اور اشارہ کر دیا کہ پیدا ہونے سے لے کر خشک ہو کر گرنے تک اس پتے پر جتنے دور اور حالات گزرتے ہیں وہ سارے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتے ہیں۔ اندازہ کریں اللہ تعالیٰ کے علم کی کتنی وسعت ہو گی۔

دوسری مثال

پوری دنیامیں گندم اور جوار اور چاولوں کے کتنے کھیت ہوں گے اور ان کھیتوں میں کتنے پودے ہوں گے اندازہ کریں کہ انسان صرف ایک کھیت کے پودے نہیں گن سکتا پوری دنیا کے کھیتوں کی تعداد کتنی ہو گی ان کھیتوں کے درمیان میں اگنے والے پودوں کی تعداد کتنی ہو گی اور ان پودوں کے زمین میں چھپے ہوئے بیجوں کی تعداد کتنی ہو گی اندازہ کریں ان دانوں میں سے کوئی بھی دانہ زمین کی تاریکی میں چھپا ہوا ایسا نہیں ہوتا جس کو اللہ تعالیٰ نہ جانتے ہوں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا حَبَّةٍ فِيۡ ظُلُمٰتِ الۡاَرۡضِ وَلَا رَطۡبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيۡ كِتٰبٍ مُّبِيۡنٍ (الانعام ۵۹)

اور کوئی دانہ نہیں زمین کی اندھیریوں میں اور نہ کوئی تر اور نہ خشک جو ایک روشن کتاب میں لکھا نہ ہو۔

سبحان اللہ! اندازہ کریں اللہ تعالیٰ کیسے وسیع علم والے ہیں۔

تیسری مثال

ایک بالشت زمین میں ریت کے کتنے ذرات ہوں گے۔ صرف ایک بالشت زمین کے دوران کو سارے انسان مل کر شمار کرنا شروع کر دیں تو انسانی دماغ فیل ہو جائیں گے اور انسانی دماغ کے بنائے ہوئے کمپیوٹر فیل ہو جائیں گے مگر ایک بالشت زمین کے ریت کے ذرات شمار کرنے میں نہیں آئیں گے، پھر پوری دنیا میں کتنی زمین ہو گی اور اس پوری زمین کے ریت کے ذرات اور دانے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتے ہیں۔ ان دانوں میں سے کوئی دانہ اور ریت کے ان ذرات میں سے کوئی ذرہ جب بھی حرکت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو جان رہے ہوتے ہیں۔

چوتھی مثال

ایک جانور کے بدن اور جسم پر کتنے بال ہوتے ہیں ان کو شمار کرنا مخلوق کے بس سے باہر ہے پھر پوری دنیا میں کتنے جانور ہیں شہروں میں رہنے والے پالتو جانور اور جنگلوں میں رہنے والے شکاری جانوروں کے بدن پر کتنے بال ہوں گے سارے انسان اور جنات اور انسانوں کے بنائے ہوئے کمپیوٹر مل کر بھی ان بالوں کی تعداد کا اندازہ نہیں کر سکتے پھر ان میں بعض جانور اون والے ہوتے ہیں جن کے بدن پر بال زیادہ ہوتے ہیں۔

پوری دنیا میں جتنے جانور ہیں ان تمام جانوروں کے بدن پر جتنے بال ہوتے ہیں ان تمام بالوں میں سے ہر ہر بال کو پیدا ہونے سے لے کر اس کے گرنے تک کے سارے حالات سمیت اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، اندازہ کریں کہ اللہ تعالیٰ کی وسعت علم کا اور یہ کوئی مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہے۔

مشہور حدیث آپ نے یقیناً سنی ہو گی کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انسان جو قربانی کا جانور ذبح کرتا ہے اس جانور کے بدن پر جتنے بال ہوتے ہیں ان میں سے ہر ہر بال کے بدلے میں انسان کے نامہ

اعمال میں ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ کیا اون والے جانوروں کے بالوں کا بھی یہی حکم ہے کہ ان کے ہر ہر بال کے بدلے میں قربانی کرنے والے کو ایک ایک نیکی ملے گی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہاں اون والے جانوروں کا بھی یہی حکم ہے۔ یعنی ان کے ہر ہر بال کے بدلے میں بھی قربانی کرنے والے کو ایک ایک نیکی ملے گی اب میرے دوستو! اندازہ کریں ہر سال پورے عالم اسلام میں کتنے جانور ذبح ہوتے ہوں گے صرف حرم میں ہی حاجی صاحبان لاکھوں جانور ذبح کرتے ہیں اور ہر ہر بال کے بدلے میں ان تمام قربانی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ ایک ایک نیکی عطا فرماتے ہیں اور ان کے نامہ اعمال میں فرشتے لکھ بھی دیتے ہیں۔ تو کیا جانے بغیر ہی ان بالوں کے بدلے میں قربانی کرنے والوں کو نیکیاں عطاء فرمارہے ہیں؟۔

درختوں کے پتے، غلے اور اناج کے دانے، ریت کے ذرات اور جانوروں کے بال یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے تو کیا وہ اپنی پیدا کی ہوئی چیز کو بھی نہ جانے گا؟۔ سورۃ الملک میں یہی بات ارشاد فرمائی: اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَ هُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ (الملک ۱۴) کیا وہ نہ جانے جس نے پیدا کیا اور وہی ہے ہر باریکی جانتا خبردار۔

پانچویں مثال

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بڑے علم عطاء فرمائے ہیں ایک نبی کو اللہ تعالیٰ نے اتنا زیادہ علم عطاء فرمایا ہوا ہے کہ ساری کائنات کے انسانوں کے علم کو نبی کے علم کے مقابلے میں اتنی نسبت بھی حاصل نہیں ہوئی جتنی ایک قطرے کو سمندر کے مقابلے میں حاصل ہوتی ہے پھر انبیاء علیہم السلام میں سے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ علم عطاء فرمایا ہے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اؤتیست علم الاولین والآخرین۔ مجھے پہلوں کے بھی علم عطاء ہوئے اور پچھلوں کے بھی علم عطاء ہوئے آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کے انسانوں کا علم، انبیاء علیہم السلام کا بھی علم جمع کیا جائے تو سرکار دوعالم ﷺ کے علم کے مقابلے میں اتنی حیثیت بھی حاصل نہ ہو گی جتنی قطرے کو سمندر کے مقابلے میں حاصل ہو۔ اور یہ بالکل حقیقت ہے کوئی مبالغہ نہیں میرے دوستو! تئیس سال کے قلیل عرصے میں آپ ﷺ نے ارشادات کی شکل میں اپنے علوم کا جو تھوڑا سا ذرہ ظاہر فرمایا تھا وہ ایسا سمندر ہے جس کی تہ میں علم کے موتیوں اور مسائل کا اتنا وسیع خزانہ ہے کہ چودہ سو سال کا زمانہ گزر چکا علماء فقہاء اسی خزانے میں سے موتی نکال دیتے ہیں مسائل کا استنباط کرتے ہیں اور محدثین ان ارشادات کی شرح فرمارہے ہیں۔ بیان بھی کر رہے ہیں اور لکھ بھی رہے ہیں کتب خانوں کے کتب خانے تیار ہو چکے مگر وہ خزانہ اب تک ختم ہونے کا نام نہیں لے رہاہے۔ اور ان شاء اللہ قیامت تک ختم نہیں ہو گا۔

اس سے اندازہ کریں کہ جس دریا کے ایک قطرے کا یہ حال ہے اس دریا کی اپنی موجوں کی کیا کیفیت ہو گی؟ سرکار دوعالم ﷺ کے سینے میں آپ کے قلب اطہر میں جو علوم کا دریا موجزن ہے اس کی وسعت کا کچھ اندازہ لگ سکتا ہے مگر اتنی وسعت علمی کے باوجود ساری کائنات کے تمام انسانوں کا علم بھی، تمام فرشتوں کا علم بھی، جنات کا علم بھی اور تمام انبیاء علیہم السلام کا علم بھی اور سرکار دوعالم ﷺ کا علم بھی جمع کیا جائے تو ان سارے علوم کو اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں اتنی نسبت بھی حاصل نہ ہو گی جتنی قطرے کو سمندر کے مقابلے میں حاصل ہے۔

اس لئے کہ قطرہ بھی محدود ہے اور سمندر بھی اپنی وسعت کے باوجود محدود ہے لیکن ساری کائنات کا علم محدود ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم غیر محدود ہے۔ کہ اس کی معلومات غیر محدود ہیں تو محدود

کو غیر محدود سے کیا نسبت ہو سکتی ہے اور یہ مضمون خود حدیث سے ثابت ہے۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ بنی اسرائیل کے مجمع میں وعظ فرمایا، تقریر فرمائی اور تقریر ایسی عجیب و غریب تی کہ موسیٰ علیہ السلام نے علوم کے دریا بہا دیئے۔ پیغمبر کا علم اور پیغمبر کا انداز بیان تھا لوگ بڑے متاثر ہوئے۔ ایک آدمی نے کھڑے ہو کر موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا: اے موسیٰ علیہ السلام اس وقت دنیا میں آپ سے بھی بڑا کوئی عالم موجود ہے؟ تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: نہیں۔ یعنی اس وقت پوری دنیا میں شریعت کا علم سب سے زیادہ موسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھا، لیکن جواب کا انداز اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آیا۔ پیغمبر علیہم السلام چونکہ بارگاہ الٰہی میں مقرب ہوتے ہیں، ان کی معمولی بات پر بھی پکڑ آجاتی ہے، تو موسیٰ علیہ السلام کے جواب کا انداز اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس کا جواب بجائے اللہ تعالیٰ کے علم کے سپرد کرنے کے اور بجائے اللہ اعلم کہنے کے یوں ارشاد فرمایا۔ اور وحی آئی کہ مجمع البحرین کے مقام پر ہمارا ایک بندہ رہتا ہے وہ آپ سے زیادہ علم والا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے پتہ پوچھا، پتہ بتادیا گیا، موسیٰ علیہ السلام سفر کر کے وہاں تک پہنچے تو حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی ان کے پاس علم حاصل کرنے کے لئے ٹھہر گئے۔

ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام دونوں کشتی پر سوار ہو کر جارہے تھے کہ ایک چڑیا آئی اور کشتی کے تختے پر آکر بیٹھ گئی اور اپنی چونچ میں پانی کا ایک قطرہ لیا اور اُڑ گئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام یہ منظر دیکھ رہے تھے، حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو متوجہ کر کے ارشاد فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام تیرا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں اتنی حیثیت بھی نہیں رکھتا جتنی حیثیت اس چڑیا کی چونچ والے قطرے کو باقی سمندر کے مقابلے میں حاصل ہے۔ یہ اس لئے کہ قطرہ بھی محدود ہے اور سمندر بھی اپنی وسعت کے باوجود

محدود ہے۔ لیکن ساری کائنات کے انسانوں کا علم، فرشتوں کا علم اور جنات کا علم محدود ہے مگر اللہ تعالیٰ کا علم غیر محدود ہے تو محدود کو غیر محدود سے کیا نسبت ہو سکتی ہے، بڑے سے بڑے علم والے کو کہیں نہ کہیں یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ بات مجھے نہیں معلوم باقی کو چھوڑیں۔

خود سرور دو عالم ﷺ کے پاس جبرائیل علیہ السلام انسانی شکل میں آئے اور آکر سوالات کیئے ایمان کے بارے میں، اسلام کے بارے میں اور احسان کے بارے میں آپ ﷺ نے سب کے جوابات دے دیئے آخر میں جبرائیل علیہ السلام نے پوچھا "ومتی الساعة یا رسول اللہ ﷺ" اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ﷺ بتائیں قیامت کب آئے گی تو سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا "ما المسول عنها بأعلم من السائل" پوچھا ہوا قیامت کے بارے میں پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا یعنی جس طرح تجھے قیامت کے آنے کا وقت معلوم نہیں اسی طرح مجھے بھی معلوم نہیں، دیکھا آپ سرکار دو عالم ﷺ کا علم کتنا وسیع تھا مگر وہ بھی ایک حد پر جاکر ٹھہر گیا آپ کو یہ فرمانا پڑا کہ یہ بات مجھے معلوم نہیں۔

اسی طرح ایک آدمی سرکار دوعالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ﷺ بتائیں کہ دنیا میں سب سے بہترین جگہ کون سی ہے اور سب سے بدترین جگہ کون سی ہے؟ تو فرمایا مجھے معلوم نہیں، جبرئیل امین علیہ السلام آئیں گے تو پوچھ کر بتاؤں گا، چنانچہ جبرئیل امین علیہ السلام آئے آپ ﷺ نے ان سے یہی سوال فرمایا، جبرئیل امین علیہ السلام نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ یہ بات تو مجھے بھی معلوم نہیں ہے اللہ تعالیٰ سے پوچھ کر آؤں گا تو آپ ﷺ کو آکر بتاؤں گا، تمام فرشتوں کا سردار فرشتہ اور تمام انبیاء علیہم السلام پر وحی لانے والا معزز فرشتہ بھی کہہ رہا ہے کہ یہ بات مجھے معلوم نہیں اس کو علم کی حد کہتے ہیں، چنانچہ جبرئیل امین علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے

جا کر یہ بات پوچھی تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا سب سے بہترین جگہ مساجد ہیں اور سب سے بدترین جگہ بازار ہیں۔

جبرئیل امین علیہ السلام نے یہی جواب آکر آپ ﷺ کو بتادیا اور عرض کیا کہ آج چونکہ میں آپ کا قاصد بن کر گیا آپ کے قاصد ہونے کی برکت سے اللہ تعالیٰ سے مجھے اتنا زیادہ قرب نصیب ہوا کہ اس سے پہلے کبھی بھی اس سے زیادہ قرب نصیب نہیں ہوا تھا۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جبرئیل علیہ السلام کتنا قرب نصیب ہوا؟ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں آج اللہ تعالیٰ کے اتنا قریب ہوا کہ میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان صرف ستر ہزار نورانی حجاب حائل تھے۔

بہر حال میرے دوستو! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ تمام انسانوں اور فرشتوں اور جنات کے علوم محدود ہیں کسی نہ کسی حد پر جاکر ان کی انتہاء ہو جاتی ہے اور یہ کہنا پڑتا ہے یہ بات مجھے معلوم نہیں، لیکن میرے دوستو! اللہ تعالیٰ کے علوم غیر محدود ہیں ان کی انتہاء کی حد نہیں۔[136]

(۳)صفت قدرت

اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے قدرت والا ہے کوئی شے اس کی قدرت سے باہر نہیں ہے۔

جیسا کہ قرآن عزیز میں ہے:

(۱) اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ (البقرۃ ۲۰)

بے شک اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

---

136 (صدائے منبر، حضرت مولانا مفتی محمد ادریس صاحب، ص ۱۹۵، ۲۰۷)

وہ موجود کو معدوم (ختم) اور معدوم کو موجود کر سکتا ہے۔[137]

(۲) أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللهَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ (۱۹) وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللهِ بِعَزِيزٍ (ابراھیم ۲۰)

کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے آسمان وزمین حق کے ساتھ بنائے اگر چاہے تو تمہیں لے جائے اور ایک نئی مخلوق لے آئے اور یہ اللہ پر کچھ دشوار نہیں۔

(۳) وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا (۱۳۲) إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ أَيُّهَا النَّاسُ وَيَأْتِ بِآخَرِينَ وَكَانَ اللهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ قَدِيرًا (النساء ۱۳۳)

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں اور اللہ کافی ہے کارساز (کام بنانے والا)۔ اے لوگو وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور اَوروں کو لے آئے اور اللہ کو اس کی قدرت ہے۔

(۴) قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَخَذَ اللهُ سَمْعَكُمْ وَأَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ مَنْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللهِ يَأْتِيكُمْ بِهِ (الانعام ۴۶)

تم فرماؤ بھلا بتاؤ تم اگر اللہ تمہارے کان آنکھ لے لے اور تمہارے دلوں پر مُہر کر دے تو اللہ کے سوا کون خدا ہے کہ تمہیں یہ چیزیں لادے۔

(۵) إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (۸۲) فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (یٰس ۸۳)

اس کا کام تو یہی ہے کہ جب کسی چیز کو چاہے تو اس سے فرمائے ہو جا وہ فوراً ہو جاتی ہے تو پاکی ہے اسے جس کے ہاتھ ہر چیز کا قبضہ ہے اور اسی کی طرف پھیرے جاؤ گے۔

(۶) وَمَا كَانَ اللهُ لِيُعْجِزَهُ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا (فاطر ۴۴)

---

137 (اسلامی عقائد از مفتی عبد الواحد، ص۲۹)

اور اللہ وہ نہیں جس کے قابو سے نکل سکے کوئی شے آسمانوں اور زمین میں بے شک وہ علم و قدرت والا ہے۔

مخلوقات میں جو کچھ بھی قدرت اور اختیار ہے وہ سب اسی کا فیض اور عطیہ ہے پس یہ کس طرح ممکن ہے کہ مخلوقات تو اپنے افعال میں قادر اور مختار ہوں اور اللہ تعالیٰ اپنے افعال میں مجبور اور مضطر ہو ہر سلیم الفطرت جانتا ہے کہ قدرت اور اختیار صفت کمال ہے اور ایجاب اور اضطرار کھلا ہوا عیب ہے۔

قال النبی ﷺ فی دعاء الاستخارہ: اللهم إني أستخيرک بعلمک وأستقدرک بقدرتک۔[138]

و قادر بقدرته التی ہی صفته الازلية السرمدية والمعنی انه اذا قدر علی شئی فانما یقدر علیه بقدرته القديمة لا بالقدرة الحادثة كما توجد للاشياء الممكنة فهو الحی القیوم۔[139]

الكلام فی القدرة هی الاختيار فی الفعل و الترک و اجمع اهل السنة علی ان الحق سبحانه فاعل بالقدرة فان شاء لم يفعل۔[140]

وہ قادر مختار ہے جس طرح چاہے تصرف کرے

قال اللہ تعالیٰ: لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ (الانبیاء ۲۳)

اُس سے نہیں پوچھا جاتا جو وہ کرے اور اُن سب سے سوال ہو گا۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مکتوبات میں فرماتے ہیں کہ فلاسفہ نے اپنے سفاہت سے ایجاب اور اضطرار ہی کو کمال سمجھا اور حق تعالیٰ شانہ کو ایسا معطل اور بے کار خیال کیا کہ اس سے

---

[138] (صحيح البخاري، ج ۱، ص ۳۹۱۔ الناشر: دار ابن كثير، اليمامة - بيروت)

[139] (فقہ اکبر، ص ۱۶)

[140] (مرام الکلام، ص ۳۳)

سوائے ایک مصنوع کے صدور جائز نہ رکھا اور وہ بھی بالایجاب و الاضطرار اور تمام حوادث کو عقل فعال کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ جس کا وجود سوائے ان کے تخیل اور توہم کے کہیں ثابت نہیں۔

فلاسفہ کو مناسب تھا کہ حوادث اور اضطرار کے وقت عقل فعل سے التجاء کرتے اور خدائے ذوالجلال کی طرف رجوع نہ کرتے اس لئے کہ ان کے زعم میں حوادث کا تعلق خدائے ذوالجلال سے نہیں بلکہ عقل فعل سے ہے خدا تعالیٰ تو ان کے نزدیک فاعل بالایجاب ہے مصائب اور آلام کے رفع کرنے کی اس کو قدرت اور اختیار نہیں۔

دو چیزیں اس فرقہ کی خصوصیات سے ہیں:

اول: احکام منزلہ اور اخبار مرسلہ کی تکذیب اور انکار اس فرقہ کا خاص شعار ہے۔

دوم: یہ کہ اس فرقہ نے اپنے مطالب واہیہ کے ثابت کرنے میں جس قدر تلبیس اور تلمیع سے کام لیا ہے اس کی نظیر نہیں اور جس درجہ ان کو اپنے مظنون اور موہوم اور خیالی مقاصد کے ثابت کرنے میں خبط لاحق ہوا ہے وہ کسی سفیہ اور نادان کو بھی نہیں ہوا اور علی ہذا اس فرقہ کے تمام متسق اور منتظم حلائل محض لایعنی اور لاطائل ہیں۔

پہلا جواب: پہلا جواب یہ ہے کہ قادر کی تاثیر اور قدرت کو اس وقت ناقص کہہ سکتے ہیں کہ جب مقدور میں اثر قبول کرنے کی صلاحیت ہو مگر فاعل کسی وجہ سے اثر نہ کر سکتا ہو، شجر اور حجر اور دیگر جمادات اگر نور آفتاب سے منور نہ ہوں تو آفتاب کا کیا قصور ہے؟ آفتاب کی تنویر تو شیشہ اور توے سب ہی پر واقع ہوتی ہے مگر جب آئینہ پر اس کی تنویر واقع ہوتی ہے تو جگمگانے لگتا ہے توے میں یہ بات نہیں اس لئے کہ اس میں روشن ہونے کی صلاحیت نہیں۔ ٹھیک اسی طرح جب اس کی

قدرت کاملہ ممکنات سے متعلق ہوتی ہے تو ممکنات اپنی ذاتی استعداد اور صلاحیت کی وجہ سے اس کا اثر قبول کرتی ہیں، اور محالات اور ممتنعات اس وجہ سے کہ ان میں اثر قبول کرنے کی صلاحیت اور استعداد نہیں اگر وہ تحت القدرۃ نہ داخل ہوں تو قدرت خداوندی کا کیا قصور ہوا اور باری تعالیٰ پر چونکہ موت اور فنا کا طاری ہونا اس کے حی و قیوم ہونے کی وجہ سے محال ہے۔ اس لئے اگر اس کی موت ظہور میں نہ آسکے تو اس کی قدرت کاملہ کا کوئی قصور نہیں۔

دوسرا جواب: نیز محل تاثیر کا مؤثر سے منفصل اور جدا ہونا ضروری ہے۔ ایک شئ خود اپنے اندر کوئی تاثیر نہیں رکھتی کیونکہ ایک ہی شئ کا قابل اور فاعل ہونا عقلاً محال ہے۔ آفتاب دوسروں کو منور کرتا ہے اس کی شعاعیں زمین کے ہر ہر گوشہ کو روشن کر دیتی ہیں۔

مگر وہ شعاعیں آفتاب کو روشن نہیں کرتیں۔

تیسرا جواب: علاوہ ازیں اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ آفتاب کی شعاعیں اور اس کے انوار خود آفتاب میں مؤثر ہو سکتے ہیں۔ تو کیا یہ انوار آفتاب کے تاریک اور مظلم بنانے کے لئے مؤثر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اسی طرح خدا کی قدرت کاملہ خدا کو مردہ اور معیوب بنانے کے لئے کارآمد نہیں ہو سکتی۔

چوتھا جواب: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود واجب اور ضروری ہے اور عدم اس کا محال اور ممتنع ہے اور قدرت کا تعلق محالات کے ساتھ ایجاداً (یعنی قدر اس محال کو موجود کر دے) ہو سکتا ہے اور نہ اعداماً (یعنی قدرت اس محال کو معدوم کر دے) اس لئے کہ محال اس کو کہتے ہیں کہ جس کا عدم حتمی اور لازم ہو اور اس کا وجود میں آنا ناممکن ہو۔ پس اگر قدرت کا محال ساتھ اعداماً ہو تو معدوم کا معدوم کرنا لازم آتا ہے، جس سے فائدہ نہیں اور اگر ایجاد اس کے متعلق ہو تو محال کا موجود ہونا لازم آتا ہے

اور کوئی شئ وجود میں داخل ہونے کے بعد محال نہیں رہ سکتی اور علی ہذا قدرت کا تعلق واجبات کے ساتھ ایجاداً ہو سکتا ہے نہ اعداماً ایجاداً تو اس وجہ سے نہیں ہو سکتا کہ موجود کرنا سراسر تحصیل حاصل ہے اور اعداماً اس وجہ سے نہیں ہو سکتا کہ واجب یعنی جس کا وجود ضروری اور حتمی تھا اس کا ہونا لازم آتا ہے اور معدوم ہونے کے بعد وہ شئ واجب نہیں رہ سکتی الحاصل اس کے قدیر اور مقتدر ہونے میں کوئی شک نہیں اور اگر شک ہو تو کیونکر ہوں ایسے حکیمانہ افعال اور مناظر قدرت کو دیکھ کر بھی اگر کوئی بدبخت اس کی قدرت کو نہ مانے تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہو گی کہ جو مخمل اور کم خواب کو کہ جو قسم قسم کے نقش و نگار سے مزین ہو دیکھ کر یہ کہے کہ کیڑا کسی مردہ شخص یا اپاہج اور بے دست و پا انسان کا بنایا ہوا ہے۔

پانچواں جواب: نیز یہ سوال کرنا کہ کیا خدا تعالیٰ اپنا مثل بنا سکتا ہے۔ اس سوال کے معنی یہ ہیں کہ کیا خدا تعالیٰ اپنی الوہیت اور وحدانیت کو باطل کر سکتا ہے ظاہر ہے کہ تمام عقلاء کے نزدیک یہ سوال مہمل ہے۔ نیز یہ سوال اسلام کے ساتھ مخصوص نہیں جو لوگ بھی خدائے علیم و قدیر کو مانتے ہیں ان سب پر یہ وارد ہوتا ہے۔

بہر حال قدرت کا تعلق ممکنات کے ساتھ ہوتا ہے یعنی ان چیزوں کے ساتھ ہوتا ہے جن میں وجود اور عدم دونوں کی صلاحیت ہو وہ چیزیں جن کا وجود عقلاً لازم اور ضروری ہو اور ان کا عدم محال ہو جیسے واجب الوجود یعنی خود ذات الٰہی اور صفات الٰہیہ تو ایسی چیزوں کے ساتھ قدرت کا تعلق نہیں ہوتا اس کی یہ وجہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں کچھ کمی ہے بلکہ یہ وجہ ہے کہ ان چیزوں میں اثر قبول کرنے کی صلاحیت اور قابلیت ہی نہیں ہے کیونکہ وہ واجب الوجود ہی کیا ہوا جس پر کسی کی تاثیر اثر کر سکے۔ اسی لئے اگر کوئی یہ سوال کرے کہ کیا خدا اپنی ذات کو یا اپنی خدائی کو یا اپنی کسی صفت کو ختم کر

سکتا ہے تو جواب دیا جائے جائے گا کہ یہ چیزیں چونکہ واجب ہیں اس لئے ان میں خدائی قدرت کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں اس لئے یہ چیزیں کبھی ختم نہیں ہو سکتیں۔ اسی طرح وہ چیزیں جو عقلاً محال ہیں، یعنی جن چیزوں کا عدم عقلاً ضروری اور لازم ہے اور ان کا وجود عقلاً ناممکن اور محال ہے جیسے اجتماع نقیضین (مثلاً زید کے وجود اور عدم کا ایک ہی وقت اور ایک ہی حالت میں جمع ہونا) تو ایسے حالات سے بھی قدرت متعلق نہیں ہوتی اس لئے کہ محالات میں بھی اثر قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔

اس کی ایک حسی مثال یہ ہے کہ سورج میں اشیاء کو گرم کرنے کی قدرت ہے لیکن بعض سنگ مر مر جو ٹھنڈے ہوتے ہیں ان میں سورج کی تپش کا اثر قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔

خلاصہ کلام

یہ کہ قدرت کا تعلق ممکنات کے ساتھ ہوتا ہے واجبات اور محالات کے ساتھ نہیں ہوتا۔ لہٰذا اگر کوئی یہ سوال کرے کہ خدا تعالیٰ کسی واجب الوجود کو معدوم اور کسی محال کو موجود کر سکتا ہے تو جواب میں یہ کہا جائے گا کہ قدرت اور ارادہ کو واجبات اور محالات سے کوئی سروکار نہیں۔ مگر یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت نہیں یہ بے ادبی ہے اللہ تعالیٰ عجز سے پاک اور منزہ ہے۔

قبائح مثلاً وعدہ وعید کے خلاف کرنا اور خلاف واقعہ بیان کرنا بھی ممکنات میں سے ہیں محالات میں سے نہیں ہیں۔

لہٰذا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت شامل ہیں البتہ اللہ تعالیٰ نہ ان کو کبھی کرتا ہے اور نہ کبھی کرے گا اس کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرعون وہامان اور ابولہب کے متعلق جو یہ

فرمایاہے کہ وہ دوزخی ہیں تو یہ حکم قطعی ہے۔ اس کے خلاف کبھی نہ کرے گا لیکن اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں داخل کرنے پر قادر ضرور ہے عاجز نہیں ہے۔ہاں البتہ اپنے اختیار سے ایسا نہیں کرے گا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا وَلَكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (السجدة ١٣)

اور اگر ہم چاہتے ہر جان کو اُس کی ہدایت عطا فرماتے مگر میری بات قرار پاچکی کہ ضرور جہنم کو بھر دوں گا ان جنوں اور آدمیوں سب سے۔

جو بات پکی ہوچکی تھی وہ یہ تھی جو اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے دعوے: قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ (٨٢) إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ (ص ٨٣) بولا تو تیری عزت کی قسم ضرور میں ان سب کو گمراہ کردوں گا مگر جو ان میں تیرے چنے ہوئے بندے ہیں۔ کے جواب میں فرمایا: قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ أَقُولُ (٨٤) لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ (ص ٨٥) فرمایا تو سچ یہ ہے اور میں سچ ہی فرماتا ہوں بے شک میں ضرور جہنم بھر دوں گا تجھ سے اور ان میں سے جتنے تیری پیروی کریں گے سب سے۔

جہنم کو انسانوں اور جنوں سے بھرنے کے قول کے باوجود یہ فرمانا: وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا (السجدة ١٣) اور اگر ہم چاہتے ہر جان کو اُس کی ہدایت عطا فرماتے۔ پس اس آیت سے ظاہر ہوگیا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو مؤمن بنادیتا لیکن وہ اپنے قول کے خلاف نہیں کرتا۔ معلوم ہوا کہ اپنے قول کے خلاف کرنے کی اسے قدرت ہے لیکن وہ قدرت کے باوجود خلاف کرتا نہیں ہے۔

مذکورہ قبائح کے محال اور ممتنع نہ ہونے کی مندرجہ ذیل تصریحات ہیں

(۱) ارشاد الٰہی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام روز محشر عرض کریں گے:

إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُکَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّکَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (المائدة۱۱۸)

اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو ہی ہے غالب حکمت والا۔

مطلب یہ ہے کہ اگر آپ ان کی بد عقیدگی یعنی شرک پر سزا دیں تو جب بھی آپ مختار ہیں کیونکہ یہ آپ کے بندے ہیں اور آپ ان کے مالک ہیں اور مالک کو حق ہے کہ بندوں کو ان کے جرائم پر سزا دے۔ اور آپ ان کو معاف فرما دیں تو جب بھی آپ مختار ہیں۔ کیونکہ آپ زبردست قدرت والے ہیں معافی پر بھی قادر اور حکمت والے بھی ہیں اور آپ کی معافی بھی حکمت کے موافق ہو گی اس لئے اس میں کوئی نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنا ضابطہ ذکر فرمایا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَکَ بِهِ (النساء۴۸)

بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے۔

تو شرک پر عدم مغفرت کی وعید ذکر کی۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام عرض کر رہے ہیں کہ اگر آپ اپنے ضابطہ اور وعید کے مطابق ان کو سزا دیں تو جب بھی آپ مختار ہیں۔ کیونکہ آپ زبردست قدرت والے ہیں جس میں معافی بھی شامل ہے۔

علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں:

وعدم غفران الشرک بمقتضی الوعید فلا امتناع فیه لذاته۔

یعنی مشرک کی عدم مغفرت وعید کا تقاضاہے اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ (مشرک کی مغفرت) اپنی ذات کے اعتبار سے محال اور ممتنع ہے۔

(۲) شرح مواقف میں ہے:

لا يقال إنه يستلزم جوازهما وهو أيضا محال لأنا نقول استحالته ممنوعة كيف وهما من الممكنات التي تشملها قدرته تعالى۔[141]

کوئی اگر یہ کہے کہ وعید (دھمکی) کے خلاف کرنا تو عفوہ رحمت کی بات ہے جو نقص و قبیح نہیں جب کہ وعدہ خلافی، ظلم و کذب بیانی تو قبیح چیزیں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کبھی متصف نہیں ہوئے۔ اور جن باتوں سے اللہ تعالیٰ متصف نہیں ہوئے ان پر اللہ تعالیٰ کو قدرت نہیں ہوتی تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک حدیث قدسی میں نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں:

يا عبادي إني قد حَرَّمتُ الظلم على نفسي۔

اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ظلم نہ کرنے کو اپنی تعریف بتا رہا ہے جب کہ تعریف ہمیشہ اس کام پر کی جاتی ہے جو اپنے اختیار اور قدرت سے ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ کو ظلم پر قدرت ہی نہیں تو تعریف کس بات کی ہوئی، لہٰذا اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ظلم اور دیگر مذکورہ باتوں پر قدرت تو ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے ان کو کرتے نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ان قبائح کو بھی عام ہونا اور شامل ہونا اہلسنت کا مذہب ہے۔

مسامرہ شرح مسایرہ میں ہے:

---

[141] (کتاب المواقف، ج۳، ص ۳۹۴)

اما ثبوتها ای القدرة علی ما ذکرتم الامتناع عن متعلقها اختیارا فهو بمذهب الاشاعرة الیق۔

افعال مذکورہ (یعنی ظلم و کذب وغیرہ) پر قدرت تو ہو مگر با اختیار خود ان کا ارتکاب نہ کیا جائے یہ قول مذہب (اہلسنت) اشاعرہ کے زیادہ مناسب ہے۔[142]

قدرت کاملہ اور کل اختیارات کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے

(۱) قُلِ اللَّهُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِي الْمُلْکَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِکَ الْخَيْرُ إِنَّکَ عَلَى کُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۲۶) تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (آل عمران ۲۷)

یوں عرض کر اے اللہ ملک کے مالک تو جسے چاہے سلطنت دے اور جسے چاہے سلطنت چھین لے اور جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے ساری بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے بے شک تو سب کچھ کر سکتا ہے۔ تو رات کا حصہ دن میں ڈالے اور دن کا حصہ رات میں ڈالے اور مُردہ سے زندہ نکالے اور زندہ سے مردہ نکالے اور جسے چاہے بے گنتی دے۔

(۲) وَإِنْ يَمْسَسْکَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يَمْسَسْکَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلَى کُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (الانعام ۱۷)

اور اگر تجھے اللہ کوئی بُرائی پہنچائے تو اس کے سوا اس کا کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر تجھے بھلائی پہنچائے تو وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

(۳) وَإِنْ يَمْسَسْکَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يُرِدْکَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ يُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (یونس ۱۰۷)

---

[142] (اسلامی عقائد از مفتی عبد الواحد، ص ۳۰،۳۲)

اور اگر تجھے اللہ کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کا کوئی ٹالنے والا نہیں اس کے سوا اور اگر تیرا بھلا چاہے تو اس کے فضل کے رد کرنے والا کوئی نہیں اسے پہنچاتا ہے اپنے بندوں میں جسے چاہے اور وہی بخشنے والا مہربان ہے۔

تو تکلیف و راحت، بھلائی، برائی، نفع و ضرر پر کامل اختیار اور قبضہ تامہ اللہ رب العزت کا ہے اس ذات پاک کے سوا کسی کو بھی سود و زیان اور دکھ، سکھ پر کوئی اختیار نہیں۔ اس کی بھیجی ہوئی تکلیف اور دکھ درد کو کوئی نہیں ہٹا سکتا، اور جس پر وہ فضل و کرم فرمائیں کسی کو طاقت نہیں کہ روک دے۔ مالک علی الاطلاق اور قادر مطلق فقط ایک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

(۴) لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَ (۴۹) أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ عَقِيمًا إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ (الشوریٰ ۵۰)

اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت پیدا کرتا ہے جو چاہے جسے چاہے بیٹیاں عطا فرمائے اور جسے چاہے بیٹے دے۔ یا دونوں ملا دے بیٹے اور بیٹیاں اور جسے چاہے بانجھ کر دے بے شک وہ علم و قدرت والا ہے۔

زمین و آسمانوں کی قدرت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ وہ اپنی مرضی کا مالک ہے۔ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ وہ علیم بھی ہے اور قدیر بھی، علم کل اور قدرت کاملہ خاص اس کی صفات ہیں۔ وہ اپنے علم کی بناء پر اپنی قدرت سے جس کو چاہے اولاد دے یا مطلق نہ دے۔

اجمالاً اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بیان

جہاں پورے قرآن میں اللہ رب العزت کی قدرت کاملہ و اختیار عامہ کی تفصیلات موجود ہیں جب کہ احاطہ ممکن نہیں، وہاں قرآن کریم میں ۲۴ مقامات پر بطور اجمال ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بیان ملاحظہ ہو:

(۱) إِنَّ اللّٰهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (البقرۃ ۲۰)

قدیر اسے کہتے ہیں جو اقتضاء حکمت کے مطابق جو چاہے کرے۔ (مفردات القرآن)

پورے قرآن میں ۳۵ مقامات پر ہے، دو مقامات پر قدیر ہے باقی ۳۳ مقامات پر علی کل شئی قدیر ہے۔ (شروع میں کہیں ان اللہ ہے کہیں أن اللہ ہے، کہیں و اللہ، کہیں ھو ہے)۔[143]

(۲) وَكَانَ اللّٰهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا (الکھف ۴۵)

(مقتدر باقتدار ہر طرح کی قدرت والا) اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ میں سے ہے۔

(۳) عَلِيمٌ قَدِيرٌ، وَاللّٰهُ قَدِيرًا، و قدیرا۔ (۱۱ بار آیا ہے)

(۴) بِقَادِرٍ، الْقَادِرُ اور قَادِرٌ۔ (۷ بار آیا ہے)

(۵) وھو علی کل شئی وکیل الوکیل اور وکیلا۔ (۱۱ بار آیا ہے)

(٦) و کان اللہ بکل شئی مقیتا۔ (ایک بار آیا ہے)

(۷) و کان اللہ بکل شئی محیطا۔ (ایک بار آیا ہے)

(۸) علی کل شئی حفیظ۔ (۲ بار آیا ہے)

(۹) وھو القاھر فوق عبادہ۔ (۲ بار آیا ہے)

(۱۰) للہ الواحد القھار، ھو الواحد القھار وغیرہ۔ (٦ بار آیا ہے)

143 (لغات القرآن، ج۵، ص ۴۲۷)

(۱۱) واللہ ولی المؤمنین ولی المتقین۔ (۱۰ بار آیا ہے)

(۱۲) ان اللہ لقوی عزیز، ان اللہ قوی عزیز وغیرہ (۸ مقامات پر ہے)

(۱۳) انک انت الوھاب۔ (وغیرہ ۳ مقامات پر ہے)

(۱۴) ان ذلک لمحی الموتٰی۔ (۲ مرتبہ آیا ہے)

(۱۵) قل اللھم مالک الملک، مالک الملک وغیرہ۔ (۵ مقامات پر ہے)

(۱۶) الملک القدوس وغیرہ۔ (۵ مرتبہ آیا ہے)

(۱۷) والمؤمن، المھیمن، الجبار (پورے قرآن میں ۳ بار آیا ہے)

(۱۸) المتین۔ (۱ بار آیا ہے)

(۱۹) واللہ عزیز ذو نتقام انا منتقمون وغیرہ۔ (۶ بار آیا ہے)

(۲۰) ان اللہ واسع علیم، واللہ واسع علیم۔ (۸ مرتبہ آیا ہے)

(۲۱) اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم۔ (۳ بار آیا ہے)

(۲۲) وھو خیر الحاکمین و انت احکم الحاکمین۔ (۵ بار آیا ہے)

(۲۳) خیر القاصلین اور خیر الفاتحین۔ (۲ مرتبہ آیا ہے)

(۲۴) العزیز (پورے قرآن میں ۸۶ بار آیا ہے)

(۲۵) علی ھذا ایک ایک مقام پر حکم، والٍ (والی) اور الفتاح۔ (۳ مرتبہ آیا ہے۔ میزان ۲۲۳ مقامات)

خلاصہ: اللہ تعالیٰ رب العزت نے اپنی کتاب میں تقریباً سوا دو سو مقامات پر اپنی قدرت عامہ اپنے غلبہ و اقتدار تامہ اور اپنی قوت و حاکمیت مطلقہ کا بیان و اثبات تو فرمایا ہے۔ مگر ایک جگہ پر بھی غیر اللہ، کسی بت، کسی فرشتہ یا ولی حتیٰ کہ نبی کے لئے قدرت اور اختیار کا ذکر نہیں فرمایا۔

نیز قرآن کریم میں مذکورہ بالا صفات و اسماء الٰہی کے علاوہ قابض، باسط، خافض، رافع، معز، مذل، واجد، ممیت، مغنی، نافع، جبار، مانع وغیرہ اسماء الحسنیٰ اس حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں کہ نفع، نقصان، عزت و ذلت، موت و حیات سب اللہ رب العزت کے ہاتھ میں ہے۔

یہ صرف اجمالی طور پر صفات و اسماء الٰہی سے سوا دو سو مقامات پر قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اختیار عامہ کا ذکر ہے، ورنہ یوں تو سارے قرآن کا موضوع ہی یہی ہے اور پورے قرآن کریم میں جگہ جگہ بڑی تفصیل کے ساتھ رب العزت نے اپنی قدرت کاملہ، الوہیت عامہ اور رحمت واسعہ کو بیان فرمایا ہے۔[144]

(۴) صفت ارادہ

ارادہ کے معنی کسی شے کے وجود اور عدم کو جو کہ قدرت کے اعتبار سے برابر تھے ان میں سے کسی ایک جانب کو اپنے اختیار سے ترجیح دینے کے ہیں۔ پس جو کچھ ہوتا ہے وہ اسی کے ارادہ سے ہوتا ہے۔

ازل میں جو کچھ اب اسی کے مطابق ہو رہا ہے۔

دلیل نمبر ۱: قال اللہ تعالیٰ: فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ (البروج ۱٦)

ہمیشہ جو چاہے کر لینے والا۔

---

144 (توحید کی حقیقت، ص ۲۱۹، ۲۲۸)

دلیل نمبر ۲: قال اللہ تعالیٰ: إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (یٰس ۸۲)

اس کا کام تو یہی ہے کہ جب کسی چیز کو چاہے تو اس سے فرمائے ہو جا وہ فوراً ہو جاتی ہے۔

دلیل نمبر ۳: قال اللہ تعالیٰ: يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرة ۱۸۵)

دلیل نمبر ۴: قال اللہ تعالیٰ: وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا (یونس ۹۹)

دلیل نمبر ۵: قال اللہ تعالیٰ: وَلَكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ (البقرة ۲۵۳)

دلیل نمبر ۶: قال اللہ تعالیٰ: إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ (ھود ۱۰۷)

دلیل نمبر ۷: قال اللہ تعالیٰ: إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ (المائدة ۱)

یہ آیات کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ارادہ اور مشیئت اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں تو جب ارادہ کا اللہ تعالیٰ کی صفت ہونا ثابت ہوا تو قاعدہ ہے کہ شی کی صفت اس شی کے ساتھ قائم ہو گی، تو لازماً ارادہ بھی ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہو گا اور چونکہ حوادث ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم نہیں ہو سکتے، اس لئے ارادہ قدیم ہو گا۔

دلیل نمبر ۸: عالم میں اس قسم کا انضباط اور استحکام بدون ارادہ اور اختیار کے پیدا ہونا یقیناً محال ہے خدا کے افعال بدون ارادہ اور اختیار خود بخود مثل حرکت مرتعش کے صادر ہوتے ہیں تو عالم میں یہ انضباط اور استحکام اور حسن انتظام ہرگز نہ ہوتا۔

دلیل نمبر ۹: اس دلیل سے پہلے بطور تمہید یہ جان لینا ضروری ہے کہ جب کسی فاعل سے کوئی شی ارادہ اور اختیار سے صادر ہو جائے تو اس فاعل کو فاعل بالاختیار کہتے ہیں اور اس سے صادر ہونے والا مصنوع حادث ہوتا ہے اور جس فاعل سے بلا اختیار و بلا ارادہ کوئی شی صادر ہو جائے تو اس کو فاعل موجب اور علت موجبہ کہتے ہیں اور علت موجبہ اور معلول کے درمیان تخلف ناجائز ہے۔ جیسے آگ

سے حرارت کا صدور اس کے ارادہ کے بغیر ہوتا ہے، اب ایسا نہیں ہو سکتا کہ آگ ہو اور حرارت نہ ہو۔

اس تمہید کے بعد دلیل کا حاصل یہ ہے کہ عالم کا حدوث صانع کے فاعل بالاختیار ہونے پر دلالت کرتا ہے، وہ اس طرح کہ اگر صانع بالاختیار نہ ہو بلکہ فاعل موجب ہو تو عالم کا قدیم ہونا لازم آئے گا، کیونکہ "تخلف المعلول عن العلت الموجبة" ناجائز ہے، لہٰذا جب سے اللہ تعالیٰ ہوں گے اس وقت سے عالم ہونا ضروری ہوگا اور اللہ تعالیٰ ازل سے ہیں، لہٰذا عالم بھی ازل سے ہو کر قدیم ہوگا اور عالم کا قدیم ہونا باطل ہے تو اللہ تعالیٰ کا موجب بالذات ہونا بھی باطل ہے، تو جب موجب بالذات ہونا باطل ہے تو لامحالہ باری تعالیٰ فاعل مختار ہوں گے۔[145]

بندہ جس کام کا ارادہ کرتا ہے اسی کے مطابق اعضاء حرکت کرنے لگتے ہیں لیکن یہ کوئی نہیں بتلا سکتا کہ اعضاء کو اس کا ارادہ کا علم کیسے ہو جاتا ہے پس جب کہ بندہ ہی کے ارادہ کے تعلق کی کیفیت نہیں بتلائی جا سکتی تو خداوند ذوالجلال کے ارادہ کے تعلق کی حقیقت کون بتلا سکتا ہے۔ بلکہ جو شخص ارادہ کرتا ہے وہ خود اپنے ارادے کے تعلق کی کیفیت سمجھانے سے قاصر اور عاجز ہے۔[146]

مذهب اهل الحق ان كل ما اراد الله تعالىٰ فهو كائن، وان كائن فهو مراد له، وان لم يكن مرضيا، ولا مامور ابه، بل منهيا عنه، وهذا ما اشتهر من السلف ان ما شاء الله كان وما لم يشاء لم يكن۔

145 (شرح العقائد مع الشرح)

146 (علم الکلام، محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ص ۸۲)

نجاریہ کا مذہب

نجاریہ حضرات کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرید بذاتہ ہیں، ارادہ اللہ تعالیٰ کی مستقل صفت نہیں ہے، بلکہ عین ذات باری تعالیٰ ہے۔ ہم نے جب کہا کہ ارادہ باری تعالیٰ کی صفت ہے اور یہ بات بھی واضح ہے کہ صفت اور موصوف کے درمیان عینیت نہیں ہوتی تو اس سے نجاریہ کی تردید ہو گئی۔

بعض معتزلہ کا مذہب

بعض معتزلہ حضرات کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ مرید ہیں ارادہ کے ساتھ جو حادث ہے اور محل سے مستغنی ہے کسی کے ساتھ قائم نہیں ہے بذات خود قائم ہے، دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر یہ ارادہ ذات باری تعالیٰ میں حادث ہو تو ذات باری تعالیٰ کا محل حوادث ہونا لازم آتا ہے اور اگر ذات باری تعالیٰ کے علاوہ غیر کے ساتھ قائم ہو تو اس صورت میں "اتصاف الغیر بصفت اللہ تعالیٰ" لازم آتا ہے جو کہ ناجائز ہے، پس معلوم ہوا کہ ارادہ بذات خود قائم ہے۔

جواب

معتزلہ کی اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ آپ نے لوگوں سے کہا کہ ارادہ حادث ہے ہم یہ تسلیم نہیں کرتے، بلکہ ارادہ قدیم ہے اور ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے۔

کرامیہ کا مذہب

کرامیہ کہتے ہیں کہ ارادہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور حادث ہے اور یہ حضرات حوادث کا ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہونے کو جائز کہتے ہیں، یہ حضرات دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ ارادہ کو اگر قدیم مانا جائے تو تعدد قدماء لازم آئے گا۔

جواب

جواب یہ ہے کہ محال تعدد ذوات قدیمہ ہیں نہ کہ تعدد صفات قدیمہ۔[147]

(۵)صفت سمع

صفت سمع یعنی اس کو شنوائی اور سننے کا وصف حاصل ہے وہ تمام مخلوق کی ایک وقت دعا اور آواز کو سنتا ہے اور ایک بات کا سننا اس کو دوسری بات کے سننے سے مانع نہیں ہوتا اور عالم کی مختلف زبانیں اس کو اشتباہ میں نہیں ڈالتیں وہ بیک لحظ پرندوں کے چہچہانے اور پہاڑوں کے اندر کیڑوں کے بھنبھنانا اور صاف چکنے پتھر پر چیونٹی کے چلنے کی آواز اور دریا میں مچھلیوں کی آواز سنتا ہے حتیٰ کہ مچھر اور چیونٹی کی باریک نسوں میں جب خون دوران کرتا ہوا ایک بند اور جوڑ سے منتقل ہو کر دوسرے جوڑ کی طرف جاتا ہے تو وہ اس خون کے چلنے کی آواز کو صاف سنتا ہے، قرآن پاک میں بھی آیا ہے:

قال اللہ تعالیٰ: إِنَّ اللّٰہَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (البقرۃ ۱۸۱)

بے شک اللہ سنتا جانتا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (غافر ۵۶)

تو تم اللہ کی پناہ مانگو بے شک وہی سنتا دیکھتا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (الشوریٰ ۱۱)

اس جیسا کوئی نہیں۔

---

147 (شرح العقائد النسفی مع الشرح)

عن أبي موسى الأشعري رضي الله عنه قال: كنا مع النبي صلى الله عليه و سلم فكنا إذا أشرفنا على واد هللنا و كبرنا ارتفعت أصواتنا فقال النبي صلى الله عليه و سلم (يا أيها الناس اربعوا على أنفسكم فإنكم لا تدعون أصم و لا غائبا إنه معكم إنه سميع قريب۔[148]

فانه تعالیٰ سمیع بالاصوات و الحروف و الکلمات بسمعه القدیم الذی هو نعت له فی الازال۔[149]

قال فی انه حی سمیع بصیر شهدت به الکتب الالهیة و اجمع علیه الانبیاء، بل جمهور العقلاء۔[150]

(۲)صفت بصر

یعنی اس کو وصف بصارت حاصل ہے کہ جس کے سبب ہر چیز کو دیکھتا ہے خواہ کوئی چیز اندھیرے میں ہو خواہ نزدیک ہو خواہ دور ہو خواہ دن میں خواہ رات میں ہو خواہ کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو خواہ بڑی ہو مخلوق کو نظر آئے یا نہ آئے اللہ تعالیٰ سب کو ہر وقت بلا تفاوت یکساں طور پر دیکھتا ہے کسی وقت میں کوئی شے اس سے چھپی نہیں ہے۔ بایں ہمہ وہ مخلوق جیسی آنکھوں اور آنکھوں جیسی ہر قسم کی شکل و صورت سے پاک ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: لَيۡسَ كَمِثۡلِهِۦ شَيۡءٞ (الشوریٰ ۱۱)

قرآن مجید میں اس صفت کا ذکر کئی آیات میں آیا ہے۔

مثلاً قال اللہ تعالیٰ: إِنَّهُۥ بِكُلِّ شَيۡءِۭ بَصِيرٌ (الملک ۱۹)

بیشک وہ سب کچھ دیکھتا ہے۔

---

[148] (صحیح البخاري، ج۳، ص ۱۹۱)

[149] (شرح فقه اکبر، ص ۱۸)

[150] (شرح المقاصد، ج۳، ص ۱۰۰)

قال اللہ تعالیٰ: إِنَّ اللّٰہَ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (غافر ٢٠)

الحاصل وہ سمیع بھی ہے اور بصیر بھی اور کیوں نہ ہو اس لئے کہ جب مخلوق اس صفت کمال سے موصوف ہے سو اگر خالق اس صفت کمال سے عاری ہے تو مخلوق کا خالق سے اکمل اور بہتر ہونا لازم آتا ہے نیز سمع اور بصر سے خالی ہونا ایک عیب ہے کہ جس کا بارگاہ خداوندی میں گزر ہی محال اور ناممکن ہے اور اسی وجہ سے کہ سمع اور بصر نہ ہونا عیب ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کی عبادت کرنے والوں سے فرمایا کہ:

قال اللہ تعالیٰ: لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا (مریم ٤٢)

اے میرے باپ کیوں ایسے کو پوجتا ہے جو نہ سنے نہ دیکھے اور نہ کچھ تیرے کام آئے۔

نیز اگر خالق ان صفات کمال سے عاری ہے تو مخلوق میں سمع بصر کا کمال کہاں سے آگیا۔

قال اللہ تعالیٰ: وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَا تَشْكُرُونَ (المؤمنون ٧٨)

اور وہی ہے جس نے بنائے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل تم بہت ہی کم حق مانتے ہو۔

قال اللہ تعالیٰ: إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (غافر ٥٦)

عن ابی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی حدیث الایمان قال: یا محمد ما لاحسان؟ قال: ان تعبد اللہ کانک تراہ فانک ان لم تکن تراہ فانہ یراک۔[151]

و بصیر بالاشکال والالوان بابصارہ القدیم الذی هو له صفة فی الازل فلا یحدث له سموع ولا بصر بحدوث مبصر، فهو السمیع البصیر یسمع و یری، لا یعذب علی سمعه سموع و ان خفی غایة السر، ولا یغیب عن رؤیته مرئی و ان دق فی النظر، بل یری دبیب النملة السوداء فی اللیلة الظلماء علی الصخرة الصماء"۔[152]

---

[151] (صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۲)

[152] (شرح فقہ اکبر، ص ۱۸)

(۷)صفت کلام

یعنی اس کی ایک صفت کلام بھی ہے جس سے چاہتا ہے کلام کرتا ہے کیونکہ گونگا ہونا عیب اور نقص ہے اور ذات خداوندی ہر عیب سے پاک ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسَى مِنْ بَعْدِهِ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَهُ خُوَارٌ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّهُ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا اتَّخَذُوهُ وَكَانُوا ظَالِمِينَ (الاعراف ۱۴۸)

اور موسیٰ کے بعد اس کی قوم اپنے زیوروں سے ایک بچھڑا بنا بیٹھی بے جان کا دھڑ گائے کی طرح آواز کرتا کیا نہ دیکھا کہ وہ ان سے نہ بات کرتا ہے اور نہ انہیں کچھ راہ بتائے اسے لیا اور وہ ظالم تھے۔اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو ذات صفت کلام سے عاری ہو اس کو خدا بنانا انتہا درجہ کا ظلم ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لئے کلام ہونے کے دلائل یہ ہیں

کماقال اللہ تعالیٰ: وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا (النساء ۱۶۴)

اور اللہ نے موسیٰ سے حقیقتاً کلام فرمایا۔

اور جس طرح اس کا وجود دوسروں کے وجود کے مشابہ نہیں اسی طرح اس کا کلام دوسروں کے کلام کے مشابہ نہیں اور جس طرح خداوند ذوالجلال کی صفت علم، صفت قدرت وغیرہ بے چون و چگون قدیم اور غیر مخلوق ہیں اسی طرح اس کی صفت کلام بھی قدیم اور غیر مخلوق اور بے چون و چگون ہے۔[153]

قال اللہ تعالیٰ: قَالَ يَامُوسَى إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَاتِي وَبِكَلَامِي (الاعراف ۱۴۴)

---

153 (علم الکلام، محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ص ۱۳۶، ۱۳۷)

فرمایااے موسیٰ میں نے تجھے لوگوں سے چن لیااپنی رسالتوں اور اپنے کلام سے۔

قال اللہ تعالیٰ: مِنۡهُمۡ مَّنۡ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعۡضَهُمۡ دَرَجٰتٍ (البقرۃ ۲۵۳)

ان میں کسی سے اللہ نے کلام فرمایااور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا۔

قال اللہ تعالیٰ: وَقُلۡنَا يٰۤاٰدَمُ اسۡكُنۡ اَنۡتَ وَزَوۡجُكَ الۡجَـنَّةَ (البقرۃ ۳۵)

اور ہم نے فرمایااے آدم تواور تیری بی بی اس جنت میں رہو۔

اہل حق کے نزدیک جو کلام خدا کی صفت ہے وہ حروف و آواز سے مرکب نہیں بلکہ وہ ایک صفت ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور اس کو کلام نفسی کہتے ہیں کیونکہ کلام اصل میں دل میں موجود مضمون اور معانی کو کہتے ہیں چنانچہ شاعر کہتا ہے:

ان الکلام لفی الفؤاد وانما جعل اللسان علی الفؤاد دلیلا

کلام دل میں ہوتاہے اور زبان تو محض اسی دل کے مضمون پر دلالت کرتی ہے۔

ہم لوگ دل کے اس مضمون کو کبھی زبان سے ادا کرتے ہیں اور کبھی لکھ کر بتادیتے ہیں اور کبھی اشاروں سے ظاہر کرتے ہیں۔

ہم کلام کی ادائیگی یعنی تکلم میں مخارج، حروف اور صوت (یعنی آواز) کے محتاج ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اسی سے منزہ ہیں وہ ہماری طرح حروف و آواز سے تکلم نہیں فرماتے۔

اللہ تعالیٰ نے جب کسی سے کلام فرمایامثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا کہ:

قال اللہ تعالیٰ: فَاخۡلَعۡ نَعۡلَيۡكَ (طٰہٰ ۱۲)

توتواپنے جوتے اتارڈال۔

قال اللہ تعالیٰ: وَمَا تِلۡكَ بِيَمِيۡنِكَ يٰمُوۡسٰى (طٰہٰ ۱۷)

اور یہ تیرے داہنے ہاتھ میں کیاہے اے موسیٰ۔

تو یہاں چند باتیں قابل لحاظ ہیں:

امام اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا کلام نفسی ہی قابل سماع ہے اگرچہ یہ عام عادت کے خلاف ہے جبکہ امام ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی کلام نفسی کے سننے کو ممکن مانتے ہیں۔

کسی خاص شخص کے ساتھ کلام میں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ گفتگو میں ہوا امام اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تو یہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کلام نفسی کو ہی سنا البتہ امام ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسی آواز سنی جو کلام الٰہی پر دلالت کر رہی تھی اور امام ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلیم اللہ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کتاب یا فرشتے کے واسطے کے بغیر کلام کیا۔

اللہ تعالیٰ کا کلام دو طرح کا ہے۔ ایک تو وہ ہے جو احکام و نواہی پر مشتمل ہے۔ یہ تو قدیم ہے اور اس کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے متکلم ہیں دوسرا وہ ہے جو کسی مخلوق سے کسی خاص موقع پر کیا۔

مثلاً: وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسَى تَكْلِيمًا (النساء ۱۶۴)

اور اللہ نے موسیٰ سے حقیقتاً کلام فرمایا۔

امام اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ کلام کرنا بھی قدیم ہے، اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے متکلم ہیں، البتہ اس شرط کے ساتھ کہ جب وہ مخاطب پایا جائے گا تو اس خاص کلام کا تعلق اس مخاطب کے ساتھ ہو گا۔ مثلاً وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسَى تَكْلِيمًا (النساء ۱۶۴) ترجمہ: اور اللہ نے موسیٰ سے حقیقتاً کلام فرمایا۔ کلام نفسی میں اس قید کے ساتھ ہمیشہ سے موجود ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وجود حاصل ہو گا اور وہ ایک خاص موقع پر پہنچیں گے تو اس وقت اس کلام کا ربط و

تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہو گا۔ اکثر ماتریدیہ کہتے ہیں کہ تکلیم اس وقت کہتے ہیں جب دوسرے کو سنائے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ سے متکلم نہیں کہا جائے گا بلکہ صرف اسی وقت کہا جائے گا جب مخاطب کو وہ کلام سنایا جائے گا۔

قرآن پاک

قرآن پاک بھی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور صفت قدیم ہے اس لئے اصل کے اعتبار سے تو یہ کلام نفسی پر مشتمل ہے البتہ بندے چونکہ اپنی قرأت اور تلاوت میں اور اپنی سماعت میں حروف اور صوت کے محتاج ہوتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو (جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے) حروف اور کلمات کے لباس میں نازل کیا تاکہ بندے اس کو پڑھ سکیں اور سن سکیں۔

الکلام ھو صفۃ ازلیۃ عبر عنھا بالنظم المسمی بالقرآن المرکب من الحروف یرید ان الکلام المعدود من الصفات الھیۃ ھو المعنی القدیم القائم بذاتہ تعالیٰ و اما ھذاالقرآن المرکب من الحروف الھجاء فحادث و لیس صفۃ قدیمۃ قائمۃ بذاتہ تعالیٰ بل ھو دال علیھا و یسمی الاول بالکلام اللفظی۔[154]

حضرت امام مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: "قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرف اور آواز کا لباس دے کر ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل فرمایا ہے اور بندوں کو اسی کے ساتھ امر و نہی کا مخاطب بنایا ہے۔ جس طرح ہم اپنے نفسی کلام کو زبان کے ذریعہ حرف اور آواز کے لباس میں لا کر ظاہر کرتے ہیں۔

اور اس طرح اپنے پوشیدہ مطالب و مقاصد کو عرصہ ظہور میں لاتے ہیں اسی طرح حق تعالیٰ شانہ نے اپنے کلام نفسی کو بغیر زبان کے وسیلہ کے محض اپنی قدرت کاملہ سے حروف اور آواز کا لباس عطا

[154] (نبراس، ۱۳۹)

فرما کر اپنے بندوں پر بھیجا ہے اور اپنے پوشیدہ اوامر و نواہی کو حروف اور آواز کے ضمن میں لا کر ظہور کے میدان میں جلوہ گر کیا ہے۔ پس کلام کی دونوں قسموں پر کلام کا اطلاق حقیقت کے طور پر ہے اور دونوں قسمیں یعنی کلام نفسی اور کلام لفظی حقیقتاً اللہ تعالیٰ کا کلام ہیں پس جس طرح کہ ہمارے کلام کی دونوں قسمیں نفسی اور لفظی حقیقت کے طور پر ہمارا کلام ہیں نہ یہ کہ قسم اول (کلام نفسی) تو حقیقت ہے اور دوسری قسم (کلام لفظی) مجاز ہے غرض کلام الٰہی کا اطلاق دو معنی پر ہوتا ہے۔

اول یہ کہ کلام اللہ تعالیٰ کی ایک صفت بسیط ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور اس کے قدیم ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ کلام سے وہ کلمات مراد لئے جاتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام نفسی کے لئے بطور لباس مقرر فرمایا ہے۔

قرآن حکیم کو اللہ تعالیٰ کا کلام اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ کلمات پر مشتمل ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے کلام نفسی کے لئے بطور لباس ہیں۔ بالفاظ دیگر ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ قرآن الفاظ اور معانی کے مجموعہ کا نام ہے، البتہ قرآن کی قرأت اور سماعت اور کتابت یہ حادث اور مخلوق ہے اس لئے کہ قرأت اور سماعت اور کتابت یہ بندے کے افعال ہیں اور بندے کے افعال حادث اور مخلوق ہوتے ہیں۔[155]

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: جاننا چاہیئے کہ کلام الٰہی کا اطلاق دو معنی پر ہوتا ہے: اول یہ کہ کلام اللہ تعالیٰ کی ایک صفت قدیمہ ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور بسیط ہے۔ دوم وہ کلمات جس کا حق سبحانہ و تعالیٰ نے تکلم فرمایا، قرآن کو اسی معنی میں کلام

---

155 (اسلامی عقائد، مفتی عبد الواحد، ص۲۹،۲۶)

الٰہی کہا جاتا ہے۔ یہ کلمات بھی قدیم اور **مجرو عن المادۃ** ہیں اس لئے کہ پروردگار عالم سے ان کا ظہور اور صدور ہوا ہے اور جو شے قدیم سے ظاہر اور صادر ہوگی وہ بھی قدیم ہوگی۔

ہمارے الفاظ اور حروف اور ہماری آواز ان کلمات الٰہیہ کے لئے بمنزلہ آئینہ کے ایک مظہر اور تجلی گاہ ہیں۔ اگر کسی شے کا عکس آئینہ میں پڑے تو اصل شے کو عکس کے عوارض سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، اسی طرح ہماری قرأت اور کتابت میں جو حدوث کے لوازم پائے جاتے ہیں کلمات الٰہیہ کو ان سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ قدیم اپنے قدم پر رہے گا حادث اپنے حدوث پر رہے گا۔ حدوث اور امکان کے تمام عوارض بندہ کی طرف متوجہ ہوں گے اور خدا اور اس کا کلام ان سب سے منزہ اور مقدس ہو گا۔ ادھر تنزیہ ہوگی، ادھر تشبیہ و تمثیل ہوگی۔ ادھر وجوب اور قدم ہوگا، ادھر حدوث اور امکان ہو گا۔

دوسرے عنوان سے اس کو یوں سمجھو کہ الفاظ اور عبارات معانی کے لئے بمنزلہ آئینہ کے ہیں، معانی الفاظ میں حلول کئے نہیں ہوتے، اور نہ الفاظ اور عبارات معانی کے لئے محل اور ظرف ہیں بلکہ الفاظ معانی کے لئے مظہر اور تجلی گاہ اور ایک آئینہ ہیں، لفظ اور معنی میں ظاہر اور مظہر ہونے کا علاقہ ہے حال اور محل، ظرف اور مظروف جیسا علاقہ نہیں۔ کوئی شخص یہ نہیں سمجھا سکتا کہ معانی، الفاظ کے آئینہ میں کس طرح عکس افگن اور جلوہ گر ہیں۔ فقط اجمالاً اتنا جانتا ہے کہ الفاظ کے آئینہ میں معنی کے ظاہر کرنے کا ایک آئینہ ہے، اور الفاظ و عبارات کی صفات اور کیفیات سے معنی کو کوئی تعلق نہیں۔

اسی طرح ہماری زبانیں، ہمارے کتابی نقوش کلمات قدسیہ کے لئے ایک آئینہ ہیں حدوث اور امکان کے تمام عوارض ہماری زبان اور کتاب کی طرف متوجہ ہوں گے اور اس کا کلام پاک، ان تمام عوارض سے پاک اور منزہ ہو گا۔[156]

کلام اللہ کی تفصیل

کلام کی اقسام

بطور تمہید یہ جان لینا ضروری ہے کہ کلام کی دو قسمیں ہیں:

(۱) کلام نفسی (۲) کلام لفظی

(۱) کلام نفسی: وہ کلام جو ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے وہ کلام نفسی ہے۔

(۲) کلام لفظی: اور جس پر تلفظ کیا جاتا ہے اور حروف اور اصوات کے قبیل سے ہے اس کو کلام لفظی کہا جاتا ہے جس کو قرآن کریم کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفت کلام نفسی ہے نہ کہ کلام لفظی، کیونکہ کلام لفظی حروف اور اصوات سے مرکب ہونے کی بناء پر حادث ہے اور حادث اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں ہو سکتی۔

کلام نفسی کے ثبوت پر دلیل

حاصل یہ ہے کہ جو آدمی کسی چیز کا امر کرتا ہے یا کسی چیز سے نہی کرتا ہے یا کسی چیز کی خبر دے رہا ہے تو اس سے پہلے ان کی دل میں ایک معنی اور کیفیت پائی جاتی ہے اس مضمر اور دل میں پوشیدہ

---

156 (علم الکلام از مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ص ۱۳۷، ۱۳۸)

کیفیت اور معنیٰ کو کلام نفسی کہا جاتا ہے پھر اس کلام نفسی کا اظہار کبھی الفاظ و عبادات کے ذریعے اور کبھی کتابت اور کتابت اشارہ کے ذریعہ کیا جاتا ہے جس کو کلام لفظی کہا جاتا ہے۔

صفت کلام غیر صفت ارادہ ہے

کلام غیر ارادہ ہے کیونکہ کبھی انسان کسی چیز کا امر کرتا ہے حالانکہ وہ اس کا ارادہ نہیں رکھتا، جیسے کسی آدمی کو نافرمان غلام کی مار پیٹ پر لوگ اس کو ملامت کرتے ہیں تو یہ آدمی غلام کو کسی کام کرنے کا حکم دیتا ہے، حالانکہ یہ آدمی ارادہ نہیں رکھتا کہ غلام وہ کام کرے بلکہ وہ غلام کی نافرمانی کو لوگوں پر ظاہر کرنا چاہتے ہیں، تو یہاں امر اور کلام ہے لیکن ارادہ نہیں ہے، پس معلوم ہوا کہ کلام عین ارادہ نہیں ہے۔

اخطل شاعر فرماتے ہیں:

ان الکلام نفی الفؤاد وانما　　　جعل اللسان علی الفؤاد دلیلا

کلام تو دل میں ہوتا ہے زبان تو دل کی ترجمانی کرتی ہے۔

حضور ﷺ کے وصال کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کے مسئلہ میں اختلاف ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ:

اجتمعت الانصار علی ان یائمروا اسعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فمشیت الیھم مع ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و زورت فی نفسی مقالۃ فتکلم ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و لم یترک مما زورت شیئا۔

تو یہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کلام کا محل نفس قرار دیا اور یہی کلام نفسی ہے۔

بسا اوقات ایک آدمی دوسرے آدمی سے کہتا ہے کہ میرے دل میں ایک بات ہے جو میں تمہیں کہنا چاہتا ہوں۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ کلام نفسی یا تو عین علم ہے یا ارادہ ہے۔ کلام نفسی کوئی الگ چیز نہیں ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ کلام یا تو خبر کی صورت میں ہو گا یا انشاء کی صورت میں ہو گا، اگر خبر کی صورت میں ہے تو عین عل ہے، کیونکہ خبر میں عبارت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ متکلم کو اس کا علم ہے اور اگر انشاء کی صورت میں ہے تو عین ارادہ ہے، کیونکہ انشاء یا تو امر کی صورت میں ہو گا یا نہی وغیرہ کی صورت میں، اگر امر کی صورت میں ہے تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ متکلم نے مخاطب سے فعل منہی عنہ کے نہ کرنے کا ارادہ کیا ہے اور استفہام کی صورت میں سوال کرنے کا ارادہ کیا ہے اور تمنی، ترجی اور قسم میں تمنی، امید اور قسم کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ تو اس تقریر سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ کلام عین علم یا عین ارادہ ہے۔

جواب یہ ہے کہ صفت کلام صفت ارادہ کا غیر ہے، اس لئے کہ کبھی کبھار انسان کسی ایسی چیز کے بارے میں خبر دیتا ہے، جس کا علم اس کو نہیں ہوتا بلکہ اس کے خلاف کا علم ان کو ہوتا ہے جیسے اخبار کاذبہ۔

صفت کلام اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے

کلام نامی صفت اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے۔

پہلی دلیل

وہ آیات مبارکہ جو گذر چکے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

دوسری دلیل

اس بات پر کہ کلام اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اجماع امت ہے۔

تیسری دلیل

یہ کہ تواتر کے ساتھ انبیاء علیہم السلام سے یہ بات نقل ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ متکلم ہیں اور ظاہر ہے کہ جو متکلم ہو گا کلام ان کے ساتھ قائم ہو گا، کیونکہ کلام کے ثبوت کے بغیر تکلم محال ہے۔

چوتھی دلیل

کلام اللہ تعالیٰ کی صفت ہے دلیل کا حاصل یہ ہے کہ قاعدہ ہے کہ مشتق کا اطلاق اس پر ہوتا ہے جس کے ساتھ مأخذ اشتقاق قائم ہو، اگر مأخذ اشتقاق اس کے ساتھ قائم نہ ہو، تو مشتق کا اطلاق اسی پر ناجائز ہے، تو جب اللہ تعالیٰ متکلم ہیں تو لامحالہ کلام اس کی صفت ہو گی۔

معتزلہ کی حماقت

معتزلہ حضرات کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ متکلم ہیں اور کلام اللہ تعالیٰ کے ماسوا لوح محفوظ، جبرائیل علیہ السلام یا محمد ﷺ کے ساتھ قائم ہے، معتزلہ کی یہ بات انتہائی حماقت پر مبنی ہے، کیونکہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ صفت کسی اور کی ہو اور قائم کسی دوسرے کے ساتھ ہو، نیز معتزلہ کی یہ بات مذکورہ قاعدہ کی وجہ سے مردود ہے۔

صفت کلام ازلی

جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کلام ازلی نہ ہو، تو اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا محل حوادث ہونا لازم آئے گا اور یہ ناجائز ہے۔

مزید وضاحت

مزید وضاحت یہ ہے کہ کلام حروف اور اصوات کے قبیل سے نہیں ہے، اس لئے کہ اصوات اور حروف اعراض اور حوادث ہیں، کیونکہ ان میں بعض کا حدوث دوسرے بعض کے ختم ہونے کے ساتھ مشروط ہے یعنی دوسرے حرف پر تلفظ کرنا اس وقت ممکن نہیں جب تک پہلے حرف کا تلفظ ختم اور معدوم نہیں ہو جاتا، مثلاً زید پر جب تلفظ کریں تو باء پر تلفظ زاء سے قبل ناممکن ہے اور معدوم ہونا حادث کی علامت ہے اس لئے کلام حروف اور اصوات کے قبیل سے نہیں ہے۔

اس سے حنابلہ اور کرامیہ کی تردید ہو گئی، یہ دونوں حضرات کہتے ہیں کہ کلام حروف اور اصوات کے قبیل سے ہے، البتہ کرامیہ کلام کے حادث ہونے کے قائل ہیں جبکہ حنابلہ کلام کو حروف اور اصوات کی جنس سے ہونے کے باوجود قدیم کہتے ہیں۔

کلام سکوت و آفت کے منافی ہے

کلام اللہ تعالیٰ کی ازلی صفت ہے اور سکوت اور آفت کے منافی ہے، یعنی ایسی بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کلام پر قدرت ہو اور کلام نہ کریں اور نہ ایسی بات ہے کہ آلات کی عدم موافقت کی وجہ سے کلام پر قادر نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ بغیر آلات کے جب چاہیں کلام کرنے پر قادر ہیں۔

سکوت و آفت کی اقسام

جس طرح کلام کی دو قسمیں ہیں کلام لفظی اور کلام نفسی، اسی طرح سکوت اور آفت کی بھی دو قسمیں ہیں، سکوت و آفت ظاہری، سکوت و آفت باطنی، سکوت ظاہری یہ ہے کہ قدرت کے ہوتے ہوئے کلام نہ کرنا، سکوت باطنی یہ ہے کہ قدرت کے ہوتے ہوئے دل میں کسی چیز کے بارے میں سوچ نہ سکے، یعنی تدبر کی تمام صلاحیت کا ختم ہو جانا۔

کلام صفت واحدہ ہے

کلام صفت واحدہ ہے، کلام کی ذات میں تکثر اور تعدد نہیں ہے۔کلام میں تکثر متعلقات امر، نہی، خبر وغیرہ کے اعتبار سے ہے، جیسا کہ علم، قدرت اور تمام صفات کا یہی حال ہے کہ وہ واحد ہیں اور تکثر متعلقات کے اعتبار سے ہے، اس طرح کلام بھی صفت واحد ہے تعلقات کے اعتبار سے اس میں تکثر اور تعدد ہے، تو کلام کا تکثر اعتباری ہے نہ کہ ذاتی، کلام کا تعلق جب طلب فعل ہو جائے تو امر کہلاتا ہے اور جب کلام کا تعلق ترک فعل کے ساتھ ہو جائے تو نہی کہلاتا ہے اور جب طلب حکایات کے ساتھ ہو جائے تو خبر اور جب طلب اعلام کے ساتھ ہو جائے تو استفہام اور جب طلب توجہ کے ساتھ ہو جائے تو ندا کہلاتا ہے۔

جیسے زید جزئی حقیقی ہے، زید کی ذات میں تکثر نہیں ہے، البتہ تعلقات کے اعتبار سے زید میں تکثر ہے، مثلاً زید کا تعلق اگر فقہ کے ساتھ ہے تو فقیہ کہلاتا ہے اور اگر صرف کے ساتھ تعلق ہے تو صرفی کہا جاتا ہے اور اگر نحو کے ساتھ ہے تو نحوی کہا جاتا ہے۔یہی حال کلام کا بھی ہے کہ اس کی ذات میں تکثر نہیں ہے، تعلقات کے اعتبار سے کلام میں تکثر اور تعدد ہے۔

قرآن پاک کا اطلاق کلام نفسی و لفظی دونوں پر ہوتا ہے

جس طرح کلام کا اطلاق کلام لفظی اور کلام نفسی دونوں پر ہوتا ہے اسی طرح قرآن کا اطلاق کلام نفسی پر بھی ہوتا ہے اور نظم متلو حادث یعنی کلام لفظی پر بھی ہوتا ہے، لہٰذا قرآن کریم بمعنی کلام نفسی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، قدیم ہے اور غیر مخلوق ہے۔

فائدہ: جب ہم کہیں گے کہ قرآن مخلوق ہے تو قرآن بمعنی کلام لفظی ہو گا اور جب ہم کہیں گے کہ قرآن غیر مخلوق ہے تو قرآن بمعنی کلام نفسی ہو گا، وہ قدیم ہے اور ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے۔

فائدہ: حضور ﷺ نے اس آدمی کو جو کہ قرآن کو مخلوق کہتا ہے تغلیظاً کافر کہا ہے۔

منشاء اختلاف

ہمارے اور معتزلہ کے اصل اور حقیقت میں اختلاف کلام نفسی کی اثبات اور نفی میں ہے، ہم کلام نفسی کے ثبات کے قائل ہیں اور وہ حضرات کلام نفسی کی نفی کے قائل ہیں باقی قرآن کریم کا مخلوق ہونا اختلاف کی فرع ہے ہم کلام نفسی کا اثبات کرتے ہیں اس وجہ سے ہم قرآن بمعنی کلام نفسی کو قدیم کہتے ہیں اور معتزلہ کلام نفسی کی نفی کے قائل ہیں اس لئے وہ قرآن کریم یعنی کلام لفظی کو مخلوق کہتے ہیں۔ اگر ہم معتزلہ کی طرح کلام کو صرف کلام لفظی میں منحصر کریں اور کلام نفسی کی نفی کے قائل ہو جائیں تو ہم کلام لفظی کو جو کہ حروف اور اصوات سے مرکب ہے قدیم نہیں کہتے، ہم معتزلہ کی طرح اس کو حادث اور غیر مخلوق مانتے ہیں یا اگر معتزلہ ہماری طرح کلام نفسی کے اثبات کے قائل ہو جائیں تو وہ کلام نفسی کو حادث نہیں کہیں گے پھر اختلاف نہ ہو گا۔

بہر حال حقیقت میں اختلاف کلام نفسی کے اثبات اور نفی میں ہے اور کلام کا مخلوق اور غیر مخلوق ہونا اسی اختلاف کی فرع ہے۔

معتزلہ کی دلیل

جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن مخلوق کی صفات کے ساتھ متصف ہیں اور حادث کی علامات کے ساتھ متصف ہیں اور جو چیز مخلوق اور حادث کی صفات کے ساتھ متصف ہوتی ہے وہ حادث ہوتی ہے،

لہٰذا قرآن کریم مخلوق اور حادث ہیں۔ رہی یہ بات کہ مخلوق اور حادث کے وہ کون سے اوصاف ہیں جن کے ساتھ قرآن کریم متصف ہے وہ چند اوصاف یہ ہیں:

قرآن پاک کے اوصاف

(۱) تالیف

یعنی قرآن کریم حروف اور آیات سے مرکب ہے۔ تالیف چونکہ اجزاء پر موقوف ہوتی ہے، اس لئے تالیف حادث ہے، پس جو قرآن موصوف بالتالیف ہے وہ بھی حادث ہو گا۔

(۲) تنظیم

قرآن کریم کی دوسری صفت تنظیم ہے قرآن کریم کا طبعی طور پر مرتب ہونا تنظیم کہلاتا ہے، جیساکہ موتیوں کی لڑی، تو تنظیم میں ترتیب ہوتی ہے اور ترتیب حادث ہے اس لئے تنظیم بھی حادث ہے۔ پس جو قرآن کریم موصوف با تنظیم ہے۔

(۳) انزال و تنزیل

قرآن کریم کی تیسری صفت انزال اور تنزیل ہے، انزال اور تنزیل میں فرق یہ ہے کہ انزال یک بارگی نازل ہونے کو کہتے ہیں۔ اور تنزیل تدریجاً نازل ہونے کو کہتے ہیں اور قرآن دونوں کے حق میں یہ دونوں معنی درست ہیں، اس لئے کہ حدیث میں آیاہے کہ قرآن دفعۃً لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف یک بارگی نازل ہوا ہے، پھر آسمان دنیا سے تیئیس سال میں رفتہ رفتہ نازل ہوا ہے جیسے قرآن میں ہے: إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ (القدر ۱) دوسری جگہ ہے: وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا (الاسراء۱۰٦)۔

تنزیل اور انزال مکان اعلیٰ سے مکان اسفل کی طرف منتقل ہونے کو کہتے ہیں۔

(۴) عربی ہونا

قرآن کریم کی چوتھی صفت قرآن کریم کا عربی زبان میں ہونا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا (یوسف ۲) اور عربی زبان میں ہونا عرب کی وضع پر موقوف ہے اور وضع حادث ہے تو عربی زبان میں ہونا بھی حادث ہو گا، لہٰذا قرآن جو کہ موصوف بالعربیت ہے وہ بھی حادث ہو گا۔

(۵) مسموع ہونا

پانچویں صفت قرآن کریم کا مسموع ہونا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ (الاعراف ۲۰۴) اور مسموع صوت ہو سکتی ہے اور آواز عرض ہونے کی بناء پر حادث ہو گی، پس قرآن جو کہ موصوف بالمسموع ہے وہ بھی حادث ہو گا۔

(٦) فصیح ہونا

چھٹی صفت قرآن کا فصیح ہونا ہے اور فصیح ہونا کثرۃ الاستعمال پر موقوف ہے اور استعمال حادث ہے پس فصیح ہونا حادث ہو گا، تو قرآن جو کہ موصوف بالفصاحت ہے وہ بھی حادث ہو گا۔

(۷) معجز ہونا

ساتویں صفت قرآن کا معجز ہونا ہے اور اعجاز الفاظ پر موقوف ہوتا ہے کیونکہ مخالف کو الفاظ کے ذریعے چیلنج دیا جاتا ہے اور الفاظ حادث ہیں، لہٰذا اعجاز حادث ہو گا تو مسموع بھی حادث ہو گا، پس قرآن جو کہ موصوف بالاعجاز ہے وہ بھی حادث ہو گا بہر حال قرآن مخلوق کی صفات کے ساتھ متصف

ہے اور جو چیز مخلوق کی صفات کے ساتھ متصف ہوتی ہے وہ حادث ہوتی ہے پس قرآن کریم مخلوق اور حادث ہے۔

جواب

جواب کا حاصل یہ ہے کہ معتزلہ کا یہ استدلال ہمارے خلاف حجت نہیں بن سکتی، کیونکہ انہوں نے کلام کی جو اوصاف ذکر کئے ہیں اور ان کا حدوث ثابت کیا ہے یہ کلام لفظی کی اوصاف ہیں اور کلام لفظی کے حدوث کے ہم بھی قائل ہیں، ہماری گفتگو تو کلام نفسی میں ہیں، لہٰذا معتزلہ کی یہ استدلال ہمارے خلاف حجت نہیں بن سکتی، البتہ حنابلہ کے خلاف حجت بن سکتی ہے، کیونکہ وہ کلام کو حروف اور اصوات میں سے ماننے کے باوجود قدیم کہتے ہیں۔

معتزلہ کی ایک باطل تاویل

معتزلہ حضرات اللہ تعالیٰ کے متکلم ہونے کا انکار تو کر نہیں سکتے، اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام سے تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ متکلم ہیں، نیز قرآن میں امر اور نہی کے صیغے بکثرت موجود ہیں، جو کہ کلام کی اقسام میں سے ہیں تو معتزلہ نے اللہ تعالیٰ کے متکلم ہونے میں تاویل کیا اور اللہ تعالیٰ کے متکلم ہونے کا مطلب یہ بیان کیا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے حروف اور اصوات کو اپنے محل میں پیدا کیا ہے شجرۂ موسیٰ علیہ السلام یا لسان جبرائیل علیہ السلام یا لسان نبی علیہ السلام یا لوح محفوظ میں حروف اور اصوات کو پیدا کیا ہے یا متکلم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کتاب کے اشکال کو لوح محفوظ میں پیدا کرنے والے ہیں اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اس پر تلفظ نہیں کیا، جیسا کہ مصنفین حضرات کتابیں لکھتے ہیں اور ان کے نقوش پر تلفظ نہیں کرتے، لیکن اس کے باوجود یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں کی کتاب اور تصنیف ہے۔

پھر معتزلہ نے اس بات میں اختلاف کیا ہے کہ جبرئیل نے کس کیفیت سے قرآن کو لیا، بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آواز کو پیدا کرتے، جبرئیل علیہ السلام اس کو سن لیتے اور اس کے ساتھ نازل ہوتے اور بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ لوح محفوظ میں کتابت کے نقوش کو پیدا فرماتے جبرئیل ان نقوش کو دیکھ کرلے آتے، بہر حال معتزلہ متکلم کو بمعنی موجد لیتے ہیں۔

جواب

جس کا حاصل یہ ہے کہ معتزلہ کی یہ تاویل لغت کے قاعدہ کے خلاف ہے، کیونکہ قاعدہ ہے کہ مشتق کا اطلاق اس پر ہوتا ہے جس کے ساتھ ماخز اشتقاق قائم ہو، مأخذ اشتقاق کے موجد پر مشتق کا اطلاق نہیں ہوتا، جیسے متحرک اس کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ حرکت قائم ہو حرکت کے موجد کو متحرک نہیں کہا جاتا۔ ورنہ اگر موجد پر مشتق کا اطلاق کیا جائے تو جن جن اعراض کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا اتصاف صحیح ہونا چاہیئے مثلاً: اللہ تعالیٰ نے سواد اور بیاض کو پیدا کیا ہے تو پھر تو اللہ تعالیٰ کو اسود اور ابیض کہنا چاہیئے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کو اسود اور ابیض نہیں کہا جاسکتا، تو معلوم ہوا کہ متکلم موجد کو نہیں کہا جاتا، بلکہ متکلم اس کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ کلام قائم ہے۔

معتزلہ کا اعتراض

اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ اے اشاعرہ! تم نے قرآن کی تعریف یہ کی ہے کہ:

"هو اسم لما نقل الينا بين دفتي المصاحف تواترا"۔

اور یہ تعریف قرآن کے لکھے جانے، پڑھے جانے، سنے جانے کو مستلزم ہے اور مکتوب، مقروء، مسموع حادث کی علامات ہیں اس لئے کہ ان کی محلات مصاحف، زبان، کان وغیرہ حادث ہیں، لہٰذا قرآن کریم مخلوق ہوا نہ کہ غیر مخلوق۔

جواب

جواب کا حاصل یہ ہے کہ قرآن بمعنی کلام نفسی کا ان صفات کے ساتھ متصف ہونا براہ راست نہیں ہے، بلکہ دال کے واسطہ سے ہے اور حادث ہونا تب لازم آتا جبکہ یہ مدلول یعنی کلام نفسی کی صفات ہوتے، رہی یہ بات کہ قرآن کریم بمعنی کلام نفسی دال کے واسطہ سے ان صفات کے ساتھ کیسے متصف ہے وہ اس طرح کہ مکتوب فی المصاحف کا مطلب یہ ہے کہ کتابت کی اشکال اور حروف کی وہ صور جو کہ کلام نفسی پر دال ہیں وہ مصحف میں مکتوب ہیں یہ مطلب نہیں ہے کہ کلام نفسی نے مصحف میں حلول کیا ہے، یہاں تک کہ محل (مصحف) کے حادث ہونے سے کلام نفسی کا حادث ہونا لازم آئے، اسی طرح محفوظ فی القلوب کا مطلب یہ ہے کہ وہ الفاظ جو کہ خزانہ خیال میں جمع ہیں اور کلام نفسی پر دال ہیں اور ہمارے دلوں میں حلول کیا ہے نہ یہ کہ خود کلام نفسی خزانہ خیال میں جمع ہے اور محفوظ فی القلوب ہے حتیٰ کہ محل یعنی دل کے حادث ہونے سے کلام نفسی کا حادث ہونا لازم آئے۔

اسی طرح مقروٴ اور مسموع کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کلام نفسی نے ہماری زبانوں اور کانوں میں حلول کیا ہے، یہاں تک کہ یہ کہا جائے کہ محل یعنی زبان اور کان کے حادث ہونے سے کلام نفسی کا حادث ہونا لازم آجائے، بلکہ کلام نفسی ایک ایسی صفت ہے جو کہ ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے، اس پر دلالت کرنے والے حروف و الفاظ مکتوب، مقروٴ، مسموع ہیں، خود کلام نفسی مکتوب، مقروٴ، مسموع، محفوظ وغیرہ نہیں ہیں اور دال یعنی کلام لفظی کے مکتوب، مسموع، مقروٴ ہونے سے مدلول یعنی کلام نفسی کا حدوث لازم نہیں آتا۔ لہٰذا قرآن بمعنی کلام نفسی غیر مخلوق اور غیر حادث ہیں۔

مثال

اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ:"النار جوھر مضیئ محرق" آگ ایسا جوہر ہے جو کہ روشن اور جلانے والا ہے، یہ ایک جملہ ہے جو کہ بولا، لکھا اور سنا جاتا ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آگ کی حقیقت اصوات کے قبیل سے ہے بولا، لکھا اور سنا جاتا ہے، ورنہ زبان، کان اور اوراق جل جائیں گے اسی طرح کلام نفسی پر دلالت کرنے والے الفاظ اور حروف سنے، بولے اور لکھے جاتے ہیں، خود کلام نفسی مکتوب، مقرؤ اور مسموع وغیرہ نہیں۔

وضاحت

جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شئ کے مختلف وجود ہو سکتے ہیں، جس کی وجہ سے اس شئ پر مختلف احکام لگائے جاتے ہیں اور شئ کے چار وجود ہیں:

(۱) وجود خارجی (۲) وجود ذہنی

(۳) وجود کتابی (۴) وجود لفظی

(۱)وجود خارجی

وجود خارجی وہ ہے جس میں شئ خارج اور نفس الامر میں موجود ہوتی ہے، چاہے کوئی مانے یا نہ مانے، کوئی اس کا تصور کرے یا نہ کرے۔

(۲)وجود ذہنی

وجود ذہنی وہ ہے جس میں شئ ذہن میں موجود ہوتی ہے۔

(۳)وجود کتابی

وجود کتابی وہ ہے کہ جس میں شئ کتابت میں موجود ہوتی ہے،اس کو وجود تعبیری بھی کہتے ہیں۔

(۴)وجود لفظی

وجود لفظی وہ ہے کہ شئ کے لئے جو لفظ وضع ہو اس کا تلفظ کیا جائے، یہ تلفظ کا تابع ہوتا ہے۔

وجود کتابی وجود لفظی پر دلالت کرتا ہے اور وجود لفظی وجود ذہنی پر دلالت کرتا ہے اور وجود ذہنی وجود خارجی پر دلالت کرتا ہے، وجود خارجی کے اعتبار سے قرآن سے مراد کلام نفسی ہے اور باقی تین وجود کے اعتبار سے قرآن سے مراد کلام لفظی ہے اور ان کے وجود کی وجہ سے کسی شئ پر مختلف احکام لاگو ہوسکتے ہیں۔

اس تمہید کے بعد جواب کا حاصل یہ ہے کہ جہاں کہیں قرآن کے لئے ایسی صفات ثابت کی جائیں جو کہ قدیم کے لوازمات میں سے ہیں، جیسا کہ "القرآن غیر مخلوق" اس وقت قرآن کا وجود خارجی مراد ہوگا اور قرآن کا وجود خارجی کلام نفسی ہے اور جس وقت قرآن کو ایسی صفات کے ساتھ متصف کیا جائے جو کہ مخلوق اور حادث کے لوازمات میں سے ہیں، تو اس وقت قرآن سے کلام لفظی مراد ہوگا، اور قرآن کے وجود سے یا وجود لفظی مراد ہوگا جیسے قرأت نصف قرآن اب یہاں وہ الفاظ مراد ہیں جن کو ہم بولتے اور سنتے ہیں۔ یا وجود ذہنی مراد ہوگا، جیسے "حفظت القرآن" یہاں قرآن سے مراد وہ الفاظ ہیں جو کہ خزانۂ خیال میں جمع ہیں یا وجود کتابی مراد ہوگا جیسے کہا جائے کہ بے وضو آدمی کے لئے قرآن کا چھونا حرام ہے، قرآن سے مراد اس کے نقوش ہیں۔ لہٰذا مکتوب، مقروٗ، مسموع، محفوظ یہ اوصاف کلام لفظی کے ہیں، جس کو ہم حادث مانتے ہیں، مکتوب ہونا وجود کتابی کے

اعتبار سے ہے، مقروٌ اور مسموع ہونا وجود لفظی کے اعتبار سے اور محفوظ ہونا وجود ذہنی کے اعتبار سے ہے اور یہ اوصاف کلام نفسی کے نہیں ہیں، جس کو ہم قدیم مانتے ہیں۔

اعتراض

اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ جب قرآن کا اطلاق کلام لفظی اور کلام نفسی دونوں پر ہوتا ہے تو اصولیین نے قرآن مجید کی ایسی تعریف کیوں کی جو کہ صرف کلام لفظی پر صادق آتی ہے، علماء اصول نے قرآن کی یہ تعریف کی ہے، ''المنزل علی الرسول المکتوب فی المصاحف المنقول عنه نقلا متواترا'' یہ تعریف صرف کلام لفظی پر صادق آتی ہے کلام نفسی پر صادق نہیں آتی، ان کو چاہیئے تھا کہ ایسی تعریف کرتے جو کہ دونوں کو شامل ہوتی۔

جواب

جواب کا حاصل یہ ہے کہ علماء علم اصول کے نزدیک قرآن الفاظ اور معانی دونوں سے عبارت ہے لیکن چونکہ علم اصول فقہ میں احکام شرعیہ پر دلیل قائم کرنا مقصود ہوتا ہے اور دلیل بننے کی صلاحیت الفاظ میں ہوتی ہے نہ کہ معنیٰ میں، کیونکہ معنیٰ ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم اور قدیم ہے، اس وجہ سے اصولیین نے ایسی تعریف کی جو کہ صرف کلام لفظی کو شامل ہے۔

کلام نفسی کا سننا ممکن ہے یا نہیں؟

شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک کلام نفسی کا سننا ممکن ہے:

پہلی دلیل: ان کی پہلی دلیل یہ آیت ہے: وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللهِ (توبة ٦)

دوسری دلیل: دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر اللہ تعالیٰ کا کلام سنا تھا۔

اور ابو اسحٰق اسفرائینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور شیخ ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک کلام اللہ کا سننا ناممکن ہے۔

پہلی دلیل کا جواب:

ان دونوں حضرات نے پہلی دلیل کا یہ جواب دیا ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ الفاظ سنے جو کہ کلام نفسی پر دلالت کرتے ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے: "سمعت علم فان" اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ میں نے وہ الفاظ سنے جو کہ فلاں کے علم پر دلالت کرتے ہیں۔

دوسری دلیل کا جواب

دوسری دلیل کا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہ الفاظ سنے تھے جو کہ کلام نفسی پر دلالت کرتے ہیں۔

اعتراض

پھر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ کلام لفظی کو تو ہم سنتے ہیں، پھر کلیم کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مخصوص کرنے کی کیا وجہ؟

جواب: جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرشتہ اور کتاب کے واسطہ کے بغیر کلام اللہ سنا تھا، اور ہم نے کتاب کے واسطہ سے سنا ہے اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام نے فرشتہ کے ذریعے سنا ہے، اس وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ کے ساتھ خاص کیئے گئے۔[157]

---

[157] (شرح العقائد مع الشرح)

(۸)صفت تکوین

تکوین ایک صفت ہے اور اس کے مختلف نام اور تعبیرات ہیں، اس کو فعل، تخلیق، ایجاد، اختراع وغیرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

تکوین کا معنی

جس کا حاصل یہ ہے کہ شئ معدوم کو عدم سے وجود کی طرف لانے کا نام تکوین ہے۔

تکوین صفت باری تعالیٰ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عقل اور نقل کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم کا خالق اور مکون ہے اور قاعدہ ہے کہ مشتق کا اطلاق اس پر کیا جاتا ہے جس کے ساتھ ماخذ اشتقاق قائم ہو، تو جب اللہ تعالیٰ مکون اور خالق ہیں تو لا محالہ تکوین مذکورہ بالا قاعدہ کی وجہ سے اس کے ساتھ قائم ہو گی۔

تخلیق یعنی کسی شئ کو پیدا کرنا، ترزیق یعنی جانداروں کو رزق دینا، تصویر یعنی جاندار وغیرہ کو صورت دینا، سبزہ اگانا، زندہ کرنا اور موت دینا یہ سب صفت تکوین ہی کے تحت داخل ہیں۔[158]

قال اللہ تعالیٰ: إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (یس ۸۲)

اس کا کام تو یہی ہے کہ جب کسی چیز کو چاہے تو اس سے فرمائے ہو جا وہ فوراً ہو جاتی ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ (فاطر ۳)

کیا اللہ کے سوا اور بھی کوئی خالق کہ آسمان اور زمین سے تمہیں روزی دے۔

قال اللہ تعالیٰ: هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ (الحشر ۲۴)

وہی ہے اللہ بنانے والا پیدا کرنے والا ہر ایک کو صورت دینے والا۔

---

158 (اسلامی عقائد، ص ۳۳)

والتکوین والخلق والتخلیق والایجاد والاحداث والاختراع و نحو ذلک صفة اللہ تعالیٰ لاطباق العقل والنقل علی انہ خالق للعائم مکون لہ۔[159]

صفت تکوین ازلی ہے

امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک یہ صفت بھی قدیم اور ازلی ہے یعنی ہمیشہ ہمیشہ سے ہے اور سا کا فائدہ یہ ہے کہ جب کسی بھی شئ کے وجود کا وقت (جو کہ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں ہے) آجاتا ہے تو اس صفت کے تحت اللہ تعالیٰ اس شئ کو عدم سے وجود میں لے آتے ہیں۔

امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صفت تکوین کو علیحدہ سے مستقل صفت نہیں مانتے بلکہ تکوین کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفت قدرت ہی کے ساتھ متعلق مانتے ہیں۔

دلیل نمبر ا

دلیل کا حاصل یہ ہے کہ اگر تکوین ازلی نہ ہو بلکہ حادث ہو تو باری تعالیٰ کا محل حوادث ہونا لازم آئے گا اور باری تعالیٰ کا محل حوادث ہونا باطل ہے، لہٰذا تکوین کا حادث ہونا باطل ہے۔

دلیل نمبر ۲

دلیل کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کلام ازلی میں اپنے آپ کو خالق کہا ہے، اب اگر اللہ تعالیٰ کو ازل میں خالق نہ کہا جائے تو یا تو ذات باری تعالیٰ کا کاذب ہونا لازم آئے گا یا مجاز کی طرف عدول لازم آئے گا اور خالق بمعنی "**خالق فی المستقبل یا قادر علی الخلق**" ہو گا اور ذات باری تعالیٰ کا کاذب ہونا بھی باطل ہے اور **عدول الی المجاز** بھی باطل ہے، لہٰذا ازل میں باری تعالیٰ خالق اور مکون ہو گا۔

---

159 (شرح العقائد، ص ٦٤)

عدول الی المجاز کے بطلان کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہاں حقیقی معنی معتذر نہیں ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر خالق کا معنی مجازاً "قادر على الخلق" لیا جائے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ جتنی اعراض اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں، ان سب کا اطلاق بھی اللہ تعالیٰ پر صحیح ہونا چاہیئے مثلاً: قادر على السواد کی وجہ سے اسود قادر على البياض کی وجہ سے ابیض کا اطلاق بھی اللہ تعالیٰ پر درست ہونا چاہیئے، حالانکہ اعراض کا تعلق ذات باری تعالیٰ پر ناجائز ہے، تو معلوم ہوا کہ خالق بمعنی "قادر على الخلق" نہیں ہے۔

دلیل نمبر ۳

دلیل کا حاصل یہ ہے کہ تکوین اگر ازلی نہ ہو بلکہ حادث ہو تو اس کا حدوث دوسری تکوین کی وجہ سے ہو گا یا بغیر تکوین کے ہو گا، دونوں صورتیں باطل ہیں۔ لہٰذا تکوین کا حادث ہونا بھی باطل ہے۔

پہلی صورت میں تو اس لئے باطل ہے کہ اس صورت میں تسلسل لازم آئے گا وہ اس طرح کہ پہلی تکوین کا حدوث دوسری تکوین کی وجہ سے ہو تو دوسری تکوین بوجہ حادث ہونے کے تیسری تکوین کی محتاج ہو گی اور یہی سلسلہ لا الی نہایہ چلتا رہے گا اور یہی تسلسل ہے جو کہ باطل ہے۔

دوسری وجہ پہلی صورت کے بطلان کی یہ ہے کہ اس صورت میں عالم کے وجود کا محال ہونا لازم آئے کیونکہ عالم کا وجود موقوف ہو گا تکوینات غیر متناہی پر اور تکوینات غیر متناہی محال ہیں اور موقوف ہیں اور موقوف علی المحال محال ہوتا ہے، لہٰذا عالم کا وجود محال ہو جائے گا حالانکہ ہم مشاہدہ سے عالم کے وجود کو دیکھتے ہیں۔

دوسری صورت اس لئے باطل ہے کہ اس صورت میں تعطیل صانع لازم آئے گا، کیونکہ جب ایک حادث کا بغیر صانع کے موجود ہونا ممکن ہوا تو تمام کائنات کا بغیر صانع کے موجود ہونا ممکن ہو گا اور تعطیل صانع محال ہے لہٰذا تکوین کا بغیر صانع کے موجود ہونا محال ہے، تو جب دونوں صورتیں باطل ہوئیں تو تکوین کا حادث ہونا بھی باطل ہو گا پس جب تکوین کا حادث ہونا باطل ہے تو لامحالہ تکوین ازلی اور قدیم ہو گا۔

دلیل نمبر ۴

دلیل کا حاصل یہ ہے کہ اگر تکوین حادث ہے تو یا ذات باری تعالیٰ میں حادث ہو گی یا ذات باری تعالیٰ کے علاوہ میں حادث ہو گی جیسا کہ ابو ھزیل کا مذہب ہے کہ ہر جسم کی تکوین اس جسم کے ساتھ قائم ہوتی ہے اور یہ دونوں شقیں باطل ہیں۔

پہلی صورت اس لئے باطل ہے کہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا محل حوادث ہونا لازم آئے گا اور دوسری صورت اس لئے باطل ہے کہ اس صورت میں شئ کا اپنے نفس کے لئے مکون ہونا لازم آئے گا، تو جب دونوں صورتیں باطل ہوئیں تو تکوین کا حادث ہونا بھی باطل ہو گا، پس جب تکوین کا حادث ہونا بھی باطل ہے تو تکوین لامحالہ ازلی ہو گا۔

فائدہ نمبر ۱

ہم نے جو چار دلائل ذکر کیئے ہیں ان کا دارومدار اس بات پر ہے کہ تکوین کو مستقل صفت قرار دیا جائے اور ہم ماتریدیہ تکوین کو مستقل صفت مانتے ہیں۔

فائدہ نمبر ۲

ہمارے مذہب کی تائید اس آیت سے بھی ہو سکتی ہے إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (یٰس ۸۲) طریقہ استدلال یہ ہے کہ اگر تکوین مستقل صفت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتے "اذا ارادشیئافیکن" حالانکہ اللہ تعالیٰ نے "کُن" کا لفظ ذکر کیا ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تکوین مستقل صفت ہے۔

اشاعرہ کا مذہب

اشاعرہ کہتے ہیں کہ تکوین حادث ہے، دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ تکوین کا تصور بغیر مکون کے نہیں ہو سکتا جس طرح ضرب بغیر مضروب کے موجود نہیں ہو سکتا، تو اگر تکوین قدیم ہو جائے تو اس سے مکونات کا قدیم ہونا لازم آئے گا، حالانکہ مکونات حادث ہیں تو معلوم ہوا کہ تکوین حادث ہیں۔

جواب

ماتریدیہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ تکوین کا تعلق عالم کے ساتھ ہے لیکن تعلق ازل سے نہیں، بلکہ عالم کے موجود ہونے کے وقت ہے پس تکوین ازلی ہے اور مکونات کا تعلق حادث ہے کیونکہ صفت کا قدیم ہونا متعلقات کے قدم کو مستلزم نہیں ہوتا جس طرح علم اور قدرت قدیم ہیں اور اس کے تعلقات یعنی معلومات اور مقدورات حادث ہیں، اسی طرح تکوین قدیم ہے اور مکونات حادث ہیں کیونکہ تعلقات حادث ہوتے ہیں اور صفات قدیم ہوتی ہیں۔

علامہ صابونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ عالم کے وجود میں تین احتمالات ہیں

پہلا احتمال

یہ ہے کہ وجود عالم کا تعلق ذات باری تعالیٰ اور ان کی صفات میں سے کسی صفت کے ساتھ نہ ہو۔ یہ صورت باطل کیونکہ اس صورت میں دو قسم کی خرابی لازم آئے گی:

(۱) تعطیل صانع (۲) حوادث کا محدث سے مستغنی ہونا۔

دوسرا احتمال

یہ ہے کہ عالم کے وجود کا تعلق اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت کے ساتھ ہو اور صفت کے قدم کی وجہ سے عالم بھی قدیم ہو، یہ صورت اس لئے باطل ہے کہ عالم تمام اجزاء سمیت حادث ہے۔

تیسرا احتمال

یہ ہے کہ عالم کے وجود کا تعلق کسی صفت سے ہو اور عالم حادث ہو اور یہی صورت درست ہے، اسی طرح صفت تکوین کے ساتھ مکونات کا تعلق ہے۔ اور تکوین کا قدیم ہونا مکونات کے قدیم ہونے کو مستلزم نہیں ہے لہٰذا صفت قدیم ہوئی اور تکوین کا قدیم ہونا مکونات کے قدم کو مستلزم نہ ہوا۔

تکوین عین مکون نہیں ہے

اشاعرہ حضرات نے جب دیکھا کہ مخلوق پر خلق کا اطلاق ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: هَذَا خَلْقُ اللهِ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ (لقمان ۱۱) یا جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ: ”اجتمع خلق عظیم“ یہاں خلق بمعنی مخلوق ہے، تو انہوں نے کہا کہ تکوین عین مکون ہے اور امر اضافی ہے۔

ماتریدیہ فرماتے ہیں کہ تکوین عین مکون نہیں ہے۔

دلیل نمبر ۱

دلیل کا حاصل یہ ہے کہ تکوین عین مکون نہیں ہے کیونکہ تکوین فعل ہے اور مکون مفعول ہے اور فعل اور مفعول کے درمیان مغایرت ہوتی ہے جیسا کہ ضرب اور مضروب اکل اور ماکول کے درمیان مغایرت ہے اسی طرح تکوین اور مکون کے درمیان مغایرت ہے۔

دلیل نمبر ۲

اگر تکوین عین مکون ہو جائے تو مکون کا بذات خود موجود ہونا بلا صنع صانع لازم آئے گا، اسی طرح مکون کا قدیم ہونا اور مستغنی عن الصانع ہونا لازم آئے گا اور مکون کا بذات خود پیدا ہونا، قدیم ہونا، مستغنی عن الصانع ہونا باطل ہے۔ لہٰذا تکوین کا عین مکون ہونا باطل ہے، حالانکہ مکون یعنی عالم حادث ہے اور صانع کا محتاج ہے۔ رہی یہ بات کہ مکون کا بذات خود پیدا ہونا، قدیم ہونا، مستغنی عن الصانع ہونا کیسے لازم آئے گا؟ وہ اسی طرح کہ جب تکوین عین مکون ہے تو مکون اس تکوین سے پیدا ہو گا جو اس کا عین ہے اور جب مکون عین اس تکوین سے پیدا ہو جو اس کا عین ہے تو ظاہر ہے کہ مکون کا وجود لذاتہ ہو گا اور جا کا وجود لذاتہ ہوتا ہے وہ قدیم اور مستغنی عن الصانع ہوتا ہے اور مکون کا بذات خود پیدا ہونا، قدیم ہونا، مستغنی عن الصانع ہونا باطل ہے لہٰذا تکوین کا عین مکون ہونا بھی باطل ہے۔

دلیل نمبر ۳

دلیل کا حاصل یہ ہے کہ اگر تکوین عین مکون ہو جائے تو ذات باری تعالیٰ کا خالق للعالم اور صانع ہونا جائز نہ ہو گا اور خالق کا عالم کے ساتھ صرف یہ تعلق ہو کہ خالق عالم سے مقدم اور عالم پر اس کی قدرت ہے، لیکن اس میں مؤثر نہیں ہے، کیونکہ تکوین جب عین مکون ہوا تو ہر مکون اس تکوین سے

پیدا ہو گا جو کہ اس کے ساتھ قائم ہے، تو لا محالہ ہر مکون بذات خود موجود ہو گا صانع مؤثر نہ ہو گا اور ذات باری تعالیٰ کا خالق اور صانع نہ ہونا باطل ہے لہٰذا تکوین کا عین مکون ہونا بھی باطل ہے۔

دلیل نمبر ۴

دلیل کا حاصل یہ ہے کہ اگر تکوین عین مکون ہو جائے تو باری تعالیٰ کو مکون الاشیاء ہونا درست نہ ہو گا، کیونکہ مکون اس کو کہتے ہیں جس کے ساتھ تکوین قائم ہو، تو جب تکوین عین مکون ہوا تو تکوین ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم نہ ہو گا، لہٰذا اللہ تعالیٰ کا مکون ہونا درست نہ ہو گا، حالانکہ باری تعالیٰ مکون الاشیاء ہیں تو جب باری تعالیٰ مکون الاشیاء تو تکوین کا عین مکون ہونا باطل ہو گا۔

دلیل نمبر ۵

دلیل کا حاصل یہ ہے کہ اگر تکوین کو عین مکون مان لیا جائے تو یہ کہنا صحیح ہو گا:

"خالق سواس ھذالجسم اسود"۔

یعنی اس جسم کے سواد کا خالق اسود ہے۔ اور یہ کہنا اس لئے صحیح ہو گا کہ خلق تکوین ہے اور سواد مکون ہے تو جب تکوین اور مکون ایک ہے تو خلق اور سواد بھی ایک ہوں گے اور ان دونوں کا محل بھی ایک ہو گا، لہٰذا جس کے ساتھ سواد قائم ہو گا اس کے ساتھ تکوین اور خلق قائم ہو گا، کیونکہ دونوں کا محل ایک ہے اور سواد اسود کے ساتھ قائم ہے تو خلق بھی اسود کے ساتھ قائم ہو گا، تو جب خلق اسود کے ساتھ قائم ہو گا تو اسود کو خالق کہنا صحیح ہو گا، کیونکہ جس کے ساتھ خلق اور تکوین قائم ہوتا ہے اسے خالق اور مکون کہا جاتا ہے، حالانکہ اسود کو خالق کہنا درست نہیں ہے، پس معلوم ہوا کہ تکوین عین مکون نہیں ہے۔

اسی طرح اگر تکوین عین مکون ہو جائے تو یہ کہنا صحیح ہو گا کہ اس پتھر کے سواد کا خالق پتھر ہے، کیونکہ خلق تکوین ہے اور سواد مکون ہے تو جب تکوین اور مکون ایک ہے تو خلق اور سواد بھی ایک ہونگے اور دونوں کا محل بھی ایک ہو گا تو جس کے ساتھ سواد قائم ہو گا اس کے ساتھ خلق قائم ہو گا کیونکہ دونوں کا محل ایک ہے اور سواد حجر کے ساتھ قائم ہے تو خلق بھی حجر کے ساتھ قائم ہو گا تو جب خلق اور تکوین حجر کے ساتھ قائم ہو گا تو حجر کو خالق کہہ کر یوں کہنا درست ہونا چاہیئے: "خالق سواد هذاالحجر حجر" حالانکہ یہ کہنا درست نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ تکوین عین مکون نہیں ہے۔

اعتراض

اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ تکوین اور مکون کے درمیان مغایرت ایک بدیہی امر ہے اور بدیہی چیز پر استدلال قائم نہیں کیا جاسکتا، لہٰذا مذکورہ دلائل کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی؟

جواب

یہ دلائل نہیں ہیں بلکہ یہ فعل اور مفعول کے درمیان مغایرت پر تنبیہات ہیں، کیونکہ مغایرت کا ہونا بدیہی امر ہے اور بدیہی چیز پر تنبیہات کو پیش کیا جاتا ہے۔

اشاعرہ کے قول کی توجیہ

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اشاعرہ کے قول کی توجیہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

اشاعرہ حضرات جو کہتے ہیں کہ تکوین عین مکون ہے اس سے اشاعرہ کی مراد یہ نہیں کہ تکوین اور مکون کا مفہوم ایک ہے، بلکہ اشاعرہ کی مراد یہ ہے کہ جب فاعل کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو خارج میں فاعل اور مفعول کے علاوہ کوئی اور شئی نہیں ہوتی ہے۔ رہا فعل اس کا حقیقتاً خارج میں وجود نہیں ہوتا، وہ ایک امر اضافی اور نسبت ہے جو کہ فاعل اور مفعول دونوں کے تعلق سے پیدا ہوتا ہے مثلاً

ضرب کو لیجیۓ کہ خارج میں ضارب اور مضروب کا تحقق ہو تا ہے اور ضرب ایک امر اضافی ہے، جو کہ ضارب اور مضروب کے تعلق سے پیدا ہو تا ہے، حقیقتاً اس وجود نہیں ہو تا ہے، اسی طرح تکوین بھی ایک امر اضافی ہے جس کا خارج میں حقیقتاً کوئی تحقق نہیں ہو تا بلکہ مکوِن اور مکوَن دونوں کے تعلق سے پیدا ہو تا ہے۔ تو اشاعرہ نے جو کہا ہے کہ ”تکوین عین مکون ہے“ اس سے اشاعرہ کی مراد یہ نہیں ہے کہ دونوں کا مفہوم ایک ہے یعنی عینیت سے اتحاد فی المفہوم مراد نہیں لیا ہے ورنہ وہ محالات لازم آئیں گے جو کہ ماتریدیہ نے ذکر کئے ہیں بلکہ اشاعرہ کی مراد یہ ہے کہ ایسی بات نہیں ہے کہ خارج میں تکوین کا الگ تحقق ہے اور مکون کا الگ تحقق ہے بلکہ خارج میں جو تحقق تکوین کا ہے ان دونوں کے درمیان وجود خارجی کے اعتبار سے اتحاد ہے مفہوم کے اعتبار سے اتحاد نہیں ہے۔

اس توجیہ کی توضیح بالنظیر والمثال

جس کا حاصل یہ ہے کہ مناطقہ حضرات کہتے ہیں کہ ماہیت اور وجود ماہیت کے درمیان خارج میں عینیت ہے تو اس سے مناطقہ کی مراد یہ نہیں کہ ماہیت اور وجود کا مفہوم ایک ہے، کیونکہ مفہوم دونوں کا الگ الگ ہے، ماہیت ”ما بہ الشئی ھو ھو“ کو کہتے ہیں جبکہ شیٔ کا خارج میں موجود ہونا وجود کہلاتا ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے کہ خارج میں ماہیت کا الگ تحقق ہو تا ہے اور وجود جو کہ ماہیت کو عارض ہو تا ہے اس کا الگ تحقق ہو تا ہے، جیسا کہ قابل ”جسم“ اور مقبول ”سواد“ کا الگ الگ تحقق ہو تا ہے، پھر یہ دونوں ایک ساتھ جمع ہو جاتے ہیں۔ وجود اور ماہیت اس طرح نہیں کہ ماہیت کا الگ تحقق ہو اور وجود کا الگ تحقق ہو، پھر ان دونوں کا اجتماع ہو گیا ہو، بلکہ مناطقہ کی مراد یہ ہے کہ خارج میں جب ماہیت موجود ہوتی ہے تو اس کا موجود ہونا ہی وجود اور حصول ہو گا، وجود کا الگ تحقق نہیں ہو تا، خارج میں ماہیت اور وجود کے درمیان مغایرت نہیں ہے، البتہ ذہن میں ماہیت اور

وجود کے درمیان مغایرت ہو سکتی ہے، یعنی یہ ہو سکتا ہے کہ ذہن ایک کا تصور دوسرے کے بغیر کرے، اس طرح تکوین اور مکون میں وجود ذہنی کے اعتبار سے مغایرت ہو سکتی ہے، کہ ذہن ایک کا تصور دوسرے کے بغیر کرے، لیکن وجود خارجی کے اعتبار اور عینیت ہے۔

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اشاعرہ کی تائید میں فرماتے ہیں کہ

جب اشاعرہ کی مراد اس قول سے کہ "تکوین عین مکون ہے" یہ ہے کہ خارج میں تکوین اور مکون ایک ہی چیز ہیں، اور تکوین امر اضافی ہے خارج میں مکون کے علاوہ تکوین کا الگ وجود نہیں ہے، تو مذکورہ دلائل سے اس مذہب اور رائے کا ابطال اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک یہ بات ثابت نہ کی جائے کہ اللہ تعالیٰ سے اشیاء کا صدور ایسی صفت پر موقوف ہے جو کہ ارادہ اور قدرت کے علاوہ ہے، حالانکہ یہ ناممکن ہے، کیونکہ اشیاء کا صدور ارادہ اور قدرت کی وجہ سے ہے تکوین کی وجہ سے نہیں، رہی یہ بات کہ اس صورت میں اس رائے کا ابطال کیوں نہ ہو گا۔

جواب

تو اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ دلائل مکون اور تکوین کے درمیان مفہوم کے اعتبار سے مغایرت ثابت ہونے پر دلالت کرتی ہیں، حالانکہ اشاعرہ بھی مفہوم کے اعتبار سے مغایرت کے قائل ہیں، اشاعرہ حضرات جو مغایرت ثابت کرتے ہیں وہ وجود خارجی کے اعتبار سے ہے، البتہ اگر تکوین کا صفت حقیقی ہونا ثابت ہو جائے تو تکوین اور مکون کے درمیان خارج میں مغایرت ثابت ہو گی اور تکوین ازلی ہو گی۔

علامہ تفتازنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی توجیہ کا جواب

علامہ تفتازنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مذکورہ توجیہ کا جواب ماتریدیہ نے یہ دیا ہے کہ جب تکوین کو امر اضافی قرار دیا ہے اور مکوِن اور مکون کے درمیان جو نسبت ہے اس کو تکوین کہا جاتا ہے تو اس طرح دیگر صفات مثلاً علم وغیرہ کو امر اضافی کہا جائے، کیونکہ خارج میں عالم اور معلوم کے علاوہ کوئی چیز موجود نہیں تو علم بھی عالم اور معلوم کے درمیان ایک نسبت ہے لہٰذا علم اور دیگر صفات کو بھی امر اضافی کہا جائے، حالانکہ آپ حضرات علم وغیرہ کو صفات حقیقیہ مانتے ہیں تو جب ان صفات کو صفات حقیقیہ مانتے ہیں تو لا محالہ تکوین کو حقیقی صفت ماننا پڑے گا اگر نہیں مانیں گے تو تحکم ہو گا۔[160]

اشیاء کے وجود کا تعلق کیا کلمہ کُن کے ساتھ ہے

قرآن پاک میں ہے:

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (یٰسٓ ۸۲)

اس کا کام تو یہی ہے کہ جب کسی چیز کو چاہے تو اس سے فرمائے ہو جا وہ فوراً ہو جاتی ہے۔

(۱) امام اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اشیاء کے وجود کا تعلق اللہ تعالیٰ کے کلام ازلی کے ساتھ ہوتا ہے اور کلمہ کُن اس کلام ازلی پر دلالت کرتا ہے۔

(۲) امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اس کلمہ سے مقصود صرف یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت سے وہ شئی بلا کسی تاخیر کے وجود میں آجاتی ہے۔ غرض محض اللہ تعالیٰ کی قدرت و عظمت کا اظہار ہے خاص یہ کلمہ کہنا مراد نہیں ہے۔

---

160 (شرح العقائد الشرح)

(۳) امام فخر الاسلام بزدوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اشیاء کا وجود تکوین و ایجاد اور کلمہ کن کے ساتھ خطاب دونوں سے ہی ہوتا ہے۔[161]

(مفصل و مدلل عقائد اہلسنت والجماعت)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والحق۔

۱۶) نیت مراقبہ اصل اخفیٰ: الٰہی اخفائے من بمقابل اخفائے نبی علیہ السّلام، آن فیض تجلّائی شان جامع خود کہ بہ اخفائے نبی علیہ السّلام رسانیدہ بہ اخفائے من نیز برسانی بواسطہ پیران کبار۔ توقف۔۔۔۔روز

اس لطیفہ کی فناء یہ ہے کہ سالک کو اخلاق حق سبحانہ و تعالیٰ اور اخلاق نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تخلق و اتصاف اور آراستگی حاصل ہو جاتی ہے، اور یہی اثرات آئندہ مقامات میں پختہ ہوتے رہتے ہیں۔ اس مقام میں حضور ﷺ کی پوری طرح اتباع کرنا مفید ہوتا ہے۔

صفات، شیونات اور ذات سب کے مجموعہ کو شان جامع کہتے ہیں اور یہ تجلی نبی کریم ﷺ کو اللہ رب العزت نے عطا فرمائی۔ چنانچہ اس سبق کے ملنے پر جن کا یہ لطیفہ زیادہ نمایاں ہوتا ہے پھر اس سے فیض ان کو آتا ہے، جن کے اندر محبوبیت آجاتی ہے۔ لطیفۂ سر غالب تھا تو وہ مرید تھے اور لطیفۂ اخفیٰ غالب آگیا تو مراد بن گئے، ان کے اندر محبوبیت آگئی، ایسے اخلاق عظیم آجاتے ہیں کہ انسان وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ (القلم ۴) "بے شک آپ اخلاق کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں" کا نمونہ بن جاتا ہے، تصوف کا جو مقصود ہے کہ اخلاق ذمیمہ ختم ہوں اور حمیدہ آجائیں، اس سبق پہ آکر اخلاق حمیدہ کامل طور پر حاصل ہو جاتے ہیں۔

---

161 (اسلامی عقائد از مفتی عبدالواحد، ص ۳۳)

چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس سبق پر پہنچنے تک بندے کے مقامات عشرۂ سلوک طے ہو جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ جو لطیفۂ اخفیٰ تک پہنچ جاتا ہے تو توبہ، انابت، زہد، ریاضت وغیرہ سارے مقامات عشرہ طے ہو جاتے ہیں اور اس بندے کے اندر محبوبیت آ جاتی ہے، اس بندے کے اندر حمیت کی صفت غالب آ جاتی ہے، رحیم و کریم طبیعت ہو جاتی ہے، عفوو در گزر والی طبیعت نصیب ہو جاتی ہے۔ **سبحان اللہ**!

چنانچہ حدیث پاک میں ہے:

الراحمون يرحمهم الرحمن ارحموا من في الارض يرحمكم من في السماء[162]

تو رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے ان کی اتباع کے کمال کی وجہ سے پھر بندے کو اس میں سے حصہ نصیب ہو جاتا ہے، پھر دل میں امت کا غم پیدا ہو جاتا ہے، مخلوق کا غم آ جاتا ہے۔ تو یہ پانچ سبق مراقبات مشاربات کہلاتے ہیں، اللہ تعالیٰ یہ صفات ہمیں بھی عطا فرمائیں، آمین

لطائف کی اپنے اصل کی طرف سیر

تصوف کے اسباق کو کچھ دائروں میں تقسیم کیا گیا ہے، پہلے دائرے کو "دائرہ امکان" کہتے ہیں، دائرہ امکان کے درمیان میں عرش آتا ہے۔ آدھا دائرہ عرش سے نیچے ہے اور آدھا عرش کے اوپر ہے، عرش کے نیچے عالم امر کے لطائف ہیں یعنی قلب، روح، سر خفی، اخفیٰ اصل نہیں ہیں بلکہ سایہ ہے، ان کی اصل عرش سے اوپر ہے۔ جب لطیفہ کی سیر ہوتی ہے تو روح لطیفہ اندر سے نکل کر اپنے اصل کی طرف جاتی ہے۔ **کل شئی یرجع الیٰ أصله**، تو اس کو "**سیر الی اللہ**" کہتے ہیں۔

---

[162] سنن الترمذي، ج ٣، ص ٢١٧

مکتوبات معصومیہ دفتر دوم مکتوب ۸۵ میں حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں ہر لطیفہ کی فنا اس لطیفہ کے اپنے اصل تک پہنچنے سے وابستہ ہے اور چونکہ روح کی اصل صفات بلکہ ظلال صفات کے مقام سے ہے کیونکہ عالم امر کے پانچوں لطائف کے اصول، اسماء و صفات کے ظلال کے دائرہ میں داخل ہیں کہ ان میں سیر واقع ہونا ولایت صغریٰ ہے جو کہ اولیاء اللہ کی ولایت ہے، میں فنائے روح صفات کے ظلال تک وصول سے عبارت ہے، جیسا کہ قلب کی اصل افعال واجب تعالیٰ کے مقام سے ہے اور اس کی فنا اس کے اس مقام تک وصول سے وابستہ ہے۔ سالک کو جب مشارب میں فنا حاصل ہو جاتی ہے (لطیفۂ قلب کو تجلیات افعال، لطیفۂ روح کو صفات ثبوتیہ، لطیفۂ سر کو شیونات ذاتیہ، لطیفۂ خفی کو صفات سلبیہ اور لطیفۂ اخفیٰ کو شان جامع میں فنا) گویا اس کو دائرۂ ولایت صغریٰ میں فنا حاصل ہو جاتی ہے۔

تنبیہ: ان پانچوں مراقبات مشارب میں ہر مراقبہ کی نیت کر کے جب اس لطیفے کے فیض کے انتظار میں بیٹھے تو ہر اس لطیفے کو جس میں مراقبہ کر رہا ہے آنحضرت ﷺ تک اپنے سلسلے کے تمام بزرگوں کے اس لطیفے کے سامنے اس شیشہ کی مانند، جو آپس میں ایک دوسرے کے سامنے ہوں فرض کر کے خیال کرے کہ اس لطیفے کا خیالی فیض جناب باری تعالیٰ سے آں سرور عالم ﷺ کے اس لطیفے میں آ رہا ہے، پھر سلسلہ کے تمام بزرگوں کے اس لطیفہ کے آئینوں سے منعکس ہو کر میرے اس لطیفہ میں آ رہا ہے۔

حدیث قدسی: أنا عند ظن عبدی بی۔ (ترجمہ: میں اپنے بندے کے ساتھ اس کے گمان کے موافق ہوں۔) کے بموجب اپنے مقصد میں کامیاب ہو گا۔

وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ (ابراھیم ۲۰)

نیز جاننا چاہیئے کہ عالم امر کے ان پانچوں لطائف کی فنا حاصل ہونے کے بعد دائرہ امکان کی سیر ختم ہو جاتی ہے، اس سیر میں جمعیت، حضور، جذب لطائف بسوئے اصول خود اور حالات و واردات (جو فوق سے سالک پر وارد ہوتے ہیں اور سالک ان کو برداشت کرنے سے عاجز ہو جاتا ہے) کا حاصل ہونا ضروری ہے۔

لطائف کی فنا کی مختلف علامات

حضرت شاہ احمد سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مکتوب ۵ میں لکھا ہے کہ فنائے قلب کی علامت دل سے ماسویٰ کا بھول جانا ہے حتیٰ کہ اگر تکلیف سے بھی یاد کرے تو یاد نہ آئے۔ یعنی لطیفۂ قلب کو جب تجلیات افعالیہ میں فنا حاصل ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی یاد میں اتنا مستغرق ہو جاتا ہے کہ گناہوں کی طرف دھیان بھی کرنا چاہے تو طبیعت ادھر متوجہ ہی نہیں ہوتی، اس طرف سوچ ہی نہیں جاتی۔ سالک کے ذہن سے ماسویٰ اللہ تعالیٰ کے نقش ایسے مٹ جاتے ہیں جیسے کہ بعض گناہ آپ چھوڑ چکے ہوں، اب آپ یاد بھی کرنا چاہیں تو آپ کو وہ بچپن، لڑکپن اور جوانی کے گناہ یاد نہیں آئیں گے، اسی طرح ماسویٰ کی یاد دل سے مٹ جاتی ہے، طبیعت اس طرف متوجہ ہی نہیں ہوتی، اتنا اللہ، اللہ، اللہ کا غلبہ ہو جاتا ہے، فرماتے ہیں کہ اس حالت میں نہ ہی دنیا کی خوشی سے خوش ہو اور نہ ہی کسی غم سے غمگین ہو۔ فنائے روح کی علامت یہ ہے کہ تجلیٔ صفاتی کا ظہور ہو یعنی سالک کی صفات معدوم ہو جائیں اور اس کی جگہ صفات حق ظاہر ہو جائیں۔ یعنی سالک کو اس سبق میں تخلقوا بأخلاق اللہ تعالیٰ والا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔

حدیث قدسی میں ہے:

وما يزال عبدي يتقرب إلي بالنوافل حتى أحبه فإذا أحببته كنت سمعه الذي يسمع به وبصره الذي يبصر به ويده التي يبطش بها ورجله التي يمشي بها وإن سألني لأعطينه۔[163]

یعنی "بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرلیتاہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتاہوں، پس جب میں اس کو محبوب بنالوں تو میں اس کے کان بن جاتاہوں جس سے وہ سنتاہے، اس کی آنکھ بن جاتاہوں جس سے وہ دیکھتاہے، اس کاہاتھ بن جاتاہوں جس سے وہ پکڑتاہے اور اس کا پیر بن جاتاہوں جس سے وہ چلتاہے اور اگر وہ مجھ سے کسی چیز کا سوال کرتاہے تو میں اسے عطا کرتا ہوں"۔

فنائے سر کی علامت یہ ہے کہ سالک کی ذات، حق جل جلالہ کی ذات میں مستہلک یعنی فنا ہو جاتی ہے۔ اپنے آپ سے الگ ہو کر، من وتو سے گزر کر خدارہ جاتاہے یعنی سالک فنا تک پہنچ جاتاہے اور اپنے آپ کو گم پاتاہے پس اللہ ہی اللہ رہ جاتاہے، چنانچہ اس کیفیت کے متعلق کسی نے یوں فرمایاہے:

جو "لا" کہا، وہ "لا" ہوا، وہ "لا" بھی اس میں "لا" ہوا
جزء "لا" ہوا، کل "لا" ہوا، پھر کیاہوا، اللہ ہوا!

مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دفتر دوم مکتوب ۳۰ میں فرماتے ہیں کہ جو کچھ آفاق وانفس کے آئینوں میں ظاہر ہوتاہے وہ ظلیت کے داغ سے داغ دار رہے، یہ اللہ کی تجلی نہیں ہے، یہ تجلی سے بھی نیچے کی چیز ہے، تجلی تو بہت اونچی چیز ہوتی ہے چنانچہ مراقبۂ احدیت سے پہلے جو سیر ہوتی ہے وہ اعتبارات میں ہوتی ہے۔ مشارب میں جو سیر ہوتی ہے وہ ظل میں سیر ہوتی ہے، یہ

---

[163] صحيح البخاري، ج۵، ص ۲۳۸۴۔ الناشر: دار ابن كثير، اليمامة - بيروت

سیر سب ظلال میں ہے پھر جب مراقبۂ معیت کر کے اوپر جاتے ہیں تو پھر اسماء وصفات میں سیر ہوتی ہے۔ ابھی تو منزل بہت دور ہے جو لطائف کے اسباق والے ہیں، ابھی تو وہ اعتبارات میں ہیں جو ظلال سے بھی نیچے کا درجہ ہے جس میں وہ پھر رہے ہیں۔ اللہ اکبر کبیراً! کہاں سب سے اوپر تجلّیٔ ذات، پھر شیونات، پھر صفات پھر ان کے اسماء، پھر ان کے افعال، پھر ان کے نیچے یہ اعتبارات، ابھی تو ہم اعتبارات میں سیر کر رہے ہیں، اسماء و صفات تو بہت اونچا مقام ہے، اسماء و صفات کی سیر تو انبیاء کو حاصل ہوئی اور اس کا نام ولایت کبریٰ رکھا گیا۔

مکتوبات معصومیہ دفتر دوم مکتوب ۸۵ میں تحریر ہے کہ اس دائرۂ ظلال سے گزر جانے کے بعد (یعنی سولہویں سبق کو مکمل کرنے کے بعد) اسماء وصفات اور شیون و تنزیہات کا دائرہ ہے کہ اس میں سیر (واقع ہونا) ولایت کبریٰ ہے جو کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی ولایت ہے۔ اولیاء اللہ کو جو ولایت ملتی ہے وہ اسماء و صفات کے ظلال میں ملتی ہے۔ ابھی تک ہم ولایت صغریٰ کی باتیں کر رہے ہیں، ہر کسی کی پہنچ ولایت کبریٰ تک نہیں ہوتی۔

کبوتر کتنا اونچا اُڑتا ہے، چند سو میٹر، اس سے اوپر نہیں جا سکتا، مگر شاہین تیس ہزار میٹر یعنی زمین سے تیس کلومیٹر اوپر اڑ سکتا ہے۔ تو کہاں کبوتر کی پرواز اور کہاں شاہین کی۔ چنانچہ اولیاء اللہ کی پرواز کبوتر کی پرواز کی طرح ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کی پرواز شاہین کی پرواز کی طرح ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو تو اپنے اسماء وصفات کی سیر کروادی، مگر اپنے محبوب کو جیتے جاگتے عرش پر بلا کر ذات کی سیر کروادی۔

ولایت صغریٰ کا دائرہ ظلال کا دائرہ ہے، ہمارے مشائخ نے جس کو ولایت کبریٰ کہا وہ انبیاء کرام علیہم السلام کی ولایت ہے اور وہ اسماء و صفات میں ہوتی ہے۔ جبکہ اولیاء کرام ظلال کے اندر ہی سیر کرنے والے ہوتے ہیں۔

چنانچہ دفتر دو مکتوب ۳ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: جو کچھ آفاق و انفس کے آئینوں میں ظاہر ہوتا ہے وہ ظلیت کے داغ سے داغ دار ہے، اس لئے وہ نفی کے لائق ہے، تاکہ اصل ثابت ہو جائے اور جب معاملہ آفاق النفس سے گزر جائے، تو ظلیت کی قید سے رہائی ہو جاتی ہے اور فعل و صفت کی تجلی میں آغاز میسر ہو جاتا ہے۔ تو معلوم ہو گیا کہ اس سے قبل جو بھی تجلی ظاہر ہوتی تھی وہ سیر آفاقی و انفسی میں تھی، اگرچہ اس کو تجلی ذات ہی خیال کریں۔ لیکن اس کا تعلق صفت ظلال سے تھا۔ نہ کہ نفس فعل و صفت سے تو پھر ذات تعالیٰ و تقدس تک کس طرح رسائی ممکن ہو، کیونکہ ظلیت کا دائرہ انفس کی نہایت تک منتہی ہو جاتا ہے، لہٰذا جو کچھ آفاق و انفس میں ظاہر ہوتا ہے وہ اس دائرے میں داخل ہے۔ فعل و صفت بھی اگرچہ حقیقت میں حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے ظلال ہیں لیکن اصل کے دائرے میں داخل ہیں اور اس مرتبہ کی ولایت اصلی ولایت ہے بخلاف پہلے مرتبہ کی ولایت کے کہ جس کا تعلق آفاق و انفس سے ہے کہ وہ ولایت ظلی ہے۔ تو ولایت صغریٰ، ظلی ولایت ہے، اصل ولایت تو وہ ہے جو انبیاء علیہم السلام کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے عطا فرمائی۔

یہ بات مسلم ہے کہ نبوت نبی قبل از بعثت عطا فرمائی جاتی ہے جیسے کہ حضور اکرم ﷺ کا فرمانا: کنتُ نبیًّا و آدمُ بینِ الروحِ و الجسدِ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نبوت ہر نبی کو وقت ولادت سے عطا کی جاتی ہے اور حال یہ ہے کہ نبوت بغیر ولایت کے نہیں عطا کی جا سکتی، اس لئے کہ ولایت سے قرب الٰہی نصیب ہوتا ہے تو ولی کی ولایت کسبی نہیں ہوتی۔

فرماتے ہیں کہ دائرہ ظل کے منتہی حضرت کو تجلیٔ برقی، جو مرتبہ اصل ہے، پیدا ہوتی ہے، حاصل ہے جو ایک ساعت کے لئے آفاق وانفس کی قید سے آزاد کر دیتی ہے۔

مزید فرماتے ہیں کہ جن اولیاء کرام پر اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہو جائے اور ان کی فنا کامل ہو جائے، ان کو تھوڑی دیر کے لئے تجلیٔ ذات ملتی ہے، مگر وہ تجلیٔ ذاتی برقی ہوتی ہے، برقی کہتے ہیں کہ جیسے بادل گرجتا ہے تو بجلی میں تھوڑی دیر کے لئے ذات کا دیدار ہوتا ہے پھر اس کے بعد پردے حائل ہو جاتے ہیں۔ تو یہ تجلیٔ ذاتی برقی ہوتی ہے۔ لیکن جو انبیاء علیہم السلام کی ولایت ہے وہ چونکہ اسماء و صفات کے اندر سیر ہوتی ہے ظل میں نہیں ہوتی لہٰذا ان کو تجلیٔ ذاتی دائمی نصیب ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ وہ جماعت، جو آفاق وانفس کے دائرے سے گزر چکی اور ظل کے اصل کے ساتھ پیوست ہو گئی ہے، ان کے حق میں یہ تجلی برقی دائمی ہے کیونکہ ان بزرگوں کا مسکن وماویٰ دائرۂ اصل ہے۔

۱۷) نیت مراقبہ معیت: فیض می آید از ذات بیچون کہ ہمراہ است ہمراہ من و بہمراہ جمیع ممکنات بلکہ ہمراہ ہر ذرّہ از ذرّاتِ ممکنات بہمراہی بیچون بمفہوم ایں آیہ کریمہ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (الحدید ۴) بہ لطائف خمسہ عالم امر من بواسطہ پیران کبار۔ توقف۔۔۔روز

ترجمہ: فیض ذات بیچون سے پیران کبار رحمۃ اللہ تعالیٰ اجمعین کے ذریعے جو میرے ساتھ اور تمام ممکنات بلکہ ممکنات کے ہر ذرے کے ساتھ ہے۔ آیت کریمہ کے اس مفہوم کے ساتھ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ۔ (الحدید ۴) میرے لطائف خمسہ عالم امر پر آتا ہے۔

مراقبہ معیت کے سبق میں کیفیت یہ ہوتی ہے کہ سالک کو اپنی ذات اور کائنات کے ہر ذرے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت سمجھ میں آجاتی ہے، اللہ تعالیٰ کی معیت ہر ذرے کے ساتھ کیسے؟ اس کو

علماء کرام علمی طور پر جانتے ہیں اور مشائخ اس کو ذوقی انداز سے سمجھتے ہیں، دیکھیں کہ مٹی میں تو اس کی استعداد بھی نہیں کہ وہ ہل سکے، وہ تو بے جان چیز ہے، زمین پر پڑی رہتی ہے لیکن جب ہوا آتی ہے تو اس مٹی کو اڑا دیتی ہے، آندھی بنتی ہے اور وہ آندھی اس کو کتنا اونچا لے جاتی ہے، جب ہوا ذرات کو آندھی کی شکل میں لے کر اڑتی ہے تو ہر ذرے کو ہوا کی معیت حاصل ہوتی ہے، اسی طرح اس کائنات کی ہر چیز کو واجب الوجود کی معیت حاصل ہے۔ چنانچہ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تفسیر میں وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ (الحدید ۴) کی تفسیر میں حدیث پاک نقل کی ہے کہ ایک صاحب نے نبی ﷺ سے سوال کیا:

وقال رجل یا رسول اللہ ﷺ ماتذکیۃ المرء نفسہ؟

یعنی ایک بندہ جب اپنے نفس کا تزکیہ کرتا ہے تو کب تزکیہ ہو جاتا ہے؟

فقال ﷺ یعلم أن اللہ معہ حیث کان۔[164]

فرمایا: جب بندہ جان لیتا ہے کہ اللہ ہر وقت اس کے ساتھ ہے تب اس کو تزکیہ نصیب ہو جاتا ہے۔

اب جو لوگ کہتے ہیں کہ تصوف عجمی چیز ہے، تو ان کے پاس کیا دلیل ہے؟ یعنی مراقبۂ معیت تک کی کیفیات کا ثبوت تو حدیث پاک میں موجود ہے، سالک کا یہ مرتبہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ ہر وقت یہ محسوس کرے کہ اللہ میرے ساتھ ہے۔ ہمارے مشائخ نے یہ کیفیت اس سبق پر پہنچ کر پائی کہ حدیث مبارکہ کے مطابق اس کیفیت کو پانا کمال ایمان سے ہوا جس کو یہ حاصل نہیں تو وہ بیچارہ اس کے انتظار کا انکار ہی کرے گا۔

---

[164] مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۲۳

اسی آیت کی تفسیر میں ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ:

عن عبادة بن الصامت قال قال رسول اللہ ﷺ ان افضل الایمان أن تعلم أن اللہ معک حیث ما کنت۔

"عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ افضل ایمان کی حالت یہ ہے کہ تم جان لو کہ اللہ تمہارے ساتھ ہے، تم جہاں کہیں بھی ہو"۔

ایک حدیث میں فرمایا کہ یہ تزکیہ نفس کی نشانی ہے، دوسری میں فرمایا کہ افضل ایمان ہے۔

تفسیر ابن عجیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں اس آیت کی تفسیر میں ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں کہ:

ان الفقیه العلامة سیدی احمد بن مبارک لقی الرجل الصالح السید احمد العقلی، فقال له: کیف تعتقد وهو معکم این ما کنتم فقال بالذات۔

"علامہ احمد بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک صالح سید شخص احمد عقلی سے ملے تو ان سے پوچھا کہ **وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ (الحدید ۴)** کے بارے میں آپ کا کیا عقیدہ ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ میں سمجھتا ہوں کہ اللہ رب العزت کے ساتھ یہ معیت مجھے بالذات حاصل ہے"۔

فقال له اشهد انک من العارفین "تو انہوں نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم عارفین میں سے ہو"۔ تو علماء کو تو علمی طور پر معیت معلوم ہوتی ہے لیکن مشائخ اس معیت کو ذوقی طور پر محسوس کرتے ہیں، ہر وقت جیسے کوئی ساتھ ہوتا ہے۔

تم میرے ساتھ ہوتے ہو گویا   جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا!

"**اربع انهار**" میں شاہ احمد سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس مقام **لا اله الا الله** کا زبانی ذکر اس طرح ہو کہ سالک کی توجہ قلب کی طرف اور قلب کی توجہ معنیٰ کی رعایت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف ہو، یہ نہایت مفید بات ہے، اس مراقبہ میں فیض کا منشاء ولایت صغریٰ کا دائرہ ہے۔ آگے

فرماتے ہیں کہ دائرہ ولایت صغریٰ دوسرا دائرہ ہے اور اس کو دائرہ ظل اسماء وصفات بھی کہتے ہیں اس میں تجلیات افعالیہ الٰہیہ میں سیر حاصل ہوتی ہے، نیز اس مراقبہ میں توحید وجودی، ذوق وشوق، گریہ زاری، ہر وقت ذات حق میں استغراق و محویت، اللہ تعالیٰ کی طرف کامل اور توجہ ماسوا کے خیال کا مٹ جانا حاصل ہوتا ہے اور اسی کو فنائے قلبی کہا جاتا ہے۔

حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "هداية الطالبين" میں فرماتے ہیں کہ ولایت صغریٰ میں مراقبہ معیت، جو آیت کریمہ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ (الحديد ۴) کا مفہوم کرتے ہیں اور دائرۂ امکان کے سیر کی انتہا یوں معلوم ہو سکتی ہے کہ سالک اگر صاحب کشف ہے تو خود اپنے آپ کی، اپنے کشف کے ذریعے شناخت کرلے گا یا اس کا شیخ صاحب کشف کو متنبہ کر دے گا۔

مزید فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی معیت کو اپنے آپ اور اپنے تمام لطائف و عناصر بلکہ ممکنات کے ذرات میں سے ہر ذرہ کے ساتھ ملحوظ رکھنا چاہیئے تاکہ اللہ تعالیٰ کا، بے چوں ادراک کے ساتھ ادراک کیا جائے اور جملہ جہات ستہ کا احاطہ کرلے اور جو توجہ و حضور پیدا ہوا تھا اور اپنا منہ نیستی کی جانب پھیر لے۔

پھر اس معیت کے بھی مراتب ہیں جب حضور ﷺ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمارہے تھے تو غار ثور میں تشریف فرما ہوئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ تھے اور کفار مکہ با ارادۂ قتل دونوں کے تعاقب میں غار میں پہنچے اور غار کے دھانے سے جھانکنے لگے اس وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معیت خاصہ باوجود مرتبۂ صدیقیت ہونے کے اس صورت حال کی تاب نہ لاسکے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا ہو گا؟

سید المرسلین ﷺ نے فرمایا:

لا تحزن ان اللہ معنا (التوبۃ ۴۰)

ترجمہ: اندیشہ نہ کر، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

تو حضور ﷺ کو جو معیت حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ تھی وہ ایک امتی کو کہاں میسر ہو سکتی ہے۔ اگرچہ صدیقیت، ولایت کا سب سے اعلیٰ مقام ہے۔ مگر رسول اللہ ﷺ کی معیت اور ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ صدیقین کی معیت کا جو انتہائی مقام ہے وہ رسالت کی معیت کا ابتدائی مقام ہے تو معلوم ہوا کہ بحسب مراتب، معیت میں بھی فرق و امتیاز ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ مقام صدیقیت ایک ایسا مقام ہے جس میں شریعت مطہرہ اور علوم و معارف باطنیہ میں ذرہ بھر بھی تضاد یا مخالفت کی مجال نہیں ہوتی اور یہ مقام ولایت کے تمام مقامات سے اونچا ہے چنانچہ آپ رقمطراز ہیں:

”جاننا چاہیئے کہ ولایت، شہادت اور صدیقیت کے مقامات میں سے ہر مقام کے علوم و معارف جُدا جُدا ہیں جو اسی مقام سے مناسبت رکھتے ہیں۔ مرتبۂ ولایت میں علوم زیادہ تر سُکر آمیز ہوتے ہیں کیونکہ اس مرتبے میں سُکر غالب ہے اور صحو (ہوش) مغلوب اور مرتبۂ شہادت میں جو درجات ولایت میں سے دوسرا درجہ ہے سُکر مغلوب ہو جاتا ہے اور صحو غالب آجاتا ہے۔ لیکن سُکر کلیتاً زائل نہیں ہوتا اور درجۂ صدیقیت جو مراتب ولایت میں سے تیسرا مرتبہ ہے اور درجات ولایت کی آخری حد ہے کہ اس کے اوپر ولایت کا کوئی درجہ نہیں ہے بلکہ اس کے اوپر نبوت کا مرتبہ ہے۔ اس درجہ کے علوم سُکر سے بالکل آزاد ہوتے ہیں اور علوم شریعت کے مطابق ہو جاتے ہیں۔ صدیقیت انہی علوم

شریعہ کو الہام کے ذریعے سے حاصل کرتا ہے جنہیں کہ نبی کریم ﷺ وحی کے ذریعے سے حاصل فرماتے ہیں۔

- صدیق، صدوق سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس کا لفظی معنی ہے بہت بڑا سچا۔

عارف باللہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقم طراز ہیں:

الصدیقون وھم المبالغون فی الصدق۔

یعنی سچائی میں مبالغے کی حد تک پہنچے ہوئے صدیق کہلاتے ہیں۔

تفسیر مدارک میں ہے:

الصادق المستقيم في الأفعال والصديق المستقيم في الأحوال۔[165]

یعنی صادق وہ ہے جو اعمال میں راست کردار ہو اور صدیق وہ ہے جو اعمال کے ساتھ ساتھ احوال میں بھی راست اور مستقیم ہو۔

صوفیائے کرام کے نزدیک صدیقیت ولایت کبریٰ کا ایک اعلیٰ مرتبہ ہے، جس میں ولایت انبیاء عظام علیہم السلام کا فیض آتا ہے۔ اس مرتبے کے معارف انبیاء کرام علیہم السلام کے معارف کے مشابہ ہوتے ہیں اور اس مقام میں کوئی کشف خلاف شریعت رونما نہیں ہوتا۔ آیت کریمہ أَنْعَمَ اللهَ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ (النساء ٦٩) میں مفسرین کرام نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سب سے اعلیٰ ترین مرتبۂ صدیقیت کا وارث قرار دیا ہے۔ اسی طرح آیت مقدسہ وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ (الزمر ٣٣) میں صَدَّقَ بِهِ کا اولین مصداق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہی قرار دیا ہے۔ آیت کریمہ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ (الحدید ١٩) کی تفسیر میں الصدیقون کے متعلق یوں تصریح فرمائی گئی ہے۔

---

[165] مدارک التنزیل وحقائق التأویل، ج ٢، ص ٢٧١

قال الضحاک هم ثمانية نفر من هذه الامة سبقوا أهل الأرض فی زمانهم إلی الإسلام أبو بكر وعلى وزيد وعثمان وطلحة والزبير وسعد وحمزة (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)[166]

ترجمہ: حضرت ضحاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ وہ اس اُمت کے آٹھ افراد ہیں جو اپنے زمانہ میں تمام اہل زمین سے پہلے اسلام لائے اور یہ ابو بکر صدیق، علی، زید، عثمان، طلحہ، زبیر، سعد اور حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہیں۔

وتاسعهم عمر بن الخطاب الحقه اللّٰہ بهم لما عرف من صدق نية۔[167]

اور ان کے نویں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے صدق نیت کی وجہ سے ان کے ساتھ لاحق فرمادیا۔

اس امت کے تمام صدیقین کے سردار حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور اس پر اجماع امت ہو چکا ہے جس کا منکر ضال و مضل اور بے دین ہے۔

تفسیر کبیر میں ہے:

وَلَا شَكَّ أَنَّ رَأْسَ الصِّدِّيقِينَ وَرَئِيسَهُمْ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ۔[168]

یعنی اس امر میں کوئی شک نہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ صدیقوں کے سردار اور رئیس ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صدیق ہونے پر متعدد احادیث شاہد ہیں، مثلاً ایک مرتبہ رسول خدا ﷺ ابو بکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اُحد پہاڑ پر

---

[166]تفسیر مظهری، ج ۱، ص ۳۸۰۲، ناشر: مکتبۃ رشدیہ

[167]تفسیر مظهری، ج ۱، ص ۳۸۰۲، ناشر: مکتبۃ رشدیہ

[168]مفاتيح الغيب = التفسير الكبير، ج ۱، ص ۲۲۱

تشریف فرما ہوئے تو پہاڑ ہلنے لگا۔ آپ نے فرمایا **اثبت أحد فإنما علیک نبي وصدیق وشهیدان**[169] یعنی اے احد ٹھہر جا، تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہیدوں کے سوا کوئی نہیں۔

مزید برآں یہ حدیث تین طریقوں سے مروی ہے۔ ویلمی نے حضرت ام ہانی سے روایت نقل کی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: **یاأبابکر إن الله سماک الصدیق**[170] یعنی اے ابو بکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اللہ تعالیٰ نے تیرا نام صدیق رکھا ہے۔[171]

اثرات: اس مرتبے میں فنائے قلبی حاصل ہوتی ہے اور دائرہ امکان کے باقی اثرات کی تکمیل ہوا کرتی ہے، اس مقام میں تجلیٔ افعال الٰہیہ میں سیر واقع ہوتی ہے، توحید وجودی، ذوق وشوق، آہ ونالہ واستغراق وبے خودی ودوام حضور ونسیان ماسواء جس کو فنائے قلب بھی کہتے ہیں حاصل ہو جاتا ہے۔ اس مقام میں ذکر تہلیل لسانی توجہ قلبی کے ساتھ کرنا بہت فائدہ بخشتا ہے اور توجہ فوق سے ہٹ کر شش جہات کا احاطہ کر لیتی ہے۔ پس جب لوح دل سے ماسویٰ کا خیال مٹ جائے اور توجہ الی اللہ میں اس قدر محویت واستغراق ہو جائے کہ تکلف سے بھی غیر کا خیال پیدا کرنا دشوار ہو جائے اور تمام دنیوی تعلقات کا رشتہ دل سے ٹوٹ جائے تو فنائے قلبی حاصل ہو جاتی ہے جو کہ ولایت کا پہلا قدم ہے اور باقی کمالات کا حاصل ہونا اس پر موقوف ہے۔

فائدہ: حضرات نقشبندیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا سلوک یہیں تک ہے اس سے آگے کے اسباق بالتفصیل حضرت حق جل مجدہ کی جانب سے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو مرحمت ہوئے ہیں جن کی تفصیل آگے درج ہے۔ اس مقام کی تکمیل پر اکثر مشائخ کرام سالک کو طریقہ سکھانے کی

---

[169] صحیح بخاری، ج ۳، ص ۱۳۴۴۔ الناشر: دار ابن کثیر، الیمامة - بیروت

[170] مسند الفردوس، ج ۲، ص ۴۵

[171] البینات شرح مکتوبات، ص ۱۸۰

اجازت مرحمت فرمادیتے ہیں اور وہ اسی تبلیغ کی ضمن میں باقی سلوک کی تکمیل بھی کرتا رہتا ہے لہٰذا پیر طریقت کو چاہیئے کہ جب تک خود یا وجدان سالک سے اس کے حالات میں تغیر و تبدل، جذب تام اور کمال جمعیت و حضور کو ملاحظہ نہ کرے، ان مقامات کے حاصل ہونے کی نسبت بشارت نہ دے کہ اس سے طریق عالیہ کی بدنامی ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ خدا کی یاد کے سوا سب چیزوں کو بھولنا لطیفۂ قلبی کی فنا ہے اور دوام حضور یعنی اس یاد میں دائمی طور پر ثابت قدم رہنا، کہ کسی وقت بھی غافل نہ ہو، لطیفۂ قلبی کی بقا کہلاتی ہے، اس کو دائرہ ولایت صغریٰ کہتے ہیں اور حصول بقا کے بعد سالک حقیقت میں داخل ہوتا ہے۔

دائرہ امکان میں

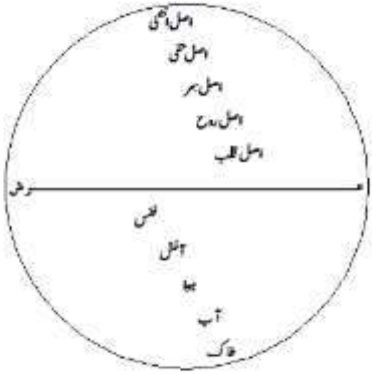
دائرہ امکان کے حالات سالک پر ذکر قلبی اور ذکر کثیر میں گزر جاتے ہیں لیکن مجھے اس بات کو بیان کرنا ہے کہ دائرہ امکان اصطلاح حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ میں کیا چیز ہے؟ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک مقام کا دائرہ قرار دیا ہے اور یہ دائرہ امکان سب سے پہلا دائرہ ہے اور یہ طرز اور اصطلاح دائرہ خاص آپ کی ہی قرارداد ہے، دائرہ ہر مقام کے واسطے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جیسے دائرہ کا کوئی پہلو کوئی سمت کوئی انتہاء نہیں ہے، اسی طرح قرب حق میں ہر مقام میں کوئی سمت اور کوئی حد نہیں ہے۔ لہٰذا دائرہ کو مقامات سے نہایت مناسبت ہے۔ علاوہ اس کے مسئلہ ہمہ اوست ہمہ از وست کا فیصلہ بھی اسی دائرہ سے ہوتا ہے کیونکہ دائرہ نقطہ سے بنتا ہے، اور خود بخود وجود دائرہ نہیں ہے، لیکن وجود نقطہ اور وجود دائرہ دونوں الگ الگ ہیں نہ دائرہ کو مرکز سے وصل و حلول واتحاد ہے اور نہ مرکز کو دائرہ سے۔ جب باوجود پیدائش دائرہ کو مرکز سے تعلق اور وصل نہیں ہے تو پھر خدا کا تعلق عین یا اتحاد اور وصل کیسے ہو سکتا ہے۔ میں ان شاء اللہ مختصر حالات

دوائر کے لکھوں گا اور تقریر علمی اور وجوہات مفصل سے اوراق نہ بھروں گا کیونکہ عام لوگ نہ پڑھنے والے ایسے ہیں نہ سمجھنے والے، میرا مقصد صرف عام لوگوں کو سمجھانے کا ہے اور جو صاحب ذی علم ہیں ان کے واسطے مکتوبات حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سی کتابیں موجود ہیں کہ جن میں ہر اجمال کی تفصیل موجود ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق میں تعلق دائرہ امکان کا دس لطائف سے ہے، پانچ عالم امر کے اور پانچ عالم خلق کے۔ عالم امر کے لطائف قلب روح سر خفی اخفی ہیں اور عالم خلق کے لطائف خاک، آب، ہوا، آتش اور نفس ہیں، عرش سے اوپر اصل ہر لطیفہ عالم امر کی ہے اور عرش سے نیچے ہر لطیفہ عالم خلق کی اصل ہے، جس کا دائرہ اس جگہ لکھا جاتا ہے۔

دائرہ امکان

آگاھی: عالم خلق اس کو کہتے ہیں جو بتدریج وقتاً فوقتاً پیدا ہوئے ہیں، عالم امر لفظ کن کے ساتھ ہی پیدا ہوئے ہیں اگر سالک صاحب کشف ہوتا ہے تو تحت الثریٰ سے لے کر بالائے عرش تک اس کو حالات جنت و دوزخ وغیرہ وغیرہ نظر آتے ہیں لیکن فی زمانہ طلبا اہل کشف بہت کم ہوتے ہیں کیونکہ کشف اکل حلال، صدق مقال، کثرت عبادت، قلبِ طعام اور کمی آرام سے حاصل ہوتا ہے۔



یہ سب باتیں تو کجا، ان میں سے دو ایک پر بھی پوری طور پر عامل نہیں ہوتے، زمانہ ایسے طلباء سے خالی تو نہیں ہے لیکن ہزاروں میں سے پانچ یا دس طالب ایسے نکلتے ہیں کہ جن کو کشف صحیح دیا جاتا ہے۔ کشف بہت سے قسم کا ہے، کشف عیانی، کشف حسی، کشف وجدانی، کشف ادراکی، بعض کو کشف قبور بعض کو کشف قلوب بعض کو صرف خواب اور بعض کو یہ سب عنایت کیا جاتا ہے، کشف عیانی، کشف حسی باقی مکشوفات کے مقابلہ میں قوی ہیں اور یہ دونوں کشف صحیح طور پر امام وقت یا قطب مدار یا قطب الاقطاب کو کامل طور پر عنایت کیا جاتا ہے کیونکہ انتظام عالم دنیا اور فیض رسانی عالم کے لئے یہ ذات مبارک مرکز ہوتے ہیں اور ان کی اتباع میں اولیائے خدمت مردان غیب، قطب ابدال، اوتاد نقیب، نجیب وغیرھم کو بھی کشف دیا جاتا ہے جس کے ذریعے سے یہ صاحب تعمیل احکام الٰہی مثل خضر علیہ السلام کے کرتے ہیں اور یہ اولیائے خدمت پوشیدہ رہتے ہیں، ان سے کوئی واقف نہیں ہوتا، وائے اولیائے خدمت کے لیکن بعض اولیائے عشرت زبردست بھی اولیائے خدمت سے واقف ہوتے ہیں لیکن اس کا اظہار نہیں کرسکتے اور اولیائے عشرت جو قطب ارشاد کے تحت میں ہوتے ہیں ان سے خلق واقف ہو کر فائدہ اٹھاتی ہے۔

فائدہ: قطب مدار ہر زمانہ میں ہر وقت رہتا ہے، گویا عالم کا دارومدار اللہ نے اس پر رکھا ہے اور قطب ارشاد کسی زمانہ میں ہوتا ہے اور کبھی نہیں۔ اور قطب مدار قطب ارشاد کے ماتحت رہتا ہے۔

آگاھی: یہ مقامات قطب، ابدال اور اوتاد وغیرہم کے بلا مقام فنا و بقا کے حاصل نہیں ہوتے اور نہ بلا فنا و بقا کے جماعت اولیاء میں داخل ہوتا ہے، اور شاذ و نادر اس کے خلاف بھی فضل خدا سے کسی کو نصیب ہوتا ہے اور بعض علماء اور اولیاء ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو ان حالات مذکورہ بالا میں سے کچھ نہیں دیا جاتا، ان کو صرف بر و یقین عنایات کیا جاتا ہے یہاں تک کہ بعض کو اپنے ولی ہونے کا بھی علم نہیں ہوتا، قبر میں جاکر معلوم ہو گا۔

آگاھی: کشف کا ہونا ولایت کے لئے ضروری بات یا شرط نہیں ہے۔ کیونکہ کشف دنیا علاوہ مسلمانوں کے غیر مذاہب جوگیہ برہمنان ہند فلاسفر یونان کو بھی ہوتا ہے لیکن جو کشف غیر مذاہب کے لوگوں کو ہوتا ہے وہ صرف کشف اشیاء دنیا کا ہوتا ہے ذات وصفات الٰہی یا عالم ملکوت کا نہیں ہوتا، ذات و صفات الٰہی و عالم ملکوت کا کشف تب تک ہرگز نہیں ہوتا جب تک حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہ لائے، کمال یقین کا نام ولایت ہے۔ چنانچہ بہت سے اولیاء اللہ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو کشف بالکل نہیں ہوتا لیکن اہل کشف اولیاء سے بدرجہا قرب حق میں ان کا قدم غالب ہوتا ہے، اسی واسطے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے دریافت پر شناختِ کمال کی بابت فرمایا: ''یقین تر، کامل تر'' چنانچہ اکثر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے کشف اور کرامات کا اظہار ثابت نہیں ہے، بعض بعض سے خال خال مکشوف و کرامات کا ظاہر ہونا ثابت ہوا ہے، لیکن ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی جن سے کبھی ادنیٰ سی کرامت کا یا کشف کا اظہار نہیں ہوا ہے وہ اعلیٰ سے اعلیٰ، اکمل سے اکمل ولی سے مرتبہ ولایت قرب حق میں اعلیٰ، افضل و

برتر ہیں، بلکہ وہ کیا ان کے دیکھنے والے تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی ہر اعلی ولی سے اعلی ہیں، یہ بزرگی ان کی یقین کامل کا سبب ہے جو صحبت اور برکت رسالت مآب ﷺ سے حاصل ہوا ہے، بعض اولیاء نہ اہل خدمت ہوتے ہیں، نہ اہل ارشاد، صرف امت کی دعا کے واسطے مختص ہوتے ہیں، اگر کسی کو کشف نہ ہو تو شناخت دائرہ امکان کے طے کر جانے کی یہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ وہ طالب چار گھڑی تک ذکر و فکر خدا میں ایسا مشغول رہتا ہو کہ دنیا کا خیال اس کے دل و دماغ میں بالکل نہ آتا ہو، اور بعضوں نے انوارِ لطائف دیکھنے سے دائرہ امکان کے طے کر جانے کی علامت بیان فرمائی ہے۔

دائرہ ولایت صغریٰ میں

اصطلاح صوفیہ میں اس مقام کو چند ناموں کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں، وحدۃ الوجود ہمہ اوست، مقام جمع، کفر طریقت، فنا و بقا، ولایت صغریٰ، اور نسیانِ ماسویٰ اللہ، یہ نام حضرات نقشبندیہ مجددیہ کے قرار دیئے ہوئے ہیں، ان حضرات کی تحقیقات سلوک میں مقام ہمہ اوست سے آگے بہت زیادہ مقامات ترقی کے ہیں اسی واسطے اس ولایت کو ولایت صغریٰ فرماتے ہیں، یعنی چھوٹی ولایت اور دیگر طرق کے کبرائے دین اکثر و بیشتر اس مقام ہمہ اوست کو انتہائی ترقی اور قرب حق فرماتے ہیں اور نسیان ماسوی اللہ شریعت سے بہت ہی مناسبت رکھتا ہے بموجب ارشاد نبوی ﷺ **اکثروا ذکر اللہ حتی یقولوا مجنون** (اتنی کثرت سے یاد خدا کرو کہ لوگ تم کو دیوانہ کہنے لگیں)۔

دوسری جگہ حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: **لن یؤمن احدکم حتی یقال انہ لمجنون** (تم میں سے کوئی ایمان والا نہ ہو گا جب تک کہ اس کو یہ نہ کہا جائے کہ وہ دیوانہ ہے) جب کوئی خلق کو محبت و

ذکر خدا میں بھول جائے تو دنیادار لوگ اس کو دیوانہ کہیں گے۔ اسی لئے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اس خاص مقام میں بہت بڑا اختلاف اور ردو کد صوفیوں میں صوفیوں سے اور علماء اور صوفیہ میں واقع ہے اور بیسیوں رسالے کتابیں مکتوبات اس کی تائید اور تردید میں بھرے ہیں۔ بہت سے اہل قال نے بلا حال اہل حال اولیاء اللہ کی نقل کر کے اپنے کو جہنمی بنالیا اور بہت سے اہل قال نے اہل حال اولیاء اللہ پر طعن وطنز کر کے اپنے آپ کو خسر الدنیاوالاخرۃ کر لیا۔

حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد   کم کسے باشد زاوآگاہ شد

تمام دنیا اس وجہ سے گمراہ ہو گئی   اس مسئلہ سے بہت کم لوگ واقف ہیں

اس واسطے میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو راہ راست پر چلائے اور اس خاص مسئلہ میں ہم کو حق بیان کرنے اور سمجھنے کی توفیق عنایت فرمائے اور ایسا علم ہمارے سینہ میں ڈالے کہ جس کے بیان اور ادراک میں لغزش نہ ہو اور عنداللہ و عندالرسول ﷺ مقبول ہو (آمین)۔ یہ مقام ہمہ اوست سلطان الاذکار کے انتہا ہونے پر شروع ہوتا ہے۔ بعض مرشد جب اس مقام کا نور سالک میں پاتے ہیں تو کلمہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ اس کو تلقین فرماتے ہیں۔ بعض شیخ جب سالک میں اس مقام کا نور دیکھتے ہیں تو اس کو مراقبہ تعلیم کرتے ہیں کہ تمام عالم میں سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں، بعض رہنما کچھ تعلیم نہیں کرتے بلکہ اس کو اپنی ہمت باطنی سے اس مقام میں کھینچ لے جاتے ہیں اور خود بخود اس طالب پر یہ حال طاری ہو جاتا ہے لیکن ایسے شیخ بہت کم ہیں، ایسے پیر فی زمانہ زیادہ ہیں کہ طالب کو نہ ذکر قلبی اور نہ سلطان الاذکار حاصل ہوا ہے نہ ہمہ اوست کا نور اس پر وارد ہوا ہے، بلکہ وہ شیخ خود ہی

ان باتوں سے نا آشنا ہیں، لیکن طالب کو باوجود ہوش کے اور بلا حال کے ہمہ اوست کا مسئلہ زبانی تلقین کر دیا کرتے ہیں اور ایسا مسئلہ بلا حاصل کے تلقین کرنا شریعت پاک میں ''کفر'' ہے۔ مسلمان اپنے ایمان کو قوی کرنے کے لئے شیخ کی خدمت میں جاتے ہیں لیکن جاہل شیخ اپنا اور اپنے مرید کا ایمان کھو دیتے ہیں، ایسے شیخ جاہل و نااہل اس مصرعہ کے مصداق ہیں:

''او خویشتن گم است کرا رہبری کند''

وہ خود گم ہیں تو کس کی رہبری کریں گے؟

بعض لوگ تو مرید سے یہ بھی کہہ دیا کرتے ہیں کہ میں اور تو اور جو کچھ تو دیکھ رہا ہے یہ سب عین خدا ہے نعوذ باللہ منہا اللہ تعالیٰ ہمیں اور ایسے لوگوں کو صراط مستقیم عنایت فرمائے۔

طالب حق جب خدا کی یاد کثرت سے کرتا ہے تو اس کے لطائف اور جسم پاک صاف ہوتے ہیں اور وہ حسب حیثیت عروج کرتا ہے یہاں تک کہ اپنی اصل سے اس کو وصل ہو جاتا ہے۔ اصل اس کی کیا ہے؟ حقیقت ممکنہ ہے۔

سوال: حقیقت ممکنہ کیا ہے؟

جواب: جس جگہ انوارِ اسماء و صفات الٰہی نے جمع ہو کر عدم محض کی طرف عکس ڈال کر وجودِ مستعار بخشا ہے، مثلاً آئینہ کو بالکل اس میں کوئی چیز نہیں ہوتی، اس کو عدم خیال کیا جائے اور جو وجود اس آئینہ کے سامنے آئے اس کو انوار اسماء و صفات خیال کیا جائے اور جو عکس آئینہ میں قائم ہو اس کو حقیقت ممکنہ خیال کیا جائے لیکن وہ معاملہ حقیقت ممکنہ کا کہیں بالاتر اور عقل معاش کی فہمید سے دور ہے کیونکہ اس کا خالق قادرِ کل بیچون و بیچگون ہے، جب رب العالمین نے چاہا کہ اپنی ذات کی معرفت عطا کروں اور عالم کو پیدا کروں تو پرکارِ قدرت اسماء و صفات سے نقطہ حقیقت محمدی ﷺ قائم فرما

کے اس سے تمام اشیاء کا دائرہ وجود کھینچ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ تمام مخلوق کے باعث تخلیق ہیں اور جس طرح دائرہ مرکز سے الحاق نہیں کر سکتا، اسی طرح کوئی مخلوق میں سے نبی کریم ﷺ کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا، اسی مطلب میں حدیث شریف میں وارد ہوا ہے **لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب و لا نبی مرسل** (مجھ اللہ پاک عزوجل کے ساتھ وہ وقت حاصل ہے کہ جس میں نہ کوئی مقرب فرشتہ میری برابری کر سکتا ہے اور نہ کوئی پیغمبر برگزیدہ) چونکہ طالب خدا عدم کی طرف پشت اور اسماء وصفات الٰہی کی طرف منہ کر کے تقرب الی اللہ چاہتا ہے اس کو اصطلاح صوفیہ میں **سیر الی اللہ** کہتے ہیں، بموجب حدیث شریف **کل شیئٍ یرجع الی اصلہٖ** (ہر چیز اپنی اصل کی طرف رجوع کرتی ہے) اور اسی حدیث کا ترجمہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہر کسے کو دور ماند از اصل خویش　　　باز جوید روزگار وصل خویش

جو کوئی اپنی اصل و حقیقت سے دور رہا

ایک عرصہ تک وہ اس سے طالبِ وصل رہا اور ڈھونڈھتا رہا

اور حدیث شریف میں وارد ہوا ہے، **حب الوطن شعبۃ من الایمان** (وطن کی محبت شعبہ ایمان سے ہے) وطن حقیقتاً ہر مومن کا حقیقت ممکنہ ہے، جہاں روحوں کا قیام اور اسماء وصفات الٰہی کے انوار کا ظہور ہے۔ لہٰذا ہر ایمان دار اپنی حقیقت کی طرف رجوع کرتا ہے اور چونکہ حقیقت ممکنہ میں تمام مخلوق کی حقیقت اور نقشہ اجمالاً ہوتا ہے، کفر اور اسلام، مسجد اور مندر خوب وزشت سب ایک جگہ نظر آتے ہیں، جیسے کہ تخم درخت میں سب درخت کی حقیقت جڑ شاخیں پتے پھول اور پھل اجمالاً اس میں ہوتی ہے اور تفصیل اس کی بعد درخت کامل ہو جانے کی معلوم ہوتی ہے اسی طرح حقیقت ممکنہ میں اسماء و صفات کا انوار ہادی و مضل، رحمن، قہار، جبار، شافی وغیرہم اور عدم محض سب یکجا

ہوتے ہیں تو سالک اپنے علم کے مطابق ہمہ اوست انا الحق سبحانی و ما اعظم شانی وغیرہ الفاظ بحالت بے خودی کہہ اٹھتا ہے، چونکہ عدم کی طرف اس کی پشت ہوتی ہے اور انوارِ اسماء وصفات الٰہی کی طرف منہ ہوتا ہے پس سامنے جو دیکھتا ہے کہتا ہے:

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید　　　　قلندر جو کچھ کہتا ہے دیکھا ہوا کہتا ہے

وہ اس وقت مرفوع القلم ہوتا ہے لیکن یہ حال ہمیشہ نہیں رہتا ہے۔ دریا کی سی موجیں آیا کرتی ہیں جب اور جس وقت اصل سے وصل ہوتا ہے اپنے کو اور تمام جہان کو نیست ونابود پا کر وجود حقیقی کو اپنے علم میں جان کر ہمہ اوست وغیرہ کہہ بیٹھتا ہے۔ حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کے حال کی توضیح حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت میں خوب فرمائی ہے جس سے ہر ذی علم خوب سمجھ جائے گا۔

با مریدان آن فقیر محتشم　　　　بایزید آمد کہ یزدان نک منم

مریدوں کے پاس اس بزرگ درویش

بایزید نے آکر کہا کہ میں خدا ہوں

گفت مستانہ عیان آن ذوفنون　　　　لا الہ الا انا فاعبدون

اس مست نے یہ صاف کہا کہ

میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے، پس میری پرستش کرو

چوں گذشت آن حال گفتند ش صباح　　　　تو چنیں گفتی وایں نبود صلاح

جب یہ حال گزر گیا تو ان سے صبح کہا گیا　　　　کہ آپ نے ایسا کہا اور یہ صحیح نہیں ہے

توحضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

حق منزہ از تن و من باتنم　　　چوں چنیں گویم بباید کشتنم

اللہ تعالیٰ جسم وغیرہ سے پاک ہے اور میں جسم رکھتا ہوں

جس وقت میں ایسا کہوں تو مجھے مار ڈالنا چاہئے

چوں ہمائے بے خودی پرواز کرد　　　آں سخن را بایزید آغاز کرد

جب بے خودی کا ہما اڑنے لگا　　　توپھر بایزیدؒ نے وہی کہنا شروع کیا

عقل را سیل تحیر در ربود　　　زاں قوی تر گفت کاول گفتہ بود

تحیر کا دریا عقل کو بہا کر لے گیا

اور پہلے سے بھی زیادہ زور دے کر وہی الفاظ ادا کئے

نیست اندر جبہ ام الا خدا　　　چند جوئی در زمین و در سماء

کہ میرے لباس میں خدا ہے

تم زمین و آسمان میں کب تک جستجو کرو گے

حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے خود یہ فیصلہ فرمادیا ہے، جیسا کہ حالت ہوش میں حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا:

اے بروں از وہم و قال و قیل من　　　خاک بر فرق من و تمثیل من

اے خدا تیری ذات میرے قیاس و گفتگو سے باہر ہے

میرے اور میری تمثیلات پر خاک پڑے

پس اس حکایت سے صاف معلوم ہو گیا کہ وقت غلبہ محبت کہ جس کو حالت عشق کہتے ہیں عقل بجا نہیں رہتی اور دریا تحیر کے تمیز و عقل کو بہالے جاتا ہے اور اس وقت یہ کہہ دینا کچھ بعید از عقل نہیں کیونکہ جب مجنوں سے کوئی پوچھتا کہ تو کون ہے تو مجنوں جواب میں کہتا انا لیلیٰ (میں لیلیٰ ہوں) تو جب بندہ کی محبت میں بندہ اپنے آپ کو بھول گیا تو کوئی خدا کی محبت میں اپنے کو بھول جائے اور خدا کہنے لگے تو یہ کیا تعجب کی بات ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

از محبت خشتہا زریں شود　　　از محبت تلخ ہا شیریں شود

محبت سے مٹی کی اینٹ سونا بن جاتی ہے　　　محبت میں کڑوی چیز میٹھی ہو جاتی ہے

از محبت سرکہ ہامے می شود　　　از محبت خارہا گل می شود

محبت سے سرکہ شراب بن جاتا ہے

محبت سے کانٹا پھول بن جاتا ہے

از محبت نار نورے می شود　　　از محبت دیو حورے می شود

محبت سے آگ نور بن جاتی ہے

محبت سے بد شکل خوبصورت بن جاتا ہے

اور جب ہوش آتا ہے تو سالک اپنے کو اور تمام خلق کو موجود پاتا ہے اور خالق و مخلوق میں تمیز کرتا ہے، یہ حالات کسی کو لحظہ، کسی کو گھنٹہ، کسی کو دنوں، کسی کو برسوں رہتے ہیں اور اکثر حضرات متقدمین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اس حال میں برسوں اور بعض عمر بھر رہے ہیں اور اس مقامِ خاص کے وہ ذات مبارک مرکز ہوئے ہیں اور ان کی نگاہ علم میں گویا غیریت اٹھ گئی تھی اور اسی مقام میں خرق

عادات، کشف، کرامات کثرت سے ظاہر ہوتی ہیں، اسی مقام میں صاحب کشف کو اپنے سینہ میں تمام جہاں کی حقیقت نظر آتی ہے۔

اسی واسطے خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اولیاء بعد فنا و بقا ہر چہ می بینند در خودی بینند، و ہر چہ می شناسند در خودی شناسند و حیرت ایشاں در وجود ایشاں۔

وفی انفسکم افلاتبصرون (اور تمہارے نفس میں ہے پس کیا تم نہیں دیکھتے)

اور حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

انچہ حق است اقرب از حبل الورید　　　تو فگندی تیر فکرت را بعید

جو حق ہے وہ شاہ رگ سے بھی قریب ہے

اور تو اپنی فکر کے تیر کو دور گراتا ہے

یہ کلام حضرت خواجہ بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ کا اس حدیث قدسی سے تعلق رکھتا ہے جس کا ترجمہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

گفت پیغمبر کہ حق فرموداست　　　من نگنجم در سر بالاو پست

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

میں نشیب و فراز میں نہیں سما سکتا

من نہ گنجم در زمین و آسماں　　　من بگنجم در قلوب مومناں

اور نہ میں زمین و آسمان میں سما سکتا ہوں

بلکہ میں سچے مومن کے دل میں سما جاتا ہوں

جب خدا کی سمائی قلب مومن میں ہو جائے تو تمام مخلوق کا قلب مومن میں نظر آنا کیا بعید ہے لیکن یہ تقرب بیچونیت کے ساتھ ہے، نہ کسی احاطہ ظرف کے ساتھ۔ جیسے سمائی آسمان کی آنکھ کی پتلی میں، نہ آسمان آنکھ میں گھس گیا نہ آنکھ آسمان میں، بلکہ یہی سمائی محبت ہے، جیسے کہ دوسری حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے بی یسمع و بی یبصر الی اخرہ اگر حقیقتاً سماعت و بصارت وغیرہ بشر کی عین خدا کی سماعت وبصارت ہو جاتی تو پھر اس کو فنا نہیں ہونا چاہئے تھا، حالانکہ خود ذات ہی ولی کی فانی ہے تو پھر بقا و صفات کہاں؟ یہ آیت قرآنی اور آحادیث قدسی اسی طرح پر ہیں کہ جس طرح حدیث شریف میں ارشاد ہے یا علی لحمک لحمی و دمک دمی (اے علی تمہارا گوشت میرا گوشت ہے اور تمہارا خون میرا خون ہے)۔ اگر حدیث شریف کے معنی حقیقتاً مان لئے جائیں تو پھر بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہما سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نکاح نہیں ہو سکتا تھا، ان آیات بینات اذ رمیت الخ و فی انفسکم افلا تبصرون، و احادیث بی یسمع الخ لا یسعنی ارضی و لا سمائی و لکن یسعنی قلب عبدی المومن اور یا علی لحمک لحمی و دمک دمی سے مراد اظہار عنایت و کرم ہے بمقابلہ اور مخلوق کے اور ساتھ ہی اس کے ظلی اور صفاتی طور پر تقرب بھی ہے۔

جب اللہ تعالیٰ اپنے کو ہر الفاظ تعریفیہ سے بلند تر فرماتا ہے سبحانہ و تعالیٰ عما یصفون اور یہ بھی ارشاد فرماتا ہے لا تدرکہ الابصار (کسی کی نگاہ اس کا ادراک نہیں کر سکتیں) تو پھر جسم خاکی اور فانی اس سے کیسے تقرب حقہ جسمانی کے ساتھ کر سکتا ہے، بموجب ارشاد و نحن اقرب الیہ من حبل الورید (ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں) کی طرح ہر تقرب حق قابل ایمان و حالت علم منقول سے تعلق رکھتی ہے اور اسی طرح قلب حق اور نزول تجلی ذات خانہ کعبہ سے بیچون و بیچگونیت کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور نہ کوئی خلق ذات حق کو تو کجا اس کی ایک رسم وصفت کا احاطہ اور وصل

نہیں کر سکتی، کیونکہ حق جل وعلا اور اس کی جملہ صفات قدیم ہیں اور جمیع حوادث سے منزہ اور مبرا ہیں۔ اور جمیع مخلوقات حادث، پس حادث اور قدیم ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے، لیکن نزول تجلی خانہ کعبہ میں اور نزول قلب انسان میں فرق ہے، خانہ کعبہ پر تجلی کا نزول ہر وقت رہتا ہے اور اولیاء پر بوجہ غفلت یا معصیت کبھی تجلی کا ظہور بند ہو جاتا ہے اور کبھی زیادہ کم ہوتا رہتا ہے اور اس حالت کو اصطلاح صوفیہ میں قبض وبسط کہتے ہیں، ان حالات کا تعلق علم معقول اور علم معاش میں سے نہیں ہے بلکہ علم منقول اور عقل معاد سے ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

علم معقولات علم اشقیاء ‏ ‏ ‏ علم منقولات علم انبیاء

علم معقول اشقیا کا علم ہے ‏ ‏ ‏ اور علم منقول انبیا علیہم السلام کا ہے

پائے استدلالیاں چوبیں بود ‏ ‏ ‏ پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

کم عقلوں سے دلیل لانے والوں کی مثال لکڑی کی ہے

اور لکڑی کے پاؤں ناپائیدار ہوتے ہیں

گر بہ استدلال کار دیں بدے ‏ ‏ ‏ فخر رازی رازدار دیں بدے

اگر استدلال پر ہی مذہب اسلام کا دارومدار ہوتا تو

امام فخر الدین رازیؒ جو علم معقول کے امام ہیں، مذہب کے بھی امام ہوتے

سالک کثرت محبت الٰہی میں اپنے کو اور تمام خلق کو بھول جاتا ہے اور غیریت اس کی نگاہ علم میں اٹھ کر صرف ایک ذات واجب الوجود کی طرف باقی رہتی ہے اور وہ اپنے کو اور تمام مخلوق کو عین خدا سمجھتا ہے اور بیساختہ اس کی زبان سے لفظ انانیت کے نکلتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ بھی بموجب حدیث قدسی انا عندظن عبدی بی، ایسے لوگوں سے ان کے خیال کے مطابق ویسا ہی پیش آتا ہے، اور جو کچھ

وہ زبان سے کہہ دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ویسا ہی کر دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرات متقدمین میں سے خرق عادات کثرت سے ظہور میں آئی ہیں، اسی واسطے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آں دعا شیخ نے چوں ہر دعاست　　　فانی است گفتہ گفت خداست

بندہ خاص کی دعا اوروں کی طرح نہیں ہوتی

جو محبت خدا میں فنا ہے، تو اس کا قول خدا کا قول ہے

اولیاء راہست قدرت ازالہ　　　تیر جستہ باز گرداند زراہ

اولیاء کو خدا نے ایسی قدرت عطا فرمائی ہے

کہ کمان سے نکلا ہوا تیر واپس لوٹا لیتے ہیں

اکمہ وابرص چہ باشد مردہ نیز　　　زندہ گردد از فسون آں عزیز

مادرزاد اندھا اور کوڑھی تو کیا مردہ بھی

ان کے دم کرنے سے زندہ ہو جاتا ہے

اسی مقام کو اصطلاح صوفیہ میں مقام فنا و بقا کہتے ہیں، فنا اس حالت کو کہتے ہیں کہ جب سالک کی نگاہ سے غیریت اٹھ کر سوائے ذات باری تعالیٰ کے کچھ باقی نہ رہے، اور بقا اس حال کو کہتے ہیں کہ اس حال فنا سے اس کو افاقہ ہو اور خالق و مخلوق، حادث و قدیم میں تمیز کرے، سالک کو پہلے فنائے فعلی پھر فنائے صفاتی، پھر فنائے ذاتی ہوتی ہے، یعنی اپنے افعال کو فعل خدا میں، اور پھر اپنی صفات کو صفات خدا میں اور پھر اپنی ذات کو ذات خدا میں فنا پاتا ہے اور یہ بات کثرت ذکر اور خاصان خدا کی صحبت سے نصیب ہوتی ہے۔

اور بموجب حدیث شریف اللہ تعالیٰ ایسے بندۂ خاص کے افعال کو اپنی طرف منسوب فرماتا ہے:

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ و ما یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتیٰ احببتہ فاذا احببتہ فکنت سمعہ الذی یسمع بہ و بصرہ الذی یبصر بہ و یدہ التی یبطش بھا و رجلہ التی یمشی بھا و ان سالنی لاعطینہ و لان استعاذنی لاعیذنہ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ نوافل کے ذریعہ سے ہمیشہ مجھ سے قرب ڈھونڈھتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کی وہ سماعت بن جاتا ہوں جس سے کہ وہ سنتا ہے اور وہ بینائی بن جاتا ہوں جس سے کہ وہ دیکھتا ہے اور وہ ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے کہ وہ پکڑتا ہے اور وہ پاؤں بن جاتا ہوں جس سے کہ وہ چلتا ہے، اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اس کو دیتا ہوں، اگر وہ مجھ سے پناہ مانگتا ہے تو میں اس کو پناہ دیتا ہوں۔

اور اس حدیث شریف کی تصدیق اور تائید میں آیت شریف **وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللهَ رَمَى (الانفال ۱۷)** ارشاد رب العباد ہے، اور دوسری جگہ ہے **إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللهَ يَدُ اللهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ (الفتح ۱۰)** (بے شک اے نبی جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں، یقیناً اس کے سوا نہیں ہے کہ وہ خدا سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے) اسی مطلب میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اللّٰــہ اللّٰــہ کن کہ اللّٰــہ می شود   ایں سخن حق ست باللّٰــہ می شود

اللہ اللہ کر کہ تو "اللہ" ہو جائے

یہ بات بالکل سچ ہے قسم خدا کی تو ضرور ہو جائیگا

یہ حالت فناو بقا دریا کی موجوں کی طرح سالک پر وارد ہوتی رہتی ہیں۔

چنانچہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہفت صد ہفتاد قالب دیدہ ام　　　ہمچو سبزہ بارہا روئیدہ ام

میں نے سات سو ستر قالب دیکھے ہیں

اور سبزہ کی طرح کئی بار اگا ہوں

حضرت ابو مدین مغربی رحمۃ اللہ علیہ اس معنی میں فرماتے ہیں:

کشتگان خنجر تسلیم را　　　ہر زمان از غیب جان دیگر است

خنجر تسلیم سے مرے ہوئے لوگوں کیلئے

ہر زماں میں غیب سے دوسری جان ودیعت ہوتی ہے

اسی مفہوم میں مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہر کس بمیرد ایک بار　　　بیچارہ جامی بارہا

ہر شخص ایک مرتبہ مرتا ہے　　　(لیکن) بیچارہ جامی بار بار

اور اسی مقصد میں حضرت مرزا مظہر جانجاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بعضے از دولتمندان از ہر بار گفتن آن فنائے خاص

در خود می فہمند و در ہر نفس چندیں بار می میرند

بعض بزرگ عرفان ذکر اللہ سے اپنے میں ایک فنائے خاص سمجھتے ہیں

اور ہر سانس میں کئی بار مرتے ہیں

دمے صد بار در یاد تو میرم　　　بایں بے طاقتی نام تو گیرم

ایک دم میں تیری یاد میں سو مرتبہ مرتا ہوں

اور باوجود بے طاقتی کے تیرا ذکر کرتا ہوں

یہ فنا بحکم موتوا قبل ان تموتوا (اپنے مرنے سے پہلے مر جاؤ) سالک پر گزرتی ہے اور یہ حالت طاری ہوتی ہے بموجب جملہ اولیٰ اس حدیث شریف کے ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک (یہ کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا تو اس کو دیکھ رہاہے اور اگر تو اس کو نہیں دیکھ رہاہے تو تحقیق وہ تجھے دیکھ رہاہے۔ پس جس وقت آئینہ دل پر شعاعیں انوار اسماء وصفات الٰہی کی پڑتی ہیں جیسے کہ آئینہ میں شعاعیں آفتاب کی پڑتی ہیں تو جس طرح شعاع نور آفتاب میں آدمی کو اپنا وجود اور وجود آئینہ دونوں نظر نہیں آتے، اسی طرح شعشان انوار اسماء وصفات میں اپنا وجود اور وجود خلق سالک کو نظر نہیں آتا، یا جیسے چراغ کی روشنی دھوپ میں نظر نہیں آتی حالانکہ روشنی موجود ہوتی ہے یا جیسے صفراوی بخار والے کو میٹھا بھی کڑوا معلوم ہوتا ہے حالانکہ مٹھائی میں کڑواہٹ نہیں ہے یا جیسے دریا کی ریت میں ذرات چمکتے ہیں، ذرات موجود ہوتے ہیں مگر چمک میں وجود ذرہ نہیں دکھتا یا جیسے کسی کو مرض پیلیا ہو جاتا ہے تو اس مریض کو تمام جہاں پیلا ہی پیلا نظر آتا ہے حالانکہ جہان پیلا نہیں ہے یا جیسے کہ ضعف زیادہ ہو جاتا ہے تو وقت کھڑے ہونے کے اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا ہے، حالانکہ جہاں روشن ہے، یہ اس کی ضعف اور علم کا قصور ہے، اسی طرح بیماری محبت الٰہی میں سالک مجبور و معذور ہے کہ اس کی نگاہ علم و محبت میں تمام جہاں میں سوائے خدا کے کچھ نظر نہیں آتا اور اسی مقام میں سالک پر ذوق وشوق گریہ وزاری، آہ ونعرہ، بے ہوشی و مدہوشی۔

اور اسی مقام میں درد محبت ہوتا ہے کہ جس درد کی آرزو حضرت فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کرتے ہیں:

کفر کافر را ودیں دیندار را ذرہ درد دل عطار را

کفر کافر کیلئے اور دین دیندار کے لئے عطار کیلئے دردِ دل کا ایک ذرہ کافی ہے

یہ فنا و بقا جسمانی فنا و بقا نہیں ہے بلکہ سالک کے لطائف اور علم کی فنا و بقا ہے اور تمثیل اس فنا و بقا کی اچھی طرح یو سمجھ میں آجائے گی کہ کسی مقام پر دس دس پانچ پانچ گز کے فاصلہ سے یکے بعد دیگرے شب کو چراغ رکھ دیئے جائیں اور چراغ اول کو پس پشت کرکے آدمی کھڑا ہو جائے تو اس کا سایہ اس کے سامنے دکھائی دے گا اور جب اس چراغ اول کے پاس سے دوسرے چراغ کی طرف جوں جوں بڑھے گا اسی قدر سایہ اس کا سامنے والا کم ہوتا جائے گا، حتی کہ چراغ دوم کے قریب پہنچنے پر سامنے کا سایہ بالکل کالعدم ہو جائے گا اور دوسرے سامنے کے چراغ کی روشنی کے سبب سے اس کا سایہ پس پشت آجائے گا اسی طرح جب چراغ دویم سے آگے بڑھ کر چراغ سویم کی طرف چلے گا تو پھر اس کا سایہ فوراً اس کے سامنے آجائے گا۔ علی ھذ القیاس ہر چراغ کے قرب اور بعد میں اس کے سایہ کو فنا اور بقا ہوتی رہے گی، حالانکہ اس کے سایہ کو حقیقتاً فنا نہیں ہے بلکہ نور چراغ کی قوت نے اس کے علم میں اس کے سایہ کو ایسا معدوم کر دیا کہ اس کو نظر ہی نہیں آتا، اگر سامنے کا قریب چراغ گل کر دیا جائے جس کی روشنی نے اس کے سایہ کو پیچھے کر دیا ہے تو پچھلے چراغ کی روشنی اس کے سایہ کو فورا! اس کے سامنے قائم کر دے گی، اسی طرح ہر مقام انوار صفات الٰہی میں جب سالک ترقی کرتا ہے تو اس کو اسی طرح تمام جہان کی فنا و بقا دکھتی ہے حقیقتاً اس کی اور تمام جہان کی فنا و بقا نہیں ہوتی، سالک کا ہر مقام میں وجود موجود رہتا ہے لیکن اس کے علم میں نظر نہیں آتا۔

چنانچہ حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

چوں زبانہ شمع پیش آفتاب

نیست باشد ہست باشد در حساب

اگرچہ چراغ کی لو آفتاب کے سامنے معدوم ہو جاتی ہے، حالانکہ وہ حقیقتاً موجود ہوتی ہے

ہست باشد ذات او تا تو اگر — بر نہی پنبہ بسوزد آں شرر

وہ تو موجود ہوتی ہے، چنانچہ اگر تم — اس کی لو پر روئی رکھو، تو وہ جل جائے گی

نیست باشت روشنی ندہد ترا — کردہ باشد آفتاب او را فنا

وہ چراغ معدوم معلوم ہوتا ہے اور روشنی بھی نہیں دے رہا ہے

لیکن یہ سب کچھ آفتاب کی وجہ سے ہے کہ اس نے چراغ کو ماند کر دیا

اور اسی واسطے حضرت فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

سیہ روئی ز ممکن در دو عالم — جدا ہرگزنہ شد واللہ اعلم

بشریت کی سیاہی دونوں جہاں میں

ہرگز جدا نہیں ہو سکتی آگے خدا جانے

نمی بینی کہ شاہے چوں پیمبر — نیافت او فقر کل تورنج کم بر

تو نہیں دیکھتا کہ خاتم النبیین ﷺ جیسے پیغمبر

بشر سے خدا نہ بن سکے تو اے طالب تو کیسے خدا بن سکتا ہے

غیر مذاہب کا ان بزرگوں کے الفاظ سے استنباط مسئلہ تناسخ و آواگون کرنا بالکل غلط اور سراسر کج فہمی ہے، یہ مقام نہایت عشق کا شدید ہوتا ہے اور بلا عشق شدید کے نفس ملعون کی سرکوبی اور

خباثت نفس اور کبر و عجب و ریا و حقد و حسد سے دل پاک نہیں ہوتا، اور اتباع سنت نبوی ﷺ اور تعمیل ارشاد الٰہی **الا للہ الدّین الخالص** (آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کے لئے خالص دین ہے) نہیں ہوتی۔

ہر کرا جامہ از عشقش چاک شد　　　او ز حرص و بغض کلی پاک شد

جس کسی کا خدا کے عشق سے کپڑا چاک ہوا　　　وہ حرص اور بغض و غیرہ سے حقیقتاً پاک ہوا

اور بلا عبور کئے ہوئے اس مقام فنا و بقا کے جناب باری کی درگاہ میں گزر نہیں ہوتا۔

چنانچہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہیچ کس را تانہ گردد ایں فنا　　　نیست رہ در بارگاہ کبریا

جب تک کسی کو یہ فنا حاصل نہ ہو　　　اس کو درگاہ الٰہی کا راستہ نہیں مل سکتا

اور حسین منصور رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کفرت بدین اللّٰہ و الکفر واجب　　　لدی و عند المسلمین قبیح

میں نے اللہ کے دین میں کفر کیا ہے اور یہ کفر واجب ہے

اور عام مسلمانوں کے نزدیک یہ ناپسندیدہ ہے

اس حال "ہمہ اوست" کو اصطلاح صوفیہ میں "کفر طریقت" بھی کہتے ہیں اور کفر طریقت یہ ہے کہ امتیاز اٹھ جائے اور بجز ذاتِ حق کوئی نظر میں نہ رہے، اور جب تک یہ حال طالب پر طاری نہ ہو گا فیضانِ الٰہی اخذ کرنے کے لائق بھی نہیں ہو سکتا اور نہ دوسروں کو اپنی ہمت باطن سے فیض پہنچا سکتا ہے۔ لہٰذا یہی عشق شدید عالم غیب سے فیض لینے اور خلق میں فیض پہنچانے کا ذریعہ ہے، اور اسی حال کے گزر جانے کے بعد تمام سلاسل صوفیہ میں وہ شخص اولیاء میں شمار کیا جاتا ہے اور اسی حال کے گزر جانے کے بعد قطب ابدال، اوتاد، نقیب، نجیب، قطب مدار، قطب ارشاد اور اجازت سلسلہ

بیعت کے لائق ہو جاتا ہے، اور اسی فنا کے بعد قبور اولیاء سے فیض اخذ کرنے کے لائق ہوتا ہے، اور اسی فنا کے بعد الحب للہ و البغض للہ پر عمل کرنے کے لائق ہوتا ہے، اور اسی مقام میں کشف اور خرق عادات کثرت سے ظاہر ہوتی ہیں، اسی مقام میں مقام جہان کا نقشہ سینہ میں نظر آتا ہے، اسی مقام میں بوقت غلبہ حال اگر مردہ سے وہ کہے کہ زندہ شو تو وہ زندہ ہو جائے، اگر زندہ سے کہے کہ مردہ شو، تو وہ فوراً مر جائے، اسی مقام میں فی انفسکم افلا تبصرون معلوم ہوتی ہے۔ اسی مقام میں تمام زمین و آسمان کی حقیقت وسعت قلب کے مقابلہ میں نقطہ کے مانند معلوم ہوتی ہے۔ کثرت حال میں یہ بندہ خاص اپنے کو بندہ جانتا، بلکہ اپنے علم میں دوئی اٹھ کر ایک ہی جانتا ہے تو خداوند تعالیٰ بھی اس کے گمان کے موافق اس سے پیش آتا ہے او عر اس بندۂ خاص کی دعا کو رد نہیں کرتا، جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے کہ بعض میرے امتی پریشان حال اور غریب ہوں گے اور لوگوں میں ان کی وقعت نہ ہوگی مگر خدا کے نزدیک وہ مرتبہ والے ہوں گے اور وہ جو قسم کھا بیٹھیں گے خدا ویسا ہی کرے گا اور دوسری حدیث شریف انا عند ظن عبدی بی یعنی جو بندہ مجھ سے جیسا گمان رکھے گا میں اس کے گمان کے موافق اس سے پیش آؤں گا اور پیش آتا ہے۔

اطلاع: بعض اولیاء اللہ اکمل اپنے بعض طلبہ کو بطور طفرہ کے مقام ہمہ اوست کو درمیان میں چھوڑ کر ولایت کبریٰ میں لے جاتے ہیں، (طفرہ کے معنی لغت میں یہ ہیں کہ درمیانی مقام کو چھوڑ کر اوپر کود کر چلے جانا) جیسے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نان بائی کو مقام ہمہ اوست کو چھوڑ کر ایک توجہ میں مقامات عالیہ میں کھینچ کر لے گئے، حضرت مرزا مظہر جانجاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے بعض طلبہ کو اسی طرح لے گئے ہیں اور اولیاء اکمل بھی۔

اطلاع: بعض اولیاء اس راہ سلسلہ طریقت سے علاوہ صرف اتباع سنت اور کثرت عبادت اور خلوص اور مجاہدہ سے بھی خدا تک پہنچتے ہیں اور بعض پیدائیشی ولی ہوتے ہیں ان کو اجتبائے صرف میں حصہ دیا جاتا ہے، بلا تعلیم، بلا عمل، بلا صحبت خود بخود ان کی روح میں کشش ربانی ہوتی ہے اور وہ خدا تک پہنچتے ہیں اور اکثر وہ مجذوب ہوتے ہیں لیکن دونوں قسم کے اولیاء شاذ و نادر ہوتے ہیں، ولایت کا راستہ شاہراہ عام میں سلسلہ طریقتِ صوفیہ ہے۔

۱۸)نیت مراقبہ اقربیت: فیض می آید از ذات بیچون کہ اصل اسماء و صفات است کہ نزدیک تر است از من بہ من و از رگِ گردن من بمن بہ نزدیکی بلا کیف بمفہوم ایں آیہ کریمہ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (ق ١٦) بہ لطیفہ نفسی من با شرکت لطائف خمسہ عالم امر من بواسطہ پیران کبار رحمہم اللہ تعالیٰ۔

توقف۔۔۔۔روز

ترجمہ: ذات حق تعالیٰ جو کہ اصل اسماء و صفات ہے، بموجب آیۃ کریمہ وَنَحنُ أَقرَبُ إِلَيهِ مِن حَبلِ الوَرِيدِ (ق ١٦) (ہم اس کی شہ رگ سے بھی قریب ترین ہیں) مجھ سے میرے زیادہ نزدیک ہے اور میری شہ رگ سے بھی قریب ہے۔ اور یہ نزدیکی بلا کیف ہے، اس ذات سے پیران اکابر کے توسل سے میرے لطائف خمسہ عالم امر اور لطیفۂ نفسی میں فیض آرہا ہے۔(توقف)

تشریح: دوسرا دائرہ جو کہ ولایت صغریٰ کا ہے، کے قطع کرنے کے بعد تیسرا دائرہ رونما ہوتا ہے اور اس کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ یہ تیسرا دائرہ ولایت کبریٰ کا ہے جو حقیقت میں انبیاء علیہم السلام کی ولایت ہے اور ان کی تبعیت میں اور وراثت کے طور پر بعض اولیاء کرام کو بھی نصیب ہوتی ہے۔

یہ تیسرا دائرہ دراصل تین دائروں اور قوس پر مشتمل ہے۔ ان میں سے پہلے دائرے کا نچلا نصف اسماء وصفات زائدہ پر مشتمل ہے اور اوپر والا نصف شیونات ذاتیہ کو متضمن ہے۔ لطائف عالم امر کے عروج کی انتہا اس دائرہ اسماء وشیونات کی نہایت تک ہے۔

اس دائرے میں مراقبۂ اقربیت کیا جاتا ہے اور اس مراقبہ میں یہ تصور کیا جاتا ہے کہ اقربیت کا فیض میرے لطیفۂ نفسی اور خمسہ لطائف عالم امر میں آرہا ہے۔ اس ذات اقدس کی طرف سے جو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اور ولایت کبریٰ کے دائرہ اولیٰ کا منشاء ہے اور یہاں ہی توحید شہودی منکشف ہوتی ہے۔ اس میں نفی واثبات کے ورد کی کثرت بہت مفید اور ترقی کا باعث ہے۔

۱۹) نیت مراقبہ محبت اول: فیض می آید از ذات بیچون کہ اصل اصل اسماء و صفات است کہ دوست میدارد مرا و من دوست میدارم او را مفہوم ایں آیہ کریمہ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ (المائدة ۵۴) خاص بہ لطیفہ نفسی من بواسطہ پیران کبار۔

توقف۔۔۔۔روز

ترجمہ: ذات حق تعالیٰ جو کہ اصل اصل اسماء وصفات ہے جو کہ بمطابق اس آیت کریمہ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ (المائدة ۵۴) (مجھے دوست رکھتی ہے اور میں اسے دوست رکھتا ہوں) سے بالخصوص میرے لطیفۂ نفسی میں فیض آرہا ہے۔ بواسطۂ پیران کبار کے (توقف)

تشریح: تیسرے دائرے ولایت کبریٰ کا دوسرا دائرہ ہے جو کہ پہلے دائرہ اسماء وصفات و شیونات کے دائرے سے فوق ہے اور شیونات کے اصول پر مشتمل ہے۔ اس دائرے میں مراقبۂ محبت کیا جاتا ہے اور اس میں تصور کیا جاتا ہے کہ مقام فیض لطیفۂ نفسی ہے۔

۲۰) نیت مراقبہ محبت دوم: فیض می آید از ذات بیچون کہ اصل اصل اصل اسماء و صفات است کہ دوست میدارد مرا و من دوست میدارم او را بمفهوم ایں آیہ کریمہ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهٗ(المائدة ۵۴)خاص بہ لطیفہ نفسی من بواسطہ پیران کبار رحمہم اللہ تعالیٰ۔ توقف۔۔۔۔روز

ترجمہ: اس ذات بیچوں سے فیض آرہا ہے کہ اسماء و صفات کی اصل اصل اصل ہے جو کہ اس آیت کریمہ کے مطابق يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهٗ(المائدة ۵۴) (مجھے دوست رکھتی ہے اور میں اسے دوست رکھتا ہوں)اور جو کہ ولایت کبریٰ کے تیسرے دائرے کا منشاء ہے، بواسطہ مشائخ عظام کے۔ (توقف)

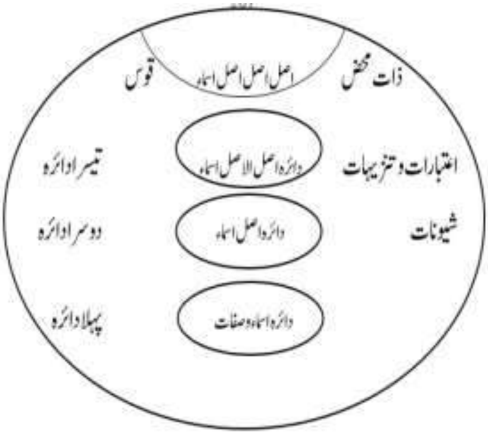
تشریح: یہ دائرہ ولایت کبریٰ کا تیسرا دائرہ ہے جو کہ اصل اصل اصل اسماء وصفات کے اصول پر مشتمل ہے۔ اس دائرے میں بھی مراقبۂ محبت کیا جاتا ہے اور اس میں تصور کیا جاتا ہے کہ بالخصوص میرے لطیفۂ نفسی میں فیض آرہا ہے۔

۲۱) نیت مراقبہ دائرہ قوسی: فیض می آید از ذات بیچون کہ اصل اصل اصل اسماء و صفات است و دائرہ قوسیست کہ دوست میدارد مرا و من دوست میدارم او را بمفهوم ایں آیہ کریمہ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهٗ(المائدة ۵۴)خاص بہ لطیفہ نفسی من بواسطہ پیران کبار۔(توقف۔۔۔۔روز)

ترجمہ: اس ذات حق تعالیٰ بیچوں سے فیض آرہا ہے جو کہ دائرہ نمبر تین کی اصل ہے جو مجھے دوست رکھتی ہے اور میں اسے دوست رکھتا ہوں اور ولایت کبریٰ کے فیض کے منشاء کی قوس ہے اور

خاص میرے لطیفۂ نفسی میں بواسطہ مشائخ عظام فیض آرہا ہے آیت مذکورہ بالا کے بموجب۔ (توقف)

تشریح: ولایت کبریٰ کے تین دائروں کے اوپر قوس کا سالک مشاہدہ کرتا ہے جو کہ اسماء وصفات کے دائرہ کی نمبر ۴ یعنی چوتھے درجے پر اصل ہے۔



عالم صغیر کی اصل عالم کبیر، اس دائرہ اصل الاصل اسماء کی اصل ظلال اور ظلال کی اصل اسماء و صفات واجبہ اوران کی اصل شیونات اور شیونات کی اصل اعتبارات اور ان کی اصل ذات شکل و دوائرہ ولایت کبریٰ۔

پہلے دائرے میں ذات بمع صفات ثمانیہ ثبوتیہ کا مشاہدہ ہوتا ہے اور وہ صفات بھی آپس میں ایک دوسرے سے ممتاز نظر آتی ہیں۔ دوسرے میں ذات میں شیونات کا ملاحظہ ہوتا ہے اور شیونات بھی ایک دوسرے سے ممتاز ہوتے ہیں۔

تیسرے دائرے میں اعتبارات و تنزیہات کے ساتھ ذات ہوتی ہے جو کہ ایک دوسرے سے ممتاز نہیں ہوتے اور قوس میں صفات، شیونات، اعتبارات میں سے کسی کا ملاحظہ نہیں ہوتا بلکہ محض ذات بحث ہوتی ہے۔

نیز دائرہ میں دو قوس ہوتے ہیں، قوس ذات محض، قوس محض، قوس صفات یا شیونات یا اعتبارات چونکہ اعتبارات سے فوق کوئی اضافت یا اعتبار نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ ضعف دائرے کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے اور اسے صرف قوس سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

دائرہ محبت اول و دوم اور قوس میں تہلیل (نفی و اثبات) اور قرآن مجید کی تلاوت زیادہ مفید اور باعث ترقی ہوتی ہے۔ ان میں سالک کو کمال فنا حاصل ہوتا ہے۔ حقیقی اسلام، شرح صدر، عالم کے وجود کا ظل ہونا اور ذات باری تعالیٰ کے وجود کے تابع ہونا (توحید شہودی) پایا جاتا ہے۔ نیز اخلاق رذیلہ کا فنا ہونا اور اخلاق حسنہ سے مستخلق ہونا میسر آتا ہے۔ ان تجلیات کے حاصل ہونے سے اسماء و صفات کا ظلال، اسمائی و صفاتی تجلیات اور اسم ظاہر کی سیر مکمل ہوتی ہے۔

۲۲) نیت مراقبہ اسم ظاہر: فیض می آید از ذات بیچون کہ مسمی باسمِ ظاھر است بمفہوم ایں آیہ کریمہ هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (الحدید ۳) خاص بہ لطیفہ نفسی من بواسطہ پیران کبار۔ (توقف۔۔۔۔روز)

ترجمہ: ذات حق تعالیٰ بے چوں جو کہ اسم ظاہر کے ساتھ موسوم ہے۔ اس آیت کریمہ هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (الحدید ۳) (وہی اول و آخر، ظاہر و باطن ہے اور وہی ہر شے کو جاننے والا ہے) سے مشائخ عظام کے وسیلہ سے میرے لطیفہ نفسی پر خصوصی طور پر فیض آرہا ہے۔ (توقف)

تشریح: اگرچہ ولایت کبریٰ کے تین دائروں اور قوس سے تزکیۂ نفس حاصل ہو جاتا ہے اور بری عادات، اچھے خصائل میں تبدیل ہو جاتی ہیں لیکن فخر و غرور اور رعونت ابھی باقی ہے۔ ان کو دور کرنے کے لئے سالک کو اسم ظاہر کا مراقبہ ضروری ہے تاکہ سیر آفاقی پایۂ تکمیل تک پہنچ سکے۔

ولایت کبریٰ کا تعلق اسم "الظاھر" سے ہے، اسم "الظاھر" اللہ تعالیٰ کا ایک مبارک اسم ہے اور کائنات میں چیزوں کا ظہور اسی اسم "الظاھر" کی برکت سے ہے، اس مبارک نام کی وجہ سے ہر چیز ظاہر ہے، چنانچہ ولایت صغریٰ اور ولایت کبریٰ اسم "الظاھر" کے دائرے ہیں، اس لئے اس کے بعد اسم "الظاھر" مراقبہ کیا جاتا ہے۔

مکتوبات معصومیہ دفتر اول مکتوب ۴۷ میں حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ جاننا چاہیئے کہ اسم "الظاھر" کے ظلال میں وصول اور اس کے مراتب میں سیر کو ولایت صغریٰ سے تعبیر کرتے ہیں، جو کہ اولیاء اللہ کی ولایت ہے اور اسماء و صفات کے اصول میں سیر ولایت کبریٰ کے ساتھ وابستہ ہے جو کہ انبیاء علیہم السلام کی ولایت ہے اور یہ دونوں ولایتیں اسم "الظاھر" سے تعلق رکھتی ہیں، اس اسم "الظاھر" میں مراقبہ کرنے کے بعد اس کے نیچے ولایت صغریٰ اور کبریٰ کی ساری کیفیتیں، جیسے شرح صدر، قضا و قدر پہ یقین وغیرہ سب تام اور کامل ہو جاتے ہیں اور "أنا" ختم ہو جاتی ہے، اس کے بعد اسم "الباطن" کا مراقبہ کیا جاتا ہے۔

اسم "الظاھر" جلال و جمال کا مظہر

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ کائنات اللہ رب العزت کے اسم "الظاھر" کا مظہر ہے، جتنی چیزوں کا ظہور ہے یہ اس اسم کی جلوہ گریاں ہیں۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے اپنے جمال کو دکھانے کے لئے ایسی چیزوں کو پیدا کیا جو بندے کو بہت اچھی

لگتی ہیں، کھانے پینے کی چیزیں، پھل اور میوے ہیں، پھول ہیں، انسان کی رغبت ہوتی ہے کہ ان چیزوں سے لطف اندوز ہو، تو فرماتے ہیں کہ جس طرح باقی چیزوں میں اللہ رب العزت نے رغبت رکھی ہے، سب سے کامل رغبت اللہ تعالیٰ نے مرد کے لئے عورت میں رکھی ہے، چنانچہ عورت کے اوپر اسم "الظاھر" کی تجلی پڑتی ہے اور مرد بے اختیار ہو کر اس سے محبت کرتا ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مکتوبات، دفتر اول میں لکھتے ہیں کہ راہ سلوک طے کرنے کے دوران حق سبحانہ و تعالیٰ اس خادم پر اسم "الظاھر" کی تجلی کے ساتھ علیحدہ علیحدہ ظاہر ہوا، خاص طور پر عورتوں کے لباس میں، بلکہ اس کے اعضاء میں جدا جدا ظاہر ہوا، اور اس میں میں گروہ عورتوں کا اس قدر مطیع و فرمانبردار ہوا کہ کیا عرض کروں، اور میں اس اطاعت اور فرمانبرداری میں بے اختیار تھا۔ اسم "الظاھر" کی تجلی کا جو ظہور کہ اس لباس یعنی مستورات میں ہو، ایسا اور کسی جگہ میں نہیں ہوا، جس قدر عمدہ و پاکیزہ خصوصیات اور عجیب و غریب خوبیاں اس لباس میں ظاہر ہوئیں، اتنی کسی اور مظہر میں ظاہر نہیں ہوئیں، میں ان کے سامنے پگھل کر پانی پانی ہو جاتا تھا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے معاشرہ قائم کرنے کے لئے مردوں کے دل میں عورتوں کی فطری محبت پیدا کر دی ہے، مگر یہ بھی کہہ دیا کہ دیکھو اگر تم پر سکون زندگی گزارنا چاہتے ہو تو نکاح کے ذریعے ایک دوسرے کی محبتوں پر زندگی گزارو، دنیا میں بھی اجر پاؤ گے اور آخرت میں بھی جنتیں پاؤ گے۔

پھر آگے فرماتے ہیں: اور اسی طرح اسم "الظاھر" کی تجلی کا ظہور پھر کھانے پینے میں اور پہننے کی چیزوں میں الگ الگ ہوا جو عمدگی اور خوبی لذیذ اور پر تکلف کھانے پینے میں تھی وہ کسی کھانے میں

نہ تھی اور میٹھے پانی میں بھی دوسرے (کھارے) پانی کے مقابلہ میں یہی فرق تھا بلکہ ہر لذیذ و شیریں چیز میں خصوصیات کمال میں سے اپنے اپنے درجے کے مطابق الگ الگ ایک خصوصیت تھی، یہ خادم اس تجلی کی خصوصیت کو بذریعۂ تحریر عرض نہیں کر سکتا۔ اگر آنجناب کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوتا تو شاید عرض کر سکتا لیکن ان تجلیات کی جلوہ گری کے زمانے میں یہ خادم رفیق اعلیٰ یعنی محبوب حقیقی حق تعالیٰ جل شانہ کی آرزو رکھتا تھا اور حتیٰ الامکان ان ظہورات کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تھا لیکن چونکہ مغلوب الحال تھا اس لئے اس تجلی کے اثرات سے متاثر ہوئے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا۔

حضرت سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مکتوبات مجددیہ کے ترجمہ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

یہ جو بعض عارفوں نے کہا ہے:

من عرف اللہ طال لسانہ۔

ترجمہ: ”جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اس کی زبان دراز ہو گئی“۔

یہ معرفت اسم **”الظاھر“** کے معارف سے وابستہ ہے۔

اثرات: اس مراقبہ میں زیادہ فیض لطیفۂ نفس پر وارد ہوتا ہے، اس میں انوار سفید مائل بہ سبزی معلوم ہوتے ہیں، ایک قسم کی خنکی و آرام اور استغراق کامل کے ساتھ اسرار و مظاہر وارد ہوتے ہیں۔ ولایت کبریٰ کی نسبت باطن میں فراخی و قوت پیدا ہوتی ہے اور اسی طرح اوپر کے دائرے میں نیچے والی نسبت کی تقویت اور تکمیل ہوتی رہتی ہے۔ ولایت کبری محاذات و مقابل میں دائرۂ سیف قاطع ہے، جب سالک اس دائرہ میں قدم رکھتا ہے تو وہ اپنی ہستی کو کاٹنے والی تلوار کی مانند کاٹ ڈالتا ہے اور اس کا نام و نشان نہیں چھوڑتا۔ یہ دائرہ داخل سلوک نہیں بعض کو پیش آتا ہے اور بعض کو نہیں۔

ولایت کبریٰ کے دائروں اور مراقبہ اسم "الظاھر" میں تہلیل لسانی معنی کا خیال رکھتے ہوئے بطریق مذکور کرنا بہت فائدہ دیتا ہے۔ولایت کبریٰ کی تکمیل یعنی مراقبہ اسم "الظاھر" کے بعد ملائکہ عظام کے مبادی تعینات میں سیر واقع ہوتی ہے جو ولیات عُلیا کہلاتی ہے اور اس سیر کو اسم "الباطن" کی سیر کہتے ہیں،اس کے مراقبہ کا طریقہ یہ ہے:

۲۳)نیت مراقبہ اسم باطن: فیض می آید از ذات بیچون کہ مسمّی باسمِ باطن است کہ منشاء ولایت علیا است کہ ولایت ملاء الاعلیٰ است بمفہوم ایں آیہ کریمہ هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (الحدید ۳) بعناصر ثلٰثہ من کہ آب و باد و نار است بواسطہ پیران کبار رحمہم اللہ تعالیٰ۔(توقف۔۔۔۔روز)

ترجمہ: ذات حق تعالیٰ بے چوں جو کہ اسم باطن سے موسوم ہے کہ ولایت علیا کی منشا ہے۔اس آیت کریمہ هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (الحدید ۳) سے بزرگان دین کے توسل سے میرے تین عناصر (پانی، آگ اور ہوا) میں فیض آرہا ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے مکتوبات کے دفتر اول مکتوب ۲۶۰ میں تحریر فرماتے ہیں: جب اس فقیر کی سیر یہاں تک ہو چکی تو وہم وخیال میں آیا کہ سب کام مکمل ہو چکا ہے،اتنے میں عالم غیب سے ندا آئی کہ یہ سب کچھ اسم "الظاھر" کی تفصیل تھی جو کہ پرواز کے کے لئے ایک بازو ہے اور اسم "الباطن" کی سیر ابھی باقی ہے جو کہ عالم قدس کی طرف پرواز کرنے کے لئے دوسرا بازو ہے اور جب تو اس کو بھی مکمل طور پر انجام دے دے گا تو اس وقت تجھے پرواز کے لئے دو بازو عطا ہوں گے اور جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اسم "الباطن" کی سیر بھی انجام پاچکی تو دو بازو عطا ہوں گے۔

مکتوبات معصومیہ دفتر اول مکتوب ۴۷ میں تحریر فرماتے ہیں: اور اس اسم یعنی اسم "الظاھر" سے گزرنے کے بعد اسم "الباطن" سے، جو کہ ملاء اعلیٰ فرشتوں کی ولایت ہے اور اسم "الظاھر" اور اسم "الباطن" کا فرق حضرت قطب المحققین قدس اللہ سبحانہ سرہ العزیز کے مکتوب قدسی آیات میں مذکور ہے، وہ یہ ہے کہ اسم "الظاھر" ایک اسم ہے کہ جس میں ذات بالکل ملحوظ نہیں ہے اور اسم "الباطن" میں اسم کے پردہ میں ذات ملحوظ ہے۔ اسم "الظاھر" اور اسم "الباطن" میں نہایت باریک فرق ہے جس کا سمجھانا بھی ایک مشکل کام ہے، بلکہ حضرت امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مکتوبات مجددیہ دفتر اول مکتوب ۲۶۰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اسم "الباطن" کی سیر کی نسبت کیا لکھا جائے، اس سیر کا حال استتار اور یقین در پردہ رہنے ہی کے مناسب ہے، البتہ اس مقام کے متعلق صرف اس قدر بیان کیا جاتا ہے کہ اسم "الظاھر" کی سیر صفات میں ہے بغیر اس بات کہ اس کے ضمن میں ذات تعالیٰ و تقدس ملحوظ ہو اور اسم "الباطن" کی سیر بھی اگرچہ اسماء میں ہے لیکن اس کے ضمن میں ذات باری تعالیٰ ملحوظ ہے، اور یہ اسماء پرندوں کی مانند ہیں جو حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے حجابات ہیں۔ اسم "الظاھر" میں ذات بالکل ملحوظ نہیں ہوتی اور اسم "الباطن" میں اسم کے پردے میں ذات ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کو آسان لفظوں میں یوں سمجھ لو کہ اسم "الظاھر" میں سیر "علم" میں سیر ہوتی ہے، اور اسم "الباطن" میں سیر اسم "علیم" میں ہوتی ہے۔

اس بات کو سمجھانے کے بعد حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ باقی تمام اسماء و صفات کا حال بھی اس قیاس پر کریں، یہ اسماء جو اسم "الباطن" سے تعلق رکھتے ہیں، ملائکہ ملاء اعلیٰ کے کے تعینات کے مبادی ہیں اور ان اسماء میں سیر کا آغاز کرنا ولایت علیا میں قدم رکھنا

ہے جو کہ ملاء اعلیٰ کی ولایت ہے اگرچہ **اسم "الظاھر"** اور **اسم "الباطن"** کے درمیان فرق بہت باریک ہے **اسم "الظاھر"** و**اسم "الباطن"** کے بیان میں جو علم و علیم کے درمیان فرق ظاہر کیا گیا ہے، اس فرق کو چھوٹا نہیں سمجھنا چاہیئے، اور یہ نہ کہو کہ علم سے علیم تک بہت کم راستہ ہے بلکہ یہ فرق ایسا ہے جیسا کہ مرکز زمین سے عرش کے درمیان تک۔ نیز اس فرق کی نسبت ایسی ہے جیسے قطرے کا دریائے محیط سے نسبت کا فرق ہے۔ کہنے کو تو یہ نزدیک ہے لیکن حاصل ہونے میں بہت دور ہے اور ان مقامات کا ذکر جو اجمالی طور پر بیان کیا گیا ہے وہ بھی اسی کی قسم ہے۔

مکتوبات دفتر اول مکتوب ۷۴ میں بھی خواجہ معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ **اسم "الباطن"** سے گزرنے کے بعد عروج کی جانب میں انبیاء و مرسلین علیٰ نبینا و علیھم الصلوات والتسلیمات کے فرق مراتب کے مطابق کمالات نبوت پیش آتے ہیں اور ان کمالات کا حاصل ہونا اصالۃً تو انبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام کے لئے ہے اور تبعیت و وراثت کے طور پر جسے چاہے نوازے۔

سبحان اللہ! فرماتے ہیں کہ عام بندے کی پرواز بس **اسم "الظاھر"** اور **اسم "الباطن"** تک ہوتی ہے، اس سے اوپر انبیاء علیھم السلام کے کمالات ہیں لیکن نبی علیہ السلام نے امت کے لئے دعائیں کی ہیں لہٰذا جو نبی علیہ السلام کی کامل اتباع کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ (آل عمران ۱ ۳)

ترجمہ: "آپ فرما دیجئے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میری اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا"۔

پھر محبوبوں کو بہت ساری باتوں میں رعایت دے دیتے ہیں، جب محبت ہوتی ہے تو سارے قانون ایک طرف رہ جاتے ہیں اس اتباع کی کمال کی وجہ سے، پھر اس سالک کو بسا اوقات اس لئے اوپر کے مقامات کی بھی سیر کروا دیتا ہے، تو فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے مقامات کی سیر کرنے کے بعد کوئی یہ نہیں سمجھ سکتا کہ میں اس درجہ میں پہنچ گیا، اس کی مثال یوں ہے کہ ایک غلام کو بادشاہ نے اپنا تخت صاف کرنے کے لئے دربار میں بلایا، اب تھوڑی دیر میں تو اس کو سارے دربار کی سیر نصیب ہوئی حتیٰ کہ تخت بھی اس نے صاف کیا۔ لیکن جب واپس ہوا تو اس کا درجہ وہاں کا تھا جہاں سے چلا تھا اس لئے اولیاء کو انبیاء کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان مدارج و مقامات کی سیر تو کرائی جاتی ہے مگر ہوتے تو وہ غلام ہی ہیں، اس لئے انہیں اپنے مقام میں واپس آنا ہی ہے۔ پس اپنی اوقات کو ہرگز نہیں بھولنا چاہیئے۔

اسم "الظاھر" اور اسم "الباطن" دو پر ہیں، جو پرواز میں مدد دیتے ہیں۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مکتوبات مجددیہ دفتر اول مکتوب ۲۶۰ میں فرمایا ہے کہ: جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عنایت سے اسم "الباطن" کی سیر بھی انجام کو پہنچ چکی تو دو پر میسر ہو گئے۔

ذرا غور کیجیئے! کہ اسم "الظاھر" سلوک ولایت صغریٰ اور ولایت کبریٰ تھا، ایک پر ہے اور اسم "الباطن" جو فرشتوں کا سلوک ہے دوسرا پر ہے، جب یہ دونوں پر مل جاتے ہیں تو پرندہ پرواز کے لئے تیار ہو جاتا ہے اور یہ پرواز اس کی کمالات نبوت و کمالات رسالت میں ہوتی ہے۔

فرشتوں کے سلام

"ھدایۃ الطالبین" میں حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ولایت علیا مغز اور ولایت کبریٰ چھلکے کی مانند ہے بلکہ ہر دائرہ تحتانی بھی دائرہ فوقانی کی نسبت یہی مناسبت رکھتا ہے۔ ولایت کبریٰ چھلکا اور ولایت علیا (یعنی فرشتوں کی ولایت) مغز کی مانند ہے۔

مکتوبات معصومیہ دفتر اول مکتوب ۱۸۳ میں فرماتے ہیں کہ ملاء اعلیٰ (فرشتوں) کی ولایت جو کہ اسم "الباطن" کی سیر پر نصیب ہوتی ہے، خواص بشر کی ولایت کے اوپر ہے اور (حالانکہ) ملائکہ کے حقائق سے عروج کے اعتبارات سے خواص بشر کو فضیلت ہے اور ملائکہ کو اپنے حقائق سے عروج نہیں ہے اور نیز عالم امر عالم خلق سے اوپر ہے اور فضیلت عام خلق ہی کو ہے، کیونکہ عالم خلق کا قرب اصلی ہے اور عالم امر کا ظلی ہے۔ عنصر خاک عالم خلق و عالم امر کے لطائف میں سب سے پست ہے اور اس کی پستی اس کی بلندی کی وجہ بنائی گئی ہے اور جو قرب کہ خاکیوں کو حاصل ہے وہ مقدسیوں (ملائکہ) کو نہیں ہے۔

عام دستور کے مطابق ولایت ملاء اعلیٰ جس کو ولایت علیا بھی کہتے ہیں، ولایت انبیاء سے اوپر ہے۔ اس کو ایسے بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ اسے ولایت انبیاء علیہم السلام پر فوقیت حاصل ہے لیکن افضل نہیں۔ بلاشبہ بعض امور میں فروتے فوقیت رکھتے ہیں لیکن کثرت ثواب کے لحاظ سے بشر کو فرشتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو ولایت علیا سے بھی ترقی عطاء فرماتا ہے، لہٰذا بشر کو ان مقامات سے اوپر بھی ترقی مل سکتی ہے، دلیل یہ ہے کہ فرشتوں کی ولایت کا مقام متعین ہے۔ وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَعْلُومٌ (الصفت ۱۶۴) "اور ہم میں ہر ایک کا ایک متعین درجہ ہے"۔

تو ان کی ولایت ایک درجہ کی ولایت ہے، اس سے اوپر ان کی ترقی نہیں ہے، ارتقاء کا مادہ اللہ تعالیٰ نے خاک میں رکھا ہے۔ جس بشر کو اللہ تعالیٰ نفس مطمئنہ دے دیتا ہے اور شریعت کی غلامی عطا کر دیتا ہے، شرح صدر نصیب فرما دیتا ہے تو نبی ﷺ کی اتباع کی برکت سے وہ فرشتوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کو دکھانا ہے کہ بشر ایسے بھی ہوتے ہیں۔

قربان جائیں ہم اپنے آقا اور سردار ﷺ کے، کہ وہ امت کے لئے اللہ پاک سے کیا کیا نعمتیں لے کر آئے، یہ پرواز ان کی غلامی کے صدقہ میں ملتی ہے۔ سبحان اللہ! شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

مقام شوق تیرے قدسیوں کے بس میں نہیں　　انہیں کا کام ہے یہ جن کے حوصلے ہیں بلند

خواجہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

زمین زادہ برآسمان تاختہ　　زمین وزماں راپس انداختہ

ترجمہ: ”زمین زادہ یعنی انسان (جس سے مراد سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں) آسمان پر تشریف لے گیا اور زمین وزمان کو پیچھے چھوڑ گیا“۔

مکتوبات معصومیہ دفتر اول مکتوب ۱۳۷ میں حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

العمدة في حصول الولايتين الأخريين الذكر اللساني بالنفي و الاثبات۔

یعنی ”آخری دونوں ولایتوں (ولایت کبریٰ وعلیا) کے حاصل کرنے میں نفی اثبات کا زبان کے ساتھ ذکر کرنا (تہلیل لسانی) فائدہ مند ہے“۔

پہلی ولایت ولایت صغریٰ تھی، ولایت علیا اور ولایت کبریٰ آخری دو ولایتیں ہیں، ان دونوں ولایتوں کے حصول کے لئے بہترین معاون چیز تہلیل لسانی ہے۔

فرشتوں کی ولایت

"هداية الطالبين" میں حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس دائرے میں مورد فیض ان تین عناصر (آب، آتش، باد) کی ولایت ہے، اس میں تہلیل لسانی (کلمہ توحید کا زبان سے ذکر کرنا) اور طویل قیام و قراءت والے نفلوں سے ترقی ہوتی ہے۔ چنانچہ فیض تعین عناصر پر آتا ہے یعنی آگ، پانی اور ہوا۔ اسم "الباطن" میں فیض عنصر خاک پہ نہیں آتا۔ عنصر خاک کو اس میں سے نکال دیتے ہیں۔ چونکہ فرشتوں کی ولایت ہے اور جب اسم "الباطن" کی سیر مکمل ہو جاتی ہے اور کمالات نبوت کا مقام آجاتا ہے تو پھر عنصر خاک کا کام شروع ہوتا ہے۔

حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس مقام میں بھی شریعت کی رخصت پر عمل کرنا ٹھیک نہیں ہے بلکہ عزیمت پر عمل کرنے سے ترقی نصیب ہوتی ہے، چنانچہ ولایت کبریٰ سے اوپر کے اسباق میں شرعی رخصت بھی اختیار نہ کرو، عزیمت پر ہی عمل کرنا ان میں ترقی کا باعث بنتا ہے۔ اللہ اکبر کبیراً! اس کا راز یہ ہے کہ رخصت پر عمل کرنے سے آدمی بشریت کی طرف کھینچ دیا جاتا ہے اور عزیمت پر عمل کرنے سے ملکیت سے مناسبت پیدا ہو جاتی ہے تو اس ولایت میں جس قدر عزیمت پر عمل ہو گا اس قدر اس ولایت میں جلد ترقی نصیب ہو گی۔

حضرت شاہ غلام مجدد دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "مقامات مظہری" میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس ولایت سے اوپر ملائکہ کی ولایت ہے جسے "ولایت علیا" کہتے ہیں، یہاں کمالات هو الباطن کی سیر ہوتی ہے۔ اس ولایت کو حاصل کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ تجلیٔ ذات کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے، اس سے بلند تر نبوت اور رسالت کے کمالات ہیں۔ سبحان اللہ!

اس کا فائدہ یہ ہے کہ ولایت علیا حاصل ہونے کے بعد اب سالک کے اندر تجلیات ذات کو برداشت کرنے کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے، اس لئے اس کا حاصل کرنا ضروری ہے۔

اسم "الباطن" کے اسرار اظہار قابل نہیں

حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس ولایت میں جو اسرار معلوم ہوتے ہیں وہ توحید وجودی اور توحید شہودی کی طرح نہیں ہیں کہ بیان میں آ سکیں، بلکہ یہ اسرار پوشیدہ رکھنے کے ہی زیادہ لائق ہیں اور کسی طرح بھی اظہار کے قابل نہیں۔ آگے فرماتے ہیں کہ بالفرض کسی راز کے اظہار کا قصد کیا بھی جائے تو وہ الفاظ کہاں سے لائے جائیں جن میں یہ اسرار بیان کئے جا سکیں۔

اور ان اسرار کا معلوم کرنا، بغیر اس شیخ کی توجہ کے ناممکن ہے البتہ جس نے اس ولایت میں کمال انصاف پیدا کیا ہو اور ان اسرار کے فیض یاب ہو چکا ہو تو میں صرف اس قدر ظاہر کر دیتا ہوں کہ اس منزل میں سالک کا باطن اسم "الباطن" کا مصداق و مظہر بن جاتا ہے (سمجھنے والے سمجھ گئے) اور اس ولایت کے سالک کے تمام بدن میں وسعت و فراخی پیدا ہو جاتی ہے اور لطیفے کی کیفیت تمام جسم میں ہوتی ہے۔

حضرت سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مکتوبات مجددیہ کے ترجمہ کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ جو بعض عارفوں نے فرمایا ہے: من عرف کل لسانہ۔ "جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اس کی زبان گونگی ہو گئی" یہ معرفت اسم "الباطن" کی معرفت سے وابستہ ہے۔

ولایت صغریٰ و کبریٰ و علیا کے اسباق کے بعد کمالات نبوت کا سبق آتا ہے، کمالات نبوت کے اس سبق کے بارے میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مکتوبات دفتر اول مکتوب ۲۶۰ میں تحریر فرماتے ہیں: "اور اس سیر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام ولایتوں کے

کمالات، خواہ وہ ولایت صغریٰ ہو یا ولایت کبریٰ یا ولایت علیا، سب کے سب مقام نبوت کے کمالات کے ظلال ہیں اور وہ تمام خاص ان کمالات کی حقیقت کے لئے مثال کی طرح ہیں اور یہ روشن ہو جاتا ہے کہ اس سیر کے ضمن میں ایک نقطے کا قطع کرنا مقام ولایت کے تمام کمالات کو طے کرنے سے زیادہ (یعنی افضل ہے) یعنی پچھلے سارے کمالات ایک طرف اور اس سے آگے ایک نقطہ کو طے کر لیا تو اس کی فضیلت اس سے کہیں زیادہ ہے۔ اللہ رب العزت خیر کا معاملہ فرمائے، ہم عاجز مسکینوں کو اللہ تعالیٰ نفس مطمئنہ عطا فرمائے، ہمیں معصیت کی ذلت سے نکال کر اپنی عبدیت کا مقام عطا فرمائے اور اپنے فرمانبردار بندوں میں شامل فرمائے، آمین۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ بندہ کو جس قسم کی حاجت ہو اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے کوئی نام منتخب کرے اور اس نام کا کثرت سے ورد رکھے تو اس سے بہت جلد کامیابی ہو گی (ان شاء اللہ) مثلاً تنگدستی میں "یا مغنی" کا ورد رکھے (یعنی اے غنی کرنے والی ذات) یا کوئی شخص ضعیف و کمزور ہے تو وہ "یا قوی" کا ورد رکھے (یعنی اے طاقتور ذات) ہر حاجت میں اسی سے مدد مانگے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو ایک مشہور تابعی اور ولی اللہ ہیں، جب حجاج بن یوسف نے ان کو قتل کرنے کا حکم دیا تو جلاد تلوار کھینچ کر سامنے آیا، آپ نے "یاباطن" کہا اور غائب ہو گئے، جب جلاد نے تلوار واپس کھینچی تو آپ "یاظاھر" کہہ کر پھر سامنے آ گئے۔ اسی طرح متعدد بار ہوا تو جلاد عاجز آ گیا تو جب یہ شکایت حجاج کو پہنچی تو اس نے درخواست کی کہ میں شرمندہ ہوں میرے لئے بد دعا نہ کریں۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میں کچھ نہ کہوں گا اللہ تعالیٰ خود انتقام لینے والی ذات ہے۔ پس معلوم ہوا کہ سارے عالم کا نظام اللہ تعالیٰ کے اسماء سے قائم ہے، ہر زندہ کو

حیات **اسم "الحی"** سے ہی عطا ہوتی ہے اور ہر موجود کو بقا **اسم "القیوم"** کی وجہ سے عطا ہوتی ہے۔ کائنات کی ہر چیز بلکہ ہر ذرہ کی حیات وبقا حق تعالیٰ کی قیومیت اور صفت احیاء کے فیض سے قائم ہے، ہر ذرہ کائنات کو حیات ہر لمحے عطا ہوتی رہتی ہے اور ہر آن حیات جدید عطا ہوتی رہتی ہے لیکن عوام ہر آن کی عطا سے بے خبر ہیں۔ جس طرح بارش میں ایک ایک قطرہ آسمان سے ٹپکتا ہے لیکن دیکھنے والے کو ایک ہی دھار نظر آتی ہے اور الگ الگ قطرہ گرتا ہوا محسوس نہیں ہوتا، تو یہی حال حیات جدید کے عطاء کی ہے لیکن عارفین ہر آن تجلیات صفات الٰہیہ کے پر تو عالم کے ہر ہر ذرے کو اپنی بصیرت سے دیکھتے ہیں۔

مفہوم سیر فی الصفات: عارفین پر ایک خاص وقت اور زمانہ ایسا بھی گزرتا ہے جس میں وہ تفصیلات صفات الٰہیہ یعنی اسماء حسنیٰ کے تمام فیوض کو ملاحظہ کرتے ہیں، صوفیاء اس کو **"سیر فی الصفات"** کہتے ہیں۔

اثرات: اس مراقبہ میں عناصر ثلاثہ کی توجہ، حضور، عروج ونزول حاصل ہوتا ہے، باطن کے اندر عجیب وسعت اور ملأ اعلیٰ (فرشتوں کی دنیا) کے ساتھ مناسبت پیدا ہو جاتی ہے اور ہو سکتا ہے فرشتے بھی ظاہر ہونے لگیں۔ اس مقام میں ذکر تہلیل لسانی اور نفل طول قرأت کے ساتھ بکثرت پڑھنا ترقی بخشتا ہے اور رخصت پر عمل کرنا بہتر نہیں بلکہ عزیمت پر عمل کرنے سے ترقی ہوتی ہے کیونکہ رخصت پر عمل کرنے سے سالک بشریت کی طرف کھنچ جاتا ہے اور عزیمت پر عمل کرنے سے فرشتوں کی صفت کے ساتھ مناسبت پیدا ہو جاتی ہے، جس قدر فرشتوں کی صفت کے ساتھ مناسبت بڑھے گی، اسی قدر اس ولایت میں ترقی ہو گی، کبھی یہ دائرہ اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ اسماء وصفات حق سبحانہ وتعالیٰ اس دائرہ کو سورج کی شعاعوں کی مانند احاطہ کر لیتی ہیں اور کبھی شعاعوں کے خطوط

کے بغیر بھی یہ دائرہ ظاہر ہوتا ہے اور کمال بے رنگی ظاہر ہوتی ہے اور اس میں اسماء وصفات الٰہی اپنے مسمیٰ کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں۔ **اسم "الظاھر"** و **اسم "الباطن"** کی سیر میں فرق یہ ہے کہ **اسم "الظاھر"** کی سیر میں ذات کے ملاحظہ کے بغیر محض تجلیات صفاتی ظاہر ہوتی ہیں اور **اسم "باطن"** کی سیر میں اگرچہ اسماء وصفات کی تجلیاں بھی وارد ہوتی ہیں، لیکن کبھی کبھی ذات تعالیٰ و تقدس بھی مشہود ہو جاتی ہے، اس کے اسرار بہت ہی پوشیدہ رکھنے کے لائق ہیں۔

جب اسم ظاہر و باطن کے دو پر سالک کو حاصل ہو گئے تو اب یہ بات آسان ہو گئی۔ اس مقام تک سالک کی سیر ظلال یا صفات میں تھی، اس کے بعد سالک کا معاملہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے ساتھ شروع ہو گا اور اس کی سیر تجلیٔ ذاتی دائمی میں واقع ہو گی۔ تجلی ذاتی دائمی کے تین درجے ثابت کئے گئے ہیں۔ مرتبۂ اول کو کمالات نبوت، مرتبۂ دوم کو کمالات رسالت اور مرتبۂ سوم کو کمالات اولوالعزم کہتے ہیں، تفصیل آگے درج ہے۔

۲۴) **نیت مراقبہ کمالات نبوّت:** فیض می آید از ذات بیچون کہ منشاء کمالات نبوت است بہ عنصر خاک من بواسطہ پیران کبار۔ **(توقف۔۔۔روز)**

ترجمہ: بے چوں ذات حق تعالیٰ جو کہ کمالات نبوت کی منشاء ہے سے میرے عنصر خاک میں فیض آرہا ہے۔ بواسطۂ مشائخ عظام علیہم الرضوان (توقف)

تشریح: اسم باطن کی سیر کے بعد اگر فضل الٰہی شامل ہو تو کمالات نبوت یعنی تجلی ذاتی دائمی بے پردہ اسماء وصفات میں سیر شروع ہو جاتی ہے اور مقامات کا یہ پانچواں دائرہ ہے۔ اس کے آگے تین درجات ہیں، پہلا درجہ کمالات نبوت کا ہے اس مقام میں ذات باری تعالیٰ کا مشاہدہ بغیر صفات کے ہوتا ہے کیونکہ صفات کا زائد وجود ہے ذات سے لہٰذا صفات سے ذات کا الگ ہونا ممکن ہے اگرچہ

حقیقت میں الگ نہیں ہوتی، **عارف بمطابق المرء مع من احب** (آدمی اسی کے ساتھ ہوتا ہے جس سے اسے محبت ہے) کی محبت ذات باری تعالیٰ سے ہے۔ لہٰذا وہ اسی ذات حق کے ساتھ رہنا پسند کرتا ہے۔ گزشتہ ولایت ثلثہ اور تجلیات صفات و شیونات و اعتبارات اس مقام میں ظل کی مانند ہیں اور ذات حق تعالیٰ ان سے وراء الوراء ہے۔ نیز اس دائرہ میں عارف پر حروف مقطعات اور مشتبہات کے اسرار و رموز منکشف ہوتے ہیں اور اب عروج کے بعد نزول شروع ہو جاتا ہے اگر نزول تام نہ ہو تو کمالات نبوت سے متصف نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ ابھی وہ اہل تمکین میں شامل نہیں ہوا اور ابھی تک مشاہدہ ظلال سے آگے تجاوز نہیں کر سکا اور اس کا مشہودی ایمان، ایمان بالغیب میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ نیز اس مقام پر تلاوت قرآنی ترقی کا باعث ہوتی ہے، خصوصاً نماز میں۔

صاحب **شفاء القلوب** فرماتے ہیں کہ اس مقام پر پہلے والے معارف سب مفقود ہو جاتے ہیں اور تمام سابقہ باطنی حالات بیکار اور برے معلوم ہونے لگتے ہیں، نسبت باطن میں کمال وسعت، بے رنگی و بے کیفی اور یاس و حرمان حاصل ہوتی ہیں اور ایمانیات و عقائد حقہ میں یقین قوی ہو جاتا ہے اور استدلالی علم بدیہی ہو جاتا ہے، **لا تدرکه الابصار** کے مصداق یافتہ ہو جاتا ہے اور ادراک یہاں پر نارسائی کی علامت ہے، اس مقام کے معارف و حقائق انبیائے کرام علیہم السلام کی شریعتیں ہیں اور اگر خدا تعالیٰ چاہے تو اسرار مقطعات قرآنی حاصل ہوتے ہیں اور باطن میں اس قدر وسعت ہو جاتی ہے کہ ولایت صغریٰ، کبریٰ و عُلیا اس کے سامنے بالکل لاشئ اور محض تنگ معلوم ہوتی ہیں۔

ان مذکورہ تینوں ولایتوں میں البتہ ایک دوسرے کے ساتھ مناسبت پائی جاتی ہے، اگرچہ وہ صورت و حقیقت کی مناسبت ہوتی ہے لیکن اس مقام میں یہ نسبت بھی مفقود ہے۔ سابقہ حالات باطن کے مفقود ہو جانے، یا ناامیدی پیدا ہو جانے اور اپنے آپ کو قصوروار دیکھنے، حتیٰ کہ اپنے آپ کو کافر

فرنگ سے بھی بدتر جاننے کے باوجود اس کو وصل حقیقی حاسل ہو جاتی ہے، اس سے پہلے جو وصل حاصل تھا وہ دائرۂ وہم وخیال میں داخل تھا، اس جگہ وصول ہے حصول نہیں اور اس مقام میں رؤیت کی تشبیہ حاصل ہوتی ہے۔ اگرچہ رؤیت کا وعدہ آخرت میں ہے اور ہمارااس پر ایمان ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حکایت سے بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو سکتاہے کیونکہ قرآن شریف میں **فلما تجلی ربه** صاف موجود ہے جس کے معنی یہ ہیں جس وقت اللہ تعالیٰ نے تجلی فرمائی بس یہی دیدار و رؤیت ہے۔ حالانکہ یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے کیونکہ دیدار و رؤیت کے معنی ہیں اور دیکھنا اور یہ فعل موسیٰ علیہ السلام کا ہے جس کا انکار قرآن شریف میں صاف موجود ہے یعنی **قال لن ترانی** تو مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکے گا (مراد ہے اس دنیاوی زندگی میں) اور تجلی کے معنی ہیں کھل جانا اور ظاہر ہونا۔ یہ فعل حق سبحانہ و تعالیٰ کا ہے۔۔ قرآن شریف کی آیت **فلما تجلی ربه** میں اسی کو ثابت کیا گیا ہے ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے یعنی ایک کے ثابت ہونے سے دوسرے کا ثبوت لازم نہیں آتا۔ پس اس آیت کا حاصل یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تو ظاہر ہوا اور حجابات اٹھا دیئے گئے مگر موسیٰ علیہ السلام نہ دیکھ سکے اور بے ہوش ہو گئے (خوب سمجھ لیجئے) اور بعض بزرگ مثلاً امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ و امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہم کے متعلق لکھا گیا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو خواب یا حال و مکاشفہ میں دیکھا ہے یہ البتہ ممکن و واقع ہے، کیونکہ یہ دیکھنا عالم مثال میں ہے نہ کہ عالم اجساد میں ظاہر کی (حسی) آنکھوں سے۔ بعض عارفوں کے کلام میں حق سبحانہ و تعالیٰ کو مختلف چیزوں جیسے سورج، دریا، ہوا وغیرہ سے مثال دی جاتی ہے حالانکہ مقصود ان مثالوں سے تشبیہ نہیں ہوتی جیسا کہ بعض خشک مزاج لوگ یہی سمجھ کر بزرگوں و برا کہتے ہیں اور ناواقف صوفی بھی یہی سمجھ کر اپنے عقیدوں کو شریعت مطہرہ کے خلاف کر لیتے ہیں بلکہ یہ امثال کسی

خاص چیز میں ہوا کرتی ہے مثلاً ذات حق کو دریا سے صرف اس بات میں مثال دی جاتی ہے کہ دریا میں خشکی کی نسبت بسط اور واحد ہونے کی صفت ہوتی ہے اور مچھلی کی طبیعت اس سے نہیں بھرتی اسی طرح ذات حق کی وحدت ہے کہ طالب حق کو اس سے سیری نہیں ہوتی۔ اگرچہ خود ان دونوں وحدتوں میں فرق ہے کہ دریا کی وحدت عارضی اور دوسرے تعلق سے ہے اور ذات حق کی وحدت حقیقی ہے۔بات یہ ہے کہ عالم مثال میں واجب سے لے کر ممکن تک ہر چیز مثال ہے اگرچہ اس چیز کی کوئی مثل (''م'' کے زیر اور ''ث'' کے جزم کے ساتھ) کے معنی ہیں کسی چیز کا دوسری چیز کی صفتوں میں شریک ہونا اور اس جیسا ہونا۔ پس ذات و صفات الٰہی میں اس مثل کی مجال نہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَيۡءٌ (شوریٰ ۱۱)۔

ترجمہ: اس جیسا کوئی نہیں۔

اور مثل (''م'' اور ''ث'' کے زبر کے ساتھ) اور مثال کی حقیقت یہ ہے کہ دو چیزوں کی صفت میں کسی بھی لحاظ سے شرکت ہو۔ اگرچہ ان دونوں میں ہزاروں درجہ فرق ہو، جیسا کہ اکثر دفعہ بادشاہ کی مثال سورج کے ساتھ دیتے ہیں جس سے مراد بادشاہ کی عظمت و جلال بیان کرنا ہوتا ہے کہ سورج کی طرح روشن وعیاں ہے۔ اس کی مثال یوں بھی دی جاسکتی ہے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں بادشاہ مصر نے خواب میں قحط کے سالوں کو دبلی اور لاغر گایوں اور گیہوں کے خشک خوشوں کی صورت میں دیکھا تھا اور ارزانی اور فصل کے سالوں کو موٹی تازی گایوں اور گیہوں کے تروتازہ خوشوں کی صورت میں دیکھا تھا۔

اور صحیح بخاری شریف میں حضرت ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

بينا أنا نائم رأيت الناس يعرضون علي وعليهم قمص منها ما يبلغ الثدي ومنها ما دون ذلک وعرض علي عمر بن الخطاب وعليه قميص يجره) . قالوا فما أولت ذلک يا رسول الله؟قال الدين۔[172]

ترجمہ: "ایک دفعہ جبکہ میں سورہا تھا میں دیکھتا ہوں کہ لوگ میرے روبرو پیش کئے جاتے ہیں اور ان کے جسموں پر کرتے ہیں بعض کے کرتے سینے تک پہنچے ہیں اور بعض کے اس سے کم و بیش ہیں اور (حضرت) عمر بن الخطاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اس حال میں پیش کئے گئے کہ ان کے جسم پر جو کرتہ تھا وہ اتنا بڑا تھا کہ وہ اس کو لمبا ہونے کی وجہ سے زمین پر کھینچتے تھے بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس کرتہ کھینچنے کی کیا تعبیر فرمائی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا دین"۔

پس اسی طرح اس ذات حق کی تمثیل بیان کرنا بھی صحیح ہے اور اس کو کشف کی نظر سے مشاہدہ کرنا بھی صحیح ہے۔ اگرچہ رویت حق تعالیٰ دنیا میں ممکن نہیں (اس کا ذکر آئے گا)۔

ذات حق کے لئے اس تمثیل کا جواز قرآن شریف سے بھی ثابت ہے:

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى (٨) فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى (النجم ٩)

کا بھید اس مقام میں ظاہر ہوتا ہے اور اس معاملے کی ایسی حقیقت سالک پر ظاہر ہوتی ہے کہ تحریر اور تقریر میں نہیں آسکتی، یہ انبیاء کرام علیہم السلام کا مقام ہے اور متبعین کو انبیاء علیہم السلام کی متابعت اور وراثت سے حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے اس مقام میں آداب و ترتیل کے ساتھ قرآن مجید

---

[172] صحيح البخاري، ج ۱، ص ۱۷ ـ الناشر: دار ابن كثير، اليمامة - بيروت

کی تلاوت، آداب کی رعایت کے ساتھ نماز نوافل کی کثرت، حدیث شریف کے پڑھنے پڑھانے کا شغل، اتباع سنت رسول مقبول ﷺ اور وہ اذکار جو احادیث سے ثابت ہیں، بہت فائدہ اور ترقی بخشتی ہیں بلکہ یہ چیزیں حقائق سبعہ میں بھی جو آگے آئیں گے مفید اور موجب ترقی ہیں۔

۲۵) نیت مراقبہ کمالات رسالت: فیض می آید از ذات بیچون کہ منشاء کمالات رسالت است بہ ہیئت وحدانی من بواسطہ پیران کبار۔(توقف۔۔۔روز)

ترجمہ: ذات بیچوں حق تعالیٰ کہ کمالات رسالت کی منشاء ہے سے میری ہیئت وحدانی میں فیض مشائخ عظام کے توسل سے آرہا ہے۔(توقف)

اثرات: صاحب شفاء القلوب فرماتے ہیں کہ اس مراقبہ میں بھی کیفیات مراقبۂ نبوت یعنی بے رنگی وبے کیفی اور لطافت وغیرہ مزید ترقی کے ساتھ حاصل ہوتی ہیں۔ سالک کو حصول فنا وتصفیہ اور تزکیۂ لطائف عشرہ کے بعد عالم امر و خلق کے دس لطیفوں میں جو اعتدال پیدا ہوتا ہے، اس ہیئت کو ہیئت وحدانی کہتے ہیں، اس مقام میں اور بعد کے تمام مراقبات میں عروج و نزول اور انجذاب تمام بدن کا حصہ ہے یعنی یہاں سے آخری سبق تک مورد فیض سالک کی ہیئت وحدانی ہے، ان سب مقامات میں تلاوت قرآن مجید اور نماز بطول قرأت ترقی بخشتی ہے۔

۲۶) نیت مراقبہ کمالات انبیاء اولو العزم: فیض می آید از ذات بیچون کہ منشاء کمالات انبیاء اولوالعزم است بہ ہیئت وحدانی من بواسطہ پیران کبار رحمہم اللہ تعالیٰ۔(توقف۔۔۔روز)

ترجمہ: بے چوں حق تعالیٰ کی ذات جو کہ اولوالعزم انبیاء کے کمالات کی منشاء ہے، سے مشائخ عظام کے توسل سے میری ہیئت وحدانی میں فیض آرہا ہے۔

یہ مقام اولو العزم انبیاء سے مخصوص ہے۔ تجلی ذاتی دائمی کا تیسرا درجہ ہے اور اولو العزم انبیاء علیہم السلام صرف چھ ہیں۔ سیدنا وسندنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، سیدنا ابراہیم خلیل اللہ، سیدنا نوح، سیدنا موسیٰ اور سیدنا عیسیٰ اور ابوالبشر آدم علیٰ نبینا و علیہم السلام یہ بھی درجات میں مختلف ہے۔ سب سے بلند درجہ ہمارے رسول ﷺ کا ہے۔ آپ کے بعد جس کا زمانہ جتنا نبی کریم ﷺ کے قریب ہوگا وہ اتنا ہی بلند درجہ ہوگا لہٰذا آپ کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام بلند درجہ پر فائز ہیں ان کے بعد حضرت موسیٰ پھر حضرت ابراہیم پھر نوح علیہ السلام انبیاء میں سے بلند مقام پر فائز ہیں اور یہی حکمت ہے لطیفہ خفی زیر عیسیٰ علیہ السلام سری کے زیر قدم موسیٰ علیہ السلام روحی کے زیر قدم ابراہیم و نوح علیہ السلام کے اور قلبی کا زیر قدم حضرت آدم علیہ السلام کے ہے اور سب سے ارفع لطیفہ ہے اخفیٰ وہ سب سے فائق نبی خاتم الانبیاء علیہم السلام کے زیر قدم ہے۔ ان کا عزم خواہ اللہ سے مامور یا نہ ہو مطلقاً اللہ تعالیٰ کی رضا سے واقع ہوتا ہے۔ یہ کمالات رسالت کا نقطہ اخیرہ ہے جو صرف اولو العزم رسل علیہم السلام کو حقیقت میں حاصل ہے اور ان کے توسل و تبعیت و وراثت سے کاملین اولیاء کو بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

یہ کمالات بھی دائرہ کی شکل میں رونما ہوتے ہیں۔ دائرہ کمالات نبوت کے اندر کمالات رسالت کا دائرہ اور اس کے مرکز میں کمالات اولو العزم کا دائرہ اور اس دائرے کے مرکز میں ختم الرسالت کا دائرہ۔ صاحب کمالات خاتم الرسالت ولایت و کمالات و حقائق و اسرار و معارف کا ختم کرنے والا یعنی خاتم ہے۔

صاحب شفاء القلوب فرماتے ہیں کہ ولایت صغریٰ و کبریٰ کے مراقبات اور مراقبات نبوت و رسالت اولوالعزم کے ذکر کرنے کے بعد اب اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ ولایت اور اس کے ملحقات یعنی کرامات و مکاشفات کی حقیقت کیا ہے؟ قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے:

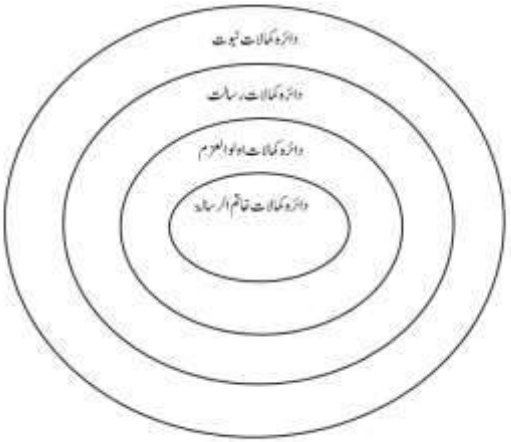
أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (یونس ٦٢)

سن لو بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم۔

اور اس کے بعد ارشاد پاک ہے:

الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ (یونس ٦٣)

وہ جو ایمان لائے اور پرہیز گاری کرتے ہیں۔



تو اس آیت میں ولایت کا دارومدار دو چیزوں پر رکھا گیا ہے ایک ایمان دوسرا تقویٰ، تو جس مرتبہ کا ایمان و تقویٰ حاصل ہو گا اسی درجہ کی ولایت نصیب ہو گی۔ اگر ادنیٰ درجہ کا ایمان و تقویٰ ہو گا یعنی صحیح عقائد اور اعمال صالحہ ہوں تو ادنیٰ درجہ کی ولایت ہو گی جیسے کہ ہر مومن کو حاصل ہے اور اگر ایمان و تقویٰ اعلیٰ درجہ کا ہو گا تو ولایت بھی اعلیٰ درجہ کی ہو گی۔ جس کو "ولایت خاصہ" بھی کہتے

ہیں اور اصطلاحاً ولی اس شخص کو کہتے ہیں جو ولایت خاصہ کے ساتھ موصوف ہو اور ہمارا مقصود بھی اس ولایت کے احکام بیان کرنے ہیں۔ تو اب ولایت خاصہ کے لئے دو چیزیں اہم اور ضروری ٹھہریں ایک ایمان کامل دوسرا تقویٰ کامل۔ ان دونوں چیزوں میں کمال بغیر اصلاح باطن کے نہیں آسکتا۔ کیوں کہ ایمان کامل تو ظاہر ہے قلب ہے، رہا تقویٰ تو اس کا محور بظاہر ظاہری اعمال ہیں پھر بھی اصل تقویٰ دل ہی کا ہوتا ہے یعنی حقیقی تقویٰ کا تعلق دل ہی سے ہوتا ہے۔

ایک حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

التقویٰ ھھنا و أشار الی الصدر۔[173]

ترجمہ: ''تقویٰ یہاں ہے اور اشارہ فرمایا سینے کی طرف''۔

اور فرمایا:

ان اولی الناس بی المتقون من کانوا حیث کانوا۔[174]

ترجمہ: ''مجھ سے قریب تر متقی لوگ ہوں گے جو بھی ہوں جہاں کہیں ہوں'' تو معلوم ہوا کہ دو چیزیں طالب ولایت کے لئے لازم ٹھہریں۔ ایک ایمان دوسرا تقویٰ اور تقویٰ اصلاح باطن سے آتا ہے اور اصلاح باطن کا مطلب یہ ہے کہ اوصاف حمیدہ پیدا ہوں اور صفات رذیلہ ختم ہوں کیونکہ یہ امراض معنوی ہیں، ان امراض سے شفایاب ہونا ہی اصلاح باطن ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ تصوف کی حقیقت اللہ تعالیٰ سے تعلق بڑھانا ہے، اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔

اثرات: اس مراقبہ میں ہر دو کمالات سابقہ کی مثل فیض کے اثرات مرتب ہوتے ہیں، پس ہر سہ کمالات میں تجلی ذاتی دائمی کا فیض بے پردہ اسماء و صفات حاصل ہوتا ہے، نفس کے اندر کامل

---

[173] سنن ترمذی، کتاب بر و الصلۃ عن رسول اللہ ﷺ ۲۸، باب ما جآء فی شفقۃ المسلم علی المسلم ۱۸، حدیث ۱۹۲۷

[174] مسند احمد بن حنطل باب حدیث معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حدیث: ۲۲۱۰۵

اضمحلال، وسعت باطن، وصل حقیقی، حضور بے جہت، اتباع شریعت وار معارف و حقائق کا فیضان ہوتا ہے۔ ہر مقام میں پہلے سے زیادہ وسعت و بے رنگی پیدا ہو جاتی ہے، اسرار مقطعات قرآنی اور متشابہات فرقانی کا انکشاف ہوتا ہے جو کسی طرح بیان و تحریر میں نہیں آ سکتا اور عاشق (محب) و معشوق (محبوب) کے رموز، کہ جن کے کہنے اور سننے کی مجال نہیں ہے، اس جگہ موصول ہوتے ہیں، اس جگہ تلاوت قرآن مجید، خاص کر نفل نمازیں ترقی بخشتی ہیں۔

دائرہ قیومیت

ان کمالات کے حصول کے بعد قیومیت کا دائرہ مشہود ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ دائرہ اولوالعزم سے مترشح ہے۔

لیکن اس کے ارفع و اعلیٰ بالشان ہونے کی وجہ سے علیحدہ بیان کی جاتی ہے۔ کمالات اولوالعزم دائرہ کے بعد قیومیت و خلافت کا دائرہ مشہود ہوتا ہے۔



چونکہ اس مقام میں کمال درجہ نزول تام ہوتا ہے اور رسول اکرم ﷺ کا مکمل ترین نائب ہوتا ہے۔عام انسان میں اس طرح نظر آتا ہے کہ جیسا کہ وہ عام انسان ہو۔لہٰذا اس مقام کے عارف کی پہچان دوسروں سے زیادہ مشکل ہوتی ہے۔اسی لئے مخالفت بھی سب سے زیادہ ہوتی ہے۔البتہ اس کی توجہ نہایت قوی التاثیر ہوتی ہے۔

اور عصر حاضر کے قیوم میرے مرشد کامل و اکمل شیخ المشائخ حضرت سیدی سیف الرحمٰن اخوندزادہ پیر ارچی خراسانی آف فقیر آباد (لاہور،پنجاب،پاکستان) ہیں۔

مذکورہ بالا تمام کمالات و فیوضات جو اب تک عارف حاصل کر چکا ہے، کمالات قیومیت کے سامنے مانند ظل و شبح و مثال کے ہیں اور یہ منصب تمام مقامات مذکورہ سے ارفع و عالیٰ ہے۔

کمالات ثلاثہ کے بعد سلوک کے دو راستے ہیں۔ایک بجانب حقائق الٰہیہ اور دوسرا بجانب حقائق انبیاء علیہم السلام مرشد جس طرف چاہے کہ طالب کو چلائے چونکہ سب سے قبل ان حقائق کو بیان فرمانے والے امام ربانی عارف حقانی سیدنا مجدد الف ثانی قدس اسرارہ ہیں اور آپ نے حقائق الٰہیہ کا پہلے ذکر فرمایا ہے، اسی لئے میرے مرشد گرامی مجدد عصر ھذا قیوم زماں حضرت مبارک صاحب قدس اسرارہ بھی حقائق الٰہیہ کے مراقبات پہلے ہی کراتے ہیں۔

۲۷)نیت مراقبہ حقیقت کعبہ ربّانی: فیض می آید از ذات بیچون کہ مسجود جمیع ممکنات است و منشاء حقیقتِ کعبہِ ربّانی است بہ ہیئت وحدانی من بواسطہ پیران کبار۔(توقف۔۔۔روز)

ترجمہ: بے چوں و بے مثل ذات تعالیٰ جو کہ تمام ممکنات کی مسجود اور حقیقت کعبہ ربانی کی منشاء ہے سے بوسیلہ مشائخ عظام علیہم الرضوان میری ہیئت وحدانی میں فیض آرہا ہے۔(توقف روز)

تشریح: حقیقت کعبہ سے مراد سرادقات عظمت کبریایا نور صرف ہے جو تمام کا مسجود اور تمام تعینات کا اصل ہے۔ سرادقات عظمت و کبریا میں اضافت بیانیہ یعنی عظمت و کبریا جو ذات پاک کے سرادقات ہے (سر، پردے) حدیث قدسی میں ہے:

لكبرياءُ ردائي والعظمةُ إزاري فمَن نازَعني واحدًا منهما ألقيتُه في النّارِ۔[175]

کبریائی میری ردا (چادر) اور عظمت میری ازار (تہ بند) ہے۔ پس جو شخص ان دونوں میں میرے ساتھ منازعت کرے، میں اسے آگ میں پھینک دوں گا۔

جس طرح چادر اور تہ بند انسان کے بدن کو چھپاتے ہیں اسی طرح صفت عظمت و کبریاء اللہ تعالیٰ کی حقیقت و ادراک بصر سے مانع ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔ **لا تدركه الابصار** آنکھ اس کا ادراک نہیں کر سکتی۔ نور صرف کا حال نور آفتاب کے انتشار کا سا ہے جو اس کے قرب کا حجب ہے، نور عین قرص سے منتشر ہو کر اس کا حجاب بن جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔ حجابہ النور بلکہ حقیقت کعبہ ذات الٰہی ہے۔ بحیثیت مسجودیت و معبودیت اور مرتبۂ احدیت ہے اور صور علمیہ جو کہ ذات باری کا مرتبۂ واحدیت ہے، اس سے بھی فوق ہے۔ حضرت وجود سے بھی فوق ہے، کیونکہ حضرت امام ربانی قدس اسرارہ کے قدیم قول کے مطابق وجود تعین جبی سے بھی فوق ہے۔ اسی بناء پر حضرت امام ربانی مذکور ارشاد فرماتے ہیں کہ صورت کعبہ صورت محمدیہ اور حقیقت کعبہ حقیقت محمدیہ کی مسجود ہے اور چونکہ حقیقت محمدیہ مراتب تعینات سے مترشح ہوتی ہے۔ یہ حقیقت کعبہ مراتب تعینات سے فوق ہے۔

---

[175] مختصر المقاصد، ص ٧٣٦، ابوداؤد، ۴۰۹۰، ابن ماجہ ۴۱۷۴

اس مقام پر سالک کو ذات پاک کی عظمت و کبریائی نظر آتی ہے اور دریائے ہیبت و جلال میں مستغرق ہو جاتا ہے جب لاکھوں میں سے ایک عارف کو اس مرتبہ میں فنا و بقاء حاصل ہوتی ہے تو وہ ممکنات کی توجہ اپنی طرف پاتا ہے۔

صاحب شفاء القلوب فرماتے ہیں کہ مراقبۂ حقیقت کعبۂ ربانی کی نیت کرکے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور تمام ممکنات کا مسجود لہ ہونے کا مراقبہ کرے، اس مقام میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی مشہود ہوتی ہے، سالک کے باطن پر ایک قسم کی ہیبت طاری ہو جاتی ہے اور وہ اپنے آپ کو اس شان سے متصف پاتا ہے اور ممکنات کی توجہ اپنی جانب جانتا ہے، جب اس مرتبۂ پاک کی فنا و بقا حاصل ہو جائے تو مراقبہ حقیقت قرآن مجید تلقین کرے۔

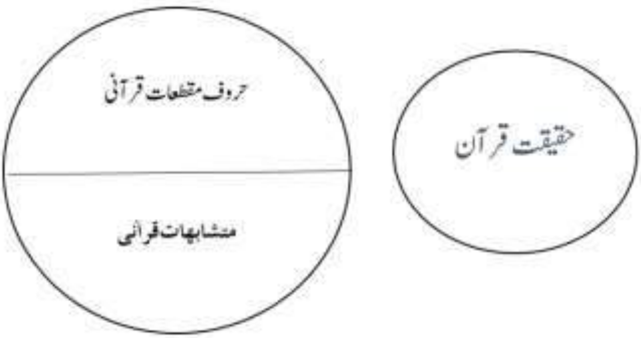
۲۸)نیت مراقبہ حقیقت قرآن مجید: فیض می آید از وسعتِ بیچون حضرت ذات کہ منشاء حقیقت قرآن مجید است بہ ہیئت وحدانی من بواسطہ پیران کبار۔(توقف۔۔۔روز)

ترجمہ: ذات بے چوں حق تعالیٰ جو کہ حقیقت قرآن مجید ہے کی وسعت سے بواسطہ مشائخ عظام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم میری ہیئت وحدانی میں فیض آرہا ہے۔

تشریح: حقائق الٰہیہ میں سے دوسرا دائرہ حقیقت قرآن ہے۔ حقیقت قرآن سے مبدء وسعت بے چوں ذات باری تعالیٰ مراد ہے اور یہ حقیقت کعبہ ربانی سے فوق ہے۔ حقیقت کعبہ کو تو نور محض سے تعبیر کیا جا سکتا تھا مگر حقیقت قرآن پر نور کے اطلاق کی بھی گنجائش نہیں۔ اسی طرح سہ گانہ ولایت اور کمالات نبوت سے بھی برتر ہے۔ اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ حضرت حق تعالیٰ ازل ابد واحد بسیط کلام کے ساتھ متکلم ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ کلام الٰہی کے واحد بسیط

ہونے کے باوجود تفصیل موجود ہے۔ انشاء (اوامر و نواہی) اور اخبار کا نور جدا جدا ہے کیونکہ عین اجمال میں وسعت و تفصیل کا پایا جانا صفات و وسعت کمال سے ہے۔ اس مرتبہ کی اجمال و تفصیل فہم و عقل انسان سے بالاتر ہے۔ اس مقام پر عارف کامل پر قرآن مجید کے مقطعات اور تشابہات منکشف ہو جاتے ہیں۔ قرآنی مقطعات جو کہ محبوب و محب کے درمیان بلا واسطہ اسرار ہیں۔ اوپر والا نصف دائرہ ہیں اور تشابہات جو کہ محبوب و محب کے درمیان بالواسطہ رموز ہیں وہ نچلا نصف دائرہ ہیں۔

نیز قرآن مجید کا ایک ایک حرف ایک دریا نظر آتا ہے۔ جو کعبہ مقصود تک پہنچانے والا ہے۔ تلاوت قرآن مجید میں نہایت درجہ کی حلاوت محسوس ہوتی ہے اور احکم الحاکمین سے راز و نیاز کی باتیں کرتا ہے، بسا اوقات تمام بدن ہی زبان بن جاتا ہے۔



صاحب شفاء القلوب فرماتے ہیں کہ ایمان و یقین کا نور جب قلب کے شیشے میں پہنچتا ہے تو اُس نور سے قلب نرم ہو جاتا ہے اور اس کی نرمی جسم میں سرایت کر جاتی ہے اور وہ بھی دل کی نرمی کے اثر سے نرم ہو جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ۔ (الزمر ۲۳)

ترجمہ: ''ان کی جلدیں اور ان کے قلوب خدا کے ذکر سے نرم ہو جاتے ہیں''۔

جب قلب نور سے معمور ہو جائے اور سرور و محبت کی وجہ سے جسم بھی نرم پڑ جائے تو زمان و مکان قلب کے نور میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ان کے ساتھ کلمات، آیات اور سورتیں بھی شامل ہوتی ہیں بلکہ قالب خاکی کی سرزمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اُٹھتی ہے، ایسی صورت میں قلب آسمان کی طرح اور جسم زمین کی مانند ہوتا ہے۔ کلام اللہ کی تلاوت کی لذت دنیا ومافیہا کو اس سے چھپا دیتی ہے اور قرآن مجید صاف شہود کی مزاحمت کرنے میں تمام کائنات کا قائم مقام بن جاتا ہے۔ اس وقت نہ تو نفسانی کلام کا وجود رہتا ہے اور نہ کسی وسوسہ کی آہٹ سنائی دیتی ہے بلکہ ابتداء سے انتہاء تک تلاوت قرآن کریم کا کسی وسوسہ اور نفسانی کلام کے بغیر تصور کیا جاسکتا ہے جو خدا کا بہت بڑا فضل و کرم ہے۔

جب قرآن مجید پڑھنے کا ارادہ کرے تو تھوڑی دیر کے لئے یہ اچھی طرح سوچ لے کہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے روبرو بیٹھا ہوں جس طرح شاگرد اُستاد کے روبرو بیٹھا ہو اور اپنا سبق اللہ تبارک و تعالیٰ کو سنا رہا ہوں تو اس مراقبہ سے جو کیفیت حاصل ہوگی وہ خود بخود معلوم ہوگی۔

بعض اکابر نے اس مقام میں اسے طرح دیکھا ہے کہ میں خانہ کعبہ کے اوپر آگیا ہوں اور وہاں ایک زینہ رکھا ہوا ہے جس کے ذریعے سے اوپر چڑھ کر حقیقت قرآن مجید میں داخل ہوا ہوں۔ اس مقام میں شرح صدر ہو جاتا ہے، وسعت و بے چونی میں احوال ظاہر ہونے لگتے ہیں، کلام الٰہی کے بطون و اسرار اس مقام میں ظاہر ہوتے ہیں اور کلام اللہ کے ہر حرف میں معانی کا ایک بے پایاں دریا نظر آتا ہے، پند و نصائح، قصص و حکایات کو اور اوامر و نواہی وغیرہ کی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے۔

قرآن مجید پڑھنے کے وقت قاری کی زبان شجرۂ موسوی کا حکم حاصل کر لیتی ہے اور قاری کا تمام قالب (جسم) زبان بن جاتا ہے۔ قرآن مجید کے انوار کے ظاہر ہونے کی علامت غالباً عارف کے باطن کے اوپر ایک ثقل (بوجھ) کا وارد ہونا ہے بموجب آیت کریمہ: إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا

(المزمل ۵) (ترجمہ: بے شک عنقریب ہم تم پر ایک بھاری بات ڈالیں گے۔) نسبت حقیقت کعبہ معظمہ باوجود اس سب عظمت و کبریائی کے حقیقت قرآن مجید سے نیچے دکھائی دیتی ہے۔

تنبیہ: اس کے محاذات میں دائرۂ حقیقت صوم واقع ہے، اس کے انوار و اسرار بھی اسی کے متعلق ہیں اور یہ دائرہ بھی سلوک میں داخل نہیں ہے۔

۲۹) نیت مراقبہ حقیقت صلوٰۃ: فیض می آید از کمال وسعت بیچون حضرت ذات کہ منشاء حقیقت صلوٰۃ است بہ ہیئت وحدانی من بواسطہ پیران کبار۔ (توقف۔۔۔روز)

ترجمہ: ذات حق تعالیٰ کے وسعت کمال سے جو کہ منشاء حقیقت صلوٰۃ ہے بوسیلہ مشائخ عظام میرے ہیئت وحدانی میں فیض آرہا ہے۔ (توقف روز)

تشریح: حقیقت صلوٰۃ سے مراد کمال وسعت بیچوں ذات پاک حق تعالیٰ ہے۔ حقیقت کعبہ اور حقیقت قرآن اس کے جزء نظر آتے ہیں اور حقیقت صلوٰۃ سب کمالات کی جامع ہے۔ شب معراج میں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قف یا محمد فان ربک یصلی تو ممکن ہے کہ اسی حقیقت صلوٰۃ کی طرف اشارہ ہو۔ مضمون حدیث ان تعبد اللہ کانک تراہ اس جگہ پر بوجہ کمال ظاہر ہوتا ہے۔ سرور عالم ﷺ نے اسی حالت کرتے ہوئے فرمایا۔ الصلوٰۃ معراج المومن نیز فرمایا اقرب مایکون العبد من الرب فی الصلوٰۃ نیز قرۃ عینی فی الصلوٰۃ اور ارحنی یا بلال اور جو کمالات و مشاہدات نماز کے باہر مشہور ہوتے ہیں، وہ نماز کے دوران ظاہر سے مطلقاً تعلق ختم کر کے عالم غیب سے ملحق ہو جاتا ہے جس کی کیفیت معلوم نہیں ہو سکتی۔ یہ تمام کمالات اور حقائق اس وقت منکشف ہوتے ہیں کہ جبکہ کتب فقہ

کے مطابق نماز کے فرائض، شرائط، واجبات، سنن و مستحبات کا لحاظ رکھا جائے۔ اسی لیے فرمایا: إِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ (البقرة ۴۵)

صاحب شفاء القلوب فرماتے ہیں کہ مراقبۂ صلوٰۃ یعنی نماز میں حضوری حاصل کرنے کے کئی طریقے ہیں:

۱۔ یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں۔

۲۔ یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے۔

۳۔ یہ کہ معنی کا خیال رکھے۔

۴۔ یہ کہ ہر لفظ بالقصد منہ سے نکالے کہ کوئی لفظ محض یاد سے ادا نہ ہو بلکہ یہ قصد کرے کہ اب یہ لفظ نکالنا ہے۔

۵۔ یہ سمجھنا کہ یہ میری عمر کی آخری نماز ہے شاید اس کے بعد دوسری نماز پڑھنے کی مہلت نہ ملے تو ان طریقوں میں سے جو طریقہ چاہے، اختیار کریں۔

اثرات: وہ پاکیزہ قلوب، جن کی اصلاح جسم کی اصلاح کی بدولت ہو چکی ہے، آسمانی ہیں، چنانچہ جب وہ تکبیر کہہ کر نماز شروع کرتے ہیں تو اس وقت وہ آسمان میں داخل ہو جاتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے آسمان کو شیاطین کے تصرفات سے محفوظ کر رکھا ہے اسی طرح آسمانی قلب بھی شیطان کی دسترس سے محفوظ رہتا ہے۔ البتہ نفسانی وسوسے باقی رہتے ہیں جو آسمان کی قلع بندی کے باوجود منقطع نہیں ہوتے، اس وقت شیطانی تصرف منقطع ہو جاتا ہے مگر مقربین بارگاہ کے قلوب بتدریج مقامات قرب کی طرف بڑھتے رہتے ہیں جب وہ آسمانوں کے مختلف طبقات پر چڑھتے رہتے ہیں تو ہر آسمانی طبقہ میں نفس کی کچھ نہ کچھ تاریکی پیچھے چھوڑ جاتے ہیں، اور اس کے مطابق نفسانی وسوسے بھی

کم ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ جب وہ تمام آسمانوں سے گزر کر عرش کے سامنے پہنچتے ہیں تو عرش کی تیز روشنی کے سامنے تمام نفسانی وساوس بالکل فنا ہو جاتے ہیں یعنی نفس کی تاریکیاں نور میں قلب میں اسی طرح غائب ہو جاتی ہیں جس طرح رات دن میں غائب ہو جاتی ہے، اس مقام پر پہنچنے کے بعد آداب نماز کے تمام حقوق مکمل ادا ہوتے ہیں۔

اس مقام میں حضرت ذات بے چوں کی کمال درجہ کی وسعت ظاہر ہوتی ہے اور نماز کی حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے۔ یہ مقام نہایت اعلیٰ و ارفع ہے اور **الصلوٰۃ معراج المؤمنین۔** (ترجمہ: "نماز مومنین کے لئے معراج ہے")۔

عن أبی ھریرۃ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال أقرب ما یکون العبد من ربہ وھو ساجد فأکثروا الدعاء۔[176] (ترجمہ: بندہ نماز میں رب کے سب سے زیادہ نزدیک ہے۔) کا راز ظاہر ہوتا ہے، اس کی کیفیت بیان سے باہر ہے۔ حقیقت قرآن مجید اس کا ایک جز اور حقیقت کعبہ اس کا دوسرا جز ہے۔ سالک جب اس حقیقت مقدسہ سے بہرہ ور ہوتا ہے تو نماز ادا کرتے وقت اس دار فانی سے باہر ہو کر دار آخرت میں داخل ہو جاتا ہے،

اور حدیث: **ان تعبد اللہ کانک تراہ۔** بطریق کمال جلوہ گر ہو جاتی ہے۔

سالک کو چاہیئے کہ نماز کی ادائیگی میں تمام سنن و آداب کی **کما ینبغی** رعایت کرے تاکہ حقیقت صلوٰۃ جلوہ گر ہو جائے، لوگ نماز کی حقیقت سے ناواقف ہیں، یہی وجہ ہے کہ صوفیوں کا ایک جم غفیر اپنے اضطراب اور قبض کی تسکین و علاج، راگ و نغموں کے پردوں میں دیکھتے ہیں اور اپنے مطلوب کو سماع اور وجد و تواجد میں تلاش کرتے ہیں، اسی لئے وہ رقص و رقاصی کو اپنی عادت بنا لیتے

---

[176] سنن أبي داود، ج ١، ص ٣٢٦۔ الناشر: دار الكتاب العربي-بيروت

ہیں۔ اگر نماز کے کمالات کا تھوڑا کرشمہ بھی ان پر ظاہر ہوتا تو کبھی سماع و نغمہ کا دم نہ بھرتے اور وجد و تواجد کو یاد نہ کرتے۔ ان ہر سہ حقائق الٰہیہ میں سالک کے تمام وجود میں اضمحلال سرایت کر جاتا ہے اور وسعت باطن بتدریج اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے۔ ہم نے نماز کے بارے میں جو ذکر کئے وہ بہت کم ہیں نماز کی شان ہمارے بیان سے کہیں زیادہ اونچی ہے۔

حقائق کے اسباب: کمالات کے ان تین اسباق کے بعد دو راستے ہیں، جیسے آپ ایک سڑک پر چلتے جائیں اور سامنے ایک دوراہا آجائے، تو آپ دائیں بھی جاسکتے ہیں اور بائیں بھی یعنی ان دونوں میں سے آپ جو بھی راستہ چاہیں اپنا سکتے ہیں۔ پہلے یہ ایک راستہ تھا جس کو حقائق کا راستہ کہتے تھے۔ چنانچہ اس میں حقیقت کعبۂ ربانی، پھر حقیقت قرآن مجید اور اس کے بعد حقیقت نماز کے اسباق تھے اور اس میں حقیقت کعبۂ ربانی، پھر حقیقت قرآن مجید اور اس کے بعد حقیقت نماز کے اسباق تھے اور اس کے بعد پھر معبودیت صرفہ کا سبق آجاتا۔ سب مشائخ اسی کے ذریعے سالک کو لے کر چلتے لیکن آخری عمر میں مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ پر منکشف ہوا کہ اس کا ایک متبادل راستہ بھی ہے اور وہ حقائق انبیاء کا راستہ ہے۔ پہلے حقائق اعمال کے تھے جن کو "حقائق الٰہیہ" بھی کہا گیا ہے۔ اب حقائق انبیاء کا راستہ ہے دونوں راستے ایک ہی منزل تک پہنچتے ہیں۔

کتب معتبرہ میں تو شیخ کی مرضی پر موقوف رکھا گیا ہے کہ وہ سالک کو جس راستے پر چاہے چلائے مگر ہمارے مشائخ سلکین کو دونوں راستوں کی سیر کراتے ہیں۔ اس طرح سالک کو حقائق الٰہیہ کے کمالات بھی مل جاتے ہیں اور حقائق انبیاء کے کمالات سے بھی مستفید ہو جاتا ہے۔ اب آگے جو اسباق ہیں وہ حقیقت کعبۂ ربانی، حقیقت قرآن مجید اور حقیقت نماز کے ہیں۔ یہ ترتیب اس لئے ہے کہ حقیقت کعبۂ ربانی بنیاد ہے اور حقیقت قرآن اس کے اوپر ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ

تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی مثال امام کی سی ہے اور کعبہ کی مثال مقتدی کی سی حقیقت کعبہ ٔ ربانی میں انسان اپنے آپ کو ایسا محسوس کرتا ہے جیسے میں کعبہ کی چھت پر ہوں اور جو انوارات وہاں برس رہے ہیں وہ میرے اوپر بھی آرہے ہیں لیکن حقیقت قرآن میں اس سے اوپر ترقی ہو جاتی ہے حقیقت قرآن سے اوپر مرتبہ حقیقت نماز ہے۔ در حقیقت قرآن سے اوپر مرتبہ حقیقت نماز ہے۔ در حقیقت اصل تو حقیقت نماز ہے اور اس کے دو جزو ایک کو حقیقت کعبہ ٔ ربانی اور دوسرے کو حقیقت قرآن مجید کہتے ہیں۔ جب یہ دونوں اجزاء ملتے ہیں تو نماز کی حقیقت نصیب ہو جاتی ہے۔ جس کی وضاحت آئندہ ملاحظہ فرمائیں۔

کمالات اور حقائق الٰہیہ کا تعلق

"ھدایت الطالبین" میں حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ تحقیق مرتبہ ٔ کمالات اور حقائق الٰہیہ ثلاثہ کے درمیان ایک نوع کی نسبت ہے بلکہ محققین نے تو یہ بھی فرمایاہے کہ حقائق الٰہیہ کمالات کی بہ نسبت ایسی ہیں جیسے دریا کی موجیں۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ چونکہ کمالات میں تجلیات ذاتی دائمی کا ظہور ہوتا ہے اس لئے ضرور ہر وہ نسبت، جو فرق سے تعلق رکھتی ہے، مرتبہ ٔ ذات سے خالی نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا لفظ امواج کا اطلاق یہاں پر بالکل صحیح ہے اور جو کچھ مجھ ناچیز کے فہم وادراک میں آیاہے وہ یہ ہے کہ حقائق کے مقام پر جو منکشفات ہوتی ہیں وہ کمالات کی نسبت کے مقام پر ظاہر نہیں ہوتی مثلاً کعبہ ٔ معظمہ کی حقیقت میں عظمت و کبریائی کا ظہور ہوتا ہے اور تمام ممکنات کی مسجودیت اس طرح ظہور کرتی ہے کہ اس کے ادراک سے عقل عاجز اور زبان گنگ رہ جاتی ہے۔ چنانچہ اللہ کے گھر کی حقیقت، اللہ کے کلام کی حقیقت اور پھر نماز کی حقیقت، ان سب کا اللہ تعالیٰ کی ذات سے تعلق ہے۔

کیا کعبہ معظمہ کی صرف ظاہری صورت ہے؟۔

مکتوبات دفتر سوم مکتوب ۱۲۴ میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں: جاننا چاہیے کہ صورت کعبہ سے مراد (موجودہ) اینٹ، پتھر نہیں ہے کیونکہ اگر بالفرض یہ اینٹ پتھر درمیان میں نہ ہوں تو بھی کعبہ، کعبہ اور مسجود خلائق ہے بلکہ صورت کعبہ، باوجود اس کے کہ عالم خلق سے ہے دوسری موجودات کی مانند نہیں ہے، بلکہ ایک مبطن (پوشیدہ) امر ہے جو حس وخیال کے احاطہ سے باہر ہے، اگرچہ بظاہر اس کا تعلق عالم محسوسات سے ہے۔ لیکن پھر بھی محسوسات سے ماوراء ہے اور (اگرچہ) وہ تمام اشیاء کا متوجہ (جس کی طرف توجہ کی جائے) ہے لیکن بظاہر وہ چیز نہیں ہے جو حقیقت ہے، وہ ایک ایسی ہستی ہے جو نیستی کا لباس پہنے ہوئے ہے اور ایک ایسی نیستی ہے جس نے اپنے آپ کو ہستی کے لباس میں ظاہر کیا ہے اور جہت میں ہو کر بے جہت اور سمت میں ہو کر بے سمت ہے۔

بفرض تقدیر اگر یہ ظاہری عمارت نہ بھی ہو تو بھی حقیقی کعبہ موجود ہو گا، ہم اینٹ پتھر کو سجدہ نہیں کرتے بلکہ اس کے اندر جو تجلیات ذاتیہ اتر رہی ہیں، وہ ہماری مسجود ہیں چنانچہ مسلمانوں اور ہندوؤں میں واضح فرق بھی یہی ہے کہ ہندو پتھر کی بنی ہوئی مورتیوں کو سجدہ کرتے ہیں جبکہ ہم پتھر سے بنے ہوئے کعبہ پر جو تجلیات اُتر رہی ہیں، ان کو سجدہ کرتے ہیں۔

فرض کریں کہ ایک شخص خلا میں چلا گیا تو وہ بیت اللہ کی عمارت کی طرف تو رُخ کر ہی نہیں سکتا لیکن چونکہ عرش کے اوپر سے تجلیات ذاتیہ آ رہی ہیں اور آسمانوں پر بیت المعمور بھی ہے، فرشتے جس کا طواف کر رہے ہیں اسی کے بالکل نیچے زمین پر مسلمان بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں، اور درمیان میں سب ستارے وغیرہ ان تجلیات کا طواف کرتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی عجیب شان ہے۔

اسی طرح کوئی شخص سمندر کی تہہ میں چلا جائے تو عمارت تو وہاں بھی سامنے نہیں آسکتی مگر تجلیات تو تحت الثریٰ تک موجود ہیں وہاں بھی اس کی نماز ہو جائے گی۔

تو مقصود یہ بتانا تھا کہ ہم متوجھا الیٰ جھة الکعبة الشریفة "بیت اللہ کی طرف رخ کرتے ہیں" اس کو سجدہ نہیں کرتے، جو مسجود الیہ ہے وہ تجلیات ذاتیہ ہیں جو کعبہ پر اتر رہی ہیں، کعبہ ایک جگہ ہے جس نے ہمارے لئے جہت کو متعین کر دیا ہے، اگر جہت نہ ہوتی تو لوگوں کو یہ سمجھ نہ آتی کہ ہم کس طرف رخ کریں، کوئی دائیں رخ کرتا تو کوئی بائیں، کوئی آگے رخ کرتا تو کوئی پیچھے۔ اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا اور ہمیں اس پریشانی سے بچالیا، ایک جگہ کو متعین کر دیا ہے کہ دیکھو یہ میرا گھر ہے، اب چاروں طرف سے سب بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھو۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر بالفرض یہ اینٹ پتھر درمیان میں نہ بھی ہوں تو بھی کعبہ مسجود خلائق رہے گا۔

کعبہ کی حقیقت تمام مخلوقات کی مسجود الیہ ہے

مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۲۶۳ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں: فقیر کے نزدیک، جس طرح کعبۂ ربانی کی ظاہری صورت مخلوق کی صورت کے لئے، خواہ وہ بشر ہوں یا ملک (یعنی فرشتہ) مسجود الیہ ہے اسی طرح اس کی حقیقت بھی تمام مخلوقات کے لئے مسجود الیہ ہے، پس لازمی طور پر وہ حقیقت (کعبۂ ربانی) تمام حقائق پر فوقیت رکھتی ہے اور اس کے متعلقہ کمالات تمام حقائق کے متعلقہ کمالات سے فائق تر ہیں۔ گویا حقیقت کعبہ "حقائق کونی" ہیں (یعنی کائنات کے جو حقائق ہیں) اور "حقائق الہٰی" سے مراد عظمت و کبریائی کا پردہ ہے کیونکہ کوئی رنگ و کیف اس (تعالیٰ شانہ) کے دامان قدس تک نہیں پہنچتا اور کوئی ظلیت اس تک راہ نہیں پاتی۔

آگے فرماتے ہیں: جہت کعبہ حقائق الٰہی تعالیٰ و تقدس کے ظہورات کا مقام ہے لہٰذا کعبہ دنیا میں عجوبہ ٔروز گار ہے جو بظاہر دنیا سے ہے لیکن حقیقت میں آخرت سے متعلق ہے۔

مکتوبات معصومیہ دفتر اول مکتوب ۲۴ میں حقیقت کعبہ ٔربانی کے برزخ ہونے کو اس طرح بھی سمجھایا گیا ہے کہ حقیقت کعبہ، حقائق مخلوقات اور حقیقت واجب جل سلطانہ کے درمیان، جو کہ مرتبہ ٔاحدیت ذات تعالیٰ و تقدس ہے، برزخ ہے کیونکہ کعبہ مخلوق کا مسجود الیہ ہے (اسی لئے) اس کی حقیقت تمام مخلوق کے حقائق سے ضرور ممتاز ہونی چاہیئے۔ چونکہ مسجود، ذات حق سبحانہ و تعالیٰ ہے (اس لئے) کعبہ کی حقیقت تمام مخلوق کے حقائق سے ضرور ممتاز ہونی چاہیئے۔ چونکہ مسجود، ذات حق سبحانہ و تعالیٰ ہے (اس لئے) کعبہ کی حقیقت بھی اس مقدس بارگاہ سے ہونی چاہیئے۔ ہمارے حضرت مجدد الف ثانی قدسنا اللہ تعالیٰ بسرہ الاقدس نے ایک مکتوب گرامی میں، (جو کہ مکتوبات کی کسی شامل نہیں ہے) لکھا ہے کہ حقیقت کعبہ ذات واجب تعالیٰ ہے اس لئے کہ مسجود، حقیقت میں وہی مقدس مرتبہ ہے۔ لہٰذا جاننا چاہیئے کہ مسجود اگرچہ ذات بیچون ہے لیکن اعتبار مسجودیت کو اس کے ساتھ ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اس لئے مرتبہ ٔاحدیت، ذات سے جو کہ نسبتوں اور اعتبارات سے پاک ہے، نیچے کے درجے میں ہو گا، وہی دید و دانش و گرفتاری سے متمیز ہو جائے گا۔

حقیقت کعبہ سے مراد ذات بے چون واجب الوجود ہے

مکتوبات امام ربانی دفتر سوم مکتوب ۱۲۴ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اے بھائی! جب تم نے صورت کعبہ کا تھوڑا بیان سن لیا تو اب حقیقت کعبہ کے بارے میں بھی تھوڑا سا سن لو: حقیقت کعبہ سے مراد ذات بے چون واجب الوجود (یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات) ہے کہ ظہور اور ظلیت کی گرد بھی وہاں تک نہیں پہنچتی اور جو مسجودیت و معبودیت کی شان

کے لائق ہے۔ پھر آگے فرماتے ہیں کہ اس حقیقت جل سلطانہ کو اگر حقیقت محمدی ﷺ کا مسجود کہیں تو اس میں کیا خطرہ لازم آتا ہے اور آپ ﷺ کی افضلیت میں اس سے کس طرح قصور واقع ہوتا ہے؟ وہاں حقیقت محمدی ﷺ باقی تمام افراد عالم کے حقائق سے افضل ہے لیکن حقیقت کعبہ معظمہ عالم کی جنس سے نہیں ہے تاکہ اس کی طرف یہ نسبت ظاہر کی جائے اور اس کی فضیلت میں توقف کیا جائے۔ سجدے کی شان تو اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، اسی کو سجتا ہے کہ لوگ اسے سجدہ کریں۔ اسی لئے اگر یہ سوال کیا جائے کہ حقیقت محمدی ﷺ اور حقیقت کعبۂ ربانی میں کون افضل ہے؟ تو فرماتے ہیں کہ بیت اللہ شریف کی حقیقت افضل ہے اس لئے کہ حقیقت کعبۂ ربانی، اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، یہ اسی کی تجلیات ہیں اور حقیقت محمدی ﷺ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات ہے۔ بحر حال اگر حقیقت کو دیکھیں تو بیت اللہ کی تجلیات کو فوقیت ہوگی۔ اسی بات کو حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مکتوبات معصومیہ کے دفتر دوم میں فرماتے ہیں، کسی نے ان سے پوچھا کہ ہمارے حضرت عالی یعنی حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قدس سرہ نے تحریر فرمایا ہے کہ حقیقت کعبۂ ربانی، حقیقت محمدی ﷺ کے اوپر ہے۔ اس سے حقیقت کعبہ کا حقیقت محمدی ﷺ سے افضل ہونا لازم آتا ہے حالانکہ آں سرور عالم علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام تمام مخلوقات سے افضل ہیں۔ لولاہ لما خلق الأفلاک ولما أظهر الربوبية۔ (کشف الاخفاء) یعنی "اگر وہ نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ آسمانوں کو پیدا نہ کرتا اور اپنے رب ہونے کو ظاہر نہ فرماتا" جیسا کہ حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے۔ جواب میں حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اول یہ کہ حقیقت کعبۂ ربانی معبودیت و مسجودیت کے مقام سے پیدا ہوتی ہے اور آں سرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کامل عبدیت و عابدیت (بندہ اور بندگی کرنے والا ہونے) کے مقام میں ہیں، اس بنا پر ہو سکتا ہے کہ

حقیقت کعبہ ذات الہٰی جل سلطانہ ہو کیونکہ حقیقت میں معبود یعنی وہ حقیقت، اس صورت کی مسجودیت کا منشاء ہے ور اس میں شک نہیں ہے کہ وہ حقیقت ذات حق عز برھانہ ہے۔ پس اگر اس حقیقت کو حقیقت محمدی ﷺ پر فوقیت و فضیلت ہو تو کیا خطرے کی بات ہے۔

یہاں کوئی یہ سوال کر سکتا ہے کہ چونکہ کعبہ معظمہ کی ظاہری صورت ممکنات میں سے ہے تو کیا اس کی حقیقت ممکنات میں سے نہیں ہو گی؟ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مکتوبات معصومیہ کے دفتر دوم میں فرماتے ہیں "اور یہ جو بعض حضرات کہتے ہیں کہ ممکن، جو کہ صورت کعبہ ہے اس کی حقیقت بھی ممکن ہی ہونی چاہیئے وہ ذات کس طرح ہو گی؟

جواب: صاحب شفاء القلوب فرماتے ہیں کہ اس بزرگ گروہ کے طریقے پر کسی چیز کی حقیقت اس چیز کی ذات اور مابہ الشیئ ھو ھو ماہیت سے عبارت نہیں ہے بلکہ اس کے وجودی و توابع وجودی، فیوض کے مبداء سے عبارت ہے اور وہ چیز اس کے لئے علت کی مانند ہے۔ ایک کعبہ معظمہ کی ظاہری صورت ہے جو کہ ہمیں نظر آتی ہے، یہ ممکنات میں سے ہے اور عالم خلق سے اس کا تعلق ہے اگر کعبۂ معظمہ کے ظاہر کی ذات اور ماہیت کو دیکھا جائے تو پتھر اور اینٹ نظر آئیں گے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ممکن کی حقیقت سے مراد یہ ظاہری ماہیت ہو جو ہمیں ظاہر کی آنکھوں سے نظر آتی ہے بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ اس فیوضی برکات کی مبدا یعنی اصل کیا ہے اور وہ اللہ رب العزت کی ذات کی تجلیات ہیں۔ اللہ کی ذات ہی کعبہ معظمہ کی حقیقت ہے جیسے کہ ہم نے اوپر پڑھا، اس لئے امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حقیقت کعبہ سے مراد وہ ذات ہے جو بے چون واجب الوجود یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ حقیقت کعبۂ ربانی کا تعلق ہیئت وحدانی کے ساتھ مخصوص ہے۔

حقیقت کعبہ ربانی اور ہیئت وحدانی

مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۲۶۰ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں ہ بعض کامل مراد مند ایسے ہیں جن کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے طفیل عظمت و کبریائی کے ان پردوں میں جگہ دی جاتی ہے اور ان کو محرم بار گاہ بنایا جاتا ہے۔ فعومل ماعومل معھم "ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا جاتا ہے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کیا گیا"۔

اے فرزند! یہ معاملہ انسان کی اس ہیئت وحدانی کے ساتھ مخصوص ہے جو عالم خلق اور عالم امر کے مجموعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ باوجود اس کے ان سب کا سردار اس مقام میں عنصر خاک ہے۔

ہیئت وحدانی

صاحب شفاء القلوب فرماتے ہیں: ہمارے مشائخ نے اس کو ایسے سمجھایا ہے کہ سالک کو جب فنا حاصل ہو جاتی ہے ور اس کے دس لطائف کا تصفیہ اور تزکیہ ہو جاتا ہے تو لطائف میں جو اعتدال پیدا ہوتا ہے ان لطائف کے مجموعہ کو "ہیئت وحدانی" کہتے ہیں۔ ہم نے پڑھا تھا کہ جس طرح سارے لطائف ایک بن جاتے ہیں یعنی سب کو اکٹھا کر دیا جائے تو اس طرح سارے لطائف ایک بن جاتے ہیں اور ایک دوسری شکل پیدا کر کے اگلے مقامات پر عروج کرتے ہیں۔

حقائق ثلاثہ کے وصول کا تعلق

حقیقت کعبہ ربانی، حقیقت قرآن مجید اور حقیقت صلوٰۃ کو "حقائق ثلاثہ" کہتے ہیں اور جو دوسرا راستہ ہے اس میں چار حقائق آتے ہیں جو کہ حقیقت ابراہیمی علیہ السلام، حقیقت موسوی علیہ السلام، حقیقت محمدی ﷺ اور حقیقت احمدی ﷺ ہیں۔

جب بھی حقائق ثلاثہ کہیں گے تو فوراً سمجھ لیں کہ ان سے حقیقت کعبۂ ربانی، قرآن مجید اور نماز مراد ہیں۔ مکتوبات معصومیہ دفتر سوم مکتوب ۱۴۰ میں تحریر فرماتے ہیں: آپ نے لکھا تھا کہ حقائق ثلاثہ (کعبہ، قرآن اور نماز) تک وصول تفضل (فضل و کرم) میں داخل ہے یا نہیں؟

جواب: ان حقائق کا معاملہ کمالات نبوت سے اوپر ہے اس لئے داخل تفضل ہونا چاہیئے۔

ہر مسجد میں ظہور حقیقت کعبۂ ربانی

مصنف "کنز الھدایات" حضرت مفتی محمد باقی لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے شیخ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل کرتے ہیں، لکھتے ہیں کہ عبد ضعیف نے حضرت پیر دستگیر اپنے امام یعنی حضرت خواجہ محمد معصوم قدسنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بسرہ السامی کی موتی بکھیرنے والی زبان مبارک سے سنا ہے کہ ہر مسجد میں کعبۂ معظمہ کی حقیقت کا ظہور ہوتا ہے یعنی رب العزت کی جو تجلیات ذاتیہ وہاں وارد ہوتی ہیں ان ہی کی شعاعیں ہر مسجد کے اندر نازل ہوتی ہیں اور نماز پڑھنے والوں کے دلوں کو منور کرتی ہیں بلکہ نماز پڑھنے والا بندہ جب تک نماز پڑھتا رہتا ہے اس کے سامنے ذات منکشف رہتی ہے، چونکہ مسجد کے اوپر تجلیات وارد ہو رہی ہوتی ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنا گھر کہا ہے، اس لئے جب قیامت قائم ہوگی تو زمین کے وہ ٹکڑے جو مسجدیں ہیں ان سب کو بیت اللہ کا حصہ بنا کر جنت میں شامل کر دیا جائے گا۔ یہ کوئی معلومی بات نہیں ہے کہ فلاں جگہ پر اللہ تعالیٰ کا گھر بن گیا، بلکہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تو فرماتے ہیں کہ نماز اتنی اہم عبادت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تجلی اس کے سامنے جلوہ گر رہتی ہے، جب بندہ اپنی جگہ سے اُٹھتا ہے تب تجلی گھٹتی ہے۔ جتنی دیر بیٹھ کے نماز کے بعد تلاوت کرتا ہے، تسبیحات پڑھتا ہے اور مراقبہ کرتا ہے ذات کی تجلی رہتی ہے۔

حقیقت کعبۂ ربانی سے حقیقت قرآن مجید تک

"ھدایۃ الطالبین" میں حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس مقام یعنی حقیقت کعبہ پر حضرت حق سبحانہ کی عظمت اور کبریائی مشہود ہوئی اور میرے باطن پر ایک عظیم ہیئت طاری ہوئی۔ فرماتے ہیں کہ جب حضرت پیر دستگیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس عاجز پر قرآن مجید کی حقیقت میں توجہ فرمائی تو میں نے اس مقام پر عظمت و کبریائی کے شاہی پردوں کے اندر اپنے آپ کو پایا اور عالم مثال میں ایسا دیکھا کہ گویا میں خانۂ کعبہ کی چھت پر چڑھ گیا ہوں اور وہاں ایک زینہ رکھا ہوا ہے، میں اس زینے سے عروج کر کے حقیقت قرآن مجید میں داخل ہو گیا۔

حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "ھدایۃ الطالبین" میں تحریر فرماتے ہیں: "حقیقت قرآنی سے مراد حضرت ذات کی بے چونی و بے کیفی کی وسعت و فراخی ہے، حضرت ذات سبحانہ کی وسعت اسی مقام سے شروع ہوتی ہے اور ایسے حالات و کیفیات ظاہر ہوتے ہیں جو وسعت کے مشابہ ہیں، ورنہ اس مقام پر لفظ و وسعت کا اطلاق میدان کی تنگی ہے پس خوب سمجھ لو اور کسی قسم کی کوتاہی نہ کرو۔

اس مقام پر کلام اللہ تعالیٰ کے مخفی راز ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ لکل أیۃ من القرأن ظھر و بطن: "قرآن کی ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے"۔ پھر اس کے ہر باطن کے آگے سات باطن ہیں تو مشائخ صوفیہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ ظاہر کے معنی ہیں، یہ تو ہم سمجھتے ہیں، اس کے آگے اور بھی معارف ہیں، ان معارف کے سمجھنے کا تعلق دل کی نورانیت کے ساتھ ہے، جتنی نورانیت ہو گی، اس کے باطن کے معارف بھی اتنے زیادہ ہوں گے۔ آگے فرماتے ہیں: میں نے قرآن مجید کے حروف میں سے ہر حرف کو ایک بے پایاں سمدر پایا، جو کعبہ تک پہنچانے

والا ہے مگر ایک عجیب تر نکتہ سنو! باوجود ان تمام مختلف قصص وحکایات اور اوامر ونواہی، قرآت کے وقت بہت سی چیزیں ظاہر ہوتی ہیں، بہت سے اسرار کھلتے ہیں اور حق سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت، حکمت اور اس کے اسرار ظاہر ہوتے ہیں۔ غور کرو تمام عوام کی نصیحت و تعلیم کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام کے قصص و حکایات کا کیوں ذکر کیا گیا ہے؟ بنی آدم کی ہدایت کے لئے احکام شریعت کیوں بیان فرمائے گئے ہیں؟ اور قرآن مجید کے حروف کے اندر کیا کیا کیفیات اور معاملات ہیں؟ کہ حیرت پر حیرت ہوتی ہے، وہ ہر حرف میں ایک خاص شان کے ساتھ ظہور فرماتا ہے اور طالبین حق کے دلوں کو معارف سے لبریز کر دیتا ہے۔ بقول شاعر!

نہ حسنش غایتے دارد، نہ سعدی را سخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی
نہ اُس کے حُسن کی حد ہے نہ سعدی کی زباں گونگی
نہ خالی ہو گا دریا خواہ، کہ مر ہی جائے مستسقی

اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ ایک ایک حرف کے اندر ہمارے مشائخ پر کیا کیا راز کھلے ہیں۔ چنانچہ حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "هداية الطالبين" میں فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی قراءت کے وقت پڑھنے والے کی زبان شجرۂ موسوی کا حکم رکھتی ہے یعنی جس کو حقیقت قرآن مجید کا مراقبہ کرنے کی سعادت ملے اور اس کو پورا فیض ملے تو وہ کئی مرتبہ قاری کے منہ سے نور کا اخراج ہوتا ہوا آنکھوں سے دیکھتا ہے جیسے شجرۂ موسوی سے آگ نکلتی نظر آرہی تھی۔ ایسے ہی قاری کی زبان سے قرآن کا نور نکل رہا ہو تو اہل کشف کو محسوس ہوتا ہے کہ شاید ایک روشنی ہے جو وہاں سے نکل رہی ہے۔ ہمارے مشائخ نے فرمایا ہے کہ شاید یہی وجہ ہے کہ قاری قرآن پڑھتا ہے تو حدیث پاک کے

مطابق فرشتے اس کے قریب آتے ہیں، حتیٰ کہ قریب آ کے اس قاری کے منہ پر اپنا منہ رکھ دیتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے منہ کو بوسہ دیتے ہیں، یہ انسان کتنا خوش نصیب ہے جس کے منہ سے ایسا نور نکلتا ہے، ہم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ قرآن مجید کی تلاوت کے وقت کیا کیفیات ہوتی ہیں، اسی لیئے فرمایا:

تبرک بالقرآن فانه كلام الله خرج منه۔ (کنز العمال: ۲۳۴۶)

”قرآن سے تم تبرک پاؤ کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اس کی طرف سے صادر ہوا ہے“۔

آگے فرماتے ہیں کہ: اس مقام پر حضرت ذات کی بے چونی، جو مبدأ وسعت ہے اس کا مراقبہ کیا جاتا ہے اور ان مقامات کا مورد فیض سالک کی ہیئت وحدانی ہے۔

حقیقت کعبۂ ربانی حقیقت قرآن سے بلند ہے

مکتوبات دفتر اول مکتوب ۲۵۵ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک رسالہ میں یہ تحریر دیکھی ہے کہ حضرت خواجہ احرار قدس سرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ قرآن، بحقیقت از مرتبۂ عین جمع است (یعنی قرآن مجید، حقیقت میں مرتبۂ عین سے جمع ہے) یعنی ذات تعالیٰ وتقدس کی احدیت سے ہے، لہٰذا جو کچھ رسالہ **”مبدأ و معاد“** میں تحریر کیا گیا کہ حقیقت کعبہ ربانی حقیقت قرآنی سے بلند وبالا ہے، اس کے معنیٰ کیا ہوں گے؟

اس کے جواب میں فرماتے ہیں: میرے مخدوم! احدیت ذات سے مراد احدیت مجردہ نہیں ہے کہ جس میں کوئی صفت وشان ملحوظ نہ ہو کیونکہ حقیقت قرآن کا منشاء صفت کلام سے ہے جو صفات ثمانیہ (آٹھ صفات) میں سے ایک صفت ہے اور حقیقت کعبہ کا مبدأ و منشاء وہ مرتبہ ہے جو شیونات و صفات کی تلوینات سے برتر ہے، اس لئے اس کی فوقیت کی گنجائش ہو گی۔

چنانچہ مکتوبات مجددیہ دفتر سوم مکتوب ۷۷ میں فرماتے ہیں کہ نور صرف (خالص نور) کے بعد جس کو اس فقیر نے حقیقت کعبۂ ربانی پایا ہے کہ یہ ایک نہایت ہی عالی مرتبہ ہے جو کہ حق تعالیٰ سلطانہ کے مطابق کعبۂ معظمہ آفاق کا قبلہ بنا اور تمام مخلوق کے مسجود ہونے کی دولت سے مشرف ہوا۔

لہٰذا امام قرآن مجید ہے، ماموم یعنی مقتدی، پیش معظمہ ہے اور یہ مرتبۂ مقدسہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کی بے چون وسعت کا مبدا ہے۔ اور اس بارگاہ کی بے چونی و بے چگونی کے امتیاز کا مبدا اً بھی یہی درجۂ عالیہ ہے۔ اس درجۂ مقدسہ کی وسعت و عظمت اس کے طول و عرض کی درازی کی وجہ سے نہیں ہے کیونکہ وہ نقص و امکان کی علامت ہے بلکہ یہ ایک ایسا امر ہے کہ جب تک اس کے ساتھ متحقق نہ ہو (یعنی جب تک اس مقام تک نہ پہنچے) معلوم نہیں ہو سکتا۔

"ھدایۃ الطالبین" میں حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

نسبت کی بلندی اس مقام (یعنی حقیقت قرآن مجید پر) پر تو اس درجہ کی ہے کہ گویا نہ صرف کمالات کی نسبت اپنی بلندی اور وسعت کے باوجود بلکہ حقیقت کعبۂ معظمہ بھی (عظمت و کبریائی کے باوجود) حقیقت قرآن مجید کے تحت میں نظر آتی ہے اس مقام پر حضرت ذات کی بے چونی، جو مبدا وسعت ہے، اس کا مراقبہ کیا جاتا ہے۔

حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دفتر سوم مکتوب ۱۲۸ میں بھی فرماتے ہیں: حقیقت قرآنی کا اس مقام میں ظاہر ہونا، جو کہ معبودیت صرفہ ہے، محل تامل ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے اور نیز حقیقت قرآنی ہمارے حضرت عالی (مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قدس سرہ) کے مطابق حضرت ذات تعالیٰ کی وسعت بیچون کا مبداء ہے اور یہ حقیقت ذات مجردہ پر زائد ہے، پس معبودیت

صرفہ کے لائق نہیں ہوگی اور اس بارگاہ عالی سے نیچے ہوگی۔ اس بیان سے وہ شبہ ساقط ہوگیا جو کہ وارد کیا گیا تھا کہ حقیقت قرآن حقیقت کلام یا شایان کلام سے پیدا ہوتی ہے، اس لئے ولایت کبریٰ میں داخل ہوگی کیونکہ یہ معنی کہ وسعت بے چون کا مبدا حضرت ذات تعالیٰ ہے، ولایت سہ گانہ و کمالات نبوت و حقیقت کعبہ سے بالاتر ہے۔

قرآن مجید کے انوارات کے انکشاف کی علامت دل پر ثقل

حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "ھدایۃ الطالبین" میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس طرح قرآن کریم کی سماعت ہے کہ اگر خوش الحان شخص سے سنا جائے تو نسبت ولایت کا ظہور ہوتا ہے اور اگر درست پڑھنے والے سے سنا جائے تو فوق کی نسبت حقائق ظہور کریں گے کیونکہ خوش آوازی کو قلب سے پوری پوری مناسبت ہے جو ضرور ظاہر ہوگی اور اگر الفاظ کی فصاحت، صحیح مخارج کی ادائیگی اور ترتیل کے ساتھ پڑھا جائے خواہ خوش آواز نہ بھی ہو تب بھی وہ حقائق فوقانی جلوہ گر ہوں گے"۔ چنانچہ اس سبق پر اگر ترتیل، الفاظ کی صحت اور مخارج سے قرآن مجید کی تلاوت کی جائے تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حقائق نصیب ہوتے ہیں۔

مصنف "کنز الھدایات" حضرت مفتی محمد باقی لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ "حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بن حضرت خواجہ سیف الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی موتی بکھیرنے والی زبان (مبارک) سے میں نے سنا ہے کہ قرآن مجید کے انوار کے انکشاف کی علامت غالباً عارف کے دل پر ایک ثقل (بوجھ) کا وارد ہونا ہے، گویا آیت کریمہ إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا (المزمل ۵) میں اس معرفت کی طرف اشارہ ہے، یعنی جو شخص حقیقت قرآن مجید کا مراقبہ کرتا ہے، مراقبہ کے دوران اس کو ایک ثقل محسوس ہوتا ہے، یہ اس بات کی بین دلیل ہے کہ قرآن

مجید کا فیض مل رہا ہے۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کو بھی بوجھ محسوس ہوتا تھا حتیٰ کہ اگر اونٹنی پر سوار ہوتے تھے تو وہ بیٹھ جاتی تھی اور جو بندہ قریب ہوتا تھا اگر اس کی ران پر ٹیک لگائے ہوتے تو وہ ٹوٹنے کو آتی تھی تو یہ بوجھ سالک بھی محسوس کرتا ہے۔

سالک حقیقت کی طرف متوجہ رہے یا صورت کی طرف

کسی نے حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا کہ، ''اگر کعبہ یا قرآن مجید کی طرف متوجہ ہو تو ان کی حقیقت کی طرف متوجہ ہو یا ان کی صورت کی طرف، اگر ان کی حقیقت کی طرف متوجہ ہو تو وہ شخص جو ان کی حقیقت تک نہیں پہنچا ہے وہ کس طرح ان کی حقیقت کی طرف متوجہ ہو گا اور اگر ان کی صورت کی طرف متوجہ ہو تو یہ بات قرآن مجید کے بارے میں تو درست ہو سکتی ہے کیونکہ وہاں الفاظ و معانی اور قصص ہیں لیکن کعبہ کے بارے میں ذرا بھی درست نہیں آتی کیونکہ محض سنگ و کلوخ کو قبلہ نہیں بنا سکتے، خاص کر اس کے سامنے نہ ہونے (کے وقت) میں''۔

مکتوبات معصومیہ کے دفتر دوم مکتوب ۱۱۹ میں حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جواب دیتے ہیں: ''اے سعادت آثار! نمازی کو چاہیئے کہ اس کی صورت کی طرف متوجہ ہو، اگر وہ اہل حقیقت میں سے ہے تو وہ صورت سے حقیقت کی طرف چلا جاتا ہے اور حقیقت کو صورت میں دیکھتا ہے اور اگر وہ اہل حقیقت میں سے نہیں ہے تو صورت کی طرف متوجہ ہونا بھی اس کے لئے غنیمت ہے۔ اور یہ جو لوگوں نے پتھروں اور ڈھیلوں کو کعبہ کی صورت قرار دیا ہے ایسا نہیں ہے کیونکہ اگر پتھر اور ڈھیلے درمیان میں نہ ہوں اور چھت اور دیواریں بھی نہ ہوں، کعبہ تب بھی کعبہ ہی ہے اور مخلوقات کا مسجود الیہا ہے بلکہ صورت کعبہ ایک ایسا معنی ہے کہ عقلیں اس کو سمجھنے سے عاجز ہیں۔ یہ صورت، حقیقت کی صفت رکھتی ہے اور حقیقت کعبہ اس سے ماوراء ہے جبکہ عقلیں اُس

صورت کو سمجھنے سے عاجز ہیں، تو وہ حقیقت تک کیا پہنچیں گی، اس کی جہت کی طرف توجہ کرنے سے ہی کعبہ کی برکات سے فیض یاب اور اس کی حقیقت سے بہر مند ہونا ہے۔

حقیقت کعبہ اور حقیقت قرآن، حقیقت نماز کا جزء

مکتوبات مجددیہ دفتر سوم مکتوب ۷۷ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس مرتبۂ مقدسہ (یعنی حقیقت قرآن مجید) کے اوپر ایک بہت بلند مرتبہ ہے جس کو حقیقت صلوٰۃ کہتے ہیں اور عالم شہادت میں اس کی صورت مصلیان ارباب نہایت (منتہی نمازیوں) کے ساتھ قائم ہے۔ آگے فرماتے ہیں: اس مرتبۂ مقدسہ میں کمال درجہ وسعت اور امتیاز بے چون ہے کیونکہ اگر "حقیقت کعبہ" ہے تو وہ بھی اسی (یعنی حقیقت نماز) کا جزو ہے اور اگر "حقیقت قرآن" ہے تو وہ بھی اسی کا حصہ ہے کیونکہ نماز، مراتب عبادات کے ان تمام کمالات کی جامع ہے جو اصل الاصل کی نسبت سے ثابت ہے کیونکہ معبودیت صرفہ اسی کے لئے ثابت ہے۔

حقیقت قرآن اور حقیقت نماز

حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے صاحبزادے حضرت شیخ عبد الاحد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مکتوبات معصومیہ میں دفتر سوم مکتوب ۱۴۰ میں تحریر فرماتے ہیں: فرزند ارجمند شیخ عبد الاحد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پوچھا ہے کہ حقیقت قرآنی مبداء وسعت بے چونی ذات تعالیٰ سے عبارت ہے، آپ بیان کریں کہ حقیقت صلوٰۃ کس اعتبار و شان سے عبارت ہے، آپ جان لیں کہ حضرت عالی (مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قدس سرہ) نے حقیقت صلوٰۃ کے بارے میں لکھا ہے کہ اس مقام میں کمال وسعت بے چونی ہے، پس حقیقت قرآنی مبداء وسعت ہے اور اس جگہ (حقیقت صلوٰۃ میں) کمال وسعت ہے، لیکن اس کو ماننے کی صورت میں شبہ وارد ہوتا ہے کہ مبداء شئ کو شئ پر

سبقت و فوقیت حاصل ہے، پس حقیقت قرآنی، حقیقت قرآن پر مقدم ہونا چاہیئے، حالانکہ انہوں نے (مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے) حقیقت صلوٰۃ کو حقیقت قرآنی سے اوپر لکھا ہے۔ جواب میں خواجہ معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ہو سکتا ہے کہ یہ مبداء ہونا سالک کے عروج کی جانب میں ہو یعنی عروج کے مدارج میں وسعت کا شروع حقیقت قرآنی سے ہو اور اس کا کمال اوپر کی حقیقت میں ہو اور اس اعتبار سے مبداء ہونے کی تاخر ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ تفوق دونوں جانب سے ہے (اور) دو اعتبار سے ہے، حقیقت قرآنی چونکہ حقیقت صلوٰۃ کا جزو ہے جیسا کہ حضرت عالی (مجدد قدس سرہ) نے لکھا ہے کہ اگر حقیقت کعبہ ہے تو اس کا جزو ہے اور اگر حقیقت قرآنی ہے تو وہ بھی اس کا جزو ہے، کیونکہ نماز عبادات کے تمام کمالات و مراتب کی جامع ہے کہ اصل الاصل کی نسبت کے ساتھ ثابت ہے اور (اس میں) شک نہیں ہے کہ جز کو کل پر تقدم حاصل ہے اور کل کو فضیلت حاصل ہے کیونکہ کل اس جزو پر بھی مشتمل ہے اور دوسرے اجزاء پر بھی۔ پس ظاہر کے اعتبار سے جزو کو اور باطن اور مرتبے کے اعتبار سے کل کو فوقیت حاصل ہے۔

نماز کی لذت میں نفس کا دخل نہیں

مکتوبات دفتر اول مکتوب ۱۳۷ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک اور خاص بات کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ "وہ لذت جو عین نماز کی حالت میں حاصل ہوتی ہے اس میں نفس کا بھی کچھ فائدہ نہیں ہے بلکہ وہ عین اس لذت کے وقت نالہ وفغاں میں ہوتا ہے"۔

وہ فرماتے ہیں کہ نماز ایسی عبادت ہے کہ نفس کو اس میں لذت مل ہی نہیں سکتی، اگر ملتی ہے تو دل کی لذت ہوتی ہے۔ اس مکتوب میں عجیب عبارت لکھی ہے کہ پہلے ذوق و شوق ہوتا ہے جو ولایت

کے درجات ہیں اور جو ولایت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہے اس میں بے حلاوتی ہو جاتی ہے، حیرت ہو جاتی ہے اور قرب بڑھ جاتا ہے۔

حقیقت صلوٰۃ کے متعلق اشارات

مکتوبات مجددیہ دفتر دوم مکتوب ۸۷ میں فرماتے ہیں **کان رسول اللہ ﷺ دائم الحزن متواصل الفکر**۔ "رسول اللہ ﷺ متواتر مغموم فکر مند رہتے تھے"۔ ان بزرگوں کی لذت، محبوب کی اطاعت میں ہے اور بس! اور ان کا اُنس اس کی بندگی پر موقوف ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد پاک ہے: **أرحني یا بلال** "اے بلال (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! مجھے راحت پہنچاؤ" میں اسی طرف اشارہ ہے اور **قرۃ عینی فی الصلوٰۃ** "میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے" اسی کی ایک رمز ہے، دوسرے حضرات شہود کی لذت کے ساتھ لطف اندوز ہوتے ہیں اور وصال کے خیال پر فریفتہ ہوتے ہیں۔ ان حضرات نے اس شہود سے آنکھ بند کی ہوئی ہے اور اس وصال کو خیال تصور کر کے غیب کے ساتھ، جو کہ شہود پر ہزاروں درجہ فضیلت رکھتا ہے مطمئن ہیں اور کمر ہمت کو اس کی بندگی پر چست باندھے ہوئے ہیں تحریمہ اولیٰ (تکبیر اولیٰ) کو جسے وہ امام کے ساتھ پاتے ہیں، تجلیات و ظہورات سے بہتر جانتے ہیں اور خشوع (عاجزی) اور سجدہ کی جگہ پر نگاہ جمانے کو، کہ حدیث شریف **متع بصرک بموضع سجودک** "تو اپنی نگاہ کو اپنے سجدہ کی جگہ پر رکھ" جس پر دال ہے، اور آیت کریمہ **قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (۱) الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (المومنون ۲)** وہ مومنین کامیاب ہوئے جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں"۔ جس کی مخبر ہے، شہود و مشاہدہ سے زیادہ تصور فرماتے ہیں۔ نماز اسی (ظاہری) صورت پر موقوف نہیں ہے (بلکہ) عالم غیب الغیب میں ایک حقیقت رکھتی ہے جو کہ تمام حقیقتوں سے بلند اور مشاہدات و تجلیات سے بالاتر ہے۔ مشاہدہ کی حدیث

(قدسی) شریف قف یا محمد فان اللہ یصلی "اے محمد ﷺ! ٹھہر جایئے پس بے شک اللہ تعالیٰ نزول رحمت میں ہے" میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے جس قدر اس (نماز) کی (ظاہری) صورت کی تکمیل میں کوشش کی جائے اور خشوع و آداب کو کامل طور پر ادا کرنے میں کوشش کی جائے، اس حقیقت کے ساتھ (اسی قدر) مناسبت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اسی برکات سے بہت زیادہ بہرہ ور ہو جاتا ہے اور جو شخص کہ شہود کی بندش اور ظہورات کی قید میں ہے اس حقیقت سے محروم و مستور ہے، اسی بناء پر اس کی صورت کی تکمیل کو، جو کہ حقیقت کی طرف ایک راستہ رکھتی ہے، مشاہدات و تجلیات سے بہتر سمجھتا ہے اور بلند ہمتی کے باعث ان پر قناعت نہیں کرتا۔

حقیقت نماز میں مختلف کیفیات

"ھدایۃ الطالبین" میں حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ جو سالک اس حقیقت مقدسہ سے بہرہ ور ہوا، وہ اقامت صلوٰۃ کے وقت گویا اس دنیا سے باہر آجاتا ہے اور دوسری دنیا (یعنی عالم غیب) میں چلا جاتا ہے اور رؤیت اخروی کے مشابہ حالت حاصل کر لیتا ہے، تکبیر تحریمہ کے دوران دونوں جہان سے ہاتھ اُٹھا کر اور ان کے کو پس پشت ڈال کر اللہ اکبر کہتا ہوا حضرت سلطان ذیشان جل جلالہ کے حضور حاضر ہوتا ہے اور حضرت حق جل جلالہ کی عظمت و کبریائی کی ہیئت سے خود کو محض ذلیل اور ناچیز سمجھ کر محبوب حقیقی پر قربان ہو جاتا ہے اور قراءت کے وقت وجود مرہوب ہو، جو اس مقام کو سزاوار ہے، موجود ہو کر حضرت حق سبحانہ کے ساتھ متکلم اور اس جناب مقدس سے مخاطب ہوتا ہے یعنی جب قراءت کر رہا ہوتا ہے تو حدیث پاک میں بھی ہے کہ بندہ اپنے رب سے ہم کلام ہوتا ہے، جب بندہ کہتا ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِینَ (الفاتحہ ۱) تو اللہ تعالیٰ ہی فرماتا ہے: حمدنی عبدی (صحیح مسلم ۳۹۵) "میرے بندے نے میری حمد

بیان کی" پھر فرماتے ہیں: گویا اس کی زبان شجرۂ موسوی بن جاتی ہے جیسا کہ حقیقت قرآن مجید کے سلسلے میں ذکر ہوا اور جب وہ رکوع میں جاتا ہے اور حد درجہ خشوع ظاہر کرتا ہے تو مزید قرب سے ممتاز ہو جاتا ہے اور تسبیح پڑھتے وقت ایک خاص کیفیت سے مشرف ہوتا ہے، پھر نعمت پر شکر کرتا ہوا قومہ کرتا ہے اور حضرت حق سبحانہ کے حضور میں سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے، قومہ کا راز جیسا کہ میری فہم ناقص میں آیا ہے، یہ کہ چونکہ اب ادائے سجود کا قصد رکھتا ہے سا لئے قیام کے بعد سجدے میں جانا مزید عاجزی کا موجب ہے، جب وہ رکوع سے سجدے میں جاتا ہے تو سجہ ادا کرتے وقت جو قرب اسے حاصل ہوتا ہے وہ ناقابل بیان ہے، عقل اس کے ادراک سے عاجز اور قاصر ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ساری نماز کا خلاصہ سجود ہی سجود ہے۔ حدیث قدسی میں ہے کہ سجدہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کے دو قدموں پر سجدہ کرتا ہے اور یہ آیت کریمہ:

وَاسْجُدْوَاقْتَرِبْ (العلق ۱۹)

ترجمہ: اور سجدہ کرو اور ہم سے قریب ہو جاؤ۔

اسی قرب کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ:

سر در قدمش بردہر بار چہ خوش باشد
راز دل خود گفتن با یار چہ خوش باشد

سر کو ہر بار اس کے قدموں پر جھکانا خوب ہے ۔۔۔ اس کے آگے دل کی باتیں لب پہ لانا خوب ہے

نماز کے سنن و آداب بجالانے کے حقائق کا حصول

صاحب شفاء القلوب فرماتے ہیں کہ جب نماز ادا کرتے وقت سنن اور آداب کو، جیسا کہ چاہیئے بجالایا جاتا ہے مثلاً نماز کے آداب میں سے ہے کہ نماز میں قیام کے وقت سجدے کی جگہ پر نظر رکھے

اور رکوع میں دونوں قدموں پر، سجدے میں ناک کی نرمی پر، قعود (بیٹھنے) میں دونوں گھٹنوں پر، اور اسی طرح دوسرے تمام آداب کی بھی رعایت کرے تو ضرور حقیقت نماز جلوہ فرماتی ہے اور یہ کہ بعض لوگ حضور اور جمعیت کے لئے قیام میں آنکھیں بند کر کے متوجہ ہوتے ہیں، ان چیزوں سے لطائف کا حضور تو البتہ پیدا ہو جاتا ہے لیکن فوق کی نسبتوں کے ظہور کے لئے آنکھیں بند کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ یہاں ہر قسم کا حضور قالب ہی کے لئے ہوتا ہے اور قالب کا حضور سنت کے مطابق آداب کی رعایت سے ہوتا ہے اور نماز کے قیام میں آنکھوں کو بند کرنا خلاف اولیٰ ہے اگرچہ حضوری توجہ کے لئے جائز کیا گیا ہے"۔

مکتوبات معصومیہ دفتر دوم مکتوب ۷۸ میں حضرت مجدد الف ثانی اسی بات کو سمجھاتے ہیں کہ "نماز اسی ظاہری صورت پر موقوف نہیں ہے بلکہ عالم غیب میں ایک حقیقت رکھتی ہے جو کہ تمام حقیقتوں سے اوپر اور مشاہدات و تجلیات سے بالاتر ہے"۔

پھر آگے فرماتے ہیں: "جس قدر اس (نماز) کی (ظاہری) صورت کی تکمیل میں کوشش کی جائے اور خشوع اور آداب کو کامل طور پر ادا کرنے میں جدوجہد کی جائے اس حقیقت کے ساتھ (اس قدر) مناسبت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اس کی برکات سے بہت مستفید ہو جاتا ہے"۔

۳۰) نیت مراقبہ معبودیت صرفہ: فیض می آید از حضرت ذات بیچون کہ منشاء معبودیت صرفہ است بہ ہیئت وحدانی من بواسطہ پیران کبار۔

(توقف۔۔۔۔روز)

ترجمہ: حضرت ذات حق تعالیٰ بے چوں کہ جو منشاء معبودیت صرف ہے سے مشائخ عظام کے وسیلہ جلیلہ سے میری ہیئت وحدانی میں فیض آرہا ہے۔ **(توقف روز)**

تشریح: یہ مقام مرتبہ صلوٰۃ سے فوق ہے کیونکہ اس کے اوپر محض مرتبہ وجوب ہے۔ حضرت تقدس وتعالیٰ کے مرتبہ تجرد و تنزیہہ کے واسطے سے صادر ہے۔ عارفین کاملین کی سیر قدمی کی نہایت حقیقت صلوٰۃ کی نہایت تک ہے اس کے اوپر معبودیت صرف ہے۔ اس دولت میں کسی کو کسی طرح بھی شرکت کی اجازت نہیں تاکہ اوپر کوئی قدم رکھے یہاں تک تو عبادت و عابدیت کی آمیزش تھی، نظر کی طرح قدم کی بھی گنجائش ہے اور جب معاملہ معبودیت محضہ تک پہنچتا ہے تو قدم کو تاہی کرتا ہے اور اس کی سیر ختم ہو جاتی ہے لیکن بحمدہ تعالیٰ وہاں سیر نظری کی ممانعت نہیں اور عارف کی استعداد کے مطابق نظر کی اجازت ہے اور یہاں کلمہ طیبہ کی حقیقت بالکل عیاں ہو جاتی ہے۔ غیر مستحقہ آلہہ کی عبادت کی اس جگہ نفی متصور ہوتی ہے اور معبود حقیقی کا اثبات کہ جس کے سوا کوئی عبادت کے مستحق نہیں، اس مقام میں حاصل ہوتا ہے۔ عابدیت و معبودیت میں فرق بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ مبتدی و متوسط کے حال کے مناسب لا موجود اور **لا مطلوب الا اللہ** ہے۔ اس سے فوق **لا مقصود الا اللہ** ہے، سب سے فوق **لا معبود الا اللہ** ہے۔ اس مقام کے مناسب ہے۔ یہ بھی یاد رکھیئے کہ اس مقام میں ترقی اور نظر میں تیزی عبادت کے واسطہ سے وابستہ ہے۔ دوسری عبادتیں شاید اس کی تکمیل میں مدد کریں **(خلاصہ مکتوب نمبر ۷۷ دفتر سوم)** تفصیل شرح مراقبات میں آئے گی۔ **انشاءاللہ العزیز**۔

صاحب **شفاء القلوب** فرماتے ہیں کہ صرفہ کہتے ہیں خالص کو یعنی یہ خالص معبودیت ہے جو کہ حقیقت نماز سے بھی اونچا مقام ہے۔ حقائق الٰہیہ کی سیر یہاں ختم ہو جاتی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ مکتوبات ۷۷ میں فرماتے ہیں: "اور "حقیقت صلوٰۃ" جو کہ تمام عبادات کی جامع ہے، اس مرتبہ میں وہ (یعنی نماز) اس مرتبۂ مقدسہ کی بھی عبادت ہے جو اس

سے اوپر ہے کیونکہ معبودیت صرفہ کا استحقاق بھی اسی مرتبۂ فوق کے لئے ثابت ہے جو کہ "اصل کُل" ہے اور سب کی جائے پناہ ہے، اس مقام میں سعت بھی کوتاہی کرتی ہے اور امتیاز بھی راستہ میں رہ جاتا ہے اگرچہ وہ بے چون وبے چگون ہو"۔

جس طرح حقیقت صلوٰۃ کے مرتبہ کی عبادت نماز ہے اسی طرح معبودیت صرفہ کے مقام کی عبادت بھی نماز ہے۔ معبودیت صرفہ کا تعلق قدم سے نہیں، نظر سے ہے، اگرچہ معبودیت صرفہ کے مقام کی عبادت بھی نماز ہے، لیکن حقیقت صلوٰۃ میں اور معبودیت صرفہ کے مقامات میں ایک بنیادی فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام انبیاء و اولیاء کے قدم صرف حقیقت صلوٰۃ تک ہی پہنچ سکتے ہیں، حقیقت صلوٰۃ کے بعد معبودیت صرفہ کا مقام ہے وہاں سیر نظری تو ہو سکتی ہے لیکن اس مقام پر سیر قدمی کسی کو بھی نصیب نہیں ہو سکتی، قدمی سیر ختم ہو گئی۔ کیونکہ سیر قدمی عابدیت کے مقام تک تھی جو کہ حقیقت صلوٰۃ کا مقام تھا۔ "اربع انہار" میں حضرت شاہ احمد سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ "نظر یعنی فکر سے فیض لے سکتا ہے کیونکہ نظر ہر جگہ پہنچ سکتی ہے"۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے مکتوبات کے دفتر سوم مکتوب ۷۷ میں فرماتے ہیں: "کامل انبیاء و اکابر اولیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات اولاً و آخراً کے اقدام کا منتہا "حقیقت صلوٰۃ" کے مقام کی انتہا ہے اور اس مقام سے اوپر معبودیت صرفہ کا مقام ہے، جہاں کسی کو کسی طرح اس دولت میں جرأت نہیں ہے کہ اس سے اوپر قدم رکھ سکے کیونکہ ہر وہ مقام جہاں عبادت اور عبادیت کی آمیزش ہے وہاں تک تو نظر کی طرح قدم کے لئے بھی گنجائش ہے لیکن جب معاملہ "معبودیت صرفہ" تک پہنچ جاتا ہے تو قدم بھی کوتاہی کرتا ہے اور سیر بھی انجام کو پہنچ جاتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ نظر کو اس جگہ سے منع نہیں، فرمایا اور اس کی استعداد کے مطابق گنجائش بخشی ہے۔

بلا بودے اگر ایں ہم نہ بودے

یعنی مصیبت تھی اگر یہ بھی نہ ہوتا

روایات میں منقول ہے کہ معراج کے واقعہ میں ایک ایسا موقع آیا تھا کہ محبوب ﷺ سے فرمایا گیا تھا "قف یا محمد" "اے محمد ﷺ ٹھہر جائیں" فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ اس امر میں اسی قدم کی طرف اشارہ ہو یعنی آپ ﷺ ٹھہر جائیں اور قدم آگے نہ رکھیں کیونکہ یہاں مرتبۂ صلوٰۃ سے بلند مرتبہ، جو کہ مرتبۂ وجوب سے صادر ہے وہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کا مرتبہ تجرد و تنزہ ہے، جہاں نہ قدم کی جولاں گاہ ہے اور نہ گنجائش ہے"۔

چنانچہ حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شیخ حضرت مرزا جان جانان نے مرتبۂ معبودیت صرفہ میں توجہ فرمائی تو حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس بارے میں "ھدایۃ الطالبین" میں فرماتے ہیں کہ "پھر حضرت پیر صاحب نے اس عاجز پر اس عالی مقام میں توجہ فرمائی تو عاجز نے دیکھا کہ میں ایک مقام پر ہوں جس کے اوپر ایک بہت بڑا بلند اور بے رنگ مقام ہے میں نے ہر چند چاہا کہ وہاں تک پہنچ جاؤں لیکن نہ پہنچ سکا، اس وقت معلوم ہوا کہ یہ مقام "معبودیت صرفہ" کا ہے کہ وہاں قدم رکھنے کی گنجائش نہیں، مگر جہاں تک نظر پہنچے اس کی گنجائش ہے کہ دیکھ لے"۔

پھر ایک شعر نقل فرماتے ہیں:

تماشا کنان کوتاہ دست تو درخت بلند و بالائی

ترجمہ: "تو وہ سرو بلند و بالا ہے دیکھنے والے کیا بڑھائیں ہاتھ"۔

معبودیت صرفہ میں کلمہ طیبہ کی حقیقت متحقق ہو جاتی ہے۔ دفتر سوم کے مکتوب ۷۷ میں ہی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں: کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کی حقیقت اس مقام

(یعنی معبودیت صرفہ) میں متحقق ہو جاتی ہے اور غیر متحقق کی عبادت کی نفی میں صورت اختیار کرتی ہے اور معبود حقیقی کا اثبات، یعنی اس (حق تعالیٰ) کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں، اس مقام میں حاصل ہو جاتا ہے اور عابدیت اور معبودیت کے درمیان کمال درجہ کا اختیار اس جگہ ظاہر ہوتا ہے اور عابد معبود سے کماحقہ جدا ہو جاتا ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کے معنی بعض منتہیوں کے حال کی نسبت سے لا معبود الا اللہ (نہیں معبود مگر اللہ) ہیں، جیسا کہ شرع شریف میں اس کلمہ کے معنی مقرر ہو چکے ہیں اور لا موجود، ولا وجود اور لا مقصود کہنا ابتدائی اور درمیانی نسبت سے ہے اور لا مقصود کا مرتبہ لا موجود اور لا وجود کے مرتبے سے بلند ہے کیونکہ وہ لا معبود الا اللہ کا دریچہ ہے۔

حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی "ھدایت الطالبین" میں تحریر فرماتے ہیں: "اسی مقام پر کلمہ طیبہ "لا معبود الا اللہ" کے معنی کا راز جلوہ گر ہوا اور صاف طور پر ظاہر ہو گیا کہ فی الحقیقت ہر طرح کی عبادت کا حق سوائے اللہ تعالیٰ کی احدیت کے کسی کو نہیں پہنچتا، اگرچہ اسماء و صفات کیوں نہ ہوں اور تمام ممکنات کے لئے اس امر کی لیاقت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جو بھی ہو شرک کی یہاں کوئی حقیقت نہیں رہتی بلکہ وہ بیخ و بن سے اکھڑ جاتا ہے۔ اس مقام میں نظر کی ترقی عبادت نماز سے وابستہ ہے۔

اسی مکتوب کے آخر میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جاننا چاہیئے اس مقام میں نظر کی ترقی اور نگاہ میں تیزی صلوٰۃ (نماز) کی عبادت سے وابستہ ہے جو منتہیوں کا کام ہے، دوسری عبادات بھی شاید مدد فرمائیں اور اس کے نقصان کی تلافی کریں، اس لئے نماز کو بھی ایمان کی

طرح حسن لذاته (یعنی اصل اور ذات میں خوب اور بہتر) کہتے ہیں اور دوسری عبادتیں حسن لذاتھا (اپنی ذات میں حسن) نہیں ہیں۔

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ وصول نظری سے کیا مراد ہے؟ مکتوبات معصومیہ کے دفتر دوم مکتوب ۱۱۹ میں حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: اگر کہیں کہ رؤیت بصری و مشاہدہ قلبی دنیا میں واقع نہیں ہوتا تو اس بارگاہ میں وصول نظری کس معنی میں ہوگا؟ ہم کہتے ہیں کہ یہ نظر رؤیت و مشاہدہ سے ماوراء ایک بے کیف امر ہے، جب تک تو اس کو نہ پہنچے اس کے معنی کو نہیں سمجھ سکے گا۔ گویا کہ متشابہات کی قسم سے ہے۔

ہمارے عالی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ "وصول نظری اور وصول قدری اس معنی میں نہیں ہیں، کہ وہاں شہود و مشاہدہ ہے یا قدم کی گنجائش ہے۔ اس جگہ تو بال برابر بھی گنجائش نہیں کجا کہ قدم کی، بلکہ یہ ایک مجہول کیفیت والا وصول ہے۔ اگر صورت مثالیہ میں نظر کے ذریعے سے منقش ہوا تو (اس کو) وصول نظری کہتے ہیں اور اگر قدم کے ذریعے سے ہوا تو وصول قدمی ہے، ورنہ نظر و قدم دونوں اس بارگاہ میں بے خود و حیران ہیں"۔

نماز تمام عبادتوں کی جامع ہے

مکتوبات مجددیہ دفتر اول مکتوب ۲۶۱ میں ہے: معلوم ہوا کہ اسلام کے پنجگانہ ارکان میں سے "نماز" رکن دوم ہے جو تمام عبادتوں کی جامع ہے اور ایک ایسا جزو ہے کہ جس نے اپنی جامعیت کی وجہ سے کل کا حکم پا لیا ہے اور تمام مقرب اعمال پر سبقت لے گئی ہے، اور وہ دولت رؤیت (باری تعالیٰ) جو سرور عالمین علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات کو شب معراج، بہشت میں میسر ہوئی تھی دنیا میں نزول فرمانے کے بعد اس جہان کے مناسب آپ ﷺ کو وہ دولت نماز میں میسر ہوتی تھی"۔

آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ:

أقرب مایکون العبد الی الرب فی الصلوٰۃ۔ (کنز العمال: ۳۳۴۸)

یعنی "سب سے زیادہ اعلیٰ قرب، جو بندے کو رب سے حاصل ہوتا ہے، وہ نماز میں ہے"۔

اب آگے نماز کی عظمت کے بارے میں چند الفاظ تحریر فرماتے ہیں: آپ کے کامل فرماں برداروں کو بھی اس جہاں میں اس دولت کا بہت بڑا حصہ نماز میں حاصل ہے اگرچہ حقیقی رؤیت میسر نہیں ہے کیونکہ یہ جہاں اس کی تاب و طاقت نہیں رکھتا، اگر (حق تعالیٰ) نماز کا حکم نہ فرماتا تو مقصود کے چہرے سے نقاب کون اُٹھاتا اور طالب کو مطلوب کی طرف رہنمائی کون کرتا۔ نماز ہی ہے جو غمگساروں کے لئے لذت بخش ہے اور نماز ہی ہے جو بیماروں کے لئے راحت جاں ہے۔

چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے:

أرحنی یا بلال۔

"اے بلال (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! مجھے (نماز کے ذریعہ) راحت پہنچاؤ"۔

اس حقیقت کا رمز ہے اور قرۃ عینی فی الصلوٰۃ ("میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے"۔) میں اسی آرزو کی طرف اشارہ ہے وہ ذوق و مواجید، معالم و معارف، احوال و مقامات، انوارات الوان، تلوینات و تمکینات، (بے قراری و اطمینان)، تجلیات متکیفہ و غیر متکیفہ (کیفیت والی اور بے کیفیت والی) اور ظہورات متلونہ و غیر متلونہ (رنگا رنگ اور بے رنگ)، ان میں سے جو کچھ نماز کے علاوہ (اوقات میں) میسر ہوں اور نماز کی حقیقت سے آگاہی بغیر ظاہر ہوں، ان سب کا منشاء ظلال و امثال ہیں بلکہ وہم اور خیال سے پیدا ہوئے ہیں۔ (بس نماز میں ذات کی طرف دھیان ہونا چاہیئے، اس کے علاوہ جو کیفیات اور واردات ہیں ان کی طرف سالک کو توجہ نہیں کرنی چاہیئے۔ سبحان اللہ! عجیب بات لکھی ہے)، وہ نمازی جو نماز کی حقیقت سے آگاہ ہے، نماز کی ادائیگی کے وقت گویا

عالم دنیا سے باہر نکل جاتا ہے اور عالم آخرت میں پہنچ جاتا ہے لہٰذا وہ اس وقت اس دولت سے، جو آخرت کے ساتھ مخصوص ہے حاصل کر لیتا ہے اور اصل سے ظلیت کی آمیزش کے بغیر فائدہ اُٹھاتا ہے۔

بعض لوگوں نے سماع و نغمہ وغیرہ سے لذت پانے کی طرف اشارہ کیا ہے تو ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ایسی باتیں "حقیقت نماز" سے عدم آگاہی (بے خبری) کی وجہ سے ہیں۔ بلکہ اس طائفہ (صوفیہ) کی ایک کثیر جماعت نے اپنے اضطراب و بے قراری کی تسکین کو سماع و نغمہ اور وجد و تواجد میں تلاش کیا اور اپنے مطلوب کو نغمہ کے پردوں میں مطالعہ کیا اور رقص اور رقاصی کو اپنا مسلک بنا لیا، حالانکہ انہوں سے سنا ہو گا۔ **ما جعل اللہ فی الحرام شفاء۔** ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے حرام چیز میں شفاء نہیں رکھی ہے" ہاں! **الغریق یتعلق بکل حشیش و حب الشئیء یعمی و یصم۔** ترجمہ: "ڈوبنے والا شخص ہر ایک تنکے کا سہارا لیتا ہے اور کسی چیز کی محبت اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے" اگر نماز کے کمالات کی کچھ بھی حقیقت ان پر منکشف ہو جاتی تو وہ ہرگز سماع و نغمہ کا دم نہ بھرتے اور وجد و تواجد کو یاد نہ کرتے۔

نیز ایک بہت ہی عجیب بات فرماتے ہیں کہ "اس مکتوب کے مطالعہ کے بعد اگر آپ کو نماز سیکھنے اور اس کے بعض مخصوص کمالات حاصل کرنے کا خیال پیدا ہوا اور وہ (شوق) آپ کو بے آرام کر دے تو استخارہ کے بعد اس طرف متوجہ ہو جائیں اور عمر کا ایک حصہ نماز سیکھنے میں گزاریں"۔ اور فرماتے ہیں کہ اگر نماز کے کمالات کی اہمیت سمجھ میں آ گئی ہے تو پھر آپ اس طرف متوجہ ہوں اور میرے پاس آئیں اور عمر کا ایک حصہ نماز کے سیکھنے میں صرف کر دیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نماز کی حقیقت نصیب فرما دیں، آمین!

اثرات: اس دائرے میں سیر قدمی کی گنجائش نہیں یعنی پرواز سے اس میں نہیں پہنچ سکتا، بلکہ سیر نظری ہے، نظر یعنی فکر سے فیض لے سکتا ہے کیونکہ نظر ہر جگہ پہنچ سکتی ہے، قدم صرف مقامات عابدیت میں پہنچتا ہے اور یہ مقام معبودیت صرفہ ہے، اس جگہ عابدیت اور معبودیت میں فرق ظاہر ہوتا ہے اور اس بات کا تعین کامل بھی اسی مقام میں حاصل ہو جاتا ہے کہ معبود حقیقی یعنی احدیت مجردہ کے سوا کوئی اور کسی قسم کی عبادت کا مستحق نہیں اگرچہ اسماء وصفات ہی کیوں نہ ہوں، گویا کلمۂ طیبہ "لا الٰہ الا اللّٰہ" کی اصل حقیقت اس جگہ منکشف ہوتی ہے کہ منتہیوں کے لئے اس کلمہ کے معنی "لا معبود الا اللّٰہ" اور عابد معبود سے **کما ینبغی** جدا ہو جاتا ہے اور شرک کی جڑ یہاں بنیاد سے اکھڑ جاتی ہے۔ اس مقام مقدسہ میں نماز کی عبادت پر ترقی منحصر ہے۔

فائدہ: حقائق الٰہیہ کی سیر یہاں تک تھی، اب حقائق انبیاء علیہم السلام کا بیان ہوتا ہے اور یہ حقائق انبیاء جو کہ تعین حبی میں واقع ہیں اصل میں ولایت کبریٰ میں داخل ہیں، چونکہ آخر میں منکشف ہوئے ہیں اس لئے سیر وسلوک میں بھی آخر میں واقع ہوئے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ جس طرح حقائق الٰہیہ میں ترقی اللہ تبارک وتعالیٰ کے محض فضل پر موقوف ہے اسی طرح حقائق انبیاء میں ترقی سید الابرار ﷺ کی محبت پر موقوف جانیں۔ جیسا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ اپنی ذات کو دوست رکھتا اسی طرح اپنی صفات وافعال کو بھی دوست رکھتا ہے، پس محبت کی دو قسمیں ہوئیں:

۱۔ محبیت　　　　　　۲۔ محبوبیت

محبیت ذاتیہ کے کمالات کا ظہور حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ہوا اور محبوبیت کی بھی دو قسمیں ہیں: محبوبیت ذاتی اور محبوبیت صفاتی واسمائی۔

محبوبیت صفاتی و اسمائی کا ظہور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام و دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں متحقق ہوا اور محبوبیت ذاتی کا ظہور حقیقت محمدی واحمدی ﷺ میں متحقق ہوا۔ پس اول کمالات صفاتی و حقیقت ابراہیمی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں سیر شروع ہوتی ہے پھر حقیقت موسوی میں، پھر حقیقت محمدی واحمدی ﷺ میں سیر واقع ہوگی۔

۳۱)نیت مراقبہ حقیقت ابراہیمیؑ: فیض می آید از حضرت ذات بیچون کہ محبِ صفات خود است و منشاء حقیقتِ ابراہیمی علیہ السلام است بہ ہیئت وحدانی من بواسطہ پیران کبار۔(توقف۔۔۔روز)

ترجمہ: حضرت بے چوں ذات حق تعالیٰ جو کہ اپنی صفات کی محب اور منشاء حقیقت ابراہیمی علیہ السلام ہے سے مشائخ عظام علیہم السلام کے توسل سے میری ہیئت وحدانی میں فیض آ رہا ہے۔ (توقف)

تشریح: اس مقام پر سالک کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے ایک خاص قسم کا انس پیدا ہو جاتا ہے اور تمام مخلوق سے اس قدر بے توجہی وبے التفاتی ہو جاتی ہے کہ کسی توسط و توسل پر راضی نہیں ہوتا گویا حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے آتش نمرود میں جو جواب حضرت جبریل علیہ السلام کو دیا تھا (اما الیک فلا) یعنی مجھے تیری کوئی حاجت نہیں، اس کا مصداق بن جاتا ہے اور یہاں درود ابراہیم علیہ السلام کا پڑھنا زیادہ مفید اور باعث ترقی ہے۔

اثرات: اس بلند مقام میں سالک کو حضرت حق سبحانہ کے ساتھ خاص اُنسیت اور محبوبیت ظاہر ہو کر کمالات صفاتی و محبوبیت اسماء کا ظہور ہوتا ہے، مقام خلت اسی سے کنایہ ہے اور اس کا دائرہ کو "دائرہ خلت" بھی کہتے ہیں اور یہ نہایت عجیب و کثیر البرکات مقام ہے، انبیاء علیہم السلام اس مقام

میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے تابع ہیں اور سید الابرار حبیب خدا ﷺ کو بھی حکم اتباع ملت ابراہیم حنیف علیہ السلام سے مامور فرمایا، اسی لئے حضور ﷺ نے اپنے درود کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درود سے تشبیہ فرمائی جیسا کہ نماز میں پڑھا جاتا ہے۔ پس اس مقام میں درود ابراہیمی (نماز والا درود) پڑھنا بہت خیر و برکت کا باعث ہے اور سالک کو ذات حق سبحانہ کے ساتھ خاص انس و خلت و بے خودی پیدا ہو جاتی ہے اور محبوبیت صفاتی جو کہ عالم مجاز میں خط و خال اور قدو عارض وغیرہ سے تعبیر کی جاتی ہے بطور عکس جلوہ گر ہوتی ہے، سای لئے سالک ماسوائے ذات کے کسی طرف متوجہ نہیں ہوتا اگرچہ وہ اسماء وصفات ہوں یا ظلال اور مزارات مشائخ کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہوں یا ارواح طیبہ و ملائکہ کرام علیہ السلام ربی اعلم بحالی یو غنینی عن سؤالی۔ ترجمہ: "میرا رب میرے حال کو میرے سوال سے زیادہ جانتا ہے" اس پر وارد رہتا ہے لیکن اس مقام میں اس قدر بے رنگی نہیں ہے جتنی کہ محبوبیت ذاتی میں ہے جیسا کہ آگے آتا ہے۔

اس مقام میں سالک کو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خصوصیت معلوم ہوتی ہے لیکن چاہیئے کہ سوائے حبیب خدا ﷺ کے ایسی خصوصیت کے ساتھ کسی کی طرف متوجہ نہ ہو بلکہ سب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کا طفیل سمجھے۔

۳۲) نیت مراقبہ حقیقت موسویٰؑ: فیض می آید از حضرت ذات بیچون کہ محب ذات خود است و منشاء حقیقت موسویؑ است بہ ہیئت وحدانی من بواسطہ پیران کبار رحمہم اللہ تعالیٰ۔ (توقف۔۔۔روز)

ترجمہ: اس ذات بے چوں حق تعالیٰ سے جو کہ اپنی ذات کی محب اور حقیقت موسوی کی منشاء ہے سے میری ہیئت وحدانی میں بوسیلہ مشائخ عظام فیض پہنچ رہا ہے۔ (توقف)

تشریح: اس مقام میں محبت ذاتیہ ہے۔ اس کے باوجود شان استغنائی اور بے نیازی بھی ظاہر ہوتی ہے۔ یہی راز ہے کہ بعض مواقع پر حضرت کلیم اللہ علیٰ نبینا وعلیہ السلام سے بظاہر خلاف ادب کلمات سرزد ہوئے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

أَتُهۡلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ مِنَّا إِنۡ هِيَ إِلَّا فِتۡنَتُكَ (الاعراف ۱۵۵)

کیا تو ہمیں اس کام پر ہلاک فرمائے گا جو ہمارے بے عقلوں نے کیا وہ نہیں مگر تیرا آزمانا۔

اور نیز یہ مقام، مقام شوق بھی ہے جیسا کہ فرمایا۔

رَبِّ أَرِنِي أَنۡظُرۡ إِلَيۡكَ (الاعراف ۱۴۳)

اے رب میرے مجھے اپنا دیدار دکھا۔

اس مقام کے عارف کو یہ درود شریف تقریباً تین ہزار کے قریب روزانہ پڑھنا مستحسن اور بہتر ہے لازم نہیں۔

اللھم صل علیٰ سیدنا محمد و علیٰ اخوانه من الانبیاء والمرسلین خصوصاً علیٰ کلیمک سیدنا موسیٰ۔

اثرات: صاحب شفاء القلوب فرماتے ہیں کہ اس مقام کو "دائرۂ محبت ذاتیہ صرفہ" بھی کہتے ہیں۔ اس مقام میں سالک کو کمالات محبیت یعنی محبت ذاتی کے ظہور کے باوجود استغناء اور بے نیازی کا بھی ظہور ہوتا ہے حالانکہ یہ اجتماع ضدین ہے اور بعض طبیعتوں سے بعض وقت بے ساختہ: رب ارنی انظر الیک۔ (ترجمہ: "اے میرے رب! تو مجھے اپنی ذات کا جلوہ دکھا تاکہ میں تیری طرف دیکھوں") نکلنے لگتا ہے۔ بعض متحمل ہوتے ہیں اور برداشت کر لیتے ہیں اور اس عالی مقام میں ایسے کمالات کا ظہور کم ہی ہوتا ہے اور کم ہونا ہی مناسب ہے۔

شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس مقام میں درود شریف: اللھم صل علی سیدنا محمد و اٰلہ و أصحابہ و علی جمیع الانبیاء و المرسلین خصوصاً علیٰ کلیمک موسیٰ علیہ السلام بکثرت پڑھنا ترقی بخشتا ہے۔

۳۳) نیت مراقبہ حقیقت محمدی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم: فیض می آید از حضرت ذات بیچون کہ محب ذات خود است و محبوب ذات خود است و منشاء حقیقت محمد صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلم ہیست بہ ہیئت وحدانی من بہ واسطہ پیران کبار رحمہم اللہ تعالیٰ۔ (توقف۔۔۔روز)

ترجمہ: بے چوں ذات حق تعالیٰ جو کہ اپنی ذات کی محب اور محبوب بھی ہے اور منشاء حقیقت محمدیہ ہے سے بوسیلہ مشائخ عظام میری ہیئت وحدانی پر فیض آرہا ہے۔

تشریح: یہ حقائق کی اصل اور حقیقت الحقائق ہے اور دیگر حقائق خواہ انبیاء علیہم السلام کی ہوں یا ملائکہ کی اس حقیقت الحقائق کے سامنے ظلال کی مانند ہے۔ اسی لیے آپ کی شان میں فرمایا:

لو لاک لما خلقت الافلاک و لما اظھرت الربوبیۃ۔

اسی بناء پہ خود حضور سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں:

اول ما خلق اللہ نوری اور اس کے اوپر کوئی حقیقت نہیں کیونکہ تعین اول کے دائرہ کا یہ مرکز ہے۔ سب سے افضل اولیاء محمدی المشرب کے سلوک کی یہ انتہا ہے اور اس سے ترقی جائز نہیں کیونکہ اس سے اوپر قدم رکھنا دائرہ امکان سے نکل کر وجوب میں قدم رکھنے کے مترادف ہے جو کہ شرعاً اور عقلاً محال ہے۔

میاں فقیر اللہ جلال آبادی فرماتے ہیں کہ قطب الاقطاب مجدد الف ثانی قدس اسرارہ کو تعین اول تعین جبی سے فوق جو عروجات نصیب ہوئے وہ مرض موت میں اس رات حاصل ہوئے جس شب کو آپ نے رحلت فرمائی، اس کی پوری تفصیل انشاء اللہ شرح مراقبات میں بیان کروں گا۔

اور اس مقام پر سالک کو نبی کریم ﷺ سے خاص محبت پیدا ہو جاتی ہے اور ہر امر میں حضور انور ﷺ کا ہی اتباع اچھا معلوم ہوتا ہے۔ امام الطریقہ امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے قول مبارک (خدارا ازاں مے پرستم کہ او رب محمد است) کے معنی اس جگہ ظاہر ہوتے ہیں یہاں یہ درود پڑھنا نہایت مفید ہے:

اللھم صل علیٰ سیدنا محمد و علیٰ اٰل سیدنا محمد افضل صلواتک بعدد معلوماتک وبارک وسلم۔

اثرات: صاحب شفاء القلوب فرماتے ہیں کہ اس مقام میں محبوبیت ذاتیہ کا محبیت ذاتیہ کے ساتھ مل کر ظہور ہوتا ہے اس لئے اس کو "دائرہ محبوبیت ذاتیہ ممتزجہ" کہتے ہیں اور اس کو "حقیقت الحقائق" اور "تعین اول" بھی کہتے ہیں، کیونکہ یہ دوسرے انبیاء و ملائکہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حقائق کی اصل ہے اور دوسروں کے حقائق اس کے لئے ظل کی مانند ہیں، اس مقدس مقام میں خاص طرز پر فنا و بقا حاصل ہوتی ہے اور سرور دین و دنیا ﷺ کے ساتھ ایک خاص قسم کا اتحاد میسر ہو جاتا ہے اور رفع توسط (جس کے اکابر اولیاء قائل ہوئے ہیں) کے معنی اس مقام میں ظاہر ہوتے ہیں اور تابع (سالک) متبوع (آنحضرت ﷺ) کے رنگ میں ایسی مشابہت پیدا کر لیتا ہے گویا کہ ہر دو ایک ہی چشمے سے پانی پیتے ہیں اور دونوں شیر و شکر کی مانند ہیں اور ان سب امور کے باوجود اس کو آں سرور عالم ﷺ سے اس درجہ محبت پیدا ہو جاتی ہے کہ امام الطریقت حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے

اس قول کے معنی ظاہر ہوتے ہیں کہ "میں خدائے عزوجل کو اس لئے دوست رکھتا ہوں کہ وہ محمد ﷺ کا رب ہے"۔

یہ مقام حقائق انبیاء علیہم السلام اور آسمانی کتابوں کے اسرار کا جامع ہے، سالک اس مقام میں تمام جزوی و کلی، دینی و دنیوی امور میں حبیب خدا ﷺ کے ساتھ مناسبت و مشابہت ہونے کو بہت ہی دوست رکھتا ہے۔ اس مقام کے اسرار بے حد ہیں جو نہ زبان پر لائے جاسکتے ہیں اور نہ ظاہری علم والوں کے لئے ان میں سے کوئی حصہ ہے اس مقام میں علم حدیث کی تعلیم کا شوق اور رغبت کلی حاصل ہو جاتی ہے۔ اس مقام میں درود شریف:ن اللھم صل علیٰ سیدنا محمد و علیٰ اٰل سیدنا محمد و اصحاب سیدنا محمد افضل صلو اتک عدد معلو ماتک و بارک و سلم بکثرت پڑھنا ترقی بخشتا ہے۔

۳۴)نیت مراقبہ حقیقت احمدی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم: فیض می آید از ذات بیچون کہ محبوب ذات خود است و منشاء حقیقت احمد صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلم است بہ ہیئت وحدانی من بواسطہ پیران کبار رحمہم اللہ تعالیٰ۔(توقف۔۔۔روز)

ترجمہ: فیض آرہاہے میری ہیئت وحدانی پر اس ذات پاک سے جو اپنی محبوب آپ ہے اور جو منشاء حقیقت احمدی ﷺ ہے۔

تشریح: یہ مقام محبوبیت محضہ ہے لیکن اس کا تعلق روحی ہے اور اس کو دائرہ محبوبیت صرفہ بھی کہا جاتا ہے یہاں بھی درود مفید ہے یعنی اس مقام میں درود شریف موجب ترقیات ہوتا ہے اسم احمد ﷺ میں جو میم ہے وہ مقام محبوبیت کا اشارہ کرتا ہے اور میم الگ کرنے کے بعد (احد) باقی رہتا ہے،

جس کے معنیٰ فرد یا یکتا کے ہیں، **ای المحبوب ﷺ فرد فی العبودیۃ والمحبوبیۃ۔** محبوب رب العالمین یکتا و فرد ہے اور عبدت اور محبوبیت میں حضرت فرید الدین عطار قدس سرہ نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کیسے عمدہ اشعار کہے ہیں، جن کا مفہوم اس طرح ہے۔

محمد (ﷺ) ہیں اول خدا کے بنائے ہوئے ۔۔۔ اگرچہ ہیں آخر میں تشریف لائے ہوئے

بظاہر ہیں وہ گو کہ اولاد آدم ۔۔۔ ہیں تخلیق میں خلق سے وہ مقدم

قبول عمل کا ذریعہ وہی ہیں ۔۔۔ حصول جزا کا وسیلہ وہی ہیں

محمد شریعت میں ہے نام نامی ۔۔۔ حقیقت میں احمد ہے اسم گرامی

اگر میم احمد کا پردہ اُٹھے گا ۔۔۔ تو راز احد چشم دل پر کھلے گا

خدا ہے احد اپنی معبودیت میں ۔۔۔ جناب محمد ہیں فرد عبدیت میں

خدا جیسے ساری خدائی میں یکتا ۔۔۔ نبی بندگی میں ہیں بے مثل و ہمتا

خدا ہی کو جب تک نہ پہچان لو گے ۔۔۔ تو کیا قدر شان نبی کی کرو گے

تمہیں جب دونوں کا عرفان ہو گا ۔۔۔ دو عالم کا ہر کام آسان ہو گا

حضرت شاہ ابو سعید فاروقی قدس سرہ نے لکھا ہے:

حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی تحریرات میں کسی مقام پر یہ تحقیق فرمائی ہے کہ حقیقت کعبۂ معظمہ بعینہ حقیقت احمدی ﷺ ہے، اس بات کا مطلب اپنی فہم ناقص میں نہیں آیا۔ کیونکہ حقیقت کعبہ حقائق الٰہیہ میں ہے اور حقیقت احمدی ﷺ حقائق انبیاء علیہم السلام میں۔ پس یہ دونوں ایک ہی حقیقت کیسے ہوں گی۔ ایک روز میں حقیقت احمدی ﷺ میں متوجہ تھا کہ اچانک

دیکھا کہ حقیقت کعبہ معظمہ کا ظہور واقع ہوا، اور ندا دی کہ عظمت و کبریائی بھی محبوب کا خاصہ ہے اور محبوبیت و مسجودیت دونوں آنحضرت ﷺ کے شیونات سے ہیں تو پھر صاحب الطریقہ حضرت مجدد قدس سرہ کی بات میں شک و تردد نہیں (الخ) صاحب مدارج الخیر و مناھج السیر فرماتے ہیں کہ دونوں حضرات قدس اللہ اسرار ہمانے جو کچھ فرمایا قطعاً درست اور صحیح ہے۔ جیسا کہ اگلے بیان میں آرہا ہے۔

اثرات: صاحب شفاء القلوب فرماتے ہیں کہ یہ مقام محبوبیت ذاتی سے پیدا ہوا ہے، اس لئے اس کو "دائرہ محبوبیت ذاتیہ صرفہ" بھی کہتے ہیں، اس لئے اس مقام میں استغناء اور بے نیازی کی شان زیادہ کامل ہوتی ہے اور اس مراقبے میں نسبت سابقہ غلبۂ انوار کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے اور عجیب و غریب کیفیت حاصل ہوتی ہے کہ بیان و تحریر میں نہیں آسکتی۔

بعض سالک اس جگہ اپنے آپ کو بین یدی الرحمٰن (اللہ تعالیٰ کے سامنے) دیکھتے ہیں اور اسی خاصۂ محبوبیت کی وجہ سے حقیقت کعبہ بعینہ حقیقت احمدی ہے، کیونکہ محبوبیت و مسجودیت دونوں حق تعالیٰ کے شیونات میں سے ہیں اور اس مقام میں محبوبیت ذاتی منکشف ہوتی ہے یعنی سالک ذات حق سبحانہ کو بلالحاظ صفات دوست رکھتا ہے، کیونکہ اس کی ذات ہی ایک ایسی ہے جو اس کے تمام نقش و نگار کی موجب ہے۔ احمد عجب اسم سامی ہے جو کلمۂ مقدسہ احد سے حلقہ میم کے ساتھ مرکب ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے پوشیدہ بھیدوں میں سے ہے پس احد لا شریک له ہے۔ حلقہ میم عبودیت کا طوق ہے جو کہ بندہ کو مولیٰ سے متمیز کرتا ہے، پس بندہ وہی حلقہ میم ہے اور احد اس کی تعظیم کے لئے آیا ہے جس نے آنحضرت ﷺ کی خصوصیت کو ظاہر کیا ہے۔

چو نام ایں ایست نام آور چہ باشد مکرم تر بود از ہر چہ آبا شد

ترجمہ: "جب ایسانام ہے تو صاحب نام، مکرم اور معزز سب سے ہو گا"

اس جگہ بھی درود شریف مذکورہ حقیقت محمدی ﷺ کا ورد مفید ہے۔ غرض حقائق انبیاء کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام میں الف و انسیت انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اور خصوصاً سردار دو جہاں فخر انس و جاں ﷺ کے ساتھ کامل طور پر ہو جاتی ہے۔

صاحب شفاء القلوب مزید فرماتے ہیں کہ جاننا چاہیئے کہ وہ فنا و بقا جس پر ولایت موقوف ہے شہودی فنا و بقا ہے جو کہ نظر کے اعتبار سے ہے، صفات بشری اس فنا و بقا میں صرف پوشیدہ ہو جاتی ہیں، زائل اور فانی نہیں ہوتیں، لیکن فنائے تعین محمدی ﷺ میں صفات بشری کے لئے زوال وجودی متحقق ہے اور جسد سے نکل کر روح کی طرف منتقل ہونا ثابت ہے اور بقا کی جانب میں بھی اگرچہ بندہ حق نہیں ہو جاتا اور بندگی سے نہیں نکلتا لیکن حق سبحانہ و تعالیٰ کے بہت نزدیک ہو جاتا ہے اور معیت زیادہ ترپیدا کرلیتا ہے اور اپنے آپ سے دور تر ہو کر احکام بشری اس سے مسلوب ہو جاتے ہیں۔

۳۵)نیت مراقبہ حبّ صرف: فیض می آید از ذات بیچون کہ منشاء حبّ صرف است بہ ہیئت وحدانی من بواسطہ پیران کبار رحمہم اللہ تعالیٰ۔

(توقف۔۔۔روز)

ترجمہ: فیض آ رہا ہے میری ہیئت وحدانی پر اس ذات پاک بیچوں سے جو منشاء حب صرفہ ہے، بواسطہ مشائخ عظام علیہم السلام۔

تشریح: اس مقام پر نسبت کا کمال علو اور باطن کی بے رنگی ظاہر ہوتی ہے کیونکہ یہ مرتبہ اطلاق و لاتعین کے بہت قریب ہے۔ یہ مقام ہمارے پیارے نبی محمد ﷺ کے خاص مقامات سے ہے۔

دوسرے انبیاء علیہم السلام کے حقائق کا یہاں نشان تک نہیں ملتا کیونکہ یہی تعین جبی اور حقیقت محمدی ﷺ ہے جس کا اوپر بیان ہوا۔

اس مقام کے بارے میں **"ھدایة الطالبین"** میں حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس مقام پر نسبت باطن میں کمال بلندی و بے رنگی ظاہر ہوتی ہے کیونکہ یہ مقام بھی حضرت اطلاق و لاتعین سے بہت ہی قریب ہے قریب اس لئے ہے کہ جو چیز سب سے پہلے ظہور میں آئی وہ حب ہے، اس مقام سے متعلق شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ **كنت كنزاً مخفيا فأحببت أن أعرف۔**[177] **ترجمہ:** "میں (اللہ تعالیٰ) پوشیدہ خزانہ تھا، پس میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے خلق کو پیدا کیا تاکہ پہچانا جاؤں۔" والی روایت نقل کر کے فرماتے ہیں کہ یہ حدیث شریف ہمارے اس مدعا پر قطعی دلیل ہے اور وہی تعین اول حقیقت ہے جناب محبوب کبریاء ﷺ کی۔ علامہ قسطلانی و ملا علی قاری اور دوسرے اکابر نے کہا ہے کہ احادیث صحیحہ سے یہ مضمون ثابت ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ سے خطاب فرماتے ہوئے کہا کہ:

"اگر تو نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا اور اپنی خدائی کو ظہور میں نہ لاتا"۔

پس معلوم ہوا کہ مبداء خلقت آں سرور عالمیان کا وجود ہے جس کے فیض سے سب کا وجود ہوا۔ اول آپ ﷺ کا نور پاک ظہور میں آیا اور اسی نور پر ظہور سے عرش و کرسی و لوح و قلم اور آسمان و زمین اور ملائکہ و جن و انس اور تمام کائنات سب وجود میں آئے، چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

كنت نبيا و آدم بين الروح و الجسد۔[178]

---

[177] كشف الخفاء و مزيل الالباس رقم الحديث ٢٩٨، ٢٠١٦ دار الكتب العلمية بيروت ص ١٧٩

[178] كنز العمال فى سنن الاقوال و الافعال، ج ١١، ص ٤٠٩۔ الناشر: مؤسسة الرسالة

ترجمہ: میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

ابھی ان کا وجود مکمل نہیں ہوا تھا آں جناب بدرجۂ اتم مظہر صفات حضرت احدیت ہوئے اور مخلوق میں جو بھی ظہور کمال ہے حقیقت میں وہ کمال محبوب کبریا ﷺ کے کمالات میں سے ہے اسی نور کے ظہور سے آدم علیہ السلام مسجود ملائکہ ہو گئے اور اسی نور کی تجلیات سے کعبۂ معظمہ مسجود خلائق ہوا ہے۔

اللھم صل علی سیدنا محمد و علی اٰلہ و اصحابہ و اھل بیتہ افضل صلوتک عدد معلوماتک وبارک وسلم۔

حقائق انبیاء ﷺ میں اس مقام کے آخر تک سالک کے لئے سیر قدمی تجویز فرمائی ہے اور اس کے بعد کہیں اور کوئی مقام قدم رکھنے کا نہیں ہے۔

ھدایۃ الطالبین میں حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: اور یہ بھی ہمارے آقا حضور انور ﷺ کے مخصوص مقامات میں سے ہے، دوسرے انبیاء علیہم السلام کے حقائق میرے نزدیک اس مقام پر ثابت نہیں ہوتے کیونکہ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک حضرت لاتعین کے ساتھ جو پہلا تعین لاحق ہوا ہے وہ تعین حب ہی ہے اور اسی پہلے تعین کو حقیقت محمدی ﷺ قرار دیا گیا ہے اسی لئے ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ اصل میں حقیقت محمدی ﷺ یہی ہے اور جو پہلے بیان ہوا، وہ اس کا ظل ہے۔

اثرات: صاحب **شفاء القلوب** فرماتے ہیں کہ اس مقام میں نسبت باطن میں کمال بلندی و بے رنگی ظاہر ہوتی ہے اور یہ مرتبہ حضرت ذات مطلق و لاتعین کے بہت قریب ہے اس لئے کہ جو چیز سب سے پہلے ظہور میں آئی وہ حب ہے جو منشاء ظہور و مبدأ خلق ہے۔ اصل میں حقیقت محمدی

صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم یہی ہے اور جو پہلے بیان ہوئی وہ اس کا ظل ہے۔ یہ مقام حضرت سید المرسلین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے حقائق اس مقام میں ثابت نہیں ہوتے اور اس میں سیر قدمی نہیں ہے بلکہ سیر نظری ہے اور نظر بھی عاجز و درماندہ اور سرگرداں ہے۔

دامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار　　　گل چین بہار تو ز دامن گلہ دارد

ترجمہ: "ہماری نگاہ کا دامن تنگ ہے اور آپ کے حسن کے پھول بے شمار ہیں، آپ کے حسن کی بہار کے پھول چننے والے کے دامن کی تنگی کی شکایت ہے"۔

درود شریف کا ورد حقیقت محمدی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم میں ترقی بخشتا ہے۔

۳۶) نیت مراقبہ لاتعیّن: فیض می آید از ذات مطلق بیچون کہ موجود است بوجود خارجی و منزّہ است از جمیع تعینات بہ ہیئت وحدانی من بواسطہ پیران کبار۔ (توقف۔۔۔روز)

ترجمہ: فیض آرہا ہے میری ہیئت وحدانی پر اس ذات پاک سے جو تعینات سے مبرا ہے، بواسطۂ مشائخ عظام علیہم السلام کے۔

تشریح: یہاں سیر قدمی کی گنجائش نہیں اگر کسی پر فضل الٰہی ہو جائے تو صرف سیر نظری ہوگی۔ یہ مقام بھی حضور سرور انبیاء علیہم السلام کے خصائص سے ہے۔ لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیه ملک مقرب و لا نبی مرسل اسی مقام کی طرف اشارہ ہے۔ حضور علیہ السلام کے طفیل سے آپ کے بعض امتیوں کو بھی اس خوان نعمت سے اُلش عطا ہوا ہے۔

اگر بادشاہ بر در پیرزن　　　بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

اس سے حضور نبی اکرم و کی عظمت نمایاں ہو جاتی ہے کہ آپ کے نمک خوار اور اُلش خوار بھی اس دولت سے مشرف ہوتے ہیں۔

هداية الطالبين میں حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ان تمام مراتب کے بعد مراقبۂ لاتعین و حضرت اطلاق کا مراقبہ ہے۔ اس مقام کو لاتعین اس لئے کہتے ہیں کہ یہ تعین اول یعنی حبی سے پہلے ہے اور اس ذات سے فیض حاصل کرنے کا مراقبہ کیا جاتا ہے جو تعینات سے پاک و مبرا ہے۔

حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ مقام بھی حضرت رسالت پناہ ﷺ کے مقامات مخصوصہ میں سے ہے، یہاں پر سیر قدمی نہیں ہوتی لیکن سیر نظری ضرور ہوتی ہے، مگر نظر کہاں تک کام کرے گی۔ اسی لئے "**شرح رباعیات خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ**" میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ اولیاء کرام نے مراقبۂ شہود کی انتہاء تعین اول تک بیان فرمائی ہے اور اس سے اوپر لاتعین کا مرتبہ ہے اور ان بزرگوں نے شہود کے لئے وہاں کوئی گنجائش نہیں سمجھی ہے۔

صاحب **شفاء القلوب** فرماتے ہیں کہ جاننا چاہیئے کہ اگرچہ یہ بزرگ مرتبۂ لاتعین میں شہود کو جائز نہیں سمجھتے لیکن شہود سے بالاتر بہت سے مراتب ہیں جو سب کے سب اس مرتبۂ لاتعین میں جائز قرار دیئے گئے ہیں۔ پھر آگے فرماتے ہیں کہ شہود وصول کی دہلیز ہے اور وصول کے مراتب اس کے اوپر ہیں، لیکن ہر شخص کے فہم کی رسائی وہاں تک نہیں بلکہ قریب ہے کہ وہ انکار کر گزرے۔ ہمارے حضرت (خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کے مخلصوں میں سے ایک درویش (غالباً حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا اپنی ذات گرامی کی طرف اشارہ ہے) پر یہ حالت طاری ہوئی اور اس کی سیر

مرتبہ ٔلا تعین سے بھی اوپر تک واقع ہو گئی اور اس کو اس مقام میں ایک استہلاک (فنائیت) پیدا ہوا جس کے بارے میں اس نے ان (حضرت خواجہ قدس سرہ) کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ آپ نے اس کو جائز قرار دیا اور قبول فرمایا تھا۔

آیت کریمہ: وَ اللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ وَ اللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (البقرۃ ۱۰۵)

ترجمہ: ”اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ مخصوص کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے“۔

اس کے بعد حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک سوال پیش کرتے ہیں کہ جب تعین اول سے اوپر مرتبہ ٔلا تعین محض ہے تو پھر لازماً اس مقام پر امتیاز اور فرق معدوم ہو جائے گا، لہٰذا اس مرتبہ میں سیر کے معنی کیا ہوں گے، جواب میں فرماتے ہیں:

واضح رہے کہ اس سوال کا حل نہایت گہرے اسرار میں سے ہے، اس مقام کے متعلق بات کرنا خلاف مصلحت ہے۔ پھر ایک عجیب بات فرماتے ہیں: جاننا چاہیئے کہ آخر تمہیں جب دیدار ہو گا اس کا تعلق مرتبہ ٔلا تعین سے ہو گا اور تعینات کے تمام پردے اُٹھ جائیں گے کیونکہ اس جگہ (یعنی اس دنیا میں) تمام تعینات علمی ہیں نہ کہ خارجی اور علمی تعین ظاہری آنکھوں سے دیکھنے کے لئے پردے بن جاتے ہیں شہود دنیوی کے خلاف، کہ وہ بھی تعین کی ایک قسم ہے اور اس کا تعلق ذہن سے ہے، ہو سکتا ہے کہ علمی تعین اس کا حجاب بن جائے۔

آخر میں فرماتے ہیں:

نؤمن بالرؤية الأخروية ولا نشتغل بكيفيتها لقصور فهم العوام لا لجهل عن كيفيتها فان أخص الخواص من الأولياء نصيبا فى هذه النشأة من هذا المقام وان لم نسمه رؤية فافهم۔

ترجمہ: ''ہم دیدار آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور اس کی کیفیت کے درپے نہیں ہوتے اس لئے کہ عوام کی فہم اس سے قاصر ہے، اس وجہ سے نہیں کہ اس کی کیا کیفیت معلوم نہیں کیونکہ اولیاء میں نہایت خاص خاص لوگ اس دنیا میں اس مقام سے بہرہ یاب ہوئے ہیں اگرچہ ہم اس کو رویت کا نام نہیں دے سکتے''۔

حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ محب کی بات محبوب کے لب پر کہاں پہنچتی ہے جیسا کہ (خود) اس کی بات کو اس کے ساتھ قرب و منزلت ہے، اس کی بات سے اس تک پہنچا جا سکتا ہے، نہ کہ اپنی بات سے، کیونکہ اس (محب) کی بات کوتاہ اور راستہ ہی میں (رہ جانے والی) ہے۔ یہ حقیر کہتا ہے کہ من عرف اللہ کل لسانہ۔ ترجمہ: ''جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اس کی زبان گونگی ہو گئی'' اس کے لئے گواہ ہے۔

دفتر ۳ مکتوب ۱۲۲ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک بہت پیاری بات فرماتے ہیں کہ جب کمال عنایت سے ظلال کی منازل تک طے کرتے کرتے اصل تک پہنچتا ہے تو محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسا پاتا ہے کہ اصل بھی ظل کا حکم رکھتا ہے اور مطلوبیت کے لائق نہیں ہے کیونکہ وہ امکان کے داغ سے داغدار ہے اور مطلوب کا احاطۂ ادراک اور وصل و اتصال سے ماوراء ہے۔ اسی لئے ہمارے بزرگوں نے اس مقام کے بارے میں فرمایا:

العجز عن درک الذات ادراک   والقول بدرک الذات اشراک

ترجمہ: ''ذات حق کے ادراک سے عاجز ہونا ہی ادراک ہے، اور ادراک ذات حق کا دعویٰ شرک ہے''۔

اسی مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"کوئی یہ نہ کہے کہ معرفت سے عاجز ہونا، جو کہ معرفت کی نقیض ہے، معرفت کیونکر ہوا کیونکہ معرفت سے عاجز ہونا ہی معرفت ہے"۔

پھر فرماتے ہیں:

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

العجز عن درک الذات ادراک

(معرفت ذات کے) ادراک سے عاجز ہونا ہی (اس کی معرفت کا) ادراک ہے۔

فسبحان من لم یجعل للخلق الیہ سبیلاً الا بالعجز عن معرفتہ۔

ترجمہ: "پس پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی معرفت سے عاجزی کے سوا اپنی مخلوق کے لئے کوئی راستہ نہیں بنایا"۔

اس بحث کے آخر میں فرماتے ہیں "اور یہ معرفت سے عاجز ہونا مراتب عروج کی نہایت کی انتہاء ہے اور قرب کے مدارج کی غایت درجے منتہا ہے۔ اور جب تک سالک نقطۂ آخر تک نہ پہنچے اور تجلیات و ظہورات کے مراتب کو طے نہ کر لے اور وصل و اتصال کو، جس پہ مدتوں خوش رہا تھا، اس کو عین فصل و انفصال نہ پائے، اس وقت تک اس عجز کی دولت سے مشرف نہیں ہو سکتا اور خدا ناشناسی سے خلاصی نہیں پاتا اور غیر حق کو حق نہیں جانتا۔

مدارج الخیر میں لکھتے ہیں دائرۂ لاتعین حقائق انبیاء علیہم السلام کا آخری دائرہ ہے۔ اس میں ورد فیض ذات بحت سے جو کہ مبری و منزہ ہے تعینات سے سالک کی ہیئت وحدانی پر ہوتا ہے، اس مقام میں قدم بے چارہ عاجز و لنگ اور نظر حیران و سرگرداں رہ گئی ہے۔

اے وہ کہ تیرے در سے ہے زخمی دلوں کو آس
عاشق کی جاں کو یاد سے تیری قرار آئے

موسیٰ کی طرح لاکھوں ہی دنیا میں بہر دید ربِ ارنی کہتے ہوئے خواستگار آئے
سینے دہک رہے ہیں جدائی کی آگ سے سب تیرے دردِ عشق ہی میں اشکبار آئے

اس مقام پر اکابر طریقہ نے سیر نظری تجویز فرمائی ہے لیکن بارگاہ عظمت و کبریا میں نظر بے چاری حیران ہے۔

یہ کہتی ہے صدائے لن ترانی مکانی اور تاب لا مکانی

ان مواطن مقدسہ میں سیر قدمی یا سیر نظری کی تجویز اس معنی میں نہیں ہے کہ وہاں نفوذ اور شہود ہے بلکہ اس کا مطلب ہے کہ اگر ان مراتب لامکانی کو مقامات مکانی میں صورت مثالی میں نقش کریں تو اس سیر کو سیر قدمی یا نظری سے تعبیر کریں گے جیسا کہ بیان کیا جاچکا۔

معلوم ہوا کہ ہر دائرہ میں کیفیات خاصہ ہوتی ہیں اور وہ کیفیات خاصہ قرب بے نہایت سے عبارت ہے جس کی کوئی صورت نہایت نہیں ہو سکتی اور جس کو انتہائے دائرہ سے تعبیر کرتے ہیں وہ باعتبار سالک کہتے ہیں یعنی اس موطن میں سالک کو جو حظ تھا وہ پورا ہو گیا۔ سالکین کے لئے ان مواطن میں سوائے وجدان کے اور کچھ نصیب نہیں، کم ہیں وہ لوگ جو کشف وعیاں سے ممتاز ہوں۔ یہ ہے مختصر بیان حضرات نقشبندیہ مجدیہ قدس اللہ اسرارہم کے سلوک کا۔

تم سے کہتا ہوں میں حد پرواز کا راز بات سمجھو گے مری گر ہوئے اہل پرواز

خلاصہ: مراقبات کے ضمن میں تین ولایتیں، تین کمالات اور سات حقائق مذکور ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ مقامات کا ذکر ہوا ہے۔ یہ تمام گویا دریا میں سے قطرے کا ذکر ان اوراق میں کیا گیا ہے۔ اس معزز خاندان کے تمام متوسلین کو حاصل نہیں ہوتے بعض ولایت قلبی بلکہ دائرہ امکان تک رہ جاتے

ہیں۔ بعض کو ولایت کبریٰ اور بعض کو ولایت علیا حاصل ہوتی ہے اور بہت کم کو کمالات ثلثہ حاصل ہوتے ہیں اور خال خال حقائق سبعہ وغیرہ سے فائز ہوتے ہیں۔

خلاصہ مراقبات

مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ، دفتر سوم، مکتوب نمبر ۱۲۴ میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

"جاننا چاہیئے کہ صورتِ کعبہ سے مراد (موجودہ) اینٹ پتھر نہیں ہیں، کیونکہ اگر بالفرض یہ اینٹ، پتھر درمیان میں نہ ہوں تو بھی کعبہ کعبہ ہی ہے اور مسجودِ خلائق ہے۔ بلکہ صورتِ کعبہ باوجود اس کے کہ عالمِ خلق سے ہے لیکن دوسری اشیاء کی مانند نہیں ہے بلکہ ایک مُبطن (پوشیدہ) امر ہے جو حس وخیال کے احاطے سے باہر ہے اور اس کا تعلق عالمِ محسوسات سے ہے لیکن کچھ بھی محسوس نہیں ہے اور (اگرچہ) تمام اشیاء کا متوجہ الیہا (جس کی طرف توجہ کی جائے) ہے لیکن کچھ بھی توجہ میں نہیں ہے، وہ ایک ایسی ہستی ہے جو نیستی کا لباس پہنے ہوئے ہے اور ایسی نیستی ہے جس نے اپنے آپ کو ہستی کے لباس میں ظاہر کیا ہے اور جہت میں ہو کر بے جہت اور سمت میں ہو کر بے سمت ہے"۔

بفرض تقدیر اگر کوئی بندہ ساری عمارت کو بھی ختم کر دے تو بھی کعبہ وہی ہے۔ چونکہ ہم پتھر کو سجدے نہیں کرتے، اس کے اندر جو تجلیات ذات اتر رہی ہیں، وہ ہماری مسجود ہیں۔ مسلمانوں اور ہندوؤں میں واضح فرق یہی ہے کہ ہندو پتھر کی بنی ہوئی مورتیوں کو سجدہ کرتے ہیں، جبکہ ہم پتھر سے بنے ہوئے کعبہ پر جو تجلیات اتر رہی ہیں ان کو سجدہ کرتے ہیں۔ اب فرض کریں کہ ایک آدمی خلاء میں چلا جائے تو وہ بیت اللہ کی عمارت کی طرف تو رخ کر ہی نہیں سکتا۔ لیکن چونکہ عرش کے اوپر سے

تجلیات ذات آرہی ہیں اور آسمانوں پہ بیت المعمور بھی ہے، فرشتے جس کا طواف کر رہے ہیں۔ اسی کے بالکل نیچے زمین پر انسان بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں۔ اور درمیان میں سب ستارے ان تجلیات کا طواف کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عجیب شان ہے۔

سبحان اللہ! ہم سب اللہ تعالیٰ کے چاہنے والے ہیں۔ اگر کوئی شخص خلا میں چلا جائے تو وہاں بیت اللہ کی عمارت کی طرف رُخ تو نہیں کر سکتا۔ بھلا وہ کیسے نماز پڑھے گا؟ صاف ظاہر ہے کہ تجلیات عرش سے فرش تک اتر رہی ہیں۔ وہ جہاں بھی ہو گا سامنے تجلیات ہوں گی اور وہ نماز پڑھے گا تو اس کی نماز ہو جائے گی۔ اسی طرح کوئی سمندر کی تہہ میں چلا جائے تو عمارت تو وہاں بھی سامنے نہیں آسکتی، مگر تجلیات تو تحت الثریٰ تک جارہی ہیں۔ وہاں بھی اس کی نماز ہو جائے گی۔ تو مقصود یہ بتانا تھا کہ ہم مُتَوَجّھًا اِلیٰ جِھَۃِ الْکَعْبَۃِ الشَّرِیْفَۃِ، بیت اللہ کی طرف رُخ کرتے ہیں۔ اس کو سجدہ نہیں کرتے۔ جو مسجود الیہ ہے وہ تجلیات ذاتیہ ہیں جو خانہ کعبہ پر اتر رہی ہیں۔ کعبہ ایک جگہ ہے جس نے جہت کو متعین کر دیا ہے۔ اگر جہت نہ ہوتی تو لوگوں کو یہ سمجھ نہ آتی کہ ہم کس طرف رُخ کریں۔ کوئی دائیں رُخ کرتا، کوئی بائیں رُخ کرتا، کوئی آگے رُخ کرتا، کوئی پیچھے رُخ کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا اور ہمیں اس پریشانی سے بچالیا۔ ایک جگہ کو متعین کر دیا کہ دیکھو یہ میرا گھر ہے، اب چاروں طرف سے سب بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھو۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

”اگر بالفرض یہ اینٹ، پتھر درمیان میں نہ بھی ہوں تو بھی کعبہ کعبہ ہی ہے اور مسجودِ خلائق ہے۔ بلکہ صورتِ کعبہ باوجود اس کے کہ عالمِ خلق سے ہے، لیکن دوسری اشیاء کی مانند نہیں ہے۔ بلکہ ایک مُبطن (پوشیدہ) امر ہے جو حس وخیال کے احاطے سے باہر ہے“۔

دائرہ حقیقت کعبہ

اس مقام میں سالک پر حقیقت کعبہ ربانی کے اسرار اور شان کبریائی کا اظہار ہوتا ہے جب حقیقت کعبہ ربانی میں سالک کو کامل ترقی ہوتی ہے تو تمام مخلوق کی عبادات و سجود اپنی طرف دیکھتا ہے، وہ عبادات و سجود مخلوقات حقیقتاً تجلی ذات کی طرف ہوتی ہیں لیکن سالک چونکہ اس حقیقت سے قریب ہوتا ہے اور اپنے کو اس حالت میں محو پاتا ہے تو بحالت محویت اس کو معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی بادشاہ کے پاس کوئی نقیب چوبدار کھڑا ہو اور جو رؤسا اور رعایا حاضر دربار شاہی ہوں تو ان کا آداب و سلام حقیقتاً بادشاہ کو ہوتا ہے۔ نقیب و چوبدار کو نہیں ہوتا مگر بوجہ قرب شاہ اور سمت ہونے کے سلامیوں کا رخ اسی طرف ہوتا ہے۔ یا جیسے دو آدمی ایک آگے اور ایک پیچھے جاتے ہیں اور ان کے سامنے سے جو شخص آتا ہے وہ سلام سامنے سے آنے والوں میں سے پچھلے والے کو کرتا ہے لیکن آگے والا آدمی یہ سمجھتا ہے کہ یہ شخص مجھ کو سلام کر رہا ہے حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے اسی طرح اس مقام کا سالک مخلوق کی عبادات اور سجدہ کو اپنی طرف دیکھتا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ حقیقتاً سجدہ و عبادات اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتے ہیں نہ کہ اس سالک کے لئے لیکن علم کی غلطی سے وہ اپنی طرف سمجھتا ہے۔



کعبہ کی حقیقت تمام مخلوقات کی مسجود الیہ ہے

مکتوباتِ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ دفتر اول مکتوب ۲۶۳ میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

''فقیر کے نزدیک جس طرح کعبۂ ربانی کی ظاہری صورت مخلوق کی صورتوں کے لئے خواہ وہ بشر ہوں یا ملک (یعنی فرشتے)، مسجود الیہا ہے، اسی طرح اس (کعبہ شریف) کی حقیقت بھی تمام مخلوقات کے لئے مسجود الیہاہے۔ پس لازمی طور پر وہ حقیقت (کعبۂ ربانی) تمام حقائق پر فوقیت رکھتی ہے اور اس (کعبۂ ربانی) کے متعلقہ کمالات تمام حقائق کے متعلقہ کمالات سے فائق تر ہیں۔ گویا حقیقتِ کعبہ ''حقائق کونی'' (یعنی کائنات کے جو حقائق ہیں) اور ''حقائق الٰہی'' جل سلطانہ کے درمیان ایک برزخ (متوسط) راہ ہے۔ اور ''حقائق الٰہی'' سے مراد عظمت و کبریائی کے پردہ ہیں، کیونکہ کوئی رنگ و کیف اس (تعالیٰ شانہ) کے ''دامانِ قدس'' تک نہیں پہنچتا، اور کوئی ظلیت اس تک راہ نہیں پاتی''۔

آگے فرماتے ہیں:

''جہت کعبہ ''حقائق الٰہی'' تعالیٰ و تقدس کے ظہورات کا مقام ہے، لہٰذا ''کعبہ'' دنیا میں ایک ''عجوبۂ روزگار'' ہے جو بظاہر دنیا سے ہے لیکن حقیقت میں آخرت سے متعلق ہے''۔

مکتوبات معصومیہ دفتر اول مکتوب ۲۴ میں حقیقتِ کعبۂ ربانی کے برزخ ہونے کو اس طرح سمجھایا گیا ہے کہ:

"حقیقتِ کعبہ، حقائق مخلوقات اور حقیقتِ واجبی جل سلطانہ کے درمیان جو کہ مرتبۂ احدیت ذات تعالیٰ و تقدس ہے برزخ ہے، کیونکہ کعبہ مخلوق کا مسجود الیہ ہے (اسی لئے) اس کی حقیقت تمام مخلوق کے حقائق سے ضرور ممتاز ہونی چاہیئے۔ چونکہ مسجود ذاتِ حق سبحانہ وتعالیٰ ہے (اس لئے) کعبہ کی خلقت بھی اس مقدس بارگاہ سے ہونی چاہیئے۔ ہمارے حضرت (مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) نے اس مکتوب گرامی میں جو کہ مکتوبات کی تینوں جلدوں میں سے کسی جلد میں شامل نہیں ہے لکھا ہے کہ "حقیقتِ کعبہ ذات واجبی تعالیٰ ہے اس لئے کہ مسجود حقیقت میں وہی مقدس مرتبہ ہے"۔ ھذا۔ "جاننا چاہیئے کہ مسجود اگرچہ ذات بیچون ہے لیکن اعتبار مسجودیت کو اس کے ساتھ ملحوظ رکھا گیا ہے اس لئے مرتبۂ احدیتِ ذات سے جو کہ نسبتوں اور اعتبارات سے پاک ہے نیچے کے درجے میں ہو گا اور دید و دانش و گرفتاری میں متمیز ہو جائے گا"۔

حقیقتِ کعبہ سے مراد ذات بے چون واجب الوجوب ہے

مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ دفتر سوم مکتوب ۱۲۴ میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ:

"اے بھائی! جب تم نے صورتِ کعبہ کا تھوڑا بیان سن لیا تو اب حقیقت کعبہ کے بارے میں بھی تھوڑا سن لو۔ حقیقتِ کعبہ سے مراد ذات بے چون واجب الوجود (یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات) ہے کہ جس کے ظہور اور ظلیت کی گرد بھی وہاں تک نہ پہنچی اور جو مسجودیت و معبودیت کی شان کے لائق ہے"۔

پھر آگے فرماتے ہیں کہ:

"اس حقیقت جل سلطانہٗ کو اگر حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا مسجود کہیں تو اس میں کیا خطرہ لازم آتا ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی افضلیت میں اس سے کس طرح قصور واقع ہوتا ہے۔ہاں حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم باقی تمام افرادِ عالم کے حقائق سے افضل ہے لیکن حقیقتِ کعبۂ معظمہ عالم کی جنس سے نہیں ہے تاکہ اس کی طرف یہ نسبت کی جائے اور اس کی افضلیت میں توقف کیا جائے"۔

سجدے کی شان تو اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔اسی کو سجتا ہے کہ لوگ اس کو سجدہ کریں۔اسی لئے اگر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ حقیقت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور حقیقتِ کعبۂ ربانی میں کون افضل ہے؟تو فرماتے ہیں کہ بیت اللہ شریف کی حقیقت افضل ہے۔اس لئے کہ حقیقتِ کعبۂ ربانی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے،ان کی تجلیات ہیں۔اور حقیقت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات ہے۔بہرحال اگر حقیقت دیکھیں تو بیت اللہ کی تجلیات کو فوقیت ہوگی۔اسی بات کو حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مکتوبات معصومیہ کے دفتر دوم مکتوب ا میں سمجھاتے ہیں۔

کسی نے ان سے پوچھا کہ:

"ہمارے حضرت عالی (یعنی حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) نے تحریر فرمایا ہے کہ حقیقتِ کعبۂ ربانی حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اوپر ہے،اس سے حقیقتِ کعبہ کا حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے افضل ہونا لازم آتا ہے،حالانکہ آں سرور عالم علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام تمام مخلوقات سے افضل ہیں۔لولاک لولاک ما خلقت الأفلاک[179]

[179] (کشف الخفاء،ج ۲،ص ۱۶۴)

(اگر وہ نہ ہوتے تو (اللہ تعالیٰ) آسمانوں کو پیدا نہ کرتا اور (اپنے) رب ہونے کو ظاہر نہ فرماتا) جیسا کہ (حدیث قدسی میں) وارد ہوا ہے"۔

جواب میں حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"اول یہ کہ حقیقتِ کعبۂ ربانی معبودیت و مسجودیت کے مقام سے پیدا ہوتی ہے اور آن سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا کمال عبدیت و عابدیت (بندہ اور بندگی کرنے والا ہونے) کے مقام میں ہے، اس بناء پر ہو سکتا ہے کہ حقیقتِ کعبہ ذات الٰہی جل سلطانہ ہو کیونکہ حقیقت میں معبود و مسجود وہی ہے یعنی وہ حقیقت جو اس صورت کی مسجودیت کا منشاء (سبب) ہوگئی ہے اور (اس میں) شک نہیں ہے کہ وہ حقیقت ذاتِ حق عزّ برہانہ ہے۔ پس اگر اس حقیقت کو حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر فوقیت و فضیلت ہو تو اس میں کیا خطرے کی بات ہے؟"۔

یہاں کوئی یہ سوال کر سکتا ہے کہ چونکہ کعبہ معظمہ کی ظاہری صورت ممکنات میں سے ہے، تو کیا اس کی حقیقت ممکنات میں سے نہیں ہو گی؟

حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مکتوبات معصومیہ کے دفتر دوم مکتوب ا میں فرماتے ہیں کہ:

"اور یہ جو (بعض حضرات) کہتے ہیں کہ ممکن جو کہ صورتِ کعبہ ہے اس کی حقیقت بھی ممکن ہی ہونی چاہیئے وہ ذات کس طرح ہو گی؟ جواب: ہم کہتے ہیں کہ اس بزرگ گروہ کے طریقے پر کسی چیز کی حقیقت اس چیز کی ذات اور مابه الشئی هو هو (ماہیت) سے عبارت نہیں ہے بلکہ اس کے وجودی وتوابعِ وجودی فیوض کے مبدأ سے عبارت ہے اور وہ چیز اس کے لئے ظل کی مانند ہے"۔

ایک کعبۂ معظمہ کی ظاہری صورت ہے جو کہ ہمیں نظر آتی ہے اور یہ ممکنات میں سے ہے، عالمِ خلق سے اس کا تعلق ہے۔ اگر کعبۂ معظمہ کے ظاہر کی ذات اور ماہیت کو دیکھا جائے تو پتھر اور اینٹ نظر آئیں گے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ ممکن کی حقیقت بھی ممکنات میں سے ہو۔ بیت اللہ شریف کی حقیقت سے مراد یہ ظاہری ماہیت نہیں ہے جو ہمیں ظاہر کی آنکھوں سے نظر آتی ہے۔ بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ اس کے فیوض و برکات کی مبدأ یعنی اصل کیا ہے اور وہ اللہ رب العزت کی ذات کی تجلیات ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات ہی کعبہ معظمہ کی حقیقت ہے جیسے کہ ہم نے اوپر پڑھا۔

اس لئے امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ:

”حقیقتِ کعبہ سے مراد ذاتِ بے چون واجب الوجود (یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات) ہے“۔

حقیقتِ کعبۂ ربانی کا تعلق ہیئت وحدانی کے ساتھ مخصوص ہے

مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ دفتر اول مکتوب ۲۶۰ میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ:

”بعض کامل مرادمند ایسے ہیں جن کو انبیاء علیہم السلام کے طفیل عظمت و کبریائی کے ان پردوں میں جگہ دی جاتی ہے اور ان کو محرمِ بارگاہ بنایا جاتا ہے۔ فَعُوْمِلَ مَا عُوْمِلَ مَعَهُمْ، ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جاتا ہے جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کیا گیا۔ اے فرزند! یہ معاملہ انسان کی اس ہیئت وحدانی کے ساتھ مخصوص ہے جو عالم خلق اور عالم امر کے مجموعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ باوجود اس کے کہ ان سب کا سردار اس مقام میں عنصرِ خاک ہے“۔

چنانچہ اس سبق میں یہ نیت کرتے ہیں کہ ”اس ذات واجب الوجود سے جس کو تمام ممکنات سجدہ کرتی ہیں اور جو حقیقت کعبۂ ربانی کا منشاء ہے میری ہیئت وحدانی پر فیض آرہا ہے“۔ ہیئت وحدانی

کیا ہے؟ ہمارے مشائخ نے اس کو ایسے سمجھایا ہے کہ سالک کو جب فناء حاصل ہو جاتی ہے اور دس کے دس لطائف کا تصفیہ اور تزکیہ ہو جاتا ہے تو لطائف میں جو اعتدال پیدا ہوتا ہے، ان لطائف کے مجموعہ کو ہیئتِ وحدانی کہتے ہیں۔ (کل ہم نے پڑھا تھا کہ) جس طرح دوائیں مختلف ہوں اور ان کو کوٹ کے سب کو اکٹھا کر دیا جائے تو اسی طرح سارے لطائف ایک بن جاتے ہیں، اکٹھے ہو جاتے ہیں اور ایک دوسری شکل پیدا کر کے اگلے مقامات پر عروج کرتے ہیں۔

حقائق ثلاثہ کے وصول کا تعلق اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہے

حقیقتِ کعبہ ٔ ربانی، حقیقتِ قرآن مجید اور حقیقتِ صلوٰۃ کو حقائقِ ثلاثہ کہتے ہیں۔ جو دوسرا اراستہ ہے، اس میں چار حقائق آتے ہیں جو کہ حقیقت ابراہیمی، حقیقت موسوی، حقیقت محمدی اور حقیقت احمدی ہیں۔ جب بھی حقائق ثلاثہ کی بات کریں گے تو فوراً سمجھ لیں کہ ان سے حقیقتِ کعبہ ٔ ربانی، حقیقت قرآن مجید اور حقیقت صلوٰۃ مراد ہیں۔

مکتوبات معصومیہ دفتر سوم مکتوب ۱۴۰ میں فرماتے ہیں:

”آپ نے لکھا تھا کہ ”حقائق ثلاثہ“ (حقیقت کعبہ و قرآن وصلوٰۃ) تک وصول تفضل (فضل و کرم) میں داخل ہے یا نہیں؟ (جواب) ان حقائق کا معاملہ کمالاتِ نبوت سے اوپر ہے (اس لئے) داخل تفضل ہونا چاہیئے“۔

ہر مسجد میں ظہور حقیقت کعبہ ٔ ربانی

ایک عجیب بات مصنفِ کنزالہدایات حضرت مفتی محمد باقر لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے شیخ حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل کرتے ہیں۔

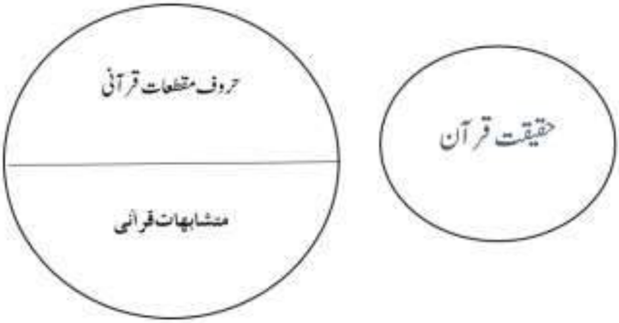
کنزالہدایات میں لکھتے ہیں کہ:

"عبد ضعیف نے حضرت پیر دستگیر اپنے شیخ اور اپنے امام (یعنی حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ) کی موتی بکھیرنے والی زبان مبارک سے سنا ہے کہ ہر مسجد میں کعبۂ معظمہ کی حقیقت کا ظہور ہے"۔

یعنی اللہ رب العزت کی جو تجلیات ذاتیہ وہاں وارد ہوتی ہیں، ان ہی کی شعائیں ہر مسجد کے اندر نازل ہوتی ہیں اور نماز پڑھنے والوں کے دلوں کو وہ منور کر دیتی ہیں۔ بلکہ نماز پڑھنے والا بندہ جب تک نماز پڑھتا رہتا ہے، اس کے سامنے ذات منکشف رہتی ہے۔ چونکہ مسجد کے اوپر تجلیا تو ارد ہو رہی ہوتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنا گھر کہا ہے۔ **اللہ اکبر**۔ اسی لئے جب قیامت ہو گی تو زمین کے وہ ٹکڑے جو مسجد ہیں ان سب کو بیت اللہ کا حصہ بنا کر جنت میں شامل کر دیا جائے گا۔ یہ معمولی بات نہیں کہ فلاں جگہ پر اللہ تعالیٰ کا گھر بن گیا، **سبحان اللہ**! بلکہ امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ تو فرماتے ہیں کہ نماز اتنی اہم عبادت ہے کہ سالک جب نماز مکمل کر لیتا ہے تو جب تک بیٹھ کر اذکار کرتا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ کی تجلی اس کے سامنے جلوہ گر رہتی ہے۔ جب اپنی جگہ سے اٹھتا ہے تب تجلی سمٹتی ہے۔ جتنی دیر بیٹھ کے نماز کے بعد تلاوت کرتا ہے، تسبیحات کرتا ہے، مراقبہ کرتا ہے، ذات کی تجلی رہتی ہے، **سبحان اللہ**! نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا خلق یہ تھا کہ کوئی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو سلام کرتا تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہاتھ پکڑے رہتے تھے، جب تک کہ وہ ہاتھ نہیں چھڑاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے خلق کا کیا کہیں! انہوں نے بھی فرما دیا کہ میرے بندے تم بیٹھے رہو گے تو اپنا جلوہ دکھانا میں ہر گز بند نہیں کروں گا۔ **سبحان اللہ**!

دائرہ حقیقت قرآن

بندہ خاص جب اس مقام حقیقت قرآن سے مشرف ہوتا ہے اور کلام مجید اور اس کے انوار و اسرار و برکات سے متمتع ہوتا ہے تو ہر ہر حرف قرآن پاک کو دریائے ذخار و بے کنار پاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس بندۂ خاص سے بھی کلام فرماتا ہے کہ جس کلام کی حقیقت اور ماہیت اور فیضان کو وہی جانتا ہے، دوسرا اس سے واقف نہیں ہوتا، چنانچہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے ایسا کلام فرمایا کہ اس کو نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی آنکھ نے دیکھا۔ اور حضرت غلام علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دو مرتبہ میں نے خدا کا کلام سنا ہے لیکن اس میں نہ حرف ہے نہ صوت (آواز)۔



حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عارف اکمل سے اللہ تعالیٰ ایسا کلام فرماتا ہے کہ وہ کلام پھر دوسروں سے نہیں فرماتا اس شرح سے یہ بات صاف ہوگئی ورنہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور دیگر عرفاء کے مرتبہ کی تنقیص واقع ہوتی تھی اور جو حالت خاتم النبیین صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم پر ثقالت کی بروقت نزول وحی معلوم ہوتی تھی اس کا نمونہ بھی عکسی طور پر اس بندہ خاص پر گزرتا ہے اور سینہ اس بندۂ خاص کا کلام ربانی کی فہمید کے واسطے نہایت وسیع ہو جاتا ہے اور اسرار حروف مقطعات الم وطہ ویس وغیرہ سے اپنی لیاقت کے موافق واقف ہوتا ہے، اور سورہ الم

نشرح و سورہ اقرا کے فیضان سے مشرف ہوتا ہے: ذوق ایں مے نہ شناسی بخدا تانہ چشی (خدا کی قسم تو اس شراب کے مزہ سے اس وقت تک واقف نہیں ہو سکتا جب تک کہ نہ چکھے)۔

حقیقتِ کعبۂ ربانی سے حقیقتِ قرآن مجید تک

ہدایت الطالبین میں حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"اس مقام (یعنی حقیقتِ کعبہ پر) حضرت حق سبحانہٗ کی عظمت اور کبریائی مشہود ہوئی اور میرے باطن پر ایک عظیم ہیبت طاری ہوئی۔ فرماتے ہیں کہ جب حضرت پیر دستگیر نے اس عاجز پر قرآن مجید کی حقیقت میں توجہ فرمائی تو میں نے اس مقام پر عظمت و کبریائی کے شاہی پردوں کے اندر اپنے کو پایا اور عالمِ مثال میں ایسا دیکھا کہ گویا میں خانۂ کعبہ کی چھت پر چڑھ گیا ہوں اور وہاں ایک زینہ رکھا ہے میں اس زینے سے عروج کر کے حقیقتِ قرآن مجید میں داخل ہو گیا"۔

ابھی تک ہم نے حقیقتِ کعبۂ ربانی کے بارے میں باتیں کیں۔ اب حقیقتِ قرآن مجید کے بارے میں کچھ باتیں کرتے ہیں۔

حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہدایۃ الطالبین میں فرماتے ہیں کہ:

"حقیقتِ قرآنی سے مراد حضرت ذات کی بیچونی و بے کیفی کی وسعت و فراخی ہے اور حضرت ذات سبحانہ کی وسعت اس مقام سے شروع ہوتی ہے، اور ایسے حالات و کیفیات ظاہر ہوتی ہیں جو وسعت کے مشابہہ ہیں۔ ورنہ اس مقام پر لفظ وسعت کا اطلاق میدان کی تنگی ہے، اور محبوب حقیقی

کے غنچہ دہنی کا شگفتہ ہونا اسی مقام میں معلوم ہوتا ہے۔ پس خوب سمجھ لو اور کسی قسم کی کوتاہی نہ کرو۔ اس مقام پر کلام اللہ کے مخفی راز ظاہر ہوتے ہیں"۔

جیسے کہا جاتا ہے لِکُلِّ اٰیَةٍمِّنَ الْقُرْاٰنِ ظَھْرٌ وَّ بَطْنٌ قرآن کی ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے۔ پھر اس کے ہر باطن کے آگے سات باطن ہیں۔ تومشائخِ صوفیہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ جو ظاہر کے معانی ہیں، یہ تو ہم سمجھتے ہیں۔ اس کے آگے بھی معارف ہیں۔ ان معارف کے سمجھنے کا تعلق دل کی نورانیت کے ساتھ ہے۔ جتنی نورانیت ہوگی، اس کے باطن کے معارف بھی اتنے زیادہ ہوں گے۔

آگے فرماتے ہیں:

"میں نے قرآن مجید کے حروف میں سے ہر حرف کو ایک بے پایاں سمندر پایا، جو کعبۂ مقصود تک پہنچانے والا ہے۔ مگر ایک اور عجیب تر نکتہ سنو کہ باوجود ان تمام مختلف قصص و حکایات اور امر و نواہی کی قرأت کے وقت بہت سی چیزیں ظاہر ہوتی ہیں اور بہت سے اسرار کھلتے ہیں اور حق سبحانہ و تعالیٰ کی قدرت اور حکمت اور اس کے اسرار ظاہر ہوتے ہیں۔ دیکھو تمام عوام کی نصیحت و تعلیم کے لئے انبیاء علیہم السلام کی قصص و حکایات کا کیوں ذکر کیا گیا ہے اور بنی آدم کی ہدایت کے لئے احکام شریعت کیوں بیان فرمائے گئے ہیں؟ اور قرآن کریم کے حروف کے اندر کیا کیا کیفیات اور معاملات ہیں کہ حیرت پر حیرت ہوتی ہے اور وہ ہر حرف میں ایک خاص شان کے ساتھ ظہور فرماتا ہے اور اپنے جانبازوں کے دلوں کا شکار کرتا ہے۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے:

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں   بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

ترجمہ: نہ اس کے حسن کی حد ہے نہ سعدی کی زباں گونگی، نہ خالی ہو گا دریا خواہ مر ہی جائے مستسقی۔

اللہ کی شان کہ ایک ایک حرف کے اندر ہمارے مشائخ پر کیا کیا اسرار کھلتے ہیں۔

اس مقام پر قاری کی زبان شجرۂ موسوی پیدا کرتی ہے۔

آگے حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہدایۃ الطالبین میں فرماتے ہیں کہ:

قرآن مجید کی قرأت کے وقت پڑھنے والے کی زبان شجر موسوی کا حکم رکھتی ہے۔

یعنی جن کو حقیقت قرآن مجید کا مراقبہ کرنے کی سعادت ملے اور اس کو پورا فیض ملے تو وہ کئی مرتبہ قاری کے منہ سے نور کا اخراج ہوتا ہوا آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ جیسے شجر موسوی تھا کہ آگ نکلتی نظر آرہی تھی، ایسے ہی قاری کی زبان سے قرآن کا نور نکل رہا ہوتا ہے تو اہل کشف کو محسوس ہوتا ہے کہ شاید ایک روشنی ہے جو وہاں سے نکل رہی ہے۔ ہمارے مشائخ نے فرمایا ہے کہ شاید یہی وجہ ہے کہ قاری قرآن پڑھتا ہے تو حدیث پاک کے مطابق فرشتے اس کے قریب آتے ہیں، قریب آتے ہیں، حتیٰ کہ قریب آتے آتے اس قاری کے منہ پر اپنا منہ رکھ دیتے ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس قاری کے منہ کو بوسہ دیتے ہیں۔ جو نور قاری کے منہ سے نکل رہا ہوتا ہے، اس کو بوسہ دیتے ہیں۔ یہ انسان کتنا خوش نصیب ہے جس کے منہ سے ایسا نور نکلتا ہے۔ ہم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ قرآن مجید پڑھتے وقت کیا ہو رہا ہوتا ہے، **سبحان اللہ**!

اسی لئے فرمایا:

"تبرک بالقرآن، فإنه کلام الله خرج منه"۔[180]

”قرآن مجید سے تم تبرک پاؤ کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس سے ہی نکلا ہے“۔

---

180 کنز العمال: ۲۳۶۴

فرماتے ہیں کہ:

”قرآن مجید کی قرأت کے وقت پڑھنے والے کی زبان شجر موسوی کا حکم رکھتی ہے اور قرأت کے لئے تمام جسم زبان ہی زبان بن جاتا ہے“۔

یعنی اگرچہ الفاظ تو زبان سے نکل رہے ہوتے ہیں، لیکن اس وقت نور پورے جسم سے نکل رہا ہوتا ہے۔

آگے فرماتے ہیں کہ:

”اس مقام پر حضرت ذات کی بیچونی جو مبدأ وسعت ہے اس کا مراقبہ کیا جاتا ہے، اور ان مقامات کا مورد فیض سالک کی ہیئت وحدانی ہے“۔

چنانچہ حقیقتِ کعبۂ ربانی والے سبق کی طرح اس سبق میں بھی ہیئت وحدانی پر فیض آتا ہے اور نیت کرتے ہیں کہ ”اس کمال وسعت والی بے مثال وبے چون ذات سے جو منشاء حقیقت قرآن مجید ہے میری ہیئت وحدانی پر فیض آرہا ہے“۔

حقیقت کعبہ ربانی حقیقت قرآن سے بلند ہے

مکتوبات دفتر اول مکتوب ۲۵۵ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ:

”نیز آپ نے یہ لکھا تھا کہ ایک رسالہ میں یہ تحریر دیکھی ہے کہ حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ ”قرآن بحقیقت از مرتبۂ عین جمع است“ (یعنی قرآن مجید حقیقت میں مرتبۂ عین سے جمع ہے) یعنی ذات تعالیٰ و تقدس کی احدیت سے ہے۔ لٰہذا جو کچھ رسالہ مبدأ و معاد میں تحریر کیا گیا کہ ”حقیقتِ کعبۂ ربانی، حقیقتِ قرآنی سے بلند وبالا ہے“ اس کے کیا معنی ہوں گے؟“۔

اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

"میرے مخدوم! احدیتِ ذات سے مراد احدیتِ مجردہ نہیں ہے کہ جس میں کوئی صفت و شان ملحوظ نہ ہو کیونکہ حقیقتِ قرآن کا منشاء صفتِ کلام سے ہے جو صفات ثمانیہ (آٹھ صفات) میں سے ایک صفت ہے اور حقیقتِ کعبہ کا مبداء و منشاء وہ مرتبہ ہے جو شیونات وصفات کی تلوینات سے برتر ہے، اس لئے اس کی فوقیت کی گنجائش ہے"۔

چنانچہ مکتوبات مجددیہ دفتر سوم مکتوب ۷۷ میں فرماتے ہیں کہ:

"نور صرف (خالص نور) کے بعد کہ جس کو اس فقیر نے "حقیقتِ کعبہ ٔربانی" پایا ہے اور لکھا ہے کہ یہ ایک نہایت ہی عالی مرتبہ ہے جو کہ حق تعالیٰ جل سلطانہ کے قرآن مجید کی حقیقت ہے اور اسی کے حکم سے قرآن مجید کے مطابق کعبہ ٔمعظمہ آفاق کا قبلہ بنا اور تمام (مخلوق) کے مسجود ہونے کی دولت سے مشرف ہوا، لہٰذا امام قرآن مجید ہے اور ماموم یعنی مقتدیٔ پیشِ قدم کعبہ ٔمعظمہ ہے اور یہ مرتبہ ٔمقدسہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کی بے چون و سعت کا مبدأ ہے اور اس کی بارگاہ کی بیچونی و بیچگونی کے امتیاز کا مبدأ بھی یہی درجہ عالیہ ہے۔ اس درجہ ٔمقدسہ کی وسعت و عظمت اس کے طول و عرض کی درازی کی وجہ سے نہیں ہے کیونکہ وہ نقص و امکان کی علامات ہیں بلکہ یہ ایک ایسا امر ہے کہ جب تک اس کے ساتھ متحقق نہ ہو (یعنی جب تک اس مقام تک نہ پہنچے) معلوم نہیں ہو سکتا"۔

ہدایت الطالبین میں حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"نسبت کی بلندی اس مقام پر (یعنی حقیقتِ قرآن مجید پر) تو اس درجہ کی ہے کہ گویا نہ صرف کمالات کی نسبت اپنی بلندی اور وسعت کے باوجود بلکہ حقیقتِ کعبہ معظمہ بھی (اپنی عظمت و کبریائی

کے باوجود) حقیقتِ قرآن مجید کے تحت میں نظر آتی ہے۔ اس مقام پر حضرت ذات کی بے چونی جو مبدأ وسعت ہے اس کا مراقبہ کیا جاتا ہے"۔

حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دفتر سوم مکتوب ۱۲۸ میں بھی فرماتے ہیں:

"حقیقتِ قرآن مجید کا اُس مقام میں ظاہر ہونا جو کہ معبودیتِ صرف ہے محلِ تاٴمل ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے اور نیز حقیقتِ قرآنی ہمارے حضرتِ عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) کے مطابق حضرت ذات تعالیٰ کی وسعت بیچون کا مبدأ ہے اور یہ حقیقت ذاتِ مجرد پر زائد ہے پس معبودیت صرف کے لائق نہیں ہو گی اور اس بارگاہِ عالی سے نیچے ہو گی۔ اس بیان سے وہ شبہ ساقط ہو گیا جو کہ وارد کیا گیا کہ حقیقتِ قرآن مجید صفتِ کلام یا شانِ کلام سے پیدا ہوتی ہے، اس لئے ولایتِ کبریٰ میں داخل ہو گی اور اس کے کمالاتِ نبوی سے فوقیت رکھنے کی کیا صورت ہو گی کیونکہ یہ معنی کہ وسعتِ بیچون کا مبدأ حضرت ذات تعالیٰ ہے ولایتِ سہ گانہ و کمالاتِ نبوی و حقیقت کعبہ سے بالاتر ہے"۔

قرآن مجید کے انوارات کے انکشاف کی علامت دل پر ثقل

حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہدایۃ الطالبین میں فرماتے ہیں کہ:

"اسی طرح قرآن کریم کی سماعت میں ہے کہ اگر خوش الحان شخص سے سنا جائے تو نسبتِ ولایت کا ظہور ہوتا ہے اور اگر درست پڑھنے والے سے سنا جائے تو فوق کی نسبت حقائق ظہور کریں گے کیونکہ خوش آوازی کو قلب سے پوری پوری مناسبت ہے جو ضرور ظاہر ہو گی۔ اور اگر الفاظ کی فصاحت اور صحیح مخارج کی ادائیگی اور ترتیل کے ساتھ پڑھا جائے خواہ خوش آوازی نہ بھی ہو، تب بھی وہ حقائق فوقانی جلوہ گر ہوں گے"۔

چنانچہ اس سبق پر اگر ترتیل، الفاظ کی صحت اور مخارج سے قرآن مجید کی تلاوت کی جائے تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حقائق نصیب ہوتے ہیں۔

مصنفِ کنزالہدایات حضرت مفتی محمد باقر لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت خواجہ سیف الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بن حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی موتی بکھیرنے والی زبان (مبارک) سے میں نے سنا ہے کہ قرآن مجید کے انوار کے انکشاف کی علامت غالبًا عارف کے دل پر ایک ثقل (بوجھ) کا وارد ہونا ہے۔ گویا آیت کریمہ: إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا (المزمل ۵) میں اسی معرفت کی طرف اشارہ ہے''۔

یعنی جو حقیقت قرآن مجید کا مراقبہ کرتا ہے، مراقبہ کے دوران اس کو ایک ثقل محسوس ہوتا ہے۔ جو اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ قرآن مجید کا فیض مل رہا ہے۔ چونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھی بوجھ محسوس ہوتا تھا، حتیٰ کہ اگر اونٹنی پر سوار ہوتے تھے تو وہ بیٹھ جاتی تھی۔ جو بندہ قریب ہوتا تھا اگر اس کی ران پر ٹیک ہوتی تھی تو ٹوٹنے کو آتی تھی۔ تو یہ ثقل سالک بھی محسوس کرتا ہے۔

سالک حقیقت کی طرف متوجہ رہے یا صورت کی طرف؟

کسی نے حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا کہ:

''اگر کعبہ یا قرآن مجید کی طرف متوجہ ہو تو ان کی حقیقت کی طرف متوجہ ہو یا ان کی صورت کی طرف ہو۔ اگر ان کی حقیقت کی طرف متوجہ ہو تو جو شخص کہ ان کی حقیقت تک نہیں پہنچا ہے وہ کس طرح ان کی حقیقت کی طرف متوجہ ہو گا۔ اگر ان کی صورت کی طرف متوجہ ہو تو یہ بات قرآن مجید کے بارے میں تو درست آسکتی ہے کیونکہ وہاں الفاظ و معانی و قصص ہیں لیکن کعبہ میں ذرا بھی درست

نہیں آتی کیونکہ محض سنگ و کلوخ کو قبلہ نہیں بناسکتے خاص کر اس کے سامنے نہ ہونے (کے وقت) میں"۔

مکتوبات معصومیہ کے دفتر دوم مکتوب ۱۱۹ میں حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جواب دیتے ہیں:

"اے سعادت آثار! نمازی کو چاہیئے کہ اس کی صورت کی طرف متوجہ ہو، اگر وہ اہل حقیقت میں سے ہے تو وہ صورت سے حقیقت کی طرف چلا جاتا ہے اور حقیقت کو صورت میں دیکھتا ہے اور اگر وہ اہل حقیقت میں سے نہیں ہے تو صورت کی طرف متوجہ ہونا بھی اس کے لئے غنیمت ہے۔ اور یہ جو لوگوں نے پتھروں اور ڈھیلوں کو کعبہ کی صورت قرار دیا ہے ایسا نہیں ہے کیونکہ اگر پتھر اور ڈھیلے درمیان میں نہ بھی ہوں اور چھت اور دیواریں نہ بھی ہوں کعبہ تب بھی کعبہ ہی ہے اور مخلوقات کا مسجود الیہ ہے بلکہ صورت کعبہ ایک ایسا معنی ہے کہ عقلیں اس کو سمجھنے سے عاجز ہیں، یہ صورت حقیقت کی صفت رکھتی ہے اور حقیقت کعبہ اس سے ماوراء ہے جبکہ عقلیں اس کی صورت کو سمجھنے سے قاصر ہیں تو وہ حقیقت کو کیا پہنچیں گی، اور نیز ہم کہتے ہیں کہ کعبہ کی طرف متوجہ ہونا یہی ہے کہ کعبہ کی جانب نماز پڑھے، اس توجہ کے سمجھنے اور کعبہ کو خیال میں لانے کی کیا ضرورت ہے؟ اس کی جہت کی طرف توجہ کرنے سے ہی کعبہ کی برکات سے فیض یاب ہو جاتا ہے اور اس کی حقیقت سے بہرہ ور ہو جاتا ہے"۔

حقیقتِ کعبہ اور حقیقتِ قرآن، حقیقتِ صلوٰۃ کا جزو ہے

اس کے آگے حقیقت نماز ہے۔

مکتوبات مجددیہ، دفتر سوم مکتوب ۷۷ میں فرماتے ہیں کہ:

"اس مرتبۂ مقدسہ (یعنی حقیقت قرآن مجید) کے اوپر ایک اور بہت بلند مرتبہ ہے جس کو حقیقت صلوٰۃ کہتے ہیں۔ اور عالمِ شہادت میں اس کی صورت مصلیانِ اربابِ نہایت (منتہی نمازیوں) کے ساتھ قائم ہے اور یہ جو معراج شریف کے واقعہ میں آیاہے کہ **قِفْ یَا مُحَمَّدُ فَاِنَّ اللّٰہَ یُصَلّی**۔ (اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ٹھہر جایئے کیونکہ اللہ تعالیٰ صلوٰۃ میں ہے) ممکن ہے کہ اس میں اسی حقیقت صلوٰۃ کی طرف اشارہ کیا گیاہو"۔

آگے فرماتے ہیں:

"اس مرتبۂ مقدسہ میں کمال درجہ وسعت اور امتیازِ بے چون ہے کیونکہ اگر "حقیقتِ کعبہ" ہے تو وہ بھی اسی (یعنی حقیقت نماز) کا جزو ہے۔ اور اگر "حقیقت قرآن" ہے تو وہ بھی اسی کا حصہ ہے کیونکہ نماز مراتبِ عبادات کے ان تمام کمالات کی جامع ہے جو اصل الاصل کی نسبت سے ثابت ہیں کیونکہ معبودیت صرف اسی کے لئے ثابت ہے"۔

دائرہ حقیقت صلوٰۃ

مقام حقیقت الصلوۃ ایسا مقام ہے کہ بلا پردہ بندہ کے سامنے رب اور رب کے سامنے بندہ ہوتا ہے اور کوئی چیز درمیان میں حائل نہیں ہوتی اور اس مقام کے عارف پر **الصلوۃ معراج المؤمنین** اور **قرّۃ عینی فی الصلوۃ** کے اسرار کھلتے ہیں اور جو رویت حق عالم آخرت میں نصیب ہوگی اس کا نمونہ نماز میں میسر ہوتا ہے اور جو اسرار علوم اور انوار وبرکات سے خاتم النبیین صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ

وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم مشرف ہوئے تھے اس کی اتباع اور اس کے عکس سے یہ بندہ خاص بھی مشرف ہوتا ہے اور اس بندہ خاص کی ایک رکعت اوروں کی لاکھوں رکعت سے بہتر ہے۔



اسی معنی میں حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یک رکعت اوازرکعت توصدہزار بہتر از تو بہتر ست اے نابکار

اس کی ایک رکعت تیری لاکھوں رکعتوں سے

بہتر ہے اے ناکارہ انسان

حقیقت قرآن اور حقیقت صلوٰۃ

حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے صاحبزادے حضرت شیخ عبد الاحد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نام مکتوباتِ معصومیہ میں دفتر سوم مکتوب ۱۴۰ میں فرماتے ہیں:

"فرزند ارجمند شیخ عبد الاحد نے پوچھا ہے کہ حقیقتِ قرآنی مبدأ وسعتِ بیچونیٔ ذات تعالیٰ سے عبارت ہے آپ بیان کریں کہ حقیقت صلوٰۃ کس اعتبار و شان سے عبارت ہے۔ آپ جان لیں کہ حضرتِ عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) نے حقیقتِ صلوٰۃ کے بارے میں لکھا ہے کہ اس مقام میں

کمالِ وسعت بیچونی ہے، پس حقیقت قرآنی میں مبدأ وسعت ہے اور اس جگہ (حقیقت صلوٰۃ میں) کمال وسعت ہے لیکن اس کو ماننے کی صورت میں شبہ وارد ہوتا ہے کہ مبدأ شئ کو شئ پر سبقت و فوقیت ہے پس حقیقتِ قرآنی کو حقیقت صلوٰۃ پر مقدم ہونا چاہیئے اور حالانکہ انہوں (مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) نے حقیقتِ صلوٰۃ کو حقیقت قرآنی سے اوپر لکھا ہے"۔

جواب میں حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"ہو سکتا ہے کہ یہ مبدأ ہونا سالک کے عروج کی جانب میں ہو یعنی عروج کے مدارج میں وسعت کا شروع حقیقتِ قرآنی سے ہو اور اس کا کمال اوپر کی حقیقت میں ہو اور اس اعتبار سے مبدأ ہونے کو تأخر ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ تفوق دونوں جانب سے ہے (اور) دو اعتبار سے ہے۔ حقیقتِ قرآنی چونکہ حقیقتِ صلوٰۃ کا جزو ہے جیسا کہ حضرتِ عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) نے لکھا ہے کہ اگر حقیقتِ کعبہ ہے تو اس کا جزو ہے اور اگر حقیقتِ قرآنی ہے تو وہ بھی اس کا جزو ہے کیونکہ نماز عبادت کے تمام کمالات و مراتب کی جامع ہے کہ اصل الاصل کی نسبت کے ساتھ ثابت ہے اور (اس میں) شک نہیں ہے کہ جزو کو کُل پر تقدم ہے اور کُل کو فضیلت (حاصل) ہے کیونکہ کُل اس جزو پر بھی مشتمل ہے اور دوسرے اجزاء پر بھی۔ پس ظاہر کے اعتبار سے جزو کو اور باطن اور رُتبے کے اعتبار سے کُل کو فوقیت ہے"۔

نماز کی لذت میں نفس کا دخل نہیں

مکتوبات امام ربانی قدس سرہٗ دفتر اول مکتوب ۱۳۷ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ایک اور خاص بات فرماتے ہیں کہ:

"وہ لذت جو عین نماز کی حالت میں حاصل ہوتی ہے اس میں نفس کا کچھ بھی فائدہ نہیں ہے بلکہ وہ عین اس لذت کے وقت نالہ وفغاں میں ہوتا ہے"۔

فرماتے ہیں کہ نماز ایسی عبادت ہے کہ نفس کو اس میں لذت مل ہی نہیں سکتی، اگر ملتی ہے تو وہ دل کی لذت ہوتی ہے۔ اس مکتوب میں عجیب عبارت لکھی ہے کہ پہلے ذوق وشوق ہوتا ہے جو ولایت کے درجات ہیں اور جو ولایت انبیاء کرام ہے، اس میں بے حلاوتی ہو جاتی ہے، حیرت ہو جاتی ہے اور قرب بڑھ جاتا ہے۔

حقیقت صلوٰۃ کے متعلق اشارات

مکتوبات مجددیہ دفتر دوم مکتوب ۸۷ میں فرماتے ہیں:

"كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم دَائِمَ الْحُزْنِ، مُتَوَاصِلَ الْفِكْرِ (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہمیشہ مغموم اور متواتر فکر مند رہتے تھے)۔ ان بزرگوں کی لذت محبوب کی اطاعت میں ہے اور بس اور ان کا انس اس کی بندگی پر موقوف ہے، اَرِحْنِیْ یَا بِلَالُ (اے بلال! مجھے راحت پہنچا) اسی کی طرف اشارہ ہے اور قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلَاةِ (میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے) اسی کی ایک رمز ہے۔ دوسرے حضرات شہود کی لذت کے ساتھ لطف اندوز ہوتے ہیں اور وصال کے خیال پر فریفتہ ہیں اور ان حضرات نے اس شہود سے آنکھ بند کی ہوئی ہے اور اس وصال کو خیال تصور کر کے غیب کے ساتھ جو کہ شہود پر ہزاروں درجے فضیلت رکھتا ہے مطمئن ہیں اور کمرِ ہمت کو اس کی بندگی پر چست باندھے ہوئے ہیں۔ تحریمۂ اولیٰ (تکبیر اولیٰ) کو جسے وہ امام کے ساتھ

پاتے ہیں تجلیات و ظہورات سے بہتر جانتے ہیں اور خشوع (عاجزی) اور سجدہ کی جگہ پر نگاہ جمانے کو کہ حدیث شریف مَتِّعْ بَصَرَکَ بِمَوْضِعِ سُجُوْدِکَ (تو اپنی نگاہ کو اپنے سجدوں کی جگہ پر رکھ) جس پر دال ہے اور آیت کریمہ: قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (۱) الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (المؤمنون ۲) بے شک مراد کو پہنچے ایمان والے، جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں جس کی مُخبر ہے شہود و مشاہدہ سے زیادہ تصور فرماتے ہیں، نماز اسی (ظاہری) صورت پر موقوف نہیں ہے (بلکہ) عالم غیب الغیب میں ایک حقیقت رکھتی ہے جو کہ تمام حقیقتوں سے اوپر اور مشاہدات و تجلیات سے بالاتر ہے۔ شاید کہ حدیث شریف (قدسی) قِفْ یَا مُحَمَّدُ فَاِنَّ اللّٰہَ یُصَلِّی (اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم! ٹھہر جایئے پس بے شک اللہ تعالیٰ نماز میں ہے) میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے، جس قدر اس (نماز) کی (ظاہری) صورت کی تکمیل میں کوشش کی جائے اور خشوع و آداب کو کامل طور پر ادا کرنے میں جدوجہد کی جائے اس حقیقت کے ساتھ (اسی قدر) مناسبت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اس کی برکات سے بہت زیادہ بہرہ ور ہو جاتا ہے اور جو شخص کہ شہود کی بندش اور ظہورات کی قید میں ہے اس حقیقت سے محروم و مستور ہے اسی بناء پر اس کی صورت کی تکمیل کو جو کہ حقیقت کی طرف ایک راستہ رکھتی ہے مشاہدات و تجلیات سے بہتر سمجھتا ہے اور بلند ہمتی کے باعث ان پر قناعت نہیں کرتا"۔

جب حقیقتِ صلوٰۃ پالے تو کیا کیفیات حاصل ہوتی ہیں؟

ہدایت الطالبین میں حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"جو سالک اس حقیقت مقدس سے بہرہ ور ہوا وہ ادائے صلوٰۃ کے وقت گویا اس دنیا سے باہر آجاتا ہے اور دوسری دنیا میں (عالم آخرت میں) چلا جاتا ہے اور رؤیت اخروی کے مشابہ حالت

حاصل کرلیتا ہے۔ تکبیرِ تحریمہ کے وقت دونوں جہانوں سے ہاتھ اٹھا کر دونوں جہانوں کو پس پشت ڈال کر اللہ اکبر کہتا ہوا حضرت سلطان ذیشان جل جلالہٗ کے حضور میں حاضر ہوتا ہے اور حضرت حق جلالہٗ کی عظمت و کبریائی کی ہیبت سے خود کو محض ذلیل اور ناچیز سمجھ کر محبوب حقیقی پر قربان ہو جاتا ہے اور قرأت کے وقت موجود موہوب میں جو اس مقام کو سزاوار ہے موجود ہو کر حضرت حق سبحانہٗ کے ساتھ متکلم اور اس جناب مقدس سے مخاطب ہوتا ہے"۔

یعنی جب قرأت کر رہا ہوتا ہے تو حدیث پاک میں بھی ہے کہ بندہ اپنے رب سے ہم کلامی کر رہا ہوتا ہے۔ بندہ جب کہتا ہے **الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (الفاتحة ا)**، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **حمدني عبدي**[181]، "میرے بندے نے میری حمد بیان کی ہے تو اس کا تو حدیث پاک میں بھی تذکرہ ہے۔

پھر فرماتے ہیں:

"گویا اس کی زبان شجر موسوی بن جاتی ہے، جیسا کہ ابھی ابھی حقیقت قرآن کے سلسلے میں ذکر ہوا۔ اور جب وہ رکوع میں جاتا ہے تو حد درجہ خشوع ظاہر کرتا ہے اور مزید قرب سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ اور تسبیح پڑھتے وقت ایک خاص کیفیت سے مشرف ہوتا ہے اور اس نعمت پر شکر کرتا ہوا قومہ کرتا ہے، اور پھر حق سبحانہ و تعالیٰ کے حضور میں سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے۔ قومے کا راز جیسا کہ میری فہمِ ناقص میں آیا ہے یہ ہے کہ چونکہ اب ادائے سجود کا قصد رکھتا ہے، اس لئے قیام کے بعد سجدے میں جانا مزید عاجزی کا موجب ہے۔ جب وہ رکوع سے سجدے میں جاتا ہے تو سجدہ ادا کرتے وقت جو قرب اسے حاصل ہوتا ہے، وہ بیان نہیں ہو سکتا۔ عقل اس کے ادراک سے عاجز و قاصر ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ ساری نماز کا خلاصہ سجود ہی سجود ہے۔ حدیث قدسی میں ہے کہ سجدہ کرنے والا اللہ

---

181 (صحیح مسلم، ج۲، ص۹)

تعالیٰ کے دو قدموں پر سجدہ کرتا ہے، اور یہ آیت کریمہ: وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (العلق ۱۹)(اور سجدہ کرو اور ہم سے قریب ہو جاؤ) اسی قرب کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

کسی نے کیا ہی اچھا کہا کہ:

سر در قدمش بروں ہر بار چہ خوش باشد
راز دل خود گفتن با یار چہ خوش باشد

ترجمہ: سر کو ہر بار اُس کے قدموں پر جھکانا خوب ہے، اس کے آگے دل کی باتیں لب پہ لانا خوب ہے۔

نماز کے سنن و آداب بجالانے سے حقائق کا حصول

آگے فرماتے ہیں کہ:

"جاننا چاہیئے کہ جب نماز کے ادا کرتے وقت سنتوں کو اور نماز کے آداب کو جیسا کہ چاہیئے بجا لایا جاتا ہے مثلاً نماز کے آداب میں سے ہے کہ نماز میں قیام کے وقت سجدے کی جگہ پر اپنی نظر رکھے اور رکوع میں دونوں قدموں پر، سجدے میں ناک کے نرمہ پر، قعود (بیٹھنے) میں دونوں گھٹنوں پر اور اسی طرح دوسرے تمام آداب کی بھی رعایت کرے تو ضرور حقیقتِ نماز جلوہ فرماتی ہے۔ اور یہ کہ بعض لوگ حضور اور جمعیت کے لئے قیام میں آنکھیں بند کر کے متوجہ ہوتے ہیں، ان چیزوں سے لطائف کا حضور تو البتہ پیدا ہو جاتا ہے، لیکن فوق کی نسبتوں کے ظہور کے لئے آنکھیں بند کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ یہاں ہر قسم کا حضور قالب ہی کے لئے ہوتا ہے، اور قالب کا حضور سنت کے مطابق آداب کی رعایت سے ہوتا ہے، اور نماز کے قیام میں آنکھوں کو بند کرنا بدعت ہے اگرچہ حضور کے لئے جائز کیا گیا ہے"۔

مکتوباتِ معصومیہ دفتر دوم مکتوب ۸۷ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اسی بات کو سمجھاتے ہیں کہ:

''نماز اسی ظاہری صورت پر موقوف نہیں بلکہ عالمِ غیب الغیب میں ایک حقیقت رکھتی ہے جو کہ تمام حقیقتوں سے اوپر اور مشاہدات و تجلیات سے بالاتر ہے''۔

پھر آگے فرماتے ہیں:

''جس قدر اس (نماز) کی (ظاہری) صورت کی تکمیل میں کوشش کی جائے اور خشوع و آداب کو کامل طور پر ادا کرنے میں جدوجہد کی جائے اس حقیقت کے ساتھ (اس قدر) مناسبت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اس کی برکات سے بہت زیادہ بہرہ ور ہو جاتا ہے''۔

حقیقتِ نماز سے اوپر معبودیت صرفہ کا مرتبہ

حقیقتِ صلوٰۃ کے بعد معبودیت صرفہ کا مقام ہے۔ حقائق الٰہیہ کی سیر یہاں ختم ہو جاتی ہے۔ صرفہ کہتے ہیں خالص کو یعنی کہ یہ خالص معبودیت کا مقام ہے جو کہ حقیقتِ صلوٰۃ سے بھی اونچا مقام ہے۔

اس مراقبہ کی نیت ایسے کرتے ہیں کہ:

''اس ذات محض سے جو معبودیت صرفہ کا منشاء ہے میری ہیئت وحدانی پر فیض آرہا ہے''۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اپنے مکتوبات دفتر سوم مکتوب ۷۷ میں فرماتے ہیں:

''اور ''حقیقتِ صلوٰۃ'' جو کہ تمام عبادات کی جامع ہے اس مرتبہ میں وہ (یعنی نماز) اس مرتبہ مقدسہ کی بھی عبادت ہے جو اس سے اوپر ہے کیونکہ معبودیتِ صرف کا استحقاق بھی اسی مرتبہ فوق

کے لئے ثابت ہے جو کہ ''اصلِ کُل'' ہے اور سب کی جائے پناہ ہے، اس مقام میں وسعت بھی کوتاہی کرتی ہے اور امتیاز بھی راستہ میں رہ جاتا ہے اگرچہ وہ بیچون وبیچگون ہو''۔

جس طرح حقیقتِ صلوٰۃ کے مرتبہ کی عبادت نماز ہے، اسی طرح معبودیتِ صرفہ کے مقام کی عبادت بھی نماز ہے۔

دائرہ حقیقت معبودیت صرفہ

یہ مقام نہایت عالی مقام ہے، یہاں ترقی قدمی نہیں صرف ترقی نظری ہے یعنی قدم روح بھی یہاں آگے نہیں بڑھ سکتا، صرف نظر روح کام دیتی ہے جس مقام میں روح کا بھی گزر نہ ہو اس میں علم قال کا کیا گزر ہو سکتا ہے۔

معبودیت صرفہ کا تعلق قدم سے نہیں نظر سے ہے

اگرچہ معبودیت صرفہ کے مقام کی عبادت بھی نماز ہے لیکن حقیقتِ صلوٰۃ میں اور معبودیت صرفہ کے مقامات میں ایک بنیادی فرق ہے۔ وہ بنیادی فرق یہ ہے کہ تمام انبیاء اور اولیاء کے قدم صرف حقیقتِ صلوٰۃ تک ہی پہنچ سکتے ہیں۔ حقیقتِ صلوٰۃ کے بعد معبودیت صرفہ کا مقام ہے، وہاں سیر نظری تو ہو سکتی ہے لیکن اس مقام پر سیر قدمی کسی کو بھی نصیب نہیں ہو سکتی۔ قدمی سیر ختم ہو گئی کیونکہ سیر قدمی عابدیت کے مقام تک تھی جو کہ حقیقتِ صلوٰۃ کا مقام تھا۔

اربع انہار میں حضرت شاہ احمد سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''نظر یعنی فکر سے فیض لے سکتا ہے کیونکہ نظر ہر جگہ پہنچ سکتی ہے''۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اپنے مکتوبات دفتر سوم مکتوب ۷۷ میں فرماتے ہیں:

"کامل انبیاء و اکابر اولیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات اولاً و آخراً کے اقدام کا منتہا "حقیقت صلوٰۃ" کے مقام کی انتہا ہے جو کہ عابدوں کے مرتبۂ عبادت کی نہایت ہے، اور اس مقام سے اوپر معبودیت صرف کا مقام ہے جہاں کسی کو کسی طرح بھی اس دولت میں شرکت نہیں ہے کہ اس سے اوپر قدم رکھ سکے۔ کیونکہ ہر وہ مقام جہاں عبادت اور عبادیت کی آمیزش ہے وہاں تک تو نظر کی طرح قدم کے لئے بھی گنجائش ہے لیکن جب معاملہ "معبودیتِ صرفہ "تک پہنچ جاتا ہے تو قدم بھی کوتاہی کرتا ہے اور سیر بھی انجام کو پہنچ جاتی ہے، لیکن اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا شکر ہے کہ نظر کو اس جگہ سے منع نہیں فرمایا اور اس کی استعداد کے مطابق گنجائش بخشی ہے"۔

بلا بودے اگر ایں ہم نہ بودے

ترجمہ: مصیبت تھی اگر یہ بھی نہ ہوتا۔

روایات میں منقول ہے کہ معراج کے واقعہ میں ایک ایسا موقع آیا تھا کہ محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے فرمایا گیا تھا "قف یا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و سلم" (اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ٹھہر جایئے!)۔

فرماتے ہیں کہ:

"ہو سکتا ہے کہ قف یا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و سلم (اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ٹھہر جایئے!) کے امر میں اس کوتاہیٔ قدم کی طرف اشارہ ہو۔ یعنی اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ٹھہر جائیں اور قدم آگے نہ رکھیں کیونکہ یہاں مرتبۂ صلوٰۃ سے بلند مرتبہ جو کہ مرتبہ وجوب سے صادر ہے وہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کا مرتبۂ تجرد و تنزہ ہے جہاں نہ قدم کی جولانگاہ ہے اور نہ گنجائش ہے"۔

چنانچہ حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شیخ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مرتبہ معبودیتِ صرفہ میں توجہ فرمائی تو حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس بارے میں ہدایۃ الطالبین میں فرماتے ہیں کہ:

"پھر حضرت پیر دستگیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس عاجز پر اس عالی مقام میں توجہ فرمائی تو میں نے دیکھا کہ میں ایک مقام پر ہوں جس کے اوپر ایک بہت بڑا بلند اور بے رنگ مقام ہے۔ میں نے ہر چند چاہا کہ اس مقام میں پہنچ جاؤں لیکن نہ ہو سکا، اس وقت معلوم ہوا کہ یہ مقام "معبودیت صرفہ" ہے کہ وہاں قدم رکھنے کی گنجائش نہیں مگر جہاں تک نظر پہنچے اس کو گنجائش ہے دیکھ لے"۔

پھر ایک شعر نقل فرماتے ہیں:

تماشا کنانِ کوتہ دست   تو درختِ بلند بالائی

"تو وہ سروِ بلند و بالا ہے دیکھنے والے کیا بڑھائیں ہاتھ"۔

معبودیت صرفہ میں کلمۂ طیبہ کی حقیقت متحقق ہوتی ہے

دفتر سوم مکتوب ۷۷ میں ہی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

"کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کی حقیقت اس مقام (یعنی معبودیت صرفہ) میں متحقق ہو جاتی ہے اور غیر مستحق معبودوں کی عبادت کی نفی میں صورت اختیار کرتی ہے اور معبودِ حقیقی کا اثبات یعنی اس (حق تعالیٰ) کے سوا کوئی مستحقِ عبادت نہیں اس مقام میں حاصل ہو جاتا ہے اور عابدیت اور معبودیت کے درمیان کمال درجہ کا امتیاز اس جگہ ظاہر ہوتا ہے اور عابد معبود سے کما حقہ جدا ہو جاتا ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کے معنی منتہیوں کے حال کی نسبت سے لا معبود الا اللہ (نہیں معبود مگر اللہ) ہیں جیسا کہ شرع شریف میں اس کلمہ کے معنی مقرر ہو چکے ہیں، اور لا موجود الا اللہ و لا وجود

الا اللہ ولا مقصود الا اللہ کہنا ابتدائی اور درمیانی نسبت سے ہے اور لا مقصود کا مرتبہ لا موجود اور لا وجود کے مرتبہ سے بلند ہے کیونکہ وہ لا معبود الا اللہ کا دریچہ (کھڑکی) ہے"۔

حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی ہدایت الطالبین میں فرماتے ہیں:

"اسی مقام پر "کلمۂ طیبہ" لا معبود الا اللہ کے معنی کا راز جلوہ گر ہوا، اور صاف طور پر ظاہر ہو گیا کہ فی الحقیقت ہر طرح کی عبادت کا حق سوائے اللہ تعالیٰ کی احدیت کے کسی کو نہیں پہنچتا اگرچہ اسماء وصفات ہی کیوں نہ ہوں اور تمام ممکنات کے لئے تو اس امر کی لیاقت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا چاہے جو بھی ہو۔ شرک کی یہاں کوئی حقیقت نہیں رہ جاتی بلکہ وہ بیخ و بن سے اکھڑ جاتا ہے"۔

اس مقام میں نظر کی ترقی عبادتِ نماز سے وابستہ ہے

اسی مکتوب کے آخر میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ:

"جاننا چاہیئے کہ اس مقام میں نظر کی ترقی اور نگاہ میں تیزی صلوٰۃ (نماز) کی عبادت کے ساتھ وابستہ ہے جو منتہیوں کا کام ہے دوسری عبادات بھی اس صلوٰۃ کی تکمیل میں شاید مدد فرمائیں اور اس کے نقصان کی تلافی کریں۔ اسی لئے نماز کو بھی ایمان کی طرح حَسَن لذاته (یعنی اصل اور ذات میں خوب اور بہتر) کہتے ہیں اور دوسری عبادتیں حُسن لذواتها (اپنی ذات میں حُسن) نہیں ہے"۔

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ وصولِ نظری سے کیا مراد ہے؟

مکتوبات معصومیہ کے دفتر دوم مکتوب ۱۱۹ میں حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"اگر کہیں کہ رویتِ بصری و مشاہدۂ قلبی دونوں دنیا میں واقع نہیں ہیں تو اُس بارگاہ میں وصولِ نظری کس معنی میں ہو گا، ہم کہتے ہیں کہ یہ نظر رویت و مشاہدہ سے ماوراء ایک بے کیف امر ہے جب تک تو اس کو نہ پہنچے اس کے معنی کو نہیں سمجھ سکے گا۔ گویا کہ متشابہات کی قسم سے ہے"۔

ہمارے حضرت عالی (قدس سرہٗ) یعنی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے تحریر فرمایا کہ:

"وصول نظری اور وصول قدمی اس معنی میں نہیں ہے کہ وہاں شہود و مشاہدہ ہے یا قدم کی گنجائش ہے اس جگہ تو بال کی (بھی) گنجائش نہیں ہے قدم کی کیا ہو گی بلکہ ایک مجہول کیفیت والا وصول ہے، اگر صورتِ مثالیہ میں نظر کے ذریعے سے منقش ہوا تو (اس کو) وصولِ نظری کہتے ہیں اور اگر قدم کے ذریعے سے ہے تو وصول قدمی ہے ورنہ نظر و قدم دونوں اس بارگاہ سے بے خود و حیران ہیں"۔

نماز تمام عبادتوں کی جامع ہے

مکتوبات مجددیہ دفتر اول مکتوب ۲۶۱ میں فرماتے ہیں:

"معلوم ہوا کہ اسلام کے پنجگانہ ارکان میں سے "نماز" رکنِ دوم ہے جو تمام عبادات کی جامع ہے اور ایک ایسا جزو ہے کہ جس نے اپنی جامعیت کی وجہ سے کل کا حکم پیدا کر لیا ہے اور تمام مقرب اعمال پر سبقت لے گئی ہے۔ اور وہ دولتِ رویت (باری تعالیٰ) جو سرورِ عالمیان علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات کو شبِ معراج بہشت میں میسر ہوئی تھی، دنیا میں نزول فرمانے کے بعد اس جہان کے مناسب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو وہ دولت نماز میں میسر ہوتی تھی"۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ: أقرب ما یکون العبد الی الرب فی الصلوٰۃ۔[182] سب سے زیادہ اعلیٰ قرب جو بندے کو رب سے حاصل ہوتا ہے وہ نماز میں ہے۔ اب آگے نماز کی عظمت کے بارے میں چند الفاظ لکھے ہیں۔

فرماتے ہیں:

"آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے کامل تابعداروں کو بھی اس جہان میں اس دولت کا بہت سا حصہ نماز میں حاصل ہے، اگرچہ حقیقی رویت میسر نہیں ہے کیونکہ یہ جہان اس کی تاب و طاقت نہیں رکھتا۔ اگر (حق تعالیٰ) نماز کا حکم نہ فرماتا تو مقصود کے چہرے سے نقاب کون اٹھاتا؟ اور طالب کو مطلوب کی طرف کون رہنمائی کرتا؟ نماز ہی ہے جو غمگساروں کے لئے لذت بخش ہے اور نماز ہی ہے جو بیماروں کو راحت دہ ہے، اَرِحْنِیْ یَا بِلَال (اے بلال (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) مجھے راحت دے) اسی حقیقت کا رمز ہے۔ اور قرۃ عینی فی الصلاۃ (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) میں اسی آرزو کی طرف اشارہ ہے۔ وہ ذوق و مواجید، علوم و معارف، احوال و مقامات، انوار و الوان، تلوینات و تمکینات (بے قراری و اطمینان)، تجلیاتِ متکیفہ و غیر متکیفہ (کیفیت والی اور بے کیفیت والی تجلیات) اور ظہوراتِ متلونہ و غیر متلونہ (رنگا رنگ و بے رنگ ظہورات) ان میں سے جو کچھ نماز کے علاوہ (اوقات میں) میسر ہوں اور نماز کی حقیقت سے آگاہی کے بغیر ظاہر ہوں ان سب کا منشاء ظلال و امثال ہے بلکہ وہم و خیال سے پیدا ہوئے ہیں۔ (بس نماز میں ذات کی طرف دھیان ہونا چاہیئے، اس کے علاوہ جو کیفیات واردات ہیں، ان کی طرف سالک کو توجہ نہیں کرنی چاہیئے۔ سبحان اللہ عجیب بات لکھی ہے)۔ وہ نمازی جو نماز کی حقیقت سے آگاہ ہے نماز کی ادائیگی کے وقت گویا عالمِ دنیا سے باہر نکل

---

182 کنز العمال، ج ۲، ص ۱۰۰

جاتا ہے اور عالمِ آخرت میں پہنچ جاتا ہے لہٰذا وہ اس وقت اس دولت سے جو آخرت کے ساتھ مخصوص ہے، حصہ کرلیتاہے اور اصل سے ظلیت کی آمیزش کے بغیر فائدہ اٹھاتا ہے"۔

بعض اولیاء نے سماع و نغمہ و غیرہ سے لذت پانے کی طرف اشارہ کیا ہے تو ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

"ایسی باتیں "حقیقتِ نماز" سے عدم آگاہی (بے خبری) کی وجہ سے ہیں، بلکہ اس طائفہ (صوفیہ) کی ایک کثیر جماعت نے اپنے اضطراب و بے قراری کی تسکین کو سماع و نغمہ اور وجد و تواجد میں تلاش کیا اور اپنے مطلوب کو نغمہ کے پردوں میں مطالعہ کیا اور رقص اور رقاصی کو اپنا مسلک بنالیا ہے۔ حالانکہ انہوں نے سنا ہو گا: مَا جَعَلَ اللّٰهُ فِي الْحَرَامِ شِفَاء (اللہ تعالیٰ نے حرام چیز میں شفا نہیں رکھی)۔ہاں، اَلْغَرِيْقُ يَتَعلَّقُ بِكُلِّ حَشِيْش وَ حُبُّ الشّيئِ يُعْمِيْ وَ يُصِمّ (ڈوبنے والا شخص ہر ایک تنکے کا سہارا ڈھونڈتا ہے اور کسی چیز کی محبت اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے)۔ اگر نماز کے کمالات کی کچھ بھی حقیقت ان پر منکشف ہو جاتی تو وہ ہر گز سماع اور نغمہ کا دم نہ بھرتے اور وجد و تواجد کو یاد نہ کرتے"۔

وہ جو کہتے ہیں کہ ہم سماع اور نغمہ کی کیفیات میں مزے لینے والے لوگ ہیں، اس لئے کہ ان کو نماز کی حقیقت کا پتہ نہیں ہے۔ اگر نماز کی حقیقت کا پتہ چل جاتا تو وجد و تواجد کے پیچھے نہ جاتے۔

ایک بہت ہی عجیب بات کہی ہے، سبحان اللہ۔ امید ہے آپ اس بات کو دل میں جگہ دیں گے، یہ بہت اہم بات ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

"اس مکتوب کے مطالعہ کے بعد اگر آپ کو نماز سیکھنے اور اس کے بعض مخصوص کمالات حاصل کرنے کا خیال پیدا ہو اور وہ (شوق) آپ کو بے آرام کر دے تو استخاروں کے بعد اس طرف متوجہ ہو جائیں اور عمر کا ایک حصہ نماز سیکھنے میں گزاریں"۔

وہ کہتے ہیں کہ نماز کے کمالات کی اہمیت سمجھ میں آگئی ہے تو پھر آپ اس طرف متوجہ ہوں اور میرے پاس آئیں اور عمر کا ایک حصہ نماز کے سیکھنے میں صرف کر دیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نماز کی حقیقت نصیب فرمادیں۔ آمین ثم آمین۔

حقائقِ انبیاء سے مراقبۂ لاتعین تک

خلاصۂ سلوک

اس راہ میں سالک سب سے پہلے لطائف عالمِ امر و عالمِ خلق پر اسمِ ذات اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ عالمِ امر کے پانچ لطائف قلب، روح، سر، خفی، اخفیٰ ہیں۔ اور عالمِ خلق کے دو لطائف نفس اور قالبی ہیں۔ قالبی چار عناصر آگ، ہوا، پانی اور مٹی سے مرکب ہے۔ عالمِ امر اور عالمِ خلق دائرۂ امکان میں ہیں اور اس دائرہ کے نیچے والے حصے میں سیر آفاقی اور اوپر والے حصے میں سیر انفسی نصیب ہوتی ہے۔ چنانچہ عالمِ امر کے لطائف کے اصول عرش کے اوپر ہیں اور عالمِ خلق کے لطائف کے اصول عرش کے نیچے ہیں۔ اس کے بعد نفی اثبات یعنی تہلیل کے اسباق سے ترقی ہوتی ہے۔

نفی اثبات کے بعد مراقبۂ احدیت کا سبق ہوتا ہے جو کہ فکر کا سب سے پہلا سبق ہے۔ مراقبۂ احدیت کے بعد مشاربات کے اسباق شروع ہو جاتے ہیں جن میں عالمِ امر کے پانچوں لطائف کی فنا حاصل ہوتی ہے۔ دراصل عالمِ امر کے ہر لطیفہ کی اصل عرش کے اوپر ہے۔ لطیفہ قلب کی اصل تجلیٔ افعال الٰہی، لطیفہ روح کی اصل تجلی صفات ثبوتیہ، لطیفہ سر کی اصل تجلی شیونات ذاتیہ، لطیفہ خفی کی اصل تجلی صفاتِ سلبیہ اور لطیفۂ اخفیٰ کی اصل تجلیٔ شان جامع ہے۔ جب تمام لطائف اپنی اصل تک پہنچ جاتے ہیں تو ہر لطیفہ کی فنا حاصل ہو جاتی ہے اور دائرۂ امکان کی سیر ختم ہو جاتی ہے۔ دائرۂ امکان

کے بعد دوسرا دائرہ ولایت صغریٰ کا ہے اور اس میں معیت کا مراقبہ کیا جاتا ہے اور اس سیر کا تعلق اسماء وصفات کے ظلال سے ہے۔

تیسرے دائرے یعنی دائرۂ ولایت کبریٰ میں تجلیات خمسہ (فعلیہ، ثبوتیہ، شیون ذاتیہ، سلبیہ اور شان جامع) کے اصول میں سیر واقع ہوتی ہے۔ ولایت کبریٰ کو ولایت انبیاء سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کو دائرہ اسماء وصفات و شیونات بھی کہتے ہیں، کیونکہ اس میں اسماء و شیونات الٰہیہ میں سیر واقع ہوتی ہے۔ دائرۂ ولایت کبریٰ تین دائروں اور ایک قوس پر مشتمل ہے۔ پہلے دائرے میں مراقبہ اقربیت کرتے ہیں اور یہ دائرہ ولایتِ صغریٰ کی اصل ہے۔ باقی دو دائروں اور قوس میں مراقبہ محبت کرتے ہیں۔ دوسرا دائرہ پہلے دائرے کی اصل ہے، تیسرا دوسرے کی اصل ہے اور قوس تیسرے دائرے کی اصل ہے۔ ولایتِ صغریٰ و کبریٰ کی سیر کو اسمِ ظاہر کا سلوک کہتے ہیں اور یہ سیر مراقبہ اسمِ ظاہر پر ختم ہوتی ہے۔

اب تک تین دائرے مکمل ہو گئے۔ پہلا دائرۂ امکان، دوسرا دائرہ ولایتِ صغریٰ اور تیسرا دائرہ ولایتِ کبریٰ۔ اس کے بعد چوتھا دائرہ ہے جس میں ولایت علیا یعنی فرشتوں کی ولایت کی سیر ہوتی ہے۔ اس ولایت میں اسمِ باطن کا مراقبہ کیا جاتا ہے۔ جب سالک کو اسمِ ظاہر اور اسمِ باطن کے دو پر حاصل ہو گئے تو اب سالک کا معاملہ ظلال، صفات اور شیونات کی سیر سے نکل کر ذات سے وابستہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا سالک کو کمالاتِ ثلاثہ (یعنی کمالاتِ نبوت ، کمالاتِ رسالت اور کمالاتِ انبیاء اولوالعزم) میں تجلی ذاتی دائمی کی سیر نصیب ہوتی ہے۔

کمالاتِ ثلاثہ کے بعد ہمارے مشائخ نے سالک کو حقائق الٰہیہ کے چار مراقبے کروائے۔ چنانچہ پہلے دائرہ حقیقت کعبہ ربانی، پھر دائرہ حقیقت قرآن مجید اور پھر دائرہ حقیقت صلوٰۃ ہے۔ ان تینوں کو

حقائق ثلاثہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد پھر دائرۂ معبودیت صرفہ کا سبق آتا ہے جو کہ حقائق الٰہیہ میں سے آخری دائرہ ہے۔ حقائق الٰہیہ کے ساتھ ساتھ مشائخ کرام نے ایک اور راستے کی نشاندہی کروائی ہے جس میں حقائق الٰہیہ کی بجائے، حقائق انبیاء کے چار مراقبے کروائے جاتے ہیں جن میں حقیقتِ ابراہیمی، حقیقتِ موسوی، حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم شامل ہیں۔ سلوک کی کتابوں میں جہاں کہیں حقائق سبعہ کا ذکر آیا ہے، ان سے مراد حقائق الٰہیہ ثلاثہ اور حقائق انبیاء علیہم السلام کا مجموعہ ہے۔ ہمارے بزرگوں نے ساتوں اسباق کروانے کو پسند فرمایا تاکہ ہر قسم کا فیض سے مستفید ہوا جاسکے۔

نقشبندی مجددی سلوک کی قرآنی ترتیب

یہاں ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ سلوک کی ترتیب ایسی کیوں ہے؟ حقائق آخر میں کیوں نصیب ہوئے؟ اس کی کیا وجہ ہے کہ پہلے ذکر کے اسباق تھے، پھر فکر کے اسباق تھے اور بعد میں حقائق کھولے گئے؟ اصل میں یہ قرآنی ترتیب ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے مشائخ پر کھولی۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (آل عمران ۱۹۱)

ترجمہ: جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں اے رب ہمارے تو نے یہ بیکار نہ بنایا پاکی ہے تجھے تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔

اس آیت کریمہ میں پہلے ذکر کا تذکرہ ہے، پھر فکر کا۔ چنانچہ انسان پہلے ذکر سے من کو صاف کرتا ہے، پھر فکر سے اپنے باطن کو منور کرتا ہے۔ جب من ذکر سے صاف اور فکر سے منور ہو گیا تب انسان کا دل ایسی صلاحیت حاصل کرلیتا ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ حقائق کے دروازے کھولے۔ چنانچہ جب حقیقتیں کھلتی ہیں تو کہتا ہے: رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا (آل عمران ۱۹۱) اور عجیب بات ہے کہ قرآن مجید میں اس اقرار سے پہلے ''قَالَ'' کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ بلکہ ارشادِ خداوندی ہے: وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا (آل عمران ۱۹۱) چونکہ ان حقائق کے کھلنے کا تعلق قال سے نہیں بلکہ حال سے ہے، دل کی صفائی اور منور ہونے سے ان کا تعلق ہے۔ اللہ اکبر کبیرًا۔ اور جب اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے حقائق کا راستہ کھول دیتے ہیں تو پھر ایک اور حقیقت بھی کھلتی ہے کہ (سُبۡحٰنَکَ) ان حقائق کے بارے میں جو بھی ہمارا تصور ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات ان تمام حقائق سے بھی اونچی ہے۔

جیسے امام ربانی مجددالف ثانی قدس سرہٗ نے فرمایا:

''وَهُوَ سُبۡحَانَهٗ وَتَعَالیٰ وَرَاءَ الْوَرَاءِ ثُمَّ وَرَاءَ الْوَرَاءِ''۔

اس مقام پر سالک بے اختیار پکار اُٹھتا ہے (سُبۡحٰنَکَ) آپ انسان کی سوچ سے بلند و بالا ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جس میں انسان کو احساس ہوتا ہے کہ اَلْعِجْزُ عَنْ دَرْکِ الذَّاتِ اِدْرَاکٌ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات حق کے ادراک سے عاجز ہونا ہی ادراک ہے اور یہ کیفیت انسان کو کامل طور پر مقام لاتعین پر

نصیب ہوتی ہے۔ جس میں بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف کامل طور پر رجوع کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ! آپ کی رحمت کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (آل عمران ۱۹۱) میرے تمام مجاہدے، کوششیں ایک طرف اور آپ کی رحمت ایک طرف۔ لہٰذا آپ مجھے دنیا میں شرمندگی کی آگ سے اور آخرت میں جہنم کی آگ سے بچالیں۔ اللہ اکبر کبیرا!

حقائق انبیاء علیہم السلام

مراقبہ معبودیت صرفہ کے بعد حقائق انبیاء کے اسباق آتے ہیں۔

چنانچہ حضرت شاہ غلام دہلوی مکتوب ۲۳ (مکاتیب شریفہ) میں مولانا خالد رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو حقائقِ انبیاء کے مراقبات کی تلقین دیتے ہوئے ان حقائق کا خلاصہ بیان فرماتے ہیں:

"تعین اول حب ذاتی ہے اور اس حب کے چند درجات اور اعتبارات ہیں۔ اپنی ذات پاک کی محبت اور اسے حقیقت احمدی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کہتے ہیں اور اپنی ذات پاک کی محبیت محبوبیت کے امتزاج سے، اس اعتبار کو حقیقت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں۔ اور اپنی ذات پاک کی محبیت۔ اس کو حقیقتِ موسوی (علیہ السلام) فرماتے ہیں۔ اپنی ذات پاک کے انس کو خلت کا مرتبہ فرماتے ہیں اور یہ خلت حقیقت ابراہیمی علیہ السلام ہے"۔

آگے فرماتے ہیں کہ:

"یہی حب ذاتیہ تمام کمالات کا سبب و آغاز ہے"۔

یہاں یہ بات سمجھ لیں کہ محبت دو قسم کی ہوتی ہے، ایک کو محبیت کہتے ہیں اور دوسری قسم کو محبوبیت کہتے ہیں۔ اور اس محبوبیت کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک محبوبیت ذاتی اور دوسری محبوبیت صفاتی و اسمائی۔ محبیت ذاتیہ کے کمالات کا ظہور حضرت موسیٰ علیہ السلام میں ہوا۔ محبوبیت صفاتی و

اسمائی کا ظہور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام میں ہوا۔ محبوبیت ذاتی کا ظہور حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم میں متحقق ہوا۔ اس کو اگر اچھی طرح ذہن نشین کرلیں تو آگے کی عبارتیں سمجھنا آسان ہو جائیں گی۔

اب یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ سلوک کی کتابوں میں یہ کیوں لکھا گیا کہ حقائق انبیاء اصل میں ولایت کبریٰ میں داخل ہیں۔ آپ کو یاد ہو گا کہ ولایتِ صغریٰ میں اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہوتی ہے اور ولایتِ کبریٰ کے پہلے دائرہ میں اللہ رب العزت سے اقربیت نصیب ہوتی ہے۔ لیکن ولایت کبریٰ کے باقی دو دائروں اور قوس کا تعلق محبت سے ہے۔ چنانچہ سالک يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ (المائدۃ۵۴) کے مضمون کو دل میں ملحوظ رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔ تو جیسے ولایتِ کبریٰ کے اسباق کا تعلق اللہ تعالیٰ کی محبت سے ہے، اسی طرح حقائقِ انبیاء علیہم السلام اصل میں ولایتِ کبریٰ میں داخل ہیں۔

ہدایت الطالبین میں شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

”جاننا چاہیئے کہ جس طرح حقائق الٰہیہ میں ترقی اللہ تبارک و تعالیٰ کے محض فضل پر موقوف ہے، اسی طرح حقائق انبیاء علیہم السلام میں ترقی محبت پر موقوف ہے“۔

بالخصوص ہمارے لئے حقائق انبیاء علیہم السلام میں ترقی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت پر موقوف ہے۔

دائرہ حقیقت ابراہیمی علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کو اپنا خلیل فرمایا، خلیل اس کو کہتے ہیں جو نہایت رازدار دوست ہو، آپ کی رازداری جو رب کے ساتھ تھی اس سے فرشتے واقف نہ تھے، اس کا اظہار فرشتوں پر اور خلق پر اس وقت ہوا کہ جب آتش نمرود میں آپ گر رہے تھے اور کسی فرشتے یا کسی اور سے کسی قسم کی اعانت نہ چاہی اور دوست رازدار حقیقی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا حسبی اللہ یا بروقت قربانی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام آپ کی رازداری جو رب کے ساتھ تھی اس سے کچھ واقف ہوئے۔ مقام خلت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قدم نہایت غالب ہے، آپ مرتبہ خلت میں خاص شان رکھتے ہیں، ترقی اس مقام میں کثرت درود ابراہیمی علیہ السلام سے ہوتی ہے کہ جو اثنائے نماز میں پڑھا جاتا ہے، سالک اس مقام کا اپنی حیثیت کے موافق مرتبہ خلت کے انوار و برکات سے مشرف ہوتا ہے اور اس سالک کی نگاہ دل حقیقت ذات کی طرف ہوتی ہے اور تمام خلق سے حقیقتاً بے تعلق ہو جاتا ہے، جب اس آیت شریف انی وجہت وجھی للذی فطر السمٰوات والارض حنیفاً وما انا من المشرکین۔

مراقبہ حقیقتِ ابراہیمی علیہ السلام

حقائق انبیاء علیہم السلام میں پہلا مقام حقیقتِ ابراہیمی کا ہے، جس کے مراقبہ میں یہ نیت کی جاتی ہے:

”اس ذات سے جو حقیقت ابراہیمی علیہ السلام کا منشاء ہے میری ہیئت وحدانی پر فیض آرہا ہے“۔

اس مقام پر کیا کیفیات نصیب ہوتی ہے، اس بارے میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ دفتر سوم کے مکتوب ۸۸ میں فرماتے ہیں:

”حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ جس بندے کو اپنی خلت کی دولت سے جو کہ بالاصالت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے مشرف فرماتا ہے اور ولایتِ ابراہیمی سے سرفراز فرما کر اس کو اپنا انیس و ندیم بنالیتا ہے اور انس و الفت کی نسبت جو خلت کے لوازم سے ہے درمیان میں لاتا ہے اور جب خلت کی وہ نسبت جو انس و الفت کے لوازم سے ہے درمیان میں آگئی تو پھر خلیل کے اوصاف اور اس کے اخلاق کی قباحت و کراہت نظر سے دور ہو جاتی ہے کیونکہ اگر برائی نظر میں رہے تو نفرت و بے الفتی کا باعث ہو گی جو مقام خلت کے منافی ہے جو سراسر الفت ہے“۔

ہدایت الطالبین میں شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

”جب ان کے شیخ نے اس مقام پر توجہ فرمائی حضرت کی عنایت سے اسی ایک توجہ میں اس مقام کی کیفیت کا فیض ہوا، اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس عالی مقام (جس سے مراد خلت حضرت حق ہے) کے انوار و اسرار میں سے نزول ہوا۔ اس مقام پر حضرت حق سے ایک خاص انس اور مخصوص خلت ظاہر ہوئی اور یہی بات حضرت حق جلت و عظمت کی طرف سے اس بندے پر ظاہر ہوئی“۔

آگے فرماتے ہیں:

”اس مقام پر سالک کو حضرتِ ذات سے ایسا انس پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ دوسری طرف رُخ ہی نہیں کرتا اگرچہ وہ اسماء و صفات ہی کیوں نہ ہوں اور دوسری طرف متوجہ نہیں ہوتا خواہ مشائخ کبار کے مزارات ہی کیوں نہ ہوں اور حق سبحانہ و تعالیٰ کے سوا کسی سے مدد نہیں چاہتا اگرچہ ارواح و ملائکہ ہی کیوں نہ ہوں۔ اس مقام پر درودِ ابراہیمی کا (جو نماز میں پڑھا جاتا ہے) بار بار کثرت سے پڑھنا ترقی بخشتا ہے“۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ دفتر سوم کے مکتوب ۸۸ میں فرماتے ہیں کہ:

"خُلت بہت عالی مقام ہے اور کثیر البرکت ہے۔ اور عالمِ مجاز میں بھی جس شخص کو کسی دوسرے کے ساتھ انس والفت اور سکون اور آرام ہے وہ سب خُلت کے مقام کے ظلال ہیں۔ مثلاً وہ محبت جو باپ کو بیٹے سے ہے، بھائی کو بھائی سے اور بیوی کو شوہر سے ہے یہ سب اسی خلت کی جنس سے ہے۔ اور اسی طرح ہر حظ، لذت اور آرام جو حسین صورتوں اور مظاہر جمیلہ سے ثابت ہے وہ مقام خلت ہی سے ہے"۔

حقیقت ابراہیمی، حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور حقیقتِ احمدی میں فرق

ہدایت الطالبین میں شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"جو کیفیت کہ اس مقام پر حاصل ہوئی وہ دوسرے مقاماتِ علیہ میں اس خصوصیت اور کیفیت کے ساتھ ظاہر نہیں ہوئی۔ اور یہ چیز فضل الٰہی کی جزئی فضیلت کی ایک قسم ہے۔ کیونکہ اس مقام پر محبوبیت صفاتی جلوہ گر ہوتی ہے اور حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم میں محبوبیت ذاتی"۔

دوبارہ سن لیجئے کہ حقیقتِ ابراہیمی علیہ السلام پر محبوبیتِ صفاتی جلوہ گر ہوتی ہے اور حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم میں محبوبیتِ ذاتی جلوہ گر ہوتی ہے۔

فرماتے ہیں:

"اس عبارت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ متعالی جس طرح وہ اپنے آپ کو دوست رکھتی ہے اسی طرح اپنی صفات کو بھی دوست رکھتی ہے۔ پہلی قسم (یعنی ذات) میں حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہے اور دوسری قسم (یعنی صفات) خلت کے نام سے موسوم ہے اور وہ حقیقتِ ابراہیمی کہلاتی ہے"۔

پھر ان دو طرح کی محبوبیت کو سمجھانے کے لئے فرماتے ہیں:

"محبوبیت صفاتی ایسی ہے جیسے خد و خال و قد و رخسار کی محبوبیت۔ اسی لئے اس مقام میں کامل بے رنگی نہیں ہے جیسی محبوبیت ذاتی میں"۔

اگرچہ صفاتی محبت کا مقام اونچا ہے لیکن ذات سے وابستہ محبت کا مقام اس سے بھی اونچا ہے۔

خلت اور محبت میں فرق کے بارے میں مزید وضاحت حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے دفتر سوم کے مکتوب ۸۸ سے ملتی ہے۔

فرماتے ہیں:

"خلت اور محبت کے درمیان عموم و خصوص کی نسبت ہے۔ خلت عام ہے اور محبت اس کا ایک فرد کامل ہے، کیونکہ انس و الفت کا حد سے زیادہ ہو جانا محبت ہے جو کہ گرفتاری کا باعث ہے اور بے قراری و بے آرامی پیدا کر دیتی ہے، اور خلت سراسر انس و الفت اور آرام ہے۔ وہ محبت ہی ہے جو گرفتاری پیدا کرتی ہے اور خلت کے دوسرے افراد سے متمیز ہوئی ہے، گویا کہ وہ دوسری جنس ہو گئی ہے"۔

پھر ایک بہت عجیب بات فرماتے ہیں:

وہ ہنر جو کہ محبت نے اس امتیاز میں خلت کے باقی تمام افراد کی نسبت زیادہ حاصل کیا ہے وہ درد وحزن ہے، اور نفسِ خلت سب کا سب عیش در عیش، فرح در فرح اور انس در انس ہے۔

پھر فرماتے ہیں:

اور چونکہ محبت درد و حزن کا منشاء ہوئی اس لئے جس فرد میں بھی محبت غالب ہو گی اس میں درد وحزن بھی زیادہ ہو گا۔

اسی وجہ سے کہا گیا ہے:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَوَاصِلَ الأَحْزَانِ دَائِمَ الْفِكْرَةِ۔[183]

کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہمیشہ مغموم اور دائم الفکر رہتے تھے۔

مراقبۂ حقیقتِ موسوی

محبت ذاتیہ کے کمالات کا ظہور حضرت موسیٰ علیہ السلام میں ہوا۔ چنانچہ حقیقتِ موسوی علیہ السلام کے دائرہ کو دائرۂ محبت ذاتیہ اور دائرۂ محبت ذاتیہ صرفہ بھی کہتے ہیں۔ اس مراقبہ کی نیت یوں کی جاتی ہے:

"اس ذات جو خود اپنا محب اور حقیقت موسوی کا منشاء ہے میری ہیئت وحدانی پر فیض آ رہا ہے"۔

---

183 شمائل ترمذی، ص ۲۵۵

ہدایت الطالبین میں حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"اس مقام کی کیفیت پوری قوت کے ساتھ وارد ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی اپنی ذات پاک سے محبت و دوستی جس سے حقیقتِ موسوی مراد ہے ظاہر ہوئی"۔

اس مقام پر بعض حضرات کی زبان سے بے ساختہ آیت کریمہ: رَبِّ أَرِنِي أَنْظُرْ إِلَيْکَ (الأعراف ۱۴۳) جاری ہوگئی، کہ اے میرے رب! تو مجھے اپنی ذات کا جلوہ دکھا تاکہ میں تیری طرف دیکھوں۔ لیکن ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ متحمل ہونا اور کیفیات کو برداشت کرنا زیادہ بہتر ہے۔مشائخ فرماتے ہیں کہ ایسے الفاظ کو ظہور ہونا کم ہی مناسب ہے۔

حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"اس مقام پر محبت ذاتی کے ظہور کے باوجود استغناء اور بے نیازی کی شان بھی ظاہر ہوتی ہے، یہ ضدین کی اجتماع ہے اور اسی سے یہ راز ظاہر ہوتا ہے کہ بعض مواقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بعض جرأت آمیز کلمات صادر ہوئے جو بظاہر بے ادبی معلوم ہوتی ہے تو وہ امر واقعہ ہے"۔

حقیقتِ ابراہیمی علیہ السلام کے مقام پر درودِ ابراہیمی علیہ السلام سے ترقی ہوتی ہے۔

حقیقتِ موسوی علیہ السلام کے بارے میں حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"اس مقام پر اس درود شریف سے ترقی ہوتی ہے: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلیٰ سَیِدِنَا مُحَمَّدٍ وَ عَلیٰ اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَعَلیٰ جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ خُصُوْصًا عَلیٰ کَلِیْمِکَ مُوْسیٰ عَلَیْهِ السَّلَامُ"

حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور تعین اول "حُب"

سلوک کی کتابوں میں تعین حبّی کا لفظ کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ سالکین کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تعین حبی کے کیا معنی ہیں۔ اگر سالکین تعیّن حبّی کو سمجھ لیں تو یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ حقائق انبیاء کے ان اسباق کا تعلق حبّ سے کیوں ہے؟

حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دفتر اول مکتوب ۸۵ میں فرمایا کہ:

"ان چیزوں میں سے جن کا جاننا ضروری ہے یہ ہے کہ ہمارے نزدیک تعین کے یہ معنی نہیں ہیں کہ حق عزوجل نیچے اتر آیا پس وہ حب یا وجود ہو گیا بلکہ تعین کے معنی صدور (ظہور) ہیں کیونکہ وہ تنزیہ کے زیادہ لائق ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کی زبان کے زیادہ مناسب ہے"۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ دفتر سوم مکتوب ۱۲۲ میں فرماتے ہیں کہ:

"حقیقت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم جو کہ حقیقۃ الحقائق ہے اس کے متعلق مراتب ظلال طے کرنے کے بعد اس فقیر پر منکشف ہوا ہے کہ وہ تعین اور ظہور حبی ہے جو مبدأ ظہورات اور تمام مخلوقات کی پیدائش کا منشاء ہے، جیسا کہ حدیث قدسی میں وارد ہے: کنت کنزا مخفیا فأحببت أن أعرف فخلقت خلقا۔[184] میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔ سب سے پہلی چیز جو اس پوشیدہ خزانے سے ظہور کے میدان میں جلوہ گر ہوئی وہ یہی حب ہے جو مخلوق کی پیدائش کا سبب بنی۔ اگر یہ حُب نہ ہوتی تو ایجاد کا دروازہ نہ کھلتا اور عالم عدم میں راسخ اور مستقر رہتا۔ اور حدیث قدسی: لولاک لولاک ما خلقت الأفلاک۔[185] (اگر تو نہ ہوتا تو میں زمین و آسمان کو پیدا نہ کرتا) کے راز کو جو کہ حضرت خاتم الرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ

---

184 کشف الخفاء:۲۰۱۶

185 کشف الخفاء:۲۱۲۳

وسلم کی شان میں واقع ہے اس جگہ تلاش کرنا چاہیئے۔ اور **لو لاک لما اظھرت الربوبیۃ۔**[186] (اگر تو نہ ہوتا تو میں ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا) کی حقیقت اس مقام میں طلب کرنی چاہیئے"۔

حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ایک مخفی خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں پس میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔ تمام تعینات کے مبادی اعتبارات ہوتے ہیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سب سے پہلا کون سا اعتبار ظاہر ہوا؟ چنانچہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ خدا کا پہلی بار مخلوق کو پیدا کرنے کا علم تعین اول ہے۔ دیگر حضرات نے فرمایا کہ ارادۂ تخلیق تعین اول ہے۔ لیکن حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ عجیب بات فرماتے ہیں کہ "حُب" یعنی یہ چاہنا کہ مجھے پہچانا جائے تعین اول ہے، یہ سب سے پہلا اعتبار ہے جو ظاہر ہوا۔ اب جب اللہ تعالیٰ نے ظہور فرمایا تو سب سے پہلے نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی تخلیق ہوئی۔

شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"یہی حب ذاتیہ تمام کمالات کا سبب و آغاز ہے"۔

پھر دوسرا اعتبار جو اللہ پاک نے ظاہر وہ وجود ہے جو کہ ایجاد کا مقدمہ ہے۔ اس لئے تعین وجودی، تعین حبی کا ظل ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ (الأحزاب۷)

---

186 کشف الخفاء:۲۱۲۳

ترجمہ: اور اے محبوب یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسٰی بن مریم سے۔

اس آیت میں عالمِ ارواح کی ترتیب میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو سب سے مقدم کیا گیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیدائش سب سے پہلے ہوئی۔

اسی آیت کی تفسیر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

كنت أول النبيين في الخلق وآخرهم في البعث۔[187]

کہ "تخلیق کے لحاظ سے میں سب سے اول ہوں اور بعثت کے اعتبار سے سب سے آخری نبی ہوں"۔

ایک اور حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا:

لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ وَلَمَا اَظْھَرْتُ الرُّبُوْبِیَّۃَ۔[188]

"اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اگر آپ کو پیدا نہ کرتا تو آسمانوں یعنی عالم کو پیدا نہ کرتا اور ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا"۔

اس لئے حاکم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا اسمِ مبارک عرش پر لکھا دیکھا تھا۔ حاکم نے اپنی مستدرک ۶۷۲/۲ میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

187 کشف الخفاء:۲۰۰۹

188 کشف الخفاء:۲۱۲۳

لَمَّا اقْتَرَفَ آدَمُ الْخَطِيئَةَ قَالَ يَا رَبِّ أَسأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ لِمَا غَفَرْتَ لِيْ فَقَالَ اللهُ يَا آدَمُ وَ كَيْفَ عَرَفْتَ مُحَمَّدًا وَلَمْ اَخْلُقْهُ قَالَ يَا رَبِّ لِاَنَّكَ لَمَّ خَلَقْتَنِيْ بِيَدِكَ وَ نَفَخْتَ فِي مِنْ رُوْحِكَ رَفَعْتُ رَأْسِيْ فَرَأَيْتُ عَلٰى قَوَائِمِ الْعَرْشِ مَكْتُوْبًا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ فَعَلِمْتُ أَنَّكَ لَمْ تُضِفْ إِلٰى اِسْمِكَ إِلَّا أَحَبَّ الْخَلْقِ إِلَيْكَ فَقَالَ اللهُ صَدَقْتَ يَا آدَمُ إِنَّهُ لَأَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَيَّ اُدْعُنِيْ بِحَقِّهِ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكَ وَلَوْ لَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُكَ۔[189]

"جب حضرت آدم علیہ السلام سے وہ مشہور چوک سرزد ہوگئی تو انہوں نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی کہ اے اللہ! میں آپ سے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں، اس بات کا کہ آپ مجھے معاف فرمادیں، تو اللہ عزوجل نے دریافت فرمایا کہ اے آدم! تم نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو کیسے جان لیا جب کہ میں نے ابھی ان کو پیدا بھی نہیں کیا؟ تو حضرت آدم علیہ السلام نے جواب میں عرض کیا: اے اللہ! وہ ایسے کہ جب آپ نے مجھے پیدا فرمایا اور میرے اندر اپنی روح پھونکی تو میں نے اپنا سر اٹھایا تو عرش کے ستونوں پر یہ لکھا دیکھا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ۔ تو میں نے جان لیا کہ یہ ضرور آپ کی کوئی محبوب ترین مخلوق ہوگی کہ آپ نے اپنے پاک نام کے ساتھ اس نام کو جوڑا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: آدم! تم نے سچ کہا، بے شک وہ مجھے اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہے، ان کے وسیلے سے مجھ سے مانگو۔ سو میں نے تمہیں بخش دیا اور اگر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو پیدا نہ کرنا ہوتا تو تمہیں بھی پیدا نہ کرتا۔

189 (طبرانی شریف ج۲ ص۸۲ تا۸۳، تلخیص الذہبی ص۶۱۵، خصائص الکبریٰ ج۱ ص۷، مستدرک ج۲ ص۶۱۵، کتاب الوفا باحوال المصطفٰی ج۱ ص۳۳، مواہب الدنیہ ج۱ ص۱۲، انوارِ محمدیہ ص۱۰۹، زرقانی ص۶۲، تفسیر عزیزی ص۱۸۳، افضل الصلوٰۃ ص۱۱۷، شواہد الحق ص۱۳۷، تبلیغی نصاب فضائل ذکر ص۱۳۲)

معجم الاوسط ۳۱۳/ ٦ میں طبرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اور ابن عساکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اپنی تاریخ ۴۳۳/ ۷ میں حاکم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس روایت کو نقل کیا ہے۔

اسی طرح دیلمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَتَانِي جِبْرِيْلُ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ لَوْ لَاکَ مَا خَلَقْتُ الْجَنَّةَ وَلَوْ لَاکَ لَمَا خَلَقْتُ النَّارَ۔

"میرے پاس جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا: اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم! اگر آپ نہ ہوتے تو میں جنت کو پیدا نہ کرتا اور اگر آپ نہ ہوتے تو نہ ہی جہنم کو پیدا کرتا"۔ [190]

پھر حاکم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی مستدرک ٦٧٢/ ٢ میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، قَالَ: أَوْحَى اللّٰهُ إِلَى عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا عِيسَى آمِنْ بِمُحَمَّدٍ وَأْمُرْ مَنْ أَدْرَكَهُ مِنْ أُمَّتِکَ أَنْ يُؤْمِنُوا بِهِ فَلَوْ لَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ آدَمَ وَلَوْ لَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ الْجَنَّةَ وَلَا النَّارَ وَلَقَدْ خَلَقْتُ الْعَرْشَ عَلَى الْمَاءِ فَاضْطَرَبَ فَكَتَبْتُ عَلَيْهِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ فَسَكَنَ۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی اے عیسیٰ علیہ السلام! ایمان لا محمد ﷺ پر اور تیری امت سے جو لوگ ان کا زمانہ پائیں انہیں حکم کر کہ ان پر ایمان لائیں کہ اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں آدم

190 (الاسرار المرفوعۃ فی اخبار الموضوعۃ ص ۱۹۴ قدیمی کتب خانہ کراچی، کنز العمال کتاب فضائل نبینا محمد ﷺ ج ۱۱ ص ۱۹۴ رقم الحدیث ۳۲۰۲۲ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان۔ مصابیح السیرۃ المحمدیۃ ج ا ص ۸٦ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

علیہ السلام کو پیدا نہ کرتا نہ جنت دوزخ بناتا جب میں نے عرش کو پانی پر بنایا اسے جنبش تھی میں نے اس پر **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** لکھ دیا پس ٹھہر گیا۔[191]

اسی طرح دیلمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مسند فردوس میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

یقول اللہ عزوجل وعزتی وجلالی لولاک ماخلقت الجنۃ ولولا ماخلقت الدنیا۔

یعنی اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم، اگر آپ کو پیدا نہ کرتا تو نہ جنت کو پیدا کرتا اور نہ دنیا کو پیدا کرتا۔[192]

امام حاکم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب میں فرمایا:

لما كان نبينا أكمل بني آدم بل وأفضل أفراد العالم ورد في حقه لولاک لما خلقت الأفلاک فهو إنسان العين وعين الإنسان۔[193]

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ دفتر سوم مکتوب ۱۲۲ میں فرماتے ہیں:

"حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ظہورِ اول ہے اور حقیقت الحقائق اس معنی میں ہے کہ دوسرے حقائق خواہ وہ انبیاء علیہم السلام کے حقائق ہوں یا ملائکہ عظام علیہم السلام کے حقائق سب اس کے ظلال کی طرح ہیں اور وہ تمام حقائق کی اصل ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ

---

191 (المستدرک للحاکم کتاب التاریخ کان رسول اللہ ﷺ اجود الناس بالخیر دار الفکر بیروت ج ۲ ص ۶۱۵)

192 (مسند الفردوس، بماثور الخطاب، باب الیاء، ج۵، ص۲۲۷، رقم الحدیث ۸۰۳۱ دار الکتب العلمیہ بیروت، الاسرار المرفوعہ فی اخبار الموضوعۃ رقم الحدیث ۷۵۵ ص ۱۹۴ قدیمی کتب خانہ کراچی پاکستان، سبل الهدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد ج ا ص ۷۵ الباب الثانی دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

193 (الرد علی وحدۃ الوجود، ج ا، ص ۶۹)

وسلم نے فرمایاہے: أول ما خلق الله نوری[194] (سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا) اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: خُلِقْتُ مِنْ نُوْرِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ مِنْ نُوْرِیْ (میں اللہ تعالیٰ کے نوار سے پیدا ہوا ہوں اور مؤمنین میرے نور سے پیدا ہوئے ہیں) لہٰذا لازمی طور پر حق جل وعلا اور تمام حقائق کے درمیان آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم واسطہ ہیں، اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے واسطہ کے بغیر کسی کو بھی مطلوب تک وصول محال ہے"۔

چنانچہ "حب" نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا مبدأ تعین ہے۔ ہر نبی علیہ السلام کی رسائی ان کے مبدأ تعین تک ہی ہوتی ہے اور معراج میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسائی بھی مقامِ حب تک تھی۔ مخلوق کے لئے اس سے اونچا کوئی مقام نہیں ہے کیونکہ اس سے اوپر لاتعین کا مقام ہے۔ اگر حب نہ ہوتی تو کچھ بھی نہ ہوتا۔

تعین حُبی کا مرکز حُب ہے اور محیط خُلت ہے

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ دفتر سوم مکتوب ۱۲۲ میں فرماتے ہیں کہ:

"جاننا چاہیئے کہ تعین اول جو تعین حبی ہے جب دقتِ نظر سے دیکھا جاتا ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فضل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تعین کا مرکز حُب ہے جو کہ حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہے اور اس کا محیط جو کہ مثالی صورت میں ایک دائرہ کی مانند ہے اور وہ محیط اس مرکز کے لئے ظل کی مانند ہے جو کہ خلت ہے جس کو حقیقت ابراہیمی علیہ السلام کہتے ہیں۔ لہٰذا حُب اصل ہوئی اور خُلت اس کے لئے ظل کی مانند ہوئی۔ اور یہ مرکز ومحیط کا مجموعہ جو کہ ایک دائرہ ہے تعین اول ہے اور اس کے اشرف واسبق اجزاء کے نام پر ہے جو کہ مرکز ہے اور اس سے مراد حُب ہے۔ اور نظر کشفی

---

194 (کشف الخفاء:۷۔۸۲)

میں بھی اصالت کے اعتبار سے اور اس جزء کے غلبہ کی وجہ سے تعین حبی ہی ظاہر ہوتا ہے۔ اور چونکہ دائرہ کا محیط اس مرکز کے لئے ظل کی مانند ہے اور اسی سے پیدا ہوا ہے اور وہ مرکز اس کی اصل و منشاء ہے لہٰذا اس محیط کو اگر تعین ثانی کہیں تو گنجائش ہے۔ لیکن نظر کشفی میں دو تعین نہیں ہیں بلکہ ایک ہی تعین ہے جو کہ حب اور خلت پر مشتمل ہے کہ دونوں ایک ہی دائرہ کے مرکز و محیط ہیں۔ اور نظر کشفی میں تعین ثانی تعین وجودی ہے جو تعین اول کے لئے ظل کی مانند ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا۔ اور چونکہ مرکز (یعنی حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) محیط (یعنی حقیقتِ ابراہیمی علیہ السلام) کی اصل ہے لہٰذا لازمی طور پر محیط کے لئے مطلوب تک پہنچنے میں مرکز کے توسط سے چارہ نہیں ہے کیونکہ مطلوب تک وصول مرکز ہی کی راہ سے ہے جو دائرہ کی اصل و جمال ہے۔ اس بیان سے حضرت حبیب اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی مناسبت اور اتحاد معلوم کرنا چاہیئے"۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ:

وإذا ابراهيم عليه السلام قائم يصلى اشبه الناس به صاحبكم (يعنى نفسه)۔[195]

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے معراج میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا اور فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہت رکھنے والے نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ معراج میں جو زیارت ہوئی تھی اس کا صرف جسد سے تعلق نہیں تھا بلکہ عالم الارواح سے بھی تعلق تھا تو یہ حدیث اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خَلقًا اور خُلقًا صورتًا اور سیرتًا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے خاص

---

195 (صحیح مسلم، ج۱، ص ۱۱۳)

مشابہت تھی۔ اور اہلِ دل حضرات کے ہاں یہ بات مجرب ہے کہ اگر ظاہری مشابہت ہو تو روحانی مشابہت میں بھی اس کا اثر ہو سکتا ہے۔

ایک روایت میں صحابی ابو جہم بن حذیفۃ القرشی العدوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

مَا رَاَیْتُ شَبِهًا كَشِبْهِ قَدَمِ النَّبِيِّ صلی اللہ تعالیٰ علیه و آلهٖ و سلم بِقَدَمِ اِبْرَاهِيْمَ الَّتِيْ كُنَّا نَجِدُهَا فِي الْمَقَامِ۔

کہ میں نے کبھی بھی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے قدم مبارک کی اتنی مشابہت رکھنے والے پاؤں نہیں دیکھے سوائے وہ پاؤں کے نشان جو ہمیں مقام ابراہیم علیہ السلام میں ملتے ہیں۔ اللہ اکبر کبیرًا!

"اور چونکہ ظل کے لئے مطلوب تک پہنچنے میں اصل ہی واسطہ ہے اس لئے لازمی طور پر حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے حضرت حبیب اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے توسط کی درخواست کی اور اس کی آرزو فرمائی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت میں داخل ہوں، جیسا کہ حدیث مبارکہ میں وارد ہے"۔

چنانچہ حقیقت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم دوسرے انبیاء اور ملائکہ علیہم السلام کے حقائق کی اصل ہے اور دوسروں کے حقائق اس کے لئے ظل کی مانند ہیں۔ اور اس مقام کے بارے میں ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ یہ مقام حقائق انبیاء علیہم السلام اور آسمانی کتابوں کے اسرار کا جامع ہے۔

دائرہ حقیقت محمدی صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم

اس مقام کو حقیقت الحقائق اور حقیقت محمدی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم بھی کہتے ہیں علیہ الصلوۃ والسلام یعنی تمام مخلوقات کی حقیقت اور تعلق اس مقام میں ان کمالات سے ہے جن کا تعلق حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے جسم اطہر سے ہے اور یہ جسم پاک وہ ہے کہ جو شب معراج میں رب کے نزدیک عرش معلی پر پہنچا، یہ جسم نورانی وہ ہے کہ جس کے قرب اور رفعت کے مقابلہ میں حضرت جبرئیل علیہ السلام مقام سدرۃ المنتہٰی پر ٹھہر کر اور یہ کہہ کر رہ گئے۔

اگر یک سـر موئے برتر پرم　　　فروغِ تجلی بسوزد پرم

اگر میں ایک بال کے برابر بھی زیادہ بڑھوں

تو تجلی بحت میرے پر پرواز جلاڈالے

یہ جسم لطیف وہ ہے کہ جس نے رب کے نزدیک اس قدر قرب حاصل کیا تھا کہ جس کو خلعت وقاب قوسین او ادنی ودنی فتدلیٰ وما زاغ البصر وما طغیٰ ملا ہے اور یہ جسم شریف وہ ہے جس کا سایہ نہ تھا، یہ جسم مطہر وہ ہے کہ جس پر ہر شجر و حجر سلام و درود بھیجتے تھے، یہ وہ جسم مبارک ہے ہ جس پر خود خدا درود بھیجتا ہے اور یہ فرماتا ہے ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما (بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم پر، اے مؤمنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو) صاحب اس مقام کا اپنے کو اور خاتم النبیین صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو دیکھتا ہے کہ میں اور آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ایک ہی چشمہ سے سیر اب ہو رہے ہیں اور میں اور حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ہم آغوش ہمکنار ہیں اور ہم ایک ہی بستر پر ہیں اور ہم دونوں مثال شیر و شکر ہیں اور حضور انور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم سے اس قدر محبت ہوتی ہے کہ خدا کی محبت پر بھی آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ

وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی محبت غالب آ جاتی ہے، چنانچہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جب اس مقام حقیقت محمدی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے مشرف ہوئے تو اثنائے حال میں یہ فرمایا کرتے تھے کہ "اللہ کو دوست رکھتا ہوں اس واسطے کہ وہ رب ہے محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا"، غرض کہ اس مقام کا انعام واکرام خداوندی ایسا ہوتا ہے کہ جس کے لکھنے سے قلم قاصر ہے اور بیان کرنے سے زبان عاجز اور خیال اپنی رسائی میں سر نگوں ہے۔

مراقبہ حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

جب تعین حبی کو سمجھ لیا تو اب ہم حقیقت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا تفصیلی مطالعہ کر سکتے ہیں۔

اس حقیقت کے مراقبہ میں یہ نیت کرتے ہیں:

۳۳)نیت مراقبہ حقیقت محمدی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم: فیض می آید از حضرت ذات بیچون کہ محب ذات خود است و محبوب ذات خود است و منشاء حقیقتِ محمد صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلم ٖ است بہ ہیئت وحدانی من بہ واسطہ پیران کبار رحمہم اللہ تعالیٰ۔(توقف۔۔۔روز)

ترجمہ: بے چوں ذات حق تعالیٰ جو کہ اپنی ذات کی محب اور محبوب بھی ہے اور منشاء حقیقت محمدیہ ہے سے بوسیلہ مشائخ عظام میری ہیئت وحدانی پر فیض آ رہا ہے۔

اس مقام کے بارے میں حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہدایۃ الطالبین میں فرماتے ہیں:

"اس جگہ حضرت پیر دستگیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عنایت ومہربانی سے محبیت جو محبوبیت سے ملی ہوئی ہے اس کا ظہور ہوا، اور اس دائرہ میں ان دو مرتبوں کے اجتماع کا بیان ایک خاص کیفیت رکھتا

ہے جو کیفیت تحریر میں پورے طور پر نہیں آسکتی۔ اس لئے مشائخ نے اس کو دائرۂ محبوبیت ذاتیہ ممتزجہ بھی کہا ہے۔ اس مقدس مقام پر فنا اور بقا حاصل ہوئی اور دین و دنیا کے سردار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ایک خاص اتحاد میسر ہوا، اور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے طفیل مجھے اس مرتبہ پر پہنچایا گیا اور وہ اسرار ظاہر کئے گئے کہ ان کا اظہار فتنے کے بیدار کرنے کا موجب ہوگا۔ رفع توسط کے معنی جس کے اکابر اولیاء قائل ہیں اس مقام میں ظاہر ہوتے ہیں اور یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ اس صاحب مقام کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ایسا تعلق ہو جاتا ہے کہ دونوں (صاحبِ مقام اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) ایک ہی محبوب کے ہم کنار و ہم آغوش ہیں۔ اور اس سب کے باوجود اس کو حبیب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے ایک خاص قسم کی محبت پیدا ہو جاتی ہے، اور امام طریقہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے اس قول کا راز بھی اس مقام میں کھُلتا ہے جو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ "خدائے جل شانہ کو میں اس لئے دوست رکھتا ہوں کہ وہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا پروردگار ہے"۔

اور اسی مقام پر ہر چھوٹے بڑے اور دین و دنیا کے تمام معاملات میں حبیب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ مشابہت اور مناسبت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضرت پیر دستگیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (یعنی حضرت مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) خود بھی حدیث پر عمل کی پوری رغبت رکھتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس کا شوق اور ترغیب دلاتے ہیں۔ اس مقام میں علم حدیث شریف کی تعلیم کا شوق اور رغبت کلی حاصل ہو جاتی ہے اور یہ درود شریف پڑھنا ترقی بخشتا ہے:

اللھم صل علی سیدنا محمد و اصحاب سیدنا محمد افضل صلواتک
عدد معلوماتک و بارک و سلم

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امت میں سب سے افضل کیوں ہیں؟

مکتوبات شریف کے مطالعہ سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روحانی کمال کی وجہ بھی واضح ہو جاتی ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ دفتر سوم مکتوب ۱۲۲ میں فرماتے ہیں:

"جاننا چاہیئے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حقیقت یعنی اسماء الٰہی جل شانہ میں سے ان کا رب جو ان کا مبدأ تعین ہے بغیر کسی امر کے توسط کے حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ظل ہے اس نہج پر ہے کہ جو کچھ اس حقیقت میں موجود ہے وہ تبعیت اور وراثت کے طریق پر اس ظل میں بھی ثابت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ (حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اس امت کے وارثوں میں سے اکمل و افضل قرار پائے (جیسا کہ) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

ما صب الله في صدري شيئا إلا و صببته في صدر أبو بكر۔ [196]

جو کچھ اللہ تعالیٰ نے میرے سینے میں ڈالا وہ میں نے ابو بکر کے سینے میں ڈال دیا۔

حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ وصول کی تفصیل

مکتوبات مجددیہ دفتر دوم مکتوب ۵۴ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اتباع سنت کے سات درجات کا تذکرہ کیا ہے۔ ان درجات میں سب سے اونچا ساتواں درجہ ہے، جس کا تعلق حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہے۔

چنانچہ حضرت خواجہ محمد باقر عباسی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کنز الہدایات میں فرماتے ہیں کہ:

---

196 (کشف الخفاء، ج۲، ص ۵۵۳)

"اس مرتبہ کا حاصل ہونا حقیقۃ الحقائق جو حقیقت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہے کہ وصول کا ثمرہ ہے"۔

اس کے بارے میں حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"متابعت کا ساتواں درجہ وہ ہے جو نزول و ہبوط سے تعلق رکھتا ہے۔ اور متابعت کا یہ ساتواں درجہ سابقہ تمام درجات کا جامع ہے کیونکہ اس مقام میں نزول بھی تصدیق قلبی ہے اور تمکین قلبی بھی ہے اور نفس کا اطمینان بھی، اور اجزائے قالب کا اعتدال بھی ہے جو طغیان اور سرکشی سے باز آگئے ہیں۔ پہلے درجے گویا اس متابعت کے اجزاء تھے اور یہ درجہ ان اجزاء کے کل کی مانند ہے"۔

مکتوبات کے دفتر سوم مکتوب ۱۲۲ میں کسی نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے ایک سوال پوچھا:

"سابقہ تحقیق سے واضح ہوگیا کہ دوسروں کو بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے طفیل اور وراثت سے حقیقت الحقائق (یعنی حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کے ساتھ وصول اور الحاق کے ساتھ وصول اور الحاق واتحاد ثابت ہے اور آپ کے خاص کمال میں شرکت موجود ہے۔ لہٰذا اس حالت میں متبوع اور تابع کے درمیان اور اصلی اور طفیلی کے درمیان اس کمال میں فرق جو کہ حجاب کے زائل ہو جانے اور واسطے کے ضمن میں ہے اور تمام کمالات سے فوق ہے وہ کیا ہے اور کون سی فضیلت وبزرگی ہے جو متبوع اور اصل میں ہے لیکن تابع اور طفیلی میں نہیں ہے؟"

جواب میں حضرت نے لکھا:

"دوسروں کا اس حقیقت (یعنی حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کے ساتھ الحاق خادم کا اپنے مخدوم کے ساتھ اور طفیلی کا اصل کے ساتھ وصول کی مانند ہے۔ اگر کوئی واصل اخصِ

خواص میں سے ہے جو کہ اقلِ قلیل (بہت ہی کم) ہیں تو وہ بھی خادم ہی ہے، اور اگر انبیاء علیہم السلام میں سے ہے تو بھی وہ طفیلی ہے اور ان ہی کا پس خوردہ خادم ہے اس کو اپنے مخدوم کے ساتھ کیا شرکت ہو سکتی ہے اور اس کے مقابلے میں اس کی کون سی عزت و آبرو ہے، طفیلی اگرچہ ہم جلیس و ہم لقمہ ہے لیکن طفیلی پھر بھی طفیلی ہے۔ خادم جو اپنے مخدوم کی پیروی سے اس عالی مقام پر پہنچ جاتے ہیں اور ان کے مخصوص اولش (پس خوردہ) کھانے کھاتے ہیں اور عزت و احترام پاتے ہیں، یہ سب کچھ مخدوم کی بزرگی اور اس کی متابعت کی بلندی کی وجہ سے ہے۔ گویا کہ مخدوم کو اپنی ذاتی عزت کے علاوہ خادموں کے الحاق کی وجہ سے ایک اور عزت حاصل ہو جاتی ہے اور ان کی شان اور زیادہ بلندی کا باعث بنتی ہے"۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ دفتر سوم مکتوب ۹۲ میں فرماتے ہیں کہ:

"وہ فنا و بقاء جس کے ساتھ ولایت وابستہ ہے وہ فنا و بقائے شہودی ہے، اگر فنا اور زوال ہے تو نظر کے اعتبار سے ہے اور اگر بقا اور اثبات ہے تو وہ بھی نظر کے اعتبار سے ہے۔ اس مقام میں صفاتِ بشری پوشیدہ ہو جاتی ہیں، زائل اور فانی نہیں ہوتیں۔ لیکن اس تعین (محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کی فنا ایسی نہیں ہے بلکہ اس مقام میں صفات بشری کو زوالِ وجودی متحقق ہو جاتا ہے اور تعینِ جسدی کا پراگندہ ہونا اور تعینِ روحی کا ثابت ہونا ہے اور اس مقام میں بقا کی جانب میں بھی اگرچہ بندہ حق تعالیٰ نہیں ہو جاتا اور بندگی سے خلاصی نہیں پالیتا لیکن حق تعالیٰ کے ساتھ نزدیک سے نزدیک تر ہو جاتا ہے اور زیادہ سے زیادہ معیت پیدا کر لیتا ہے اور اپنے آپ سے دور ہو کر اس سے احکام بشری بالکل مسلوب ہو جاتے ہیں"۔

حقائق ثلاثہ کے حصول کے بعد حقیتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے لحوق کی بشارت

مکتوبات معصومیہ دفتر سوم، مکتوب ۱۴۴ میں لکھا ہے کہ ایک صاحب نے حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا کہ:

"کیا سبب ہے کہ آپ (خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ) کہتے ہیں کہ طالبین کے سلوک طے کرنے میں حقیقۃ الحقائق کے ساتھ لحوق کی بشارت حقائق ثلاثہ (یعنی حقیقتِ کعبہ ٔربانی، حقیقتِ قرآن مجید اور حقیقت صلوٰۃ) کے وصول کے بعد ہے اور حالانکہ یہ تینوں حقیقتیں مراتبِ وجوبی میں داخل ہیں اور حقیقۃ الحقائق حقائق امکانی میں سے ہے اس مقام کو حل کرنا چاہیئے ایک مدت ہوگئی ہے کہ اس مسکین کا دل پریشان ہے"۔

چنانچہ مکتوبات معصومیہ دفتر سوم مکتوب ۱۴۴ میں سوال کے جواب میں حضرت معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"میرے مخدوم! کوئی اشکال نہیں ہے اور حقیقۃ الحقائق کے ساتھ لحوق اور حقائق ثلاثہ کے وصول میں کوئی ترتب وتوقف نہیں ہے، یہ جائز ہے کہ لحوق مذکور ہو جائے اور حقائق کا وصول میسر نہ آئے اور نیز ہو سکتا ہے کہ وصول واقع ہو جائے اور لحوق نہ ہو اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام خود اپنے حقائق سے حقیقتِ کعبہ اور اس کے اوپر تک پہنچے ہیں اور جو شخص کہ ان کے قدم پر ہے ہو سکتا ہے کہ ان کے حقائق (کے واسطے) سے پہنچ جائے اور حقیقت الحقائق درمیان میں نہ آئے اور وصول کے بعد اگر اپنے شیخ کے توسط سے حقیقۃ الحقائق کے ساتھ ملحق ہو جائے تو گنجائش رکھتا ہے جیسا کہ (حقائق ثلاثہ کے) وصول سے پہلے بھی جائز ہے کہ اس حقیقت تک پہنچ جائے اور یہ جو فقیر نے بعض

دوستوں کو ان کے حقائقِ ثلاثہ تک پہنچنے کے بعد (حقیقۃ الحقائق سے) لحوق کی بشارت دی ہے وہ بھی اس قسم سے ہے یہ کلیہ نہیں بلکہ اتفاقیہ ہے کہ وصول کے بعد توجہ اس جانب میں واقع ہوئی ہے ورنہ اگر وصول سے پہلے توجہ واقع ہو جائے تو ہو سکتا ہے کہ لحوق مذکور حاصل ہو جائے۔ ہاں محمدی المشرب کے حق میں اگر وصول سے پہلے لحوق کہا جائے تو گنجائش رکھتا ہے، کیونکہ اس کے لئے حقائق (ثلاثہ) تک وصول کا راستہ حقیقۃ الحقائق کے ساتھ ملحق ہوتا ہے"۔

حقیقتِ قرآنی، حقیقتِ کعبہ ربانی اور حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

مبدأ و معاد (منہا ۴۷) میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

"حقیقتِ قرآنی اور حقیقتِ کعبۂ ربانی کا درجہ حقیقت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم علیٰ مظہر با الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ سے اوپر ہے۔ لہٰذا حقیقتِ قرآنی، حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی امام اور پیشوا ہوئی۔ اور حقیقتِ کعبۂ ربانی، حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی مسجود ہوئی۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ہے کہ حقیقتِ کعبۂ ربانی کا درجہ، حقیقتِ قرآنی سے اوپر ہے۔ وہاں بالکل ہی بے صفتی اور بے رنگی کی کیفیت ہے۔ اور اس مقام میں شیونات اور اعتبارات کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بلکہ اس بارگاہ میں تو تنزیہ اور تقدیس کی بھی کوئی مجال نہیں ہے"۔

آنجا ہمہ آنست کہ برتر زبیان ست

ترجمہ: وہاں ہر چیز ایسی ہے کہ بالاتر بیان سے ہے۔

مبدأ و معاد کی اس عبارت کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے کسی نے پوچھا تو دفتر سوم مکتوب ۱۲۴ میں اس کا جواب دیتے ہوئے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ:

"میرے بھائی شیخ محمد طاہر بدخشی نے دریافت کیا تھا کہ رسالہ مبدأ و معاد میں لکھا ہے کہ جس طرح صورتِ کعبہ صورت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا مسجود ہے اسی طرح حقیقتِ کعبہ بھی حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا مسجود ہے۔اس عبارت سے حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر حقیقتِ کعبۂ ربانی کی افضلیت لازم آتی ہے"۔

اس کے جواب میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ:

"اے بھائی! حقیقتِ کعبہ کے بارے میں بھی تھوڑا سن لو۔ حقیقتِ کعبہ سے مراد ذاتِ بے چون واجب الوجود ہے کہ جس کو ظہور اور ظلیت کی گرد بھی وہاں تک نہیں پہنچی اور جو مسجودیت و معبودیت کی شان کے لائق ہے، اس حقیقت جل سلطانہٗ کو اگر حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا مسجود کہیں تو اس میں کیا خطرہ لازم آتا ہے اور آپ کی فضیلت میں اس سے کسی طرح قصور واقع ہوتا ہے۔ہاں حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم باقی تمام افرادِ عالم کے حقائق سے افضل ہے لیکن حقیقتِ کعبۂ معظم عالم کی جنس سے نہیں ہے تاکہ اس کی طرف یہ نسبت ظاہر کی جائے اور اس کی افضلیت میں توقف کیا جائے"۔

یہی سوال حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کسی نے پوچھا اور جواب میں انہوں نے فرمایا:

(مکتوباتِ معصومیہ، دفتر دوم، مکتوب ا) اول یہ کہ حقیقتِ کعبۂ ربانی معبودیت اور مسجودیت کے مقام سے پیدا ہوتی ہے اور آن سرور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا کمال عبدیت و عابدیت (بندہ

اور بندگی کرنے والا ہونے) کے مقام میں ہے، اس بنا پر ہو سکتا ہے کہ حقیقتِ کعبۂ رُبانی ذاتِ الٰہی جل سلطانہٗ ہو کیونکہ حقیقت میں معبود و مسجود وہی ہے یعنی وہ حقیقت جو اس صورت کی مسجودیت کا منشاء (سبب) ہو گئی ہے اور (اس میں) شک نہیں ہے کہ وہ حقیقت ذاتِ حق عزّبرہانہ ہے پس اگر حقیقت کو حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر فوقیت و فضیلت ہو تو اس میں کیا خطرے کی بات ہے"۔

پھر مکتوبات معصومیہ، دفتر اول، مکتوب ۱۸۳ میں فرماتے ہیں کہ:

(حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) کے آخری قول میں تعینِ اول و حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم تعین جبی ہے جو کہ تعین وجودی کے اوپر ہے۔ پھر فرماتے ہیں "اور حقیقتِ کعبۂ ربانی اس تعین جبی سے بھی فوقیت رکھتی ہے اور ان حقائق کی اجمال و تفصیل سے بھی برتر ہے جو کہ بشری اور ملکی حقائق کا منتہا ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ کعبہ اگرچہ بیت اللہ ہے لیکن مؤمن کا قلب بھی یَسَعُنِیْ الحدیث کے بموجب اس کا حکم رکھتا ہے، پس اس کو اس پر فوقیت کس لحاظ سے ہو گی۔ ہم کہتے ہیں: وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَى (النحل ٦٠) (اور اللہ تعالیٰ کے لئے اعلیٰ مثال ہے)۔ عالمِ مجاز (دنیا) میں بادشاہوں کے لئے اگرچہ بہت سے مکانات اور نشست گاہیں ہیں لیکن گھر (پھر بھی) گھر ہے کہ وہ اغیار کی مزاحمت سے محفوظ ہے اور محبوب کی آرام گاہ ہے دوسری نشست گاہ کو گھر کے ساتھ کیا نسبت اور کون سی برابری ہے"۔

آگے فرماتے ہیں کہ:

"سابقہ بیان سے واضح ہو گیا کہ حقیقتِ کعبۂ ربانی حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے اوپر ہے کیونکہ حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم مراتبِ تعینات سے ناشی اور حقیقتِ کعبۂ ربانی مراتبِ تعینات سے اوپر ہے"۔

پھر پوچھنے والے نے پوچھا کہ:

"اس بیان سے لازم آیا کہ کعبۂ مکرمہ ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے افضل ہو؟"

خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

"ہم کہتے ہیں کہ یہ ممنوع ہے کیونکہ ایک حقیقت کو دوسری پر فوقیت ہونا پہلی حقیقت والے کی دوسری حقیقت والے پر افضلیت کا موجب نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ نیچے کی حقیقت والے کو اوپر کی حقیقت پر عروجات حاصل ہو جائیں اور قرب کے مراتب پیش آئیں اور اوپر کی حقیقت والا اپنی حقیقت کا پابند رہے اور اپنی حقیقت سے عروج (ترقی) نہ کرے اور مراتب قرب کی کثرت کہ جس پر فضیلت کا مدار ہے حاصل نہ کرے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ ملا اعلیٰ (فرشتوں) کی ولایت خواصِ بشر کی ولایت کے اوپر ہے اور (حالانکہ) ملائکہ کے حقائق سے عروج کے اعتبار سے خواصِ بشر کو فضیلت ہے اور ملائکہ کو اپنے مقام سے عروج نہیں ہے"۔

کیا حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے اوپر ترقی جائز ہے؟

کسی نے امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے پوچھا:

”حقیقت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم جو حقیقت الحقائق ہے اور ممکنات کے حقائق میں سے کوئی حقیقت اس سے اوپر نہیں ہے، تو پھر کیا اس سے اوپر ترقی جائز ہے یا نہیں؟“۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ دفتر سوم مکتوب ۱۲۲ میں اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

”جائز نہیں ہے کیونکہ اس مرتبہ سے فوق مرتبہ لاتعین ہے کہ وہاں متعین کا وصول و الحاق محال ہے اور بے تکیف وصول و الحاق کہنا محض ایک زبانی بات ہے کیونکہ معاملہ کی حقیقت تک پہنچنے سے پیشتر اس سے تسلی کی جاتی ہے لیکن حقیقتِ کار تک پہنچنے کے بعد عدم وصول و الحاق کا حکم لازمی ہے کیونکہ اس مقام میں شک وتردد کا کوئی شائبہ نہیں ہے“۔

آگے اسی مکتوب میں سوال آتا ہے کہ:

”اس تحقیق سے لازم آتا ہے کہ حضرت خاتم الرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھی اسی حقیقت سے ترقی واقع نہیں ہوئی“۔

جواب میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ:

”آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بھی علو شان اور جاہ و جلال کے باوجود ہمیشہ ممکن ہی ہیں اور ہرگز امکان سے باہر نہیں آسکتے اور نہ وجوب کے ساتھ پیوست ہو سکتے ہیں کیونکہ یہ امر الوہیت کے ساتھ متحقق ہونے کو مستلزم ہے۔ تَعَالَى اللّٰهُ اَنْ يَكُوْنَ لَهٗ نِدٌّ وَ شَرِيْكٌ (اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے کہ کوئی اس کا ہم سر اور شریک ہو)“۔

حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دفتر اول کے مکتوب ۱۸۳ میں لکھتے ہیں:

"(سوال پیدا ہوتا ہے کہ) حضرت عالی قدس سرہٗ نے اس مکتوب میں جو کہ سب سے آخر میں اس مرض کی حالت میں لکھا ہے کہ تعین اول سے جو کہ تعینِ حبی ہے ترقی واقع نہیں ہے کیونکہ اس کے اوپر لاتعین ہے اس مقام میں قدم رکھنا امکان سے باہر نکلنا اور وجوب کے ساتھ متحقق ہونا ہے جو کہ محال ہے اور یہ عروجات جو کہ واقع ہوئے ہیں سب تعینِ حُبی کے اوپر ہیں اس کی کیا وجہ ہو گی"۔

جواب میں فرماتے ہیں:

"ہو سکتا ہے کہ ممنوع قدمی وصول ہو اور یہاں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ نظری ہو تو اس صورت میں کوئی منافات نہیں ہے شاید کہ (اس فقیر نے) اس معنی کو حضرت عالی قدس سرہٗ (یعنی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) سے اسی مجلس میں استفادہ کیا ہے"۔

حقیقتِ کعبہ کے مقام میں حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا عروج

مکتوبات شریف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی دو صورتیں ہیں، ایک حقیقتِ کعبہ سے متحد ہو کر حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بننے سے پہلے جب حقیقت کعبۂ ربانی کی حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر فضیلت ثابت ہے۔ دوسری صورت حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا حقیقتِ کعبۂ ربانی سے متحد ہونے کے بعد کی ہے جب وہ حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہو جاتی ہے۔ اس وقت حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ یہ حقیقت الحقائق ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ہر حقیقت اس کی جزو ہے۔ چنانچہ جب حقیقتِ کعبۂ ربانی سے حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم متحد ہو جاتی ہے، اس کے بعد اس حقیقت سے ترقی جائز نہیں ہے۔

مکتوبات معصومیہ دفتر دوم، مکتوب ا میں فرماتے ہیں:

”جاننا چاہیئے کہ حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے حضرت عالی قدس سرہٗ کے کلام میں دو اقوال ہیں ایک وہ ہے جو حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم و حقیقتِ کعبۂ ربانی کے تقابل میں اوپر بیان ہو چکا ہے، دوسرا قول وہ ہے جو دونوں حقیقتوں کا جامع ہے اور ان دونوں حقیقتوں میں سے ہر ایک کا جزو ہے اور اس کو حقیقۃ الحقائق سے تعبیر کیا جاتا ہے“۔

اگر یہ سمجھ لیا جائے تو بقیہ عبارات سمجھنا آسان ہو جائیں گی، انشاء اللہ!

مبدأ و معاد (منھا۴۸) میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

”اور میں ایک عجیب بات کہتا ہوں، جو اس سے پہلے نہ کسی نے سنی اور نہ کسی بتانے والے نے بتائی، جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے صرف مجھے بتائی اور صرف مجھ پر الہام فرمائی ہے اور وہ بات یہ ہے کہ آنسرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانۂ رحلت سے ایک ہزار اور چند سال بعد ایک زمانہ ایسا بھی آنے والا ہے کہ حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے مقام سے عروج فرمائے گی اور حقیقتِ کعبہ کے مقام میں (رسائی پا کر اس کے ساتھ) متحد ہو جائے گی۔ اس وقت حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہو جائے گا۔ اور وہ ذات ”احد“ جل سلطانہٗ کا مظہر بن جائے گی۔ اور دونوں مبارک نام (محمد و احمد) اس مسمیٰ (مجموعۂ حقیقت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم و حقیقتِ کعبۂ ربانی) میں متحقق ہو جائیں گے۔ اور حقیقت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا پہلا مقام (جہاں وہ اس سے پہلے تھی) خالی رہ جائے گا اور وہ اس وقت تک خالی ہی رہے گا یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں اور نزول فرمانے کے بعد شریعتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے مطابق عمل فرمائیں۔ اس وقت

حقیقتِ عیسوی علیہ السلام اپنے مقام سے عروج کر کے حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس مقام میں جو خالی چلا آرہا تھا استقرار پائے گی (یعنی قیام پزیر ہو جائے گی)"۔

حضرت سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس بات کو یوں سمجھاتے تھے کہ دراصل کعبہ معظمہ تجلیات ذاتی کا مرکز ہے اور مومن کا قلب بھی تجلیاتِ ذاتی کا مرکز ہے۔

حدیث مبارکہ میں ہے کہ:

لم يسعني سمائي ولا أرضي ووسعني قلب عبدي المؤمن۔[197]

میں نہ زمین میں سماتا ہوں نہ آسمانوں میں مگر قلب مومن میں سماجاتا ہوں۔

لیکن فرق یہ ہے کہ کعبۂ معظمہ پر یہ تجلیات دائمی ہیں اور قلب مومن پر کبھی ہوتی ہیں کبھی نہیں۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا قلب بھی آخر میں دائمی طور سے تجلیات ذاتیہ کا مرکز ہو جائے گا، اور حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اس طرح حقیقتِ کعبہ کے ساتھ مل کر ایک ہو جائے گی۔

---

197 (کشف الخفاء:۲۲۵۶)

کیا حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور باقی حقائق مخلوق ہیں؟

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے پوچھا گیا کہ یہ تعینِ حُبی جو کہ تعین اول حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہے، یہ ممکن ہے یا واجب، حادث ہے یا قدیم؟

مکتوبات مجددیہ میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ دفتر سوم مکتوب ۱۲۲ میں فرماتے ہیں کہ:

"ہم کہتے ہیں کہ وہ تعین (یعنی حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) تعینِ امکانی اور مخلوق و حادث ہے، جیسا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ۔ (اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا) اور دوسری احادیث مبارکہ میں اس نور کی خلقت کے وقت کا تعین بھی آیا ہے جیسا کہ فرمایا: قَبْلَ خَلْقِ السَّمٰوَاتِ بِاَلْفَیْ عَامٍ۔ (آسمانوں کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل) اور اس کی مثل دوسری روایات بھی ہیں اور جو کچھ وہ مخلوق اور عدم کے ساتھ مسبوق ہے وہ ممکن و حادث ہے۔ لہٰذا جب حقیقۃ الحقائق جو کہ اسبقِ حقائق (سب سے پہلی حقیقت) ہے مخلوق اور ممکن ہوئی تو دوسروں کے حقائق بطریقِ اولیٰ مخلوق ہوں گے اور امکان و حدوث رکھتے ہوں گے"۔

پھر آگے فرماتے ہیں:

"ممکن مع اپنے تمام اجزاء کے ممکن ہی ہے اور اپنی صورت و حقیقت سے بھی ممکن ہے۔ اور تعین وجوبی ممکن کی حقیقت کس طرح ہو سکتا ہے، ممکن کی حقیقت بھی ممکن ہی ہونی چاہیئے کیونکہ ممکن کے لئے واجب تعالیٰ کے ساتھ کوئی شرکت اور مناسبت نہیں ہے سوائے اس کے کہ ممکن اس کی مخلوق ہے اور وہ باری تعالیٰ اس کا خالق ہے"۔

مراقبہ حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

۳۴)نیت مراقبہ حقیقت احمدی صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم: فیض می آید از ذات بیچون که محبوب ذات خود است و منشاء حقیقت احمد صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلم است بہ ہیئت وحدانی من بواسطہ پیران کبار رحمہم اللہ تعالیٰ۔(توقف۔۔۔روز)

ترجمہ: فیض آرہاہے میری ہیئت وحدانی پر اس ذات پاک سے جو اپنی محبوب آپ ہے اور جو منشاء حقیقت احمدی ﷺ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبارک نام "احمد" کے بارے میں مکتوبات مجددیہ دفتر سوم مکتوب ۹۶ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

"احمد عجب بزرگ اسم ہے جو کہ کلمۂ مقدسہ "احد" اور حرف "میم" کے حلقہ سے مرکب ہے جو عالمِ بیچون میں اسرارِ الٰہی جل شانہٗ کے پوشیدہ رازوں میں سے ہے اور اس امر کی گنجائش نہیں رکھتا کہ عالمِ چون میں اس رازِ نہانی کی تعبیر حلقۂ میم کے بغیر کی جا سکے، اور اگر اس کی گنجائش ہوتی تو حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اس کی تعبیر ضرور فرماتا۔ اور احد وہ واحد ہے کہ لَا شَرِیکَ لَهُ (الأنعام۱۶۳) (اس کا کوئی شریک نہیں) ہے اور حلقۂ میم عبودیت کا طوق ہے جو بندے کو مولان سے متمیز کرتا ہے لہٰذا بندہ وہی حلقۂ میم ہے اور لفظ احد اس کی تعظیم کے لئے آیا ہے اور اس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خصوصیت کا اظہار کیا گیا ہے"۔

چو نام این ست نام آور چہ باشد
مکرم تر بود از ہر چہ باشد

ترجمہ: ”جب ایسانام ہو تو نام والا، سبھی سے ہو گا اعلیٰ اور اولیٰ“۔

ہدایت الطالبین میں شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

”اس مقام (یعنی حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) پر محبوبیتِ ذاتی ظاہر ہوتی ہے“۔

اسی لئے ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ یہ مقام محبوبیت ذاتی سے پیدا ہوا اور اس کو دائرۂ محبوبیت ذاتیہ صرفہ بھی کہتے ہیں۔ جہاں بعض سالکین اپنے آپ کو بَيْنَ يَدَيِ الرَّحْمٰنِ دیکھتے ہیں۔

ہدایت الطالبین میں حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

”اس مقام پر نسبت کی بلندی انوار کی شعاعوں کے ساتھ ظہور فرماتی ہے اور یہاں محبوبیت صرف کے اسرار ظاہر ہوتے ہیں۔ پھر یہ فرماتے ہیں کہ ایک مدت سے اس مسکین کے کمزور دل میں یہ خطرہ گزرتا تھا کہ حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک جگہ تحقیق فرمائی ہے کہ حقیقتِ کعبۂ معظمہ بعینہ حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہے۔ یہ بات میری فہمِ ناقص میں نہ آتی تھی کیونکہ حقیقتِ کعبہ تو حقائق الٰہیہ میں سے ہے اور حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم حقائق انبیاء علیہم السلام میں سے ہے، پس دونوں کس طرح ایک ہو سکتی ہیں۔ ایک روز میں حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم میں متوجہ تھا کہ یکایک میں نے دیکھا کہ حقیقتِ کعبہ کا ظہور ہوا اور آواز آئی کہ عظمت اور کبریائی بھی محبوبیت کا خاصہ ہے اور محبوبیت اور مسجودیت دونوں حضرت حق جل شانہٗ کی شیونات میں سے ہیں۔ پس حضرت صاحب الطریقہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کلام میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس مقام پر محبوبیتِ ذاتی ظاہر ہوتی ہے جس طرح کہ مقام خلت میں محبوبیت صفاتی ہوتی ہے، اور محبوبیت ذاتی کے معنی یہ ہیں کہ اپنے محبوب کو اس کی صفاتِ جمیلہ مثلاً خط

وخال وغیرہ سے قطع نظر کر کے دوست رکھیں، فقط اس کی ذات میں ایسی بات ہوتی ہے جو موجبِ تعشق ہوتی ہے"۔

اس سبق میں بھی یہ درود شریف پڑھنا ترقی بخش ہوتا ہے:

اللھم صل علی سیدنا محمد و اصحاب سیدنا محمد افضل صلو اتک عدد معلو ماتک و بارک و سلم

حقیقت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور حقیقت احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

مکتوبات مجددیہ دفتر سوم مکتوب ۹۲ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

"ہمارے حضرت پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم دو اسموں سے مسمیٰ ہیں، اور وہ دونوں اسمِ مبارک قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (الفتح ۲۹) (محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں) اور حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کی بشارت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: اسْمُهُ أَحْمَدُ (الصف ٦) (ان کا نام احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہو گا)۔ اور ان دونوں مبارک اسماء کی ولایت علیحدہ ہے۔ ولایت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اگرچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کے مقامِ محبوبیت سے پیدا ہوئی ہے لیکن وہاں محبوبیت صرف موجود نہیں ہے بلکہ اس میں نشاء محبیت (محبیت کی کیفیت) کا امتزاج بھی ہے، اگرچہ وہ آمیزش اس کی اصالت کے ساتھ ثابت نہیں ہے البتہ مقامِ محبوبیتِ صرف کا مانع ہے۔ اور ولایتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم محبوبیتِ صرف سے پیدا ہوئی ہے جس میں محبیت کا شائبہ تک نہیں ہے، اور یہ ولایت پہلی ولایت سے پیش قدم (بلند) ہے، اور مطلوب سے ایک منزل نزدیک تر

ہے اور محب کو بھی زیادہ مرغوب ہے کیونکہ محبوب جس قدر محبوبیت میں کامل تر ہو گا اس کو استغنیٰ و بے نیازی بھی کامل تر ہو گی اور محب کی نظر میں بھی اسی قدر زیادہ محبوب اور زیباتر دکھائی دے گا اور محب کو اپنی طرف زیادہ جذب کرلے گا اور اس کو شیفتہ اور والاتر بنالے گا"۔

مکتوباتِ معصومیہ دفتر دوم مکتوب ا میں فرماتے ہیں:

"آپ کے وجودِ عنصری اور آپ کے اس عالمِ ظلمانی کو ہدایت کرنے کے اعتبار سے آپ کا اسمِ مبارک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہے اور اس مبارک اسم کی ولایت اس اسمِ الٰہی سے نشو و نما پانے والی ہے جو اس عالم سفلی کی تربیت کے ساتھ رکھتا ہے اور حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ مسمیٰ رکھتا ہے اور آپ کے روحانی وجود کے اعتبار سے جو کہ عالمِ ملکوت اور روحانیوں کا مربی (پرورش کرنے والا) ہے اور آپ کے وجودِ عنصری سے پہلے اسی وجود کے ساتھ نبی تھے اس لحاظ سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: قال کنت نبیا و آدم بین الماء و الطین۔[198] میں (اس وقت بھی) نبی تھا جبکہ آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔ آپ کا نام پاک احمد ہے اور اس نام پاک کی ولایت شانِ جامع سے نشو و نما پانے والی ہے جو کہ حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا مبدأ و اصل ہے اور اس نورانی عالم کی تربیت کے لئے مناسب ہے جو کہ حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ موسوم ہے اور حقیقتِ کعبۂ ربانی سے بھی تعبیر کی جاتی ہے اور جو نبوت کہ عالمِ عنصری سے تعلق رکھتی ہے وہ دونوں حقیقتوں کے اعتبار سے ہے صرف ایک حقیقت کے ساتھ خصوصیت نہیں رکھتی اور اس مرتبہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا رب (مربی) وہ شان (بھی) ہے اور اس شان کا مبدأ بھی، اس لئے اس مرتبہ کی دعوت پہلی دعوت سے

---

[198] مستدرک حاکم، ج ۲، ص ۶۰۹

کامل ترین ہوئی کیونکہ وہ دعوتِ عالم امر اور روحانیوں تک محدود تھی اور اس مرتبہ کی دعوت عالمِ خلق وامر دونوں کو شامل ہے اور ان دونوں حقیقتوں میں سے ہر ایک حقیقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہر دو اسم مبارک کے اعتبار سے آپ کے فطری مکان کے درجے میں ہے اور ان دونوں حقیقتوں کے اوپر پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے لاتعداد اور بے شمار عروجات ہیں کہ جن کی انتہاء کو علام الغیوب (اللہ تعالیٰ) ہی جانتا ہے اور فضیلت کا مدار اور برگزیدہ وبرتر ہونے کا انحصار اسی پر ہے۔ اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ حقیقتِ کعبہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی حقیقت جامع کا جزو ہے جو کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسمانی وروحانی وخلق وامر کے کمالات کی جامع ہے اور یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ یہ فوقیت جس کے بارے میں بحث ہے دراصل آں سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعض کمالات کی آپ کے بعض کمالات پر فوقیت ہے"۔

"جاننا چاہیئے کہ حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے حضرت عالی (قدس سرہٗ) کے کلام میں دو اقوال ہیں ایک وہ ہے جو حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم وحقیقتِ کعبۂ ربانی کے تقابل میں اوپر بیان ہو چکا ہے، دوسرا قول وہ ہے جو دونوں حقیقتوں کے درمیان جامع ہے اور ان دونوں حقیقتوں میں سے ہر ایک حقیقت اس کا جزو ہے اور اس کو حقیقت الحقائق سے تعبیر کیا جاتا ہے"۔

حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک ہو جانا

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی اپنی حیات مبارکہ میں بعض حضرات نے سوال کیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ایک ہو جائیں؟ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی مکاشفاتِ عینیہ میں مکاشفہ ۲۶ میں لکھاہے:

"بعض فضلاء ان دو باتوں میں خدشہ رکھتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہزار سال کے بعد حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہو جاتی ہے۔ اور عبارت کا تتمہ لکھا جو کہ اس فقرہ کے بعد واقع ہے۔ اور دونوں اسماء کا مسمیٰ متحقق ہو جاتا ہے۔ اس عبارت کو ملاحظہ کرنے کے بعد دیکھیں کہ وہ خدشہ باقی رہتا ہے یا نہیں؟ کیا چیز مانع ہے کہ ایک مسمیٰ (یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے متعلق حقیقت) اپنے دو ناموں کے ساتھ جن سے دو کمالاتِ مخصوصہ مراد ہیں یکے بعد دیگرے طویل زمانہ کے بعد متحقق ہو۔ اور ایک کمال سے دوسرے کمال کی طرف ترقی کرے جو کہ بالقوۃ اس میں موجود تھا"۔

پھر ایک روایت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"جس شخص کے دو دن برابر ہوں تو وہ خسارے میں ہے۔ اسی وجہ سے ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جن کا نزول آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت کے ایک ہزار سال کے بعد (کسی وقت) ہو گا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو احمد کے نام سے یاد کیا ہے۔ اور اپنی قوم کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت اس نام سے دی ہے جو

کہ اس اسم کی دولت کا زمانہ ہے۔ ورنہ اس غیر مشہور نام کو یاد کرنے کی کیا گنجائش تھی کہ ایک مخلوق اشتباہ میں پڑ جائے اور اسم سے مسمیٰ کی طرف راہ نہ پائے۔ نیز اس سے قیاس کرنا چاہیئے کہ آنجناب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم زمین پر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور آسمان پر احمد کیونکہ کمالاتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اہل زمین کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔ اور کمالاتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم آسمان اور ملاء اعلیٰ سے"۔

اور شاید یہی وجہ ہے کہ امام قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نقل فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا امتی بننے کے لئے دعا کی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو "احمد" نام سے یاد فرمایا۔

وَ ذَکَرَہٗ مُوْسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ حِیْنَ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗ: تِلْکَ اُمَّۃُ اَحْمَدَ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم فَقَالَ اللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنْ اُمَّۃِ اَحْمَدَ فِبَاَحْمَدَ ذَکَرَہٗ قَبْلَ أَنْ یَذْکُرَہٗ بِمُحَمَّدٍ, لِاَنْ حَمِدَہٗ لِرَبِّہٖ کَانَ قَبْلَ حَمْدِ النَّاسِ لَہٗ فَلَمَّا وُجِدَ وَبُعِثَ کَانَ مُحَمَّدًا بِالْفِعْلِ۔

اور موسیٰ علیہ السلام نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام لیا، جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا، وہ امت احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہے، پس موسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! مجھے امت احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم میں سے بنا دیجیئے۔ چنانچہ یہاں اللہ تعالیٰ نے اسم "احمد" کا "محمد" سے پہلے ذکر کیا، اس لئے کہ مخلوق سے پہلے اللہ عزوجل نے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعریف کی، پھر جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لائے اور نبی بنائے گئے تو "بالفعل" بھی "محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم" ہو گئے۔

کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک اس دنیا میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت نہیں ہوئی تھی۔ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو ابھی تک آسمانی نام سے یاد کیا گیا۔

"اور جب آنجناب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی رحلت کو ایک ہزار سال گزر جائیں جس مدت کو پورا داخل ہے اور امور کے تغیر و تبدل کے باعث آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو اہل زمین سے مناسبت کم رہے تو کمال احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم طلوع کرے اور اس کمال کے علوم و معارف کا ظہور فرمائیں، تو خدشہ کیا ہے؟"۔

پھر آگے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ یہ بھی سمجھاتے ہیں کہ تغیر و تبدل کا کیا مطلب ہے؟ فرماتے ہیں:

"تغیر و تبدل سے کیا مطلوب ہے؟ قلبِ حقیقت نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت کا ایک کمال سے دوسرے کمال کی طرف تقلب ہے۔ اور ایک رنگ سے دوسرے رنگ میں رنگنا ہے۔ اس بیان سے وہ اشکالات حل ہو گئے جو ظاہر کئے گئے تھے کہ اس سے مراد اپنی حقیقت ہے ورنہ ہزار کی قید کیوں ہے اور کیوں کہا کہ ہزار سال کی دعا قبول ہو گئی۔ کیونکہ حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم واقع ہو گئی"۔

ہزار سال کے گذر جانے کے بعد جو تغیر پیش آتا ہے اس کے بارے میں دفتر سوم مکتوب ۹۲ میں فرماتے ہیں کہ:

"اُس ولایت کا معاملہ اِس ولایت تک پہنچ گیا اور ولایتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ولایتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ انجام پا گئی اور کاروبارِ عبودیت دو طوقوں میں سے ایک طوق کے متعلق ہو گیا، اور پہلے طوق کی بجائے حرفِ الف جو اس کے رب کی طرف سے رمز ہے متمکن ہو گیا یہاں تک کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہو گیا۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ عبودیت کے دو طوقوں سے مراد دو حلقۂ میم ہیں جو اسمِ مبارک

"محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم" کے اندر مندرج ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان دو طوق (م) سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے دو تعین کی طرف اشارہ ہو، ان دو تعین میں سے ایک تعین جسدی بشری ہے اور دوسرا تعینِ روحی ملکی ہے، اور تعین جسدی میں اگرچہ انتقال کے عارض ہونے کی وجہ سے سستی اور نقص پیدا ہو گیا تھا اور تعین روحی نے قوت حاصل کر لی تھی لیکن پھر بھی اس تعین کا اثر بھی زائل ہو جائے اور اس تعینِ (جسدی) کا کوئی نشان باقی نہ رہے۔ اور جب ہزار سال پورے ہو گئے اور اس تعین کا کوئی اثر باقی نہ رہا تو ان دو طوقِ عبودیت میں سے ایک طوق ٹوٹ گیا اور اس پر زوال و فنا طاری ہو گئی اور الوہیت کا الف جس کو بقاباللہ کے رنگ میں کہا جا سکتا ہے اس کی جگہ بیٹھ گیا تو لازمی طور پر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم "احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم" ہو گیا اور ولایت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ولایتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم میں منتقل ہو گئی۔ لہٰذا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم دو تعینِ (م) سے عبارت ہے اور احمد ایک تعین (م) سے کنایہ ہے اور بس۔ لہٰذا یہ اسم (احمد) حضرت اطلاق سے زیادہ قریب ہوا اور عالم سے دور تر"۔

دفتر اول مکتوب ۲۰۹ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ:

"ہم کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم تمام مخلوقات کی طرح عالمِ خلق اور عالمِ امر سے مرکب ہیں اور وہ اسم الٰہی جل شانہٗ جو کہ عالمِ خلق کا رب ہے اس کی شان العلیم ہے، اور وہ جو عالمِ امر سے ان کی تربیت فرماتا ہے وہ اس کے معنی ہیں جو اس شان کے وجود اعتباری کا مبدأ ہے، جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے۔ اور حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے مراد "شان العلیم" ہے اور حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اس معنی کی طرف اشارہ ہے جو اس شان کا مبدأ ہے اور "حقیقت کعبۂ ربانی" سے بھی یہی مراد ہے۔ اور وہ نبوت جو حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق

سے پہلے آں سرور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو حاصل تھی اور اس مرتبہ کی نسبت کی خبر دی ہے اور فرمایاہے کہ: قال کنت نبیا و آدم بین الماء و الطین۔[199] میں (اس وقت بھی) نبی تھا جبکہ آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔ یہ بات باعتبار حقیقت احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے تھی اور اس کا تعلق عالمِ امر سے ہے۔ اور اسی اعتبار سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو کلمۃ اللہ ہوئے ہیں اور عالمِ امر سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں اور (جنھوں نے) آں سرور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت اسمِ "احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم" سے دی ہے اور فرمایاہے: وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ (الصف ٦) اور ان رسول کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمد ہے۔ اور وہ نبوت جس کا تعلق نشاۃ عنصری (مادہ کی پیدائش) سے ہے وہ صرف حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ دونوں حقیقتوں کے اعتبار سے ہے اور اس مرتبہ میں آپ کی تربیت کرنے والی وہ شان اور اس شان کا مبدأ ہے، لہٰذا اس مرتبہ کی دعوت پہلے مرتبہ کی دعوت کی نسبت سے زیادہ مکمل ہے، کیونکہ اس مرتبہ میں ان کی دعوت عالمِ امر سے مخصوص تھی اور ان کی تربیت صرف روحانیین تک محدود تھی اور ان کی دعوت کے اس مرتبہ میں عالمِ خلق اور عالمِ امر دونوں شامل ہیں اور آپ کی تربیت ارواح و اجساد پر مشتمل ہے"۔

"حاصل کلام یہ ہے کہ اس جہان میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی عنصری پیدائش کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی مَلکی پیدائش پر غالب کیا ہوا تھا تاکہ مخلوقات کے ساتھ کہ جن میں بشریت زیادہ غالب ہے ان کے لئے وہ مناسبت جو افادہ و استفادہ کا سبب ہے زیادہ سے

---

[199] مستدرک حاکم، ج ۲، ص ۶۰۹

زیادہ پیدا ہو جائے، یہی وجہ ہے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنی بشریت کے ظاہر کرنے کے لئے بڑی تاکید سے حکم فرماتا ہے: قُلۡ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثۡلُكُمۡ يُوحَىٰ إِلَيَّ (الكهف ١١٠) (تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں مجھے وحی آتی ہے) اور لفظ مِثۡلُكُمۡ کالانا بشریت کی تاکید کے لئے ہے۔ وجودِ عنصری سے رحلت فرمانے کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی روحانیت کی جانب غالب آگئی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بشریت کی مناسبت کم ہو گئی اور دعوت کی نورانیت میں تفاوت پیدا ہو گیا۔ پھر آگے فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانۂ رحلت سے جب ہزار سال گزر گئے جو بڑی لمبی مدت اور زمانۂ دراز ہے تو (آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی) روحانیت کی جانب اس طرح غالب ہوئی کہ بشریت کی تمام جانب کو اپنے رنگ میں رنگ دیا حتیٰ کہ عالمِ خلق نے عالمِ امر کا رنگ اختیار کر لیا۔ پس لازمی طور پر جو کچھ کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی عالمِ خلق میں اپنی حقیقت سے رجوع ہو کر ظاہر ہوا وہی حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم عروج فرما کر حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے ملحق ہو گئی اور حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے متحد ہو گئی"۔

اس جگہ حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے مراد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلق و امر کا تعین امکانی ہے نہ کہ تعین وجوبی کہ تعینِ امکانی اسی کا ظل ہے، کیونکہ تعین وجوبی کا عروج کوئی معنی نہیں رکھتا اور اس تعین کے ساتھ اس کا متحد کرنا معقول نہیں ہے۔ اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے تو حضرت خاتم الرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی شریعت کی پیروی کریں گے اور اپنے مقام سے عروج کر کے

تبعیت کے طور پر حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقام میں پہنچ جائیں گے، اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے دین کی تقویت فرمائیں گے"۔

پھر آگے فرماتے ہیں:

"جاننا چاہیئے کہ پچھلے بیان سے اس عبارت کے معنی واضح ہو گئے جو رسالہ مبدأ و معاد میں اس عبارت سے پہلے تحریر کی گئی کہ "حقیقت کعبۂ ربانی حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی مسجود ہو گی"۔ کیونکہ کعبۂ ربانی کی حقیقت بعینہٖ حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہے جو فی الحقیقت حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ظل ہے۔ پس لازماً حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی مسجود ہو گی"۔

"اگر سوال کریں کہ کعبہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت کے اولیاء کے طواف کے لئے آتا ہے اور ان سے برکات حاصل کرتا ہے حالانکہ اس کی حقیقت حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر مقدم ہے۔ تو پھر یہ معنی کس طرح جائز ہوں گے؟ جواب میں ہم کہتے ہیں کہ حقیقت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم تنزیہ و تقدیس کی بلندی کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقاماتِ نزول کی انتہا ہے۔ اور حقیقتِ کعبہ عروج کعبہ کے مقامات کی انتہا ہے۔ اور حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے مرتبۂ تنزیہ پر عروج کا خاص زینۂ اول "حقیقتِ کعبہ" ہے، اور اس (حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کے عروجات کی نہایت کو حق سبحانہٗ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا"۔

مکتوبات معصومیہ دفتر دوم مکتوب ا میں حضرت خواجہ معصوم فرماتے ہیں کہ:

"ان دونوں حقیقتوں (یعنی حقیقت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کے اوپر پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے لاتعداد اور بے شمار عروجات ہیں کہ جن کی انتہاء کو علام الغیوب (اللہ تعالیٰ) ہی جانتا ہے اور فضیلت کا مدار اور برگزیدہ وبرتر ہونے کا انحصار اسی پر ہے"۔

مراقبہ حُب صرف

حقیقت احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے مراقبے کے بعد حُبِ صرف کا مراقبہ کیا جاتا ہے۔اس مراقبہ کی نیت ایسے ہے کہ:

۳۵)نیت مراقبہ حبّ صرف: فیض می آید از ذات بیچون کہ منشاء حبّ صرف است بہ ہیئت وحدانی من بواسطہ پیران کبار رحمہم اللہ تعالیٰ (توقف۔۔۔روز)

ترجمہ: فیض آرہاہے میری ہیئت وحدانی پر اس ذات پاک بیچوں سے جو منشاء حب صرفہ ہے، بواسطہ مشائخ عظام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

اس مقام میں سیر قدمی نہیں ہوتی بلکہ سیر نظری ہوتی ہے۔ اس مقام کے بارے میں ہدایۃ الطالبین میں حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"اس مقام پر نسبتِ باطن میں کمال بلندی وبے رنگی ظاہر ہوتی ہے کیونکہ یہ مقام بھی حضرت اطلاق ولاتعین سے بہت ہی قریب ہے"۔

قریب اس لئے ہے کیونکہ جو چیز سب سے پہلے ظہور میں آئی وہ حب ہے۔ اس مقام سے متعلق حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ **كنت كنزا مخفيا فأحببت أن أعرف**۔[200] والی روایت نقل کر کے فرماتے ہیں کہ:

"یہ حدیث شریف ہمارے اس مدعا پر نص قطعی ہے"۔

ہدایۃ الطالبین میں حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"اور یہ بھی ہمارے آقا حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے مخصوص مقامات میں سے ہے، دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے حقائق میرے نزدیک اس مقام پر ثابت نہیں ہوتے، کیونکہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے نزدیک حضرتِ لاتعین کے ساتھ جو پہلا تعین لاحق ہوا ہے وہ تعین حب ہی ہے اور اسی پہلے تعین کو حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم قرار دیا گیا ہے"۔

اسی لئے ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ اصل میں حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم یہی ہے اور جو پہلے بیان ہوا وہ اس کا ظل ہے۔

مراقبۂ لاتعین

ہدایت الطالبین میں حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"ان تمام مراتب کے بعد مرتبۂ لاتعین و حضرتِ اطلاق کا مرتبہ ہے"۔

اس مقام کو لاتعین اس لئے کہتے ہیں کیونکہ یہ تعین اول یعنی حبی سے پہلے ہے اور اس مقام پر حضرت ذات کا اطلاق ہے اور اس ذات سے فیض حاصل کرنے کا مراقبہ کیا جاتا ہے جو تعینات سے پاک و مبرا ہے۔

---

200 كشف الخفاء٢٠١٦

اس مراقبہ کی نیت ایسے ہے کہ:

۳۶) نیت مراقبہ لاتعیّن: فیض می آید از ذات مطلق بیچون کہ موجود است بوجود خارجی و منزّہ است از جمیع تعینات بہ ہیئت وحدانی من بواسطہ پیران کبار۔ (توقف۔۔۔روز)

ترجمہ: فیض آرہاہے میری ہیئت وحدانی پر اس ذات پاک سے جو تعینات سے مبرا ہے، بواسطۂ مشائخ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کے۔

حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"یہ مقام بھی حضرت رسالت پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقامات مخصوصہ میں سے ہے، یہاں پر بھی سیر قدمی نہیں ہوتی لیکن سیر نظری ضرور ہو جاتی ہے مگر نظر کہاں تک کام کرے گی"۔

اسی لئے شرح رباعیات خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ:

"اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے مراتبِ شہود کی انتہا تعین اول تک بیان فرمائی ہے اور اس سے اوپر لاتعین کا مرتبہ ہے۔ اور ان بزرگوں نے شہود کے لئے وہاں کوئی گنجائش نہیں سمجھی ہے۔ جاننا چاہیئے کہ اگرچہ یہ بزرگ مرتبۂ لاتعین میں شہود کو جائز نہیں سمجھتے لیکن شہود سے بالاتر بہت سے مراتب ہیں جو کہ سب کے سب اس مرتبۂ لاتعین میں جائز قرار دیئے گئے ہیں"۔

پھر آگے فرماتے ہیں کہ:

"شہود وصول کی دہلیز ہے، اور وصول کے مراتب اس سے اوپر ہیں۔ لیکن ہر شخص کی فہم کی رسائی وہاں تک نہیں۔ بلکہ قریب ہے کہ وہ انکار کر گزریں۔ ہمارے حضرت (خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ) کے مخلصوں میں سے ایک درویش (غالبًا حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ کا اپنی ذات گرامی کی طرف اشارہ ہے) پر یہ حالت طاری ہوئی اور اس کی سیر مرتبۂ لاتعین سے بھی اوپر تک واقع ہوگئی۔ اور اس کو اس مقام میں ایک استہلاک (فنائیت) پیدا ہوا جس کے بارے میں اُس نے ان (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ) کی خدمت میں عرض کیا تھا۔ آپ نے اس کو جائز قرار دیا اور قبول فرمایا تھا۔ اس درویش کی سیر اُس سیر سے کئی گنا زیادہ تھی جو کہ ابتداء سے تعین اول تک ہے۔ بلکہ اس سیر کی اس سیر سے کوئی بھی نسبت نہیں تھی، گویا دریائے بے کنار سے ایک قطرہ کا حکم رکھتی تھی۔ آیۃ کریمہ: وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَاءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (البقرۃ ۱۰۵) (اور اللہ اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے جسے چاہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے)۔

اس کے بعد حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ایک سوال پیش کرتے ہیں کہ:

"جب تعین اول سے اوپر مرتبۂ لاتعین محض ہے تو پھر لازمًا اس مقام پر امتیاز اور فرق معدوم ہو جائے گا، لہٰذا اس مرتبہ میں سیر کے معنی کیا ہوں گے اور وہاں کی ابتداء اور انتہا کیا ہوگی؟"۔

جواب میں فرماتے ہیں:

"واضح رہے کہ اس سوال کا حل نہایت گہرے اسرار میں سے ہے۔ اور عقل کی نظر کے دائرے سے ماوراء ہے۔ اس مقام کے متعلق بات کرنا خلافِ مصلحت ہے۔ (پھر ایک عجیب بات فرماتے ہیں۔ سبحان اللہ!) جاننا چاہیئے کہ آخرت میں جب دیدار ہوگا اس کا تعلق مرتبۂ لاتعین سے

ہو گا اور تعینات کے تمام پردے اٹھ جائیں گے۔ کیونکہ اس جگہ (یعنی اس دنیا میں) تمام تعینات علمی ہیں خارجی نہیں ہیں۔ اور علمی تعین ظاہری آنکھوں سے دیکھنے کے لئے پردے بن جاتے ہیں شہود دنیوی کے خلاف کہ وہ بھی تعین کی ایک قسم ہے اور اس کا تعلق ذہن سے ہے۔ ہو سکتا ہے کہ علمی تعین اس کا حجاب بن جائے"۔

آخر میں فرماتے ہیں:

"نُؤمِنُ بِالرُّوْيَةِ الْاُخْرَوِيَّةِ وَلَا نَشْتَغِلُ بِكَيْفِيَّتِهَا لِقَصُوْرِ فَهْمِ الْعَوَامِّ لَا لِجَهْلٍ عَنْ كَيْفِيَّتِهَا فَاِنَّ الْاَخَصَّ الْخَوَاصِّ مِنَ الْاَوْلِيَاءِ نَصِيْبًا فِيْ هٰذِهِ النَّشْاَةِ مِنْ هٰذَا الْمَقَامِ وَاِنْ لَمْ نُسَمِّهٖ رُؤْيَةً، فَافْهَمْ۔

(ہم دیدار آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کی کیفیت کے درپے نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ عوام کی فہم اس سے قاصر ہے۔ اس وجہ سے نہیں کہ اس کیفیت معلوم نہیں۔ کیونکہ اولیاء اللہ میں نہایت خاص لوگ اس دنیا میں اس مقام سے بہرہ یاب ہوئے ہیں۔ حالانکہ ہم اس کو رویت کا نام نہیں دے سکتے)"۔

حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے ایک مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی حیات مبارکہ کے آخری حصہ کی تفصیل دی ہے۔

دفتر اول کے مکتوب ۱۸۳ میں فرماتے ہیں کہ وصال سے پہلے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ:

"وصال لایزال کے لئے پکارنے والے نے میرے سر میں ندا دی کہ سلطان تجھ کو طلب کرتا ہے، میری بلند پرواز ہمت کے مرغ نے بارگاہِ قدس کا رخ کیا حتیٰ کہ پہنچا جہاں تک پہنچا، اس عالی مرتبہ بارگاہ سے ندا سنی کہ سلطان گھر میں نہیں ہے، اس کے بعد معلوم ہوا کہ یہ مقام حقیقِ کعبۂ ربانی

ہے میں اس کے ماوراء کی طرف دوڑااور عروج کیا حتیٰ کہ صفات حقیقیہ (یعنی صفاتِ ثمانیہ، علم، قدرت وغیرہ) کے مقام تک جو کہ وجودِ زائد کے ساتھ موجود ہیں پہنچا، صفات کا یہ مقام صفات کی علمی صورتوں کے ماوراءہے جو کہ تعینِ وجودی و تعینِ حبی تعالیٰ و تقدس کے مرتبہ میں ہیں۔ میں اس مقام سے بھی اوپر متوجہ ہوا یہاں تک کہ ان صفات کے اصول کے ساتھ واصل ہوا جو کہ شیون ذاتیہ ہیں اور ذات عزشانہٗ میں مجرد اعتبارات ہیں اور تم دونوں بھائی ہر مقام میں میرے ہم راہ ہو، اس مقام سے اوپر کی طرف لے گئے اور ذاتِ بحت تک جو کہ نسبتوں اوراعتبارات سے مجرد ہے پہنچایا"۔

پھر آگے فرماتے ہیں کہ:

"اس درجۂ کمال کا حصول اور اس بلند مرتبہ کا وصول حق سبحانہ و تعالیٰ کے کلام مجید کے ساتھ قوی تعلق پیدا کرنے سے وابستہ ہے۔ میں قرآن مجید کے طفیل و توسط سے اس مقام کے ساتھ ممتاز ہوا ہوں کہ قرآن مجید کے حروف میں سے ہر حرف کو ایک ایسا دریا پاتا ہوں جو کہ کعبۂ مقصود تک پہنچانے والا ہے"۔

آخر میں حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"محب کی بات محبوب کے لب پر کہاں پہنچتی ہے جیسا کہ (خود) اس کی بات کو اس کے ساتھ قرب و منزلت ہے اس کی بات سے اس تک پہنچا جاسکتا ہے نہ کہ اپنی بات سے کیونکہ اس (محب) کی بات کوتاہ اور راستہ ہی میں (رہ جانے والی) ہے، یہ حقیر کہتا ہے **مَنْ عَرَفَ اللّٰہَ کَلَّ لِسَانُہٗ**۔ (جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اس کی زبان گونگی ہو گئی) اس کے لئے گواہ ہے"۔

دفتر ۳ مکتوب ۱۲۲ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ایک بہت پیاری بات فرماتے ہیں:

"جب کمال عنایت سے ظلال کی منازل طے کرکے اصل تک پہنچتا ہے تو محض حق تعالیٰ کے فضل سے ایسا پاتا ہے کہ اصل بھی ظل کا حکم رکھتا ہے اور مطلوبیت کے لائق نہیں ہے کیونکہ وہ امکان کے داغ سے داغدار ہے اور مطلوب احاطۂ ادراک اور وصل واتصال سے ماوراء ہے"۔

اسی لئے ہمارے بزرگوں نے اس مقام کے بارے میں فرمایا:

اَلْعِجزُ عَنْ دَرْکِ الْاِدْرَاکِ اِدْرَاکٌ، وَالْقَوْلُ بِدَرْکِ الذَّاتِ اِشْرَاکٌ۔

کہ ذات حق کے ادراک سے عاجز ہونا ہی ادراک ہے اور ادراک ذات حق کا دعویٰ شرک ہے۔

اسی مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

"کوئی یہ نہ کہے کہ معرفت سے عاجز ہونا جو کہ معرفت کی نقیض ہے معرفت کیونکر ہوا۔ کیونکہ معرفت سے عاجز ہونا ہی معرفت ہے۔ پھر فرماتے ہیں: حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اَلْعِجزُ عَنْ دَرْکِ الْاِدْرَاکِ اِدْرَاکٌ (معرفت کے) ادراک سے عاجز ہونا ہی (اس کی معرفت کا) ادراک ہے۔ فَسُبْحَانَ مَنْ لَمْ یَجْعَلْ لِلْخَلْقِ اِلَیْہِ سَبِیْلًا اِلَّا بِالْعِجْزِ عَنْ مَعْرِفَتِہٖ۔ (پس پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی معرفت سے عاجزی کے سوا اپنی مخلوق کے لئے کوئی راستہ نہیں بنایا)۔

اس بحث کے آخر میں فرماتے ہیں: اور یہ معرفت سے عاجز ہونا مراتب عروج کی نہایت کی انتہا ہے اور قرب کے مدارج کی غایت درجے منتہا ہے۔ اور جب تک (سالک) نقطۂ آخر تک نہ پہنچے اور تجلیات و ظہورات کے مراتب کو طے نہ کرلے اور وصل واتصال کو جس پر مدتوں خوش رہا تھا اس کو عین فصل

وانفصال نہ پائے اس وقت تک اس عجز کی دولت سے مشرف نہیں ہو سکتا، اور خدا ناشناسی سے خلاصی نہیں پاتا اور غیر حق کو حق نہیں جانتا"۔

باب شانزدہم (16)

اسباق سلسلہ چشتیہ ہاشمیہ سیفیہ

خواجہ خواجگان کامل العصر و مکمل الدھر اخندزادہ سیف الرحمن صاحب مبارک رضی اللہ عنہ سلسلۂ نقشبندیہ کے بعد سلسلۂ چشتیہ کے اسباق کی تعلیم دیتے۔ آپ کا طریقہ تعلیم سلسلہَ چشتیہ مندرجہ ذیل ہے:

پہلا سبق: آپ رحمہ اللہ تعالیٰ سلسلہَ چشتیہ کا پہلا ذکر "ھو" دیتے۔

طریقہ ذکر: "ھو" لطیفہ روحی سے تصور کے ساتھ لطیفہَ قلب پر اور پھر لطائف سے ہوتے ہوئے دوبارہ لطیفہ روحی پر ضرب لگانا ہے اور زبان سے بھی کہنا ہے۔ کلمہ "ھو" کو تلوار جیسا فرض کرنا ہے اور ماسویٰ اللہ کو باطن سے نکال دینا ہے اور چرخ کی طرح لطائف میں گردش کرنا ہے۔ عروج کے لئے لاتعین تک ایک بلا کیف مینار تصور کر کے اس کے باہر کی جانب عروج کیا جاتا ہے۔ اس سبق میں فیض اسماء وصفات کی تفصیل سے لیا جاتا ہے۔

دوسرا سبق: چشتیہ مبارکہ کا دوسرا ذکر "اللہ ھُوْ" ہے۔ اس کو اس طرح پڑھنا چاہئے کہ دونوں الفاظ یعنی لفظ "اللہ" کو الگ کر کے ظاہر کریں اور لفظ "ھو" الگ کر کے ظاہر کریں کیونکہ یہ دونوں الگ الگ نام ہیں، ان کو ایک نام بنا کر پڑھنا یعنی "اللہ" یا "اَلَّاھُوْ" پڑھنا درست نہیں ہے۔

طریقہ ذکر: "اللہ" کی ضرب لطیفہ قلب پر اور ھو کی ضرب لطیفہ روح پر ہوتی ہے اور زبان سے بھی کہنا ہے۔ ہر لفظ کو دوسرے سے جدا کر کے پڑھنا چاہئے اور لاتعین تک ایک بلا کیف مینار تصور کر

کے اس کے اندر گول گردش کے ساتھ لاتعین تک عروج کرنا ہے۔اس سبق میں فیض اسماءصفات کی تفصیل اور اجمال کے مابین سے لینا ہے۔

تیسرا سبق: تیسرا ذکر "ھو اللہ" ہے۔"ھو"کی ضرب روح پر اور "اللہ"کی ضرب قلب پر اور زبان سے بھی ادا کرنا ہے۔ عروج کے لئے لاتعین تک ایک مینار فرض کرنا ہے اور اس کے اندر سیدھا عروج کرنا ہے۔اس سبق میں فیض اسماء وصفات کے اجمال سے حاصل ہوتا ہے۔

چوتھا سبق: طریقہ چشتیہ کا چوتھا ذکر مبارک "اَنْتَ الْهَادِیْ اَنْتَ الْحَقُ لَیْسَ الْهَادِیْ اِلَّا هُوْ" ہے۔اس کا طریقہ ذکر اس طرح ہے کہ "اَنْتَ الْهَادِیْ اَنْتَ" قلب پر اور "الْحَقُ" کا تصور اخفیٰ پر۔ "لَیْسَ الْهَادِیْ" اخفیٰ سے دوبارہ قلب تک لے جائے اور "اِلَّا" قلب پر اور "هُوْ" کا تصور روح پر کرے۔ساتھ ہی ساتھ زبان سے بھی کہنا ہے۔

یہ ذکر انتہائی عجز و انکساری کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یہ نزولی سبق کہلاتا ہے۔ طریقہ چشتیہ کے اسباق ختم ہوئے۔ چشتیہ مبارکہ میں عدد کی مراعات نہیں بلکہ نقشبندیہ کی طرح دائمی ذکر کرنا ہے۔

باب ھفدہم (17)

اسباق سلسلہ قادریہ ہاشمیہ سیفیہ

قیوم زمان مجدد وقت حضرت آخندزادہ سیف الرّحمٰن صاحب رضی اللہ عنہ مرید کو سلسلہ چشتیہ کی تکمیل کے بعد سلسلہ قادریہ مبارکہ کے اسباق کی تعلیم دیتے جس کے اسباق ترتیب وار اور طریقہ ذکر درج ذیل ہیں:

مشائخ سلسلہ قادریہ سیفیہ مریدین کو استغفار کا حکم دیتے ہیں۔اس کا بہتر وقت صبح صادق سے قبل کا وقت ہے دن رات میں تین سو تیرہ (۳۱۳) مرتبہ مندرجہ ذیل استغفار پڑھا جاتا ہے۔

اَسۡتَغۡفِرُ اللہَ الَّذِیۡ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ وَ اَتُوۡبُ اِلَیۡہِ۔
یہ استغفار خارج از اسباق ہے لیکن تزکیہ ٔنفس کے لئے مشائخ عظام حکم دیتے ہیں۔ استغفار کے علاوہ سلسلہ قادریہ کے نو(۹) اسباق ہیں:

۱) پہلا سبق: نفی اثبات یعنی کلمہ طیبہ (لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ) اس کا طریقہ یہ ہے کہ لفظ ''لَا'' سے تصور میں جھاڑو بنا کر اس کے ذریعے قلب و باطن سے ماسویٰ اللہ اور کدورت و ظلمت کو سینے کی طرف لطائف سے ہوتے ہوئے دائیں کندھے کی طرف سے اُٹھایا جاتا ہے اور لفظ ''اِلٰہَ'' بغیر ''ھا'' ملائے قالب تک لے جائے اور لفظ ''ھا'' کو بائیں کندھے پر لے جائے۔ اور ''الّا اللہ'' کی ضرب قوت اور شدت کے ساتھ قلب پر لگائی جائے۔ اس تصور کے ساتھ کہ ''الّا اللہ'' کی ضرب سے انوار قلب پر وارد ہوں اور کدورات و ظلمات اس طرح ختم ہوں جیسے گرد آلود لوہا ہتھوڑے کی ضربِ شدید سے گرد سے پاک ہو جاتا ہے۔ نیز چار معنیٰ میں سے ایک معنیٰ کا تصور ضرور رکھے یعنی لا معبودَ الّا اللہ، لا مقصودَ اِلَّا اللہ، لا موجودَ الّا اللہ، لا مطلوبَ الّا اللہ۔ تصور میں لفظ لا الہ سے معبودانِ باطلہ کی نفی اور الّا اللہ سے وحدہ لا شریک کا اثبات کرے اس طرح سے جب سو(۱۰۰) مرتبہ پورا ہو جائے تو مُحَمَّدُ رَّسُوۡلُ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کہے۔ الفاظ کو صحیح اور پورا پورا کلمہ ادا کرنے میں احتیاط کی جائے ورنہ اجر میں کمی ہو گی یا معنی بدلنے پر گناہ ہو گا۔ اس کے پڑھنے کی تعداد ایک ہزار(۱۰۰۰) ہے۔

۲) دوسرا سبق: دوسرا ذکر شریف اثبات یعنی ''الّا اللہ'' پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلی دفعہ ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ'' طریقہ مذکورہ کے ساتھ پڑھے اور پھر دوسری بار ''اِلَّا اللہ'' کا ذکر شروع کرے اور بائیں کندھے سے قلب پر مذکورہ تصور کے ساتھ ضرب شدید لگائے۔ سو مرتبہ پورا ہونے پر مُحَمَّدُ

رَّسُوْلَ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم پڑھے۔ اس میں بھی الفاظ کو صحیح ادا کرنے میں احتیاط کرے۔ یہ بھی ایک ہزار مرتبہ دہرانا ہے۔

۳) تیسرا سبق: اسم ذات یعنی "اللہ" پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلی بار "اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ" پھر "اللہ، اللہ" اور سو مرتبہ پورا کرنے کے بعد "اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ" کہے۔ تصور کے ساتھ اس کی ضرب دل پر لگائے اور زبان سے بھی ادا کرے۔ اس کی تعداد بھی ایک ہزار (۱۰۰۰) ہے۔

۴) چوتھا سبق: "ھو" طریقہ ذکر یہ ہے کہ ذکر "ھو" لطیفہ روح سے قلب، قلب سے سر، سر سے خفی، خفی سے اخفیٰ اور اخفیٰ سے دوبارہ روح پر لائے اور زبان سے بھی کہے اور اس کی حرکت کروی یعنی چرخ کی طرح گول گردش کرنی ہے۔ کلمہ "ھو" سے ایک تلوار تصور کر کے ماسویٰ اللہ کو تلوار سے کاٹنا ہے۔ کروی نقش بننے کے بعد ایک بلا کیف مینار لاتعین تک فرض کر کے اس مینار سے خارج (باہر کی جانب) عروج کرے۔ اس ذکر سے مینار کے خارج لاتعین تک کے مقامات میں سیر واقع ہوتی ہے اور فیض اسماء وصفات کی تفصیل سے وارد ہوتا ہے۔ پہلی مرتبہ "ھُوْ جَلَّ جَلَالُہٗ" اور سو (۱۰۰) مرتبہ پورا کرنے کے بعد بھی "جَلَّ جَلَالُہٗ" کہے۔ یہ عروجی سبق ہے، یہ بھی ایک ہزار مرتبہ پڑھنا ہے۔

۵) پانچواں سبق مراقبہ: طریقہ یہ ہے کہ نماز عصر اور نماز فجر کے بعد قعدہ کی صورت میں یعنی دوزانو ہو کر بیٹھ جائے اور قبلہ سے ذرا سا دائیں جانب مڑ کر مدینہ منورہ کی طرف منہ کر کے سانس اور آنکھیں بند کر کے بیٹھ جائے اور لطیفہ قلب میں تصور سے اللہ اللہ کہے اور اپنے لطیفہ قلب کو حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے لطیفہ قلب مبارک کی طرف مدینہ منورہ میں مقابل تصور کر کے اکتساب فیض کرے یوں تصور رہے کہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم

کے قلب مبارک سے میرے قلب میں انوار منتقل ہو رہے ہیں۔ زبان کو اوپر کے تالو کے ساتھ ملائے رکھے اور کم از کم چار رکعت نماز یا ۵ منٹ کی مقدار مراقبہ کرے۔ مراقبہ کے دوران سانس ختم ہو جائے تو ناک کے ذریعہ سانس لے سکتے ہیں۔

۶) چھٹا سبق: "اللہ ھُوْ" طریقہ ذکر یہ ہے کہ "اللہ" کا تصور قلب پر اور "ھو" کا تصور روح پر ہو اور زبان سے بھی ادا کرے اور مذکورہ مینار تصور کرکے اور اس مینار کے داخل یعنی اندر کی جانب گول گردش کے ساتھ لا تعین تک عروج کرے۔ اجمال و تفصیل مرتبہ اسماء و صفات دونوں سے فیض حاصل کرنا ہے۔ پہلی بار "اللہ ھو جَلَّ جَلَالُہٗ" اور سو (۱۰۰) مرتبہ پورا ہونے کے بعد بھی "جَلَّ جَلَالُہٗ" پڑھے۔ دونوں الفاظ کو الگ الگ ظاھر کرے۔ یہ بھی ایک ہزار (۱۰۰۰) مرتبہ پورا کرنا ہے۔

۷) ساتواں سبق: "ھُوْ اللہ" طریقہ ذکر یہ ہے کہ "ھُو" کا تصور روح پر اور "اللہ" کا قلب پر کرے ساتھ میں زبان سے بھی کہے اور لا تعین تک مینار کے اندر سیدھا یعنی خط مستقیم میں عروج کرے۔ اور اس میں اسماء صفات باری تعالیٰ کے اجمال سے فیض حاصل کرے۔ احتیاط لازمی ہے کہ دونوں ناموں کو الگ الگ ظاھر کرے اور ایک دوسرے میں مدغم نہ کرے۔ تعداد پڑھائی ایک ہزار ہے۔

۸) آٹھواں سبق: "اَنْتَ الْھَادِیْ اَنْتَ الْحَقُّ لَیْسَ الْھَادِیْ اِلَّا ھُو" طریقہ ذکر یہ ہے کہ "انت الھادی انت" کا تصور قلب پر اور "الحق" کا اخفیٰ پر اور "لیس الھادی" اخفی سے دوبارہ قلب تک، "اِلّا" قلب پر اور لفظ "ھو" کا تصور لطیفہ روح پر لے جائے۔ اور زبان سے بھی ادا کرے۔ یہ

ذکر نہایت عجز و انکساری اور تواضع کے ساتھ کرے، یہ ذکر نزولی ہے۔ پڑھنے کی تعداد ایک ہزار (۱۰۰۰) ہے۔

۹)نواں سبق: درود شریف ان الفاظ کے ساتھ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍوَّ آلِہٖ وَ عِتْرَتِہٖ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ۔ اس ذکر کے کرنے کا افضل طریقہ یہ ہے کہ مدینہ منورہ کی سمت دوزانو ہو کر باوضو اور عطر لگا کر بیٹھ جائے۔ اس کا تصور اخفیٰ میں رکھے اور زبان سے بھی کہے اور حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے اخفیٰ مبارک سے فیض حاصل کرے اور سو (۱۰۰) مرتبہ پورا ہونے پر یہ بھی ساتھ پڑھے۔

وَصَلِّ وَسَلِّمْ کَذَالِکَ عَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی کُلِّ مَلَآئِکَتِکَ الْمُقَرَّبِیْنَ وَعَلٰی عِبَادِکَ الصَّالِحِیْن

یہ درود شریف نہایت حضورِ قلبی کے ساتھ، خشوع، خضوع، شوق، محبت اور تضرع کے ساتھ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے رابطہ قائم کرکے ادب و احترام سے پڑھے کیونکہ عاشقین و سالکین کا درود و سلام بذات خود نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سنتے ہیں اور جب حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم متوجہ ہوں اور آپ چل رہے ہوں تو یہ بے ادبی ہے۔ یہ ایک ہزار (۱۰۰۰) مرتبہ پڑھنا ہے۔

باب ھژدھم (18)

اسباق سلسلہ سہروردیہ ھاشمیہ سیفیہ

سہروردیہ شریف کے اذکار و اسباق بعینہٖ وہی ہیں جو قادریہ شریف کے اسباق ہیں البتہ صرف مراقبہ میں فرق ہے۔ قادریہ میں مراقبہ پانچویں نمبر پر ہے اور سہروردیہ میں سب سے آخری نمبر پر

ہے۔ اس کے علاوہ قادریہ کا مراقبہ ۵ منٹ ہے، اور سہروردیہ کا مراقبہ بیس (۲۰) منٹ ہے اور اکثر کے لیے حد نہیں۔ اور طریقہ مراقبہ میں بھی فرق ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہے۔

طریقہ ء سہروردیہ کا مراقبہ سلسلہ سہروردیہ میں مراقبہ درجِ ذیل طریقہ سے کیا جاتا ہے۔ اسباقِ سہروردیہ کے اختتام کے بعد باوضو مدینہ منورہ کی طرف متوجہ ہو کر عطر لگا کر اور آنکھیں بند کر کے بیٹھ جائے۔ (مراقبہ میں آنکھ بند کرنا شرط ہے) مدینہ منورہ کی طرف ایک سیدھا راستہ فرض کر لے کہ جس میں انبیاء، اولیاء، زمین و آسمان کے فرشتے اور مشائخ سلسلہ اور حاضرینِ مجلس اسی راستہ پر حضورِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی زیارت کی نیت سے جارہے ہیں۔ اپنے شیخ کے رابطہ کے ساتھ اور مراقبہ سے پہلے جو اسباق پڑھے ہیں، ان کا ثواب بطورِ تحفہ اپنے سر پر رکھ کر سرور اور عشق و محبت، استغراق اور باطنی سرور کے ساتھ شوق و ذوق سے ذکر شروع کرے اور حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے جمال کے اشتیاق کے ساتھ حضورِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ میں وہ تحفہ پیش کرنے کے لئے جب پہنچے تو حضورِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے حرم شریف میں ان مذکورہ اشخاص کے ساتھ ایک حلقہ بنا کر مجلسِ ذکر تشکیل دیں اور حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کو اس مجلس و محفل ذکر کا صدر تصور کریں۔ فیض طلب کرتے رہیں، پھر آکر اپنے وظیفہ کا ثواب بطور تحفہ سرورِ کائنات صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو پیش کریں۔ پھر واپس جا کر اپنی جگہ بیٹھ جائے اور مذکورہ ترتیب سے ذکر کرے اور حضورِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے فیض حاصل کرتا رہے اور اس ہی طرح بیٹھا رہے۔ اور جب مراقبہ ختم کرنے کا ارادہ کرے تو سب مجلس والے حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم سے رخصت طلب کریں۔ جب حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم سے اجازت مل جائے تو یہ مراقبہ

جہاں بیٹھا ہوا ہے وہاں تصور رجعت "قہقری" یعنی الٹے پاؤں، ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے واپس ہو جائے۔ اور دوسری ارواح مبارکہ بھی اپنی اپنی جگہ چلی جائیں گی۔ جب اپنے مکان پر آپہنچے تو اپنی آنکھیں کھول دے۔

ــــــــــــــختم خواجگانــــــــــــــ

۱)فاتحہ شریف	سات(۷)مرتبہ
۲)استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ۔	سو(۱۰۰)مرتبہ
۳)درود شریف: اللّٰھم صلّ علٰی سیدنا و مولانا محمد و اٰلہ و بارک و سلم علیہ۔	سو(۱۰۰)مرتبہ
۴)سورہ الم نشرح	اناسی(۷۹)مرتبہ
۵)سورۃ اخلاص	ہزار(۱۰۰۰)مرتبہ
٦)فاتحہ شریف	سات(۷)مرتبہ
۷)درود مذکور	سو(۱۰۰)مرتبہ

ختم حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللّٰہ عنہ

۱)درود مذکور سو(۱۰۰)مرتبہ

۲)سُبۡحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمۡدِہٖ پانچ سو(۵۰۰)مرتبہ

۳)درود مذکور سو(۱۰۰)مرتبہ

ختم خلفاء ثلٰثہ یعنی حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللّٰہ عنہم

۱)درود مذکور سو(۱۰۰)مرتبہ

۲)سُبۡحَانَ اللّٰہِ وَ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ و لا الٰہ الّا اللّٰہ و اللّٰہُ اکبر۔ پانچ سو(۵۰۰)مرتبہ

۳)درود مذکور۔ سو(۱۰۰)مرتبہ

ختم امام ربّانی مجدد الف ثانی رضی اللّٰہ عنہ

۱)درود مذکور سو(۱۰۰)مرتبہ

۲)و لا حول و لا قوّۃ الّا باللّٰہ پانچ سو(۵۰۰)مرتبہ

۳)درود مذکور سو(۱۰۰)مرتبہ

ختم حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللّٰہ عنہ

۱)درود مذکور سو(۱۰۰)مرتبہ

۲)حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل پانچ سو(۵۰۰)مرتبہ

۳)درود مذکور سو(۱۰۰)مرتبہ

ختم خواجه محمد معصوم اول قدس سره

۱) درود مذکور — سو(۱۰۰) مرتبه

۲) لا اله الّا انت سبحانک انی کنت من الظالمین — پانچ سو(۵۰۰) مرتبه

۳) درود مذکور — سو(۱۰۰) مرتبه

ختم حضرت شاہ نقشبند قدس سره

۱) درود مذکور — سو(۱۰۰) مرتبه

۲) اللّٰهم یا خفی اللُّطف ادر کنا بلطفک الخفی — پانچ سو(۵۰۰) مرتبه

۳) درود مذکور — سو(۱۰۰) مرتبه

ختم حضرت مولانا صاحب محمد ھاشم سمنگانی رحمۃ اللّٰہ علیہ

۱) درود مذکور — سو(۱۰۰) مرتبه

۲) اللّٰهم یا اخفی اللطف ادر کنا بلطفک الاخفی — پانچ سو(۵۰۰) مرتبه

۳) درود مذکور — سو(۱۰۰) مرتبه

ختم قیّوم الزّمان حضرت آخندزاده سیف الرّحمٰن مبارک صاحب نوّر اللّٰہ مرقده

۱) درود مذکور — سو(۱۰۰) مرتبه

۲) سورة لإیلف قریش — پانچ سو(۵۰۰) مرتبه

۳) درود مذکور — سو(۱۰۰) مرتبه

ختم حضرت اویس قرنی رضی اللّٰہ عنہ

۱)درود مذکور	سات(۷)مرتبہ
۲)حسبنا اللہ و نعم الوکیل نعم المولٰی و نعم النصیر	پانچ سو(۵۰۰)مرتبہ
۳)درود مذکور	سات(۷)مرتبہ

ختم حضرت خضر علی نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام

۱)درود مذکور	سات(۷)مرتبہ
۲)وافوّض امری الی اللہ انّ اللہ بصیر بالعباد	پانچ سو(۵۰۰)مرتبہ
۳)درود مذکور	سات(۷)مرتبہ

دیگر ختمات وادعیہ

(۱)اَللّٰھُمَّ یَاقَاضِیَ الْحَاجَاتْ	سو(۱۰۰)مرتبہ
(۲)اَللّٰھُمَّ یَاحَلَّ الْمُشْکِلَاتْ	سو(۱۰۰)مرتبہ
(۳)اَللّٰھُمَّ یَاکَافِیَ الْمُھِمَّاتْ	سو(۱۰۰)مرتبہ
(۴)اَللّٰھُمَّ یَادَافِعَ الْبَلِیَّاتْ	سو(۱۰۰)مرتبہ
(۵)اَللّٰھُمَّ یَاشَافِیَ الْاَمْرَاضْ	سو(۱۰۰)مرتبہ
(۶)اَللّٰھُمَّ یَارَافِعَ الدَّرَجَاتْ	سو(۱۰۰)مرتبہ
(۷)اَللّٰھُمَّ یَامُجِیْبَ الدَّعْوَاتْ	سو(۱۰۰)مرتبہ
(۸)اَللّٰھُمَّ یَاھَادِیَ الْمُضِلِّیْنْ	سو(۱۰۰)مرتبہ
(۹)اَللّٰھُمَّ یَااَمَانَ الْخَائِفِیْنْ	سو(۱۰۰)مرتبہ

(١٠)اَللّٰھُمَّ یَادَلِیْلَ الْمُتَحَیِّرِیْنْ — سو(١٠٠)مرتبہ

(١١)اَللّٰھُمَّ یَااَجَارَ الْمُسْتَجِیْرِیْنْ — سو(١٠٠)مرتبہ

(١٢)اَللّٰھُمَّ یَارَاحِمَ الْعَاصِیْنْ — سو(١٠٠)مرتبہ

(١٣)اَللّٰھُمَّ یَامُیَسِّرَ کُلِّ عَسِیْرْ — سو(١٠٠)مرتبہ

(١٤)اَللّٰھُمَّ یَامُنْجِیَ الْغَرْقٰی — سو(١٠٠)مرتبہ

(١٥)اَللّٰھُمَّ یَامُنْقِذَالْھَلْکٰی — سو(١٠٠)مرتبہ

(١٦)اَللّٰھُمَّ یَامُسَبِّبَ الْاَسْبَابْ — سو(١٠٠)مرتبہ

(١٧)اَللّٰھُمَّ یَامُفَتِّحَ الْاَبْوَابْ — سو(١٠٠)مرتبہ

(١٨)اَللّٰھُمَّ یَاخَیْرَ النَّاصِرِیْنْ — سو(١٠٠)مرتبہ

(١٩)اَللّٰھُمَّ یَاخَیْرَ الرَّازِقِیْنْ — سو(١٠٠)مرتبہ

(٢٠)اَللّٰھُمَّ یَاخَیْرَ الْفَاتِحِیْنْ — سو(١٠٠)مرتبہ

(٢١)اَللّٰھُمَّ یَااَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنْ — سو(١٠٠)مرتبہ

(٢٢)اَللّٰھُمَّ یَااَکْرَمَ الْاَکْرَمِیْنْ — سو(١٠٠)مرتبہ

(٢٣)اَللّٰھُمَّ یَاغِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنْ — سو(١٠٠)مرتبہ

اَغِثْنَا بِفَضْلِکَ وَ کَرَمِکَ یَااَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ط وَیَااَکْرَمَ الْاَکْرَمِیْنَ وَصَلَّ اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی
خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ اَجْمَعِیْنْ ط — (ایک مرتبہ)

شجرہ سلسلہ عالیہ طریقہ نقشبندیہ

مجدّدیہ معصومیّہ شمسیہ مولویہ ھاشمیہ سیفیہ

۱) حضرت محبوب اللہ محمد رسول اللہ صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ

۲) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

۳) حضرت ابو عبد اللہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

۴) حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ

۵) حضرت ابو عبد اللہ امام جعفر صادق بن امام محمد باقر رضی اللہ عنہ

۶) حضرت ابویزید طیفور بن عیسیٰ عرف بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ

۷) حضرت ابوالحسن علی بن جعفر خرقانی رحمۃ اللہ علیہ

۸) حضرت ابو علی فضل بن محمد الطّوسی عرف ابو علی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ

۹) حضرت ابویعقوب خواجہ یوسف الھمدانی النعمانی رحمۃ اللہ علیہ

۱۰) حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ

۱۱) حضرت خواجہ عارف ریوگری رحمۃ اللہ علیہ

۱۲) حضرت خواجہ محمود انجر فغنوی رحمۃ اللہ علیہ

۱۳) حضرت خواجہ علی النساج رامیتی عرف حضرت عزیزان رحمۃ اللہ علیہ

۱۴) حضرت خواجہ محمد بابائے سماسی رحمۃ اللہ علیہ

۱۵) حضرت خواجہ سیّد امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ

۱۶) حضرت خواجہ محمد بہاؤالدین محمد بن محمد البخاری عرف شاہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ

۱۷) حضرت خواجہ علاؤالدین محمد بن محمد البخاری عرف خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ

۱۸) حضرت مولانا یعقوب چرخی لوگری رحمۃ اللہ علیہ

۱۹) حضرت ناصر الدین عبید اللہ بن محمود السمرقندی عُرف خواجہ احرار رحمۃ اللہ علیہ

۲۰) حضرت مولانا محمد زاہد بدخشی حصاری رحمۃ اللہ علیہ

۲۱) حضرت خواجہ درویش محمد الخوارزمی رحمۃ اللہ علیہ

۲۲) حضرت خواجہ محمد مقتدی الامکنگی البخاری رحمۃ اللہ علیہ

۲۳) حضرت مؤید الدین خواجہ بے رنگ محمد باقی باللہ الکابلی رحمۃ اللہ علیہ

۲۴) حضرت سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد الفاروقی رضی اللہ عنہ

۲۵) حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم اول رحمۃ اللہ علیہ

۲۶) حضرت خواجہ محمد صبغۃ اللہ رحمۃ اللہ علیہ

۲۷) حضرت خواجہ محمد اسمٰعیل عرف امام العارفین رحمۃ اللہ علیہ

۲۸) حضرت خواجہ غلام محمد معصوم ثانی رحمۃ اللہ علیہ

۲۹) حضرت شاہ غلام محمد عرف قدوۃ الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ

۳۰) حضرت حاجی محمد صفی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

۳۱) حضرت شاہ محمد ضیاء الحق عرف صفات شہید رحمۃ اللہ علیہ

۳۲) حضرت حاجی شاہ ضیاء عرف میاں جی رحمۃ اللہ علیہ

۳۳) حضرت مولانا شمس الحق عرف حضرت صاحب کوہستانی رحمۃ اللہ علیہ

۳۴) حضرت مولانا شاہ رسول الطالقانی رحمۃ اللہ علیہ

۳۵) حضرت مولانا محمد ہاشم السمنگانی رحمۃ اللہ علیہ

۳۶)سیدنا و مرشدنا حضرت خواجہ آخندزادہ سیف الرحمٰن پیر ارچی خراسانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۳۷) حضرت مولانا محمد سعید المعروف حیدری صاحب اطال اللہ حیاتہ

شجرہ سلسلہ عالیہ چشتیہ ہاشمیہ سیفیہ

۱) حضرت محبوب اللہ محمد رسول اللہ صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ

۲) حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

۳) حضرت ابو سعید حسن بصری رضی اللہ عنہ

۴) حضرت ابو الفضل عبد الواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ

۵) حضرت ابو الفیض فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ

۶) حضرت ابو اسحق ابراہیم بن ادہم الفاروقی رحمۃ اللہ علیہ

۷) حضرت سید الدین خواجہ حذیفہ مرعشی رحمۃ اللہ علیہ

۸) حضرت امین الدین شیخ ہبیرۃ البصری رحمۃ اللہ علیہ

۹) حضرت کریم الدین منعم شیخ ممشاد علو دینوری رحمۃ اللہ علیہ

۱۰) حضرت شرف الدین ابو اسحق شامی رحمۃ اللہ علیہ

۱۱) حضرت قدوۃ الدین ابو احمد ابدال الچشتی الحسنی رحمۃ اللہ علیہ

۱۲) حضرت خواجہ ابو محمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ

۱۳) حضرت خواجہ ناصر الدین ابو یوسف الچشتی الحسنی رحمۃ اللہ علیہ

۱۴) حضرت خواجہ قطب الدین مودود الچشتی الحسنی رحمۃ اللہ علیہ

۱۵) حضرت نیر الدین حاجی شریف زندنی رحمۃ اللہ علیہ

۱۶) حضرت ابو منصور خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ

۱۷) حضرت خواجہ سیدنا معین الدین چشتی الاجمیری رحمۃ اللہ علیہ

۱۸) حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی الاوشی رحمۃ اللہ علیہ

۱۹) حضرت خواجہ فرید الدین مسعود الفاروقی الغزنوی عرف گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ

۲۰) حضرت مخدوم علاؤالدین علی احمد الحسینی رحمۃ اللہ علیہ

۲۱) حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

۲۲) حضرت جلال الدین خواجہ محمود عثمان رحمۃ اللہ علیہ

۲۳) حضرت شیخ احمد عبد الحق ابدال رحمۃ اللہ علیہ

۲۴) حضرت شیخ محمد عارف عرف مخدوم عارف رحمۃ اللہ علیہ

۲۵) حضرت شیخ عبد القدوس النعمانی الگنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

۲۶) حضرت شیخ رکن الدین گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

۲۷) حضرت شیخ عبد الاحد الفاروقی الکابلی رحمۃ اللہ علیہ

۲۸) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد الفاروقی سرہندی رضی اللہ عنہ

۲۹) حضرت سید آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ

۳۰) حضرت سید عبد اللہ الحسینی عرف حاجی بہادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۳۱) حضرت مولانا شیخ مامون شاہ منصوری رحمۃ اللہ علیہ

۳۲) حضرت مولانا محمد نعیم کاموی رحمۃ اللہ علیہ

۳۳) حضرت سید محمد شاہ الحسینی السندھوی رحمۃ اللہ علیہ

۳۴) حضرت مولانا حافظ محمد صدیق بونیری رحمۃ اللہ علیہ

۳۵) حضرت مولانا حافظ محمد ہشتنگری رحمۃ اللہ علیہ

۳۶) حضرت مولانا محمد شعیب تورڈھیری رحمۃ اللہ علیہ

۳۷) حضرت مولانا عبد الغفور عرف سوات صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۳۸) حضرت مولانا نجم الدین عرف حضرت ہڈے صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۳۹) حضرت شیخ حمید اللہ صاحب عرف شیخ الاسلام تگاب رحمۃ اللہ علیہ

۴۰) حضرت مولانا شاہ رسول الطالقانی رحمۃ اللہ علیہ

۴۱) حضرت مولانا محمد ھاشم السمنگانی رحمۃ اللہ علیہ

۴۲)سیدنا و مرشدنا حضرت خواجہ آخندزادہ سیف الرحمٰن پیر ارچی خراسانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۴۳) حضرت مولانا محمد سعید المعروف حیدری صاحب اطال اللہ حیاتہ

شجرہ سلسلہ عالیہ قادریہ ہاشمیہ مجددیہ سیفیہ

۱) حضرت محبوب اللہ محمد رسول اللہ صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ

۲) حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ

۳) حضرت ابو سعید حسن بصری رضی اللہ عنہ

۴) حضرت ابو محمد شیخ حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ

۵) حضرت ابو سلمان داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ

۶) حضرت ابو محفوظ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ

۷) حضرت ابو حسن عبد اللہ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ

۸) حضرت ابو القاسم شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

۹) حضرت ابو بکر الشبلی المالکی رحمۃ اللہ علیہ

۱۰) حضرت شیخ عبد العزیز بن حارث الاسدی التیمی رحمۃ اللہ علیہ

۱۱) حضرت شیخ عبد الواحد بن عبد العزیز المتقدم رحمۃ اللہ علیہ

۱۲) حضرت شیخ ابو الفرح طرطوسی رحمۃ اللہ علیہ

۱۳) حضرت ابو الحسن ھکاری (ھنکاری) رحمۃ اللہ علیہ

۱۴) حضرت ابو سعید مبارک رحمۃ اللہ علیہ

۱۵) سیدنا حضرت ابو محمد شیخ عبد القادر الجیلانی الحنبلی الحسنی رضی اللہ عنہ

۱۶) حضرت شاہ دولت دریائی رحمۃ اللہ علیہ

۱۷) حضرت شاہ منور رحمۃ اللہ علیہ

۱۸) حضرت شاہ عالم الدھلوی رحمۃ اللہ علیہ

۱۹) حضرت شیخ احمد ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

۲۰) حضرت شیخ جنید پشاوری رحمۃ اللہ علیہ

۲۱) حضرت مولانا محمد صدیق بونیری رحمۃ اللہ علیہ

۲۲) حضرت مولانا حافظ محمد ہشتنگری رحمۃ اللہ علیہ

۲۳) حضرت مولانا محمد شعیب تورڈھیری رحمۃ اللہ علیہ

۲۴) حضرت مولانا عبد الغفور عرف سوات صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۲۵) حضرت مولانا نجم الدین عرف حضرت ھڈی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۲۶) حضرت شیخ حمید اللہ صاحب عرف شیخ الاسلام تگاب رحمۃ اللہ علیہ

۲۷) حضرت مولانا شاہ رسول الطالقانی رحمۃ اللہ علیہ

۲۸) حضرت مولانا محمد ھاشم السمنگانی رحمۃ اللہ علیہ

۲۹) سیدنا و مرشدنا حضرت خواجہ آخندزادہ سیف الرحمٰن پیر ارچی خراسانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۳۰) حضرت مولانا محمد سعید المعروف حیدری صاحب اطال اللہ حیاتہ

شجرہ سلسلہ عالیہ سہروردیہ ہاشمیہ مجددیہ سیفیہ

۱) حضرت محبوب اللہ محمد رسول اللہ صلوٰۃ اللہ علیہ و سلامہ صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم

۲) حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

۳) حضرت ابو سعید حسن بصری رضی اللہ عنہ

۴) حضرت ابو محمد شیخ حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ

۵) حضرت ابو سلیمان داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ

۶) حضرت ابو محفوظ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ

۷) حضرت ابوالحسن عبد اللہ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ

۸) حضرت ابو القاسم شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

۹) حضرت کریم الدین ممشاد دنیوری رحمۃ اللہ علیہ

۱۰) حضرت ابو العباس احمد دنیوری رحمۃ اللہ علیہ

۱۱) حضرت شیخ محمد بن عبد اللہ عمویہ رحمۃ اللہ علیہ

۱۲) حضرت ابو عمر قطب الدین سہر وردی رحمۃ اللہ علیہ

۱۳) حضرت ابو النجیب عبد القاہر السہروردی الصدیقی رحمۃ اللہ علیہ

۱۴) حضرت ابو حفص شہاب الدین عمر الصدیقی الشافعی السہروردی رحمۃ اللہ علیہ

۱۵) حضرت ابو البرکات بہاؤ الدین ذکریا الاسدی القرشی الملتانی رحمۃ اللہ علیہ

۱۶) حضرت ابو الفتح رکن الدین فیض اللہ القرشی رحمۃ اللہ علیہ

۱۷) حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ

۱۸) حضرت سید اجمل صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۱۹) حضرت سید بدھن بٹہرانچی رحمۃ اللہ علیہ

۲۰) حضرت شیخ محمد درویش رحمۃ اللہ علیہ

۲۱) حضرت شیخ عبد القدوس النعمانی الغزنوی ثم الگنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

۲۲) حضرت شیخ رکن الدین گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

۲۳) حضرت شیخ عبد الاحد الفاروقی رحمۃ اللہ علیہ

۲۴) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد الفاروقی سرہندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۵) حضرت سید آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ

۲۶) حضرت حاجی بہادر سید عبد اللہ الحسینی رحمۃ اللہ علیہ

۲۷) حضرت مولانا شیخ مامون شاہ منصوری رحمۃ اللہ علیہ

۲۸) حضرت مولانا محمد نعیم کاموی رحمۃ اللہ علیہ

۲۹) حضرت سید محمد شاہ الحسینی السندھوی رحمۃ اللہ علیہ

۳۰) حضرت مولانا حافظ محمد صدیق بونیری رحمۃ اللہ علیہ

۳۱) حضرت مولانا حافظ محمد ہشتنگری رحمۃ اللہ علیہ

۳۲) حضرت مولانا محمد شعیب توروڈھیری رحمۃ اللہ علیہ

۳۳) حضرت مولانا عبد الغفور عرف سوات صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۳۴) حضرت مولانا نجم الدین عرف حضرت ہڈے صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۳۵) حضرت شیخ حمید اللہ صاحب عرف شیخ الاسلام تگاب رحمۃ اللہ علیہ

۳۶) حضرت مولانا شاہ رسول الطالقانی رحمۃ اللہ علیہ

۳۷) حضرت مولانا محمد ہاشم السمنگانی رحمۃ اللہ علیہ

۳۸) سیدنا و مرشدنا حضرت خواجہ آخندزادہ سیف الرحمٰن پیر ارچی خراسانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۳۹) حضرت مولانا محمد سعید المعروف حیدری صاحب اطال اللہ حیاتہ

تَذْكِرَةُ اَسمَآء مُبَارَكَةٍ لِمَشَائِخِ عَظَّامِ السَّلْسَلَةِ الْعَالِيَةِ الطَرِيْقَةِ الصِدِّيْقِيَّةِ النَّقْشْبَنْدِيَةِ الْمُجَدِّدِيَةِ الْمَعْصُوْمِيَّةِ الشَّمْسِيَّةِ الْمَوْلَوِيَّةِ الْهَاشْمِيَّةِ السَّيْفِيَةِ بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ مِنْ شَيْخِنَا الْاَمْجَدِ اِلٰى النَّبِيِّ الْاَكْرَمِ صَلى اللّٰہ تعالیٰ علیه وَاٰله وَسلَّم مَعَ الْاَدْعِيَةِ الْمُبَارَكَةِ بِالتَّوَسّلِ بِهِمِ لِلتَّبَرُّكِ۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نَحمَدُ اللّٰہ تَعَالٰی وَنُثْنِیْ عَلَيْهِ كَمَا هُوَ اَهْلُهٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

(۱) اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا لِذَاتِكَ الْعَظِيْمِ وَنَبِيِّكَ الْكَرِيْمِ وَانْشُرْ عَلَيْنَا رَحْمَةً مِّنْ رَّحْمَةِ مَنْ مَّا اُرْسِلَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ الَّذِیْ ذِكْرُهٗ ذِكْرُكَ وَطَاعَتُهٗ طَاعَتُكَ وَهُوَ اَحْمَدُ الَّذِیْ مَا حَمِدَكَ اَحَدٌ مِّنَ الْخَلْقِ كَمَا حَمِدَكَ وَهُوَ مُحَمَّدُنِ الَّذِیْ يُحْمَدُ حَمْدًا بَعْدَ حَمْدٍ لَا يُخْتِمُ حَمْدُهٗ اَبَدًا لِاَنَّ رَبَّهٗ يَحْمَدُهٗ اَبَدًا بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْكَوْنَيْنِ رَسُوْلِ الثَّقْلَيْنِ صَاحِبِ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰی صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وَاٰله وَسلَّم۔

(۲) اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا صِدْقًا وَّاِيْثَارًا وَّسِرًّا مِّنْ اَسْرَارِ الْعِشْقِ وَرَمْزًا مِّنْ رُّمُوْزِ الصِدِّيْقِيَّةِ وعِتْقًا مِّنَ النَّارِ وَهِمَّةً تَبْكِيْرٍ لِحُصُوْلِ صَالِحِ الْاَعْمَالِ بِحُرْمَةِ اَفْضَلِ الْبَشَرِ بَعْدَ الْاَنْبِيَاءِ بِتَحْقِيْقِ الْاَئِمَّةِ وَالْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ عَلَى التَّحْقِيْقِ خَلِيْفَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوَزِيْرِهِ الْمُكَرَّمِ سَيِّدِنَا اَبِیْ بَكْرِنِ الصِّدِّيْقِ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه۔

(۳) اَللّٰهُمَّ اَفْرِغْ عَلَيْنَا حُبَّ اَهْلِ الْبَيْتِ الْعِظَامِ وَاَدْخِلْنَا فِیْ زُمْرَةِ خُدَّامِ الْعِتْرَةِ وَارْزُقْنَا سِلْمًا فِی الدِّيْنِ بِحُرْمَةِ الصَحَابِیِّ (الْغَرِيْبِ الْمَعْدُوْدِ) مِنْ آلِ بَيْتِ الرَّسُوْلِ ا سَيِّدِنَا سَلْمَانَ الْفَارِسِیِّ الْمُكَرَّمِ الْمَقْبُوْلِ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه۔

(۴) اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لَنَا قِسْمَةً وَّحَظًّا مِّنْ حُظُوْظِ الْوَلَايَةِ وَبَارِكْ عَلَيْنَا مِنْ بَرَكَاتِ اٰلِ اَبِیْ بَكْرٍ رضی اللّٰہ عنه وَقَسِّمْ لَنَا اسْتِقَامَةً عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَارْزُقْنَا لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاَقْسَامِ بِحُرْمَةِ اَحَدِ الْفُقَهَاءِ السَّبْعَةِ، الْاِمَامِ الْهُمَامِ الْمُؤَيِّدِ بِالتَّوْفِيْقِ سَيِّدِنَا قَاسِمِ ابْنِ مُحَمَّدِ ابْنِ اَبِیْ بَكْرِنِ الصِّدِّيْقِ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه۔

(۵) اَللّٰهُمَّ اَفِضْ عَلَيْنَا فَيْضًا مِّنْ فُيُوْضاتِ وَلَايَةِ اٰلِ عَلِيٍ رضی اللہ عنہ وَفَاطِمَةَ رضی اللہ عنها وَسُلَالَةِ الْحَسَنَيْنِ الْكَرِيْمَيْنِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ وَطَهِّرْ قُلُوْبَنَا بِطَهَارَةِ اٰلِ النَّبِيِّا تَطْهِيْرًا كَامِلًا بِحُرْمَةِ اِمَامِ الْاَئِمَّةِ الَّذِىْ هُوَ بِالْحَقِّ نَاطِقٌ اَلْاِمَامِ سَيِّدِنَا جَعْفَرِ الصَّادِقِ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۶) اَللّٰهُمَّ اَوْصِلْنَا اِلٰى مَنَازِلِ اَهْلِ الْقُلُوْبِ وَاَدْخِلْنَا مُدْخَلَ صِدْقِ الْعَارِفِيْنَ وَحَصِّلْ مَا فِيْ صُدُوْرِنَا وَخَصِّصْنَا بِفَقْرِ اَهْلِ الْعِفَّةِ وَالْعَافِيَةِ وَاُولِى الْوِجْدَانِ بِحُرْمَةِ الْمُؤَيَّدِ بِالتَّاْيِيْدِ الْاِلٰهِيِّ صَاحِبِ الْفَيْضِ الْاِلْهَامِيْ سَيِّدِنَا سُلْطَانِ الْعَارِفِيْنَ اَبِيْ يَزِيْدِ الْبُسْطَامِيْ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۷) اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ مَنْ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ وَاجْعَلْنَا مِمَّنْ اَنَابَ اِلَيْكَ وَمِنَ الَّذِيْنَ يَجِدُوْنَ الْفَيْضَ مِنْ اَهْلِ الْبَرَازِخِ وَاكْشِفْ عَلَيْنَا اَحْوَالَ مَنْ فِى الْقُبُوْرِ بِحُرْمَةِ الْمَحْبُوْبِ السُّبْحَانِيْ غَوْثِ السَّالِكِيْنَ سَيِّدِنَا الشَّيْخِ اَبِى الْحَسَنِ الْخَرْقَانِيْ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۸) اَللّٰهُمَّ يَا عَالِمَ السَّرَائِرِ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْيَاءِ كَمَا هِيَ لِنَعْمَلَ حَسْبَ حِكْمَةِ الْعِلْمِيِّ وَالْعَمَلِيِّ فِيْ سِجْنِ الدُّنْيَا عَلٰى مَا يَشَاءُ رَبُّنَا الرَّحْمٰنُ وَيَرْضٰى عَنَّا رَسُوْلُهٗ اوَنَرَاهُمَا فِيْ رُؤْيَانَا بِحُرْمَةِ النَّشْوَانِ مِنْ رَحِيْقِ الْحُبِّ السَّرْمَدِيِّ قُطْبِ الْوَاصِلِيْنَ سَيِّدِنَا الشَّيْخِ اَبِى الْحَسَنِ عَلِيِّ نِ الْفَارْمِدِىْ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۹) اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مُنْبَسِطِيْنَ بِعِبَادَتِكَ وَاتِّبَاعِ رَسُوْلِكَ الْاَمِيْنِ اوَوَفِّقْنَا لِاَرَاءِ مَا لَزِمْنَا مِنَ الْعَهْدِ وَالْمِيْثَاقِ وَاجْعَلْنَا مِنَ الْمَقْبُوْلِيْنَ عِنْدَ الْخَلَائِقِ بِحُرْمَةِ غَوْثِ الصَّمْدَانِيْ سَيِّدِنَا الشَّيْخِ اَبِيْ يُوْسُفَ الْهَمْدَانِيْ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

(۱۰) اَللّٰهُمَّ يَا وَهَّابُ هَبْ لَنَا نِعْمَةَ الْعِرْفَانِ وَاعْطِنَا نُوْرَ الْاِيْقَانِ وَعَرِّفْنَا حُقُوْقَنَا وَحُقُوْقَ اِخْوَانِنَا الْمُسْلِمِيْنَ وَوَفِّقْنَا اَنْ نُؤَدِّىَ فَرَائِضَنَا كَمَا يَنْبَغِيْ بِحُرْمَةِ قُطْبِ الرَّبَانِيْ غَوْثِ الْخَلَائِقِ سَيِّدِنَا الشَّيْخِ عَبْدِ الْخَالِقِ الْغُجْدَوَانِيْ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۱) اَللّٰهُمَّ يَا حَمِيْدُ اجْعَلْنَا مِنَ الْحَامِدِيْنَ وَالسَّالِكِيْنَ لِنَيْلِ مَرَاتِبِ السُّلُوْكِ وَيَسِّرْ عَلَيْنَا عَمَلَ الصَّعَالِيْكِ وَاَدْرِجْنَا فِيْ مَدَارِجِ السَّابِقِيْنَ اِلَى الْمَنَازِلِ الْعَالِيْ بِحُرْمَةِ الْمُسْتَلِقِ عَنِ الْحِجَابِ الْبَشَرِيِّ قُطْبِ الْاَصْفِيَاءِ سَيِّدِنَا الشَّيْخِ الْعَارِفِ الرِّيْوَ گَرِيْ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۲) اَللّٰھُمَّ یَا عَزِیْزُ مِنْ کُلِّ عَزِیْزٍ تَعَزَّزْتَ بِالْعِزَّۃِ اَعِزَّنَا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَنَجِّنَا مِنْ خِزْیِ الدَّارَیْنِ لِاَنَّ الْعِزَّۃَ لِلّٰہِ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ بِحُرْمَۃِ الْمُعَرِّضِ عَنِ الْمُرَادِ الدُّنْیَوِیِّ وَالْاُخْرَوِیِّ شَیْخِ الْمَشَائِخِ سَیِّدِنَا الشَّیْخِ مَحْمُوْدِ الْاِنْجِیْرِیِّ الْفَغْنَوِی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۳) اَللّٰھُمَّ یَا نُوْرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَزِلْ عَنْ قُلُوْبِنَا نِقَطَ السَّوْدَاءِ مِنَ السَّیِّاٰتِ وَاجْعَلْ لَطَائِفَنَا مُشْرِقَۃً بِنُوْرِ الذِّکْرِ کَمَا اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّھَا بِحُرْمَۃِ الْوَالِہِ فِیْ مَحَبَّۃِ مَوْلَاہُ الْغَنِیِّ الْمَعْرُوْفِ بِحَضْرَۃِ سَیِّدِنَا عَزِیْزَانِ عَلِیِّ الرَّامِتَنِیْ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۴) اَللّٰھُمَّ یَا رَبَّ الْاِصْبَاحِ وَالْفَلَقِ اِکْشِفْ عَنْ فُؤَادِنَا حِجَابَ الْغَفْلَۃِ وَضَعْ عَنْ اَجْسَامِنَا کَلَالَ الرِّیَاضَۃِ وَثِقَلَ وَطْیِ اللَّیَالِیْ وَسَھِّلْ عَلَیْنَا تَحَمُّلَ اَعْمَالِ الْمَسْنُوْنَۃِ وَاجْعَلْنَا مَسْرُوْرِیْنَ بِالنَّوَالِ بِحُرْمَۃِ الْمُقْبِلِ عَلَی اللّٰہِ وَلِمَا سِوَاہُ نَاسٍ قُطْبِ الْاَتْقِیَاءِ سَیِّدِنَا الشَّیْخِ بَابَا سَمَاسِی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۵) اَللّٰھُمَّ یَا خَالِقَ کُلِّ شَیْءٍ وَیَا مُصَوِّرُ نَقِّشْ عَلٰی قُلُوْبِنَا اِسْمَ ذَاتِکَ اللّٰہُ بَلِ التَّجَلِّی الْمُعَرَّاۃَ عَنِ الْجِھَاتِ السِّتَّۃِ وَاکْتُبْ تَحْتَہٗ اِسْمَ حَبِیْبِکَ مُحَمَّدٍ لِیَکُوْنَ نَقْشُھُمَا مُتَّصِلًا کَقَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی فَاِذًا یَتِمُّ ذِکْرُکَ وَاجْعَلْنَا مِنَ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ عَنْ قُلُوْبِھِمْ ذِکْرَ اللّٰہِ بِحُرْمَۃِ مَنْبَعِ الْمَعَارِفِ وَالْکَمَالِ رَئِیْسِ السَّادَاتِ اَلسَّیِّدِ اَمِیْر کُلَال رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۶) اَللّٰھُمَّ یَا دَائِمُ بِلَازَوَالٍ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا عَلٰی طَرِیْقِ الْحَقِّ وَاسْلُکْ بِنَا سُلُوْکَ الْاولیاء وَاھْدِنَا وَذُرِّیَّاتِنَا وَجَمِیْعَ مُتَعَلِّقِیْنَا سُبُلَ الصّٰلِحِیْنَ وَاجْعَلْنَا مِنَ الَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْکَ وَاِنَّکَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ بِحُرْمَۃِ اِمَامِ الطَّرِیْقَۃِ غَوْثِ الْخَلِیْقَۃِ بَدْرِ الْمِلَّۃِ وَالدِّیْنِ ذِی الْفَیْضِ الْجَارِیِّ وَالنُّوْرِ السَّارِیِّ سَیِّدِنَا مُحَمَّدِبْنِ مُحَمَّدِ الْبُخَارِیِّ الْاُوَیْسِیِّ الْمَعْرُوْفِ اَلشَّاہِ نَقْشبَنْدِ وَخَواجِہِ مُشْکِلْکُشَا رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۷) اَللّٰھُمَّ یَا مُطْلِقَ الْاَسِیْرِ حَرِّرْ رِقَابَنَا عَنْ رِقِّ الْعِصْیَانِ وَالْغَوَایَۃِ وَاَعْتِقْ قُلُوْبَنَا عَنْ قَیْدِ الطَّوَاغِیْتِ کَمَا اَعْتَقْتَ سَیِّدِنَا یُوْسُفَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَنْ رِقِّ الْعُبُوْدِیَّۃِ وَارْزُقْنَا خَیْرَ الدَّارَیْنِ وَارْزُقْنَا رِزْقًا کَرِیْمًا وَّاسِعًا لِّخِدْمَۃِ عِبَادِکَ الصّٰلِحِیْنَ بِحُرْمَۃِ مِفْتَاحِ خَزَائِنِ الْاَسْرَارِ

قُطْبِ الْاَقْطَابِ سَيِّدِنَا الشَّيْخِ مُحَمَّدِنِ الْبُخَارِی اَلْمَعْرُوْفِ بِعَلَاءُ الدِّیْنِ الْعَطَّارِیْ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۸) اَللّٰھُمَّ یَا وَلِیَّ الْاولیاءِ اِزْھَدْنَا فِی الدُّنْیَا وَتَوَلَّنَا فِی مَنْ تَوَلَّیْتَ فِی الْاُوْلٰی وَالْاُخْرٰی وَاجْعَلْ ذَاتَکَ الْکَرِیْمِ وِجْھَۃً لَّنَا لِنُوَلِّیَھَا کَمَا قُلْتَ وَلِکُلٍّ وِّجْھَۃٌ ھُوَ مُوَلِّیْھَا لِنَسْتَبِقَ الْخَیْرَاتَ بِحُرْمَۃِ الْمَوْرِدِ لِتَوَاتُرِ عِنَایَاتِ البَارِی مَوْلَانَا سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ یَعْقُوْبِ الْچَرْخِیِّ الْحِصَارِی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۹) اَللّٰھُمَّ یَا جَاعِلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرِ صَقِّلْ قُلُوْبَنَا لِتَکُوْنَ کَالدُّرَرِ الْغُرَرِ وَاَذِقْنَا لَذَّۃَ الذِّکْرِ وَحَبِّبْ اِلَیْنَا ذِکْرَکَ لِنَکُوْنَ مِصْدَاقَ وَاذْکُرْ رَّبَّکَ اِذَا نَسِیْتَ بِحُرْمَۃِ مُرَوِّجِ الدِّیْنِ وَمُقَوِّیِ الْمَشْرَبِ النَّقْشْبَنْدِی قُطْبِ الْاولیاءِ سَیِّدِنَا الشَّیْخِ عُبَیْدِ اللّٰہِ الْاَحْرَارِ السَّمَرْقَنْدِیِّ الْمَعْرُوْفِ بِخَوَاجہ اَحْرَار رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۲۰) اَللّٰھُمَّ یَا بَدِیْعَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ اَطِقْنَا اَنْ نَکُوْنَ مِنَ الصَّادِقِیْنَوَ مَکِّنَّا فِیْ صُفُوْفِ الْعَارِفِیْنَ وَاجْعَلْنَا مِمَّنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ وَزِدْنَا ھُدًی بِحُرْمَۃِ الرَّاکِعِ السَّاجِدِ شَیْخِ الْمَشَائِخِ مَوْلَانَا سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ زَاھِدٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۲۱) اَللّٰھُمَّ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ اَقِمْنَا عَلٰی طَاعَتِکَ وَطَاعَۃِ نَبِیِّکَا وَعَامِلْنَا عَلٰی شَاکِلَتِکَ وَصَیِّرْنَا بَاقِیْنَ بِذَاتِکَ الْعَظِیْمِ فِیْ حَرَمِ رَءُوْفٍ رَّحِیْمِ الَّذِیْ یَذْکُرُکَ فِیْ کُلِّ وَقْتٍ وَحِیْنٍ بِحُرْمَۃِ الْمُکَرَّمِ الْمُجَدِّدِ شَیْخِ الْمَشَائِخِ مَوْلَانَا دَرْوِیْش مُحَمَّدٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۲۲) اَللّٰھُمَّ یَا مُحْیِیَ اَحْیِ قُلُوْبَنَا حَیَاۃً طَیِّبَۃً وَّجَدِّدْ اِیْمَانَنَا فِیْ کُلِّ لَمْحَۃٍ وَاَصْلِحْ اَعْمَالَنَا وَاَدْخِلْنَا فِی الرَّبَّانِیِّیْنَ وَاَفِضْ عَلَیْنَا مِنْ فُیُوْضَاتِ الْقَیُّوْمِیَّۃِ وَاَرِنَا مَنَاھِجَ تَجْدِیْدَاتِ الرَّبَّانِیْ بِحُرْمَۃِ الْمَوْلَی الْکَرِیْمِ السُّنِّیِّ مَوْلَانَا خَوَاجگی السَّمَرْقَنْدِی الْاَمْکَنْکِی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۲۳) اَللّٰھُمَّ یَا مُنْقِذَ الْھَلْکٰی وَیَا مُنْجِیَ الْغَرْقٰی اَخْرِجْنَا مِنْ ظُلُمٰتِ الْوَھْمِ وَاَکْرِمْنَا بِنُوْرِ الْفَھْمِ وَالْیَقِیْنِ وَاحْفَظْنَا مِنْ مَّکَائِدِ الشَّیْطٰنِ وَشَرِّ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَاٰتِنَا الْعُرْوَۃَ الْوُثْقٰی لِنَسْتَمْسِکَ بِھَا مَحْیَانَا وَمَمَاتَنَا بِحُرْمَۃِ الْقُطْبِ الَّذِیْ لِصَھْبَاءِ الْحُبِّ الذَّاتِیْ ھُوَ السَّاقِیْ مُؤَیِّدِ الدِّیْنِ الرَّضِی سَیِّدِنَا الشَّیْخِ مُحَمَّدِنِ الْبَاقِی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۲۴) اَللّٰھُمَّ یا مُتَمِّمَ نِعْمَتِکَ عَلٰی اَھْلِ الْاِسْلَامِ ثَبِّتْنَا عَلٰی عَقِیْدَۃِ اَھْلِالسُّنَّۃِ وَالْجَمَاعَۃِ مُخْلِصِیْنَ لَکَ الدِّیْنَ مَعَ الْحُجَّۃِ وَالْبُرْھَانِ سَاعِیْنَ فِی الْعِبَادَۃِ حُنَفَآءِلِحُصُوْلِ الْاِحْسَانِ وَاِقَامَۃِ دِیْنِ الْقَیِّمَۃِ وَحَصُوْلِ اَعْلٰی اَسْرَارِ السُّلُوْکِ وَدَقَائِقَ الْعِرْفَانِ مَعَ الْعَافِیَۃِ وَالْعَفْوِ وَالْاِیْقَانِ بِحُرْمَۃِ قُطْبِ الْمَدَقِّقِیْنَ وَغَوْثِ الْمُحَقِّقِیْنَ مَظْھَرِ الْعَجَائِبِ وَمَنْبَعِ الْاَسْرَارِ وَالْمَعَانِیْ وَوَاقِفِ تَاْوِیْلِ مُتَشَابِھَاتِ الْکِتَابِ وَ اَسْرَارِ الْمُقَطَّعَاتِ الْقُرْآنِیَّۃِ بِالْعِلْمِ الْوَھْبِیِّ اللَّدُنِیِّ وَکَانَ مُجَدِّدًا لِلْاَلِفِ الثَّانِی سَیِّدِنَا وَاِمَامِنَا الشَّیْخِ اَحْمَدَ الْفَارُوْقِی السَّرْھِنْدِی الْمَعْرُوْفِ الْاِمَامِ الرَّبَّانِیِّ الْمُجَدِّدِ لِلْاَلْفِ الثَّانِی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی وَرَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَاَرْضَاہُ۔

(۲۵) اَللّٰھُمَّ یا حَلَّ الْمُشْکِلَاتِ حَلِّلْ مُشْکِلَاتِنَا وَاجْعَلْنَا مُطِیْعِیْنَ لِسُنَّۃِ نَبِیِّکَ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم عَامِلِیْنَ عَلٰی شَرِیْعَتِہٖ مُشِیْعِیْنَ فِیْ تَرْوِیْجِھَا وَتَبْلِیْغِھَا اَدَاءً لِحَقِّ الْبَلَاغِ بِحُرْمَۃِ مَظْھَرِ النُّوْرِ اَمِیْنِ السِّرِ الْمَکْتُوْمِ شَیْخِ الْمَشَائِخِ الْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ مَعْصُوْمِ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ۔

(۲۶) اَللّٰھُمَّ یا مَانِعَ بُعْدٍ عَنْ قُلُوْبِنَا غَفْلَۃً وَّارْزُقْنَا سَلَامَۃً مِّنْ کُلِّ مَا یَشْغَلُنَا عَنْ مَّعْمُوْلَاتِنَا الْاَوْرَادِیَّۃِ وَاحْفَظْنَا مِنْ وَّسَاوِسِ الشَّیْطٰنِ وَالْاَوْھَامِ السَّاتِرَۃِ لِلْقُلُوْبِ عَنْ مُطَالَعَۃِ الْغُیُوْبِ طَغٰی بِحُرْمَۃِ الْمُسْتَغْرَقِ فِیْ لُجَّۃِ بَحْرِ حَقِّ الْیَقِیْنِ سُلْطَانِ الْاولیاءِ سَیِّدِنَا الشَّیْخ مُحَمَّد صِبْغَۃُ اللّٰہِ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ۔

(۲۷) اَللّٰھُمَّ یا مُعْطِیْ اَوْصِلْنَا اِلٰی غَایَۃِ طَرِیْقِ الْوَاصِلِیْنَ اِلٰی حَضْرَتِکَ وَنِھَایَۃِ مَسَاکِنِ الْعَاکِفِیْنَ عِنْدَ مَقْعَدِ صِدْقٍ وَّفِّقْ وُسْعَتِنَا وَاَجِبْدَعَوَاتِنَا وَاقْضِ حَاجَاتِنَا بِحُرْمَۃِ الْمُشَرَّفِ بِالتَّجَلِّی الذَّاتِی وَالصِّفَاتِی وَالشُّئُوْنِی الشَّیْخ مُحَمَّد اِسْمَاعِیْل اَلْمَعْرُوْف بِاِمَامِ الْعَارِفِیْنَ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ۔

(۲۸) اَللّٰھُمَّ یَاوَلِیَّ الْوَلَاءِ وَیَا کَاشِفَ الضُّرِّ وَالْبَلَاءِ اِکْشِفْ عَنَّا غِلَافَ الْکَسْلِ وَثِقْلَ النَّوْمِ وَاجْعَلْنَا مِصْدَاقَ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءِ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ بِحُرْمَۃِ قُطْبِ الْوَقْتِ وَشَمْسِ الْوِلَایَۃِ سَیِّدِنَا الشَّیْخ غُلَام مُحَمَّد مَعْصُوْم اَلْمَعْرُوْف بِالْمَعْصُوْمِ الثَّانِی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ۔

(۲۹) اَللّٰهُمَّ یَا مُفَضِّلَ اَحْبَابِکَ بِکَمَالَاتِ الْفَاضِلَةِ وَیَا مَنْ یَزِیْدُ قُرْبَهُمْ بِمَرَاقِبَاتِهِمُ الْکَامِلَةِ بِفَضْلِکَ یَا ذَا الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ فَضِّلْنَا عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْتَ تَفْضِیْلًا وَ اَدْخِلْنَا فِیْ اَهْلِ الْفَضْلِ بِحُرْمَةِ قُطْبِ الْاَقْطَابِ وَ الْاولیاءِ جَامِعِ الْکَمَالِ الصُّوْرِیِّ وَ الْمَعْنَوِیِّ السَّیِّدِ اَلشَّاه غلام مُحَمَّدِ اَلْمَعْرُوْف بِقُدْوَةِ الْاَوْلِیَآءِ رَحِمَهُ اللّٰہُ تَعَالٰی۔

(۳۰) اَللّٰهُمَّ یَا مَنْ اِرَادَتُهٗ صِفَتُهُ الْاَزَلِیَّةُ اَرَدْنَا رِضَاکَ فَارْضِ عَنَّا وَ ارْضِعَنَّا نَبِیَّنَا رَسُوْلَکَ الْمُصْطَفٰی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَ سَلَّم وَ اَرْضِنَا بِرِضَاکَ وَ اَقِمْنَا فِی رِضَاکَ لِاَنَّ مَنْ رَضِیْتَ عَنْهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا بِحُرْمَةِ قَیُّوْمِ الزَّمَانِ الَّذِیْ هُوَ فِی الْحَقِیْقَةِ وَ الْمَعْرِفَةِ وَحِیْدٌ حَاجِی الْحَرَمَیْنِ الشَّرِیْفَیْنِ سَیِّدِنَا الشَّیْخ صَفِیِّ اللّٰہِ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ۔

(۳۱) اَللّٰهُمَّ یَا قَدِیْمَ الْاِحْسَانِ وَیَا مَنْ اِحْسَانُهٗ فَوْقَ کُلِّ اِحْسَانٍ اَحْسِنْ اِلَیْنَا بِاِحْسَانِکَ الْقَدِیْمِ اَنْزِلْ عَلَیْنَا اَنْوَارَ مَرْتَبَةِ الْاِحْسَانِ وَ اجْعَلْنَا مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ بِحُرْمَةِ مَحْبُوْبِ السُّبْحَانِ غَوْثِ الزَّمَانِ الَّذِیْ کَانَ فِیْ عَصْرِهٖ وَ اَوَانِهِ الْفَرِیْد شَاه مُحَمَّد ضِیَائُ الْحَقِّ اَلْمَعْرُوْف بِحَضْرَت شَهِیْد رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ۔

(۳۲) اَللّٰهُمَّ یَا مُنَزِّلَ رُوْحِ الْقُدُسِ اَیِّدْنَا بِهٖ وَرَوِّحْ اَرْوَاحَنَا بِرَاحَةِ عِشْقِ سَیِّدِ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ مَحْبُوْبِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اوَ اجْعَلْنَا فَائِزِیْنَ بِرُؤْیَةِ جَمَالِهٖ مَنَامًا ثُمَّ یَقْظَةً کَمَا قَالَ امَنْ رَّئٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَسَیَرَانِی فی الْیَقْظَةِ بِحُرْمَةِ مَعْدَنِ اَسْرَارِ الْحَقِیْقَةِ قُطْبِ دَائِرَةِ الْاِرْشَادِ مَقْبُوْلِ اللّٰہِ الصَّمَدِ الْقَوِیِّ حَاجِی الْحَرَمَیْنِ الشَّرِیْفَیْنِ اَلسَّیِّد شاہ ضِیَاء عرف سَیِّدِ نَا میاں جی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ۔

(۳۳) اَللّٰهُمَّ یَا فَاتِحُ وَیَا خَیْرَ الْفَاتِحِیْنَ وَیَا مُفَتِّحَ الْاَبْوَابِ اِفْتَحْ لَنَا اَبْوَابَ قُرْبِکَ وَ اجْعَلْنَا مِنْ اَهْلِ الْفُتُوْحَاتِ وَ اجْعَلْ لَطَائِفَنَا مُنَوَّرَاتٍ بِنُوْرِ الذِّکْرِ وَ اجْعَلْ مَشَائِخَنَا وَسَائِلَنَا لِحُصُوْلِ فَیْضِ التَّجَلِّیَاتِ لَا سِیَّمَا فَیْضِ شَانِ الْجَامِعِ وَ التَّجَلِّی الذَّاتِی الدَّائِمِی وَ اجْعَلْنَا رَبَّنَا مِنْ اَهْلِ سُلْطَانِ الذِّکْرِ وَ اَصْحَابِ الْوَصْلِ الْعَرْیَانِ بِحُرْمَةِ غَوْثِ الْاَکْمَلِ وَ الْفَرْدِ الْاَجَلِ مَخْزَنِ الْاَسْرَارِ الْاِلٰهِیَّةِ وَمَعْدَنِ الْاَنْوَارِ اللَّامُتَنَاهِیَّةِ (بِمَعْنٰی لَاتَقِفُ عِنْدَ حَدٍّ) اَلْمُقْبِلِ عَلٰی مَوْلَاهُ الْمُعْرِضِ عَمَّنْ

سِوَاہ سُلْطَانِ اَھْلِ الْجَذْبَةِ وَ السُّلُوکِ سَیِّدِنَا اَلشَّیْخ شَمْسُ الْحَقْ اَلْمَعْرُوف حَضْرَتْ صَاحِبِ الْکَوْھِسْتَانِی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۳۴) اَللّٰھُمَّ یَا رَازِق ارْزُقْنَا الصِّدْقَ وَ الصَّفَا وَ الْبِرَّ وَ الضِّیَاءِ وَ الشُّکْرَ وَ الْحَیَاءِ وَ اَدْخِلْنَا فِیْ زُمْرَةِ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ اجْعَلْنَا مِنَ الصَّادِقِیْنَ بِحُرْمَةِ شَیْخِ الْعَالَمِ قُطْبِ الْاَقْطَابِ قِبْلَةِ اَھْلِ الْعِرْفَانِ وَ کَعْبَةِ اَصْحَابِ الْاِیْقَانِ غَوْثِ الثَّقَلَیْنِ الْمُسْتَضِیْءِ مِنَ الْکِتَابِ وَ السُّنَّةِ بِمِصْبَاحَیْنِ السَّیِّد الشَّاہ رَسُوْلِ الطَّالَقَانِی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۳۵) اَللّٰھُمَّ یَا رَازِق ارْزُقْنَا الصِّدْقَ وَ الصَّفَا وَ الْبِرَّ وَ الضِّیَاءِ وَ الشُّکْرَ وَ الْحَیَاءِ وَ الْعَفْوَ وَ الْعَافِیَةَ وَ الْیَقِیْنَ وَ اَدْخِلْنَا فِیْ زُمْرَةِ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ اجْعَلْنَا مِنَ الصَّادِقِیْنَ بِحُرْمَةِ رَئِیْسِ الْاولیاءِ سُلْطَانِ الْاَصْفِیَاءِ قُطْبِ الْاِرْشَادِ وَ غَوْثِ الْاَفْرَادِ حَامِی الشَّرِیْعَةِ مُرَوِّجِ الطَّرِیْقَةِ مَظْھَرِ الْحَقِیْقَةِ ھَادِی الْخَلِیْقَةِ مَنْظُوْرِ عَیْنِ اللہِ الْقَوِیِّ مَنْبَعِ الْعِشْقِ الْحَقَّانِی حَضْرَتْ مَوْلَانَا مُحَمَّد ھَاشِمِ السَّمَنْجَانِی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۳۶) اَللّٰھُمَّ یَا غِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ اَغِثْنَا وَ اسْقِنَا مِنْ غَیْثِ غَوْثِ الْاَغْوَاثِ وَ رَوِّنَا مِنْ زُلَالِ بَحْرِہِ الْاَبْحُرِ وَ اَشْرِقْ صُدُوْرَنَا بِنُوْرِ الْھُدٰی وَ التُّقٰی بِحُرْمَةِ حُجَّةِ الْعُرَفَاءِ الْکَامِلِیْنَ وَ قُدْوَةِ الْعُلَمَآءِ الرَّاسِخِیْنَ وَ قُطْبِ الْمُحَقِّقِیْنَ وَ نَائِبِ رَسُوْلِ اللہِ ا فِی الْاَرْضِیْنَ بَحْرِ الْمُدَقِّقِیْنَ وَ مُرْشِدِ عِبَادِ اللہِ فِی الْعٰلَمِیْنَ وَ مَخْزَنِ اَسْرَارِ الْاِلٰھِیَّةِ وَ مُزَیِّنِ اَطْوَارِ النَّقْشْبَنْدِیَّةِ بَلِ السَّلَاسِلِ الْاَرْبَعَةِ الْمَعْرُوْفَةِ الْمُتَحَلّی بِالْحَقَائِقِ الْغَرِیْبَةِ الْقُدْسِیَّةِ وَ الْمُنْفَرِدِ الْوَاصِلِ اِلٰی اَقْصٰی مَرَاتِبِ الْوَلَایَةِ وَ الْمُتَحَقِّقِ بِکَمَالَاتِ الْاَصَالَةِ وَ الْفَرْدِ الْکَامِلِ الْعَامِلِ بِالشَّرِیْعَةِ الْمُحَمَّدِیَّةِ وَ الْاِنْسَانِ الْعَامِلِ شَیْخِنَا وَ اِمَامِنَا وَ ھَادِیْنَا صَاحِبِ الْوَقْتِ قَیُّوْمِ الزَّمَانِ قُطْبِ الْاِرْشَادِ مُجَدِّدِ الْعَصْرِ الْحَاضِرِ حضرت آخوندزادہ سَیِّدِنَا سَیْفِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ الْقَارِیْ سَرْفِرَاز خان النَّقْشْبَنْدِی الْجِشْتِیِّ الْقَادِرِیِّ السُّھْرَوَرْدِیِّ الْمُجَدِّدِیِّ الْھَاشِمِیِّ الْحَنَفِیِّ الْمَاتُرِیْدِیِّ قَدَّسَنَا اللہُ سُبْحَانَہٗ وَ تَعَالٰی بِسِرِّہِ الْاَقْدَسِ حَتّٰی یَصِلُوْا سَائِرَ الْمُسْتَرْشِدِیْنَ اِلٰی مَرَامِہٖ وَ اَقْصٰی مَرَاتِبِہٖ وَ یُدْرِکُوْا عَامَّةً مِنْ عُلُوِّ مَقَاصِدِہٖ مَا یَتَمَنَّاہُ آمِیْنَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

(۳۷) اَللّٰھُمَّ یَا ذَاالْجُوْدِ وَ الْعَطَاءِ وَ یَا غَافِرَ الذَّنْبِ وَ الْخَطَاءِ اِغْفِرْ لِسَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا حَضْرَتِ اَلْعَلَّامَۃ اَلْفَھَّامَۃ اَلْفَخَّامَۃ خَادِمِ اَھْلِ السُّنَّۃِ وَ الْجَمَاعَۃِ وَ الْخَلِیْفَۃِ الْمُطْلَقِ لِھٰذَا الشَّیْخِ الْاَعْظَمِ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی عَاشِقِ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَ سَلَّمَ وَ مُحِبِّ الْاَوْلِیَآءِ وَ الْعُلَمَآءِ الرَّبَّانِیِّیْنَ صَاحِبِ الْاَخْلَاقِ الْحَسَنَۃِ وَ الْجُوْدِ وَ الْاِخْلَاصِ وَ الشَّجَاعَۃِ وَ التَّوَاضُعِ وَ الْاَوْصَافِ الْجَمِیْلَۃِ لِلْاَوْلِیَآءِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا الْمُفْتِی الْعَلَّامَۃِ اَلسَّیِّدُ اَحْمَدُ عَلِیْ شَاہُ اَلْحَنَفِیْ اَلْمَاتُرِیْدِیْ اَلسَّیْفِیْ اَطَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی حَیَاتِہٖ وَ اجْعَلْہُ وَ اَوْلَادَہٗ وَ اَھْلَہٗ وَ اِخْوَانَہٗ الْمُسْلِمِیْنَ وَ السَّالِکِیْنَ مِنَ الْمُسْتَمْسِکِیْنَ بِاَذْیَالِ اَھْلِ الْبَیْتِ وَ بِحَبْلِ الْاَوْلِیَآءِ الْکَامِلِیْنَ الْوَاصِلِیْنَ الْمُتَوَسِّلِیْنَ وَ الْاٰخِذِیْنَ بِرِدَاءِ اَحَبِّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی اَلَّذِیْ لَوْ لَاہُ لَمَا خَلَقَ الدُّنْیَا وَ ضَرَّتَھَا وَ لَا الْجَنَّۃَ وَ لَا النَّارَ ا اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَ ارْزُقْنَا حُبَّہٗ ا وَ حُبَّ اَھْلِہٖ وَ آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَ اَتْبَاعِہٖ وَ وَرَثَتِہٖ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ وَ الْعَمَلَ بِسُنَّتِہٖ وَ سُنَّتِھِمْ وَ الْاِسْتِقَامَۃَ عَلٰی ھَدْیِہٖ وَ ھَدْیِھِمْ وَ ارْزُقْنَا شَفَاعَۃَ الْاَمِیْنِ الْمَکِیْنِ عِنْدَکَ فِی الدُّنْیَا وَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اٰمِیْن یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ۔

مَوْلَایَ صَلِّ وَ سَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا　　عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

وَ آخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

مناجات کہ انتساب او بامام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اِلٰھِیْ کَمْ رَکِبْتُ عَلَی الْخَطَایَا　　فَھَبْ لِیْ تَوْبَتاً قَبْلَ الْمَنَایَا

نَدِمْتُ نَدَامتاً اَرْجُوْ اِلَیْکَ　　سَتَغْفِرُ ذَلَّتِیْ رَبِّ الْبَرَایَا

اِلٰھِیْ مَا عَصَیْتُکَ مِنْ عِنَادٍ　　وَ لٰکِنْ شَقْوَتِیْ بَلَغَتْ مَنَایَا

اُحِبُّ الصَّالِحِیْنَ وَ لَسْتُ مِنْھُمْ　　لَعَلَّ اللّٰہَ یَرْزُقُنِیْ صَلَاحاً

صَرَفْتُ الْعُمْرَ فِی لَھْوٍ وَ لَعْبٍ　　فَآھَاثُمَّ آھَاثُمَّ آھَا

مناجات کہ انتساب او بامام الشافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اِلٰھِیْ عَبْدُکَ الْعَاصِیْ اَتَاکَ　　مُقِرٌّ بِالذُّنُوْبِ وَ قَدْ دَعَاکَ

صَرَفْتُ الْعُمْرَ فِیْ لَھْوٍ وَّ لَعْبٍ　　سَبِیْلِیْ صِرْتَ خَالٍ عَنْ رِّضَاکَ

اِلٰهِیْ لَاۤ اِلٰهَ سِوَاکَ فَارْحَمْ
عَلٰی مَنْ لَّا رَحِیْمَ لَهٗ سِوَاکَ

وَ جَائِکَ تَائِبًا یَرْجُوْ رِضَاکَ
یُجَاوِزُ عَنْ ضَعِیْفٍ قَدْ جَفَاکَ

فَاِنْ تَغْفِرْ فَاَنْتَ لِذَالِکَ اَهْل"
وَاِنْ تَطْرُدْ فَمَنْ یَّرْحَمْ سِوَاکَ

فَاِنْ اَکُ یَا مُهَیْمِنُ قَدْ عَصَاکَ
فَلَمْ اَسْجُدْ لِمَعْبُوْدٍ سِوَاکَ

حَرَّرَهُ اَلْحَافِظ اَلْفَقِیْر اَلسَّیِّدُ عَبْدُ الْحَقْ شَاه اَلْحَنَفِی اَلتِّرْمِذِیْ اَلْمَاتُرِیْدِی اَلسَّیْفِی الْسُّوَاتِیْ
بن سید احمد علی شاہ الحنفی الترمذی الماتریدی السیفی

حررہ:

العبد الفقیر السید احمد علی شاہ ترمذی حنفی سیفی

حال فقیر کالونی اورنگی ٹاؤن

جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ